جلد اوّل

مقالات سیرت نبوی ﷺ

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس
منعقدہ 11-13 فروری 2000ء

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مقالات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس

منعقدہ ۱۱-۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر

زیر اہتمام

سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سلسلہ اشاعت نمبر 9

اشاعت .... اوّل 2005ء

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

زیراہتمام .... سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فہرست

حصہ اوّل

(الف) سیرت نگاری کا منہج/اجتہاد کے مختلف پہلو

(ب) سیرت نبوی کے فراموش گوشے / مخطوطات

بسم الله الرحمن الرحیم

تقدیم

الحمد لله رب العٰلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین

ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم (البقرہ : ۱۲۹)

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (آل عمران: ۱۶۴)

ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (الاعراف: ۱۸۷)

سرزمین بہاولپور علم وحکمت کی درخشاں روایات کی امین رہی ہے بالخصوص اسلامی علوم کی ترویج کے سلسلے میں یہ خطہ منفرد ہے۔والیان ریاست عباسی خاندان کی علم دوستی نے ان علوم کی ترقی اور پیش رفت کو تسلسل بخشا جس کے نتیجہ میں 1925ء میں جامعہ عباسیہ کی بنیاد رکھی گئی۔اس جامعہ میں جامعہ الازہر کی طرح قرآن وتفسیر اور حدیث وفقہ کے علاوہ دیگر جدید علوم کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔ 1951ء میں سید سلیمان ندویؒ کی سربراہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرز پر جدید وقدیم علوم کے امتزاج سے جامع نصاب مرتب کیا گیا۔1963ء میں عربی زبان وادب اسلامی تاریخ اور علوم اسلامیہ میں تدریس تخصص کے اعلیٰ درجے تک ہونے لگی۔آج کی اسلامیہ یونیورسٹی دراصل جامعہ عباسیہ کی ارتقاء یافتہ شکل ہے۔اسلامیہ یونیورسٹی نے جامعہ عباسیہ اور جامعہ اسلامیہ کی دینی اساس سے اپنا رشتہ برقرار رکھا ہے یہاں علوم اسلامیہ کو ابتداء ہی سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔

اسلامی تشخص اور تفرد کے پیش نظر اس یونیورسٹی میں سیرت چیئر قائم کی گئی۔ سیرت چیئر کا باقاعدہ قیام ۱۹۸۷ء میں عمل میں آیا، اس کی حیثیت سیرت کے میدان میں ریسرچ سیل کی سی ہے۔ اس چیئر کے قیام کا مقصد محمد رسول اللہ ﷺ کے ابدی اور آفاقی پیغام کو انسانی فلاح بہبود کے لیے عام فہم بنانا ہے تا کہ اکیسویں صدی کا یہ مسائل میں گھرا ہوا انسان اپنے مسائل کا حل سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ڈھونڈ سکے۔

۱۹۹۱ء میں جب مجھے سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے نگران کی ذمہ داری سونپی گئی تو میری یہ اولین کوشش رہی ہے کہ سیمینارز اور کانفرنسز کے ذریعے نہ صرف طالب علموں بلکہ عام لوگوں تک محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا پیغام پہنچایا جائے جس سے لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے زندہ جاوید اور متحرک اصول وضوابط آج بھی دکھی انسانیت کے مصائب وآلام کا مکمل مداوا ہیں۔

اس سلسلہ میں سیرت چیئر جدید تحقیقی انداز میں اپنے فرائض بحسن خوبی سرانجام دے رہی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً طالب علموں کے درمیان تقریری وتحریری مقابلوں اور سیمینارز کا اہتمام کرتی رہتی ہے جس میں ملکی اور غیر ملکی سکالرز کے خطبات اور مقالات کے ذریعے طلباء کی ذہنی کی آبیاری کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت چیئر کے زیر اہتمام علمی وتحقیقی ۸ کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سیمینارز اور کانفرنسز میں سیرت چیئر کو اسلامیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کا اعزاز حاصل ہے۔

سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان کی دیگر جامعات کی سیرت چیئرز سے بایں طور ممتاز ہے کہ اس میں دو بین الاقوامی سیرت کانفرنسز منعقد ہوئیں پہلی ۲۰۰۰ء میں اور دوسری ۲۰۰۴ء میں منعقد ہوئی۔ ان سیرت کانفرنسز کے ذریعے سیرت نبوی ﷺ سے متعلق موضوعات پر خالصتاً علمی اور تحقیقی انداز میں مقالات پیش کیے گئے جن میں سیرت نبوی کے مختلف گوشوں پر نئے نئے اسالیب اور جدید سائنٹفک انداز میں روشنی ڈالی گئی۔ یہ کانفرنسز سرزمین بہاول پور کی تاریخ میں ہمیشہ یادر ہیں گی۔

پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں جب میں نے دنیا بھر سے اہل علم و دانش سے رابطہ کیا تو میری اس دعوت پر سب نے لبیک کہا اور دور دراز کا سفر طے کر کے اس پروگرام میں ۷۰ کے لگ بھگ مندوبین نے شرکت کی۔ان میں ملکی سکالرز کے علاوہ برطانیہ، شام، کویت اور ہندوستان کی ممتاز اور مایہ ناز علمی شخصیات تشریف لائیں۔ان میں سے چند معروف سکالرز کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

- پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد سعید الباذنجکی ندوی، ڈائریکٹر اسلامک سنٹر مانچسٹر (برطانیہ)۔
- پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی، پریذیڈنٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد،
- پروفیسر ڈاکٹر مظہر یٰسین صدیقی، یونیورسٹی آف علی گڑھ انڈیا
- پروفیسر ڈاکٹر جمشید عالم ندوی، انڈیا
- پروفیسر ڈاکٹر سرور عالم ندوی، انڈیا۔
- پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد الرصفی، کویت یونیورسٹی کویت۔
- پروفیسر ڈاکٹر عبدالنبی اسطیف، دمشق یونیورسٹی، شام۔
- پروفیسر ڈاکٹر رضا مصطفیٰ سبزواری، ڈائریکٹر کلچرل کونسلر آف ایران۔
- ڈاکٹر محمد مہدی توسلی، ڈائریکٹر آف ایران پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پرشین اسلام آباد۔
- پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ۔
- پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور۔
- پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد۔
- پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔
- پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اشرف، سول سروسز اکیڈمی، لاہور
پروفیسر ڈاکٹر نصیر اختر، کلیہ علوم اسلامیہ جامعہ، کراچی۔
پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
پروفیسر عبدالجبار شاکر، ڈائریکٹر پنجاب پبلک لائبریریز لاہور۔
پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ ولینگویجز، پشاور یونورسٹی پشاور۔
ڈاکٹر محمود الحسن عارف، صدر دائرہ معارف اسلامی، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی شیخ ڈائریکٹر لینگویجز، سندھ یونیورسٹی، جامشورو حیدرآباد۔
پروفیسر میاں عبدالمجید، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، بوسن روڈ، ملتان
نامور سکالر مولانا محمد شریف حصاری، کراچی
پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس زبیر، چیئرمین شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو، ڈین علوم اسلامیہ جامشورو یونیورسٹی، حیدرآباد

اختتام کانفرنس پر ارباب علم وفضل کی خواہش سامنے آئی کہ اس کانفرنس میں پیش کئے جانے والے مقالات کو کتابی صورت میں اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ تو اس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد خان نے اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقدہ 11-13 فروری 2000ء میں شریک بین الاقوامی شہرت کے حامل اہل علم ودانش کے علمی اور تحقیقی مقالات کتابی شکل میں پیش کررہی ہے۔ یہ مقالات بہت پہلے آپ کی خدمت میں پیش ہوجاتے مگر اشاعتی ادارے کی طرف سے کمپوز شدہ رف پرنٹ تاخیر سے مہیا کیا گیا اس کے علاوہ بار بار کی تصحیح کے باوجود

غلطیوں کی اس طرح اصلاح نہ کی گئی جس طرح انہیں ہدایت کی گئی تھی۔ بالآخر میں نے ذاتی طور پر انتہائی محنت اور توجہ کے بعد یہ کام تکمیل کو پہنچایا۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ خصوصاً ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، پروفیسر ڈاکٹر محمد گجر خان، غزل کاشمیری، ڈاکٹر شمس البصر، منیر احمد، ابرار محی الدین، سید اسرار حسین بخاری، حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد، ابوالحسن قاری شبیر احمد کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

بین الاقوامی کانفرنس کے سلسلے میں تشکیل پانے والی تمام کمیٹیوں کے ممبران کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے تمام امور میں بھرپور تعاون کیا۔

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج سمندری اور اپنے شاگرد (ڈاکٹر) محمد جاوید اختر اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس علمی کام میں میری بھرپور معاونت کی۔

المملکۃ العربیہ السعودیہ بھی شکریہ کی مستحق ہے کہ اس نے اس کانفرنس کے انعقاد میں خصوصی مالی معاونت کی۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) عزت مآب جناب خالد مقبول صاحب، گورنر پنجاب، چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی سیرت چیئر سے خصوصی دلچسپی چلی آرہی ہے دوسری عالمی سیرت کانفرنس کے موقع پر آپ نے سیرت چیئر کے لئے پچاس لاکھ روپے کی خطیر رقم کی گرانٹ کا اعلان فرمایا جو کہ آپ کی سیرت نبویہ سے عقیدت کا شاہد عدل ہے اس موقعہ پر ہائر ایجوکیشن کمیشن کے خصوصی تعاون کا شکریہ ادا کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ جو سیرت چیئر کے تمام پراجیکٹس اور پروگراموں میں معاونت ثابت ہوتی ہے۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب چیئرمین ہائر ایجوکیشن کمیشن کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ آپ سیرت چیئر کے لئے ہر سال مخصوص گرانٹ میں خاطر خواہ اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔ سیرت

چیئر ان کی حسب منشا اس گرانٹ کا علمی، تحقیقی وملّی مفاد میں صرف کرنے کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دینے میں کوشاں رہتی ہے۔

میں معروف سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر منیر اختر، وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کو ان مقالات کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں سیرت نبویہ کی خدمت کی یہ سعادت ان کا نصیب ٹھہری ہے۔ ڈاکٹر صاحب سیرت چیئر کے تمام معاملات میں خصوصی تعاون فرماتے ہیں اور سیرت چیئر کے زیر اہتمام ہونے والی تقاریب میں شرکت کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ بذات خود تشریف لا کر سرپرستی فرمائیں۔

آخر میں اس کانفرنس میں شریک ہونے والے تمام اہل علم و دانش کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے دور دراز کا سفر طے کر کے اس مادر علمی کو رونق بخشی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

اظہار تشکر

وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی حیثیت سے یہ ''مقالات سیرت نبوی ﷺ'' اہل علم کی خدمت میں پیش کرنا میرے لئے ایک لازوال سعادت ہے اور یہ بات ہماری یونیورسٹی کیلئے باعث اعزاز ہے کہ پاکستان کی تمام جامعات میں سے یہ شرف 'سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کو حاصل ہے کہ ''پہلی عالمی سیرت کانفرنس 2000ء'' کا انتہائی کامیاب انعقاد کیا' اور مقالات سیرت آپ کے حضور پیش کرنے میں بھی تمام جامعات میں سرفہرست ہے۔ میں ڈائریکٹر سیرت چیئر اور ان کے رفقائے کار کو خصوصی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس بات کا اعادہ بھی باعث مسرت ہے کہ میں تمام شعبہ جات کی تحقیق کے میدان میں حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہوں۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ حوصلہ افزا ردعمل سیرت چیئر کی طرف سے ہی ملتا ہے۔ (اللھم زد فزد)

مقالات سیرت پیش کرتے وقت ہم گورنر پنجاب جناب عزت مآب لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد مقبول صاحب کے بھی شکر گزار ہیں جو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ علوم اسلامیہ اور سیرت چیئر کی خصوصی سرپرستی فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہائر ایجوکیشن کمیشن (H.E.C) اسلام آباد کے ارباب بست و کشاد بھی انتہائی شکریہ کے مستحق ہیں جو کہ سیرت چیئر کے جملہ منصوبہ جات کی خصوصی مالی معاونت فرماتے ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ میں ہمارے لیے زندگی کے تمام امور میں سب سے اعلیٰ راہنمائی کا سامان موجود ہے۔ تمام قارئین مقالات سے میری گزارش ہے کہ ''مقالات سیرت نبوی'' کے مطالعہ کے بعد اپنی زندگیوں کو اس رنگ میں ڈھالیں تاکہ ہم لوگ دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہوسکیں۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان

وائس چانسلر

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

خطبہ استقبالیہ ''بین الاقوامی سیرت کانفرنس''

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم صدر مجلس، معزز مہمانان، مندوبین سیرت کانفرنس، اساتذہ کرام اور عزیز طلباء وطالبات

السلام علیکم:

سب سے پہلے میں اللہ رب العالمین کے حضور صمیم قلب کے ساتھ شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے ہمیں یہ عظیم الشان موقع فراہم کیا کہ ہم عالمی سیرت کانفرنس جیسے مقدس وبابرکت پروگرام کے انعقاد کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے لیے یہ باعث افتخار واعزاز ہے کہ اس مادر علمی میں ہم عالم اسلام کے نامور اہل علم اور محققین کا خیر مقدم کر رہے ہیں ہم انہیں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں۔

صدر محترم! اٹھارہویں صدی کے آغاز میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے برصغیر میں جس فلسفہ اور علم وعمل کی بنیاد رکھی تھی اور بیسویں صدی کے آغاز میں حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام وفلسفہ کے ذریعے دین کی جس روح کو بیدار کیا تھا۔ علم وعمل کی اس شمع کو روشن رکھنے کے لیے ۱۹۲۵ء میں اس جامعہ کی بنیاد رکھی گئی۔ موجودہ اسلامیہ یونیورسٹی ہمارے اسلاف کے اس علمی ورثہ کی امین ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ وہ نہ صرف قدیم علمی ورثہ کو نئی نسل کے نوجوانوں کو منتقل کرے۔ ان کی ذہنی اور فکری تربیت کا اہتمام کرے بلکہ جدید علوم وفنون کو بھی علمی وتحقیقی بنیاد پر اسلامی فکر سے ہم آہنگ کر کے اپنے طلباء میں تحقیق وجستجو اور عزم وعلم کی روح بیدار کر سکے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے کلیہ علوم اسلامیہ، کلیہ علوم فنون اور کلیہ تعلیم وتربیت کام کر رہے ہیں۔ ان تمام کلیات میں اسلامی فکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس فکر کو اجاگر کرنے اور بحث وتحقیق کی شمع کو روشن رکھنے کے لیے ۱۹۸۰ء میں ہم نے عالم اسلام کے معروف دانشور اور محقق پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ کو دعوت دی تھی۔ انہوں نے سیرت طیبہ اور اسلامی علوم کے مختلف پہلوؤں پر ۱۲ خطبات دیئے جنہیں یونیورسٹی نے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ خطبات اپنے موضوع پر ایک شاہکار کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اور

پاکستان، ہندوستان سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کے ترجمے کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

۱۹۹۵ء میں اسلام کے قانون بین الممالک پر سلسلہ خطبات کا اہتمام کیا گیا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بعد ایک اور بین الاقوامی شہرت کے عالم و محقق ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کو دعوت دی۔ انہوں نے اس اہم موضوع پر ۱۲ خطبات میں اس فن کے تمام اصول و افکار کو سمو دیا۔ یہ خطبات بھی کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں اور اردو زبان میں اس موضوع پر سب سے اہم مجموعہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ خطبات بہاولپور نمبر ۲ کے سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب آج ہمارے مہمان خصوصی ہیں اور ہمارے درمیان موجود ہیں۔ آپ نے ملکی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی مصروفیات کے باوجود ہماری درخواست پر وقت نکالا اس کے لیے میں اور میرے تمام رفقاء کار آپ کے شکر گزار ہیں۔

معزز مہمانان گرامی! امت مسلمہ آج جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے اور بین الاقوامی سیاسی و معاشی پس منظر میں اس کے لیے جو مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں۔ امت مسلمہ کے دانشوروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ امت کو اس پیچیدہ صورت حال سے نکالنے میں رہنمائی کریں۔ میرے خیال میں قرآن کریم وہ واحد کتاب حکمت ہے جو ہماری ہدایت کیلئے ہمارے پاس موجود ہے اور سیرت طیبہ اس کی عملی تفسیر ہے۔ گزشتہ ۱۴۰۰ برس میں سیرت طیبہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس موضوع پر اس قدر بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ صرف سیرت پر مستقل لائبریریاں وجود میں آ چکی ہیں۔ لیکن سیرت طیبہ کا اعجاز ہے کہ جس قدر ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں اسی قدر تشنگی بڑھتی جاتی ہے اور علم و فکر کے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں یہ بھی سیرت رسول کا اعجاز ہے کہ جو لوگ اس کی غوش میں آ جاتے ہیں ان کی فکر و عمل اور قلب و روح کی دنیا بدل جاتی ہے۔ انسانی تاریخ کی اس عظیم ہستی کی تعلیمات پر غور و فکر اور انسانیت کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے ہم نے اس عالمی سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا ہے۔ نامور محققین اور اہل علم کو دعوت دی ہے کہ وہ نہ صرف سیرت طیبہ کے ان گوشوں کو اجاگر کریں جن سے نہ صرف امت مسلمہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے رہنمائی ملے بلکہ سسکتی ہوئی انسانیت کو بھی ذلت و پستی سے نکالنے کی راہ نظر آ جائے۔ مجھے امید ہے کہ یہ عالمی کانفرنس سیرت طیبہ

کی نئی جہتیں اجاگر کرنے اور علم وعمل کو رہنمائی عطا کرنے کا سبب بنے گی۔

میں ان تمام افراد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے دن رات محنت کی۔ خصوصاً سیرت چیئر کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر صاحب کا، جن کی مساعی نے اس علمی پروگرام کو ممکن بنایا۔

آخر میں، میں پھر سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔ آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو جہالت و بے عملی کی پستیوں سے نکال کر عمل و تحقیق اور دین و دنیا کی ترقی و سعادت عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خطبہ صدارت بین الاقوامی سیرت کانفرنس

* ڈاکٹر محمود احمد غازی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یہ ہم سب کے لئے انتہائی اعزاز اور شرف کی بات ہے کہ ہمیں سیرت النبیؐ کے موضوع پر اس تقریب میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ اس مبارک تقریب میں ہمیں سیرت پاک کے نئے نئے گوشوں اور پہلوؤں کے بارے میں بہت سی باتیں سننے سنانے کی سعادت حاصل ہوگی اور سیرت کے اس سبق کو دوبارہ یاد کرنے کی وہ حسین اور سعید ساعتیں میسر آئیں گی جو ہم سب کی زندگی کا حاصل ہوں گی۔

سیرت پر یہ سیمینار جو اسلامیہ یونیورسٹی میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا پہلا پروگرام ہے کہ اس میں سیرت نبویؐ سے متعلق موضوعات پر خالصتاً علمی اور تحقیقی انداز میں مقالات لکھنے کی دعوت دی گئی ہے، دنیا بھر سے مختلف ماہرین علوم اسلامیہ، اساتذہ کرام اور دانشوروں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اس میں اپنے فاضلانہ علمی و تحقیقی مقالات پیش کیے جس میں سیرت نبویؐ کے مختلف گوشوں پر نئے نئے اسالیب اور نئے نئے انداز سے روشنی ڈالی گئی۔

برادران محترم:

ہم میں بہت سوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ سیرت پر جو کچھ کام کیا جا سکتا تھا وہ متقدمین نے کر دیا ہے اور سیرت مبارکہ کے جملہ پہلوؤں پر جو تحقیق ماضی کے سیرت نگاروں نے کر دی وہ حرف آخر ہے۔ اب سیرت پر نہ کسی نئی تحریر کی ضرورت ہے نہ کسی مزید تحقیق کی گنجائش ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو یہ سمجھتے ہیں یہ اب سیرت کے جلسوں، مذاکروں اور سیرت کانفرنسوں میں سوائے جذباتی گفتگوؤں اور واعظانہ تقریروں کے کوئی نئی علمی بات کہی ہی نہیں جا سکتی۔ مجھے انتہائی ادب کے ساتھ اس رائے سے اختلاف ہے۔ آپ اساتذہ کرام مجھ سے بہت بہتر اس بات کو جانتے ہیں کہ سیرت النبیؐ وہ بحر ناپید اکنار ہے جس کے بارے

---

* رئیس الجامعہ العالمیہ الاسلامیہ اسلام آباد، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور زکوۃ وعشر، پاکستان

میں ایک محقق طالب علم کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے: یہ تو ایک ایسا مبارک اور بے پایاں علم اور ایک ایسا لامتناہی سلسلہ تحقیق ہے جس کے نئے نئے گوشے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے آتے چلے جا رہے ہیں، اسلام کی تاریخ کی گذشتہ چودہ صدیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ ہر آنے والی صدی نے سیرت پر تحقیق کے نئے باب رقم کیے ہیں۔ محققین سیرت اور مصنفین نے ایسے ایسے گوشے ہمارے سامنے پیش کئے جن کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔ بلکہ یہ خیال ہوتا تھا شاید کہ سیرت پر جتنا کام ہونا تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن جب ایک نیا مجدّد سیرت سامنے آتا ہے۔ اور سیرت کے نئے ۔نئے گوشے سامنے لاتا ہے۔ تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ابھی تو سیرت پر کام کا آغاز ہی ہوا ہے اور ابھی تو اصل کام کیا جانا باقی ہے۔

برادران محترم!

ایک زمانہ تھا، دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں، جب اربابِ سیر کی بنیادی دلچسپی یہ تھی کہ سیرت سے متعلق تمام دستیاب مواد، یعنی سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی، آپؐ کے ارشادات، آپؐ کے طرزِ زندگی اور اسوۂ حسنہ کے بارے میں وہ ساری معلومات جمع کر کے امت کے لئے محفوظ کر دیں جو امت کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے ناگزیر ہیں، یا جن کی دستیابی محققین اور مؤرخین کی ضروریات کے لئے لازمی ہے۔ یا جن سے واقفیت ایک عام مسلمان اور بالخصوص عاشقانِ رسولؐ کے لئے ذریعہ محبت و دلچسپی ہے۔

چنانچہ پہلی ہی صدی میں حضرت عروہؓ بن زبیر نے جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، اپنے دیگر ہم عصر اصحاب جستجو کے ساتھ مل کر سیرت مبارکہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی معلومات و مشاہدات کو یکجا کرنا شروع کیا۔ اسی طرح حضرت ابان بن عثمانؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے تھے اس ابتدائی تعمیر میں ہاتھ بٹایا۔ ان حضرات کے علاوہ کبار تابعین میں سے بہت سے جید اہل علم، مثلاً ابن شہاب زہری اور ان کے معاصرین نے اس مواد کے جمع کرنے میں اپنی پوری پوری زندگیاں گزار دیں اور سالہا سال ملکوں کا سفر کرنے میں صرف کئے ۔ یوں ان حضرات نے اپنی زندگیاں اور مال و دولت قربان کر کے ایک ایسا مواد اور ذخیرہ امت کے لئے محفوظ کر دیا جس پر آگے چل کر امت نے سیرت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی

جس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان حضرات نے سیرت کی ایک ایسی دلکش لائبریری اور ایک ایسا رنگا رنگ کتب خانہ امت کے سامنے پیش کر دیا جس پر آج ہم فخر کر سکتے ہیں۔ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، قاضی سلمان منصور پوری، محمد حمید اللہ، ابوالاعلیٰ مودودی، محمد عزت دروزہ، ابوالحسن علی ندوی اور اس دور کے دوسرے ہزار ہا سیرت نگار جنہوں نے اس پورے ذخیرے سے نہ صرف بھرپور استفادہ کیا ہے بلکہ اس پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ ان کی بنیاد وہی تحقیقات ہیں اور معلومات کا وہی ذخیرہ ہے جو پہلی صدی ہجری کے وسط سے لے کر دوسری صدی ہجری کے اواخر تک صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی کاوشوں سے محفوظ ہوا تھا۔ جن سعید روحوں کو اس مواد کے جمع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور جن کے طفیل یہ وقیع ذخیرہ ہم تک پہنچا وہ ہم سب کے انتہائی تشکر و امتنان کے مستحق ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ہم نہیں بلکہ پوری انسانیت ان کے احسان کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔

برادران محترم!

سیرت سے متعلق مواد جمع کرنے والوں نے صرف احادیث کے ذخیرے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے قدیم عربی ادب، اسلامی دور کی جملہ ادبیات، لغت کی کتابیں، عرب کی ضرب الامثال اور قصے کہانیوں کی کتابوں سے لے کر شعر و شاعری کے مجموعوں تک ہر چیز کا گہرا مطالعہ کیا اور اس تمام ذخیرے کو چھانا اور چھان پھٹک کر کے ہمارے سامنے رکھا۔ سیرت کو سمجھنے کے لئے یا سیرت کے کسی بھی گوشے سے متعلق کسی سوال کا جواب دینے یا کسی معاملہ کو سمجھنے کے لئے یا سیرت کے کسی بھی گوشے سے متعلق کسی سوال کا جواب دینے یا کسی معاملہ کو سمجھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی ان سب کو کھنگال کر مرتب کر دیا۔ سیرت صرف آنحضرت ﷺ سے براہِ راست تعلق رکھنے والے واقعات کا نام نہیں، بلکہ سیرت اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام چیزوں سے عبارت ہے۔ جو بالواسطہ یا بلا واسطہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ ﷺ کی زندگی، آپ ﷺ کی نشست و برخاست، آپ ﷺ کا زمانہ آپ ﷺ کے معاصرین اور آپ ﷺ کے دور کے حالات سے ہو۔ ان سب امور سے متعلق ذخیرہ معلومات کا تعلق علم سیرت ہی سے ہے۔ حتیٰ کہ یہ تفصیلات کہ آپ کن علاقوں میں زندگی بسر فرماتے تھے۔ کن کن علاقوں کا آپ

نے سفر فرمایا۔ کس علاقے کے کونسے ممالک کے لوگوں سے آپ کے روابط پیدا ہوئے۔ ان تمام پہلوؤں کے بارے میں معلومات کی فراہمی اور تحقیقات کی انجام دہی بھی دراصل بالواسطہ یا بلاواسطہ سیرت النبی ﷺ ہی کے موضوعات ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے اربابِ علم مثلاً ابن اسحاق، ابن شہاب وغیرہ سے لے کر جن کی ابھی ایک فاضل مقرر کی گفتگو میں کئی مثالیں دی گئیں، ابن اسحاق کی تحقیقات کا تو خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ ان خوش نصیب انسانوں سے لے کر آج کے محققین اور مقالہ نگاروں تک، بلکہ آج اس بابرکت محفل کے ان مقررین تک، سب حضرات کی کاوشوں کا اوّلین ہدف اور بنیادی مقصد یہی رہا ہے کہ ان تمام معلومات کو نئے انداز میں، نئی نئی تحقیق ونتائج کے ساتھ، نئی نئی تفسیر اور نئی نئی تشریح سے مزین کر کے امت اور انسانیت کے سامنے اس طرح پیش کر دیا جائے کہ سیرت النبی ﷺ کا کوئی گوشہ غیر واضح یا تاریکی میں نہ رہے۔ اور سیرت مبارکہ سے متعلق کوئی بھی سوال چاہے وہ کسی دوست نے کیا ہو یا دشمن نے، تشنۂ جواب نہ رہ جائے۔

تاریخ صدر اسلام بلکہ تاریخ عرب قبل الاسلام اور سیرت النبی ﷺ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ ایک کو پوری طرح سمجھے بغیر دوسرے کو کما حقہ سمجھنا دشوار ہے۔ سیرت پاک کے واقعات تاریخ کے سامنے اس طرح واضح ہیں جس طرح سورج کے سامنے کوئی ذرہ رکھ دیا جائے۔ اور وہ روشن ہو جاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت مبارکہ انسانی تاریخ کا وہ واحد دور ہے جو پوری طرح تاریخ کی سرچ لائٹوں کے سامنے ہے۔

جس طرح رات کی تاریکی میں زمین کا وہ حصہ روز روشن کی طرح واضح اور صاف ہو جاتا ہے۔ جو کسی سرچ لائٹ کی زد میں آ رہا ہو اسی طرح سیرت مبارکہ کے ماہ وسال تاریخ کی انتہائی طاقتور سرچ لائٹ کے سامنے ہیں اور ان کا ہر ہر لمحہ دیکھنے والوں کے لئے روشن اور واضح ہے۔ بلکہ سرچ لائٹ کے باوجود زمین پر پڑے ہوئے ذرات اور چیزوں میں تاریکی آ سکتی ہے۔ ان کے کچھ پہلو پھر بھی تاریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن سیرت پاک اور سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی سے بلاواسطہ بھی اگر کسی چیز کا تعلق تھا تو اربابِ سیر اور محدثین نے اس کے بارے میں وہ معلومات ہمارے سامنے پیش کر دی ہیں جس سے بڑھ کر انسانی تصور میں نہیں

آ سکتا۔ بلکہ ان لوگوں کے سامنے جو سیرت کے علم سے واقف نہیں ہیں اگر ان تفصیلات کو بیان کیا جائے تو ان کے لئے یہ سب کچھ نہ صرف ایک حیرت انگیز چیز ہوتی ہے بلکہ وہ ان سب چیزوں کو نا قابل یقین بات سمجھتے ہیں۔

آج سے چند سال قبل مجھے ایک غیر ملکی غیر مسلم محفل میں اسلام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا۔ گفتگو میں یہی بات زیر بحث آ گئی اس پر کسی غیر مسلم نے سوال کیا اور میری اس بات کی مزید وضاحت چاہی۔ میں نے جواب میں کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ تاریخ انسانی کی وہ واحد شخصیت ہیں جن کا سلسلہ نسب 30,25 بلکہ 40 پشتوں تک اس طرح تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پڑدادا کے پڑدادا کی والدہ کا کیا نام تھا؟ اور ان کی اپنی والدہ کی شادی کہاں ہوئی تھی؟ ان کے شوہر کون تھے اور اس کے بعد ان کے بھائی کتنے تھے؟ اور ان کے بھتیجے کتنے تھے؟ ان سب سوالات کا جواب علم الانساب کی کتابوں سے مستند طور پر مل سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس طرح کے سوالات (اگر کوئی کرنا چاہے) کہ حضور ﷺ کے استعمال میں آنے والے ساز و سامان کی تفصیلات کیا ہیں، آپ کے گھر میں بستر کیسا تھا، برتن کون کونسے تھے، آپ کے گھوڑے کتنے تھے۔ آپ کے ہاں جانور کتنے تھے۔ ان سب کا جواب بھی کتب تاریخ و سیرت میں محفوظ ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات گرامی کی تو بات ہی کیا ہے، محدثین اور سیرت نگاروں نے تو ان خوش نصیب انسانوں کے بارہ میں بھی معلومات کا انبار جمع کر دیا ہے۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کوئی بات سنی ہو، یا کی ہو بلکہ آنحضرت ﷺ کے اہل خاندان، برادری، وطن، دوست، احباب، حتیٰ کہ دشمن اور مخالفین، ان کے بارے میں جو معلومات محدثین نے جمع کر کے رکھ دی ہیں، ان کو دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں میں یہ صفت ہی اس لئے ودیعت کی تھی کہ وہاں ایک ایسے پیغمبر کو بھیجنا تھا جس کی شخصیت اور تعلیم کے بارے میں کبھی بھی ذرہ برابر شک و شبہ نہ کیا جا سکے، اور اس کی تعلیم کا کوئی گوشہ غیر محفوظ یا غیر مدون نہ رہ سکے۔ شاید اسی لئے کئی سو سال پہلے سے عربوں کے مزاج میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ صرف انسانوں کا نہیں بلکہ جانوروں، اونٹوں، گھوڑوں تک کا سلسلہ نسب اس طرح محفوظ رکھیں کہ پتہ چل جائے کہ فلاں کے پاس

جو گھوڑا ہے اس کا سلسلہ نسب کیا ہے اور اس کی نسل کہاں سے چلی ہے؟

اس سے بھی بڑھ کر واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کے بارے میں جو معلومات آج علم انساب کی کتب میں جو ہمارے پاس درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں ان کا اگر تجزیاتی مطالعہ کیا جائے اور تحقیقی جائزہ لیا جائے تو بیشمار نئے نئے اور حیران کن انکشافات سامنے آئیں گے۔ ان انساب کی کتابوں کو اگر آج کمپیوٹرائز کیا جائے اور ان ساری معلومات کو جمع کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس ساری کاوش کا مقصد صرف اس ایک انسان کے بارے میں معلومات جمع کرنا تھا۔ اور وہ حضور ﷺ کی ذات گرامی تھی۔

یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ اگر آج علم انساب کے ذخائر سے اس دور کے دوسرے مشہور آدمیوں کے بارے میں اتنی معلومات حاصل کرنا چاہیں تو وہ کتابیں ناکافی رہتی ہیں۔ مثلاً حضرت سعدؓ بن عبادہ کے داداؤں اور اجداد کے بارے میں معلومات اس تفصیل کے ساتھ نہیں ملتیں، حضرت سعدؓ بن معاذ کے اجداد کے بارے میں نہیں ملتی۔ عبداللہ بن ابی حتی کہ ابوجہل اور ابولہب جو حضور ﷺ کے اپنے اہل وطن اور برادری کے لوگ تھے ان کے بارہ میں ان معلومات کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ عمرؓ ابن عبدود جیسے بہادر جنرل کے بارے میں یہ معلومات نہیں ملتیں جو اس دور کے بڑے مشاہیر میں سے تھا۔ بلکہ اس کے بارہ میں تو شاید بعض بنیادی باتیں بھی دستیاب نہیں ہیں۔ امرؤالقیس اور لبید جیسے شعرا کے بارے میں وہ معلومات نہیں ملتیں جو حضور ﷺ کے دور کے اعزہ واقارب کے بارے میں ملتی ہیں۔ اس لئے بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاق نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسی مشیت الٰہی تھی کہ جس کا مقصود ہی یہ تھا کہ حضور ؑ سے متعلق ساری چیزیں جتنی بھی اس دنیا سے متعلق موجود ہیں اور ہر وہ چیز جس کا کسی طور سے بھی تعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بنتا ہو یا ہر وہ انسان جس کا حضور ﷺ سے کسی طرح کا بھی رشتہ بنتا ہو اس کے بارے میں معلومات جمع اور محفوظ کی جائیں۔

حضرات گرامی!

ارباب سیرت نے مختلف ادوار کے ذریعے مختلف مراحل سے گزر کر علم سیرت نبی ﷺ کو جس طرح سے ہمارے سامنے مدوّن اور منقح کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض دوسری صدی یا تیسری

صدی ہجری کے اہل علم کا کارنامہ نہیں، بلکہ اس میں اللہ رب العزت نے ہر دور کے اہل علم سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے مسلمانوں کی نسلیں اور مسلمان علماء اور محققین کی ایک اتنی بڑی تعداد اس کام کے لئے اٹھتی اور اپنی زندگیاں وقف کرتی رہی کہ انسانی عقل آج اس کو دیکھ کر سوائے قدرت الٰہی کے اعتراف اور ان انسانوں کے احسان کے سامنے تشکر خم کرنے کے سوا کچھ اور کرنے سے عاجز ہے۔ اس عظیم کاوش کا مقصد صرف یہ تھا کہ سیرت کا کوئی گوشہ اور حضور ﷺ کی تعلیم کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کے بارے میں کوئی ایک فیصد یا ایک فی ہزار یا ایک فی لاکھ شک وشبہ یا عدم تاریخیت کا وسوسہ بھی دل میں لا سکے۔

ابتدائی دو سو سال ان تمام معلومات کو یکجا کر کے فراہم کرنے، جمع کرنے اور تفصیلات کی فراہمی کے سال تھے۔ اس مدت میں سیرت سے متعلق تمام بالواسطہ یا بلا واسطہ معلومات جمع کی گئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ جو زبان بولتے تھے اس زبان کی نزاکتیں اور باریکیاں جمع کرنے میں عبدالملک اصمعی جیسے متقی صاحب علم و ادب انسان نے اپنی زندگی کے پچاس سال قربان کیے۔ اور صرف عبدالملک اصمعی ہی کیوں؟ عبدالملک اصمعی جیسے سینکڑوں اور ہزاروں انسان ایسے تھے جنہوں نے عرب کے قبیلے قبیلے میں جا کر عربی زبان و ادب کے نمونے جمع کیے۔ انہوں نے عرب کے چپے چپے کا جائزہ لیا۔ ہر گھر اور ہر بستی میں گئے اور عربی زبان کی باریکیاں اور نزاکتیں اس طرح جمع کر کے آج ہمارے سامنے رکھ دیں کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کوئی لفظ اپنے اسلوب، اپنے معانی، اپنی لغات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہ رہے۔ اس کے بارے میں کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اس کے معنی صحیح سمجھے گئے یا نہیں سمجھے گئے۔

آنحضرت ﷺ جزیرہ عرب کے جن گوشوں میں تشریف لے گئے۔ ان گوشوں کے بارے میں، ایک ایک گاؤں، ایک ایک بستی، حتی کہ ایک ایک پہاڑ جس کے دامن سے حضور ﷺ گزرے، اس کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں سینکڑوں اہل علم، جغرافیہ نویسوں اور ادیبوں نے جن کی تعداد سینکڑوں سے گذر کر ہزاروں میں ہے اپنی نسلیں قربان کیں، اور جغرافیہ عرب پر، عرب کے کنوؤں پر، عرب کی نہروں پر، عرب کے پہاڑوں پر اور ریگستانوں کے مختلف حصوں پر آج وہ معلومات جمع کر کے فراہم کر

دی ہیں کہ آج اگر کسی فلم کے ذریعے یا کسی ڈاکومنٹری کے ذریعے آج اس طرح کی تفصیلات دکھائی جائیں تو شاید اتنی باریک بنی اور اس قدر صحت کے ساتھ ایسی فلم نہیں بنائی جا سکتی۔ اس لئے کہ اس میں وہ ہزاروں لاکھوں پاکیزہ اور مقدس انسان شریک نہیں ہوں گے۔ جن کی نگاہوں اور حافظوں نے یہ مناظر محفوظ رکھے ہیں۔ اس میں وہ محبت اور عقیدت شامل نہیں ہوگی جس سے کام لے کر صحابہ کرامؓ اور تابعین سے لے کر بعد کے تمام سیرت نگاروں نے کام کیا ہے۔ اس میں وہ مقدس جذبہ شامل نہیں ہوگا جو ان لاکھوں انسانوں کے دلوں میں موج زن تھا اور ان کو مسلسل کاوش پر آمادہ کرتا تھا۔ اس کاوش کا نتیجہ آج سے بے مثال تحقیق کی صدارت میں ہمارے سامنے ہے۔

پھر جب یہ معلومات جمع ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اربابِ سیرت کی ایک نئی نسل کھڑی کر دی۔ انہوں نے اس سارے مواد کو اس طرح سے نئے نئے انداز سے مرتب کر دیا کہ ایک مکمل نقشہ سیرت کے واقعات کا، سیرت کے حقائق کا اور سیرت کی تمام تفصیلات کا ہمارے سامنے آ گیا۔ اس کے بعد کم و بیش دو سو سال کا عرصہ سیرت کی واقعاتی اور تاریخی تدوین کا ہے۔ جب سیرت کی ساری تفصیلات اپنی منطقی اور تاریخی ترتیب سے مرتب ہو گئیں تو پھر مختلف حضرات نے سیرت کے مختلف گوشوں کو الگ الگ اپنی تحقیق اور تفتیش کا موضوع بنایا۔ یہاں تک کہ ایسے ایسے موضوعات پر بھی تحقیق کر کے کتابیں لکھ دیں کہ آج بظاہر یہ لگتا ہے کہ ان کی فی الواقع کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے متعلق ہر چیز چاہے وہ آج کسی کو ضروری معلوم ہو یا غیر ضروری معلوم ہو۔ ان حضرات نے اس طرح محفوظ کر دی کہ اگر کوئی فلم بھی بنی ہوتی تو اتنی وضاحت سے سیرت مبارکہ کی تفصیل ہمارے سامنے بیان نہ کر سکتی۔

ایک مشہور کتاب جو سیرت کے انتظامی، سیاسی اور ادارتی پہلوؤں سے بحث کرتی ہے۔ یعنی التراتیب الاداریہ، اس کے مصنف نے ایک مستقل باب میں حضور ﷺ کے منبر کی تفصیلات کو بیان کیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے منبر مبارک کے بارے میں یہ تفصیلات کہ اس منبر کی ساخت کیا تھی؟ کس نے بنایا تھا؟ بنانے والے کا خاندان کیا تھا، اس کا سلسلہ نسب کیا تھا؟ منبر کی ضرورت ایک اور کیوں محسوس ہوئی؟ کن حالات میں محسوس ہوئی؟ پہلے پہل کس نے محسوس کی؟ لکڑی کون اور کہاں سے

کاٹ کر لایا تھا؟ کس جنگل سے لایا تھا؟ وہ درخت کس چیز کا تھا؟ جس درخت کی لکڑی کاٹی گئی تھی اس کو بویا کس نے تھا؟ اس وقت اس کا سائز کیا تھا؟ وہ آری کیسی تھی جس سے وہ درخت کاٹا گیا تھا۔ بظاہر ان تمام تفصیلات کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ان موضوعات پر کم از کم 20 کتابیں لکھی گئیں جن کی فہرست التراتیب الاداریہ نے دی ہے۔ التراتیب الاداریہ کے مصنف نے 20 ایسی کتابوں کی فہرست دی ہے جو صرف منبر رسولؐ کے بارے میں لکھی گئیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کے اپنے استعمال میں جو چیزیں ہتھیار اور اسلحے رہے ان کا مستقل مطالعہ خود ایک اختصاص کا موضوع رہا ہے۔ درجنوں نہیں بلکہ شاید سینکڑوں ہزاروں انسانوں نے اس پر اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور یہ معلومات جمع کیں کہ حضور ﷺ نے فلاں جنگ میں جو تلوار استعمال فرمائی وہ کہاں سے آئی تھی؟ کس لوہے سے ڈھلائی گئی تھی؟ کس نے ڈھالی تھی؟ اس کی تاریخ کیا تھی؟ اس پر الگ سے کتابیں لکھی گئیں۔ اگر آپ کبھی ترکی تشریف لے جائیں اور وہاں توپ کاپی سرائے میں ایک خاص کمرے کی زیارت کا آپ کو شرف حاصل ہو جس میں تبرکات نبویؐ رکھے ہوئے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں آنحضور ﷺ کی تلواروں اور نیزوں کا جو ذخیرہ محفوظ ہے ان میں سے ہر تلوار اور ہر نیزے اور ہتھیار کے بارے میں ایک باقاعدہ کتاب اور تحریری ذخیرہ موجود ہے، جس میں بتایا گیا یہ تلوار کب بنائی گئی، کیسے استعمال میں آئی اور آج ہم تک کیسے پہنچی؟

اس کے بعد پھر ایک اور زمانہ آیا اور علم سیرت کا نیا دور شروع ہوا۔ اب مصنفین نے یہ طے کیا کہ سیرت کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اس طرح سے استیعاب اور استقصاء کر لیا جائے کہ ساری چیزیں ایک کتاب یا مجلدات میں ہمارے سامنے آجائیں۔ چنانچہ 10,10 اور 15,15 جلدوں میں سیرت کی کتابیں مرتب ہونی شروع ہوئیں اور اس طرح لکھنے والوں نے سارا مواد مرتب، یکجا اور بالکل منقح کر کے سامنے رکھ دیا کہ پڑھنے والا اپنے چشم تصور سے اور اپنے تخیل سے ان بابرکت 23 سالوں کو، ان کے سالوں اور مہینوں کو بلکہ ان مقدس 63 سالوں اور ان کے شب و روز کو، اور ان میں پیش آنے والے واقعات کو اس طرح دیکھ سکتا ہے گویا آج سارا منظر ہمارے سامنے ہے اور دیکھنے والا اسے

دیکھ رہا ہے۔

پھر ایک دور آیا جس میں تجزیاتی مطالعہ اور جزوی واقعات کے تجزیے کرنے کا مرحلہ آیا اور سیرت سے متعلق ایک ایک پہلو کر لے کر اربابِ سیر نے بالخصوص اور دیگر اربابِ قلم نے بالعموم کتابیں تصنیف کیں۔ یہ سلسلہ کئی سو سال تک جاری رہا۔

ماضی قریب میں بیسویں صدی کا زمانہ بلکہ چودہویں صدی ہجری کا زمانہ ایک نئے انداز کی سیرت نگاری کا زمانہ ہے۔ ابھی بعض دوستوں نے سرسید احمد خان، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، علامہ شبلی نعمانی اور چودہویں صدی کے ان سینکڑوں ہزاروں سیرت نگاروں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے ایک نئے انداز سے سیرت پر کام کرنے کی کوشش کی۔ اب دورِ جدید کا زمانہ سیرت پر نئے انداز سے کام کرنے کا زمانہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس دور میں علم سیرت کی ایک نئی تدوین کی ضرورت ہے۔ علم سیرت میں آج ایسی نئی کاوشوں کی ضرورت ہے جن سے علم سیرت میں ایک نئی جہت پیدا ہو، بلکہ نئی نئی جہتیں پیدا ہوں۔

آپ کی یونیورسٹی کے اسی ہال میں آج سے ۲۰ سال پہلے اس دور کے سب سے بڑے سیرت نگار، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ اس زمانہ کے مجددِ علوم سیرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جو بارہ خطبات دیئے تھے وہ سیرت نگاری کی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل تھے۔ ان خطبات نے سیرت نبویؐ کی تدوین میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنے ان خطبات میں ہی نہیں بلکہ اپنی ان درجنوں کتابوں میں اور ان سینکڑوں مقالات میں جو انھوں نے گزشتہ ۶۵ سال کے دوران بلکہ ۷۰ سال کے دوران لکھے ہیں سیرت کے ایسے ایسے گوشے دنیا کے سامنے رکھے ہیں، اور سیرت کے ایسے ایسے مسائل انہوں نے اٹھائے ہیں جو آج سے پہلے وہ سوالات ہی نہیں پیدا ہوئے تھے وہ مسائل ہی سامنے نہیں آئے تھے جن کا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ؒ نے اپنی ان گنت تحریروں میں جواب دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کا انسان اس طرح کے سوالات اٹھاتا ہے۔ جو ماضی کے انسان نے نہیں اٹھائے تھے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی ایک کتاب میں بعض مستشرقین کے اٹھائے

ہوئے اس سوال کا جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے کعب بن اشرف کو کیوں اور کن حالات میں قتل کیا گیا تھا۔اب تمام سیرت نگاروں نے اتنا ہی بیان کرنے پر اکتفاء ہے کہ کعب بن اشرف کو حضور ﷺ کے حکم سے قتل کیا گیا۔لیکن یہ سوال کہ کعب بن اشرف یہودی کے قتل کی قانونی اور آئینی وجوہات کیا تھیں؟ کیا اس کے خلاف کوئی مقدمہ چلایا گیا تھا؟ کیا اس کو اپنا مؤقف بیان کرنے کا موقع دیا گیا تھا؟ کیا وہ کسی عدالت کی کاروائی میں قتل کیا گیا تھا؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو کیا اس سے ایسے کوئی امکانی سوالات اور تعمنات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب مسلمانوں کو دینا چاہئے؟ یہ سوال ماضی کے کسی مصنف نے نہیں کیا تھا۔آج سے 25,30 سال پہلے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال ایک طالب علم کی آزمائش یا امتحان کے لئے کیا۔جس شخص سے یہ گفتگو ہوئی ناچیز طالب علم کے پاس اس اہم سوال بلکہ سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ڈاکٹر صاحب ہی سے جواب پوچھا، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ سوال میں نے اسی لئے اٹھایا ہے کہ یہ سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اس پر غور کرر ہا تھا۔

اس واقعہ کے تقریباً دس بارہ سال کے بعد پھر ملاقات ہوئی تو طالب علم نے اس سوال کا جواب پوچھا۔ڈاکٹر صاحب نے 10 سالہ تحقیق کے بعد جو جواب دیا وہ ایسا جواب تھا کہ کسی قدیم یا جدید مصنف کے ہاں نہ وہ سوال ملتا تھا نہ اس کا جواب ملتا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ کعب بن اشرف یہودی کا قتل کسی مسلم ریاست کے شہری کا قتل نہیں تھا۔بلکہ یہ ایک ایسے محارب قبائلی سردار کا قتل تھا جو اسلامی ریاست کے خلاف برسرِ جنگ تھا۔اور کسی برسرِ جنگ فوج کے سربراہ کو ضابطہ کی عدالتی کاروائی کے بغیر ایک فوجی اقدام کے ذریعہ قتل کرنے کی دوران جنگ ہر وقت گنجائش موجود رہتی ہے۔اور دنیا کا ہر قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔

لیکن اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کتنا وقت صرف ہوا؟ کتنا مطالعہ اور غور وفکر کرنا پڑا؟ کتنی تحقیق کرنی پڑی؟ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنے مطالعے کا مرکز اس میثاق مدینہ کو بنایا جس میثاق کی رو سے اہل مدینہ کو ایک ریاست کے شہری قرار دیا گیا تھا۔اگر کعب ابن اشرف مدینے میں رہتا تھا یا یثرب کی حدود میں

رہائش پذیر تھا تو میثاق مدینہ کی رو سے اسے اس ریاست کا شہری ہونا چاہئے اور اگر وہ اسلامی ریاست کا شہری تھا تو پھر اس کو محارب (BELLIGERENT) تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے سوال کے سیاق و سباق میں میثاق مدینہ کو بڑی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کی تو پتہ لگا کہ میثاق مدینہ کو بڑی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کی تو پتہ لگا کہ میثاق مدینہ کی جو دستاویز آج ہمارے پاس ہے یہ ایک دستاویز نہیں، بلکہ دو یا زائد دستاویزات کا مجموعہ ہے۔ اس دعوی کی تائید میں کہ یہ ایک سے زائد دستاویزات کا مجموعہ ہے، خود دستاویز کے اندر ایسے اندرونی INTERNAL (اندرونی شواہد) موجود ہیں جن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس میں واضح طور پر امام ابوداؤد نے ایک باب باندھا ہے کہ(باب اجلاء الیھود من المدینہ المنورہ)۔ اس میں صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور کفار مکہ کو شکست ہوئی تو یہودیوں کے حوصلے پست ہوئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو بھی میثاق مدینہ میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ ایک اجتماع ہوا، اورضروری مشاورت کے بعد انہیں بھی میثاق مدینہ مین شامل کر لیا گیا۔ جبکہ کعب بن اشرف اس سے پہلے قتل کیا جا چکا تھا۔

یہ ایسی بات تھی کہ جو قدیم اربابِ سیر نے نہیں بیان کی۔ دورِ جدید ہی میں یہ سوال آ سکتا تھا۔ دورِ جدید کے بین الاقوامی قانون کے سیاق وسباق ہی میں یہ سوال اٹھ سکتا تھا اس طرح کے بیشمار مسائل اور سوالات دور جدید میں پیدا ہو رہے ہیں۔ ان سب کا جواب دینا اہل سیرت اور علمائے تاریخ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن سیرت کے جو عام روایتی موضوعات ہیں ان میں یہ مباحث اس انداز سے شامل نہیں ہیں۔ سیرت پر جو عام ذخیرہ کتب ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دور جدید کی زبان میں دور جدید کے سوالات کا جواب بھی دے۔ لہٰذا ان دستیاب شدہ کتب سیرت سے ان سوالات، کا تیار جواب ملنا دشوار ہے۔ کتب سیرت کا وہ ذخیرہ جو آج ہمارے سامنے ہے وہ محدثین کرام نے اور اربابِ سیرت نے اپنے اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کیا۔ اس دور کے سوالات، اس دور کے اہل علم کی

ضروریات، اس دور کے عام مسلمان کی سیرت کے بارے میں جو توقعات تھیں۔ اس کو سامنے رکھ کر جس مواد کی ضرورت تھی وہ اسی انداز سے مرتب کر دیا گیا۔

لیکن آج بھی سیرت سے متعلق بے شمار معلومات اور مواد کا خاصا بڑا حصہ ایسا ہے جو سیرت کی عام کتابوں سے باہر اب بھی دستیاب ہے۔ اور مصنفین اور طلبہ سیرت نے اس ذخیرہ سے ابھی تک نہ استفادہ کیا ہے اور نہ ابھی تک اس کی طرف توجہ کی ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مختلف قبائل سے معاہدے فرمائے۔ جس قبیلے سے معاہدہ فرمایا اس کو کسی خاص حقوق یا مراعات سے نوازا۔ ان مراعات کا پس منظر کیا تھا؟ ان مراعات کے پیچھے کیا تاریخی اسباب تھے؟ اسلام کے لئے کن ممکنہ فوائد کی خاطر حضور ﷺ نے ان کو وہ مراعات دیں۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا ایلچی مقرر کر کے نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ محدثین نے لکھا ہے عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ گویا ایک قبائلی سردار کو قبول اسلام سے پہلے ہی حضور ﷺ نے اپنی سفارت اور ایلچی کے منصب کے لئے مقرر فرمایا۔ اب اس کا پس منظر کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو کیوں مقرر کیا؟ کسی اور مسلمان صحابی کو مقرر کیوں نہیں کیا۔ اگر تحقیق کی جائے اور علم انساب اور قدیم تاریخی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمری کے قبیلہ بنی ضمرہ کے تعلقات نجاشی کے خاندان سے رسول اللہ ﷺ کے پڑدادا جناب ہاشم کے زمانے سے چلے آ رہے تھے۔ خود عمرو ابن امیہ ضمری ایک بہت بڑے تاجر تھے ان کی اپنی تجارت اور ان کے دوسرے اہل خاندان کی تجارت مکہ اور حبشہ کے درمیان کئی سو سال سے ہو رہی تھی۔ گویا ایک طرف آنحضرت ﷺ کے خاندان سے وہ ذاتی مراسم رکھتے تھے۔ دوسری طرف حبشہ کے حکمران خاندان سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے، اور شاہ حبشہ سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ اس پس منظر میں عمرو ابن امیہ ضمری سے زیادہ موزوں اور مناسب تر کوئی آدمی ہو نہیں سکتا تھا۔

حضور ﷺ نے مزینہ قبیلہ کو جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور قبیلہ تھا خاصی مراعات سے نوازا۔ اس قبیلہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک معاہدہ کیا، اور بعض خاص خاص سہولتوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے قبیلہ مزینہ کو نوازا اور کئی خصوصی مراعات مرحمت فرمائیں۔ یہاں تک کہ

روایات میں آتا ہے کہ اس قبیلہ کے ایک بڑے سردار بلال ابن حارث مزنی کو اتنی وسیع زمین عطا فرمائی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ اتنی وسیع زمین کیوں دے دی گئی۔ لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ قبیلہ مزینہ کی جغرافیائی حیثیت کیا تھی؟ GEO-POLITICS کے نقطہ نظر سے جزیرہ عرب میں اس کا مقام کیا تھا؟ اور اس قبیلہ کے سردار کی اسلام کے دعوت وتبلیغ میں نشر واشاعت کے کام میں کیا اہمیت تھی؟ تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کام کس حکمت کے تحت اور کس طرح فرمایا تھا۔ یہ وہ موضوعات ہیں جن پر تحقیق کا ابھی صحیح معنوں میں آغاز بھی نہیں ہوا۔

ابھی فاضل نوجوان اور ہمارے عزیز دوست ہاشمی صاحب نے اپنے مقالے کا ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کس طرح سے عرب قبائل کی شیرزاہ بندی فرمائی اور قبائل کو ایک لڑی میں پرو دیا، اور پہلی مرتبہ عرب کی تاریخ میں ان متحارب قبائل کو جو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔ کس طرح سے امت واحدہ کی لڑی میں پرو دیا؟ کس قبیلے کے کس سردار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کس طرح DEAL کیا کہ وہ قبول اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی قیادت انہوں نے قبول کر لی۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر اب ایک نئے انداز سے غور وخوض کا آغاز ہوا ہے۔

چھٹی ساتویں ہجری میں علوم سیرت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ جو طبّ نبویؐ کے نام سے معروف ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں طبی معاملات سے متعلق امور پر بھی گفتگو فرمائی۔ حضور ﷺ اس دنیا میں علاج معالجہ یا طب کی ترقی کے لئے تشریف نہیں لائے تھے۔ حضور ﷺ کا مقام اس سے بہت اونچا ہے کہ آپؐ بخار اور نزلہ کی دوائیں لوگوں کو بیان فرماتے۔ لیکن حضور ﷺ نے ازراہ شفقت وقتاً فوقتاً اپنے جو تجربے بیان فرمائے یا اپنی بصیرت کی روشنی میں بعض لوگوں کو طبی اہمیت کے مشورے دیئے۔ طبی نقطہ نظر سے ان پر کتابیں تیار ہوئیں اور طب نبویؐ کے نام سے آج معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ جو متعدد کتابوں میں مدوّن ہے۔ لیکن کیا آج کے اطباء کا یہ کام نہیں ہے۔ کہ دور جدید کی طبی تحقیقات کی روشنی میں اس پورے ذخیرے کا جائزہ لیں اور یہ دیکھ کر بتائیں کہ آج کے دور میں ان

معلومات سے کس حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔اور یہ چیز کہاں تک کارآمد ہو سکتی ہے۔

آپ کو یاد ہو گا ایک مشہور فرانسیسی فاضل ڈاکٹر موریس بوکائی نے آج سے بیس پچیس سال قبل ایک کتاب لکھی تھی ''بائبل، قرآن اور سائنس'' اس کے بعد انہوں نے اس کی ایک دوسری سسٹر والیوم یا ہمشیر جلد بھی تیار کی تھی جس میں انہوں نے حدیث نبوی کا، اسی طرح کا مطالعہ کیا جیسا کہ اس کتاب میں قرآن کا کیا ہے۔حدیث نبویؐ کے مطالعہ کے لئے انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب کیا تھا اور صحیح بخاری میں دیئے گئے سائنسی نوعیت کے بیانات کا علمی انداز سے جائزہ لیا تھا۔اس جائزہ کی بنیاد پر صحیح بخاری کے بارے میں بھی انہوں نے یہ ثابت کیا کہ اس میں جتنے سائنس اور طبی نوعیت کے بیانات ہیں وہ سارے کے سارے تحقیقی میزان میں پورے اترتے ہیں۔سوائے ایک دو بیانات کے جوان کے بقول تحقیقی میزان پر پورے نہیں اترتے۔ان دو میں ایک واقعہ تو وہ تھا جس میں حضور ﷺ نے بنی عرینہ کے لوگوں کی بیماری کی وجہ سے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ مدینہ کے باہر جا کر ایک جگہ بیت المال کے اونٹوں کے باڑہ میں قیام کریں۔ اونٹوں کے باڑہ میں آپؐ نے فرمایا تھا۔''اشربو من ابوالها و البانها'' یعنی ان اونٹوں کا دودھ بھی پیو اور پیشاب بھی۔اس پر موریس بوکائی نے کہا کہ بول تو بدن کا REFUSE ہے، اس میں انسان کے۔لئے شفا نہیں ہو سکتی۔ جب انہوں نے یہ کتاب تیار کی تو اس کا مسودہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کو بتایا کہ اس زمانے میں ہی نہیں بلکہ اس زمانے میں بھی طب کی ایک دو نہیں بلکہ درجنوں کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ فلاں فلاں انسانی بیماریوں کا علاج جانوروں سے نکلنے والے فلاں فلاں REFUSE میں پوشیدہ ہے۔اس پر تحقیق ہو رہی ہے۔ہندوستان میں ہی نہیں، پاکستان میں ہی نہیں، یورپ کے بعض ممالک میں بھی اس پر کام ہو رہا ہے۔اس لئے اس حدیث پر اعتراض جڑنے کے بجائے اس کو طبی اور سائنسی تحقیق کی نئی دریافتوں کی بنیاد بنانا چاہئے۔

لہذا طب نبویؐ کے نام سے جو ذخیرہ آج ہمیں دستیاب ہے۔اس میں تحقیق کا اتنا بڑا میدان موجود ہے کہ اگر اس پر تحقیق کا آغاز کیا جائے تو شاید اس کے لئے نسلیں درکار ہوں۔

حضور ﷺ نے معاشرہ اور ریاست کے پورے نظام کو کس طرح سے از سر نو مرتب فرمایا۔ابھی

ایک دوست نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے چار اصول بیان فرمائے ہیں۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طویل غور و خوض اور تحقیق کے بعد ایک واضح تصور اور حکمت نبویؐ کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ''اجتہاد'' کے بارے میں نہایت بنیادی اور اصولی باتیں کی ہیں۔انہوں نے اس کتاب میں معاشرتی تبدیلی اور اجتماعی انقلاب کے منہاج نبوی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے کس طرح سے ان تمام حقائق ،واقعات اور معاملات کو جو آپؐ کے سامنے آئے تبدیل کیا، اس میں جزوی یا کلی طور پر اصلاحات فرمائیں، اور اس طرح سے اسلامی تہذیب اور تمدن کے اس سانچے میں ڈھالا جو آج تک ہمارے سامنے ہے۔

متقدمین اور متاخرین دونوں کے ہاں ایسے مباحث اور کتابیں ملتی ہیں جن کو ہم کلامیات سیرت کہہ سکتے ہیں۔کلامیات سیرت کے نام سے ایک نیا علمی میدان انہوں نے علمی دنیا کو دیا اور سیرت سے متعلق ان واقعات و موضوعات پر تحقیق کی جن کا تعلق علم الکلام سے تھا۔متقدمین اربابِ سیرت نے خصائص نبویؐ، حقیقت وحی اور اس طرح کے سوالات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا تھا،لیکن آج کا جدید انسان ان بنیادی سوالات کے بارے میں ہی شک کا اظہار کرنے لگا ہے۔اس زمانے میں کم از کم تصور نبوت قابل قبول تھا۔اس دور کے انسان کے لئے صرف یہ ثابت کرنے کی ضرورت تھی کہ فلاں کے دعوائے نبوت کے دلائل وشواہد کیا ہیں۔خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے نبوت کے دلائل کیا ہیں، اس لئے دلائل نبوت اور خصائص نبوت کے نام سے ایک نیا فن وجود میں آیا جو کلامیات سیرت کی ایک ذیلی شاخ ہے۔لیکن آج کا مغربی اور مشرقی تعلیم یافتہ انسان خود نبوت کی ضرورت کے بارے میں شک کا اظہار کرنے لگا ہے۔اس لئے آج کے اربابِ سیرت اور متکلمین سیرت کی ذمہ داری ہے کہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا نبوت کی ضرورت ہے؟ کیا وحی ذریعہ علم ہے؟ اور آج کی EPYSTEMOLOGY اور آج کے نظریہ علم نے جو سوالات نبوت، وحی اور الہام کے بارے میں اٹھائے ہیں جو سیرت کے بڑے اساسی اور جوہری سوالات ہیں۔ان سوالات کے جواب دینا آج کے اربابِ سیرت کے لئے ضروری ہے۔

قانونیات سیرت کی ابھی میں نے مثال دی کہ بے شمار ایسے واقعات ہیں، جن سے فقہی اور قانونی

احکام نکلتے ہیں۔ متقدمین نے اپنے نقطہ نظر سے سوالات اٹھائے تھے۔ آج کا لکھنے والا اپنے نقطہ نظر سے سوالات اٹھائے گا۔ جس کی ایک مثال میں نے آپ کے سامنے رکھی یعنی کعب بن اشرف کے قتل کی مثال۔

آج سے 60,50 سال پہلے جب برصغیر میں دوقومی نظریہ کا بہت زیادہ چرچا تھا اور یہ سیاسی بحث اور گفتگو کا موضوع تھا اس زمانے میں میثاق مدینہ کی بعض دفعات پر بڑی بحث ہوئی تھی۔ میثاق مدینہ کے ان الفاظ پر آج بھی غور وخوض کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے اس میں تحریر فرمایا تھا کہ فلاں فلاں قوم اور قبیلے امت مع المومنین ہیں۔ کسی کے بارے میں فرمایا ''امة من دون المومنین'' کسی کے بارے میں فرمایا ''امة من دون الناس'' اب یہ ''مع المومنین، من دون المومنین اور من دون الناس اور من الناس، مع الناس، یہ سب الگ الگ الفاظ ہیں، ان کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا امت کے تصور پر، اسلامی ریاست میں شہریت کے اصول طے کرنے اور لوگوں کی ذمہ داریوں اور اختیارات کی حدود طے کرنے میں، غیر مسلموں کے حقوق اور ذمہ داریوں اور اختیارات کی حدود طے کرنے میں، غیر مسلموں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرنے میں، ان الفاظ کی بڑی اہمیت ہے۔ متقدمین کے ہاں یہ سوالات نہیں اٹھائے گئے تھے۔ لیکن آج معاصرین نے کہ سوالات اٹھائے ہیں اور ان سوالات کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بیشمار ایسے بیانات ملتے ہیں جن میں قدیم کتب سماویہ کے حوالے ملتے ہیں۔ بلاشبہ قدیم آسمانی کتابیں آج محرف ہو چکی ہیں، لیکن تحریف کے باوجود ان میں اپنے اپنے انبیاء کرام کی اصل تعلیم کے بہت سے عناصر موجود ہیں۔ آج اس امر کی شدید ضرورت بلکہ ہمارے فکری اور علمی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ قدیم مذہبی کتابوں سے مقابلہ کرکے بتایا جائے کہ جو چیز سیرت میں بیان ہوئی ہے۔ قدیم کتابوں سے اس کی کہاں تک تصدیق یا تکذیب ہوتی ہے۔ تصدیق ہوتی ہے تو فبہا، اور تصدیق نہیں ہوتی تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے اسباب دلائل کے ساتھ اس طرح بیان کئے جائیں کہ غیر مسلم سلیم الطبع اور انصاف پسند اہل علم بھی اس سے متفق ہوں اور اس سے اتفاق کا اظہار کیے بغیر

نہ رہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا تھا'' **نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقة** '' کہ ہم انبیاء کی وارثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کیا ماضی میں جو انبیاء کرام بڑے ارباب دولت اور ارباب ثروت رہے، کیا ان کی وارثت بھی تقسیم نہیں ہوئی، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے؟ کیا دوسری مذہبی کتابیں اس کی تصدیق و تائید کرتی ہیں۔ کہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی وارثت کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ اور بنی اسرائیل کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے بیت المال میں دے دی گئی تھی۔ اگر قدیم کتب کے حوالہ سے اس کی کوئی تصدیق و تائید ہوئی ہو تو یہ اتنی بڑی تائید ہو گی کہ اس سے حدیث نبویؐ میں کی جانے والی ایک بڑی حقیقت ہمارے سامنے آ جائے گی اور ہمارے بہت سے کمزور ایمان والوں کی کمزوری کا علاج ہو گی۔

واقعات سیرت کا انداز بیان ایسا ہے کہ ایک جزوی واقعہ ایک محدث بیان کر دیتا ہے، لیکن اس کے پیچھے کیا محرکات تھے۔ اس کی تاریخ کیا ہے۔ کیوں یہ واقعہ ہوا؟ فلاں سردار سے حضور ﷺ نے یہ بات کیوں فرمائی؟ فلاں سردار سے کیوں نہیں فرمائی؟ اس کے پیچھے ایک پوری تاریخ ہے۔ مثلاً ہم نے پڑھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جو قریش البطاح کے معاہدے کچھ قبائل کے ساتھ تھے اور قریش الظواہر کے معاہدے کچھ اور قبائل کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر چیز کا جائزہ لیا۔ اور جس قبیلے سے جو معاملہ فرمایا اس میں اس قبیلے کے پورے پس منظر کو آپ نے سامنے رکھا، قریش الظواہر سے کس کس قبیلے کا تعلق ہے۔ قریش البطاح سے کس کس قبیلے کا تعلق ہے؟ یہ بھی تحقیق کا ایک نیا باب ہے۔ متقدمین نے اس طرح کی تحقیقات کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن اس کام کے لئے ضروری مواد ہمارے سامنے قدیم تاریخی اور انساب و قبائل کی کتابوں میں موجود ہے۔ قبائل پر الگ کتابیں ہیں جو دستیاب اور موجود ہیں، حتیٰ کہ ادبیات اور قصّے کہانیوں کی کتابوں میں بھی سیرت سے متعلق اہم باتیں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ اگر ابوالفرج کی کتاب الاغانی جو 30 جلدوں میں ہے اس کو پڑھا جائے تو تقریباً ہر صفحے پر کوئی نہ کوئی ایسی حقیقت اور ایسا واقعہ

موجود ہے جس سے سیرت کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے اور سیرت کا کوئی نہ کوئی پہلو یا واقعہ روزِ روشن کی طرح ہمارے واضح ہو جاتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ علمی اور تحقیقی کاوش جو اسلامیہ یونیورسٹی میں سیرت چیئر کے ماتحت ہو رہی ہے۔ یہ ان تمام نئی تحقیقات کا جائزہ لے گی۔ ان تمام امکانات کو سامنے لائے گی۔ اربابِ تحقیق اور اربابِ سیرت جو یہاں کام کر رہے ہیں اور وہ نو آموز طلبہ جو نئے تحقیقی مقالات لکھنے کے لئے یہاں آئیں گے یا دوسری یونیورسٹیوں میں جائیں گے وہ ان موضوعات کو سامنے رکھیں گے اور اپنی تحقیق سے ان تمام ممکنہ شکوک وشبہات کا اور وساوس کا جواب دینے میں کامیاب ہوں گے جو وقتاً فوقتاً مستشرقین اور ان کے تلامذہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

جن موضوعات پر کام کیا جانا چاہیے ان میں اجتماعیات سیرت بھی بڑا اہم موضوع ہے۔ سیرت کی SOCIOLOGY پر بھی بھرپور انداز سے ایک نئے اسلوب کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت کی قلت کے باعث اس کی مثالیں دینے سے احتراز کرتا ہوں۔ اسی طرح نفسیات سیرت کا موضوع ہے۔ سیرت کے واقعات کا نفسیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ بہت سے نئے پہلو سامنے لائے گا۔ SOCIOLOGY اور COLLECTIVELY PSYCHOLOGY یعنی اجتماعی نفسیات کو حضور ﷺ نے کسی طرح اپنے پیشِ نظر رکھا اور جب کوئی بات فرمائی یا کسی موقع پر خطاب عام میں کوئی بات فرمائی تو کیوں فرمائی، اس میں حاضرین کون تھے؟ حاضرین کا BACKGROUND یا پسِ منظر کیا تھا؟ یہ ساری نفسیات اور تفصیلات جب تک سامنے نہ ہوں اس وقت تک اس ارشاد کی حکمت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

جغرافیہ سیرت کی بات کی جا چکی رحلۃ الشتاء اور رحلۃ الصیف کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ یہ حضور ﷺ کے پڑدادا جناب ہاشم، ابن عبد مناف نے شروع کیا تھا اور جناب ہاشم، ابن عبد مناف چونکہ حضور ﷺ کے جدِ امجد تھے ان کے اثر ورسوخ سے اور ان کے تعلقات کے نتیجے میں یہ دو سفر عربوں کے لئے ممکن ہوئے تھے۔ اس لئے قرآن پاک نے ان دونوں کا خصوصی اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ اور عرب اس

احسان کا کبھی جواب نہیں دے سکے۔ اور آنحضور ﷺ کے خاندان کے ہمیشہ ممنون احسان رہے اس کا ہمیشہ ان کو احساس رہا اور حضور ﷺ نے تبلیغ اسلام اور نشر و اشاعت اسلام کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا۔

اس طرح سے ایک اہم موضوع ادبیات سیرت ہے۔ آج سیرت کا جو پورا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اور بالخصوص برصغیر میں جس انداز سے کام ہوا ہے ابھی ہمارے فاضل مہمان مصری مقالہ نگار نے اس کی تصدیق کی ہے کہ برصغیر میں انیسویں اور بیسویں صدی میں اہل علم نے جس انداز سے کام کیا ہے اس کی مثال دنیائے عرب میں بلکہ برصغیر سے باہر کے لوگوں میں نہیں ملتی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ عربی یا انگریزی میں سیرت پر تحقیق کا کام کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ خاص ذمہ داری ہے بلکہ ایک فریضہ ہے۔ خاص کر پاکستانی قوم کی طرف سے فرض کفایہ ہے کہ اس کاوش کو دنیا کے سامنے رکھیں۔ جس میں تحقیق، علم، جستجو، عقیدت، محبت اور عاطفیت کا ایک متوازن گلدستہ ہمارے سامنے آیا ہے۔ ذات رسالت مآب ﷺ سے گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ تحقیق کے تمام تقاضے اور علمی کاوش کے جتنے تقاضے ہیں ان سب کی تکمیل بدرجہ اتم برصغیر کے لوگوں کی کتابوں میں ملتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور بے شمار ایسے حضرات ہیں کہ جن کا اگر صرف نام لیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہ وقت نا کافی ہو ان حضرات میں سے ہر ایک کی تحریر نئے رجحان کی نمائندہ ہے اور سیرت پر غور وفکر کی نئی جہت ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کاوش کو دنیا کے سامنے پیش کرنا اور خاص طور پر عرب اور عجم کے لوگوں کو اس کاوش سے باخبر کرنا ہم سب کی عموماً اور جہاں جہاں سیرت چیئرز قائم ہیں یہ ان کی خصوصاً ایک اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے۔

آخر میں جناب وائس چانسلر صاحب سے گزارش ہے کہ سیرت کی مسند اس یونیورسٹی میں بھی ہے اور میرے علم کی حد تک تو کراچی یونیورسٹی میں بھی ہے۔ غالباً سندھ یونیورسٹی میں بھی ہے۔ اگر ان سب کو صرف سیرت چیئر کہنے کے بجائے کسی ایک سیرت نگار کے نام سے موسوم کر دیا جائے تو اس سے اس شخصیت کے کام کا اعتراف بھی ہوگا۔ اور ایک دوسرے کا کام الگ الگ ممیز بھی ہو جائے گا۔ مثلاً ایک مسند "مسند شبلی نعمانی" کہلائے۔ اور ایک مسند "مسند ابن ہشام" کہلائے۔ ایک مسند "مسند عروہ ابن زبیر"

کہلائے۔ یا برصغیر کے سیرت نگاروں کے حوالہ سے ایک مسند "مسند سلیمان منصور پوری" کہلائے۔ اس سے ان شخصیتوں کے کام کا اعتراف بھی ہوگا اور اس میں سیرت چیئرز کا تعاون بھی زیادہ بہتر انداز سے ہوگا۔قرآن نے کہا کہ ہم نے لوگوں میں فرق رکھا ہے کہ "لتعارفوا"۔تو قرآن کا اصول ہے کہ جہاں ایک جیسے لوگ ہوں تو مختلف ناموں کے ذریعہ مختلف پہچانوں کو اختیار کر لیں تا کہ ایک دوسرے سے ممیّز کیے جاسکیں۔اس گزارش کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

سفارشات انٹرنیشنل سیرت کانفرنس

۱۱۔۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں سیرت چیئر کا باقاعدہ قیام ۱۹۸۷ء میں عمل میں آیا۔ یہ چیئر سیرت کے میدان میں ریسرچ سیل کی حیثیت سے کام کر رہی ہے اس کے قیام کا بنیادی مقصد محسن انسانیت کے ابدی و آفاقی پیغام کو انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے عام فہم بنانا ہے تاکہ یہ دور جدید کے انسانوں کیلئے باعث رحمت ہو اور یہ ثابت ہو سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے زندہ و جاوید اور متحرک اصول وضوابط آج بھی دکھی انسانیت کے مصائب و آلام کا مکمل مداوا ہیں۔

سیرت چیئر کے پہلے انچارج ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی تھے۔ اگست ۱۹۹۱ء میں سیرت چیئر کی ذمہ داری ڈاکٹر عبد الروف ظفر، پروفیسر شعبہ اسلامیات کے سپرد ہوئی۔ سیرت چیئر کے تحت سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تحقیقی کام جاری ہے۔ یہ چیئر جدید تحقیقی انداز میں اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔

انٹرنیشنل سیرت کانفرنس (۱۱۔۱۳ فروری ۲۰۰۰ء)

اغراض ومقاصد:

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں مسند سیرت کے قیام کے بعد اس امر کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور اس پر تحقیقی کام کرنے کیلئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی جائے اور اس شعبہ سے منسلک اساتذہ کرام اور طلباء کی صحیح سمت میں راہنمائی کی جائے تاکہ اس بابرکت اور ذمہ دارانہ کام کی ابتدا صحیح نہج پر کی جا سکے۔

مندرجہ بالا مقصد کے حصول کے لئے ایسے مستند اور تجربہ کار علماء کا اکٹھا کیا جانا اشد ضروری تھا۔ جنہوں نے سیرت محمد ﷺ پر پہلے سے تحقیقی کام کیا ہوا ہو اور اس موضوع پر ان کے تجربات اور مشاہدات

سے حقیقی معنوں میں استفادہ کیا جا سکے۔

یہ کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ سیرت طیبہ کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے محققین تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کیلئے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکالنا اور پاکستان تشریف لانا خاصا دشوار نظر آ رہا تھا۔ مزید برآں عالم اسلام کی ان محترم شخصیات کی مہمانداری بھی ایک اہم ذمہ داری تھی۔ ان تمام مشکلات کے باوجود پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیق خان، وائس چانسلر صاحب اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی حوصلہ افزائی اور مشاورت سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا جائے تاکہ سیرت طیبہ کے حوالے سے مشتاق و متمنی اساتذہ کرام اور طلباء بہ نفس نفیس علماء کے اس گرانقدر اجتماع سے مستفید ہوسکیں۔ یہ کام جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لیکن وائس چانسلر صاحب کے بھرپور تعاون اور مسند سیرت کی ان تھک کاوشوں کے نتیجے میں اس بابرکت سیرت کانفرنس کا انعقاد ممکن ہوسکا۔

انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کے اغراض و مقاصد:

۱۔ عصر حاضر کے گوناگوں مسائل کا حل سیرت محمد ﷺ میں تلاش کیا جائے۔

۲۔ سیرت پاک کے جن پہلوؤں پر تحقیقی کام نہیں ہوا ان کو اجاگر کیا جائے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کا پیغام آفاقی ہے۔ اس کو عالم اسلام میں بالخصوص اور دنیا کے کونے کونے تک بالعموم پہنچانے کا انتظام و انصرام کیا جائے۔

۴۔ سیرت نبوی ﷺ پر پائے جانے والے نادر قلمی مخطوطات کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں تاکہ محققین کو سیرت پر تحقیق کرنے کیلئے مدد مل سکے اور آئندہ ان کی اشاعت کا اہتمام کیا جا سکے۔

۵۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مختلف زبانوں میں لکھی جانے والی کتب کا تعارف کروایا جائے۔

۶۔ دور حاضر میں سیرت پر قومی اور نجی سطح پر ہونے والے کام کا علمی جائزہ لیا جائے۔

۷۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر سیرت نبوی ﷺ پر تحقیق میں معروف افراد اور اداروں سے اشتراک

عمل کے لئے موقع فراہم کیا جائے تاکہ تحقیقی کام کو مربوط کیا جا سکے اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کو باہمی مشاورت اور ایک دوسرے کے تعاون سے حل کرنے کیلئے رہنمائی میسر آ سکے۔

۸۔ پاکستان میں سیرت طیبہ پر کئے گئے گراں قدر تحقیقی کام اور علماء کا بین الاقوامی سطح پر تعارف کرایا جائے ان کو اور ان کے تحقیقی کام کو صحیح پذیرائی مل سکے اور وہ نئے ولولے اور جذبے سے مزید تحقیقی کام کر سکیں۔

۹۔ سیرت کانفرنس میں شریک محققین کے وقیع مقالات کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

۱۰۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مربوط، منظم اور دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق کام کرنے کے لئے سفارشات مرتب کی جائیں۔

اس کانفرنس نے یہ موقع فراہم کیا کہ دنیائے اسلام کے نامور علمائے سیرت نبوی کی تحقیقات اور قیمتی آراء سے خوشہ چینی کی جا سکے۔ مندوبین کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے سیرت نبویؐ پر تحقیق میں پیش آمدہ مسائل پر غور کیا گیا اور ان مسائل کے حل کے لئے ان کی آراء کی روشنی میں سفارشات مرتب کی گئیں۔

ان کمیٹیوں کی کئی نشستیں ہوئیں اور ان میں مرتب شدہ تجاویز کو اکٹھا کرنے کے بعد ان پر غور وخوض کے ارادہ سے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں مندرجہ ذیل سکالرز نے شرکت کی اور سفارشات کانفرنس ہذا میں پیش کی گئیں مزید برآں یہ بھی طے پایا کہ ان سفارشات کو حکام بالا اور ارباب اختیار تک پہنچایا جائے تاکہ ان پر مناسب عملدرآمد ہو سکے۔

☆	پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب، ڈائریکٹر لائبریریز پنجاب لاہور۔	چیئرمین
☆	پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد سعید بادنجکی ندوی (مانچسٹر) برطانیہ	ممبر
☆	پروفیسر ڈاکٹر سعد محمد الرصفی، کویت	ممبر
☆	پروفیسر ڈاکٹر عبدالنبی اسطیف (دمشق)، شام	ممبر

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی (علی گڑھ) انڈیا	ممبر
☆ ڈاکٹر سرور عالم ندوی (علی گڑھ) انڈیا	ممبر
☆ ڈاکٹر جمشید احمد ندوی' خدا بخش لائبریری (پٹنہ) انڈیا	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز' سیرت سٹڈیز پشاور یونیورسٹی پشاور	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر عبد الروف ظفر' اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور	ممبر
☆ ڈاکٹر سفیر اختر' انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد	ممبر
☆ ڈاکٹر سہیل حسن' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد	ممبر
☆ ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی' سیرت چیئر' بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ	ممبر
☆ ڈاکٹر حافظ محمود اختر' پنجاب یونیورسٹی لاہور	ممبر
☆ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر' سیرت وحدیث' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر' پنجاب یونیورسٹی لاہور	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی' اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور	ممبر
☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد	ممبر
☆ ڈاکٹر نصیر اختر' کراچی یونیورسٹی کراچی	ممبر
☆ ڈاکٹر ازکیا ہاشمی' گورنمنٹ کالج بالاکوٹ' مانسہرہ	ممبر

سفارشات (بین الاقوامی سیرت کانفرنس) ۱۱۔۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور:

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے زیر اہتمام منعقدہ ۱۱ تا ۱۳ فروری ۲۰۰۰ء بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شریک ملک اور بیرون ملک کے مختلف سکالرز کی تجاویز و آراء کی روشنی میں درج ذیل سفارشات مرتب کی گئیں جن کی شرکائے کانفرنس نے آخری اجلاس میں منظوری دی:

۱۔ سیرت نگاری کی علمی بنیادوں اور عملی تقاضوں پر تحقیق و تدوین عصر حاضر کا اہم تقاضا اور ضرورت ہے جو افرادی اور مادی وسائل کی فراہمی کے بغیر ممکن نہیں۔ اجلاس ارباب اقتدار و صاحبان علم و فضل اور اصحاب ثروت سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ سیرت کے موضوع پر جدید سائینٹفک بنیادوں پر کام کو آگے بڑھانے کے لئے سیرت سے متعلق اداروں سے دامے درمے قدمے سخنے بھرپور تعاون کیا جائے۔ بالخصوص متروکہ اوقاف پراپرٹی بورڈ، صوبائی وزارت اوقاف، چیمبرز آف کامرس سے سیرت کے متعلق منصوبوں کی تکمیل کے لئے مالی تعاون حاصل کیا جائے۔

۲۔ سیرت نبوی کے موضوع پر اہم مخطوطات کی کثیر تعداد ملک اور بیرون ملک مختلف کتب خانوں میں موجود ہے جن میں چند ایک مخطوطات کی نشاندہی بعض مقالہ نگاروں نے بھی کی ہے۔ اس اہم علمی ذخیرہ کے تحفظ اور اس سے استفادہ کے لئے ضروری ہے کہ ان منتشر مخطوطات کا حصول ان کی تحقیق و تدوین فہرست سازی اور ان کی طباعت کا معقول انتظام کیا جائے۔

۳۔ جنوبی ایشیاء میں سیرت کے موضوع پر جو قابل قدر علمی اور تحقیقی کام ہوا ہے۔ اس کا اعتراف بیرون ملک مختلف سکالرز نے بھی کیا ہے بالخصوص شرکائے کانفرنس میں سے عرب ممالک اور یورپ کے سکالرز نے بھی ان کی منفرد اور نمایاں علمی اور تحقیقی کاوشوں کو سراہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان علماء کی تصنیفات و تحقیقات کو زیادہ سے زیادہ بیرون ملک متعارف کروایا جائے۔ اور سیرت کے مختلف میدانوں میں ان کی خدمات کو اجاگر کیا جائے۔ ان کی تحریر کردہ کتب کے کیٹلاگز تیار کئے جائیں اور غیر ملکی زبانوں میں ان کے تراجم کروائے جائیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ اس ضمن میں مزید یہ

طے پایا کہ ملائشیا کے انسٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ قطر کے سیرت سٹڈیز سنٹر، الجامعۃ الاسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ کے سیرت سٹڈیز سنٹر اور اس نوعیت کے دوسرے اداروں کے ساتھ تحقیقی منصوبوں کو مربوط کیا جائے۔

۴۔ سیرت کا بہت بڑا مواد عربی، انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں موجود ہے۔ بالخصوص اوّل الذکر زبان میں سیرت کا بنیادی ذخیرہ کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ ذخیرہ عمومی استفادہ کیلئے اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ موجودہ دور میں لکھی جانے والی بعض عربی کتب سیرت بھی خاصی وقیع ہیں۔ اہم اور بنیادی کتب کی فہارس مرتب کرنے کے بعد مختلف علمی اداروں اور شخصیات کو اس علمی کام کی طرف متوجہ کیا جائے۔

۵۔ سیرت کے موضوع پر مستشرقین نے بھی بہت تحقیق کی ہے۔ مختلف مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے اپنے مخصوص سیاسی اور مذہبی مقاصد کے تناظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو ہدف تنقید بنایا ہے اگرچہ اہل علم نے ان اعتراضات کا علمی جائزہ لیتے ہوئے خاطر خواہ دفاع کیا ہے۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع پر مستقل تحقیقی کام جاری رہے۔ تحقیقی اداروں اور اہل علم کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے زہریلے پراپیگنڈے پر مشتمل مواد کا جدید علمی اور سائنٹیفک بنیادوں پر تجزیہ کریں۔ اس سلسلے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مندوب پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہاں سکالرز سے سیرت نبوی کے حوالے سے مستشرقین کے افکار و نظریات اور ان کی کتب پر تحقیق کروائیں اور پاکستان کے متخصصین کو بھی اپنے تحقیقی منصوبوں میں شمولیت کے مواقع فراہم کریں۔

۶۔ اہل علم اور تمام تحقیقی ادارے سیرت کے حوالے سے ان موضوعات پر خصوصی توجہ دیں جو عصر حاضر میں سیاسی، سماجی، معاشی، تمدنی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کے حوالے سے ہمیں درپیش ہیں اس کے لئے جدید علوم مثلاً سوشل سائنسز سے متعلق مواد کو بالخصوص مدّنظر رکھا جائے تا کہ عملی تطبیق و تنفیذ ممکن ہو سکے۔ سیرت چیئر کے منتظمین بالخصوص ایسے محاضرات کا اہتمام کریں جن سے محققین کی سوشل سائنسز کے

حوالے سے تعلیم وتربیت کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔

۷۔ دنیا بھر میں سیرت کے موضوع پر تحریر کردہ مواد اور مخطوطات کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔ اور اس کے لئے ایک مرکزی کتب خانہ قائم کیا جائے۔ جو ڈاکٹر حمید اللہ ریسرچ لائبریری' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد سے منسلک ہو جس کا اعلان ارباب حکومت کی طرف سے کیا جا چکا ہے۔ اس مرکزی لائبریری میں دنیا بھر کی تمام زبانوں میں لکھی جانے والی کتب سیرت اور مخطوطات جمع کئے جائیں اور ان کی مائیکروفلمیں بہم پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

۸۔ دیگر علوم وفنون کی طرح کتب سیرت کی فہرست سازی بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مختلف زبانوں بالخصوص اردو زبان میں سیرت کے موضوع پر تحریر کردہ کتب' تراجم کتب' مقالات اور رسائل وجرائد کے سیرت نمبروں کے یونین کیٹلاگ (جامع کیٹلاگ) اور اشاریئے تیار کروائے جائیں تاکہ ان سے بآسانی استفادہ ممکن ہو سکے۔

۹۔ اماکن سیرت سے متعلق اٹلس کی تیاری سے سیرت کی تحقیق میں بڑی رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس اہم تحقیقی پراجیکٹ کی تکمیل کیلئے پروفیسر عبدالجبار شاکر ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب کا نام تجویز کیا گیا ہے جو پہلے سے اس کام میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس حوالے سے بعض منصوبے ان کے زیر تکمیل ہیں۔

۱۰۔ سیرت کے فروغ اور اس کی نشرواشاعت کے لئے جدید ذرائع ابلاغ (بالخصوص انفارمیشن سپر ہائی وے) سے استفادہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایسا مواد پیش کیا جائے جو فکری علمی اور عملی جہتوں سے ہماری رہنمائی کر سکے اور انسانی سیرت وکردار کی تعمیر میں اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ سیرت طیبہ سے متعلق اہم اساسی' علمی اور تحقیقی کتب سکیننگ کے بعد کمپیوٹر میں منتقل کی جائیں۔ مختلف جامعات کی سیرت چیئرز مشترکہ طور پر ایک انٹرنیٹ سائٹ ڈویلپ کریں۔ علاوہ ازیں سیرت کے مختلف پروگرامز' کانفرنسوں اور سیمینارز کو عمومی استفادے کے لئے انٹرنیٹ سے منسلک کیا جائے۔ اس سلسلے میں متعلقہ فیلڈ کے ماہرین سے تعاون حاصل کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ادارہ تحقیقات اسلامی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے تعاون کی درخواست کی جائے گی۔

۱۱۔ سیرت سے متعلق مختلف سرکاری اور غیر سرکاری ادارے شخصیات اور مختلف جامعات میں قائم سیرت چیئرز کے درمیان باہمی رابطہ اور تحقیقی کاوشوں کو مربوط کرنے کے لئے سیرت ریسرچ بورڈ کا قیام انتہائی ضروری ہے اس ضمن میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ موجودہ کانفرنس کے مبارک موقع پر ایک سیرت ریسرچ بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں تمام جامعات کی سیرت چیئر اور شعبہ سیرت کے سربراہان کو نمائندگی دی جائے اور باہمی مشورے سے ماہرین سیرت کو جو سرکاری، غیر سرکاری اداروں جامعات اور کلیات سے متعلق ہیں۔ اس کا ممبر منتخب کیا جائے۔ یہ بورڈ دو سالہ دورانیئے کی بنیاد پر تشکیل دیا جائے۔ پہلے بورڈ کی سربراہی کے لئے ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر انچارج سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کا نام تجویز کیا گیا ہے اس طرح تمام جامعات کو الف بائی ترتیب کے ساتھ دو سالہ دورانیئے کی بنیادوں پر بورڈ کی سربراہی کا موقع فراہم کیا جائے۔ یہ بورڈ اپنے ممبران کے باہمی مشورے سے تحقیقی موضوعات کا تعین کرے اور اس کے ممبران اپنے اپنے دائرہ عمل میں اس کی روشنی میں اپنے تحقیقی کاموں کو آگے بڑھائیں۔ یہ بورڈ قائم کرے اور رپورٹس طلب کرے۔ مذکورہ بورڈ سیرت کے تحقیقی موضوعات اور دوسری علمی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے مانیٹرنگ سیل کا فریضہ بھی انجام دے گا۔

۱۲۔ سیرت کے موضوع پر مختلف اداروں میں تحقیقی کام سے واقفیت کے لئے ''اخبار السیرة'' کے نام سے ایک سہ ماہی یا ششماہی اخبار کی تجویز بھی سامنے آئی ہے اور اس کے اوّلین شمارہ کے اجراء کے لئے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ سیرت کا تعاون طلب کیا جاتا ہے اس کی طباعت اور تمام جامعات کلیات مختلف تحقیقی اداروں اور شخصیات تک۔ اس کی ترسیل کا معقول انتظام کیا جائے۔ مختلف جامعات میں قائم سیرت چیئرز اور سیرت ڈیپارٹمنٹس کی طرف سے علمی اداروں اور شخصیات کے درمیان باہمی رابطہ کے فروغ کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف سیمینارز اور کانفرنسوں کے انعقاد کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

۱۳۔ سیرت کے موضوع پر ایم فل اور پی ایچ ڈی میں تخصص کے لئے ان طلباء کو منتخب کیا جائے جو عربی زبان و ادب اور قرآن و سیرت میں خاصی بصیرت و مہارت رکھتے ہوں تاکہ وہ سیرت کے اساسی مصادر و ماخذ سے براہ راست استفادہ کر کے سیرت کے ان گوشوں کو اجاگر کر سکیں جو وقت کی اہم ضرورت

ہیں اور اب تک اہل علم کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔

۱۴۔ سیرت کے موضوع پر تحقیقی کاموں کو مربوط اور موثر بنانے کیلئے تجویز کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر سفیر اختر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو متخصصین سیرت کی ایک جامع ڈائریکٹری مرتب کرنے کا کام سونپا جائے۔

۱۵۔ اردو زبان میں سیرت کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی تیاری وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف مدیر دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے جو اس سلسلے میں کام کو آگے بڑھائے گی اور عناوین سیرت مرتب کرے گی۔

۱۶۔ اجلاس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مختلف جامعات میں قائم سیرت چیئرز کی ترقی وتعمیر کے لئے تمام دستیاب وسائل بروئے کار لائے جائیں اور ان کے علمی و تحقیقی منصوبوں کی تکمیل میں بھرپور تعاون کیا جائے۔

۱۷۔ سکول کی سطح پر میٹرک کے اسلامیات لازمی کے مضمون میں نئے مرتبہ نصاب میں سیرت کے موضوع کو حذف کر کے صرف قرآنی آیات کے ترجمہ ومطالب کو شامل کیا گیا ہے۔ وزارت تعلیم اور متعلقہ اداروں کو قرآنی نصاب کے ساتھ ساتھ سیرت کے مواد کو بھی دوبارہ نصاب میں شامل کر کے اس خلاء کو پر کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ مختلف، اسلامی ممالک کے اسلامیات کے نصابات کا جائزہ لینے کے بعد ایک جامع نصاب مرتب کیا جائے۔ پروفیسر ڈاکٹر ادریس زبیر صدر شعبہ سیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اور پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز صدر شعبہ سیرت پشاور یونیورسٹی کو یہ ذمہ داری سونپنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جو مختلف نصابات کے باہمی تقابل ومطالعہ کے بعد موجودہ نصاب کو جامع بنانے کیلئے اپنی تجاویز سیرت بورڈ وزارت تعلیم حکومت پاکستان اور متعلقہ اداروں کو پہنچانے کا اہتمام کریں گے۔

۱۸۔ اجلاس یہ تجویز کرتا ہے کہ سیرت کے حوالے سے قائم مختلف غیر سرکاری ادارے اور شخصیات جو علمی اور تحقیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کے ساتھ ہر سطح پر

تعاون کیا جائے۔

۱۹۔ اجلاس وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ عمومی افادہ کے لئے کانفرنس میں پیش کئے جانے والے گراں قدر علمی و تحقیقی مقالات کی طباعت کا فوری انتظام کیا جائے۔

ہم نے سیرت کے محققین کے مخلصانہ تعاون سے یہ تجاویز و سفارشات مرتب کی ہیں۔ انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کے مندوبین نے تین روز تک جس محبت' عقیدت اور انہماک کے ساتھ اس کی مختلف کارروائیوں میں حصہ لیا ہے اس کے پیش نظر ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں ان تجاویز کے عملی امکانات کو روشن اور واضح کرنے کیلئے اپنی مساعی جمیلہ بروئے کار لائیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سیرت نگاری کا منہج

اجتہاد کے مختلف پہلو

سیرت نگاری کا صحیح منہج

* ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

نگاہ اولیں

سیرتِ نبوی علی صاحبا الصلوۃ والسلام کے مطالعہ اور نگارش کا جو منہج وطریقہ حضرت امام ابن اسحاقؒ (محمد بن اسحاق بن یسار (۸۵-۱۵۰/۷۰۴-۷۶۷) نے دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں متعین کر دیا تھا۔ کم وبیش وہی آج تک رائج ومقبول چلا آرہا ہے۔ ان کے جانشین وخوشہ چین حضرت امام ابن ہشام (عبدالملک بن ہشام بصری م ۲۱۸/۸۳۴) نے معمولی ترمیم واصلاح کے بعد اس طرزِ نگارش کو ایسی جامعیت، قطعیت اور مقبولیت بخشی کہ وہ سکہ رائج الوقت بن گیا۔ قرونِ خیر کے جامعینِ سیرت ہوں یا قرونِ وسطٰی کے مؤلفینِ سیرت، عہدِ ماضی کے ماہرینِ فن یا ہوں دورِ حاضر کے محققینِ علم، سیرت نگاری کے امامینِ ہمامین کے قائم کردہ جادۂ تحریر ونگارش سے بالعموم انحراف وروگردانی نہ کر سکے۔

بایں ہمہ بعض سالکانِ طریقت نے ایک طرزِ نو بھی ایجاد کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کی۔ کسی نے سیرت نبوی کے گونا گوں ابواب اور بوقلموں پہلوؤں پر مآخذِ سیرتِ طیبہ کی تمام روایات کو جمع ومرکزّ کر دیا۔ کچھ نے صرف روایاتِ حدیث کو سرچشمہ ہدایت سمجھا اور انھیں کی بنیاد پر اپنی کتبِ سیرت وسوانح تالیف کیں بعض ہمہ جہت اور جامع شخصیات نے حدیث وسیرت کی روایات ومعلومات میں حسین وجمیل امتزاج پیدا کیا۔ چند نادر و نایاب دماغوں نے تجزیہ وتحلیل اور تنقید وتبصیر کا طریقہ اختیار کیا۔ دارفتگانِ الفت اور شیفتگانِ محبت نے دامنِ دولت پر اغیار واعداء کی گرائی گرد کو دور کرنے کی سعی بلیغ کی۔ لیکن ان تمام مساعی جمیلہ میں ایک آنچ کی روایتی کسر رہ گئی اور ان کی تالیفاتِ سیرت یک رخی، بے ہمہ اور غیر متوازن و غیر جامع بن کر رہ گئیں۔

---

* پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۰۰۲۔ ہندوستان

ذاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جامعیت و ہمہ گیری سے ہم آہنگ و ہم پلہ کتابِ سیرت کا وجود میں آنا انسانی فکر اور بشری کاوش سے ماوراء ہے کہ یہ کارِ الٰہی اور تحمیدِ ربانی کا ایک جز و جمیل و جلیل ہے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی۔

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ حالِ سرورِ عالم
دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامین لکھتے
ندا یہ بارگاہِ عالمِ قدوس سے آئی
کہ یہ ہے اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمیں لکھتے

اس کے باوجود ثناء خوانانِ مصطفیٰ ﷺ کا فرضِ منصبی اور کارِ اُمتی ہے کہ شخصیت نبوی کے شایانِ شان تالیفاتِ سیرت دربارِ رسالت میں نذر گزراتے اور عام امتیوں کے روبرو پیش کرتے ہیں۔

جامع ومانع اور ہر لحاظ سے شامل و کامل کتابِ سیرت لکھنا بھی ناممکن ہے اور ایک یا چند فرد بشر کے بس کی بات نہیں۔ عظیم ترین انسانی شخصیت کی سیرت وسوانح کے لیے وسعت بیانی ہی کی نہیں، بیانِ بیکراں کی حاجت ہے۔ اس کو روبہ عمل لانے کے لئے منصوبہ بندی، بحث ونظر، مطالعہ وموازنہ اور پیہم کاوش و نگارش کی ضرورت ہے۔ وقت وزمانہ کی حدبندی بھی اس سے آگے بے محل ہے کہ وہ کارِ ابدی ہے۔ تا قیام قیامت جاری رہنے والا، "ورفعنا لک ذکرک" کے مصداق ہر آن و ہر زمان زبان و بیان اور تحریر و تقریر پر حکمرانی کرنے والا۔

اس مختصر مقالہ میں سیرتِ نبوی مطالعہ ونگارش حوالے سے چند رہنما خطوط اور سنگ ہائے میل تجویز کرنے کی کوشش حقیر کی جارہی ہے۔ جو صحیح مطالعہ اور جامع نگارش کا پتہ دیتی ہے کہ یہ خود بھی ناقص و یک طرفہ ہے اور ایک ناقص العلم، کج مج بیان اور حقیر قاری و کاتب کی طرف سے پیش کی جارہی ہے۔

سیرت نگاری کی چند سطحیں ہوسکتی ہیں۔ عام قاری اور عوام الناس کی تعلیم و تربیت کے لیے ہو۔ دو ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہؑ کی درسی ضروریات کی خاطر، بلند ذوق قارئینِ کرام کی تسکین ذوق

کے مقصد کے لیے اور خالص تحقیقی مطالعات کی صورت میں۔

ان گونا گوں مطالعاتِ سیرت میں سب کے لئے ایک ناگزیر اصول وطریقہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کی سیرت طیبہ میں اسوہ حسنہ کو اجاگر کیا جائے جو تعلیم و تعلم کی ضروریات کی تکمیل کرنے کے ساتھ ساتھ تمام قارئین کی تربیت و تہذیب بھی کرتا رہے۔ آیات و معجزات اور خوارق واقعات، مبشرات و بشارات اور ایسی ہی دوسری ماروارئی اور مافوق الفطرت چیزوں کے بیان سے ان کے فکر ونظر کو کند، عمل و فعل کو سلب اور عقیدہ وخیال کو منجمد نہ کرے۔ معجزاتِ نبوی سے انکار ہے اور نہ مبشراتِ صحیح سے مگر قرآن مجید اور حدیثِ رسول ﷺ نے ان پر بنیادی زور نہیں دیا اور نہ ان کو حیاتِ انسانی کا تہذیب گر وصیقل بنایا تو سیرت نگارانِ وقت کیوں ان کے بیان و تحقیق میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیں؟

قابلِ عمل اور عام بشری فکر وعمل کی گرفت میں آنے والے پہلوؤں کو چھوڑ کر جب معجزاتی اور کراماتی پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے تو فطرتِ انسانی پر اساطیری رنگ اور دیومالائی آہنگ مسلط ہو جاتا ہے۔ اس کے زیر اثر انسان، قوم، ملت اور امت انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے بے عملی اور بے فکری کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور وہ انھیں بالآخر بے حسی و بے شعوری تک لے جاتی ہے۔ ایسی سحر زدہ حالت اور نشہ آگیں کیفیت میں انسان اور ملتیں صرف مسیحا کی آمد اور مہدی کے ظہور کا ہی انتظار کر سکتی ہیں اور خود اپنے اعضاء و جوارح اور ذہن و دماغ سے کام لے کر وقت کے تقاضوں اور زمانے کے مطالبوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں کہ اسطوری فکر وخیال اور دیومالائی عقیدہ ووہم نے ان کے تمام ذہنی اور جسمانی قویٰ کو شل کر دیا ہوتا ہے۔

مراحل سیرت نگاری: عہد جاہلی

ہمارے تمام سیرت نگارانِ کرام بالعموم بھی اپنے وفودِ جوش وخروش میں سیرتِ نبوی کے پس منظر یعنی جاہلی عرب کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی منظر نامہ کے بیان و تصویر کشی میں حقائق و شواہد سے روگردانی کرتے ہیں اور عرب جاہلیت کی وہ تصویر پیش کرتے ہیں جس پر علم، اخلاق حتیٰ کہ اسلام بھی ماتم کناں اور

گریہ کناں نظر آتے ہیں۔

وہ اسے ایسا دورِ شر اور عہدِ تاریک بناتے اور بتاتے ہیں جس میں خیر کی کوئی کرن اور روشنی کی کوئی لہر نظر نہیں آتی حالانکہ حقیقت اور صورتِ حال کچھ دوسری ہی تھی۔

قبائلی جاہلی عرب میں رذائل کے ساتھ ساتھ فضائل بھی تھے، شر کی دنیا کے ساتھ خیر کا جہان بھی تھا۔ کارِ ابلیسی کے پہلو بہ پہلو اعمالِ رحمانی بھی کارفرمائی کر رہے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جاہلیت، تاریکی اور ظلمت نے علم و روشنی اور نور کو دبا رکھا تھا۔

شراب نوشی، قمار بازی، ظلم و زیادتی، سود خواری، اور بہت سی دوسری برائیاں سماج و قوم کے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکی تھیں تو ان رذائل اور برائیوں کی برائی اور شری مزاج کا احساس بھی تھا۔ تارکِ شراب ہی نہیں۔ اس ام الخبائث کو منہ سے نہ لگانے والے بھی موجود تھے۔ قمار و جوأ سے احتراز کرنے والے، سود سے بچنے والے اور ظلم و زیادتی کا مقابلہ کرنے والے بھی اسی جاہلی سماج میں موجود تھے۔ اور حلف الفضول جیسی محمود مساعی کے ذریعہ ان کا سد باب کرتے تھے۔ دختر کشی کی لعنت محدود تھی اور کم از کم شہری اور بہت سے بالائی قبائل میں مردود سمجھی جاتی تھی۔ ان فضائل نامہ میں فیاضی، سخاوت، بہادری، شجاعت، ایمانداری، دیانتداری، سچائی، صداقت، وسیع القلبی، شہامت، وعدہ کی پابندی، امانت اور قبائلی عصبیت یعنی اپنے قبیلہ اور قوم سے اتھاہ محبت و بیکراں وفاداری جلی حروف اور سنہری زبان میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مذہبی عقائد و اعمال میں ان کے ہاں شرک و کفر کی اقسام موجود تھیں تو "اللہ واحد" کا تصور و عقیدہ بھی۔ وہ رسالت کے بھی اقراری تھے۔ مگر آخرت کے منکر بن چکے تھے۔ عقائد و اعمال میں وہ اپنے آپ کو "دینِ ابراہیمی" کا پیرو سمجھتے تھے اور در حقیقت ان میں اسکی بعض باقیاتِ صالحات موجود بھی تھیں۔ ان میں نماز، روزہ، خیرات، حج قربانی اور بعض دوسرے اعمالِ بدنی و مالی شامل تھے۔ اور ان کی شہادت خود قرآن مجید دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی قبل بعثت زندگی اسی جاہلی عرب کے سماج میں پروان چڑھی اور معراجِ نبوت تک پہنچ گئی۔ یہ چالیس سالہ عہدِ حیات بھی مثالی تھا اور قرآن مجید نے اسے آپ کی صداقت

ونبوت پر بطور دلالت پیش کیا ہے۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله ط افلا تعقلون ○(یونس ١٦)

''میں رہ چکا تم میں ایک عمر اس سے پہلے، کیا پھر تم نہیں بوجھتے'' (ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ ہاشمی قریشی، کی تربیت اور تعمیر وتشکیل براہِ راست نگاہِ ربانی اور علم الٰہی میں ہوئی تھی تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس مثالی تربیت اور بے داغ تعمیر کا کام جاہلی عرب کے سماج وتہذیب کے پروردہ ہاتھوں اور جسموں اور دماغوں کے ذریعہ ہی انجام پایا تھا۔ بی بی آمنہ، خواجہ عبدالمطلب، جناب زبیر وابوطالب دیگر اعمام وعمات اور اہلِ خاندان بنی ہاشم کے علاوہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کا خانوادہ رضاعت کا آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت اور ساخت وپرداخت میں بنیادی بشری ہاتھ تھا اور وہ سب کے سب اسی عہدِ جاہلی کے پیداوار وارکان وافراد تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ خاندانِ بنوعبدمناف کی متحدہ سماجیات اور مکہ مکرمہ کی عام فضائے تہذیبی بھی کارگزار وکارفرما رہی تھی۔

اسی جاہلی عرب میں حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہاشمی کی بعثت ونبوت ہوئی۔ اس کے اسباب و عوامل اور محرکات وحالات پر بحث ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہی رہے گی لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے جاہلی ماحول مکہ مکرمہ میں آپؐ پیدا اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں آپؐ مبعوث ہوئے۔ جاہلی عرب کا سماج اور تمدن محض تیرہ وتار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ دوسرے انسانی سماج اس سے بھی زیادہ بے شعور، جاہلی، تاریک اور غیر انسانی تھے۔ حدیثِ نبوی ﷺ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قریش میں، قریش کے خانوادہ بنوعبدمناف میں اور اس خاندانِ بنی ہاشم میں اپنے انتخاب واصطفاد سے بہرہ ور فرمایا صرف ارادہ وتدبیر الٰہی کی شہادت نہیں فراہم کرتی بلکہ آپ ﷺ کے لئے چیدہ ومنتخبہ خاندانوں اور انسانی طبقوں کے مجموعی خصائل واوصاف کی طرف بھی واضح اشارہ کرتی ہے۔ حقیقت وفطرت شناسی کی بات یہ ہے کہ جاہلی عربوں میں سمجھ میں آجانے والے قبول حق کا مادہ بھی اس کا ایک اہم ترین سبب، عامل اور بنیاد تھا۔ اسی کو فطرت اللہ اور فطرتِ سلیم کہا گیا ہے۔

قبل بعثت حیات نویسی:

ولادت ورضاعتِ نبوی کے باب میں تاریخ ووقت، ماہ وسال، تسمیہ وعقیقہ کے ساتھ ساتھ والدہ ماجدہ، جدامجد کے عشق ومحبت خصوصی اور اعمام وعمات کی الفت ویگانگت عمومی کا ذکر ہونا چاہیے اور اسی کے ساتھ اس محبت آگیں اور عصبیت زدہ فضا اور تہذیبی رسوم ورواج کا بیان بھی ہونا چاہیے جس میں نوخیز نونہالِ خاندان نے زندگی کی اولین ہمک سے آشنائی پائی۔ آخر وہ کونسی جبلت، فطرت یا محبت تھی جس نے چچا ابولہب کو اپنی باندی ثویبہ کو رضاعت نبوی پر مامور کرنے پر مجبور کیا؟ حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعتِ حلیمانہ اور تربیت مادرانہ حکیمانہ کے باب میں نوخیز طفلِ ہاشمی کی تعلیم وتربیت کے بشری پہلوؤں پر زور دینا چاہیے۔ خاندانِ بنوسعد بن بکر ثقیف مجموعی طور سے پانچ برس کی مدت پر تعلیم وتربیتِ نبوی میں مادری عربی زبان کا سیکھنا، چلنے پھرنے کی صورت پانا، تیراندازی اور دوسرے کھیل اور انداز سیکھنا، اور مجموعی طور سے رضاعی بھائی بہنوں اور ماں باپ کی ممتا بھری گود میں پرورش پانا اور زیست کرنے کا حسین انداز جاننا اور اپنانا بنیادی تربیتی پہلو ہیں جن کے صحیح اجاگر کرنے سے امتِ مسلمہ کے بچوں اور والدین کو تربیتِ اطفال کا صحیح اسوہ مل سکتا ہے۔

والدہ ماجدہ اور جدِ امجد کی پرورش، قیامِ مدینہ کے واقعات وحالات، مکہ مکرمہ میں لڑکپن کی اٹھان اور فکری وبدنی طہارت اعمام وعمات بالخصوص حضرت زبیر کی پرورش وپرداخت، نوجوانی میں مکہ مکرمہ کی سماجی وتہذیبی زندگی میں کارکردگی اولین تعمیر کعبہ میں فطرت اللہ کی کارفرمائی، جنگ فجار میں شرکت اور فنونِ حرب سے شناسائی، عرب تجارت میں شمولیت وشراکت اور بیس سال کی عمر شریف سے پورے مکی عہد میں عرب تجارت میں آپ کی مثالی شرکت وشرافت، حضرت خدیجہ سے شادی اور ان کا ساتھ ازدواجی زندگی اور اولادِ امجاد کی ولادت وتربیت، دوران تعمیر کعبہ آپ کی حکمت وقیادت اور حلف الفضول میں مجاہدانہ شمولیت وکارسازی کے واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں پیش کرنا ضروری ہے۔ قبل بعثت واقعات وامور کو ان کے موقعہ ومحل اور ان تاریخی تناظر سے کاٹ دینے کا رجحان صرف اس بنا پر پایا جاتا ہے کہ اولین امامانِ

سیرت یا معتمد و مستند سیرت نگاروں نے ان واقعات وحالات وامور کو ان کے صحیح مواقع پر صحیح تاریخی تناظر میں نہیں بیان کیا۔ کورانہ تقلید نے لکھنے والوں کی نظر خراب کی اور قارئین کے فکر و مطالعہ کو بے راہ، بے سود اور بے سمت کیا تو کیا خود سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات کو درہم برہم کر دیا۔

نگارشِ عہد بعثت - مکی دورِ حیات:

آغازِ بعثت نبوی اور ابتدائے تنزیلِ قرآن کریم کے درمیان جو چھ ماہ کا فرقِ زمانی پایا جاتا ہے بالعموم اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث رویائے صادقہ اور حدیثِ نبوی ﷺ کہ رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے اور متعدد روایات واحادیث ثابت کرتی ہیں کہ بعثت نبوی ۱۲ ربیع الاول ۱ نبوی کا واقعہ ہے اور قرآن مجید کی تنزیل کا آغاز اسی سال رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کا معاملہ ہے۔ اسی طرح تنزیل قرآنی کے فترہ کے دوبارہ نزولِ قرآنی سے رسالت وتبلیغ کا آغاز ہوتا ہے جبکہ ہمارے سیرت نگار دونوں کو متصل واقعات کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں۔ حضرت ورقہ بن نوفل اسدی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک یا اولین ملاقات تنزیل قرآن کے اولین واقعہ کے بعد حضرت خدیجہ کی تحریک پر بیان کی جاتی ہے حالانکہ ابن اسحاق / ابن ہشام، اور سہیلی وغیرہ اہل السیر اور دوسرے ماخذ سے ان دونوں بزرگانِ کرام کی ملاقاتوں کے ایک سلسلے کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت ورقہ کی وفات کا واقعہ عہدِ تبلیغ کا ہے جبکہ اسے اولین تنزیل قرآن کے معاً بعد کا معاملہ بتا دیا جاتا ہے۔

خفیہ تبلیغ کے زمانے کے مسلمانوں اور بالخصوص اولین مسلموں کا قبائلی، سماجی، مذہبی، تہذیبی اور عددی تجزیہ نہیں کیا جاتا۔ اولین مسلموں کی ترتیب میں سمجھوتہ کا فارمولا استعمال کیا جاتا ہے جبکہ سابقین اولین کے باب میں قرآن مجید، حدیث شریف، اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ نے فضیلت وسابقیت کا معیار خدمات، جہادِ مالی وبدنی اور اسلام کے لیے طاقت وشوکت بننے کو قرار دیا ہے یہ وہم بھی حقیقت سے متصادم ہے کہ اولین مسلمان سب کے سب یا غالب اکثریت میں کمزور طبقات، ادنیٰ معاشرتی حلقوں اور بیکس لوگوں (ضعفاءُ المسلمین) سے وابستہ وپیوستہ تھے حالانکہ ابن اسحاق / ابن ہشام کی قبائلی فہرستِ مسلمانان اور

صعیدی، مونٹگمری واٹ مودودی اور متعدد دوسرے تجزیہ نگاروں کے مطابق ان کی غالب اکثریت اشرافِ قریش/ خانوادوں کے نوجوان سپوتوں پر مشتمل تھی۔ اس کی تائید میں ٹھوس حقائق اور ناقابل انکار ثبوت موجود ہیں۔ خیال عام اور وہم انام کی تائید میں حضرت ابوسفیان اموی اور شاہ روم ہرقل کے مکالمے پر مبنی حدیث بخاری اور چند اسماء مستضعفین غلط طریقے سے پیش کئے جاتے ہیں۔ خفیہ تبلیغ کے کل مسلمانوں کی تعداد بہت کم دکھائی جاتی ہے۔ اس میں بچوں اور عورتوں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ مکہ مکرمہ کے خاندانوں کی اجتماعی قبولیت اسلام کا حوالہ نہیں دیا جاتا اور شہرِ الٰہی سے باہر دوسرے عرب علاقوں میں اشاعتِ اسلام اور تعدادِ سابقین کا حوالہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسی دورِ تاریخ ساز میں مکہ مکرمہ سے دور بسے ہوئے بلکہ دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں میں اسلام پہنچا اور مسلمان وجود میں آئے تھے کہ مکہ و مدینہ کے درمیان بسے ہوئے غفار و اسلم کے قبیلے، مشرق میں بحرین اور عبدالقیس کے بدوی لوگ، جنوب میں اشعر، دوس، بجیلہ وغیرہ کے اہلِ اسلام اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

علانیہ تبلیغ کے امرِ الٰہی کے بعد رسول اکرم ﷺ کی تبلیغی مساعی کا بیان و تجزیہ ابھی تک سیرت نگاروں کی تحریروں میں ادھورا اور تشنہ ہے۔ خاندان بنوعبد مناف کو دعوتِ نبوی اور اس کی مسلسل تکرار، عام اہلِ مکہ کو دعوتِ اسلام اور اس پر متواتر اصرار انتھک محنت و مشقت بلکہ جاں گسل و جاں گداز تبلیغ نبوی، دعوتِ نبوی ﷺ کے تبلیغی مشمولات، تلاوتِ قرآن کریم، خطبات نبوی دعوت کے طریقے گھروں، بازاروں میلوں ٹھیلوں، قبائلی آماجگاہوں، عمرہ کے مقاموں اور حج کے منسکوں، شبانہ روز کے دوروں، دارِارقم کی پہنائی میں تعلیم و ارشاد کے حلقوں، تاجروں، زائروں، حاجیوں اور عام آنے جانے والوں سے نبوی ملاقاتوں اور ہر آن و ہر وقت کی نبوی کاوشوں کا بیان ابھی تک تشنہ تحقیق و تحریر ہے۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی ایک متعد بہ تعداد جمع ہو جانے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے غیر اسلامی ملک و ماحول میں اہلِ ایمان کی شیرازہ بندی اور مسلم معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کی جو کوشش دارِارقم کے قیام کے زمانے اور مکی مواخاۃِ مسلمانان کے ذریعہ کی اس کا ابھی تک سیرت نگاروں کو بالعموم شعور ہی نہیں ہوسکا،

بیان وتحریر اور تحلیل وتجزیہ کی نوبت کیوں کر آتی ؟ اس پر طرفہ ستم یہ کہ اکثر و بیشتر سیرت نگاروں نے مکی مواخاۃ اور مدنی مواخاۃ اور ان کے ذریعہ وجود میں آنے والے مسلم مکی اور مدنی معاشروں کو ہی خلط ملط کر دیا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مذہبی روابط کا آغاز تاخیر سے کیا جاتا ہے جب کہ ان دونوں شہروں کے قدیم خاندانی قبائلی، ازدواجی، تجارتی اور مذہبی تعلقات کے پس منظر میں مدینہ منورہ میں اشاعتِ اسلام یا تعارفِ دین کا واقعہ ابتدائی مکی عہد کا ہے۔

ہجرت حبشہ اور مہاجرین حبشہ کا تجزیہ وتحلیل اور حبشہ میں مہاجرین مکہ کا قیام وسکونت ومعاشرت ابھی تک کسی کے حیطۂ فکر میں نہیں آیا کہ تجزیہ وتحلیل کے مرحلہ سے گزرتا طائف کا ایک ماہ قیام نبوی اور اس سفرِ مبارک کا تبلیغ نبوی کے ایک حلقہ کی حیثیت سے مطالعہ بھی ناقص ہے تیرہ سالہ مکی عہد حیات کے نبوی اکتسابات، اسلامی کامیابیوں، مسلمانوں کی کل تعداد، جزیرہ نمائے عرب میں ان کے پھیلاؤ کا مطالعہ بھی تحقیق طلب ہے۔

مدنی دورِحیات کی نگارش:

ہجرتِ مدینہ منورہ کا مطالعہ بھی مزید غور وفکر اور تحقیق کا متقاضی ہے۔ دار الھجرۃ کی حیثیت سے مدینہ منورہ کا انتخاب کن غیر الٰہی، مادی، فوجی، اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی اسباب سے ہوا اور الٰہی انتخاب کی حکمتیں کیا تھیں؟ سیرت وحدیث کے مآخذ میں وہ معلومات موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ مدینہ منورہ کی جغرافیائی حیثیت اور تہذیبی نوعیت الٰہی انتخاب کا سبب بنی تھی تجزیہ وتحلیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اوس وخزرج کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی قوت اور مکہ اور اہلِ مکہ سے ان کے دیرینہ اور گوناگوں تعلقات نے شہرِ نبوی میں اشاعت اسلام کی راہ ہموار کی تھی اور غالب آبادی کے قبولِ اسلام نے اسے دار الاسلام بنا دیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کا قبائلِ عرب سے حمایت ونصرت کا مطالبہ جسے کتبِ سیرت و حدیث میں ''عرض علی القبائل'' کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے اسی مقصد کے حصول کی خاطر تھا۔

اس سے زیادہ اہم اور بنیادی نوعیت کا معاملہ مہاجرین مکہ مکرمہ کی ہجرت، تعداد، دار الھجرۃ میں

مختلف خاندانوں میں ان کے ابتدائی دور میں بطور مہمانانِ خانہ اور ضیوف الرحمٰن کے قیام اور بعد میں مدنی مواخاۃ کے ذریعہ مدنی معاشرہ میں مستقل طور سے اتحاد و آمیزش کا ہے۔ مہاجرین مکہ کے علاوہ دوسرے مہاجرینِ بلاد و امصار کا تجزیہ و حوالہ بالعموم نہیں دیا جاتا جبکہ غفار و اسلم وغیرہ قبائل بدویہ کا انتقالِ مکانی اور قرب و جوار کے قبائل عرب جیسے جہینہ، مزینہ وغیرہ کا نقل مکانی اور مدینہ منورہ کی آبادی میں ان کی شمولیت ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ان سب کی تعداد کا مطالعہ اس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور مدینہ منورہ کی اقتصادی حالت اور معاشی مضبوطی کا جائزہ لینا بھی کہ دونوں نہ صرف لازم و ملزوم ہیں بلکہ مستشرقین اور جدید مورخین کے اس دعویٰ کے صحیح تجزیہ کے لیے ضروری بھی کہ مدنی معیشت ان نو واردانِ بساط اسلام کو انگیز کرنے کی بھرپور استطاعت و طاقت رکھتی تھی اور ان کی آمد و سکونت کی بنا پر غزوات و سرایا کے ذریعہ لوٹ مار اور اقتصادی و معاشی استحصال کی ضرورت نہ تھی۔ مدنی مواخاۃ کا ذکر بالعموم ایک عارضی انتظامِ معاشرت اور محض ابتدائی دور کا ایک واقعہ فاجعہ کے بطور کیا جاتا ہے جبکہ وہ حقیقتاً امتِ اسلامی کو وجود میں لانے والا واقعہ تھا جس کے مستقل اور دوررس سماجی، سیاسی اور اقتصادی اثرات تھے اور جو ایک مستقل نظامِ معاشرتِ اسلامی بھی ہے۔

تعمیر امتِ مسلمہ:

مدینہ منورہ میں اسلامی امت اور مذہبی ملت کے آغاز و ارتقاء، تعمیر و تشکیل اور استحکام و مضبوطی پر مسلم سیرت نگاروں سے زیادہ مستشرقین نے لکھا ہے۔ اس ضمن میں ان کے ہاں حسب معمول نفع کے ساتھ ضرر کا اور تریاق کے ساتھ زہر کا شائبہ زیادہ ہے۔ حیرت و افسوس کی بات ہے کہ مسلم سیرت نگاروں نے صحیفہ/کتابِ نبوی کا جسے دستورِ مدینہ کے نام سے شہرت حاصل ہے صحیح اور غائر مطالعہ نہیں کیا اور جو کچھ کیا اس کے تحت غیر مسلم عناصر، یہود وغیرہ کا اسلامی امت میں ادخال و انضمام دکھا دیا جبکہ ہر ایک کو یہ بھی تسلیم ہے کہ امتِ اسلامی کی بنیاد و نہار اور خمیر و قوام اسلام۔ مذہب۔ ہے جو یہود وغیرہ کا نہیں تھا۔ اس کے دوسرے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی جہات اور زاویوں کی طرف کسی کی نگاہ تک نہیں گئی۔ اسی طرح

رسول اکرم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے خالص مذہبی اقدامات واحکامات کی معاشرتی حکمت کی طرف توجہ نہیں مبذول ہوئی چنانچہ مذہبی شرائع واحکام کا مطالعہ غیر متحدہ اکائیوں اور غیر منسلکہ اقدامات کے بطور کیا جاتا ہے حالانکہ ان سب کی معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی حکمتیں بھی تھیں اور ان کی انفرادی واجتماعی توقیت کی بھی۔ مکی اسلام اور مدنی اسلام کا شوشہ بالعموم مستشرقین اور جدید تعلیم یافتہ اہل سیر کی طرف سے چھوڑا جاتا ہے جس سے علماء محققین تک بایں طور متاثر نظر آتے ہیں کہ وہ مکی عہدِ حیات میں ان احکامِ شرعی کا سراغ نہیں پاتے جن کا نفاذ مدنی دورِ شریعت میں ہوا حالانکہ احکامِ شرعی یا تشریع وقانون سازی مکی دور سے شروع ہوئی اور مدنی دور تک اور وفاتِ نبوی کے وقت تک بتدریج ارتقاء وتکمیل پذیر ہوئی۔ اس تدریجی اور مسلسل تشریع اسلامی کا مطالعہ بھی نہیں اور شعور بھی کم ہے۔

مولانا شبلیؒ کے سوا بالعموم ہمارے سیرت نگار مدنی معاشرہ اسلامی میں انصار ومہاجرین کی معاشی تگ ودو اور اس کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والی اسلامی معیشت کے عناصر اربعہ۔ تجارت، وزراعت، محنت اور حرفت۔ کا ادراک نہیں کرتے یا ان کو خالص مادی سودا سمجھ کر انہیں سیرتِ طیبہ کی پاکیزگی کے منافی جانتے اور اعراض کرتے ہیں حالانکہ وہ روحِ اسلامی کے اجسام وابدان اور معاشرہ اسلامی کے اعراض وارکان اور احکامِ شرعی کے دنیاوی ابعاد وجہات ہیں۔ یہ ایسا موضوعِ سیرت نبوی ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے اور تو اور خود ذاتِ نبوی علی صاحبا الصلوۃ والسلام کی معیشت ومعاش کا مطالعہ قابلِ اعتناء نہیں سمجھا گیا۔

تعمیرِ امت اور مغازی نگاری:

غزوات وسرایائے نبوی کا باب بھی جداگانہ قائم کیا جاتا ہے اور سیرت طیبہ اور تاریخ اسلام کے عالی تر، ہمہ گیر اور وسیع تر حیطہ عمل میں ان جہادی مساعی کو آمیز وپیوست نہیں کیا جاتا۔ مولانا شبلی جیسے سیرت نگاروں نے سلسلہ غزوات کو ایک بابِ سیرت بنا کر پیش کیا تو غزوات پر دوبارہ نظریں ان کے محرکات، مسائل اور مقاصد کو زیرِ بحث لا کر سیرت وتاریخ کے بلند ووسیع تر فریم ورک (Frame W ork) ان کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کی سعی ضرور کی مگر ایک متحد ومسلسل ومربوط مقصدِ حیات کی ایک ترکیبی کڑی اور

عنصری سلسلہ کی حیثیت سے ان کو ہم آہنگ حیات کرنے میں ناکام رہے۔ یہ صحیح ہے کہ منصب نبوت کا تقاضاء ہے اور نہ مقصد کہ ریاست وحکومت واقتدار کا حصول ہو۔لیکن یہ بھی اسی قدر یا اس سے زیادہ صحیح ہے کہ فرد وافراد کی تعلیم وتربیت کے عظیم ترین کارنبوت کے ذریعہ انبیائے کرام علیھم السلام بالعموم اور حضرت محمد ﷺ نے بالخصوص ایک اسلامی امت برپا کرنے کی کوشش کی ہے جسے قرآن مجید نے امتِ واحدہ قرار دیا ہے خواہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضور ﷺ تک کسی بھی نبی مکرم کی امت رہی ہو۔ امتِ اسلامی کا یہ تدریجی تسلسل اور تاریخی ارتقاء اُمتِ محمدی ﷺ یعنی صحابہ کرام کی صورتِ جمیل میں تکمیل پذیر ہوا۔ غزوات وسرایا اسی امتِ اسلامی واحدہ ویگانہ کی تعمیر وتشکیل اور اس کے نتیجہ میں خلافتِ الٰہی اور ریاستِ اسلامی کے ارتقاء وتکمیل کے اسباب وعوامل اور عناصر تھے۔

اسلامی جہاد اور نبوی فوجی تگ ودو کے سماجی، سیاسی اور قبائلی جہات کا جائزہ بھی ابھی تک ناقص یا یک طرفہ رہا ہے۔ زیادہ تر توجہ قریش و یہود یا بعض غزوات وسرایا کے حوالے سے بعض دوسرے قبائل عرب پر مرتکز رہی ہے ۔ دوسرے قبائل کو نظر انداز کیا گیا ہے یا جزیرہ نمائے عرب کے سیاسی جغرافیے کے تناظر میں ان کا مطالعہ نہیں کیا۔ تاریخی ترتیب اور توقیتی روایت کی بنا پر دوسرے غیر جہادی واقعات کے بیچ میں تداخل کی کارفرمائی ہوئی ہے اس لئے جہاد نبوی کا ایک مسلسل ومربوط نظام نظر نہیں آتا ان کا مقصد واحد و اعلیٰ کے علاوہ ان کے اقتصادی ومعاشی پہلوؤں کا جائزہ وتجزیہ سیرت نگاروں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ٹھہرا ہے حالانکہ سیرت نبوی کا یہ ایک انتہائی اہم پہلو اور تاریخ اسلامی کا بنیادی باب ہے اور جس کے صحیح مطالعہ کے بغیر جہاد اسلامی کا مطالعہ ناقص اور کسی تک غیر معتبر یا غیر مصدقہ رہ جاتا ہے۔ اسلام اور ذاتِ نبوی کا دفاع بھی اس کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

تنگنائے عرب سے وسیع کر کے پورے عالمِ انسانیت میں پیغام اسلام کو عام وسیع اور نافذ کرنے کی نبوی مساعی کا صحیح مطالعہ محض سلاطینِ عرب وعجم کے نام فرامینِ نبوی کا ایک باب قائم کردینے سے نہیں کیا جاسکتا۔ بالعموم بادشاہوں کے نام مراسلاتِ نبوی، ان کے طرزِ عمل اور جوابات پر مشتمل مواد سے اس

اہم آفاقی کارنبوت کا باب پورا کر دیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ سفیرانِ نبوی کے اسمائے گرامی ان کے اسفارِ رسالت اور چند دوسری متعلقہ وغیر متعلقہ چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا یہ اقدام عالی مقام بعثتِ محمدی کو عربی سے آفاقی، محدود سے لامحدود، مقامی سے عالمی اور موقت سے ابدی بنانے کی خاطر تھا۔ یہ دراصل ختم نبوت اور خاتم النبی ﷺ کا عالمی اعلان تھا کہ اب صرف پیغام الٰہی پیغام محمد ﷺ کی صورت میں قابل قبول اور پسندیدہ ربانی ہے۔ مراسلاتِ نبوی کے اثرات۔ عالمی و آفاقی اثرات نتائج وثمرات کا کماحقہ تجزیہ کرنا ضروری ہے مدینہ منورہ کے شمالی علاقوں میں رسول اکرم ﷺ کے غزوات وسرایا بالخصوص رومی شہنشاہیت کے خلاف عملی اقدامات ان فرامین و پیغاماتِ نبوی کی عملی ومنصبی و واقعی توسیعات تھیں اور انہی کے سبب پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی قوت وشوکت کو تسلیم کیا گیا۔

نبوی جاہ وحشمت، اسلامی سیاسی، فوجی طاقت اور اقتدار الٰہی کے ان صریح وعظیم اقدامات کے نتیجہ میں ہی پورے قبائل عرب نے تمام اطراف واکناف سے اپنے وفود، نمائندے اور سفراء خدمتِ نبوی میں مدینہ منورہ بھیجے تھے۔ ان کے عملی نتائج وثمرات یہ نکلے کہ پورا عرب مطیع ومنقاد ہوا اور اشاعت ونفاذِ اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔ اسی کو نصرِ الٰہی اور فتحِ ربانی کہا گیا ہے۔ خاتم النبی ﷺ کے کارِ نبوت ومقصدِ بعثت کی تکمیل اسلامی معاشرہ اور ریاست کے قیام کی صورت دلپذیر میں اپنے عروج ومعراج کو پہنچی۔ اس پورے بابِ سیرت کا سیرت طیبہ کے مجموعی تناظر وحیطہ عمل میں مطالعہ باقی ہے۔ اسی طرح وفاتِ نبوی کے باب اور اس کے معاً بعد خلافتِ اسلامی کے قیام وحکومت ربانی والٰہی کے تسلسل وتداخل ادوار کے فلسفہ کا مطالعہ بھی باقی ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ ولادت وبعثت سے لے کر وفات وخلافت تک ایک مسلسل ومربوط ارتقاء اسلامی کی حیثیت سے کرنے کی ضرورت ہے۔

تہذیبی اور تمدنی عناصر وارکانِ عہد نبوی کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے۔ سیرت نبوی کے حوالے سے زمانِ نبوی میں اسلامی تہذیب وتمدن کے آغاز وارتقاء اور بنیادی عناصر کا مجموعی مطالعہ نہ کرنے کے سبب نہ تو عہدِ نبوی کے تمدنی جہات کا ادراک کیا جا سکا اور نہ اسلامی تہذیب کے بنیادی اور قوامی عناصر کی

نشاندہی ہی کی جاسکی ماکولات ومشروبات ، لباس و پہناوے ، برتن بھانڈے، سامانِ عیش و حیات، زیورات، خوشبوئیات، تجارت وحرفت زراعت ومحنت، کھیل اور تفریح، سماجی طبقات، اقتصادی اونچ نیچ، اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے سماجی، اقتصادی اور تمدنی معلومات کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔ اور ان معلومات کی بنا پر اس عہدِ میمون کی تہذیبی بازیافت کی جاسکی۔ حالانکہ مصادرِ سیرت وحدیث میں اس موضوع وسیع وہمہ گیر پر اتنا مواد بکھرا ہوا موجود ہے کہ دفاتر کے دفاتر سیاہ کئے جاسکتے ہیں۔ اور عہد نبوی کی شاندار اسلامی تہذیب کا قصرِ اصلی تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ ہے بہت مشکل بلکہ جانکاہ ودل سوز کام۔ رتی رتی اور ماشہ ماشہ بلکہ قطرہ قطرہ معلومات جمع کر کے ان کو ایک مربوط نظامِ تمدن کا حصہ بنانا جگر کاوی اور جان سوزی کے مترادف ہے مگر خونِ جگر کے بغیر تو ہر نقش ناتمام رہتا ہے۔

اگر عہدِ نبوی کی تہذیب وتمدن کی تاریخ، ہئیت اور ہیولیٰ تیار کرلیا جائے تو بہ آسانی یہ فرق وامتیاز اجاگر کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی غیر مبدل اور ترکیبی عناصر کون کون سے ہیں اور مقامی، قابلِ تغیر اور سطحی صورتیں کیا کیا ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت اور بدیہی واقعیت ہے کہ عہد نبوی کے عرب کی اسلامی تہذیب و تمدن میں اسلام کے آفاقی اور لازمی عناصر بھی موجود تھے اور مقامی عربی روایات ورسوم اور چھاپ بھی۔ غیر مبدل اسلامی عناصر تمام بلاد وممالک کی اسلامی تہذیب وتمدن کے لازمی عناصر ہیں خواہ ان کا تعلق فکر وخیال اور اصول وعقیدہ سے ہو یا عملی حیات وحرکات کے میدان سے، جبکہ مقامی عناصر خواہ وہ عربی عناصر ہی کیوں نہ ہوں اسلامی تہذیب وتمدن کے بنیادی عناصر وارکان نہیں ہیں۔ علمائے محققین نے اسی بنا پر سنتِ تعبدی اور سنتِ عادی میں فرق وتمیز روا رکھی ہے۔ یہ دراصل اسلامی تہذیب وطرزِ حیات کے اسلامی اور مقامی عناصر کی دو علامتیں ہیں۔

طریقِ مطالعہ ونگارش (Methodology):

مورخ وسیرت نگار مسعودی ابوالحسن علی بن حسین ۲۸۰_۳۴۵/۸۹۳_۹۵۶) کا تبصرہ کم از کم مشرقی اور مسلم سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں کے حق میں بڑا حقیقت پسندانہ ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ

یا سیرت نگاری محض واقعات کی کھتونی ہے۔ بالعموم ہمارے سیرت نگار حیاتِ نبوی کے واقعات و کوائف، سوانح و حوادث اور حالات و سوانح بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کے بیان و پیش کش میں تاریخی ترتیب و زمانی تسلسل کا خیال رکھتے ہیں۔

یہ طرحِ نگارش امامینِ ہمامین ابن اسحاق و ابن ہشام نے ڈالی تھی جو کورانہ تقلید کے باعث مقبولِ انام و خواص ہوئی۔ سہل نگاری اور فنی تقاضوں سے نابلدی نے انہیں کی کتابِ سیرت کے مواد و طریق دونوں تک مشرقی سیرت نگاروں کی مساعی کو محدود کر دیا۔ بعض بعض نے کہیں کہیں دوسری بعض کتبِ سیرت کے مواد و طرزِ تحریر کے پیوند ضرور لگائے مگر ان کی طریقت و شریعتِ سیرت نگاری بیانیہ کی پابند نے والے رہی۔ اب زیادہ مقبول و متداول رواج یہ ہے کہ دو چار کتابوں کی بنیاد پر دفاترِ سوانح اور کتبِ سیرت کے انبار لگائے جا رہے ہیں جن میں کچھ بھی ان کا اپنا، نیا، طبعزاد نہیں ہوتا۔ سب کچھ مستعار ماخوذ بلکہ مسروقہ ہوتا ہے۔

امامانِ سیرت نبوی ﷺ نے باوجود بیانیہ اندازِ نگارش کے جا بجا تحلیل و تجزیہ اور تنقید و تبصرہ کا اسلوب بھی اپنایا ہے۔ مثلاً ابن اسحاق نے قدیم ترین مسلمانوں کا قبائلی تجزیہ پیش کیا ہے اور یہی اندازِ تحلیل مہاجرین حبشہ مہاجرین مدینہ، شرکاء بیعت اولی اور آخرہ، شرکاء بدر کبریٰ اور شہداء غزوات و سرایا کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔ متن امام میں جا بجا تنسیخ و تغلیط، ترمیم و تفصیل اور تنقید و تحلیل کی شاذ صورتیں اختیار کر کے ابن ہشام ؒ نے فنی بصیرت اور تجزیاتی مطالعہ کا نمونہ دیا ہے۔ بعد کے سیرت نگاروں میں سہیلی (عبد الرحمٰن بن عبد اللہ ۵۰۸۔۵۸۱ھ / ۱۱۱۴۔۱۱۸۵ء) نے تمام دستیاب روایات کی جمع و تدوین اور ضعیف و کمزور روایات و اخبار کی تنقید و تغلیط کے ذریعہ اپنی تجزیاتی بصیرت کا ثبوت پیش کیا اور مفصل ترین سیرت نگاری کی طرح ڈالی۔ انہوں نے علوم اسلامی تمام متعلقہ و محولہ مواد کو بھی ان مواقع و محلات پر پیش کر کے نیا مواد و نیا علم سیرت ہویدا کیا۔ غریب الفاظ و تعبیرات کر کے لغوی جہات کو روشناس کیا۔ دینی مسائل و امور پر بحث و نظر کا دروازہ کھولا اور ایک نیا منظر نامہ سیرت نگاری پیش کیا۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء) اور ان کے طبقہ محدثینِ کرام کے سیرت نگاروں نے بالخصوص

حافظ مغلطائیؒ (علاء الدین بن قلیج ۶۸۹۔۷۶۲ھ/۱۲۹۰۔۱۳۶۱ء) حافظ ابن جوزی (عبدالرحمٰن بن محمد تیمی صدیقی ۵۰۸۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۰) اور متعدد دوسرے اہلِ حدیث سیرت نگاروں نے روایاتِ سیرت کے ساتھ ساتھ احادیث واخبار محدثین کا بھی اضافہ وآمیزہ تیار کیا۔ مطعون امام سیرت واقدی (محمد بن عمر واقدی م ۲۰۷/۸۲۳) نے جزئیات نگاری، نقد وتحلیل نویسی اور تفصیل وتشریح کی ایک نئی دنیا تخلیق کی۔ متاخرین میں امام حلبی (نورالدین بن علی ۹۷۵۔۱۰۴۴ھ/۱۵۶۷۔۱۶۳۴ء) نے امام شامی (محمد بن یوسف صالحی م ۹۴۲ / ۱۵۳۶) کے متن میں تشریح و اضافہ کا اور علامہ زرقانی (محمد بن عبد الباقی ۱۰۵۵۔۱۱۲۲/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰) نے بیشتر متونِ سیرت اور روایاتِ سوانح کی جمع وتدوین اور تفسیر وتفصیل کا نیا جہان پیدا کیا۔

اردو سیرت نگاروں میں مولانا شبلی نے بیانیہ سیرت نگاری اور تجزیاتی مطالعہ کی حسین طرحِ نو ایجاد کی۔ ان کی سیرت النبی کی جلد اول پر بیانیہ انداز غالب ہے اور کہیں کہیں تنقید وتبصرہ اور تحلیل و تجزیہ کی کارفرمائی ملتی ہے۔ واقعہ بحیرہ راہب، مبشراتِ کہان، حضرت زینب بنت جحشؓ سے ازدواجِ نبوی، محرک غزوہ بدر وغیرہ کئی مقامات سیرت تحلیل و تجزیئے کی کٹھالی سے گزرے ہیں۔ جبکہ ''غزوات پر دوبارہ نظر'' نامی باب مورخانہ تحلیل اور ناقدانہ تجزیہ کا شاہکار ہے اور جسے بدقسمتی سے وہ خود بھی سیرت نگاری کے فریضہ سے باہر کی چیز اور وکیل دفاع کی مثل سمجھتے تھے۔ ان کی دوسری جلد پر تجزیاتی مطالعہ غالب ہی نہیں اسکی بنیاد و نہاد بھی ہے اور وہ عہدِ سیرت طیبہ کی بازیافتِ نو کی نہایت مستحسن و کامیاب کوشش ہے۔ دوسرے اردو اور عربی سیرت نگاروں کا بھی طریق پیشکش بیانیہ ہی ہے اور چند مقاماتِ آہ وفغاں کے سوا تحلیل و تجزیہ سے عاری۔ مولانا سیدِ سلیمان ندوی جامع و مرتب سیرۃ النبی شبلی نے اپنے اضافاتِ سلیمانی اور حواشی و تعلقات میں تحلیل و تجزیہ اور تنقید وتبصرہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اپنے استاد امام کے متعدد بیانات پر نقد وتبصرہ کیا ہے۔ اضافاتِ سلیمانی میں نئی معلومات تجزیہ کے سبب پیش کی ہیں۔ اور استاد گرامی کے چھوڑے ہوئے بیانات میں تجزیاتی و تحلیلی مطالعات کا رنگ وروپ بھرا ہے رسول اکرم ﷺ کی تجارتی سرگرمی، حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے ذبح اسمعیل علیہ السلام کے رویائے صادقہ کی عینی نوعیت، خلافتِ الٰہی اور استخلاف فی الارض کی صورت، ابو طالب ہاشمی کے عدمِ قبول اسلام کی حقیقت وغیرہ متعدد مباحث تجزیاتی ہیں۔ ان کی مرتبہ بقیہ جلدوں کا سیرتِ نبوی سے براہ راست تعلق نہیں۔ اگرچہ ان میں تجزیاتی انداز غالب و کار فرما ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین پر بیانیہ انداز غالب ہی نہیں سیرت نبوی پر اختصار غالب ہے اور متعلقاتِ سیرت سے بحث زیادہ ہے۔ یہاں تمام اردو سیرت نگاروں یا عربی اہل سیر کی کتبِ سیرت کا جائزہ تنقیدی مقصود نہیں ہے۔ صرف ان کے طریق نگارش کا نمونہ ہی مطلوب ہے۔

عہد جدید میں بعض عمدہ تجزیاتی مطالعاتِ سیرت اور کتبِ سوانح وجود میں آئے ہیں۔ ان میں مسعود احمد کی صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین کا اولین حصہ بعنوان سیرت النبی قرآن مجید اور صحیحین بخاری ومسلم کی آیات وروایات کی بنیاد پر بہت خوبصورتی اور عمدہ تحقیق وحسین ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی خامی یا محدودیت یہ ہے کہ وہ تمام روایات واخبار سیرت ہی کو نظر انداز بلکہ غلط انداز نہیں کرتی بلکہ دوسری کتبِ حدیث میں موجود صحیح روایات سے بھی تعرض نہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صرف روایاتِ صحیحین وآیات قرآنی کی بنا پر جامع وکامل سیرت نبوی مرتب ومدون کی جاسکتی ہے۔ ان کے دعویٰ میں شریک اور ادعاء میں سہیم ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری ہیں جنہوں نے تھوڑی وسعت قلب کا ثبوت دے کر صرف صحیح روایاتِ حدیث کی بنا پر السیرۃ النبویۃ الصحیحہ تالیف کر کے اس کا ثبوت پیش کیا ہو۔ ان تمام مطالعات مبنی بر حدیث میں نہ صرف سیرت نبوی کے عظیم ترین مواد اور کامل ترین ذخیرہ کو دریا برد اور طاق تغلیط کی زینت بنایا گیا ہے بلکہ حدیث و سیرت کے فنونِ عالی شان میں عداوت، تصادم، تنافر، تخالف، تمانع اور مخاصمت کا زہر بویا گیا ہے۔

ہمارے اس زمانِ عقل وخرد اور عصر تحقیق وتفتیش میں سیرت نگاری پر اعلیٰ تالیفی وتحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ افراد واداروں، جامعات ومراکز، درسگاہوں اور دار العلوموں کا انفرادی فریضہ بھی ہے اور امتِ اسلامی کا مجموعی کار منصبی بھی۔ علماء وفقہا، دانش ورو دانش بین، قدیم وجدید تعلیم یافتہ کا فرض منصبی بھی ہے۔ بنیادی طور پر کتاب سیرت اور مطالعہ حیات کی نوعیت کی بنا پر طریق نگارش میں تبدیلی آئے گی مگر

بنیادی طریق فکر ونظر میں کوئی فرق روار کھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

بنیادی طرزِ فکر اور طریق مطالعہ اور طرح پیشکش قرآن مجید کے اس اصولی بیان میں ملتی ہے کہ حق بات ہر حال میں کہی جائے اور رسول اکرم ﷺ کی شان عالی مقام کے تعلق سے جو بات زبانِ قلم سے نکالی جائے وہ آپ ﷺ کی شانِ ذات وصفات کے مطابق، کردارِ اعلیٰ کے موافق اور اخلاق فاضلہ کے مناسب وموزوں بھی ہو۔ کسی طرح فروتر نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث مبارک کہ آپ کا اخلاق قرآن ہے (کان خلقه القرآن) صرف اخلاق کے محدود اردو معنوں میں نہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کی پوری حیات اور ساری سیرت کو محیط وشامل ہے۔ بلکہ وہ ایک اصولِ سیرت نگاری اور طریقِ تحقیق کا سنگ میل ہے۔ سورۃ حجرات کی آیاتِ کریمہ ۳۔۵ بلند آواز سے تخاطب وتکلم تک کو شانِ رسالت کے منافی قرار دیتی ہیں۔ ان کے حکم کا اطلاق بعد وفاتِ نبوی ﷺ مسجدِ نبوی میں نماز و درود وصلوٰۃ وسلام اور پیام وکلام پر بھی جس طرح ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ حیات وسوانح نبوی اور سیرتِ طیبہ ﷺ کی تحریر ونگارش اور تقریر وبیان پر بھی لازمی قدغن کا کام کرتا ہے سورۃ احزاب کی آیات کریمہ نمبر ۵۳۔۵۲ ایذاء وتکلیف کر حرام قرار دیتی ہیں اور قرآن مجید کی متعدد دوسری سورتوں کی آیاتِ مقدسہ شانِ رسالت کی حدود متعین کرتی ہیں۔ ان میں افراط وتفریط بھی شامل ہے اور مبالغہ وغلو بھی لہٰذا اصولی طور پر ہر وہ روایت، حدیث، تعبیر و تشریح اور تجزیہ وتحلیل اور مطالعہ ونگارش قابل رد ہے جو ذات والا اور صفات عالیہ کی شان کو کسی بھی لحاظ سے بٹہ لگائے۔

مآخذ ومصادرِ سیرت نبوی:

سیرت نویسی یا تحقیق وتصنیف میں اولین مرحلہ مواد کی نشاندہی، تعین اور تلاش وتدوین کا ہے اہلِ سیر بالعموم صرف روایاتِ سیرت کتبِ سیرت سے اخذ کرتے ہین اور اہلِ حدیث موجودہ ادعائی دور میں صرف کتبِ حدیث سے مجمع البحرین اور جامع حیثیات اہلِ قلم قدیم وجدید زمانے میں احادیث نبوی پر مشتمل صحائف مقدسہ سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے ہیں اور سیرت نگاروں کی کتب وروایات سے بھی

امام بخاری (ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل ۱۹۴۔۲۵۶/ ۸۱۰۔۸۷۰) جیسی عظیم ترین حدیثی شخصیت بلکہ عبقری نے بابِ سیرت نبوی میں مستندترین امامانِ سیرت حضرت عروہ بن زبیر اسدی (۲۲۔۹۴/ ۶۴۳۔۷۱۳)، امام زہری (محمد بن مسلم بن شہاب ۵۱۔۱۲۴/ ۶۷۰۔۷۴۲) کے علاوہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ (۵۵۔۱۴۱/ ۶۷۴۔۷۵۸) کی روایات کا ذکر تراجم ابواب میں کیا ہے۔مولانا شبلی، ان کے جامع ومرتب مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا مودودی اور متعدد دوسرے اہلِ قلم سیرت نگاروں نے دونوں بحرین سیرت سے کسب نور کیا ہے اور قرآن مجید کے الٰہی سرچشمہ سے بھی۔

قدیم وجدید سیرت نگاروں نے بدیہی طور سے یا مضمر انداز میں تصادم روایات کی صورت میں روایات سیرت پر روایاتِ حدیث کو ترجیح دینے کا اصول قائم کیا ہے جسے بالعموم سنہری، مطلق، ناسخ اور غیر مبدل سمجھا جاتا ہے۔مولانا شبلی وسلیمان ندوی نے مقدمہ سیرت النبی میں اس اصول کو بانگ دہل بیان کیا ہے اور واحد معیار حق قرار دیا ہے خواہ ان روایات ِ حدیث کی بنا پر اسلام یا ذاتِ نبوی پر حرف آتا ہو، اور قواعد مسلمہ اور اصول ثابتہ کو زک پہنچتی ہو۔حافظِ حدیث اور ماہر سیرت امام مغلطائی نے اشارتاً وا اختصاراً یہ اصول وضع کیا کہ اہل سیر کا اجماع واتفاق تام منفرد روایات حدیث پر تصادم وتنافر کی صورت میں برہان ِ قاطع ثابت ہوگا۔حافظ ابن حجر (احمد بن علی بن حجر ۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹) نے اور بعض دوسرے ماہرین حدیث نے اہلِ سیر کی رویات کی تصدیق وترجیح کے ذریعہ یا امامانِ حدیث پر نقد وتبصرہ وسیلہ سے اصولِ مغلطائی کی بزمان خاموشی وبقلم حال تصدیق وتائید کی ہے۔

تدبر وتدبیر، عقل ودانش، منطق وفلسفہ اور تبحر علمی وتخصص فنی کے تقاضے بھی یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ جس نکتہ مسئلہ، امر، معاملہ، پہلو، زاویہ اور تعبیر وتفسیر پر ماہرین فن کا اجماع عام ہو یا ان کی اکثریت کا اتفاق عمومی ہو، اسے ترجیح حاصل ہو۔حضرات محدثین عظام کا مقصد تدوین اور مقصودِ تالیف سیرتِ نگاری یا حیات طیبہ ﷺ کی تفصیلات وجزئیات فراہم کرنا نہیں تھا۔ان کا مقصود اصلی سنتِ مطہرہ اور حدیث طاہرہ اور سیرت پاکیزہ سے اور ان سے متعلق ووابستہ روایات واحادیث سے اسلامی حکم یا فقہی مسئلہ اخذ کرنا تھا۔

وہ دین وشریعت کی احکام سازی اور قوانین نویسی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتب وابواب فقہی کے تحت موادِ سیرت اور روایات حیات سے تعرض کرتے ہیں، معلومات فراہم کرنا یا سیرت نبوی کی بازیافت کرنا ان کے فنِ عظیم کے سلسلہ میں شامل نہیں۔ اسی بنا پر ان کا انداز پیشکش خبرِ واحد، حدیث آماداور روایات غیر مسلکہ کی صورت میں الگ الگ ملتا ہے اور کسی موضوع پر خواہ وہ ان کا بنیادی دینی کام۔ فقہی استنباط اور حکمی تحقیق۔ کا ہو ایک مربوط و مسلسل بیانیہ نہیں ملتا اس سے زیادہ اہم اور نکتہ رس یہ حقیقت ہے کہ سیرت نبوی سے متعلق ان کے ہاں وہی احادیث وآثار اور روایات ملتی ہیں جن سے کوئی دینی مسئلہ، فقہی حکم، اسلامی قانون، تشریعی نکتہ، قانونی معاملہ اور مذہبی امر نکلتا ہو اسی سبب سے ان کے ہاں پوری سیرت نبوی کا احاطہ واستقصاء بھی نہیں ملتا۔

طریق محدثین کرام کے بالمقابل اہلِ سیر کا مقصودِ تالیف اور مقصدِ تدوین ذات وصفاتِ نبوی، حالات واکتساباتِ عہد، واقعات ومعاملاتِ عصر، امور واحکامِ دین اور تمام سوانح حیات وکارکردگی کے بارے میں معلومات ومواد جمع کرنا اور ان کو ایک مرتب ومسلسل بیانیہ کی صورت میں تمام شیفتگانِ راہِ الفت تک پہنچانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا طریقِ تدوین وتصنیف محدثین کرام سے الگ ہے۔ وہ اخبارِ احاد اور روایات واحادیث کو ان کے موضوعاتی مرتبہ ومحل کے اعتبار سے اپنی طرف سے مرتب ومدون کرتے اور حیطہ سوانح میں تاریخی ترتیب واقعات کے مطابق گوندھ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں سند کا اسی بنا پر اتنا اہتمام نہیں ہوتا کہ وہ اخبار احاد کے تسلسل وارتباط میں مانع ہوتی ہے۔

وہ مختلف رواۃ واخباریوں کی متعدد روایات میں موضوعات ومضامین کے لحاظ سے ادخال وادغام کا کام بھی کرتے ہیں۔ گوناگوں امور ومعاملات پر مشتمل روایت واحدہ اور خبر واحد کو مضمون وتاریخ کے لحاظ سے اجزاء میں منقسم کرتے ہیں اور پھر نقطہ آغاز سے نقطہ اختتام تک تمام مراحلِ حیات کا بیانیہ بایں طور پیش کرتے ہیں کہ وہ ایک مسلسل ومربوط اور جاری ساری بیانیۂ حیات بن جاتا ہے۔

طریقِ محدثین وطریقہ اہلِ سیر کے اختلاف وتباین کے باوجود سیرت نگار کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ

دونوں ذخیرہ ہائے معلومات اور گنجینہ ہائے سعادت سے مواد و معلوماتِ سیرت زیادہ سے زیادہ تعداد و مقدار میں جمع کرے۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے تمام مصادرِ علم وعرفان سے بھی بھرپور استفادہ کرے۔ ان میں قرآن کریم کی آیات ربانی مفسرین عظام کی تفاسیری روایات، فقہاء کرام کی فنی و علمی تحقیقات، لغت وادب کے امامانِ گرامی بیش بہا تحقیقات وتشریحات اور متعدد دوسرے علوم فنون اسلامی۔ تاریخ، جغرافیہ، نفسیات وغیرہ۔ کی قیمتی معلومات بھی شامل ہیں جب تک تمام دستیاب موادِ سیرت کی جمع و تدوین کا بنیادی کام نہیں کیا جاتا کہیں نہ کہیں معلوماتی خلاء باقی رہ جائے گا۔ اور تالیفاتِ سیرت اور مطالعاتِ سوانح ناقص رہ جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس متنوع، رنگا رنگ اور بوقلموں موادِ سیرت کی بے شمار روایات و اخبار میں کہیں نہ کہیں تصادم وتنافر کا روڑا اٹکے گا۔ علمائے اسلام اور محققین علوم نے اس کو دور کرنے کے لئے ہی اصول تطبیق وتلفیق وضع کیا ہے۔ اس سے کام لے کر بظاہر مخالف ومتصادم روایات و اخبار میں مطابقت ومحبت اور توازن وتعامل پیدا کیا جائے گا کیونکہ بالعموم اکثر تصادمات ظاہری ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان مختلف معلومات کا صحیح مقامات ومحلات، تناظر و پس منظر اور اطلاق و انطباق کا علم نہ حاصل ہونے کے سبب اختلاف وتصادم نظر آتا ہے اور دراصل ہوتا نہیں ہے۔ لیکن اگر کہیں صورت تصادم اور وجہ اختلاف رفع کرنے کا کوئی شائبہ ہی نہ ملے تو اہل سیرت و ماہرین سوانح کا اجماعی یا اکثریتی فیصلہ ناطق وفیصل ہوگا کہ یہی جہانِ علم مفتی اور دنیائے دانش کے قاضی کا فیصلہ ہے کہ قول فیصل ماہرین فن وتحقیق علم کا ہے نہ کہ جہان دیگر کے اماموں کا۔ قدیم وجدید سیرت نگاروں نے مختلف طبقاتِ شائقین کی ضرورت واحتیاج کے پیش نظر سیرت نبوی ﷺ پر مشتمل کتبِ سیرت کو سہ گانہ تقسیم کی صورت عطا کی ہے۔ عام استعداد کم فہم وذکاء اور ابتدائی درجات کے طلبہ علم کے لیے مختصرات سیرت، اوسط درجہ کی صلاحیت ولیاقت کے قارئین اور ثانوی درجات کے طلاب علموں کے لیے متوسط نوعیت کی کتب سیرت اور عالمانِ ذی شان، مخصصین فنون اعلیٰ درجات کے منتہی علماء ودانشوروں کے لیے مطوّل تالیفات بیشتر ماہرین سیرت جیسے ابن سید الناس (ابو

الفتح محمد بن ابی بکر محمد یعمری ۱۷۱-۶۷۴-۳۴۷ھ/۱۲۷۳-۱۳۳۴ء) ابن عبدالبر قرطبی (ابوعمر و یوسف بن عبداللہ ۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۸-۱۰۷۰ء) حافظ مغلطائی وغیرہ نے مطول ومختصر کتبِ سیرت لکھ کر امتِ اسلامیہ کے تینوں طبقات میں سے اول وسوم کی ضروریات کی کفایت کرنے کی کوشش کی اردو میں قاضی سلیمان منصور پوری نے کم از کم منصوبہ تالیف بنا کر تینوں کی پیاس علم بجھانے کی راہ سجھائی۔ یہ بہت فطری اور منطقی تقسیم ہے اوران کے مطابق تالیفاتِ سیرت تیار کرنی چاہئیں۔

اب طریقِ تالیف و اسلوب تصنیف کا کڈھب سوال آتا ہے کہ یہ کتبِ سیرت کیونکہ اور کیسے تالیف کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ عام ابتدائی کتبِ سیرت کا طرزِ تحریر بیانیہ ہوگا ہی ہوگا۔لیکن ان میں محض ایک دو کتب قدیمہ کی معلومات کی انحصاری کا جرثومہ نہیں ہونا چاہیے۔قدیم مؤلفین اور قرونِ وسطیٰ کے اہلِ سیر کی کتاب سے نئی معلومات ومواد سے استفادہ ضروری ہے۔ سہیلی کی الروض الانف، ابن کثیر کی السیرۃ النبویہ اور شامی، حلبی زرقانی وغیرہ کی تالیفاتِ سیرت ابن اسحاق/ ابن ہشام کے علاوہ متعدد قدیم صاحبانِ کتب جیسے حافظ اموی کی معازی، عروہ بن زبیر کی مغازی اور دیگر اصحاب علم کی روایات موجود ہیں۔ان کو بھی جگہ دینی اور سکہ رائج الوقت بنانا علمی فریضہ اور فنی تلازمہ ہے۔ابھی تک ان کو محض نیا مواد قرار دے کر شاذ معلومات کے فروتر درجہ تک گرا کر مسترد کیا جاتا رہا ہے۔ابن اسحاق وابن ہشام یا دوسرے مشہور عام مؤلفین کی معلومات وروایات نہ حتمی وقطعی ہیں اور جامع ومانع کہ دوسری روایات ومعلومات کے اخذ وقبول سے ان کی عصمت وطہارت پر حرف آتا ہے۔ ہر وہ نئی معلومہ اور جدید مواد اخذ وقبول اور رواج وروایات کا استحقاق فنی رکھتا ہے۔

جو سیرتِ طیبہ کے اسلامی حیطہ عمل میں چوکس بیٹھا ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ دیکھا یا جا سکتا ہے کہ ان کی روایتی حیثیت اور روائتی معیار مقبول ومشہور ومعلوم روایات واخبار کے مطابق ہے یا نہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ روایاتِ مشہورہ روایتی اور درایتی دونوں معیاروں پر مبنیہ شاذ ونئی روایات کے بالمقابل زیادہ کھری نہیں اترتیں۔مثلاً جد امجد جناب عبدالمطلب ہاشمی کی وفات کے بعد نوخیز رسول اکرم ﷺ کی تعلم

وتربیت اورنگہداشت کے بارے میں جناب ابو طالب ہاشمی کی کفالت کی روایت حافظ اموی کی بیان کردہ روایت کفالتِ جناب زبیر بن عبد المطلب ہاشمی سے دونوں اعتبار سے فروتر ہے۔ یا خاندان بنو عبد مناف میں خاندانی اتحاد و یگانگت کی روایات اموی۔ ہاشمی تنافر دکھانے والی روایات سے افضل و برتر ہیں ایسی نئی روایات و معلومات کے اخذ و قبول میں اصولِ تطبیق اولاً اختیار کرنا ضروری ہے اور بصورت عدم تطابق اصول ترجیح سے کام لینا لازمی ہے کہ فنی تقاضہ بھی یہی ہے اور دینی اسلامی اور اخلاقی مطالبہ بھی یہی ہے۔

کتبِ سیرت خواہ وہ کسی مرتبہ علم و دانش کی خاطر ہوں اب محض واقعات کی کھتونی اور صرف بیانیہ سرسری پر مبنی ہونے سے ماورا ہونی چاہیں۔ بیانِ واقعات وسوانح کا زمانہ گزر چکا کہ وہ تکرارِ محض سوا اور کچھ قاری کو نہیں دے سکتا۔ اب بیانیہ کو بھی تحلیل و تجزیہ کی کٹھالی سے گزرنے کا زمانہ اور یہی تقاضائے فن بھی ہے بغیر اس کے نئی معلومات کو پرانے ذخیرہ مواد میں سمویا نہیں جا سکتا۔ دوسرے اب قاری و طالب کا علم و دانش بلند تر ہو چکا ہے وہ شخصیت کی تعمیر نو اور عہد کی بازیافت چاہتا اور طلب کرتا ہے اور وہ چاہے یا طلب نہ کرے تو بھی فنی تقاضا ہے کہ تحلیلی انداز اور تجزیاتی اسلوب میں سیرتِ نبوی کو پیش کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ذات و صفاتِ نبوی اور کمالات و اکتسابات حضرت اقدس کو ان کے صحیح تناظر و اسلامی پس منظر میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کا علمی دفاع اور اسلام دین کا مذہبی تحفظ بھی ممکن ہے۔ شخصی احوال کے ساتھ دینی اقدار اور تہذیبی معاملات کو آمیز کیا جا سکتا ہے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور دوسرے تمام انسانی امور و معاملات کو ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے مجموعی طور سے روح عصر، جانِ تہذیب اور عبقریت شخصی کی کامل بازیافت کی جا سکتی ہے۔

تجزیاتی مطالعہ اور تنقیدی نگارش کے ذریعہ ہی روایات و اخبار سیرت کا روایتی و درایتی مقام و مرتبہ متعین اور کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا جا سکتا ہے۔ اہلِ سیر میں محققین کا طریقہ رہا ہو کہ وہ صحیح روایات کا انتخاب کرتے اور غلط اخبار کو مسترد کرتے رہے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اخبار و روایات کے رواۃ، سلسلہ روایت اگر سند موجود ہے، پر بحث کر کے اس کا حسن و قبح معلوم کرتے ہیں اور حسنِ روایت و

رواۃ کی صورت میں قبول اور قبح کی شکل میں مسترد کرتے ہیں اسی طرح بلاسند اور بلا سلسلہ روایت اخبار و روایات کے باب میں درایت کے اصول کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کہ سندی روایات واخبار کو معیار دوایت پرکستے ہیں۔سیرتِ نبوی کے باب میں درایتی اصول سب سے پہلے یہ ہونا چاہیے کہ وہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ سلم کی ذات گرامی شخصیت عالی اور کردارِ سامی کے شایان شان ہے کہ نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ اسلامی اقدار، دینی معیار اور مذہبی روح سے میل کھاتا ہے کہ نہیں۔تیسرے یہ کہ وہ عام فطری واقعاتِ حیات اور منطقی معلوماتِ سیرت سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں اور سب سے اہم یہ کہ وہ دوسرے اصولِ فن پر کھرا اترتا ہے کہ نہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں رویات واخبار کا روایتی ودرایتی تجزیہ قبلِ بعثت واقعات وحالت میں بھی اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح مدنی واقعات یا بعد نبوت کوائف کے تعلق سے کیا جاتا ہے عہد جاہلیت اور قبل بعثت واقعات واخبار بالعموم بلاسند ہوتے ہیں۔ان کا روایتی معیار کم وبیش یکساں ہوتا ہے کہ وہ اخبارِ سینہ قصصِ پارینہ اور بیانات پاستاں طراز پر مبنی ہوتے ہیں۔لہٰذا اگر مقبولِ عام اور مشہور ومتداول روایات پر ایسی چند روایات غیر مشہورہ سے معلومات کا اضافہ ہوتا ہے تو ان کو بلا تکلف بیانیہ سیرت میں سمونا چاہیے۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ سب سے بڑے حقیقی چچا جناب زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی تھے اور ان کا قبل بعثت حیات نبوی میں خاصا اہم کردار رہا تھا مگر ان کا ذِکر خیر دوسرے حقیقی چچا جناب ابو طالب بن عبدالمطلب ہاشمی کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔طرفہ ستم کہ اول الذکر کی تربیت ونگہداشت نبوی میں کارسازی کو موخر الذکر کی حق تلفی، بے توقیری اور متعصبانہ کاروائی قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ تعصب وجانبداری ہی نے اول الذکر کا حق غصب کیا ہے۔

امام وفیلسوفِ تاریخ ابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد حضرمی ۷۳۲۔۸۰۸ھ/۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء) کے مطابق جانبدارانہ تاریخ نگاری ان سات جرائم نگارش اور گناہانِ تحریر میں سے ایک ہے جو تاریخ کو مسخ کرتی ہے۔بلاشبہ یہ ایک بدیہی اور فطری حقیقت ہے کہ ہر لکھنے والا، ہر منصف، اور ہر سیرت نگار اپنے میلانات،

رجحانات اور تعصّبات کا اسیر ہوتا ہے کیونکہ فطری تقاضوں کی اثر پذیری اور نفسیاتی گرہوں کی کارسازی سے کوئی بھی محفوظ و مامون نہیں لیکن دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے میلانات و رجحانات اور تعصّبات کو تاریخ اور سیرت کے واقعات کو چھپانے، توڑنے مروڑنے بدآمیز و بدرنگ کرنے، غلط معانی پہنانے آدھے سچ کی شکل دینے، بلاوجہ مسترد کرنے اور مسخ کرنے کی حرکت تو نہیں کرتا۔ اگر وہ دونوں یا چند پہلوؤں والی روایات کو بیان میں جگہ دیتا ہے تو اسے تعصب کا شکار اور غیر متوازن و جانبدار نہیں کہا جا سکتا۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام نے جناب زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی کی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے حقیقی عمومت کا رشتہ قریبی چھپا کر اور جناب ابوطالب کو واحد حقیقی چچا ہونے کا تاثر دے کر جانبداری کا ارتکاب کیا ہے۔ جبکہ حافظ اموی و امام ابن کثیر وغیرہ محققین فن نے دونوں رشتوں کا برملا اظہار کر کے حق وصداقت اور غیر جانبداری و معروضیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

فلسفہ تاریخ کے اسی بانی امام گرامی نے تاریخ کا ظاہری اور اندرونی پہلوؤں (ظاہر التاریخ و باطن التاریخ) کا عظیم الشان نظریہ پیش کر کے حقیقت امری کی بازیافت کا اچوک طریقہ ایجاد کیا ہے جو اپنی ساخت و نہاد میں خالص اسلامی ہے۔ ان کے خیال و فکر میں واقعات، روایات، اخبار دراصل تاریخ ظاہری یا بیرونی پہلو ہیں جو اصل و جان تاریخ و سیرت نہیں ہیں۔ وہ اسباب و عوامل اور عناصر جو ان واقعات و کوائف ظاہری کی تشکیل کرتے اور ان کو منظر عام پر لاتے ہیں دراصل اندرونی یا باطنی پہلو ہائے تاریخ ہیں اور ان کی کارفرمائی، ظواہر میں کارسازی کو جانے سمجھے اور تجزیہ کیے بغیر حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دراصل روحِ تاریخ اور جان سیرت ہیں، اور ظاہری واقعات ان کے اعراض و اجسام و ابعاد سیرتِ نبوی کے تجزیاتی مطالعہ و نگارش میں اس حقیقی نظریہ یا روح سیرت کو کارفرما و کارساز بنائے بغیر حیات نبوی کو اس کے صحیح تناظر میں نہ سمجھا جا سکتا اور نہ الفاظ و عبارات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون، قاہرہ ۱۴۱-۳۵)

ابعاد و جہات:

جامع وکامل سیرتِ نبوی مختصر ومتوسط ومطول کتابوں اور تالیفوں کے علاوہ ایک ہمہ جہت وہمہ گیر قاموسی سیرۃ النبی تالیف کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مدتوں سے بلکہ پندرہ صدیوں سے مسلمانوں، شیفتگان نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اہل علم وتحقیق کے ذمہ واجب الادا چلا آرہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صبر آزما، وقت طلب، جاں گداز اور ساتھ ہی دلنواز وروح پرور کام ہے ایک طویل مسلسل جدوجہد، پیہم تگ ودو اور جماعتی واکادکی کام ہے۔ اس معجم السیرۃ اور قاموس حیاۃ النبی ﷺ میں تمام مراحل حیات کے بارے میں تمام دستیاب روایاتِ سیرت وحدیث کو جمع ومرتب کرنا، تحلیل وتجزیہ اور تنقید وتبصرہ کے ذریعہ ان میں معتبر و مستند کو قبول کرنا، غیر صحیح وضعیف کو مسترد کرنا، اور حیات طیبہ کے ہر بابِ عالی مقام اور ہر مرحلہ شوق وجاں نثاری کو مفصل ومشرح بیان کرنا، اعتراضات وتنقیصات غیر وعدوان اسلام کا جواب باصواب فراہم کرنا، غرضیکہ ہر وہ کام اور ہر وہ عمل کرنا ہے جس کے ذریعہ سیرت طیبہ کو صحیح انداز میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

طویل ومفصل اور جامع وقاموس سیرت النبی کے دوش بدوش یک پہلو مطالعاتِ سیرت کی تالیف وتصنیف بھی وقت کا تقاضا اور علم کا مطالبہ اور قارئین وطالبان کی ضرورت ہے۔ ہمارے قدیم ترین حولیات نگاروں۔ سیف بن عمر تمیمی (م ۱۸۰/ ۷۹۶) ابومخنف لوط بن یحیٰ ازدی (م ۱۵۷/ ۷۷۴ء)، عوانہ بن حکم کلبی (م ۱۴۷ء/ ۷۶۴)، مدائنی (م ۲۲۵ھ) اور متعدد دوسروں نے زمانہ قدیم میں اور احمد باشمیل وغیرہ نے غزوات وسرایہ کے باب میں کم ازکم عہد جدید میں ان کے حجم وضخامت ابعاد واعراض اور وسعت وحدبندی کا ایک خاکہ پیش کردیا ہے۔ حولیات نگاروں کے طریق کار اور طرز نگارش سے استفادہ کی سفارش کی جارہی ہے۔ ان کی ہرزہ سرائی، غلط بیانی، جانبداری، مسخ نگاری قصہ گوئی اور ایسے ہی دوسرے اساطیری اور غیر فنی و غیر اسلامی عناصر واعراض سے احتراز کلی بھی تجویز کیا جارہا ہے۔ موضوعاتی کتابچے اس کے نتیجہ میں وجود میں لائے جاسکتے ہیں۔ جیسے ولادتِ نبوی پر ایک کتابچہ، رضاعتِ نبوی پر دوسرا، والد ماجد پر تیسرا والدہ ماجدہ پر چوتھا اور اسی طرح ہر مسئلہ ومعاملہ وپہلو پر ایک مستقل کتابچہ جس میں تمام معلومات وروایات تجزیاتی

انداز سے سموئی جاسکتی ہیں۔

ثانوی کتبِ سیرت اور کتابچہ ہائے حیات کے پہلو بہ پہلو ان گنت قدیم کتابوں، تالیفوں اور مصادر و مآخذ میں موجود روایاتِ سیرت کے جمع و تدوین اور تالیف کا کام بھی کرنا ضروری ہے جو سیرت نگاری کے ابعاد و جہات ہی کو وسعت نہیں دے گا بلکہ صحیح منہج نگارش بھی متعین و عام کرنے میں معاونت کرے گا۔ عہد جدید میں بعض ایسی حسین و جمیل مساعی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے حضرت ابوالاسود کی روایاتِ سیرت حضرت عروہ بن زبیر اسدی کی سند پر جمع کی ہیں۔ مرتب گرامی نے ان کی بنیاد پر حضرت عروہ کی مفقود کتاب المعازی کی بازیافت کی ہے۔ گمشدہ کتب المعازی کی بڑی تعداد ہے جو قدیم ماخذ میں منتشر روایاتِ امامانِ سیرت کی تلاش و تحقیق اور جمع و تدوین کر کے وجود میں لائی جاسکتی ہیں۔ ان کی دو تین مثالیں اور بھی ہیں اکرم ضیاء العمری کی مساعی سے ایک عرب محقق نے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ڈاکٹر جمشید احمد ندوی نے امام سیرت موسیٰ بن عقبہ کی روایاتِ سیرت کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ موخر الذکر نوجوان محقق نے حافظ اموی کی روایات سیرت کو جمع کر کے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کی صورت میں پیش اور محفوظ کیا ہے۔ ایسی مساعی جمیلہ بعض دوسرے اہل سیر کی کتب وروایات باب میں بھی جاری ہیں اور بعض کے بارے میں تجویز پیش کی جارہی ہے۔

بدنام و مطعون امامِ سیرت واقدی (محمد بن عمر واقدی ۱۳۰۔۲۰۷ھ/ ۷۴۷۔۸۲۳ء) کی صرف ایک صحیح کتاب سیرت کتاب المغازی کے عنوان سے ابھی تک چھپی ہے اور بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ مؤلف گرامی نے صرف مغازی نبوی سے تعرض کر کے صرف یہی باب سیرت پوری کتاب کی صورت میں مرتب کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے امام ابن اسحاق کی کتاب سیرت ''کتاب **المبدأ والمبعث و المغازی** کی طرز پر اپنی کتاب ''**التاریخ و المبعث و المغازی**'' مدون و مرتب کی تھی جس میں تین حصے تھے اول قبل بعثت و بعث کے حالات سے بحث کرتا تھا دوسرا البعثت و بعثت کے عام واقعات سیرت سے اور تیسرا غزوات وسرایا سے موجودہ کتاب اسی ضخیم و عظیم اور کامل و جامع کتاب سیرت کا محض تیسرا جزو ہے۔

تمام کتبِ سیرت، مصادر حیات اور بہت سی کتب حدیث وفقہ میں واقدی کی روایات سیرت و تاریخ موجود ہیں۔ سردست ان میں سے کلائی (ابو الربیع سلیمان ۵۶۵۔۶۳۴/ ۱۱۷۰۔۱۲۳۷) کی کتاب الاکتفاء ابن سید الناس کی ''عیون الاثر''، حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''فتح الباری''، قاضی ابو یوسف کی کتاب ''الخراج'' کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ تمام روایات واقدی کو جمع کرنے سے مفقودہ حصوں کی بازیافت کی جاسکتی ہے اور پوری کتابِ سیرت واقدی جمع کر کے ایک اہم علمی کام کیا جاسکتا ہے۔ اس خدمت تحقیق و تالیف کے بعد ہی مطعون امامِ سیرت کا صحیح مقام و مرتبہ اور ان کی خدماتِ فن کی صحیح قدر و قیمت آنکی جاسکتی ہے۔ ورنہ ابھی تک جو کچھ ان کے اور ان کے کام کے بارے میں کہا گیا ہے۔ وہ اقوال اور تبصروں کی بنا پر اور ادھورے بلکہ ناقص ترین مطالعہ کی بنا پر کہا اور لکھا گیا ہے۔

مفقودہ اور منتشر و پراگندہ کتبِ سیرت اور ان کے مؤلفین کرام کی مجموعی روایات و اخبار و اقوال کو جمع و مرتب کرنے کے علاوہ ایک خاص باب، پہلو مسئلہ یا نکتہ پر تمام ممکنہ دستیاب مصادر و مآخذ کی روایات و مرویات کو ایک جلد خاص میں مدون و مرتب کر کے طالبان و محققین کے استفادہ کے لئے سیرت نگاری کی جہات میں توسیع کی جاسکتی ہے۔ عہدِ جدید میں ایسی بعض مساعی جمیلہ اور مجموعہ اور مجموعہ ہائے ابواب سیرت منظرِ عام پر آچکے ہیں بطور مثال ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے غزوہ مریسیع سے متعلق تمام روایات و اخبار کو "مرویات غزوہ بنی المصطلق" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ مرویاتِ غزوات اور دوسرے واقعات سے متعلق اخبار و روایات کے بعض اور مجموعے بھی جدید محققین بالخصوص عرب اہلِ علم کی توجہ سے منظر عام پر آچکے ہیں یا آنے کے انتظار مسعود میں ہیں۔

منظوم سیرت نبوی کی کتب و رسائل پر ابھی زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ سوائے ''الفیہ'' حافظ عراقی کے۔ ایسی متعدد کتبِ منظومہ موجود ہیں جو قدیم اہلِ سیر یا قرونِ وسطیٰ کے ماہرینِ فن کی عنایت و توجہ سے چھپ چکی ہیں ان محقق ایڈیشنوں کے علاوہ ان کے منثور شروح بھی اہلِ تحقیق و علم کی توجہ و ترتیب کے منتظر ہیں۔ بالعموم ان کتب سیرت میں زیادہ نیا مواد نہیں ملتا مگر ان میں حیرت انگیز طور سے ایجاز و اختصار کا عنصر

اور دریا کو کوزہ میں بند کرنے کا کارنامہ ملتا ہے۔ جو طلبائے علم کی علمی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ سیرت نبوی کو زبان زد عام اور حفظ و حافظہ میں محفوظ کرنے میں کافی معاون ہو سکتا ہے۔ نظم اور اس کی حدود کی بنا پر فکر و خیال پر قدغن بڑھ جاتی ہے اور معلومات بھی کافی سکڑ جاتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ تعبیر و تشریح کی رنگا رنگی اور دل کو چھو لینے والی کیفیت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

اہل علم و تحقیق اور ماہرین فن کے کرنے کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ دنیا کی ان گنت لائبریریوں اور کتب خانوں میں محفوظ مگر نگاہوں سے اوجھل مخطوطات سیرت کو تلاش کریں۔ ان کے متون کی تصحیح و ترتیب و تہذیب کریں۔ اور حواشی و تعلیقات سے ان کو آراستہ پیراستہ کر کے دنیا علم اور قدردان فن کے آگے پیش کریں۔ جدید عہد تحقیق و جستجو اور معاصر اہلِ علم و فن نے بالعموم اور عرب محققین کرام نے اس طرف توجہ مبذول کی ہے اور کثرت سے سیرت نبوی پر مشتمل نصوص اور مصادر سیرت منصۂ شہود پر ان کی عنایت سے آ چکے ہیں لیکن ابھی تک یہ کوششیں زیادہ تر انفرادی ہیں۔ اداری اور اجتماعی نہیں بن سکی ہیں۔ سیرت نگاری یا سیرت حفاظتی کے اس پہلو کی طرف خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مخطوطاتِ سیرت میں جو ابھی جلد ہی مطبوعات بنے ہیں ان میں امام ابو زرعہ دمشقی (عبدالرحمٰن بن عامر م ۲۸۲/ ۸۹۵) کی "سیرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم و تاریخ الخلفاء الراشدین" ہے جو دمشق سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور سب سے اہم ابن اسحاق کی گمشدہ سیرت نبویہ ہے جس کے دو ناقص مخطوطے ہی سہی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کوشش و تحقیق سے جلد ہی مصر سے ۱۹۶۷ء شائع ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ ابن عبدالبر کی ''الدر''، ابن النفیس (م ۶۸۷) کی ''الرسالۃ الکاملیۃ'' اور بعض اور مخطوطاتِ سیرت شامل ہیں۔

قدیم اور مستند اہل سیر کی بعض انتہائی اہم اور بیش بہا تالیفاتِ سیرت مخطوطات کی صورت میں غیر ملکی یا مغربی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں مثال کے طور پر حافظ مغلطائی کی ضخیم و عظیم تر کتابِ سیرت "الزہر الباسم فی سیرۃ ابی القاسم" بھی مخطوطہ ہے۔ ان کی مختصر سیرت مغلطائی بار بار چھپ چکی ہے مگر اصل

کتاب ابھی تک پردہ خفاء میں مستور ومکنون ہے شاید اس بنا پر کہ اس کا ابھی تک کی معلومات کے مطابق واحد مخطوطہ صرف لائیڈن کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے اور اس کی بازیابی وحصول کی راہ میں سدِ سکندری حائل ہے جسے اصطلاح زر میں زرمبادلہ کہتے ہیں۔ اس قسم کے اور بہت سے مخطوطات مختلف غیر ملکی اور برصغیر پاک وہند کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ نے بعض مخطوطاتِ سیرت پر کام شروع کرادیا ہے۔ دوسرے کتب خانوں اور ان کے سربراہوں کے لئے صلاۓ عام ہے۔

سیرت نگاری کا منہج

* ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

اس کائنات میں انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی ہیں لیکن انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کے پاس گزشتہ حالات و واقعات' تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے یہ بھی گزارتے ہیں آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جداعلیٰ کون تھے؟ کن کن جنگلوں وادیوں اور پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباء واجداد موجودہ مقام تک پہنچے؟ کن کن حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑا؟

لیکن ان کے مقابلہ میں انسان ہیں جنہوں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے اور اس کے لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ گذرے ہوئے واقعات کو محفوظ کرلیا جائے انسانوں کی اسی کوشش کا نام تاریخ اور آثار قدیمہ ہے اگرچہ ابتداءِ اس کی طرف توجہ کم رہی لیکن آج یہ ایک مسلّمہ ناگزیر ضرورت ہے جس کی وجہ سے ہر قوم اپنی توانائی کا بڑا حصہ اس پر صرف کررہی ہے اپنے گڑے ہوئے مردوں مدفون ہڈیوں اور کتبوں کو جمع کیا جارہا ہے ایک ایک ٹھیکری کو چن کر جوڑ کر پڑھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور انہی پر حقیقی یا خیالی بلند و بالا تاریخی عمارتیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ گویا تاریخ کی علمی ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے تسلیم کرلیا ہے۔

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان' حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام حدیث نبوی و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (یہ ملحوظ رہے اصطلاحی تاریخ مراد نہیں)

میرا مطلب ہے جن انقلابات وحوادث سے گزر کر نسل انسانی آج ہم تک پہنچی ہے اس میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبہ حیات ہی میں نہیں بلکہ مذہبی' سیاسی' معاشرتی' اخلاقی تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹا دیا جس سے مغرب و مشرق عرب و عجم سب متاثر ہوئے اس حیرت انگیز انقلاب کی روداد

* قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی، انچارج خالد ایم اسحٰق ایڈ دکیٹ لائبریری

کا نام سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی قوم و امت کے پاس ماضی کا جو بھی سرمایہ ہے وہ وثوق و اعتماد میں تاریخ کے اس حصہ جسے ہم حدیث یا سیرت نبوی کا عنوان دیتے ہیں مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

سرمایہ سیرت ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اس کے بارے میں قرآن نے واضح حکم دیا ہے:

﴿ فاقصص القصص لعلهم يتفكرون ﴾ (۱)۔

''یعنی لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تا کہ وہ سوچیں۔''

قصص الانبیاء کو احسن القصص کہا گیا ہے گویا انبیاء کی سیرت بیان کرنے کی طرف خصوصی طور سے متوجہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے احوال زندگی کا عمیق مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے ضروری ہے بلکہ غیر مسلم لوگوں کے لیے بھی ایک فریضۂ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے تو یہ مطالعہ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ ہمیں خالق کائنات نے اپنی کتاب میں اس کا حکم دیا ہے۔ کہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول کی اطاعت کریں (۲) رسولؐ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے (۳) ہمیں اپنے آپ کو انہی کے رنگ میں رنگنے اور ڈھالنے کی کوشش کرنا چاہیے لیکن ہم اس حکم کی تعمیل صرف اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب کہ سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کرلیں بار بار پڑھیں، سنیں، دوسروں کو سنائیں، خود یاد رکھیں، دوسروں کو یاد دلائیں۔

ایک غیر مسلم کے لیے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لیے فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کہ نوع انسانی میں سے مرد کامل کا صرف یہی ایک نمونہ ہے (۴)۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ جان لینا تو ہر

۱۔ سورہ الاعراف:۱۷۶

۲۔ سورہ النساء/۵۹ اور ۸۳

۳۔ سورہ الاحزاب:۲۱

۴۔ قرآن کی اس آیت ﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آدمی پر فرض ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب وکامران اور ہر اعتبار سے مکمل انسان کیسا ہوتا ہے؟ اس لیے کہ ہر شخص میں کامیاب و بامقصد زندگی گزارنے کی فطری خواہش ہوتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے کسی کو آئیڈیل تسلیم کرنا پڑتا ہے اور وہ ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ہے۔ لیکن اس موقعہ پر کچھ وضاحت اس بارے میں کہ سیرت ہے کیا؟

سیرت کی لغوی تعریف:

" سیرۃ " سَارَ یَسِیْرُ سَیْرًا سے چلنے پھرنے کے معنی میں آتا ہے اس کے علاوہ اس کے معنی ہیں طریقہ، راستہ، روش شکل وصورت جس کے معنی ہیں طرز عمل برتاؤ یہ لفظ دو خود مختار سیاسی وحدتوں کے تعلقات معاملات کے لئے بھی بولا جاتا ہے(۶) فقہاء ومحدثین کے ہاں لفظ سیرت وسیر مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے چنانچہ امام مسلم کی جامع میں کتاب السیر والجہاد(۷) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں کتاب المغازی والسیر کے عنوانات موجود ہیں(۸) فقہ میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں مستعمل ہے بلکہ اسی نام سے متعدد کتب ہیں(۹) ابن اسحٰق اور واقدی کی کتب کو کتب سیر کے ساتھ کتب مغازی بھی انہی معنوں میں کہا جاتا ہے(۱۰)۔

لسان العرب کے مطابق سیرۃ حسن السیرۃ اچھے چال چلن کے معنی میں ہے(۱۱)۔ تاج

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ اص/۴۷(دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۰ء) اور دائرہ المعارف المطرس البستانی ج/۱۰ ص ۳۰۹ (دار المعرفۃ بیرت لبنان)

۶۔ حمید اللہ ڈاکٹر محمد۔ سیر یا قانون بین الممالک (ماہنامہ) فکر ونظر (اسلام آباد ج۔ ۵ ش۔ ۱۱ مئی ۱۹۶۸ء ص/ ۸۰۹ سیَر کے موضوع اور کتب پر ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ مضمون اور خطبات بہاولپور میں موجود لیکچر کا مطالعہ کریں۔

۷۔ القشیری ابو الحسین مسلم بن الحجاج . صحیح مسلم ج/۲حصہ اول ص:۱۳۰. ۱۸۹(مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۷ھ)

۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ج:۸ ص:۳(دار الفکر بیروت ۱۹۹۲ء)۔

۹۔ تمام بڑی کتب فقہ میں کتاب الجہاد والسیر کے عنوانات سے ملیں گے اسی طرح مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں جیسے امام محمد کی کتاب السیر الصغیر اور السیر الکبیر وغیرہ

۱۰۔ ندیم الواجدی، نقوش رسول نمبر لاہور۔ ج:۱ ص:۲ ذ ج:۱ ش|۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

۱۱۔ ابن منظور، لسان العرب ج:۴ ص:۳۸۹، احیاء التراث العربی بیروت:۱۹۸۸ء

العروس کے مطابق طریقہ اور برتاؤ کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے سار الوالی فی رعیته سیرة حسنة یعنی حاکم نے رعایا کے ساتھ اچھے طریقہ کا برتاؤ کیا (۱۲) یہی معنی الصحاح نے بھی بیان کئے ہیں (۱۳)

سیرۃ کا لفظ سوانح حیات کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔(۱۴) تاریخ بیان کرنے کے معنی میں بھی ہے۔(۱۵) اور ذاتی جواہر بھی بیان کیا گیا ہے۔(۱۶) قرآن میں متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے مثلا ﴿سنعیدها سیرتها الاولیٰ﴾ (۱۷) ''ہم اسے اسی ہیئت میں کر دیں گے جس میں پہلے تھی۔'' یہاں سیرۃ حالت و ہیئت کے معنی میں ہے۔ دوسری جگہ اس کی جمع استعمال ہوئی ہے :﴿ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین﴾(۱۸) ''اے نبی لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھوم پھر کر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ لو۔'' یہاں سیر کا لفظ غور و فکر کے معنی میں ہے یعنی جس کے حالات میں غور و فکر کیا جائے وہ سیرت ہے۔(۱۹)

خلاصۂ کلام یہ کہ سیرۃ کا لفظ (۱) جانا' روانہ ہونا' چلنا (۲) روش' طریقہ (۳) شکل و صورت اور ہیئت (۴) کردار (۵) طرز زندگی' زندگی کے نشیب و فراز (۶) عادت (۷) قصے' کہانی' سابقہ واقعات (۸) اور ایسی سوانح جسے غور و خوض کے ساتھ لکھا و بیان کیا جائے ان سب پر لغوی طور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔(۲۰)

۱۲۔ الزبیدی' سید محمد مرتضیٰ تاج العروس ج:۳'ص:۲۸۷ وزارة الارشاد والانباء کویت:۱۹۶۵ء

۱۳۔ الفارابی أبی نصر اسماعیل بن حماد الجوهری. تاج اللغة وصحاح العربیة المسمی الصحاح ج:۲' ص:۵۹۳.۵۹۴. محشی عبد الله بن بری دار احیاء التراث العربی بیروت/ لبنان الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۹ء مزید دیکھیں القاموس المحیط ج:۲'ص:۵۶ اور المعجم المعظم ج:۳ ص:۱۴۸۷ . مصباح اللغات ص:۳۸۷

۱۴۔ جامع اللغات ج:۳'ص:۴۵۴

۱۵۔ فیروز الدین ،فیروز اللغات ص:۷۸۵ . فیروز سنز لمیٹڈ کراچی:۱۹۶۵

۱۶۔ امروهوی، قائم رضا نسیم ،جدید نسیم اللغات اردو ص:۶۰۰ (اور سید مرتضی حسین)

۱۷۔ سورة طٰه:۲۱

۱۸۔ سورة النحل:۳۶

۱۹۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۳ اقبال اکادمی لاہور پاکستان (مقالہ پی ایچ ڈی) طبع اول ۱۹۸۹ء

۲۰۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص:۲

سیرت کی اصطلاحی تعریفات:

(۱) اصطلاح میں پروفیسر عثمان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات بیان کرنے کا نام سیرت ہے۔(۲۱)

(۲) مولانا ادریس کاندھلوی کے مطابق آنحضرت کی اصل سیرت تو سارا ذخیرۂ احادیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات و سرایا کے حالات و واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔(۲۲)

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق سیرت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی (سوانح) پر اس کا اطلاق ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی ہے۔(۲۳)

(۴) قاسمی صاحب کے مطابق سنت کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو قولاً' فعلاً' تقریراً' صفت خُلُقِیَة یا خَلْقِیَة یعنی سیرت خواہ نبوت سے پہلے کے زمانہ پر مشتمل ہو یا بعد کے زمانہ پر سب کو سیرت کہا جاتا ہے۔(۲۴)

(۵) محمد سرور کی رائے ہے سیرت کا لفظ جب مطلقاً بولا جاتا ہے تو شریعت میں اس سے مراد وہ کام ہوتا ہے جو نبی نے کرنے کا حکم دیا یا جس سے روکا یا جسے جائز سمجھا۔(۲۵) اور سیرت بھی ایک قسم کی تاریخ ہے۔(۲۶)

(۶) شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ کے مطابق:

"آنچه متعلق بوجود پیغمبرما صلی الله علیه وسلم و صحابه کرام و آن عظام

۲۱۔ یورش' پروفیسر عثمان خالد۔فن سیرت نگاری۔ص:۸

۲۲۔ کاندھلوی' مولانا محمد ادریس۔سیرۃ المصطفیٰ ج:اص:۳۰ مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامع اشرفیہ لاہور۔۱۹۸۵ء

۲۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۴۔اص:۷۴

۲۴۔ قاسمی محمد جمال الدین۔قواعد التحدیث ص:۳۵۔مطبوعہ البابی الحلبی ۱۹۶۱ء

۲۵۔ محمد سرور، بن نالیف زین العابدین۔دراسات فی السیرۃ النبویۃ ص:۲۷ دار الارقم:۱۹۸۶ء

۲۶۔ ایضاً ص:۷۴

است واز ابتدائے تولد آنجناب تاغایت وفات آن را سیرت گویند'. (۲۷)

'' جو کچھ ہمارے پیغمبر اور حضرات صحابہ کی عظمت اور ان کے وجود سے متعلق ہو جس میں آنخضرت کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کئے گئے ہوں وہ سیرت ہے۔''

سیرت کی یہ تعریف پچھلی تعریفات سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے اس میں نبی کی ذات وسیرت کے بیان کے ساتھ صحابہ کی ذات وسیرت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔اس کی تائید اگلی تعریفات سے بھی ہوتی ہے۔

(۷) مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اس میں سیرت نبوی وسیرت صحابہ دونوں شامل ہیں۔لکھتے ہیں:

''حدیث کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ کے اقوال وافعال اور واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی لیکن بعضوں نے اسے آگے بڑھا کر پیغمبر کے صحابہ اور بعضوں نے صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال وافعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کرلیا ہے۔میرا دعویٰ ہے کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔(۲۸) اور اپنے موقف کی دلیل کے طور پر لکھا ہے فن حدیث کے سب سے بڑے امام،امام بخاری نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے۔اگر اسی پر غور کرلیا جائے تو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ میں نے جو کہا ہے' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف ''بخاری شریف'' کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے بلکہ خود حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام '' اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ اُمُوْرِ

۲۷۔ دھلوی' شاہ عبدالعزیز محدث،عجالہ نافعہ ص:۱۴،ص:۴۸' مترجم وشارح ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی۔نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی:۱۹۶۴ء

۲۸۔ گیلانی' مولانا مناظر احسن،تدوین حدیث ص:۸' مجلس نشریات اسلام کراچی:۱۹۹۷ء

رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَسُنَنِهٖ وَ اَیَّامِهٖ" رکھا ہے۔اس میں اموراورایام کے الفاظ قابل غور ہیں ۔جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔آگے ایام کے لفظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا۔یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر' عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔(۲۹)

خلاصۂ کلام یہ کہ حدیث کی تعریف سیرت کا احاطہ کرنے کے ساتھ صحابہ کے حالات کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد نے سیرت کی جو تعریف کی ہے وہ بھی اسی مفہوم کی وسعت کی تائید کرتی ہے۔"

سنت وسیرت کی جگہ" قرآن وکتاب" کا لفظ بول دیا جائے کہ نام دو ہو گئے مگر حکایت شہد وعسل سے زیادہ نہیں'یعنی بات وہی ایک رہی۔دلالت وتسمیہ میں تعدد ہوا' مدلول ومسمّٰی میں نہیں۔"

"عباراتنا شتى وحسنك واحد"(ہماری عبارتیں والفاظ الگ الگ ہیں مگر تیرا حسن ایک ہے)یا پھر اسی نسخہ کے اجزاء وتوابع' جیسے آثار وسیر صحابہ وسلف امت اور معارف وبصائر ماخوذ ومکتسبۂ کتاب وسنت کہ گو اشکال واسماء میں تفرقہ وامتیاز ہوا' مگر بحکم "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" (۳۰) (میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع اپنے اوپر لازم کرلو)اور "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (۳۱)(اوران میں دوسرے لوگ ہیں جوان سے ملے نہیں)اور"فَاُوْلٰئِکَ مَعَ

۲۹۔ ایضاً:ص:۹

۳۰۔ حدیث نبوی ﷺ

۳۱۔ سورۃ الجمعۃ:۳

الَّذِیْنَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیھِمْ'' (۳۲)(یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہے) اور ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی'' (جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہے) معنی وحکماً' جزء وکل' اصل وفرع' مصدر ومشتق' یا شمس وکواکب کا سا معاملہ واقعہ ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے اگر چہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی......اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں تو پھر جو کچھ ہے' نہ تو علم ہے اور نہ شفاء' بلکہ خود جہل اور مرض۔(۳۳)

آگے لکھتے ہیں: ''سوانح وایام بھی سیرت نبویہ کے مختلف اجزاء ہیں بلکہ ہدایت قرآنی وحکمت نبوی کے عملی ومجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل وآیات نبوت کے حکم میں داخل ہیں پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن میں پوری شرح وتفصیل سے نہ ملتے۔''(۳۴)

لفظ ''سیرت'' کی اصطلاح کا اوّلین استعمال:

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابتداء ''مغازی' یعنی غزوات کا لفظ استعمال ہوتا تھا (غزوہ ان جنگوں کو کہا جاتا ہے جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی ہو)۔(۳۵) جس کا سبب یہ تھا کہ ابتدائی کتابوں میں آپ ﷺ کے غزوات کا تذکرہ زیادہ اور حیات طیبہ کا ذکر کم ہوتا تھا بعد میں چونکہ حیات طیبہ کا حصہ وافر تعداد میں شامل ہوگیا اس لیے اس کا سابقہ صحیح نام ''سیرت'' استعمال ہونے گا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (The Encyclopaedia of Islam) کے مقالہ نگار جی لیوی ڈیلا ویڈا (G. Levi della vida) کی تحقیق کے مطابق حضور کی سوانح عمری کے لیے ''سیرت'' کا استعمال سب سے پہلے ابن ہشام نے کیا ہے وہ اپنی کتاب کو ھذا کتاب سیرۃ رسول اللہ کا نام دیتے ہیں۔(۳۶)

۳۲۔ سورۃ النساء:۶۹

۳۳۔ ابوالکلام آزاد رسول رحمت ص:۴۔۵

۳۴۔ ایضاً ص:۱۹

۳۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۴۔ا ص:۷۴

۳۶۔ The Enceyclopaedia of Islam Leiden Vol:4 p/439

گویا پہلی کتاب جسے سیرت النبی کا نام دیا گیا وہ سیرت ابن ہشام ہے ورنہ لفظ سیرت کا استعمال نبی کریم ﷺ کی سوانح کے لیے اس سے پہلے بھی بولا جاتا تھا مگر کتابوں کو ''مغازی'' کا نام دیا جاتا تھا سیرت کا نہیں (۳۷) اس کا ثبوت یہ ہے کہ متعدد احادیث میں آپ کی سوانح کے لیے صحابہ نے سیرۃ کا لفظ استعمال کیا ہے (۳۸) اور عہد نبوی کے شاعر حضرت کعب بن مالک نے غزوہ احد کے موقع پر نعتیہ قصیدہ کہتے ہوئے فرمایا تھا۔

الحق منطقه والعدل سيرتة فمن يجئ اليه ينج من ثبب (۳۹) ''آپ کی بات حق ہے آپ کی سیرت عدل ہے جس نے آپ کی پیروی کی وہ ہلاکت سے نجات پا گیا'' جس سے واضح ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیرت کا لفظ عام مستعمل تھا۔

سیرت النبی کی دیگر علوم اسلامیہ سے یکسانیت اور امتیازی خصوصیات کا جائزہ:

سیرت النبی بعض خصوصیات کے لحاظ سے حدیث بھی ہے اور تاریخ بھی سوانح بھی ہے میلاد بھی اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے فرق بھی ہے لہٰذا سیرت کے مقام کے تعین کے لیے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

سیرت اور حدیث:

سیرت و حدیث میں تین اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے:

(۱) اصحاب حدیث (محدثین) تین امور کو جمع کرتے ہیں پہلی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ نے کیا کام کیا تیسری یہ کہ رسول اللہ کے سامنے یا آپ کے زمانہ میں کیا کیا گیا۔ اصحاب سیرت (سیرت نگار) بھی انہی تینوں امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دونوں کا کام ایک جیسا ہوا۔

(۲) محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی صحت دریافت کرنے کے لیے قواعد و ضوابط

۳۷۔ یہی بیشتر اہل علم کی رائے ہے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد ج:۲۔اص:۱۸ ج:۳۔۲ص:۱۵۲ کتاب الا غانی ج:۱۹:ص۵۹ تفصیل ملاحظہ کریں اردو نثر میں سیرت رسول ص:۷۔۸

۳۸۔ احمد بن حنبل، مسند احمد ج:اص:۷۵ اورص:۱۲۸ اور دیکھئے المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث۔

۳۹۔ ابوالفتح ڈاکٹر محمد صغیر الدین۔ صحابہ کرام کی نعت گوئی ص:۱۱۴ ظہار سیرت نمبر فروری:۱۹۷۹ء

مرتب کئے ہیں لہٰذا بغیر کسی سند کے حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ اصحاب سیر بھی بغیر سند۔کے یا جھوٹے شخص کی روایت کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

(۳) اصحاب سیر اور اصحاب حدیث حقیقت کے اعتبار سے دو الگ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ جتنے محدثین ہیں وہ سیرت نگار بھی ہیں جو سیرت نگار ہیں وہ محدث بھی ہیں مگر دونوں کے مقاصد و اہداف الگ الگ ہیں لہٰذا وجوہ ترجیح تبدیل ہو جاتی ہیں (۴۰) سیرت و حدیث میں آٹھ اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔

1۔ سیرت میں واقعات کے ربط و ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن حدیث میں آپ کے حالات موجود ہونے کے باوجود سیرت کی طرح ترتیب لازمی نہیں بلکہ جہاں جس پہلو کی ضرورت ہوتی ہے محدث بیان کر دیتا ہے (۴۱) اس کی وضاحت میں ابوالبرکات لکھتے ہیں۔ محدثین کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول ﷺ کی ذات سے بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے اور سیرت نگار کے ہاں اس کے برعکس ہوتا ہے۔(۴۲)

2۔ سیرت کا مستند ترین مواد کتب احادیث ہی میں ہے اگرچہ بعض اوقات سیرت نگاروں نے روایات کے بارے محدثین کی طرح مکمل احتیاط نہیں برتی۔ یہی وجہ ہے حدیث کی روایات کا درجہ سیرت کی روایات سے بلند ہے۔(۴۳)

3۔ محدثین ساری توجہ اس نکتہ پر صرف کرتے ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں جبکہ سیرت نگار اس نکتہ پر توجہ دینے کے ساتھ یہ بھی جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور نے کب کہا؟ یا کس وقت یہ کام کیا یا آپ کے سامنے کیا گیا دوسرے یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کا سبب کیا تھا۔(۴۴)

4۔ سیرت نگار حضور کے اقوال' افعال' واقعات کو مربوط و مسلسل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور

۴۰۔ ابوالبرکات' عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص:۸۔۹

۴۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۴۔ا' ص:۴۷

۴۲۔ ابوالبرکات' عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص:۸

۴۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۴، ص:۴۷

۴۴۔ ابوالبرکات' عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص:۸

اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں جبکہ محدثین صرف روایت کی صحت پر توجہ دیتے ہیں۔(۴۵)

5۔ وجوہ ترجیح کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے محدثین وسیرت نگار دو الگ جماعتیں بن گئیں اور دونوں کے معیار تحقیق میں بھی فرق آ گیا۔محدثین رواۃ کی ثقاہت' تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں۔سیرت نگار حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر دو میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔(۴۶)

6۔ ندیم الواجدی لکھتے ہیں سیرت میں درجہ صحت سے کم درجہ کی روایات سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔حدیث میں اس کی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ صرف ان احادیث کے لیے ہے جن کا تعلق احکام ومسائل سے ہوتا ہے(۴۷) علامہ عثمانی نے لکھا ہے علماء کا بڑا گروہ اس کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائل اعمال اور قصص وغیرہ میں استدلال کیا جاسکتا ہے اس گروہ میں امام احمدؒ امام شافعیؒ ابوداؤدؒ امام نووی اور امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں۔(۴۸) امام ابوحنیفہ ضعیف احادیث سے احکام میں بھی استفادہ کرتے ہیں اور رائے پر ترجیح دیتے ہیں لیکن صحیح حدیث پر ترجیح نہیں دیتے۔(۴۹)

(۷) مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں حدیث آٹھ علوم کے مجموعے کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزء ہے۔(۵۰)

(۸) حدیث کی کتابیں فقہی ابواب کی ترتیب پر تقسیم ہوتی ہیں اور سیرت کی کتابیں سنین یا واقعات کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہیں۔(۵۱)

مولانا شبلی نعمانی سیرت وحدیث کے فرق کا سبب بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں:

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً ص/۹

۴۷۔ ندیم الواجدی' سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو، نقوش رسول نمبر ج:۱ص:۵۳ش۔۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء

۴۸۔ عثمانی' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد، فتح الملہم ج:۱ص:۵۸ مدینہ پریس بجنور ہندوستان

۴۹۔ نقوش رسول نمبر ج:۱ص:۵۳ بحوالہ فیض الباری ج:۱ص:۵۸

۵۰۔ کاندھلوی' مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ج:۱ص:۳

۵۱۔ ابوالبرکات' عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص:۱۹

''سیر ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی' جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن وحدیث ہی سے مأخذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہٖ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اصل بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے' اس بنا پر سیرت ومغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔

جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق' سیرت ابن ہشام' سیرت ابن سید الناس' سیرت دمیاطی' حلبی' مواہب لدنیہ' کسی میں یہ التزام نہیں۔'' (۵۲)

سیرت اور تاریخ:

اسلامی علوم میں سیرت کو ایک نیم تاریخی نیم سوانحی صنف قرار دیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا فن تاریخ فن سیرت نگاری سے متاثر ہوا ہے۔ (۵۳)

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز صنف ہے۔ تاریخ کی چند تعریفیں کی جاتی ہیں مشہور ماہر تاریخ کافیجی (م ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب '' **المختصر فی علم التاریخ**'' میں یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ زمانے کے حالات اور ان حالات کے متعلقات کی یقینی تلاش کا نام ہے۔ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی مشہور تصنیف ' **الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ**'' میں کہا ہے کہ زمانے کے واقعات کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے۔ دور وسطی کے مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ

۵۲۔ شبلی نعمانی' علامہ۔ سیرۃ النبی، ج:۱، ص:۲۴، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور۔ ۱۴۰۸ھ

۵۳۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۲۴

مطالعہ کا نام ہے۔(۵۴)

ابونصر اسماعیل بن حماد الجوھری (م ۳۹۸ھ) کہتا ہے کہ تاریخ کے معنی وقت بتانا ہیں۔(۵۵) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) کے مطابق تاریخ کو دو مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے کبھی واقعات کے بیان پر اور کبھی بذات خود واقعات کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔(۵۶) یہاں تاریخ اور سیرت کے چار فرق بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) پہلا فرق:

تاریخ کا موضوع انسان اور زمانہ ہے (۵۷) اس کے بالمقابل سیرت کا موضوع ایک محبوب انسان اور اس کا بابرکت عہد ہے اس عہد میں رونما ہونے والے واقعات بھی سیرت کا حصہ ہیں۔

(۲) دوسرا فرق:

یہ ہے کہ تاریخ کا موضوع عموماً ملک اور زمانہ ہوتا ہے جن میں ضمناً شخصیات زیر بحث آتی ہیں جبکہ سیرت میں ایک مخصوص شخصیت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بنا کر ضمنا ملک و زمانہ اور اس کے خدوخال کو اجاگر کیا جاتا ہے۔(۵۸)

(۳) تیسرا فرق:

سیرت کے ماخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے۔ تاریخ کا مدار صحت مند ماخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے لیکن سیرت میں قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ روایات جس طرح پہنچیں انہیں من وعن ذکر کر دینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے۔ ان روایات میں جس

۵۴۔ جمال الدین، عبدالصاحب۔ عربوں میں تاریخ کا مطالعہ (مترجم ندیم الواجدی) رسالہ رگ سنگ کانپور جنوری ۱۹۷۳ء

۵۵۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۲۴

۵۶۔ Enceyclopaedia Britannica vol/11p/529 (Article History)

۵۷۔ السخاوی 'الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ (اردو) ص:۳۰ مرکزی اردو بورڈ لاہور

۵۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۲۶

قدر چھان پھٹک اور کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ الگ قابل غور ہے۔(۵۹)

(۴) چوتھا فرق:

یہ ہے کہ ہمارے سامنے جن مؤرخوں کے ذریعہ تاریخیں پہنچی ہیں خود ان مؤرخوں کا اس زمانہ سے جس زمانہ کی انہوں نے تاریخ لکھی ہے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے بھی تو اس درجہ کا نہیں ہے جس درجہ کا صحابہ کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا بلکہ اکثر مؤرخین تو تاریخ کے خود بھی عینی شاہد نہیں ہیں جبکہ صحابہ اس تاریخ کے جسے ہم سیرت کہتے ہیں عینی شاہد ہیں لہٰذا عام تاریخ کا سیرت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔(۶۰)

فاضل دیوبند مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے ہیں عموماً ان کا تعلق کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اس قسم کی منتشر اور پراگندہ گونا گوں چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ بخلاف اس کے سیرت وحدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک خاص شخصی وجود یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے ایک قوم ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور سے سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قوم کا کوئی خانوادہ نہیں بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ خود اندازہ کیجئے کہ احاطہ وتدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے؟ پہلی صورت میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں، غلطیوں کے جتنے قومی اندیشے ہیں یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت وواقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کی جا سکتی ہے۔(۶۱)

سیرت اور میلاد:

سیرت اور میلاد دونوں کا مقصود بالذات حب رسالت، تذکرہ رسالت اور فروغ اُسوہ حسنہ ہے

۵۹۔ ندیم الواجدی، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو، نقوش رسول نمبر ج:۱ ص:۵۷

۶۰۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن، تدوین حدیث ص:۱۱

۶۱۔ ایضاً:۱۰

لیکن یہ عنوان برصغیر میں خاص مناظراتی پس منظر کا حامل ہے۔ مگر یہاں ایک خاص نکتہ پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ میلاد یعنی نبی کریم کی ولادت اس سے کسی مشرک کو کوئی تکلیف نہیں تھی آپ کی ولادت پر کسی نے خفگی وناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ سب نے خوشی منائی تھی انہیں آپ کی ولادت (میلاد) سے کوئی تکلیف نہیں ان کو تکلیف آپ کی تعلیمات (سیرت) سے تھی۔ برصغیر میں میلاد کو بہت فروغ حاصل ہوا جس کا سبب عیسائیوں ہندوؤں اور سکھوں کا اپنے پیشواؤں کا جنم دن (یوم پیدائش) منانا بھی ہے۔ یہی ردّعمل اس کے فروغ کا بڑا سبب بنا۔ سیرت اور میلاد میں چھ اعتبار سے فرق ہے:

1۔ سیرت میں نبی کریم ﷺ کی مکمل سیرت بیان ہوتی ہے جبکہ میلاد میں ولادت، معجزات معراج اور وفات وغیرہ کا بیان ہوتا ہے مکمل سیرت نہیں ہوتی تمام میلاد ناموں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی قدر مشترک ہے۔

2۔ سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ تک حالات ہوتے ہیں جبکہ میلاد ناموں میں ضمنی واقعات مثلاً واقعہ کربلا بزرگوں کا تذکرہ بھی شامل ہوتا ہے۔(۶۲)

3۔ سیرت میں تاریخی یا واقعاتی ترتیب کو مدنظر رکھا جاتا ہے جبکہ میلاد میں ایسا ضروری نہیں ہے۔

4۔ عہد حاضر میں ایک اور فرق نمایاں ہوگیا ہے خواتین میں میلاد اور جلسہ میلاد مخصوص ہوگیا جبکہ عام جلسے سیرت کے نام سے منعقد ہوتے ہیں۔

5۔ سیرت میں عموماً مثبت ومستند واقعات بیان کئے جاتے ہیں جبکہ میلاد میں عموماً متنازعہ موضوعات زیر بحث لائے جارہے ہیں۔

6۔ برصغیر میں جو کتب میلاد آغاز میں رائج رہیں ان میں اکثر منظوم ہیں بعد میں منظوم ونثر مجموعے زیادہ مقبول ہوئے جبکہ سیرت کی غالب تعداد نثر میں ہے۔

سیرت اور نعت:

نعت کہتے ہیں تعریفی اوصاف بیان کرنا اصطلاحاً یہ لفظ نبی کریم ﷺ کے اوصاف محمودہ کو منظوم

۶۲۔ جاوید، محمد مظفر عالم صدیقی، اردو میں میلاد النبی ص:۹۶ (فکشن ہاؤس لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۸ء

یا نثر کی صورت میں بیان کرنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔(۶۳)

1۔ سیرت کی طرح نعت کا دائرہ بھی وسیع ہے اس میں سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ لیکن آج کل نعت کا اطلاق منظوم سیرت پر کیا جاتا ہے نثر پر نہیں۔(۶۴)

2۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں آپ کی تعلیمات غالب طور سے بیان کرتے ہیں جبکہ نعت میں اظہار عقیدت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

3۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ عہد حاضر میں جن نعتوں کا رواج چل رہا ہے ان کا ادب اور سیرت سے تعلق کم موسیقی اور صوتی اثرات ورد ھم سے زیادہ ہے۔

سیرت اور سوانح:

سوانح کو حیات (Life) اور بایوگرافی (Biography) کہا جاتا ہے اس کی تعریف جوزف ٹی شپلے نے یہ کی ہے کہ سوانح عمری ایک شخص کی پیدائش سے موت تک کے افکار و افعال کا بیان کرنا ہے۔ کارلائل کے نزدیک یہ ایک انسان کی تاریخ ہے (۶۵) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق سوانح کا موضوع ایک انسان ہے اور اس کی ایسی زندگی ہے جو حقیقتاً بسر کی گئی ہو (۶۶) سیرت میں بھی سوانح موجود ہے لیکن پانچ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) پہلا فرق یہ ہے سیرت حیات انسانی کے ایک ایسے مثالی نمونے کو موضوع بناتی ہے جو ہر خطا و تقصیر سے پاک ہے جبکہ سوانح میں ان خوبیوں کا ہونا ضروری نہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں تقدس ہے غور و خوض ہے جبکہ سوانح میں اس عنصر کا ہونا ضروری نہیں۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ سوانح میں واقعہ کی صداقت صرف روایت یا سماعت کی بنیاد پر ہوتی ہے جبکہ

۶۳۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۱

۶۴۔ فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری ص:۲۱

۶۵۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۹

۶۶۔ Enceycloplaedia Britannica vol/3 p/636 (Articale Biography)

سیرت میں واقعہ کی صداقت روایت و درایت (حدیث کے اصول تنقید) کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔اس لحاظ سے سیرت سوانح سے زیادہ مستند ہے۔

(۴) سوانح میں تصور کشی تخیل و قیاس کی بنیاد پر ہوتی ہے جبکہ سیرت میں اس کی گنجائش ہی نہیں بلکہ دروغ گوئی کے زمرہ میں شامل ہونے کے سبب حرام ہے۔

(۵) سوانح میں خوبیاں و خامیاں دونوں بیان کی جاتی ہیں جبکہ سیرت کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خامیوں سے پاک ہیں اور معصوم ہیں لہٰذا آپ کی خامیاں نکالنا حرام اور گستاخی رسالت ہے۔یہی وہ نکتہ ہے جہاں مستشرقین دھوکہ کھا گئے ہیں اور عام بشر و نبی میں فرق قائم نہیں رکھ سکتے ہیں اور ہرزہ سرائی کے مرتکب ہوئے ہیں سیرت کے مفہوم کی تعین و تقابلی مطالعہ کے بعد اب میں مختصراً سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ پیش کروں گا۔

سیرت نگاری کا ارتقاء:

حدیث اور سیرت دونوں کا ارتقا ساتھ ساتھ شروع ہوا حضرت جعفر طیار نے شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں جب تعلیمات نبوی پیش کیں تو اس نے آپ کی سیرت حسب ونسب پوچھا اور ابوسفیان سے تصدیق کر کے آپ کی تعلیمات کو سچا تسلیم کیا خود آپ نے جب فاران کی چوٹی پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی چاہی تو سب سے پہلے اپنی سیرت کو پیش کیا تمام حاضرین نے آپ کو صدیق و امین تسلیم کیا یعنی آپ کی سیرت کی تصدیق کی لیکن جب آپ نے اسلام کی دعوت دی تو سب نے انکار کر دیا۔

ان واقعات سے یہ واضح ہوتا ہے اس معاشرہ میں کسی کی بات سننے اور یقین کرنے سے پہلے اس کے حسب نسب اور کوائف (سیرت) کی تصدیق کی جاتی تھی پھر اس کی تعلیمات پر غور کیا جاتا تھا اسی طرح بعض اکابر صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و مغازی بیان کرنے میں زیادہ معروف تھے یا کہا جائے زیادہ عمدگی سے بیان کرتے تھے لہٰذا صحابہ و تابعین ان سے رجوع کرتے تھے خلفاء راشدین میں حضرت علی سے شمائل ترمذی میں امام ترمذی نے مفصل روایات نقل کی ہیں جن میں آپ کا حلیہ بیان کیا گیا ہے۔شبلی نعمانی نے امام بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے غزوۂ احد کے ذیل میں منقول ہے حضرت طلحہ جو اکابر صحابہ میں

سے تھے۔ مغازی (سیرت) بیان کرتے تھے۔(۶۷) ہاں البتہ عہد نبوی میں باقاعدہ تدوین کی عام اجازت نہیں اوراس عدم اجازت کے وہی اسباب تھے جو حدیث کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں (۶۸) جس طرح حدیث لکھنے کی مخصوص صحابہ کو اجازت تھی یقیناً سیرت لکھنے کی اجازت بھی ہوگی وہ زمانہ چونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا لہٰذا وحی سے حدیث کے خلط ملط ہونے کا خدشہ تھا دوسرے لوگوں کی توجہ صرف قرآن کی طرف مبذول رکھنی تھی اس لیے عام لوگوں کو صرف قرآن لکھنے کی اجازت تھی۔ سیرت کی ایک قسم نعت عہد نبوی میں رائج تھی (۶۹) قرن اوّل میں سیر ومغازی کی تدوین میں تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا لہٰذا لوگوں کو زیادہ ضرورت احکام کی تھی نبی کریم کے حالات جاننے کی نہیں تھی۔ امام زہری سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ جو محدث تھا وہ سیرت نگار بھی تھا۔ البتہ بعض علماء صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ انہیں سیرت ومغازی کی روایات زیادہ معلوم تھیں یا وہ زیادہ بیان کرتے تھے اس لیے دیگر محدثین کے مقابلہ میں انہیں صاحب المغازی کے نام سے یاد کیا گیا۔

سیرت ومغازی پرابتدائی کتابیں:

سیرت و مغازی کے موضوع پر پہلی کتاب ''مغازی'' کے نام سے حضرت ابان بن عثمان بن عفان غنی رضی اللہ عنہ (ولادت تقریباً ۲۰ ہجری مطابق ۶۴۰ء وفات ۱۰۰ تا ۱۰۵ھ۔ کے درمیان مطابق ۷۱۸ تا ۷۲۲ بیان کی گئی ہے) کی ہے آپ خلیفہ ثالث کے بیٹے معروف تابعی حدیث' فقہ اور مغازی وسیرت کے عالم تھے (۷۰) یہی تحقیق ڈاکٹر مصطفیٰ صبری کی ہے (۷۱)

۶۷۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ج:۱ حصہ اول ص:۲۸

۶۸۔ تفصیلی اسباب کے لئے مطالعہ کریں خطبات بہاولپور ڈاکٹر حمید اللہ، تاریخ تدوین حدیث اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی تدوین حدیث اور مولانا رفیع عثمانی کی کتابت حدیث اور ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کی التحدیث فی علوم الحدیث وغیرہ۔

۶۹۔ معروف شعراء میں حضرت حسان بن ثابت' کعب بن مالک' عبداللہ بن رواحہ' عامر بن سنان' ثابت بن قیس بن شماس' ان میں بیشتر شعراء کا کلام بھی سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھیے نقوش سیرت رسول ج:۵ ص:۶۰۱ واور ج:۱۲ اص:۳۵

۷۰۔ ابن سعد' محمد الطبقات الکبریٰ ج:۵' ص:۱۵۶ نفیس اکیڈمی کراچی

۷۱۔ نقوش رسول نمبر: ج:۱ ص:۶۱ (مقالہ ندیم الواجدی) بحوالہ موقف العلم والعقل ج/۱ ص:۴۷

ابان کے بعد حضرت عروہ بن زبیر (ولادت تقریباً ۲۳ھ مطابق ۶۴۲ء وفات ۹۴ھ مطابق ۷۱۲ء) شعبی (م ۱۰۹ھ وھب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) اور عاصم ابن عمر بن قتادہ انصاری (م ۱۲۱ھ) محمد بن مسلم ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) محمد بن اسحٰق (م ۱۵۰ھ) کے نام لیے جاتے ہیں مؤخر الذکر عاصم ابن عمر کو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ وہ جامع مسجد دمشق میں سیرت و مغازی کا حلقہ درس قائم کرکے باقاعدہ لوگوں کو تعلیم دیں (۷۲) اسی طرح ابن شہاب زہری کو حدیث کی جمع وتدوین اور تدریس کے لیے مقرر کیا۔ سیرت و مغازی پر دوسری کتاب ''کتاب المغازی'' کے نام سے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے آپ ہی نے لکھی ہے (۷۳) اس کے بعد تیسری کتاب محمد بن اسحٰق اور چوتھی کتاب موسیٰ بن عقبہ کی ہے۔ (مگر یہ دستیاب نہیں ہے)

غلط شہرت:

اس موقع پر یہ وضاحت کردوں کہ تقریباً تمام سیرت نگاروں نے مذکورہ بالا سیرت کی پہلی کتاب کو نظر انداز کیا ہے کسی نے امام زہری کو کسی نے ابن اسحٰق کو پہلا سیرت نگار لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ (۷۴) بلکہ صحیح یہ ہے کہ پہلے سیرت نگار عروہ بن زبیر ہیں یہ عبداللہ بن زبیر کے بھائی ہیں آپ کی کتاب مغازی رسول اللہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب کی ایڈیٹ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور اردو میں محمد سعید الرحمٰن کے ترجمہ کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

ابتدائی سیرت نگاروں کے تین طبقے:

محمد توفیق حسین نے سیرت نگاروں کو ترتیب زمانی کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلے طبقہ کے مشہور ترین اشخاص میں ابان بن عثمان بن عفان (ولادت تقریباً ۲۰ھ اور وفات ۱۰۰۔۱۰۵ کے درمیان)، عروہ بن زبیر بن العوام (ولادت تقریباً ۲۳ھ اور وفات ۹۴ھ) شرحبیل

۷۲۔ ابن حجر، شہاب الدین العسقلانی تہذیب التہذیب: ۵، ص: ۵۳، ترجمہ عاصم بن قتادہ انصاری مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

۷۳۔ ایضاج: ۵، ص: ۴۴۵

۷۴۔ تفصیل کے لیے دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۴۔ ا ص: ۸۔۱۷، سیرت النبی، ج: ۱، ص: ۳۰، نقوش رسول نمبر (مقالہ ندیم الواجدی) ج: ا ص: ۶۱۔۶۲ وغیرہ

بن سعد (وفات ۱۲۳ھ) اور وہب بن منبہ (وفات ۱۱۰ء) ہیں۔

دوسرے طبقہ کے مشہور ترین اشخاص میں عبداللہ بن ابوبکر بن حزم (وفات ۱۳۵ھ)، عاصم بن عمرو بن قتادہ (وفات ۱۲۰ھ) اور محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (وفات ۱۲۴ھ) ہیں۔

تیسرے طبقہ کے اہم ترین اشخاص میں موسیٰ بن عقبہ (وفات ۱۴۱ھ) معمر بن راشد (وفات ۱۵۰ھ) اور محمد بن اسحٰق (وفات ۱۵۰ھ یا ۱۵۳) ہیں۔ ابن اسحٰق سے زیاد البکائی (وفات ۱۸۳) اور بکائی سے سیرت کی مشہور کتاب کے مؤلف ابومحمد عبدالملک بن ہشام الحمیری (وفات ۲۱۸ھ) نے علم حاصل کیا۔ اسی طبقہ کے اشخاص میں محمد بن عمر الواقدی (وفات ۲۰۷ھ) اور ان کے شاگرد محمد بن سعد (وفات ۲۳۰ھ) ہیں۔ (۷۵)

ابوالبرکات امام زہری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام زہری کے وقت میں چار عالم بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ ابن المسیبؒ مدینہ میں۔ شعبیؒ کوفہ میں حسن بصریؒ بصرہ میں۔ اور مکحول شام میں۔ یہ سب ائمہ حدیث بھی ہیں اور ائمہ سیر بھی۔ زہری ان چاروں کے فیض یافتہ تھے۔ اور امام زہری کے شاگردوں ہی نے سنن اور سیرت کو بظاہر دونوں کی حیثیت سے نمایاں کیا۔ ایک طرف امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ جنہوں نے علم حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا۔ اور دوسری طرف امام السیر والاخبار محمد بن اسحٰق بن یسار۔ اور اور موسیٰ بن عقبہ ان کے شاگرد تھے جن کی روایات اور تصنیفات سے فن سیرۃ ایک مستقل فن بن گیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ۔ اور مغازی ابن اسحٰق سیرۃ کی دو تصنیفات ہیں۔ اس فن میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سب کی بنیاد ان دو کتابوں پر ہے۔ دونوں بڑے مرتبہ کے محدث تھے۔ موسیٰ بن عقبہ پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ مگر ابن اسحاق پر امام مالکؒ نے جرح کی ہے۔ محدثین کی بڑی جماعت اس جرح کو قبول نہیں کرتی اور شاید اسی جرح کی وجہ سے محدثین نے یہ قاعدہ بنایا کہ معاصر کی جرح معاصر کے

۷۵۔ حسین، محمد توفیق، سیرت نبوی پر گذشتہ صدی میں عرب مؤرخین کی نگارشات (مترجم ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی) نقوش رسول نمبر: ج/۴، ص: ۲۷۸، ش: ۱۳۰ جنوری ۱۹۸۲ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

حق میں مقبول نہ ہوگی۔ گو جرح کرنے والا کسی مرتبہ کا ہو۔(۷۶)

عجیب بات یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق پر سب سے زیادہ تنقید کی گئی ہے اور سیرت ابن ہشام کی سب نے زیادہ تعریف کی گئی ہے حالانکہ سیرت ابن ہشام دراصل سیرت ابن اسحٰق ہی کی نئی ترتیب و تہذیب ہے اور کچھ اضافات بھی کئے گئے ہیں۔(۷۷) ان ابتدائی کتب سیرت کے بعد آج تک اس موضوع پر ہزاروں تصنیفات سینکڑوں زبانوں میں شائع ہوکر منصۂ شھود پر آچکی ہیں۔

اصول سیرت/ ماخذ ومصادر:

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھے کے بھی کچھ اصول ہیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت النبی لکھی جانی چاہیے ان اصولوں کی تعداد وترتیب میں اختلاف ہے اس موضوع پر مستقل کتب اگر چہ نہیں لکھی گئیں ہیں لیکن ضمناً کتب سیرہ میں یہ بحث موجود ہے۔ اسلام کے دیگر موضوعات مثلاً حدیث کے لیے اصول حدیث، فقہ کے لیے اصول فقہ اور علم کلام کے لیے اصول علم کلام، علم تاریخ کے لیے اصول علم تاریخ کا فن موجود ہے جس کے ذریعہ ان علوم کی ترتیب وتدوین اور پرکھنے میں مدد لی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اصول سیرت النبی پر بھی مستقلاً لکھا جاتا اور ماٴخذ ومصادر کا تعین کیا جاتا تاکہ اس علم میں فنی بنیادوں پر مناہج کا تعین آسان ہو جاتا۔ اس موضوع پر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر کی کتاب ''سیرت نبوی کے مصادر ومراجع'' پبلشر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۹۹۴ء ملاحظہ کی جاسکتی ہے جس میں مکمل تفصیل موجود ہے۔

پہلا ماخذ قرآن:

سیرۃ النبی کا مطالعہ کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ قرآن سیرت النبی کے اس پہلو کی طرف کیا رہنمائی کرتا ہے۔ عہد نبوی وعہد صحابہ میں یہی طریقہ رائج تھا۔ خود قرآن نے انبیاء کے قصے بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے:﴿ **فاقصص القصص لعلهم**

۷۶۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص:۱۳

۷۷۔ ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین، وفیات الاعیان ج:۱ ص:۲۹۰ المطبعۃ المیمنیۃ

یتفکرون﴾(۷۸) لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تاکہ وہ سوچیں۔ قصص الانبیاء کو احسن القصص (بہترین قصے) قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کہانیوں کی کتاب نہیں ہے لیکن انبیاء کی سیرت کے اہم حصوں کی طرف رہنمائی ضرور کرتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

((اِن خلق رسول الله كان القرآن))(۷۹)

''رسول کے وہی اخلاق تھے جو قرآن بیان کرتا ہے۔''

قرآن نے آپ کی حیات مبارکہ کے پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ جس میں آپ کی ابتدائی زندگی' یتیمی' غربت' جوانی میں مالی فراغت' تلاش حق' بعثت' نزول وحی دعوت و تبلیغ' کفار کی مخالفت' اسلام کا فروغ' معراج' ہجرت' غزوات' خود آپ کے اخلاق عادات' کی مختلف انداز میں وضاحت کی ہے یہی وجہ ہے تمام سیرت نگاروں نے سیرت کا پہلا ماخذ قرآن کو تسلیم کیا ہے۔ (۸۰) لیکن عملی صورت حال یہ ہے کہ صرف قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے آپ کی سیرت پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا لکھا جا' چاہیے تھا اس کا شکوہ مولانا ابوالکلام آزاد سمیت دیگر افراد کو بھی رہا ہے (۸۱) حتی کہ معروف سیرت نگار علامہ شبلیؒ بھی تذبذب کا شکار رہے کہ کیا صرف قرآن سے سیرت النبیؐ لکھی جا سکتی ہے۔ (۸۲) اس کا عملی جواب ابوالکلام آزاد نے خود دیا اور بقول خود پہلی کتاب سیرت پر قرآن کی روشنی میں تیار کی یہ کتاب قرآن کی سورتوں کی ترتیب پر

۷۸۔ سورہ الاعراف:۱۷۶

۷۹۔ مالک بن انس' موطاء باب حسن الخلق ص: ۹۰۴ اور کنز العمال ج:۳ ص:۱۶

۸۰۔ دیکھئے السیرة النبوية فی ضوء المصادر الأصلية ،الدكتور مهدى رزق الله احمد مطبوع، جامعهة الملک السعود الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۲ء ص: ۱۶ اور فقه السيرة الدكتور محمد سعيد رمضان البوطى انتشارات لقمان قم ص:۲۲ اور سیرت نبوی ڈاکٹر مصطفٰی سباعی مترجم مزمل حسین القمیر انٹر پرائزز لاہور ۱۹۸۹ء ص: ۳۰۔۱۳۱ اردو نثر میں سیرت رسول ڈاکٹر انور محمود خالد ص: ۴۵ تا ۵۲ اور دراسات فی السیرة النبویة محمد سرور بن نایف زین العابدین دار اااارقم ۱۹۸۶ء ص: ۷۰

۸۱۔ ابوالکلام آزاد' رسول رحمت ص:۱۸

۸۲۔ ایضا

ہے(۸۳) باوجود یہ کہ یہ دعویٰ قابل تحقیق ہے پھر بھی کچھ کوششیں ایسی ہوئی ہیں جن میں قرآن کی بنیاد پر سیرت لکھی گئی ہے۔جیسے ''**جمال مصطفی** ''عبدالعزیز عرفی کی (۸۴) **نبوة محمد فی القرآن**، **الدکتور** حسن ضیاء الدین عتر کی (۸۵) اور **سیرة الرسول صورة مقتبسة من القرآن الکریم** محمد عزہ دروزہ کی (۸٦) **النبی الامین و القرآن المبین** مولانا عبیداللہ سندھی کی (مطبوعہ کراچی) **رسول کریم فی القرآن العظیم** شمس الدین کی (مطبوعۃ الفیصل لاہور)۔

''نبی قرآن کی روشنی'' میں عزیز ملک کی (دیا پبلشرز اسلام آباد) بولتا قرآن محمد رئیس کی (نور بک ڈپو فیصل آباد) قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ نقوش رسول نمبر کی جلد اوّل بھی اسی کوشش کی کڑی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو ہر سوال کا جواب دیتی ہے اس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و یگانہ کیسے۔تھے؟ قوم و مرز بوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا۔اور جب واپسیں نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود' مقاصد وجود اور اعلام صداقت و عظمت کے لیے اس کے وقائع میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے' وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کر سکتی ہے اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا

۸۳۔ ایضاً ص:۱۹ اور ص:۲۳

۸۴۔ یہ گیلانی پبلشرز کراچی سے اگست ۱۹۸۱ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی چار جلدوں پر مشتمل ہے الاتقان للسیوطی کی ترتیب نزول کے اعتبار سے سیرت لکھی ہے ہر جلد ۳۰۰ تا ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۸۵۔ یہ دار البشائر الاسلامیہ سے ۱۹۹۰ء میں ایک جلد میں ۳۷٦ صفحات پر شائع ہوئی ہے اس میں شخصیت کے مختلف پہلو سے متعلق آیات کو الگ الگ جمع کر کے اس کی روشنی میں سوانح' بعثت اخلاق' نبوت کا اثبات' اور اعتراضات کے جوابات پیش کئے گئے ہیں۔

۸٦۔ یہ دو جلدوں میں لکھی گئی ہے دیکھئے السیرة النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ ص ۱٦

ابدامحتاج نہیں اور یہ سب کچھ ازقبیل اشارات ومرموزات نہیں جیسا کہ ارباب نکات و دقائق کا طریقہ استنباط ہے۔ بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان' جوفقہا کے طریق واستنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح وظاہراور اگر رموز واشارات وتلمیحات کا طریقہ اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ خصائص اور اعجاز قرآن ہے کہ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جاسکتی' جب تک پیغام لانے والے کی صداقت وامانت نہ جانچی جا سکے اور وہ ممکن نہیں' جب تک اس کی پوری زندگی اور زندگی کے اعمال ووقائع دنیا کے سامنے نہ ہوں پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفہ آسمانی ایسا ہے' جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع وسوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنا سکتا ہے تو وہ بحکم " هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق"(۸۷)'' یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے۔'' بجز قرآن حکیم ومحفوظ کے اور کوئی نہیں۔ اس کے سوا جس قدر کتب سماویہ موجود ہیں وہ یا تو اپنی صداقت کی اور ساری باتوں کی طرح اس بارے میں بھی بالکل خاموش ہیں حتی کہ اپنے لانے والوں کے وجود کے اثبات سے عاجز اور اگر اس کی شخصیت کا ذکر بھی کرتے ہیں تو ایسے مجہول وسراپا شکوک وارتیاب کی شکل میں جس سے اثبات کی جگہ اور زیادہ سلب ونفی کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔(۸۸)

آگے مزید لکھتے ہیں اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہوجائیں دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت کی شخصیت مقدسہ اور آپ کی سیرت وحیات کے براہین وشواہد مٹ نہیں سکتے۔(۸۹) اور حقیقت یہ ہے کہ ﴿ و رفعنالک ذکرک﴾(۹۰)''ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔''

۸۷۔ سورۃ جاثیہ : ۲۹

۸۸۔ ابوالکلام آزاد' رسول رحمت ص:۱۹۔۲۰

۸۹۔ ایضاً ص۱۹

۹۰۔ سورۃ الم نشرح : ۴

میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح قرآن کبھی فنا نہیں ہوگا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی ہمیشہ زندہ رہے گی۔

لیکن اعتدال اور حقیقت سے زیادہ قریب بات ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ہے، لکھتے ہیں:

''قرآن نے حالات نبوی کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے مثلاً جب کسی غزوہ کا ذکر کرتا ہے تو اسباب پر روشنی ڈالتا ہے۔ جزئیات پر نہیں صرف جنگ کے نصیحت آموز پہلوؤں کو نکھارتا ہے اور عبرت آموز واقعات پر تبصرہ کرتا ہے اور یہی معاملہ انبیاء کے قصوں اور اقوام ماضیہ کے حالات کے ساتھ بھی ہے اس لیے ہم سیرت نبوی سے متعلق قرآنی نصوص پر اکتفا نہیں کر سکتے ہیں اور ان سے حیات رسول کی مکمل تصویر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔(۹۱)

لہٰذا سیرت النبی کے لئے قرآن کے بعد دیگر مأخذ سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔

دوسرا مأخذ تفسیر قرآن:

قرآن کے بعد دوسرا مأخذ تفسیر مأثور ہی ہوسکتا ہے یعنی نبی کریم اور آپ کے صحابہ سے منقول تفسیری روایات سیرت نگاروں نے اس مأخذ کا یا تو ذکر ہی نہیں کیا۔(۹۲) یا پھر اسے چوتھے (۹۳) اور پانچواں (۹۴) نمبر پر رکھا ہے جبکہ اسے دوسرے نمبر پر ہونا چاہئے تھا (۹۵) تفسیر کا مادہ فسر ہے یعنی واضح کرنا کھولنا (۹۶) اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ قرآن کے معنی و مفہوم معلوم کئے جاتے

۹۱۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ۔ سیرت نبوی ص:۳۱

۹۲۔ جیسے سیرت النبی شبلی نعمانی اردو دائرہ معارف اسلامیہ یہی حال دیگر اہم کتب سیرت کا ہے۔

۹۳۔ دیکھئے اردو میں میلاد النبی محمد مظفر عالم ص:۱۸۰

۹۴۔ دیکھئے اردو نثر میں سیرت رسول ڈاکٹر انور محمود خالد ص:۱۵۸

۹۵۔ جیسے کہ دکتور مھدی رزق اللہ نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ میں تفسیر کو قرآن کے بعد رکھا ہے: ص ۱۶

۹۶۔ الفارابی، ابی نصر اسماعیل بن حماد الجوھری۔ الصحاح ج:۲ ص:۶۶۹ اور القاموس المحیط مجد الدین محمد الفیر وز آبادی ص:۵۸۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۳ اور القاموس الجدید وحید الزماں ص:۷۰۲ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰

ہیں احکام واسرار سے بحث کی جاتی ہے۔نص قرآنی:

﴿و أنزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم﴾(۹۷)

''ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کے لیے اس کی تفسیر بیان کریں۔''

سے معلوم ہوتا ہے پہلے مفسر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ جب قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے تو سیرت رسول کی نسبت سے وہ مقامات زیادہ اہم ہو جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا ہے۔ یا آپ کی زندگی کے مختلف واقعات کی طرف اجمالی اشارے کئے ہیں (ایسے موقع پر آپ کی وضاحت ہی حقیقی تفسیر اور سیرت کی بنیاد ہوتی ہے) اسی طرح جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیات قرآنی کے نزول کے اوقات' اسباب اور مقامات کون کون سے تھے؟ اور ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کیا تعلق تھا؟ (اس کی وضاحت تفسیر سے ہوتی ہے) اسی لیے کتب تفاسیر سیرت النبی کا اہم سرچشمہ قرار دی گئی ہیں (۹۸) بعض محدثین نے ان تفسیری روایات کو اپنی حدیث کی کتاب کا حصہ بنا کر یکجا کر دیا ہے جیسے امام بخاری نے ''کتاب تفسیر القرآن'' کے عنوان سے تفسیری روایات کو جمع کر دیا ہے (۹۹) بعض محدثین نے مستقلاً تفسیر لکھ دی ہیں اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیری روایات کو جمع کر دیا ہے۔

تفسیر قرآن سے متعلق خلفاء ثلاثہ سے کم جبکہ حضرت علی' حضرت ابن عباس اور اُبی بن کعب سے زیادہ روایات منقول ہیں ان روایات کو تفسیر کی شکل دے دی گئی ہے صحابہ کے عہد کی سب سے مشہور تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ) کی تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس ہے (۱۰۰) اس میں علی ابن ابی طلحہ (م ۱۴۳ھ) کے طرق سے جو روایات ہیں وہ صحیح ہیں محمد بن سائب الکلبی (م ۱۴۶ھ) کے طُرق سے جو

۹۷۔ سورہ النحل: ۴۴

۹۸۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول' ص: ۱۵۸

۹۹۔ العسقلانی ابن حجر۔ فتح الباری ج: ۹' ص: ۳ دار الفکر بیروت: ۱۹۹۲

۱۰۰۔ اس کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں تفسیر ابن عباس کے نام سے مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کے ترجمہ کے ساتھ کلام کمپنی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

روایات ہیں وہ مشکوک ہیں(۱۰۱) عہد صحابہ کی دوسری اہم تفسیر اُبی ابن کعب انصاری (م ۱۹ھ) سے منسوب ہے ان تفسیری روایات کو ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے(۱۰۲) عہد صحابہ کے بعد تابعین میں مجاہد بن جبر مخزومی (۲۱ھ ـ ۱۰۲ھ) عطاء بن ابی رباح (۲۷ھ ـ ۱۱۴ھ) حسن بصری (م ۱۱۰ھ) وغیرہ کی تفاسیر مستند ہیں عہد تبع تابعین میں سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۸ھ) وغیرہ نے تفسیر مأثور کا بڑا ذخیرہ جمع کردیا ہے۔ تفسیر مأثور ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں بھی موجود ہے۔ بعض محدثین سے منقول تفسیری روایات کو مستقل تفسیری صورت میں جمع کردیا گیا ہے(۱۰۳) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیرت النبی کے لئے تفسیر مأثور کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے سیرت النبی لکھتے ہوئے مدد لی جاسکتی ہے۔ (تفصیل حاشیہ میں ہے: ۱۰۳)

۱۰۱۔ سیوطی، جلال الدین۔ الاتقان فی علوم القرآن (مترجم ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی) ج:۲ ص:۶۰۳

۱۰۲۔ ایضا

۱۰۳۔ ایسی تفاسیر کی مختصر فہرست یہ ہے (۱) **تفسیر الثعالبی المسمی بجواهر الحسان فی تفسیر القرآن عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبی المالکی** (۷۸۶ھ-۸۷۵ھ) تحقیق علی محمد معوض پانچ جلدیں ۳۰۰۰ ہزار صفحات پر ادارہ احیاء التراث العربی بیروت نے ۱۹۹۷ء میں عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع کی۔

(۲) **مرویات مالک بن انس فی التفسیر جمع تحقیق تخریج محمد بن رزق اللہ،** ۱۰۸ صفحات پر ایک جلد میں شائع ہوئی۔

(۳) تفسیر الامام الشافعی محمد بن ادریس الشافعی بتحقیق مجدی بن منصور ایک جلد دار الکتب العلمیۃ بیروت سے ۲۰۰ صفحات میں شائع ہوئی

(۴) مرویات اُم المؤمنین عائشۃ فی التفسیر الدکتور سعود بن عبداللہ الفنیسان ایک جلد مکتبۃ التوبۃ سے ۱۹۹۲ میں ۵۰۰ صفحات سے تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۵) تفسیر الحسن البصری ڈاکٹر شیر علی شاہ و دکتور عمر یوسف کمال مقالہ پی ایچ ڈی پانچ جلدیں مطبوعہ جامعہ احسن العلوم کراچی ۱۹۹۳ دو ہزار سے زائد صفحات پر مع تحقیق جمع و ترتیب کے ساتھ الدکتور عبدالرحیم نے بھی دو جلد میں تیار کیا ہے اسی نام سے دار الحدیث جامعۃ الازھر سے شائع ہوئی ہے تقریباً ۱۰۰۰/ ایک ہزار صفحات پر مگر تحقیق بنسبت پہلے نسخہ کے کم درجہ کی ہے۔

(۶) تفسیر القرآن امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ھ ـ ۲۱۱ھ) بتحقیق الدکتور مصطفیٰ مسلم محمد چار جلدوں تین اجزاء میں مکتبہ الرشد ریاض سے ۱۹۸۹ء میں ۱۵۰۰ سو صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

(۷) تفسیر النسائی، امام اَبی عبدالرحمٰن اَحمد بن شعیب بن علی النسائی بتحقیق الحلیمی المصری پی ایچ ڈی مقالہ دو جلدیں مکتبۃ السنۃ القاھرۃ سے۔ ۱۶۰۰ صفحات پر عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

(۸) تفسیر سفیان ابن عیینہ (۱۰۷ھ مطابق ۷۲۵ء ـ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۴ء) احمد صامحایری ایک جلد میں المکتب الاسلامی بیروت سے ۱۹۸۳ء میں ۳۴۸ صفحات میں تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

تیسرا ماخذ حدیث نبوی:

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب وعلل ارواح کا اور کوئی علاج نہیں۔اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے۔تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے اور دراصل قرآن اور حیات نبوۃ معناً ایک ہی ہیں۔قران متن ہے اور سیرۃ اس کی تشریح۔قرآن علم ہے اور سیرۃ اس کا عمل' قرآن صفحات و قراطیس مابین الدفتین اور فی صدور الذین اوتو العلم (۱۰۴) قرآن اہل علم کے سینوں میں ہے اور یہ ایک مجسم وممثل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔(۱۰۵)

قرآن کریم سے حدیث رسول کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا تعلق رسول اکرم ﷺ کا خدا کی ذات سے ہے یعنی جس طرح آپ کی ذات گرامی اللہ کے پیغامبر' ترجمان اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والی ہے اسی طرح آپ کی حدیث قرآن کی شارح' ترجمان' تفسیر اور تعیین ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿ وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس ما نزل اليهم﴾(۱۰۶)

''ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح کرتے جائیں جو ان کے لیے اتاری گئی ہے۔

---

(۹) تفسیر سفیان الثوری امام عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی (۱۶۱ھ۔۷۷۷ء) یہ ایک جلد میں ہے۔اسے ابی جعفر محمد نے ابی حذیفہ النھد ی سے روایت کیا ہے دار الکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۸۳ء میں ۴۸۲ صفحات پر مع تحقیق شائع ہوئی ہے۔

(۱۰) تفسیر عبداللہ بن عباس ایسے تنویر المقیاس کے نام سے ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے ایک جلد میں مرتب کیا ہے صندوق بوستہ مصریہ سے ایک جلد میں چھپی ہے اردو میں تفسیر ابن عباس کے نام سے تین جلد میں عابد الرحمٰن کے ترجمہ کے ساتھ کلام کمپنی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

۱۰۴۔ سورۃ العنکبوت /۴۹

۱۰۵۔ ابوالکلام آزاد' رسول رحمت ص:۱۱

۱۰۶۔ سورۃ النحل:۴۴

حسان بن عطیہ کہتے ہیں:

" کان جبریل ینزل علی النبی صلی الله علیه وسلم بالقرآن والسنة تفسر القرآن"(۱۰۷)

''جبرائیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور سنت (حدیث) قرآن کی تفسیر کرتی تھی۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:''علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کی تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی ہے۔(۱۰۸)

یہی وجہ ہے قرآن کی تفہیم حدیث کی تعلیم پر موقوف ہے۔قرآن کے مجمل احکام کی تفصیل عموم کی تخصیص' اور مدلولات کی تعیین کا واحد اور مستند ذریعہ حدیث ہے۔یہی وجہ ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا﴾(۱۰۹)

''رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

((حدثوا عنی و لا حرج))(۱۱۰)

''مجھ سے جو کچھ سنتے ہو اسے آگے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

لیکن ساتھ تاکید بھی کر دی:((من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ متعده من النار)) کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود ہے۔(۱۱۱)''کہ جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی

۱۰۷۔ البغدادی ابو بکر احمد بن علی الخطیب، کتاب الکفایة فی علم الروایة ص:۱۸ دائرہ المعارف عثمانیہ حیدر آباد ۱۳۹۰ھ

۱۰۸۔ گیلانی' مولانا مناظر احسن، مقدمہ تدوین حدیث مکتبہ تھانوی دیوبند۔۱۹۸۳ء

۱۰۹۔ سورة الحشر :۷

۱۱۰۔ القشیری . ابو الحسین مسلم بن الحجاج . صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۱۴

۱۱۱۔ ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی سنن ابن ماجہ، صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب مسند احمد ج:۴ حدیث:۳۳۴ صحیح بخاری کتاب العلم وغیرہ

وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔'' تاکہ لوگ اس مستند ذریعہ سے نبی کی سیرت سنوار کر بیان کرنے کے بجائے کہیں جھوٹ کو نبی کی طرف منسوب کر کے سیرت کا حلیہ بھی نہ بگاڑ دیں (یہی آج ہو رہا ہے)۔

یہاں ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے کہ حدیث کے معنی جدید کے ہیں حدیث کے مقابلہ پر جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ قدیم ہے۔ حدیث کو حدیث غالباً اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث بمقابلہ قرآن جدید ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث سے مراد وہ کلام ہے جس کی نسبت حضور کی طرف کی جاتی ہے گویا اسے قرآن کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرآن قدیم ہے۔(۱۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:'' جو بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے کہی جائے اس پر حدیث کا اطلاق کرنا اللہ کے قول و **اما بنعمة ربک فحدث** سے مستعار ہے۔(۱۱۳)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام کو لفظ'' حدیث'' سے تعبیر فرمایا ہے۔(۱۱۴)

قرآن کے بعد تیسرا ماخذ حدیث ہے۔(۱۱۵) حدیث کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے اکثر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے (۱۱۶) حدیث کی تدوین عہد نبوی میں شروع ہوگئی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ (م ۶۵ھ) نے صحیفۂ صادقہ کے نام سے مجموعۂ حدیث مرتب کیا تھا۔(۱۱۷) حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)

۱۱۲۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی ج:۱ص:۴۲ دار الکتب الحدیثہ مصر:۱۳۸۵ھ

۱۱۳۔ عثمانی، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد۔ (مقدمہ) فتح الملہم (بحث تعریف حدیث)

۱۱۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری کتاب الرقاق کتاب العلم (اصح المطابع دھلی)

۱۱۵۔ میں نے چونکہ تفسیر کو دوسرا ماخذ قرار دیا ہے۔ اس لئے حدیث تیسرے نمبر پر آ گئی ہے ورنہ اکثر سیرت نگاروں نے حدیث کو دوسرا ماخذ قرار دے کر تفسیر کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

۱۱۶۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائی: ڈاکٹر مصطفیٰ کی سیرت نبوی ص:۳۱۔ ڈاکٹر انور محمود خالد کی اردو نثر میں سیرت رسول ص:۵۳۔ محمد سرور بن نائف کی دراسات فی السیرۃ النبویۃ ص:۴۷۔ محمد مظفر کی اردو میں میلاد النبی ص۱۵۹۔ **الدکتور مھدی رزق اللہ** کی **السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ، ص:۱۰۶. الدکتور محمد سعید رمضان ابوطی** کی **فقہ السیرۃ** ص:۲۲ شبلی کی سیرت النبی ج:۱ ص:۶۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۴۔ اص:۷۵

۱۱۷۔ **ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سلیمانی . سنن ابی داؤد باب کتابة العلم** اور **مسند دارمی باب من رخص فی کتابة العلم**

نے بھی حدیث کے مختلف مجموعے مرتب کئے تھے ایک مجموعہ اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کیلیے مرتب کیا تھا یہ آج بھی محفوظ ہے(۱۱۸) امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) فقہی احکام پر مشتمل احادیث کا ایک مجموعہ کتاب الآثار کے نام سے مرتب کیا جو آج بھی محفوظ ہے(۱۱۹) امام مالک بن انس (۹۳ھ۔۱۷۹ھ) نے چالیس سال کی محنت کے بعد ۱۴۳ھ میں موطا کے نام سے حدیث کا مجموعہ مرتب کیا جو مؤطا امام مالک کے نام سے آج ہمارے پاس ہے۔امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے حدیث کی انسائیکلو پیڈیا تیار کر دی جو آج ہمارے پاس مسند احمد کے نام سے موجود ہے۔اس میں چالیس ہزار احادیث ہیں جو ساڑھے سات لاکھ میں سے منتخب کی گئی ہیں(۱۲۰) ان کے بعد حدیث کی چھے مشہور کتابیں **صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن النسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجه** ہیں ان تمام کتب احادیث میں بڑا مستند سیرت نبوی کا ذخیرہ موجود ہے جس سے آپ کی حیات مبارکہ کی "جامع فکر اخذ ہوتی ہے اور وہ بھی سندوں کے ذریعہ انتہائی مستند انداز میں(۱۲۱) محمد مسعود عالم قاسمی نے حدیث کے لٹریچر کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ پہلے طبقہ میں موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہیں صحت کے لحاظ سے ان کا درجہ سب سے بلند ہے۔

2۔ دوسرے طبقہ میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شامل ہیں ان کتب کا دوسرا درجہ ہے۔

3۔ تیسرے طبقہ مسند ابی یعلی مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ مسند ابو داؤد الطیالسی سنن بیہقی، طحاوی اور طبرانی شامل ہیں ان میں صحیح ضعیف ہر قسم کی روایات شامل ہیں۔

4۔ چوتھے طبقے میں وہ روایات ہیں جنہیں بعد میں جمع کیا گیا ہے جیسے کتاب الضعفاء ابن حبان کی

۱۱۸۔ **صحیفة همام بن منبه** پر ایک تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ کی ہے دوسرے نسخہ پر ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب نے تحقیق تخریج کا کام کیا ہے یہ نسخہ **مکتبة الخانجی قاهره** سے ۱۹۸۵ء میں ۷۶۰ صفحات پر شائع ہوا ہے

۱۱۹۔ **ابی حنیفه ' النعمان بن ثابت ۔ کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن الشیبانی** یہ ایک جلد میں مختلف حضرات کی تعلیقات کے ساتھ متعدد مطابع سے شائع ہو چکی ہے جس میں الرحیم اکیڈمی کراچی اور ادارۃ القرآن شامل ہیں اس کا مسند امام اعظم کے نام سے محمد حسن نے ترجمہ کیا ہے مطبوعہ سعید اینڈ سنز کراچی۔

۱۲۰۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔اردو نثر میں سیرت رسول ص:۶۷

۱۲۱۔ سباعی ڈاکٹر مصطفیٰ۔سیرت نبوی ص:۳۲

الکامل ابن عدی کی تاریخ دمشق ابن عساکر کی شامل ہیں۔

5۔ پانچویں طبقہ میں وہ کتب احادیث شامل ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ جو فقہاء صوفیا اور مؤرخین کے ہاں معروف ہیں یہ تقسیم دراصل شاہ ولی اللہ کی ہے۔ (۱۲۲)

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حدیث کے لٹریچر کی صحیح وضعیف کے اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''حدیث کی کتابیں تین قسم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اپنی کتاب میں یہ التزام کرے کہ صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے، جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے وہ بیمار کے لیے مفید ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ، مرکبہ، لکھتے ہیں اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا نافع ہے اور یہ مضر سو کتب طب میں دیکھ کر کوئی نادان، بھی دوا استعمال نہیں کرتا۔ ایسے ہی، احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال کرنا عاقل کا کام نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیث ضعیفہ کو جمع کر دے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دین داران سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر عمل کرنے سے باز رہیں۔ یہ کتاب ایسی ہے جیسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکہ نہ کھاوے۔ موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں۔ (۱۲۳)

لہٰذا سیرت النبی قلمبند کرتے ہوئے صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ حدیث کس درجہ کی ہے محدثین حدیث تحقیق کے لیے جن اصولوں کو جاری کرتے ہیں سیرت کے لیے بھی وہی اصول جاری ہونے چاہئیں اصول تنقیح کو احکام الحدیث کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جائے گا بلکہ

۱۲۲۔ قاسمی، محمد مسعود عالم۔ فتنہ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان ص:۱۳۶ اہلحدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی۔

۱۲۳۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ج: ص:٦۔ بحوالہ الاجوبۃ الکاملۃ

انہیں سیرت کی روایات پر بھی جاری کیا جائے گا۔ (۱۲۴) اس سلسلہ میں شبلی نعمانی نے حدیث سے سیرت نبوی اخذ کرنے کے انتہائی جامعیت کے ساتھ گیارہ اصول نقل کئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیثِ صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں اور ان کے روایات و اسناد کی تنقید لازم ہے۔

(۳) سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

(۴) بصورت اختلاف روایات احادیث، رواۃ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

(۵) سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے۔

(۷) روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے و فہم کا کس قدر جزو شامل ہے۔

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدہ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی۔ (۱۲۵)

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے۔ (۱۲۶)

۱۲۴۔ ایضا: ص:۷

۱۲۵۔ شبلی نعمانی کا یہ اصول قابل تحقیق ہے۔ موصوف درایت و عقل میں فرق قائم نہیں رکھ سکے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ابوالبرکات کی اصح السیر ص:۳۰۔۳۱ اور شبلی خود بھی وجوہ عقلی کی وضاحت کرنے میں ناکام رہے ہیں دیکھئے سیرت النبی ج: ۱ ، ص:۵۶ تا ۵۹

۱۲۶۔ نعمانی علامہ شبلی۔ سیرت النبی ج:۱، ص:۶۳

ان اصولوں کی روشنی میں سیرت پر مختلف کتابیں عربی اردو میں لکھی گئی ہیں۔ عربی میں الدکتور محمد بن محمد شھبۃ کی کتاب ۱۲۰۰/صفحات پر دو جلدوں میں السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ کے نام سے دار القلم دمشق سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے اردو میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تین ضخیم جلدوں میں سیرۃ المصطفیٰ کے نام سے مکتبہ عثمانی بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی بھی انہی اصولوں کی روشنی میں قرآن و حدیث سے اخذ کر کے مستند روایات کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

چوتھا ماخذ کتب مغازی وسیر:

کتب مغازی اور کتب سیرت النبی (جس کی جمع سیر ہے) جیسا کہ پہلے وضاحت کر چکا ہوں دونوں ایک ہیں اور سیرت کے مضمون کا دونوں عنوانات احاطہ کرتے ہیں تمام سیرت نگاروں نے سیرت کے ماخذ میں اسے بھی شامل کیا ہے (۱۲۷) میں نے اسے حدیث کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ بھی حدیث ہی ہے لیکن بالاتفاق محدثین سے کم درجہ کی کتب ہیں اس لئے کہ کتب مغازی میں روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں کی مکمل پابندی نہیں کی جاتی حالانکہ بقول مولانا کاندھلوی محدثین نے جرح وتعدیل کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ حدیث وسیرت دونوں کے لئے ہیں۔(۱۲۸) یہی شبلی نعمانی کی بھی رائے ہے۔

محدثین نے نقد روایت کے جو اصول قائم کئے تھے ان میں سے بیشتر سیرۃ کی روایتوں میں نظر انداز کر دیے گئے، کتب احادیث سے بے اعتنائی برتی گئی، سیرۃ میں قدما نے جو کتابیں لکھیں ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں وہ انہیں کے نام سے کیں اور اس میں تدلیس کا عمل جاری ہو گیا، روایت کے مختلف مدارج کا خیال نہیں رکھا گیا، واقعات میں سلسلہ علت ومعلول قائم نہیں کیا گیا، نوعیت واقعہ کے

۱۲۷۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت النبی ص:۹۳ تا ۱۳۶۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی سیرت رسول ص:۳۳۔۳۵ محمد مظفر کی اردو میں میلاد النبی ص:۱۵۹ الدکتور محمد سعید رمضان بوطی کی فقہ السیرۃ ص:۲۲ الدکتور مھدی رزق اللہ کی السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ ص:۲۱ وغیرہ

۱۲۸۔ کاندھلوی مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ: ج:۱ص:۴

لحاظ سے شہادت کا معیار قائم نہیں رکھا گیا اور کبھی روایت میں قیاس کو بھی شامل کر لیا گیا۔ خارجی اسباب کے حوالے سے روایت کو نہیں پرکھا گیا۔ دلائل عقلی اور قرائن حالی کی پروا نہیں کی گئی۔(۱۲۹)

بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغربی سیرۃ نگاروں نے قدیم سیرۃ نگاروں کی ان کمزرویوں سے فائدہ اٹھایا اور سر ولیم میور Sir William Miur جیسے مصنفین نے تو ان پر بنیاد رکھ کر افسانے تراش لیے، جس کے خلاف سرسید کو خطبات احمدیہ اور شبلی کو سیرۃ النبی لکھنی پڑی۔ شبلی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یورپ کا کوئی عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پر قلم اٹھانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اور اس بیان میں مبالغے کے باوجود اتنی حقیقت ضرور ہے کہ مغربی سیرۃ نگاروں کی دو بنیادی کمزوریاں یا اصول واضح ہیں۔ اول تو (الحاد اور لادینی کے باوجود) ان کا مزاجاً عیسائی ہونا، دوم ان کا یہ دعویٰ کہ وہ سیرۃ میں معروضی نقطہ نظر سے (جو علمائے یورپ کا عام نقطۂ نظر ہے) کام لینے پر مجبور ہیں۔ منٹگمری واٹ Montgommery Watt جیسے بظاہر غیر جانبدار سیرۃ نگار نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے۔ مغربی نقاد قدیم سیرۃ نگاری کو تذکرۃ المقدلیسین (Hagiography) جس میں مقدس ہیرو کے مناقب بڑھا چڑھا کر بیان کئے جاتے ہیں) کے زمرے میں شامل کر کے اسے ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور مدعی ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام کو ایک بشر اور ایک عام لیڈر سمجھ کر ان کی بے لاگ سوانح عمری لکھیں گے۔ منٹگمری واٹ نے اسی دعوے کے ساتھ اپنی کتاب What is Islam میں آنحضرت پر بطور قائد نظر ڈالی ہے، لیکن اس طریق کار میں کمی یہ ہے کہ فاضل مصنف مقام و منصب نبوت سے ہٹ کر سرور کائنات کو ایک عام قائد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ اس قیادت میں جو نبوت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں جو ایک عام ذہین و فطین قائد سے ظہور میں آتی ہے بڑا فرق ہے۔ اسی طرح بعض مصنفین نے انہیں بطور فاتح اور سپہ سالار پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں لفظ مغازی سے بے جا فائدہ اٹھایا ہے۔

بہر حال یہ نقطہ نظر کا فرق ہے اور ان تعصّبات کی تو کوئی حد ہی نہیں جو تنقیدی (critical) اور عملی (scientific) طریق کار کی آڑ میں ظاہر ہوئے ہیں اور جن میں مغرب کے اکثر سیرت نگار مبتلا نظر

۱۲۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج: ۱۴۔ ا ص: ۷۴۴

آتے ہیں۔(۱۳۰)

قطع نظر مغربی سیرت نگاروں کے مسلمانوں نے اس شعبہ میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان سیرت نگاروں میں زیادہ معروف و اہم یہ ہیں: ابان بن عثمان غنی (۸۶ھ۔۱۰۰تا۱۰۵ھ) عروہ بن زبیر (م۹۴ھ) شرجیل بن سعد (م۱۲۳ھ)، وھب بن منبہ (م۱۱۰ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م۱۳۰ھ)، عاصم بن عمر (م۱۱۹ھ)، ابن شہاب الزہری (م۱۲۴ھ)، موسیٰ بن عقبہ (م۱۴۱ھ)، معمر بن راشد (م۱۵۴ھ)، محمد بن اسحاق (م۱۵۱ھ)، ابو معشر السندی (م۱۷۰ھ)، الواقدی (م۲۰۷ھ)، ابن ہشام (م۲۱۳ھ) اور محمد بن سعد (م۲۳۰ھ) وغیرہ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی کتابوں کو امہات الکتب کا درجہ حاصل ہے کیونکہ باقی کتابیں ان کے بعد لکھی گئی ہیں اور ان میں مذکور واقعات و احوال کم و بیش انہی ابتدائی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ آپ کے محاسن و محامد کے بیان میں صحابہ کبار اور ابتدائی دور کے شعراء کے اشعار بھی انہی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں مذکور روایات اور واقعات کو سیرت میں کثرت اور تسلسل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان کتب سیرت سے بطور خاص استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔(۱۳۱)

سیرت نگاروں کے بعد اہم کتب سیر و مغازی پیش خدمت ہیں۔

مغازی رسول اللہ یہ عروہ بن زبیر کی سیرت النبی پر پہلی تصنیف ہے اسے آپ کے شاگرد ابوالاسود نے روایت کیا ہے جن کا نام محمد تھا یہ قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ تھی اسے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن نے کیا ہے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔(۱۳۲)

عربی نسخہ کب اور کہاں سے شائع ہوا تفصیل نہیں مل سکتی ہے۔(۱۳۳)

۱۳۰۔ ایضاً ص:۱۷۶۔۱۷۷ محمد حسین ھیکل کے بقول انہوں نے اپنی کتاب حیاۃ محمد انہی دو طرفہ کمزوریوں کے ازالہ کے لیے لکھی ہے۔

۱۳۱۔ صدیقی، محمد مظفر عالم جاوید، اردو میں میلاد النبی ص:۱۷۹

۱۳۲۔ اس کے محقق فاضل دیوبند ہیں موصوف کا اس کتاب کے آغاز میں عمدہ مقدمہ ہے۔

۱۳۳۔ احمد، الدکتور مھدی رزق اللہ، السیرۃ النبوۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ ص:۲۱

ابن شہاب زہری (۵۱ھ۔۱۲۴ھ) کی کتاب المغازی (آپ نے یہ کتاب غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی فرمائش پر لکھی (۱۳۴)' ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل (م ۱۳۱ھ۔۱۳۷ھ) کی کتاب المغازی' موسیٰ بن عقبہ بن ربیعہ بن ابی عیاش الاسدی (۵۵ھ۔۱۴۱ھ) کی کتاب المغازی' معمر بن راشد (۹۶ھ۔۱۵۰ھ) کی کتاب المغازی' محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (۸۵ھ۔۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی والسیر 'ابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیر ی م۲۱۳) کی سیرت رسول اللہ' (محمد بن اسحاق کی کتاب کی ترمیم شدہ شکل ہے)'ابومعشر السندی (م ۱۷۰ھ) کی کتاب المغازی (۱۳۵)' ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ۔۲۰۷ھ) کی التاریخ والمغازی والمبعث اوراس کے علاوہ ازواج النبی '' وفات النبی'' السیرۃ وغیرہ (۱۳۶)' محمد بن سعد بن منیع الزہری (۱۲۸ھ۔۲۳۰ھ) کی طبقات الکبیر' طبقات الصغیر' تاریخ اسلام' کتاب اخبار النبی (۱۳۷) ولید بن مسلم القرشی (م ۱۹۵ھ) کی کتاب المغازی' عبد الرزاق بن ہمام ، النافع الحمیر ی (م ۲۱۱ھ) کی کتاب المغازی' ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم (م ۲۸۵ھ) کی کتاب المغازی' حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) کی شرف المصطفیٰ (آٹھ جلدوں پر مشتمل سیرت رسول ہے) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کی الدرر فی اختصار المغازی والسیر (۱۳۸) قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو (م ۵۴۴ھ) کی الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ' ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) کی الروض الانف (دوجلدوں میں سیرت ابن ہشام کی شرح ہے)' حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی شرف المصطفیٰ (۱۳۹)' شیخ ظہیر الدین علی بن محمد بن مسعود گازرونی (م ۶۹۴ھ) کی المنتقی فی سیرۃ المصطفیٰ'' (سیرت گازرونی کے نام سے معروف ہے)' محبّ الدین احمد بن عبداللہ الطبری (م ۶۹۶ھ) کی خلاصۃ السیر (سیرت نبوی کی بارہ مختلف کتابوں کا انتخاب

۱۳۴۔ نعمانی علامہ شبلی، سیرت النبی، ج ۱:ص ۱۹

۱۳۵۔ ابن ندیم، الفہرست ص:۱۵۱ مترجم محمد اسحٰق بھٹی ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۹۰

۱۳۶۔ الحموی' یاقوت معجم الادباء ج:۷' ص:۵۸

۱۳۷۔ ابن ندیم، الفہرست ص:۱۵۱

۱۳۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۱ ص:۵۰۸

۱۳۹) نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ج:۱ ص:۳۶

ہے)' حافظ عبدالمومن الدمیاطی (م۷۰۵ھ) کی المختصر فی سیرۃ سید البشر (۱۴۰) (سیرت دمیاطی کے نام سے مشہور ہے)' ابوالفتح محمد بن محمد ابن سید الناس اندلسی (م۷۳۴ھ) کی عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر' علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مکرّبن ایوب سعد زرعی دمشقی (ابن قیم جوزیہ م۷۵۱ھ) کی زاد المعاد فی ھدیٰ خیر العباد (۱۴۱) (سیرت اور خصائل وشمائل کے موضوع پر تحقیقی کتاب ہے)' حافظ ابن کثیر (م۷۷۴ھ) کی السیرۃ النبویہ' چار جلدوں پر مشتمل ہے' حافظ ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی (م۸۴۱ھ) نے نورالنبر اس فی سیرۃ ابن سید الناس'' کے نام سے عیون الاثر کی شرح لکھی ہے (۱۴۲)' علاؤالدین مغلطائی (م۷۶۲ھ) کی سیرۃ مغلطائی کے نام سے مشہور ہے' شیخ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی سیرت پر' المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی السیرۃ النبویہ (۱۴۳)' محدث محمد بن یوسف الشامی (م۹۴۲ھ) کی کتاب' سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد......سیرت شامیہ کے نام سے مشہور ہے۔' اس کتاب میں حضور کے فضائل واحوال شروع سے آخر تک سب تحریر کئے گئے ہیں' کتب سیرت میں اکثر اس کے حوالے موجود ہیں (۱۴۴) علامہ نور الدین علی بن برہان الدین الحلبی (م۱۰۴۴ھ) کی کتاب' انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون' (سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے (۱۴۵) محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م۱۱۲۲) نے آٹھ جلدوں میں المواھب اللدنیہ (قسطلانی) کی شرح لکھی ہے۔ اور علامہ سید احمد الدحلانی المکی (م۱۳۰۴ھ) کی کتاب السیرۃ الدحلانیہ' معروف کتابیں ہیں۔ (۱۴۶)

۱۴۰۔ ایضاج:۱ص:۳۵

۱۴۱۔ ابن قیم الجوزی، زاد المعاد ج:۱ص:۲۰ مترجم رئیس احمد جعفری

۱۴۲۔ سخاوی الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ اردو ص:۱۹۰

۱۴۳۔ یہ سیرت محمدیہ کے نام سے عبدالجبار خان آصفی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

۱۴۴۔ اس کتاب کے متعدد محقق نسخے شائع ہو چکے ہیں لیکن سب سے عمدہ تفصیلی تحقیق کے ساتھ بارہ جلدوں میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

۱۴۵۔ اس کا ایک نام ام السیر بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نام اسم بامسمی ہے اسکا چھ جلدوں میں انتہائی عمدہ ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند نے کیا ہے یہ پہلے ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اب دارالاشاعت کراچی سے نئی کمپوزنگ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۴۶۔ الدکتور مھدی رزق اللہ نے السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ کے آغاز میں ص:۲۳ تا ۱۴۲ ایسے ۶۲ افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کی

لیکن ان کتب سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت نگار کو اصول درایت و روایت پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار(۱۴۷) (جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹ کی نسبت کی اسے چاہئے جہنم کے عذاب کے لیے تیار رہے) کی وعید سے محفوظ رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کتب مغازی و سیر میں زندگی کے جملہ پہلوؤں مع غزوات (جنگوں) تذکرہ کیا جاتا ہے گویا یہ کتب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں

پانچواں ماخذ کتب شمائل:

سیرت نبوی کا ایک اہم مأخذ کتب شمائل ہیں جن میں آپ کے حلیہ مبارک' عادات' خصائل' معمولات زندگی' لباس' نشست و برخاست' قد' رنگ' بال' جسم کے نشیب و فراز' خورد و نوش' مرغوبات و مکروہات غرض بشری احوال کی تفصیلات جمع کی جاتی ہیں شمائل کا مطالعہ کرنے سے نبی کریم کا جسمانی ہیولیٰ پوری تفصیل کے ساتھ اس طرح نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (فداه أبی و أمی) سامنے کھڑے ہیں۔ جس حد تک شمائل میں جزئیات نگاری کی گئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی یہی اس مأخذ کی خصوصیت ہے۔ سیرت نگاروں نے اسے بھی مستقل مأخذ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔(۱۴۸) کچھ کتب شمائل مستقبل کتابی شکل میں لکھی گئی ہیں اور کچھ کتب احادیث کا حصہ ہیں کتب شمائل میں اولیت کا شرف امام ترمذی (م۲۷۹ھ) کی ''کتاب الشمائل''/ شمائل ترمذی'' کو حاصل ہے جس کا اصل نام الشمائل النبوية و الخصائل المصطفوية ہے۔ امام ترمذی نے اسے چار سو احادیث کی مدد سے تیار کیا ہے اس کے مباحث کو ۵۶ ابواب میں تقسیم کیا ہے اس کتاب کی اہمیت و مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی اردو عربی و دیگر زبانوں میں پچاسیوں شرح لکھی جا چکی ہیں۔ جس میں اردو میں مولانا محمد زکریا کی شرح زیادہ مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تلخیص اور تحقیق کے ساتھ ایک شرح شیخ ناصر الدین

کتب کا ذکر ملتا ہے لیکن کتابیں دستیاب نہیں یا ضائع ہو چکی ہیں۔

۱۴۷۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۷۳۔۱۷۴

۱۴۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الدکتور مھدی رزق اللہ کی السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلی ص:۱۸۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۷۳ تا ۱۷۶ اردو میں میلاد النبی ص:۱۵۹

البانی نے عربی میں کی ہے۔(۱۴۹)

اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب قاضی عیاض اندلسی (م۵۴۴ھ) کی کتاب **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی** ہے یہ چار حصوں پر مشتمل ہے(اس کے اردو میں بھی دو ترجمے ہو چکے ہیں) پہلے حصہ میں عظمت مصطفیٰ اور حلیہ مبارک کا تفصیلی ذکر ہے اس کی عربی میں شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض کے نام سے شرح لکھی ہے۔شمائل پر ابو العباس مستغفری۔(م۴۳۲ھ) کی شمائل النبی ہے۔ابن المقری غرناطی (م۵۵۲ھ) کی شمائل النور۔مجد الدین فیروز آبادی (۸۱۷ھ) کی سفر السعادۃ شیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی (م۱۳۵۰ھ) کی وسائل الوصول إلی شمائل الرسول ایک اور کتاب جسے اس موضوع پر شہرت حاصل ہوئی وہ بغوی کی الانوار فی شمائل النبی المختار ہے۔(۱۵۰)

کچھ شمائل کا حصہ وہ ہے جو صحاح ستہ سمیت مختلف کتب احادیث میں مختلف عنوانات کے ساتھ شامل ہے۔مثلاً صحیح بخاری میں کتاب الادب' کتاب **الإستئذان** 'کتاب **اللباس** کے نام وعنوان سے موجود ہے۔صحیح مسلم میں کتاب **البر والصلة ولآداب**' کتاب **فضائل النبی**' کتاب **اللباس والزینة**' کتاب **الزهد والرقائق** کے عنوانات کے ساتھ موجود ہے۔جامع ترمذی میں مستقل شمائل کے علاوہ **ابواب البر والصلة** اور **ابواب الإستئذان** کے عنوانات کے ساتھ شمائل موجود ہیں یہی صورت حالت تقریباً تمام کتب احادیث کی ہے۔

چھٹا ماخذ کتب دلائل النبوۃ والمعجزات:

سیرت نبوی کا ایک مأخذ کتب دلائل النبوۃ ہیں یعنی وہ کتابیں جن میں نبی کریم کے معجزات روحانی کارناموں' پیش گوئیوں اور ایسی باتوں کو جمع کیا گیا ہے۔جو آپ کی نبوت کی سچائی کی دلیل ہیں اس موضوع پر دو کتابوں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ایک ابو نعیم اعفھانی (اصبھانی) (م۴۳۰ھ) کی دلائل النبوۃ دوسری جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) کی خصائص الکبری ہے جو کہ اس

۱۴۹۔ خالد' ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۷۳ تا ۱۷۶

۱۵۰۔ احمد الدکتور مھدی رزق اللہ، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ ص:۱۹

موضوع پر انتہائی جامع ہے اس کا پورا نام **الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوری** ہے۔ سیوطی نے بیس سال کی محنت کے بعد اسے لکھا ہے اور احادیث (صحیحہ وضعیفہ) کی مدد کے ذریعہ ایک ہزار معجزات نبوی شمار کرائے ہیں ان دونوں کتابوں کا اردو میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ سیوطی کی اسی موضوع پر ایک کتاب **الخصائص الصغریٰ** کے نام سے ہے یہ مختصر کتاب ہے(۱۵۱) اس کے علاوہ اس موضوع پر ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) کی دلائل النبوۃ ابو اسحاق حربی (م ۲۵۵ھ) کی دلائل النبوۃ۔ ابو بکر بیہقی (م ۴۵۸ھ) دلائل النبوۃ امام مستغفری (م ۴۳۲ھ) کی دلائل النبوۃ۔ جلال الدین بلقینی (م ۸۲۴ھ) کی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قابل ذکر ہیں۔

کتب دلائل نبوۃ دراصل اثبات نبوت اور دفاع منصب نبوت وایقان نبوۃ کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں جس کے ذریعہ سیرت النبی نئے زاویہ سے چیلنج کے انداز میں سامنے آئی ہے لیکن اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں صحت روایت کا التزام کم رکھا گیا ہے لہٰذا سیرت نگار کو اس پر خصوصی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔

ساتواں ماخذ اسلام کی تاریخی کتابیں:

تاریخ کا درجہ کتب سیرت سے کم ہے اس لیے اس کا ذکر بھی بعد میں کیا۔ہے۔ یہاں ہماری مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں قدیم مسلم اسکالرز نے اسلام کی عام تاریخ کی حیثیت سے قلمبند کیا ہے۔ اس میں عہد نبوی اور اس سے قبل کے حالات، بعد کے حکمرانوں کے حالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے واقعات کا پس منظر جو کتب سیرت سے واضح نہیں ہوتا اسے کتب تواریخ واضح کرتی ہیں اس لیے سیرت نگاروں نے تاریخ کو بھی سیرت کا ماٗخذ قرار دیا ہے۔ جن لوگوں نے تاریخ پر باقاعدہ کتابیں لکھیں ان میں سے بہت سی کتابیں اب دستیاب نہیں ہیں، جیسے ابو معشر سندھی (م ۱۷۰ھ) ان کی کتاب اب موجود نہیں لیکن تاریخ طبری میں اس کتاب کے کچھ حصے محفوظ ہیں۔ اسی طرح واقدی (م ۲۰۷ھ) کی متعدد کتب تاریخ پر تھیں جس میں التاریخ الکبیر زیادہ اہم ہے۔ مگر اب نہیں ملتی اسی طرح مدائنی ۱۳۵ھ۔ ۲۲۵ھ) اس کی ۲۴۵

۱۵۱۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی تحقیق کے ساتھ مجلہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور ج:۲ ش۔۳ ص:۶۳۔۱۱۲ پر شائع ہو چکا ہے۔

تک کتابیں شمار کی گئی ہیں جس میں کچھ تاریخ پر تھیں ابن سعد نے طبقات کے علاوہ تاریخ پر بھی مستقل کتاب لکھی تھی (۱۵۲) کچھ کتابیں وہ ہیں جو آج موجود ہیں جیسے امام بخاری کی التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر دونوں میں سیرت النبی کا مختصر حصہ موجود ہے ایک تاریخ الاوسط بھی ہے۔(۱۵۳) ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (م۲۸۲ھ) کی اخبار الطوال چار سو صفحات پر ہے اس میں حضرت آدم سے، عہد نبوی و خلافت راشدہ کے بعد ۲۱۸ھ تک کا ذکر ہے۔تاریخ یعقوبی یہ احمد بن أبی یعقوب (م۲۸۴ھ) کی ہے۔اس کا نام کتاب التاریخ الکبیر بھی لکھا گیا ہے۔ یہ دو جلدوں پر ہے۔اور آدم علیہ السلام سے ۲۵۹ھ تک کے حالات کا احاطہ کرتی ہے۔جس میں عہد اسلامی کے بعد کے حکمران بھی شامل ہیں البتہ خصوصیت یہ ہے کہ اپنی اسناد مکمل واضح کر دیتا ہے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مفصل ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۳۵ھ-۳۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری ہے یہ حضرت آدم سے شروع ہو کر عہد اسلامی سمیت روم و فارس کے واقعات کا ۳۰۲ھ تک احاطہ کیا گیا ہے۔طبری نے عہد نبوی و خلفاء راشدین پر جو مواد لیا ہے وہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس کے علاوہ احمد بن خیثمہ بغدادی (۲۰۵ھ-۲۹۹ھ) کی تاریخ ابن أبی خیثمہ ہے جو کہ تاریخ کبیر کے نام سے بھی موسوم ہے اس کے علاوہ مسعودی (م ۳۴۶ھ) کی دو کتب ہیں ''التنبیه والإشراف'' یہ چار حصوں پر ہے پہلا حصہ سیرت النبی دوسرا عہد خلفاء راشدین پر ہے۔اس میں ۳۴۴ھ تک کے حالات کا احاطہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ دوسری مروج الذہب و معادن الجواہر ہے۔اس میں بھی پہلی جلد میں عہد آدم سے عہد عثمانی تک کا بیان ہے۔اس کا اختتام بھی ۳۳۶ھ پر ہوتا ہے۔ایک اہم کتاب ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) کی ہے۔ یہ ۱۸ جلدوں میں جدید تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔پہلی دو جلدیں عہد نبوی سے پہلے کا احاطہ کرتی ہیں۔بقیہ جلدیں عہد نبوی سے ۵۷۴ھ تک کا احاطہ کرتی ہیں اس کا مکمل نام ہے **المنتظم فی تاریخ الامم و الملوک** اس کا طرز تحریر یہ ہے کہ ہر دس سال کی تاریخ کا احاطہ کر کے اس زمانہ کی معروف شخصیات کی

۱۵۲۔ خالد ڈاکٹر انور محمود۔اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۳۷-۱۳۸

۱۵۳۔ نعمانی اور شبلی۔سیرت النبی ج:۱ ص:۳۳

سوانح بیان کرتا ہے اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ بغداد کے حالات وہاں کے محدثین فقہاء کا تذکرہ بھی تفصیل سے کرتا ہے۔ عز الدین علی بن محمد الجزری (۵۵۵ھ۔۶۳۰ھ) کی الکامل فی التاریخ یہ بارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے صرف تین جلدوں کا اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔ یہ بھی عہد آدم سے ۶۲۸ھ تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ موصوف کی دوسری کتاب اسد الغابہ ہے (جس کا ذکر رجال میں آئے گا) موصوف نے واقعات پر تحقیق کی ہے۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن علی (۶۷۲ھ۔۷۳۲ھ) کی تاریخ ابوا لفداء ہے جس کا نام **المختصر فی اخبار البشر** ہے۔ یہ بھی اسلام کے پہلے سے ۷۲۹ھ تک کا احاطہ کرتی ہے۔

اسماعیل بن عمر عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر (۷۱۰ھ۔۷۷۴ھ) کی **البدایة والنهایة فی التاریخ** ہے۔ موصوف نے بھی عہد نبوی سے ۷۶۸ھ تک کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے حالات نہایت مربوط اور محنت کے ساتھ لکھے گئے ہیں یہ سات جلدوں میں ہے۔ نفیس اکیڈمی کراچی سے کوکب شادانی کے اردو ترجمہ کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ابن خلدون (۷۳۲ھ۔۸۰۸ھ) کی تاریخ ابن خلدون ہے۔ یہ سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کا مقدمہ کتاب کی خصوصیت ہے۔ آخر میں ایک اہم ترین کتاب کا تذکرہ کروں گا۔ ''تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والأعلام'' شمس الدین محمد بن عثمان الذھبی (۶۷۳ - ۷۴۸) کی عظیم ترین مستند انداز میں لکھی گئی کتاب ہے۔ یہ عہد نبوی سے شروع کر ۶۸۰ھ تک شائع ہو چکی ہے۔ (بلکہ میری لائبریری میں موجود ہے) ابھی مزید دس جلدیں متوقع ہیں۔ موصوف نے پوری کتاب سنین کی ترتیب لکھی ہے اور یہ تاریخ کے ساتھ سوانح بھی ہے۔ البتہ ابتداء کے مقابلہ میں اختتامی جلدیں زیادہ مفصل ہیں۔ بلا مبالغہ یہ تاریخ اسلام کی سب سے مفصل کتاب ہے۔ یہ تو تھیں عام تاریخ کی کتابیں اسی طرح ابن عساکر کی تاریخ مدینۃ دمشق مختصر تین جلدوں میں ہے اور مفصل کی اب ۷۰/ جلدیں شائع ہو کر ہمارے پاس آ چکی ہیں یہ نسخہ تحقیق کے ساتھ ہے۔

آٹھواں مأخذ کتب تاریخ حرمین:

کچھ تاریخی کتابیں عمومی حیثیت سے لکھی جاتی ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ کچھ کتابیں

خاص علاقوں اوران علاقوں کی جزئیات' جغرافیہ' وغیرہ کو پیش نظر رکھ کرلکھی جاتی ہیں۔ایسی کتابیں عام کتب تواریخ کے مقابلہ میں زیادہ جزئیات کا احاطہ کرتی ہیں، زیادہ جامع ہوتی ہیں۔ مکہ و مدینہ جنہیں حرمین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسان کی۔ یہ خصوصیت کسی اور خطہ کو حاصل نہیں۔اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وهدیً للعالمین﴾(۱۵۴)

''یعنی سب سے پہلا گھر مکہ کی سرزمین پر کعبہ ہے جسے لوگوں کی ہدایت اور برکت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔''

یہی وجہ ہے میں نے اسے مستقل مأخذ سیرت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مکہ اور مدینہ کی تاریخ کے ساتھ مقامات مقدسہ' حضور کی سیرت' آثار قدیمہ' اور قدیم تہذیب کا ذکر ملتا ہے۔محبّ الدین الطبری کی کتاب القریٰ لقاصد أم القریٰ۔محمد عبدالمعبود کی تاریخ المکة المبارکة کہ دو جلدیں اس کا اردو میں ایک جلد میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ تاریخ العمارة المسجد الحرام حسین عبداللہ کی ہے۔عبداللہ بن محمد اسحٰق کی چھے جلدوں میں اخبار مکہ ہے شیخ احمد بن عبدالحمید کی کتاب عمدة الأخبار فی مدینة المختار۔ تاریخ المدینة المنوره محمد بن عبدالمعبود کی۔ شیخ ازرقی کی اخبار مکہ اور فضائل کعبہ اور ابن شبہ کی چار جلدوں میں تاریخ المدینہ المنورة شمس الدین السخاوی کی التحفة اللطیفة فی التاریخ المدینة تین جلدوں میں فصول من تاریخ المدینة المنورة علی حافظ کی اور المدینة بین الماضی والحاضر۔ابراہیم بن علی العیاشی کی۔ اخبار مدینه الرسول محمد بن نجار کی۔خلاصه الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ علی بن عبداللہ السمھو دی کی۔ جمال الدین محمد جاراللہ کی الجامع اللطیف فی فضل مکة و أهلها و بناء البیت الشریف۔عاتق بن غیث بلادی کی فضائل مکه و حرمة البیت الحرام۔ابراہیم ملا خاطر کی فضائل المدینة المنورة أبی االبفاد محمد بن احمد ابن الضیاء المکی الحنفی کی تاریخ مکة المشرفة والمسجد الحرام

۱۵۴۔ آل عمران (۹۶/۳)

والمدینة الشریف والقبر الشریف اور یوسف رغد العاملی کی معالم مکۃ والمدینۃ قابل ذکر ہیں۔ یثرب قبل الاسلام اور المسجد النبوی عبر التاریخ محمد سید وکیل کی شفاء الغرام بأخبار بلد الحرام تقی الدین الفاسی المکی کی دو جلدیں اخبار مکہ فاکہی کی چھے جلدوں میں ہے۔

نواں مأخذ کتب جغرافیہ:

تاریخ کی ایک صنف کتب جغرافیہ اور اقالیم ہیں جن میں مختلف ممالک اور علاقوں کی تقسیم، ان کے نام بحری بری راستوں کی رہنمائی ملتی ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سا خطہ کب کس ملک کے زیر نگیں رہا۔ ان کتب سے ہمیں جزیرۃ العرب کی اسلام سے پہلے کی پوزیشن اور عہد نبوی کے مدو جزر پھر فتوحات و بغاوتوں کے سلسلوں کو سمجھنے میں سہولت اور مدد حاصل ہوتی ہے۔ اس میں جدید اٹلس بھی شامل ہیں اس کے بغیر نبی کریم کے ہجرت کے لئے منتخب شدہ راستہ کو سمجھنا یا غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کرنا یا غزوہ بدر الکبریٰ کے موقع پر مسلمانوں کا ابوسفیان کو گھیرنا اور اس کا راستہ بدل کر بچ نکلنا یہ وہ مباحث ہیں جنہیں سیرت نگار انہی کتب کے ذریعہ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکتا ہے اس موضوع پر جو کتب لکھی گئی ہیں یہ عام کتب کی تاریخ سے کچھ مختلف ہیں۔

اس موضوع پر فتوح البلدان بلاذری کی زیادہ مشہور ہے اس کا اردو ترجمہ ابوالخیر مودودی اور دیگر افراد نے کیا ہے۔ یہ شائع ہو چکا ہے۔ الخطط المقریزی تقی الدین المقریزی کی ہے۔ معجم البلدان شہاب الدین کی چھے جلدوں میں ہے۔ المسالک والممالک بی قاسم بن خرد ازبۃ کی۔ اثار البلاد واخبار البلاد زکریا ابن محمد قزوینی کی ہے۔ المنازل والدیار اسامہ بن منقذ کی ہے۔ مسالک الممالک أبی اسحاق ابراہیم کی ہے الإطلس التاریخی للمعلمین العربی الاسلامی سعد الدین کی ہے۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الأقالیم مقدسی کی ہے، معروف ہے البشاری کے نام ہے اس پر حواشی دکتور محمد مخزوم کے ہیں معجم مااستعجم عبداللہ بن عبدالعزیز کی ہے دو جلد میں متراصد الإطلاع علی أسماء الأمکنۃ یہ معجم البلدان یا قوتی کا اختصار ہے جسے صفی الدین بغدادی نے کیا ہے اور تین جلدوں میں شائع ہوا ہے اردو میں اس موضوع پر محمد رابع ندوی (موجودہ مہتمم دار

العلوم ندوۃ العلماء لکھنو) کی جزیرۃ العرب ہے اور سید سلیمان ندوی کی ارض القرآن ہے۔

عہد حاضر میں ضرورت ہے جدید اسلوب نگارش کے مطابق سیرت نگار، تاریخ کی اس صنف سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت کے پیغام کو قاری تک پہنچائے تاکہ اسے سمجھنا آسان ہو جائے۔

دسواں مأخذ کتب الأنساب:

یعنی ایسی کتابیں جن میں کسی شخص، خاندان، قبیلہ، قوم اور نسل کے نسب، رشتہ، خون کے تعلق سے بحث کی جائے۔ عربوں کے ہاں نسب بہت اہمیت رکھتا تھا۔ انسان تو انسان عرب اونٹ گھوڑوں اور دیگر حیوانات تک میں حسب نسب کا خیال رکھتے تھے اور اسی بنیاد پر انسانوں، قوموں، قبیلوں سے سلوک و معاملات کرتے تھے تاریخ کی اس نوع کو سمجھے بغیر اس معاشرہ کو جس میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے سمجھنا ممکن ہی نہیں اور معاشرہ و تہذیب اور رواجات حسب و نسب کی اہمیت کو سمجھے بغیر نبی کریم کی معاشرتی مشکلات کو سمجھنا اور آپ کس طرح ان مشکلات سے نبرد آزما ہوئے سمجھنا ممکن ہی نہیں، جو یہ نہیں جانتا کہ لے پالک بیٹے کی اس معاشرے میں کیا حیثیت تھی وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ آپ نے لے پالک بیٹے کی بیوی سے شادی کر کے کتنا اہم کام کتنی ہمت کے ساتھ انجام دیا۔ جو اس زمانہ کی قبائلی عصبتوں کو نہیں جانتا وہ سیرت کے اس پہلو کو قطعاً نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مکہ سے طائف کیوں گئے تھے اور دوبارہ مکہ میں کس بنیاد پر آئے تھے، اہل مکہ نے جب ابوبکرؓ کو مکہ سے نکال دیا تھا تو وہ دوبارہ کس بنیاد پر مکہ میں رہتے تھے۔ شاہ حبشہ نے جعفر طیار سے نبی ﷺ کی تعلیمات سننے کے باوجود کیوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی بابت سوالات کئے تھے اور جب ابوسفیانؓ نے بھی آپ کے حسب نسب کی تصدیق کی تو شاہ حبشہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ مہاجرین کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس زمانہ کا انسانی اسٹیٹس اسی انساب کی بنیاد پر طے ہوتا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت ہے کسی بھی سیرت نگار نے اتنے اہم پہلوؤں کو سیرت کا مأخذ نہیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس علم کو جانے بغیر سیرت نگاری ہی ناقص ہے۔

اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں **انساب الاشراف احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری** (۲۷۹ھ/۸۹۴ء) کی ہے اس کے ایک نسخہ پر ڈاکٹر حمید اللہ نے تحقیق کی ہے اور دوسرا نسخہ جو **المکتبۃ**

التجارية دار الفکر بیروت سے تیرہ جلدوں میں ۱۹۹۶ھ میں شائع ہوا ہے اس پر سہیل زکار اور ریاض زرکلی نے تحقیق کی ہے۔

جمهرة انساب العرب یہ اَبی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ) کی ہے اس پر عبدالسلام نے تحقیق کی ہے، دارالمعارف مصر سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوتی ہے۔ ۷۰۰/صفحات ہیں **معجم قبائل العرب القديميه و الحديثة** عمر رضا کحالة کی ہے۔ تین جلدوں میں ۱۲۰۰صفحات پر دار العلم للملائیین بیروت سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

جمهرة نسب قريش و اخبارها زبیر بن بکار (۱۷۲ھ۔۲۵۶ھ) کی ہے۔ محمود شاکر کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ دارالعروبۃ قاہرہ سے ۵۹۱صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

الأنساب یہ اَبی سعید عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م ۵۲۶ھ) کی ہے۔ دائرہ المعارف عثمانیۃ دکن سے ۱۹۶۶ء میں پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، ہر جلد ۴۰۰ تا ۵۰۰صفحات پر مشتمل ہے۔ **الأغصان لمشجرات انساب عدنان و قحطان** اسے سید علی عبدالکریم الفضل شرف الدین نے مرتب کیا ہے۔ یہ دارالقیاس کراچی سے ۱۹۹۳ء میں ۴۹۲صفحات پر عربی میں شائع ہوئی ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کے خاندانی شجرے دیئے گئے ہیں۔ **كتاب النسب** قاسم بن سلام (۱۵۴ھ۔۲۲۴ھ) کی ہے۔ تحقیق کے سات دارالفکر بیروت سے ۱۹۸۹ء میں ۵۷۴صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

الاشتقاق (خاندان نبوی کے انساب پر) اَبی بکر محمد بن الحسن بن درید تحقیق عبدالسلام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

گیارھواں مأخذ کتب رجال:

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر (۱۰ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مند لاکھ ڈیڑھ لاکھ تھے جو حاضر نہیں تھے۔ ان کی تعداد یقیناً اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی ماہرین حدیث کے مطابق جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ایک لاکھ سے زائد ہے دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے اتنے سارے عینی شاہدین کیا اس کا ہزاروں حصہ بھی نہیں ملیں

گے۔(۱۵۵)ایسے حضرات کے ذریعہ جب تمام سرمایہ سیرت وحدیث تحریر ہوگیا تو ان تمام راویوں کے احوال کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا اسی تحریر شدہ ذخیرہ علم کا نام علم رجال اور ایسی کتابوں کا نام کتب رجال ہے۔ بقول جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر''کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص (راویوں) کا حال (سوانح حیات) معلوم ہوسکتا ہے۔(۱۵۶)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: سیرت نبوی کے واقعات بعد میں قلمبند ہوئے ابتداء سب زبانی روایتوں کی شکل میں تھے۔ مصنفین کا ماٰخذ کوئی کتاب نہیں تھی۔ حالانکہ اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے۔ یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے ہیں' تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کرلی جاتی ہیں' جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا' ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلیے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا' اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں' ایک ایک شہر میں گئے' راویوں سے ملے' ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائی جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ

۱۵۵۔ حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص:۲۴

۱۵۶۔ خالد ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص:۵۴۔۵۵ بحوالہ الاصابۃ انگریزی کا مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء

تھے،ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے۔اور کسی شخص کے رتبہ وحیثیت کی پروانہ کی بڑے بڑے مقتداؤں اور بادشاہوں کی سراغ رسائی اور پردہ دری کر کے ان کے حالات مرتب کئے۔(۱۵۷)

شاہ عبدالعزیز(م۱۲۳۲ھ) لکھتے ہیں صدر اول یعنی تابعین و تبع تابعین کے دور سے امام بخاری و امام مسلم کے دور تک راویوں کے حالات کی جستجو کی اور جس شخص میں شمہ برابر بھی بددیانتی کذب یا سوء حفظ (یادداشت کی کمزوری) محسوس کی اس کی حدیث نہیں قبول کرتے۔(۱۵۸)

اس فن کے ابتدائی ماہرین میں ابن عباس (م ٦٨ھ) انس بن مالک (م۹۳ھ) شعبی (م۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) اعمش (م۱۴۸ھ) شعبہ (م۱۶۰ھ) امام مالک (م۱۷۹ھ) ابن مبارک (م۱۸۱ھ) ابن عیینہ (م ۱۹۷ھ) یحییٰ ابن معین (م ۲۳۳ھ) اور احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) شامل ہیں۔(۱۵۹)

اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب مشہور محدث یحییٰ ابن سعید القطان (م۱۹۸ھ) نے لکھی تھی، پھر ان کے تلامذہ یحییٰ ابن معین (م۲۳۳ھ) امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) ابوخیثمہ (م۲۳۴ھ) اور عمرو ابن علی الفلاس (م۲۴۹ھ) وغیرہ نے اس فن میں داد تحقیق لی۔ پھر ان لوگوں کے تلامذہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے ادھر توجہ کی۔(۱۶۰)

جو کتابیں راویان حدیث کے حالات پر لکھی گئی ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جن میں صرف صحابہ کے حالات ہیں کچھ وہ ہیں جن میں بلاتخصیص حالات جمع کئے گئے ہیں۔ طبقات ابن سعد یہ اردو میں آٹھ عربی میں نو جلدوں میں ہے اور بارہ جلدوں میں بھی شائع ہوئی ہے۔ اس کی پہلی دو جلدوں میں آنحضرت کی سوانح ہے اس کے بعد صحابہ کے حالات ہیں۔

صفة الصفوة ابن جوزی کی تین جلدوں بخاری کی التاریخ الکبیر آٹھ جلدوں میں اور

۱۵۷۔ نعمانی علامہ شبلی۔سیرت النبی ج:اص:۳۹

۱۵۸۔ دھلوی، شاہ عبدالعزیز محدث۔عجالہ نافعہ ص:۲

۱۵۹۔ خالد ڈاکٹر انور محمود۔اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۶۸

۱۶۰۔ الواجدی، ندیم۔نقوش رسول نمبر ج:ا ص:٦٦

تاریخ الصغیر بھی دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ **کتاب الکنی**، الموصلی کی ہے۔ **کتاب الجرح والتعدیل** احمد بن عبداللہ العجلی کی ہے، **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ** عز الدین ابن الأثیر کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ **الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ** ابن حجر عسقلانی کی ہے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے؟۔ **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب** ابن عبدالبر کی دو جلدوں میں ہے۔

لسان المیزان ابن حجر عسقلانی کی ۱۰ جلدوں میں ہے **میزان الاعتدال** محمد بن احمد الذھبی کی ۷ جلدوں میں ہے۔ **تھذیب الکمال** جمال الدین یوسف المزی کی ۳۵ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ **کتاب الثقات** ابن حبان التمیمی کی ۹ جلدوں میں ہے۔ ذہبی کی **سیر اعلام النبلاء** ۲۴ جلدوں میں ہے اس کا خلاصہ بھی چار جلدوں میں شائع ہو گیا ہے **الکامل فی ضعفاء الرجال** أبی أحمد عبداللہ عدی الجرجانی کی نو جلدوں میں ہے۔ **توضیح المشتبہ فی ضبط اسماء الرواۃ و أنسابھم** ابن ناصر الدین القیسی الدمشقی کی ہے **کتاب الوافی بالوفیات** ۲۲ جلدوں میں خلیل بن أیبک کی ہے. **معجم الادباء** یاقوت الحموی کی ۲۰ جلدوں میں ہے۔ یہ وہ کتابیں جن سے استفادہ کر کے ہم سارے مأخذ (جس میں تفسیر سمیت سارے شامل ہیں) سے کھرا کھوٹا' صحیح غلط' الگ کر کے سیرت نگاری کے اعلیٰ اصول جاری کرتے ہوئے سیرت نگاری کر سکتے ہیں۔

بارھواں مأخذ کتب اصول حدیث:

یعنی سیرت کے لئے رجال کی بنیاد پر تحقیق کے بعد جن اصولوں کے ذریعہ کھوٹے کھرے، سچے جھوٹے' قوی ضعیف' کی ترجیح مقرر کی جاتی ہے، ان ضابطوں اصولوں کا نام اصول حدیث ہے۔ اصول حدیث کے ذریعہ روایتاً درایتاً کسی روایت کا مقام و درجہ متعین ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر اس سے معلوم ہونے والے حکم کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔ فرض ہے، واجب ہے، مستحب ہے، حرام ہے، مکروہ ہے، مباح ہے وغیرہ وغیرہ علماء نے اصول حدیث پر متعدد کتب عربی اردو میں تحریر کی ہیں۔ اور یہ بات صراحتاً لکھ دی ہے کہ جو اصول حدیث میں جاری ہوتے ہیں، وہی اصول سیرت میں بھی جاری ہوں گے (۱۶۱)۔ اسی سے اندازہ

۱۶۱۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس۔ سیرۃ المصطفیٰ ج:۱ص:۷ اور سیرت النبی شبلی ج:۱ص:۶۳

لگایا جاسکتا ہے۔سیرت نگار کے لئے یہ فن کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ندیم الواجدی لکھتے ہیں:

روایات میں بھی محدثین نے درجات قائم کردیئے ہیں۔احادیث مرفوع بھی ہیں منقطع وموقوف بھی۔شاذ بھی ہیں مرسل بھی، غریب بھی منکر بھی، حسن یا صحیح بھی۔ان میں سے ہر ایک کی متعدد قسمیں ہیں اور ہر قسم کا الگ حکم۔پھر یہ کہ راوی نے عن فلان، کہہ کر روایت بیان کی ہے یا ''اخبرنا'' کے ساتھ یا دوسرے لفظوں میں۔ان سب صورتوں کے احکام علیحدہ ہیں۔بعض صورتیں اہم ہیں اور بعض اس سے کم درجے کی۔ اس پوری کدوکاوش سے جوفن سامنے آیا اسے علم درایت کہتے ہیں۔

اس موضوع پر بھی ان گنت کتابیں لکھی گئیں۔حافظ ابن حجر کی نخبۃ الفکر، اور اس کی شرح اصول حدیث کی مشہور کتابیں ہیں اور دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہیں۔کتاب کی اہمیت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ متعدد علماء نے اس کی شروح لکھیں مثلاً ملا علی قاری (م۱۰۱۴ھ) نے شرح ''شرح النخبۃ'' مولانا عبدالحی خطیب جامع رنگون نے ''السلعة القربى فى توضيح شرح النخبة''، اور مولانا اکرم ابن عبد الرحمٰن سندھی نے ''امعان النظر''، لکھی، اس فن پر کچھ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں۔ابومحمد عبدالرحمٰن رازی (م۳۲۷ھ) '' علل الحديث'' تقی الدین ابن صلاح (م۶۴۳ھ) مقدمه ابن صلاح امام نووی (م ۶۷۶ھ) '' التقريب الراوى'' امام سیوطی (۹۱۱ھ) کی طاہر بن صالح الجزائری کی '' توجيه النظر'' حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) '' الهى السارى فى مقدمة شرح البخارى'' شمس الدین السخاوی (م۹۰۲ھ) ''شرح الفيه'' وغیرہ۔

ہندوستان کے علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ان میں مولانا عبد الحی لکھنوی (م۱۳۰۴ھ) کی '' الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل'' اور '' ظفر الامانى فى مختصر الجرجانى'' بہت مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ) کی کتاب ''مختصر'' کی شرح ہے۔شیخ نظام الدین حلوی کاکوروی نے '' المنهج'' سید مرتضیٰ ابن محمد حسین بلگرامی (م۱۲۰۵ھ) نے '' بلغة الغريب فى مصطلح آثار الحبيب'' شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ' العجالة النافعه'' نواب صدیق حسن بھوپالیؒ (م۱۳۰۷ھ) نے '' منهج الاصول الى اصطلاح احاديث الرسول''

لکھیں۔اصول حدیث میں ایک عربی رسالہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) کا بھی ہے۔اس سلسلے میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی (م۱۳۶۹ھ کا ذکر نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگی۔ یہ مقدمہ بڑے سائز کے ۱۰۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔(۱۶۲)

علامہ شبلی نعمانی نے اختصار کے ساتھ ۱۲/ اصول بیان کیے ہیں (جن میں سے کچھ یقیناً قابل تحقیق ہیں) ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۳) محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۶) معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

(۷) وہ روایت رکیک المعنی ہو، مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔

(۸) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

(۹) جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو، باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

ملا علی قاری نے جو موضوعات کے خاتمہ میں حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کی مثالیں نقل کی ہیں، ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

1۔ جس حدیث میں فضول باتیں ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکل سکتیں، مثلاً

۱۶۲۔ الواجدی، ندیم۔نقوش رسول نمبر ج:۱ص:۶۷

یہ کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے' اللہ اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے' جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں' ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں۔"

2۔ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

3۔ وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو۔

4۔ جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

5۔ وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں۔ سبزہ زار' آب رواں' خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔

6۔ وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکورہ ہوتی ہے مثلاً یہ کہ فلاں سن اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔

7۔ وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں مثلاً یہ کہ ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے یا یہ کہ مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔

8۔ وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں مثلاً "عوج بن عسق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔"

9۔ وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو' مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے' کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے' حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

10۔ وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

11۔ جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں۔

12۔ وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں' حالانکہ یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔

ان اصولوں سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بناء پر بہت سی روایتیں رد کر دیں' مثلاً ایک واقعہ

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی، ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

(۲) دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

(۳) اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا' جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

(۴) دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے گار کا رواج ہی نہ تھا۔

(۵) خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی' ان سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا۔

(۶) عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا' حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے۔

(۷) اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہیں' حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے۔ (۱۶۳)

تیرھواں ماٴخذ عہد نبوی کا معاصرانہ ادب:

اس معاصرانہ ادب میں' ادب جاہلیہ' ادب اسلام' مخضرمی شعراء کا کلام' لغت' سفرنامے' نعتیہ کلام سب شامل ہیں، اس لئے کہ ان کے ذریعہ اس زمانہ کی معاشرت' آراء موافق ومخالفت' نفسیات کے مطالعہ کے ذریعہ سیرت نگار صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

(۱) نعتیہ کلام میں سب سے پہلا درجہ نعتیہ شاعری کو دوں گا اس لیے کہ نعتیہ کلام وہ صنف ہے سیرت کی جسے سیرت نگار ماٴخذ اور استشہاد کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں جن شعراء نے نعتیہ کلام کہا ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں (۱) حضرت ابو طالب آپ نے اپنی ایک نظم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خاندان بنو ہاشم کی عمدہ خصوصیات کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ۹۵ اشعار پر مشتمل ابو طالب کے ایک اور قصیدہ

۱۶۳۔ نعمانی' علامہ شبلی سیرت النبی ج:۱ص:۴۲۔۴۴

کا ذکر ملتا ہے جس کے چند اشعار ابن ہشام نے اپنی سیرت النبی میں ذکر کیے ہیں۔(۱۶۴)

(۲) اعشٰی سبعہ معلقہ کا شاعر ہے اس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے(۱۶۵) اس زمانہ میں چونکہ اپنے موقف کو اشعار کی شکل میں بیان کیا جاتا تھا اور اس کے ذریعہ اپنے نسب، تاریخ، ذاتی آراء کا اظہار کیا جاتا تھا۔تو یہ بات یقینی ہے کہ اگر مزید تتبع کیا جائے تو اس زمانہ کی موافق ومخالف آراء کی روشنی میں عہد نبوی کی مشکلات اور فروغ اسلام کے اسلوب کو سمجھا جا سکتا ہے۔اس عہد کے شعراء بھی دو قسم کے ہیں۔ایک عہد جاہلیہ کے دوسرے عہد اسلام کے جو شعراء عہد اسلام میں مسلمان ہو گئے انہیں مخضرمی شعراء کا نام دیا جاتا ہے(اس مناسبت سے اس بحث کا نام مخضرمی ادب بھی رکھا جا سکتا ہے)

جو مسلمان نہیں ہوئے ان کے بارے میں آپ نے ملاحظہ کیا جو مسلمان نعت گو شعراء ہیں ان میں سر فہرست (۱) حسان بن ثابت ہیں۔سیرت ابن اسحٰق میں ان کی ۷۸ نظمیں موجود ہیں جس میں دشمنوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ابوسفیان جو پہلے اسلام نہیں لائے تھے۔ان کی مذمت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے زاد المعاد میں بھی آپ کے ۱۷ اشعر مذکور ہیں۔(۱۶۶) (۲) کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کا نعتیہ قصیدہ بھی مشہور ہے ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ۵۱ اشعار نقل کئے ہیں۔(۳) عبداللہ بن رواحہ حضرت حسان کے بعد آپ کے اشعار زیادہ ملتے ہیں لیکن زیادہ اشعار کے مضامین اسلام کی مدح مشرکین کی مذمت پر مشتمل ہیں۔(۴) عبداللہ بن زبعریٰؓ یہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین کی ترجمانی کرتے اور حسان ان کا جواب دیتے تھے بعد میں یہ مسلمان ہو گئے اور اسلام کی مدح میں شعر کہنے لگے ان کا کفر واسلام دونوں زمانہ میں کہا گیا کلام سیرت نگاروں کے لئے ماٴخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۶۷) (۵) کعب بن مالک مدینہ کے پانچ مشہور شعراء میں سے تھے مختلف غزوات کے موقعہ پر نعتیہ اشعار کہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک مرثیہ کہا آپ کے اشعار ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کئے ہیں۔(۶) عباس بن مرداس بن خنسا۔

۱۶۴۔ خالد ڈاکٹر انور محمود۔اردو نثر میں سیرت رسول ص:۱۸۲

۱۶۵۔ ایضا

۱۶۶۔ ایضا

۱۶۷۔ ایضاص:۱۸۶

شاعر تھے۔فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے آنحضرت کی مدح میں اشعار کہے ہیں،ان کے علاوہ عامر بن سنان ‘ثابت بن قیس بن شماس وغیرہ کے نعتیہ کلام بھی سیرت کے مأخذ کی حیثیت سے سیرت نگاروں کے پیش نظر رہے ہیں اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اشعار چونکہ جلد شہرت پا جاتے ہیں جس کے سبب اس میں ردو بدل کرنا ممکن نہیں رہتا بالخصوص عرب کے معاشرہ میں جہاں شعراء کا کلام یادرکھنا فخر وعلمیت کی بات تھی لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اشعار نثر کے مقابلہ میں زیادہ مستند کلام ہے اور اسکے توسط سے جو بات ہم تک پہنچے گی اس میں یقیناً صحت ہوگی اس لئے کہ اشعار میں قطع برید کرنا بنسبت نثر کے بہت مشکل ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بھی ہمعصر شعراء کے کلام کو اہم ماخذ قرار دیا ہے۔(۱۶۸) معاصرانہ ادب میں دوسرا اہم مأخذ کتب مذاہب مقدسہ ہیں،انہیں الزامی مأخذ کا عنوان دینا زیادہ بہتر ہوگا اور اسی حیثیت میں سیرت نگار آج تک ان کتب کے حوالے دیتے رہے ہیں۔کتب مقدسہ بھی دو قسم کی ہیں پہلی قسم ان کتب کی ہے جنہیں ہم آسمانی کتب کا عنوان دے سکتے ہیں جیسے انجیل (برناباس/متی) کلام مقدس کے نام سے بھی مقدس بائیبل کے نام سے بھی اور کتاب العهد الجدید کے نام سے بھی موجود ہے اس کے علاوہ دیگر دو کتابیں توریت اور زبور ہیں۔ان تین کتابوں کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ مثلاً ہندوؤں کی بھگوت گیتا اور گرونانک کی گرنتھ‘ چپ جی (منظوم کلام کا ترجمہ) وغیرہ ان تمام کتابوں میں نبی کریم کے سچا ہونے کا اور آپ کی آمد کا تذکرہ ملتا ہے۔ان کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی صریح علامات موجود ہیں جنہیں مختلف حضرات نے انتہائی محنت کے ساتھ غیر مسلموں کے خلاف الزامی حیثیت سے عربی اردو میں مرتب کیا ہے عربی میں **البشارات والمقارنات** محمد الصادقی کی **محمد الرسول فی التورات ولانجیل** عبد اللطیف ۔ **محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن** ابراهیم خلیل احمد۔**الادلة علی صدق النبوة المحمدية ورد الشبهات عنها**(مقالۃ پی ایچ ڈی) هدیٰ عبدالکریم مرعی کی قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ اسی موضوع پر اردو میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ایک کتاب مولانا اشرف علی تھانوی کی **شهادة الاقوام** کے نام سے ہے۔

۱۶۸۔ حمید اللہ‘ ڈاکٹر محمد۔رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص:۲۵

رسالت کے سائے میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس مترجم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی ہے۔

آخری نبی اور تورات بشیر احمد جالندھری، فارقلیط کون ہے، بشیر احمد حسین، اناجیل اور ہمارے نبی عبداللطیف ڈسکوی۔ محمد کی نبوت پر بائبل کی گواہی احمد دیدات۔ انبیاء سابقین اور بشارت سید المرسلین ابو الحسنات محمد اشرف۔ مذاہب عالم میں تذکرہ خیرالانام۔ میثاق النبین (دنیا کی جملہ مذہبی کتب میں محمد رسول اللہ مولانا عبدالحق ودیارتھی کی انتہائی عمدہ لاجواب کتاب ہے اصل مأخذ کے حوالہ جات و پیراگرافوں کے ساتھ ان کتب میں زیادہ تر آسمانی اور کچھ کتب مقدسہ کے حوالے سے بھی مباحث ہیں لیکن کچھ کتابیں خاص کتب مقدسہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ جیسے گروگرنتھ صاحب اور اسلام ابوالامان امرتسری۔ سکھ مت اور توحید سید حامد علی ویدک دھرم اور دین اسلام عباد اللہ گیانی۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ شمس نوید عثمانی کی ہندو کتب کے ذریعہ آنحضرت کی نبوت کو سچا ثابت کیا ہے۔

یہ تو وہ کتب تھیں جنہیں کتب مقدسہ کے حوالوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لئے الزامی حیثیت سے لکھا گیا ہے کچھ کتابیں وہ ہیں جن میں بعد کے غیر مسلموں کے اعترافات اور نبی کریم کو جو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اسے جمع کیا ہے یہ مباحث مذکورہ بالا کتب میں بھی ضمناً آئے ہیں۔ اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب تجلیات سیرت کے نام سے ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب کی فضلی سنٹر سے شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ ستار طاہر کی ایک عالم ہے ثناخواں آپ کا اور پروفیسر بقا شریف کی رسول اکرم مغربی اہل دانش کی نظر میں بہر زماں بہر زماں (غیر مسلموں کا نعتیہ خراج عقیدت) نور احمد میرٹھی ''مقام رسول اپنوں اور غیروں کی نظر میں'' محمد اکرم کمبوہ کی قابل ذکر ہیں۔

نعتیہ کلام اور کتب مقدسہ کا بحیثیت مأخذ تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ابوالبرکات لکھتے ہیں:

قدیم عرب کے تاریخی معلومات کے ذرائع باقی نہ رہے۔ صرف دو ذریعے ہیں کہ اس سے جو کچھ معلوم ہو وہ تو بلاشبہ صحیح ہے لیکن اس کے سوا اور جتنے ذرائع ہیں سب مشتبہ ہیں۔ ایک قرآن پاک ہے اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ دوئم خود جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات ہیں ان دو کے سوا عرب جاہلیت کے اشعار اور زبانی روایتوں کا درجہ ہے۔ مگر جس طرح ہندوستان کے بت پرستوں میں

رامائن اور مہابھارت کے متعلق مبالغہ آمیز بیانات اور اشعار مشہور ہیں ویسے ہی عربوں میں بھی تھے۔ ان میں سے ان باتوں کی صحت میں شبہ نہیں جس کی تصدیق قرآن پاک یا احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بعد وہ باتیں بھی قابل سماعت ہوسکتی ہیں جو مختلف بیانات میں قدر مشترک کا حکم رکھتی ہوں۔ عرب کی تاریخ کا کچھ حصہ بائیبل میں بھی ملتا ہے۔ مگر موجودہ بائیبل تحریف شدہ ہے۔ تاہم تاریخ کی کوئی تحریر اس سے زیادہ قدیم نہیں مل سکتی اور یہ یقینی بات ہے کہ جس قدر تحریف زبانی روایات میں یا شعراء کے کلام میں ہوئی ہے۔ اتنی ایک مذہبی کتاب میں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے بائیبل کی روایتوں کو دوسرے بیانات پر یقیناً ترجیح حاصل ہوگی۔ (۱۶۹)

کتب و آثار ادب جاہلیہ۔ ادب جاہلیہ یعنی وہ ادبی مواد خواہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر کی صورت میں اسلام سے پہلے رائج تھا وہ بھی مأخذ سیرت کی حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سیرت نبوی اور عہد نبوی کے پس منظر کو جاننے میں انتہائی مدد ملتی ہے۔ اس زمانہ کا ادب اج لٹریچر میں محفوظ ہو چکا ہے۔ اس حوالہ سے بہت سی کتب موجود ہیں جیسے تاریخ ادب عربی حسن زیات کی اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے ۔**الادب الجاهلى** ،طه حسین کی (اس کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے) تاریخ **الادب العربى العصر الجاهلى** ڈاکٹر شوقی ضیف کی تاریخ ادب عربی مقتدیٰ حسن کی اردو میں۔ **المدبنه فى صدر الاسلام الحياة الادبية دكتور محمد عيد الخطراوى** کی۔ **مصادر الشعر الجاهلى و قيمتها التاريخية** الدکتور ناصر الدین الأسد (مقالہ پی ایچ ڈی) شرح الشعر **الجاهلى الدكتور احمد جمال العمرى**۔ ادباء العرب بطرس البستانی کی چار جلدوں میں **الموجز فى الادب العربى** حنا الفاخوری کی چار جلدیں **الحياة الاجتماعية فى الشعر الجاهلى** الدکتور فاطمہ عبد الفتاح کا (پی ایچ ڈی مقالہ ہے) **تاريخ العرب قبل الاسلام** جرجی زیدان کی۔ **بلوغ الارب شكرى** آلوسی کی چار جلدیں۔

شعر الحرب **فى الجاهلية عند الاوس والخزرج دكتور** محمد عبد الحظر اوی کی ہے۔

تاريخ الادب العربى جعفر سید باقی۔ **نهايت الارب فى فنون الادب** شہاب الدین النویری کی ۱۸

۱۶۹۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر۔ ص: ۳۱

جلدوں میں ہے۔ کتاب الکامل للمبرد چار جلدوں میں ہے۔ المدینة فی العصر الجاهلی الحیاة الادبیة اور المدینة فی العصر الجاهلی الحیاة الاجتماعیة والسیاسیة والثقافیة دکتور محمد عید الخطر اوی کی کتابیں قابل ذکر ہیں ان کتابوں میں موجود مواد کے ذریعہ عہد جاہلیہ (جو کہ ۱۰۰ سالوں پر محیط ہے) کی مکمل تصویر اور ابتدائی عہد اسلامیہ کی تاریخ تہذیب و معاشرت سامنے آجاتی ہے۔سیرت نگاروں کے لئے ضروری ہے۔اس مواد کو پیش نظر رکھ کر عہد نبوی کا پس منظر واضح کریں تاکہ سیرت نبویہ خوب نکھر کر سامنے آئے۔

اسی طرح سیرت نگار کو آثار قدیمیہ (آرکیالوجی) کا بھی علم ہونا چاہیے اس لئے کہ عہد حاضر میں قدیم کتبات، آبادیاں اوران کے آثار سکے، استعمال کی اشیاء تاریخ کی تدوین میں اہم رول ادا کر رہی ہیں مجھے نہیں معلوم کہ کتب تواریخ حرمین کے علاوہ اس پر مستقل کچھ کتابیں لکھی گئی ہیں یا نہیں اگر اس پہلو پر کام نہیں ہوا تو ضرورت ہے توجہ دینے کی۔

اسی طرح کچھ کتب ادبیہ وہ ہیں جن میں جاہلی ادب کے بمقابلہ ادب اسلامیہ پر بہت لکھا گیا ہے اور اسلام نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نے زبان وادب پر جو نقوش چھوڑے ہیں اور عربی ادب میں نئے محاورات وامثلہ کے ذریعہ اضافہ کیا ہے سیرت نگار کو اس سے بھی استفادہ کرنا چاہیے اس لئے کہ اس کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا دونوں آسان ہو جاتا ہے۔اس موضوع پر سب سے معرکة الآراء کتاب البیان والتبیین أبی عثمان عمر بن الجاحظ کی چار جلدوں میں عبد السلام محمد ھارون کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔اسی طرح ابی حیان التوحیدی علی بن محمد بن العباس کی البصائر والذخائر الدکتورة وداد القاضی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں (دس حصے) میں شائع ہوئی ہے۔

مقدم الذکر میں نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر جاحظ نے انتہائی عمدہ بحث کی ہے۔ کتاب الکامل للمبرد اور العقد الفرید قرطبی کی بھی ابتدائی عہد کے ادبی ذخیرہ کا ماٰخذ ہے۔اسی طرح المدینة فی صدر الاسلام الحیاة الادبیة اور المدینة فی صدر الاسلام الحیاء

الاجتماعية والسیاسیة والثقافیة دکتور محمد عید الخطر اوی کی کتابیں سیرت نگار کے لئے مأخذ کی حیثیت کی رکھتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیرت نگار کو ادب جاہلیہ‘ ادب اسلامیہ (بالخصوص ابتدائی عہد) اور آثار قدیمہ کو مأخذ کی حیثیت سے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

کتب لغت اور سفر نامے:

سیرت نگار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت فصحاء کے ساتھ مروجہ عہد نبوی کے لسانی اختلافات کا اور مستعملہ الفاظ کا بھی علم ہونا چاہیے اور ان علوم سے سیرت نگاری میں مدد لینی چاہئے تا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والے جملوں کے پس منظر کو صحیح طور سے سمجھ سکے۔ عہد نبوی میں عربی زبان کے مختلف قبائل میں مختلف لہجے رائج تھے۔ یہی وجہ ہے قرآن کو سترہ قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت ہے اور وہ تمام قرائتیں (لہجے) آج بھی محفوظ ہیں۔ اسی طرح زبان مختلف ادوار میں اپنے اندر نئے الفاظ جذب کرتی ہے۔ پرانے الفاظ میں بہت متروک ہو جاتے ہیں۔ آج شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین کا ترجمہ زبان کی تبدیلی ادائیگی کی تبدیلی اور گرامر کی تبدیلی کے سبب متروک ہے۔ حالانکہ مستند ترین ترجمہ ہے۔ اس موضوع پر بھی ماہرین لغت نے بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ بحیثیت فن کے اس موضوع پر فقہ اللغة الدکتور علی عبدالواحد وافی کی اور ڈاکٹر داؤد سلام کی دراسة اللهجات العربية قديميه اور کتب قرأت عشرہ استفادہ کے قابل ہیں کتب لغت میں الصحاح ابی نصر المقدسی کی پانچ جلدیں مع تحقیق عبد الرحمٰن اور المعجم المفصل فی شواهد اللغة العربية (۱۴ جلدیں) اور موسوعة أمثال العرب (سات جلدیں) اور المعجم المفصل فی اللغويين العرب (دو جلدیں) الدکتور أمیل بدیع یعقوب (عیسائی) کی قابل ذکر ہیں اور الدکتور محمد تونجی راجی کی المعجم المفصل فی علوم اللغة (دو جلدیں) بہت اہم ہیں۔ المحيط فی اللغة اسماعیل بن عباد کی دس جلدوں میں تاج العروس محمد مرتضى الحسینی الزبیدی کی بیس جلدوں میں المحكم والمحيط الاعظم سات جلدوں میں بن سیدۃ کی۔ الموسوعة العربية فی الألفاظ الضدبة والشذرات اللغوبة

نو جلدوں میں محمد بن محمد المساوی الیمانی کی۔

لسان العرب ابن منظور کی اٹھارہ جلدوں میں تھذیب اللغۃ أبی منصور محمد بن احمد الازھری کی پندرہ جلدوں میں۔لغات الحدیث مولانا وحید الزماں کی اردو میں چھ جلدیں اسی طرح غریب الحدیث ابو عبید قاسم بن سلام الھروی کی چار جلدوں میں النھایۃ فی غریب الحدیث ابن الاثیر کی پانچ جلدوں میں (۱۷۰) غریب الحدیث أبی سلمان الخطابی البستی کی تین جلدوں میں اور المجموع المغیث أبی موسیٰ أصفھانی کی انتہائی اہمیت کی حامل ہیں جن کے بغیر سیرت نگار اپنی سیرت مکمل ہی نہیں کر سکتا۔

جہاں تک سفرناموں کا تعلق ہے اس بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔ بیرونی لوگوں کے ہمعصر سفرنامے بھی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے کہ سفرناموں کے ذریعہ سیرت نبوی کے معاشرہ پر اثرات' استحکام' اور تدابیر کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔(۱۷۱) لیکن میرے علم میں نہیں ہے کہ اس زمانہ میں سفرنامے لکھنے کا رواج تھا یا نہیں یقیناً مکہ اور مدینہ ایسا خطہ ہے جہاں نہ صرف جزیرۃ العرب کے بلکہ دیگر اقوام کے تمام قافلے بھی بغرض سفر تجارت گزرتے تھے گویا مرکز تھا اور قدامت کے لحاظ سے بھی۔ یہاں ہونے والی تبدیلیوں کا دیگر اقوام کو ضرور علم ہوتا ہوگا لیکن مجھے اس پہلو پر تواریخ حرمین کے علاوہ مستقل کتابوں کا علم نہیں ہو سکا ہے۔

چودھواں مأخذ کتب ''اسلامی معلومات عامہ'':

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنے والی کی جرنل نالج یعنی عام معلومات بہتر ہونی چاہیے اور سیرت نبوی کے مأخذ کے طور پر ایسی کتابوں سے استفادہ کرنا چاہئے جن میں عام اسلامی معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہو۔یہ معلومات مختلف شکلوں میں ہمارے پاس موجود ہیں جیسے ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) کی ''المعارف'' اس میں آدمؑ سے لے کر عہد نبوی ﷺ کے بعد تک کی اہم معلومات، جزئیات کی شکل میں جمع کر دی گئی ہیں۔اس طرح المحبر ابی جعفر محمد بن حبیب بن امیہ الھاشمی البغدادی (م ۲۴۵ھ) ۴۱۷ صفحات پر دار المعارف عثمانیہ دکن سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی ہے اس میں عہد نبوی خلفاء راشدین ان کی اولادوں حتی

۱۷۰۔ اس کا نیا نسخہ سات جلدوں میں ابو عبد الرحمٰن کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۱۷۱۔ حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔رسول اکرم کی سیاسی زندگی' ص:۲۵

کہ اولادوں کی ماؤں کہ کس کی ماں کردتھی کس کی ایرانی اور کسی کی عربی تھی مواخات کس کی کس کے ساتھ ہوئی عرب کے موسم کیسے تھے کون کون مختون (ختنہ کے ساتھ) پیدا ہوا، جیسے عجیب وغریب جزئی معلومات جمع کردی گئیں ہیں۔ اسی طرح عبدالحیٔ کتانی کی دوجلدوں میں "التراتیب الاداریہ "معلومات و استخراج مسائل سیرت النبی کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

کچھ کتابیں اوائل کے عنوانات سے لکھی گئی ہیں کہ کون سا کام کس عہد میں کس نے سب سے پہلے کیا یا کون سی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے پہلے کس نے کی جیسے جمعہ سب سے پہلے کہاں پڑھا گیا کس نے پڑھایا پہلا مؤذن کون تھا، کہاں اذان دی، پہلا شہید کون تھا وغیرہ اس موضوع پر محبّ الدین أبی الولید محمد بن شحنۃ کی روض المناظر فی علم الاوائل والأواخر سنین کی ترتیب پر میل محمد مھنی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ علی اصغر چودھری کی اردو میں عہد نبوی کے نادر واقعات (اولیات کی بنیاد پر) ہے۔ سید ہاشم الخطیب کی کتاب الاوائل فی الاسلام ابی ھلال العسکری کی دوجلدوں میں الأوائل ولید قصاب کی تحقیق کے ساتھ ہے۔ اسی طرح سیرت نگار کو سنین درج کرتے ہوئے مروجہ تقویم خواہ وہ عیسوی ہو ہندی ہو یا ایرانی کا بھی لحاظ رکھنا اور علم ہونا چاہیے تا کہ قاری کے فہم سے قریب تر ہو کر اسے سیرت سے مستفید کیا جائے۔

بہر حال یہ چند معروضات تھیں جس میں میں نے سیرت النبی کے بعض نئے مآخذ کی نشاندہی کی ہے۔ امید ہے قارئین وسامعین اس طالب علمانہ کاوش پر میری رہنمائی فرمائیں گے۔

سیرت نگاری کے ابتدائی مراحل

* ڈاکٹر علی اصغر چشتی

امت مسلمہ کے افراد کے لئے سیرت نبوی کا مطالعہ محض ایک علمی مشغلہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک اہم دینی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم آپ ﷺ کا اسوہ معلوم کرنے کیلئے آپ ﷺ کی سیرت کی طرف رجوع کریں۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہم وطن اور ہم عصر تھے اور جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ اصول اسلام سیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی آپ ﷺ کا اسوہ ان کے سامنے تھا۔ لیکن جب آپؐ نے وصال فرمایا تو بعد کی نسلوں کیلئے آپؐ کی سیرت مبارکہ حدیث و روایات کی روشنی ہی میں شمع ہدایت کا کام دے سکتی تھی۔ اس دینی ضرورت کے اقتضا سے اہل اسلام نے اپنے ہادی برحق کے احوال و اقوال کو اس احتیاط اور تفصیل سے محفوظ کرلیا کہ بقول مولانا شبلی ! اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا اور اس کے حلیہ و وجود کے ایک ایک خد و خال کا عکس لے لیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت طرز معاشرت، خورد و نوش، لباس اور نشست و برخاست کی ایک ایک تفصیل اس طرح قلمبند کرلی ہے کہ کسی شخص کے حالات زندگی آج تک اس جامعیت کے ساتھ ضبط تحریر میں نہیں آسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دیگر مذاہب کے اکثر بانیوں کی تصویریں نا تمام ہیں اور تو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی زندگی کا اکثر حصہ تاریکی کے پردہ میں مستور ہے حتی کہ ان کی پیدائش اور رفع دونوں کے متعلق مختلف مذاہب و اقوام کی روایات اور آراء میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے جس سے ایک عام آدمی کیلئے ان کی زندگی ایک چیستان بن کر رہ گئی ہے۔

---

* ڈین فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سیرت نگاری کی ابتداء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ابتداء نبوت ہی سے آپ کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات یہ دستور شروع ہو چکا تھا کہ جب ایک صحابی دوسرے صحابی سے ملتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتا اور وہ اس کے جواب میں کسی تازہ وحی یا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے دل میں اپنے پیشوا کی ذات مبارک، انکے اخلاق و عادات اوران کی تعلیم و تلقین کو دریافت کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ اس شوق و جستجو سے رفتہ رفتہ روایات کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا ہو گیا۔ جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ آخر کار جب مسلمانوں کے ہاں دوسری صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کا رواج ہوا تو اہل علم نے ان روایات کو قلم بند کرنا اور ان کو مضامین کے اعتبار سے مرتب کرنا شروع کیا۔ جن روایات کا تعلق عقائد و عبادات سے تھا اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہو سکتے تھے ان سے علم حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں۔ اوران روایات سے جن میں رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مذکور تھے۔ فن سیرت کا سرمایہ تیار ہوا اور وہ روایات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے واقعات مذکور تھے۔ فن مغازی کا موضوع قرار پائیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کے غزوات کو تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے بعض اوقات ''مغازی'' کا اطلاق تمام فن سیرت پر ہوتا ہے۔

سیرت اور مغازی کا مفہوم:

سیرت کے لغوی معنی چال چلن اور روش کے ہیں۔ یہ لفظ صاحب سیرت کے پورے احوال زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ محدثین اور مؤرخین نے کتاب ''السیـرۃ'' کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جمع کئے ہیں۔ جن میں مغازی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء کے نزدیک سیرت کے مفہوم میں یہ وسعت نہیں ہے۔

ان حضرات کے نزدیک جہاد اور غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کے ساتھ جو

معاملہ فرمایا ہے وہ سیرت کے زمرہ میں آتا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر کی تحقیق اور تجزیہ کے مطابق ابتداء میں مغازی کی اصطلاح محدود مفہوم کی حامل تھی۔ لیکن بعد میں اس کا مفہوم وسیع ہو گیا اور سیرت کی کتابوں کا نام "کتاب المغازی" پڑ گیا۔ چنانچہ مغازی عروہ بن الزبیر' مغازی ابان بن عثمان' مغازی محمد بن شہاب زہری' مغازی ابن اسحاق مغازی موسیٰ بن عقبہ اور واقدی وغیرہ سیرت کی کتابیں ہیں۔ اور ان میں مغازی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔(۲)

علم حدیث اور مغازی کا باہمی تعلق:

علم السیر والمغازی علم حدیث ہی کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال وافعال سے بحث ہوتی ہے۔ جن کا تعلق غزوات وسرایا سے ہے۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب " معرفة علوم الحدیث" میں علم السیر والمغازی کو علوم الحدیث کی اقسام میں شمار کیا ہے۔(۳)

امام حاکم کی طرح خطیب بغدادی نے بھی سیر ومغازی کو علم حدیث میں شامل کیا ہے۔ اور اپنی کتاب "شرف اصحاب الحدیث" میں لکھا ہے کہ حدیث میں انبیاء کے واقعات' زہاد اولیاء کے احوال' بلغاء کے مواعظ' فقہاء کے کلام' عرب وعجم کے حکام کے فضائل' امم ماضیہ کے قصے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغازی وسرایا کی تفصیلات' آپ ﷺ کے احکام وقضایا' خطب' مواعظ' معجزات' آپ کی ازواج مطہرات' اولاد واصحاب اور ان کے فضائل ومناقب اور انساب واعمار کا ذکر ہوتا ہے۔(۴)

جن اسلامی علوم وفنون کی ابتداء مدینہ منورہ سے ہوئی، ان میں حدیث اور فقہ و فتویٰ کی طرح علم سیر ومغازی بھی شامل ہے۔ جس کا تعلق علم حدیث سے ہے۔ یہیں سے جہاد فرض ہوا' یہیں سے غزوات و

۱۔ فتح الباری . کتاب الجهاد والسير. ج۲ ص۳

۲۔ فتح الباری . کتاب المغازی. ج۷. ص ۲۷۹

۳۔ علوم الحديث. ص۳۳۸

۴۔ شرف اصحاب الحديث. ص۸

سرایا کی مہمات روانہ ہوتی تھیں اور یہیں واپس آ جاتی تھیں۔ امام مالک کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں تقریباً دس ہزار صحابہ کا انتقال ہوا۔ عبداللہ بن عبدالکریم کا بیان ہے کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بیس ہزار صحابہ کرام مدینہ منورہ میں موجود تھے۔(۵)

مدینہ منورہ خاص طور سے علم المغازی کے لئے مشہور تھا اور اساتذہ وشیوخ اس کیلئے طلبہ کو مدینہ جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے کہ امام سفیان بن عیینہ کا مشہور قول ہے **"من اراد المغازی فالمدینة"** یعنی جو شخص مغازی سیکھنا چاہے وہ مدینہ منورہ کا رخ کرے۔(۶)

مدینہ غزوات وسرایا کا مرکز رہا۔ یہاں سیر ومغازی کے اوّلین علماء ومصنفین گزرے۔ اور یہیں سے فن مغازی کی تدوین وتالیف کی ابتداء ہوئی۔ دوسرے شہروں کے علماء مغازی کا سلسلہ یہیں کے علماء اور رواۃ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے یہیں مغازی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اور یہیں کے تین ہم عصر علماء نے ایک ہی دور میں کتاب **المغازی** مرتب کیں۔ عروہ بن زبیرؓ (م ۔ ۹۴ھ)۔ ابان بن عثمان (م ۔ ۱۰۵ھ) اور محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)

مدینہ میں تدوین مغازی کے دو دور:

مدینہ میں مغازی کی تصنیف اور مصنفین کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پہلی صدی کے نصف ثانی سے اس کے خاتمہ تک ہے جو اسلام میں باقاعدہ تصنیف وتالیف سے قبل تھا۔ اس میں مغازی وسیر کے مصنف مدینہ منورہ کے فقہاء تھے۔ جو دیگر علوم کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس فن کے بارے میں بھی ماہر تھے۔

دوسرا دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں تالیف کا باقاعدہ سلسلہ چلا۔ علیحدہ علیحدہ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں محدث، فقیہ، مفسر، مؤرخ وغیرہ کے امتیازی القاب کا استعمال شروع ہوا۔

۵۔ ترتیب المدارک، قاضی عیاض. ج ۱. ص ۶۷

۶۔ صمیری اخبار ابی حنیفہ، . ص ۷۵

دوراول کے رواۃ:

طبقہ صحابہ میں جن حضرات کی روایات کو علم السیر والمغازی میں تداول حاصل رہا۔ان میں جابر بن عبداللہ' ابوسعید خدری' ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمرو بن العاص' عبداللہ بن عباس' رافع بن خدیج'' انس بن مالک اور براء بن عازب ؓ کے نام زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان کے بعد طبقہ صحابہ میں عقبہ بن عامر جہنی' زید بن خالد جہنی' عمران بن حصین' نعمان بن بشیر' معاویہ بن ابوسفیان' سھل بن سعد ساعدی' عبداللہ بن یزید خطمی' مسلم بن مخلد' ربیع بن کعب اسلمی' ہند بن حارثہ اسلمی' اسماء بن حارث اسلمی وہ حضرات ہیں جو سیر و مغازی کی تدوین کے ابتدائی دور تک حیات رہے۔اوران سے اس موضوع کی روایت نے رواج پایا۔سیرت کا بیشتر سرمایہ انہی صحابہ کی بیان کردہ روایات وآثار پر مشتمل ہے۔

صحابہ کرام کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین کا دور ہے۔جنہوں نے احادیث وآثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے شیوخ' اور خاندانی بزرگوں سے سن کر بیان کئے۔اس طبقہ میں انصار اور مہاجرین اور دوسرے صحابہ کی اولاد کے پاس روایات وآثار کا سرمایہ نسبتاً زیادہ رہا۔ان کے بعد تبع تابعین کا دور آیا جنہوں نے صحابہ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا۔سیرت کا تمام سرمایہ انہی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی روایت' معلومات' اقوال اور آثار سے جمع کیا گیا ہے۔(۷)

کتاب المغازی لِعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ المدنی:

مدینہ منورہ کے تین ہم عصر مصنفین مغازی کے بارے میں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے پہلے کتاب مرتب کی' اتنا معلوم ہے کہ عروۃ بن الزبیر (م ۹۴ھ) اور ابان بن عثمان (م ۱۰۵ھ) نے سب سے پہلے مغازی پر کتابیں لکھی ہیں۔اور محمد بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ) نے ان کے بعد اپنی کتاب مرتب کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے عروہ کے بارے میں اپنی تاریخ " البداية و النهاية" میں لکھا ہے۔

"كَانَ عَالِمًا ' مَأْمُوناً ' ثِبِتًا ' حجة عالماً با لسير ' و اول من صنف المغازی"

۷۔ طبقات ابن سعد ج ۲۔ ص ۳۷۶۔۳۷۸

(ج: ۹، ص: ۱۰۱)

''عروہ بن الزبیر بہت بڑے عالم تھے، قابل اعتماد تھے، فن سیر ومغازی کے ماہر تھے۔ اور مغازی کے فن میں اوّلین منصف ہیں۔''

"و يقال اول من صنف فيها عروة بن الزبير" (ج: ۹، ص: ۱۰۱)

''ابوعبداللہ عروہ بن زبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے آخری دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔ عروہ نے بہت سے صحابہ اور صحابیات سے حدیث روایت کی ہے۔ فقہی روایات آپ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ سے اخذ کیں۔ آپ حضرت زید بن ثابت کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

عروہ جہاں فقہ وفتوی کے امام تھے وہاں مغازی وسیر کے عالم ومصنف تھے۔ غزوات وسرایا کے واقعات اپنی خالہ حضرت عائشہ اور والد حضرت زبیر بن عوام سے سنتے تھے۔ آپ کے شیوخ میں عبداللہ بن عباس جو کہ مغازی کے عالم ومعلم تھے۔ اور اس فن تعلیم کے لئے با قاعدہ مجلس درس منعقد کرتے تھے۔ (۸)

عروۃ کی کتاب المغازی کی ترویج واشاعت اس دور کے رواج کے مطابق روایت کے ذریعہ ہوگئی تھی اور آپ کے کئی تلامذہ نے آپ سے اس کی روایت کی۔ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمان، جن کی تربیت عروہ نے خود کی تھی اس کے راوی اور معلم ہیں۔

ابوالاسود کے علاوہ محمد بن شہاب الزہری اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی عروہ بن زبیر سے مغازی کی روایت کی ہے۔ ابوالاسود کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

"نزل ابو الاسود مصر و حدث بها كتاب المغازى لعروة الزبير عنه" (۹)

''ابوالاسود نے مصر جا کر عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی تعلیم انہی کی روایت سے دی'':۔

عروہ بن زبیر کی کتاب اگرچہ احوال واوضاع کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکی تاہم ابولاسود اور دیگر رواۃ کی روایت سے اس کی روایات متداول رہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابوالاسود کی سند سے عروہ

۸۔ کشف الظنون: ۴۷/۲

۹۔ سیر أعلام النبلاء

کی روایات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اوران روایات کو مستند قرار دیا ہے۔

ابن ندیم نے ابوحسان حسن بن عثمان زیادی (م۔۲۴۳ھ) کی تصانیف میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا تذکرہ کیا ہے ابوحسان زیادی بغداد کے قاضی واقدی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ان کی تصنیفات میں مغازی عروہ بن زبیر کا شمار اس لحاظ سے ہے کہ انہوں نے عروہ کی کتاب المغازی میں اضافہ کر کے مستقل کتاب مدوّن کر لی تھی۔

ابان بن عثمان مدنی:

عروہ بن زبیر کے ہم عصر علماء کے سیر و مغازی میں ابان بن عثمان (م۱۰۵ھ) کا نام نامی بہت نمایاں ہے۔آپ کی ولادت ۲۰ھ میں ہوئی۔ مدینہ کے فقہاء میں آپ کا شمار تھا۔حضرت زید بن ثابت سے بھرپور استفادہ کیا۔آپ نے اپنے والد سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا اسامہ بن زید سے بھی روایات اخذ کی ہیں۔آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ان میں محمد بن شہاب زہری اور مغیرہ بن عبد الرحمٰن زیادہ مشہور ہیں۔مغیرہ کتاب المغازی کے راوی ہیں۔

ابان بن عثمان نے ۸۲ھ سے قبل کتاب المغازی لکھی۔زبیر بن بکار (م۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب فی الاخبار میں لکھا ہے۔کہ ۸۲ھ میں سلیمان بن عبدالملک حج کے سلسلہ میں حجاز چلے گئے۔یہ اس کی ولی عہدی کا دور ہے مدینہ کے اعیان واشراف استقبال کے لئے نکلے۔سلیمان نے ابان بن عثمان، عمرو بن عثمان اور ابوبکر بن عبداللہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کی۔جن جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، یا صحابہ شہید ہوئے سب کو دیکھا۔پھر جبل احد اور ابراہیم کی زیارت کرتا ہوا قبا تک گیا۔اور ہر مقام کے بارے میں ابان بن عثمان اور دیگر اہل علم سے معلومات حاصل کرتا رہا۔اور یہ حضرات اس کو تفصیلات بتاتے رہے۔قبا پہنچ کر سلیمان بن عبدالملک نے ابان بن عثمان سے کہا کہ آپ میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مغازی، کتابی شکل میں مرتب و مدون کر دیں۔ابان نے جواب دیا کہ میں پہلے ہی اس موضوع پر روایات جمع کر چکا ہوں۔سلیمان بن عبدالملک نے اس کتاب

۱۰۔ فی الاخبار۔ص ۲۲۲،۲۳

کونقل کرنے کا حکم دیا بلکہ دس کاتبوں کو مقرر کر کے کتاب ان کے حوالہ کر دی اور انہوں نے کھال میں سے نقل کر دیا۔(۱۰)

سلیمان بن عبدالملک اور عبدالملک بن مروان نے بعد میں اس کاپی کے ساتھ کیا سلوک کیا یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال کتاب المغازی کا اصل نسخہ ابان بن عثمان کے پاس محفوظ رہا آپ کے شاگرد مغیرہ بن عبدالرحمان کی روایات سے منتقل ہوتا رہا۔

مغیرہ بن عبدالرحمان نے کتاب المغازی کی تعلیم و تدریس کے لئے بڑا اہتمام کیا۔ آپ اپنی اولاد اور تلامذہ کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کی ترویج کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ ابن سعد نے ان کے صاحبزادے کے حوالہ سے لکھا ہے۔

" قال یحیٰ بن المغیرة بن عبد الرحمان عن ابیه انه لم یکن عنده خط مکتوب من الحدیث المغازی النبی ﷺ اخذها من ابان بن عثمان، فکان کثیر ما تقرأ علیه و أمرنا بتعلیمها"(۱۱)

"یحییٰ بن مغیرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس حدیث کا کوئی لکھا ہوا صحیفہ نہیں تھا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کتابی شکل میں محفوظ تھے۔ جو انہوں نے ابان بن عثمان سے حاصل کئے تھے اور انہوں نے ہم کو ان کے اخذ کرنے کی ہدایت کی تھی۔"

ابن سعد نے انہی الفاظ میں واقدیؒ کا قول نقل کیا ہے:۔

" و روی عنها، و کان قلیل الحدیث الامغازی رسول اللّٰہ أخذها من ابان بن عثمان، و کان کثیر ما تقرأ علیه، و یأ مرنا بتعلیمها"(۱۲)

"مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے علماء حدیث نے استفادہ کیا ہے۔ مغیرہ قلیل الحدیث تھے۔ البتہ رسول اللہ کے مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان سے حاصل کی تھی اور بسا اوقات اس کی تعلیم ان سے حاصل کی جاتی تھی۔ اور وہ ہم کو اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے"۔

۱۱۔ طبقات ابن سعد. ج۵. ص ۱۵۶

۱۲۔ طبقات ابن سعد . ج۵. ص ۲۱۰

محمد بن اسحاق نے بئیر معونہ کے ذکر میں ابان بن عثمان سے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ابان کے شاگردوں میں یعقوب بن عتبہ ثقفی مشہور محدث اور سیر ومغازی کے عالم تھے۔ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے گیارہ روایات اخذ کی ہیں۔تاریخ طبری میں بھی یعقوب بن عتبہ کی روایات اچھی خاصی تعداد میں ملتی ہیں۔

کتاب المغازی لابن شہاب الزہری:

ابتدائی دور سے تعلق رکھنے والے فن سیر ومغازی کے تیسرے مصنف ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری (م۱۲۴ھ) ہیں۔امام زہری علماء تابعین میں دینی وعلمی جامعیت میں بے مثال اور سیر ومغازی کے مصنف وامام تھے۔اوراس فن کو دنیا وآخرت کا علم قرار دیتے تھے۔ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم کا بیان ہے:۔

سمعت عمی الزھری یقول:" علم المغازی علم الآخرۃ والدنیا"(۱۳)

''میں نے اپنے چچا زہری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ علم المغازی آخرت اور دنیا میں کام آنے والا علم ہے۔''

امام زہری مغازی کا درس دیتے وقت اپنے شاگرد محمد بن اسحاق کی روایات کو بڑی اہمیت سے بیان کرتے ہیں۔عمر بن عثمان کا بیان ہے کہ زہری ابن اسحاق کی ان روایات کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔جن کو انہوں نے عاصم بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ایک بار امام زہری سے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا:''**ھذا اعلم الناس بھا**'یہ مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔''(۱۴)

صحیح بخاری کی کتاب المغازی کی ایک روایت میں انہوں نے اپنی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ غزوۂ بدر کے سلسلہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے:

۱۳۔ البدایۃ والنہایۃ. ج۳.ص ۲۴۱

۱۴۔ التھذیب. ج۹. ص ۴۰

"عن موسیٰ بن عقبة ' عن ابن شهاب قال:" هذه مغازی رسول الله ﷺ فذكر الحديث "(۱۵)

''موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ ابن شہاب نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی ہیں اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔''

حافظ ابن حجر نے ہذہ کا مشار الیہ زہری کی کتاب المغازی کو بتایا ہے۔

غالباً زہری نے یہ کتاب پہلی صدی کے خاتمہ پر لکھی جب انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث کی تدوین کا کام کیا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ سب سے پہلے زہری نے علم حدیث کو مدون کیا ہے۔''(۱۶)

زہری مدینہ منورہ سے شام چلے گئے، جہاں اموی خلفاء نے ان کی خوب خاطر مدارت کی اور ان کے علوم وفنون کو مدون کرایا عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنے مقربین میں شامل کیا۔ ہشام بن عبدالملک نے ان کو اپنی اولاد کا اتالیق مقرر کیا۔ یزید بن عبدالملک نے ان کو عہدہ قضاء پر فائز کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں زہری کو عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا اور ان سے کتابیں لکھوائیں۔ کاتب مقرر کئے جنہوں نے دو سال تک ان کے علوم کو کتابی شکل میں جمع کیا۔ (۱۷)

امام زہری کے شاگرد معمر بن راشد کہتے ہیں: ہم سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے۔ مگر جب ولید بن یزید کا قتل ہوا تو اس کے خزانہ سے زہری کی کتابیں چوپایوں پر لاد کر لائی گئیں۔ تب ہمیں اندازہ ہوا کہ زہری کے پاس اس سے کئی گنا زیادہ علم تھا۔ جو ہم نے ان سے حاصل کیا تھا۔(۱۸)

فن مغازی میں زہری کی جامعیت کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا امام مالک نے ایک

۱۵۔ صحیح البخاری. ج۳. ص ۱۰

۱۶۔ جامع بیان العلم ج ۱. ص ۷۶

۱۷۔ جامع بیان العلم. ج ۱. ص ۷۷

۱۸۔ طبقات ابن سعد. ج۲. ص ۳۸۹

مرتبہ زہری کی درس گاہ سے اٹھنے کے بعد ان سے کوئی سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سبق سننے کے بعد کسی استاد سے دوبارہ نہیں پوچھا۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن مہدی تعجب سے کہنے لگے۔ کہ زہری مغازی کی اتنی طویل طویل روایات کیسے یاد کر لیتے تھے۔(۱۹)

زہری کے بہت سے تلامذہ نے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی جن میں موسیٰ بن عقبہ ممتاز ہیں۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

"کتاب موسی بن عقبه عن الزهری من اصح الکتب"(۲۰)

"زہری سے روایت کی ہوئی' موسیٰ بن عقبہ کی کتاب فن مغازی کی سب سے صحیح کتاب ہے۔"

امام بخاری نے اپنی صحیح میں مغازی کے ذکر میں چالیس سے زیادہ روایات ابن شہاب زہری کی نقل کی ہیں جن میں اکثر موسی بن عقبه عن الزهری کی سند سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ مغازی موسی بن عقبہ امام زہری کی روایات کا مجموعہ ہے۔(۲۱)

امام زہری کے دوسرے شاگرد جن سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کا سلسلہ چلا' معمر بن راشد صنعانی ہیں۔ معمر کی کتاب المغازی درحقیقت زہری کی کتاب المغازی کا نسخہ ہے جس میں دوسرے شیوخ کی روایات بھی آتی ہیں۔ امام زہری کے شاگرد محمد بن اسحاق ان سے مغازی کی روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نے اپنے شیخ معمر بن راشد کی کتاب المغازی کی روایت کر کے اس میں دوسری روایات کو بھی شامل کیا اور یہ کتاب المغازی عبدالرزاق بن ہمام کی طرف منسوب ہوئی۔ جس کا بیشتر حصہ معمر بن راشد کی روایت سے ابن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ کتاب پانچویں جلد کے ص۳۱۳ سے ص۴۹۲ تک ہے جس کی زیادہ تر روایات کی طباعت واشاعت کے

۱۹۔ الجرح والتعدیل. ج۲. ص ۸۲

۲۰۔ تهذیب التهذیب. ج ۱. ص ۲۶۲

۲۱۔ فتح الباری. کتاب المغازی ج۷.

بعد زہری کی کتاب المغازی کا اچھا خاصا حصہ محفوظ ہو گیا ہے۔

امام زہری کے تلامذہ:

امام زہری کے تین تلامذہ ایسے ہیں جنہوں نے فن مغازی و سیر میں اپنے شیخ کی روایات کو جمع کیا اور اس ضمن میں ایسا علمی کام کیا جسے اساس اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ان تین حضرات میں سے معمر بن راشد کا تذکرہ اختصار کے ساتھ ہو گیا ہے۔موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے بارے میں یہاں اجمالاً گفتگو کی جارہی ہے۔

(ا) موسی بن عقبہ:

موسیٰ بن عقبہ حضرت زبیر بن عوام کے موالی میں سے تھے انہوں نے عہد رسالت کی اخبار و روایات کے جمع کرنے میں کمال جانفشانی کا ثبوت دیا یہاں تک کہ ''صاحب المغازی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔امام مالک بن انس آپ کے بڑے مداح تھے۔اور لوگوں سے کہتے تھے۔کہ اگر فن مغازی سیکھنا ہوتو موسیٰ بن عقبہ سے سیکھو اس لئے کہ وہ قابل اعتماد ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے روایات کی صحت کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔کم عمر اور ناقص رواۃ کی روایات سے اجتناب کیا ہے۔آپ نے محض ان روایات کو جمع کیا۔ جن کے راوی ثقہ اور عادل تھے۔موسیٰ بن عقبہ کے مغازی کی روایت ان کے بھتیجے اسماعیل کی مدت حیات تک شائع رہی واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں اس کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں۔لیکن اس وقت اس کا ایک حصہ ملا ہے جسے پروفیسر...... نے جرمنی ترجمے کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں شائع کر دیا تھا۔

موسی کی کتاب محدود معنوں میں مغازی پر مشتمل نہیں ہے۔ابن سعد کی تیسری اور چوتھی جلد کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ کی کتاب میں حبشہ کو ہجرت کرنے والوں کی فہرستیں بھی شامل تھیں۔ اسی طرح العقبہ کی دونوں بیعتوں میں حصہ لینے والوں کی فہرست بھی اس میں موجود تھی۔اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جنگ بدر میں لڑنے والوں کی تفصیل بھی اس کتاب میں دی گئی تھی۔اس ضمن میں امام مالک کا قول ہے۔

"من كان في كتاب موسىٰ قد شهد بدر افقد شهد ها' و من لم يكن فيه فلم يشهدها"(۲۲)

"موسیٰ کی کتاب یں جس شخص کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ وہ بدر میں موجود تھا وہ ضرور تھا اور جس کا نام اس میں نہیں ہے وہ وہاں نہیں تھا۔"

موسی بن عقبہ اسناد کا التزام کرتے ہیں۔ اور ان کے جو اقتباسات محفوظ ہیں۔ ان میں شاید ہی کہیں کوئی سند محذوف ہوئی ہو مگر ان اسناد سے یہ اندازہ ہونا بہت مشکل ہے کہ موسیٰ نے ان میں کتنا مواد کتابوں سے لیا ہے۔"(۲۳)

موسیٰ کی کتاب میں تاریخی ترتیب سے لکھے ہوئے واقعات بھی ملتے ہیں۔

یحییٰ بن معین کا قول ہے:

"كتاب موسى بن عقبه عن الزهرى اصح الكتب"(۲۴)

"موسیٰ بن عقبہ کی کتاب زہری کی روایت سے سب سے صحیح کتاب ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

"عليكم بمغازى موسىٰ' فانه ثقة"(۲۵)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

"و عند موسىٰ بن عقبه في المغازى و هى اصح ما صنف فى ذالک عند الجماعة"(۲۶)

"حافظ ابن حجر کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب ان کے دور تک محفوظ اور

۲۲۔ حافظ ابن حجر۔ فتح الباری۔ ج۷۔ ص ۳۶۱

۲۳۔ ابن سعد۔ ج۵۔ ص ۲۱۶

۲۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج۱۔ ص ۱۴۰

۲۵۔ فتح الباری۔ ج۸۔ ص ۱۲

۲۶۔ فتح الباری۔ ج۸۔ ص ۱۲

متداول تھی۔''

محمد بن اسحاق مدنی:

امام زہری کے تلامذہ کی صف میں تیسری شخصیت محمد بن اسحاق کی ہے۔جن کی تالیف کتاب المغازی نے ان کے تمام ہم عصر اور بیشتر وعلماء کی شہرت کو ماند کر دیا ہے ان کی تالیف سیرۃ کے موضوع پر پہلی تحریر ہے جو اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک مکمل اور صحیح کتاب کی صورت میں ملی ہے۔

ابو بکر محمد بن اسحاق بن یسار (م۔۱۵۱) مدینہ میں رہے آپ کے شیوخ کی فہرست بہت طویل ہے،جن میں ابان بن عثمان' محمد بن شہاب زہری' عاصم بن قتادہ انصاری' یعقوب بن عقبہ ثقفی' سعد بن ابراہیم اور ہشام بن عروہ مغازی کے امام اور مصنف ہیں۔علی بن عبدالمہدی کا قول ہے کہ اہل مدینہ کی روایات کا مدار محمد بن شہاب زہری کے بعد مالک بن انس اور محمد بن اسحاق پر ہے۔''(۲۷)

ابن اسحاق نے مغازی پر شروع ہی سے خاصی توجہ دی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں مغازی حفظ کر لیا تھا بعد میں بھول گیا تو دوبارہ یاد کر لیا۔علم المغازی میں ان کی جامعیت اور شہرت کا حال یہ تھا کہ ان کے شیخ امام زہری سے ان کی مغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو استاد نے اپنے شاگرد کے بارے میں یہ شہادت دی:'' **هو اعلم الناس بها**''(۲۸)

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر سے مغازی کی جو روایات بیان کی ہیں امام زہری ان کو بڑے اطمینان سے لیا کرتے تھے۔امام احمد ابن اسحاق کے بارے میں کہتے تھے کہ مغازی کی روایات ان سے اخذ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں:۔

'' من اراد ان یشرف فی علم المغازی' فهو عیال علی محمد بن اسحاق.''(۲۹)

سیرت ابن اسحاق کے نام سے (۱۴۰۱ھ) میں ترکی سے شائع کیا ہے:۔

۲۷۔ کتاب العدل ، ص ۳۴

۲۸۔ تاریخ بغداد ، ج ۱ ، ص ۲۱۹

۲۹۔ تاریخ بغداد ، ج ۱۳ ، ص ۴۲۸

ابومعشر السندی:

ابومعشر یحییٰ بن عبدالرحمان السندی (م ۱۷۰ھ) ابن اسحاق کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابو معشر مدینہ کے فقہاء ومحدثین میں خاص مقام ومرتبہ کے مالک تھے۔ مگران کی شہرت سیر ومغازی کے علاوہ مصنف کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ فن مغازی میں ان کے شیخ ہشام بن عروہ اورشاگرد واقدی ہیں۔

ابومعشر نے مغازی کا زیادہ حصہ علماء مدینہ کی مجالس میں ان سے سن کر یاد کرلیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے محمد بن ابومعشر سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے مغازی کیسے یاد کی؟ انہوں نے بتایا: ''تابعین حضرات ان کے شیخ کے پاس بیٹھ کر مغازی کا تذکرہ کرتے تھے اور والد یاد کرلیا کرتے تھے۔''

ابن اسحاق کی طرح ابومعشر نے بھی بغداد میں کتاب لکھی ۔ ابوجعفر منصور نے مہدی کیلئے ابن اسحاق سے کتاب المغازی لکھنے کی فرمائش کی اور خود مہدی نے ابومعشر کو اپنے یہاں بلا کر کتاب المغازی لکھنے میں تفصیلات فراہم کیں۔ ابومعشر کے شاگرد واقدی کو خلیفہ ہارون رشید مدینہ سے بغداد لے گیا تھا۔ اورانہوں نے وہیں ابومعشر کی بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ان کی کتاب کے راوی محمد بن ابومعشر سندی بغدادی ہیں۔ جو ان کے ساتھ مدینہ سے بغداد گئے تھے۔ اور محمد بن ابومعشر سے ان کے صاحبزادے ابوسلیمان داؤد بغدادی نے اس کتاب کی روایت کی۔ اور ان سے قاضی احمد بن کامل نے روایت کی۔ خطیب نے داؤد محمد بن ابومعشر کے حال میں لکھا ہے:

''لـه عن ابیه' عن ابی معشر کتب المغازی'' رواه عنه احمدبن کامل القاضی'' (۳۰)

''ابومعشر کی کتاب کے ساتھ بھی اہل علم نے اعتناء کیا۔ اور وہ مدتوں ان میں متداول رہی۔ فتح الباری میں بھی جابجا اس کے حوالے سے روایات موجود ہیں۔''

۳۰۔ تاریخ بغداد. ج ۱۳. ص ۴۲۸

محمد بن عمر واقدی مدنی (م۔۲۰۷ھ):

ابو معشر کی طرح محمد بن عمر واقدی کا تعلق بھی مدینہ سے رہا۔ واقدی نے ابن جریج ' اوزاعی' ابن ابی کعب' مالک بن انس' سفیان ثوری' ربیعہ ورائی' ابو معشر سندی اور محمد بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی۔

ان سے ان کے تلمیذ خاص اور کاتب محمد بن سعد' ابو حسان زیادی محمد بن اسحاق اور ابو بکر بن شیبہ وغیرہ نے استفادہ کیا۔

بغداد جانے سے پہلے واقدی مدینہ میں مسجد نبوی میں باقاعدہ مغازی کا درس دیتے تھے۔ یوسف بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ واقدی مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں۔ پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو کہا کہ "جز من المغازی" یعنی مغازی کے ایک حصہ کا۔" (۳۱)

واقدی ۱۸۰ھ میں بغداد گئے جہاں ان کو بڑی شان وشوکت کی زندگی ملی۔ بغداد کے قاضی بنائے گئے۔ انہوں نے کتاب المغازی کہاں لکھی۔ اس کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تدوین مدینہ میں ہوئی۔ درمیان میں کچھ دنوں شام میں بھی رہے ہیں۔

واقدی کے یہاں دو آدمی ان کی کتابیں لکھنے اور نقل کرنے پر مقرر تھے۔ وفات کے بعد چھ سو بنڈل کتابوں کے چھوڑے۔ ہر بنڈل میں دو آدمیوں کے بوجھ بھر کتابیں تھیں۔

واقدی کی کتاب المغازی ہر دور میں علماء کے نزدیک معتبر رہی ہے۔ اور انہوں نے کتب حدیث کی طرح اس کی سماعت و روایت کی ہے۔ محمد بن عباس بغدادی (م۳۸۲ھ) نے بڑی بڑی کتابوں کی روایت کی ہے جن میں ابن سعد کی کتاب الطبقات، مغازی واقدی اور مغازی سعید اموی بھی شامل ہے۔ (۳۲)

واقدی کی کتاب تین بار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار ایشیاء ٹک سوسائٹی کلکتہ سے ۱۸۵۵ھ میں شائع ہوئی۔ دوسری بار مصر سے شائع ہوئی۔ اور تیسری بار ۱۹۶۴ء میں دار المعارف قاہرہ سے ڈاکٹر مارسدن جونس

۳۱۔ تاریخ بغداد. ج۳. ص۵

۳۲۔ الانساب. ج۵. ص۱۱۰

کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

محمد بن سعد بصری بغدادی:

ابوعبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) واقدی کے شاگرد رشید اور کاتب الواقدی کے لقب سے مشہور ہیں۔ حدیث وفقہ، سیر ومغازی، تاریخ، اخبار واحادیث کے ثقہ امام ہیں۔ ان کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ کی حدود میں ہوئی۔ خطیب نے لکھا ہے کہ محمد بن سعد اہل علم وفضل میں سے ہیں۔ انہوں نے صحابہ وتابعین اور اپنے زمانہ تک کے **طبقات میں** بہت بڑی کتاب تصنیف کی ہے۔ (۳۳)

طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت اور مغازی کے بیان میں ہیں۔ ابتدائی جلد میں سیر و مغازی کے اپنے شیوخ کے نام دیئے ہیں۔ محمد بن عمر واقدی، عمر بن عثمان، موسیٰ بن محمد، محمد بن عبداللہ، موسی بن یعقوب سے لے کر محمد صالح تمار تک تمام شیوخ کی فہرست دی ہے جن سے ابن سعد نے براہ راست روایت کی ہے ان کے علاوہ محمد بن اسحٰق، موسی بن عقبہ، ابومعشر سندی سے اپنے سلسلہ سند سے روایت کی ہے۔ اور اپنے استاد واقدی کی طرح ان سب کی روایات کو یکجا کر کے کتاب المغازی مرتب کی ہے۔ جو الطبقات الکبری میں شامل ہے۔ یہ کتاب یورپ اور بیروت میں آٹھ جلدوں میں چھپی ہے۔ پروفیسر زخاؤ (Sachou) نے ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس کو ایڈٹ کیا ہے۔ اس کتاب کے راوی حسین بن محمد بغدادی (م ۲۸۹ھ) ہیں۔ علماء کے نزدیک نہایت مستند اور معتبر ماخذ ہے۔

کتاب المغازی، عبدالملک بن ہشام:

سیرت ابن ہشام:

ابومحمد عبدالملک بن ہشام بصری (۲۱۸ھ) کا وطن بصرہ ہے۔ مگر مصر میں مستقل طور سے آباد ہو کر وہیں ۲۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخ سیر ومغازی، انساب، ادب اور نحو کے مشہور عالم **ومصنف** تھے۔ انہوں نے محمد بن اسحاق کے شاگرد رشید زیاد بن عبداللہ کوفی کی ابن اسحاق سے روایت کردہ **کتاب المغازی** کو اصل قرار دے کر اس میں حک واضافہ کیا اور اس کی تنقیح کی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

۳۳۔ تاریخ بغداد. ج۵. ص ۱۲۱

''ابو محمد عبدالملک بن ہشام صاحب المغازی ہیں۔جنہوں نے کتاب السیرۃ کو بہترین انداز میں مرتب کیا اور اس کو ابن اسحاق کے شاگرد بکائی سے نقل کیا''۔(۳۴)

ابن خلکان کہتے ہیں:

یہی ابن ہشام ہیں۔جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی وسیر مصنف ابن اسحاق کو جمع کر کے اس کو مہذب کیا۔اور اس کی تلخیص کی جس کی شرح سہیلی نے کی ہے۔اور یہی کتاب سیرت ابن ہشام کے نام سے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔(۳۵)

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ان شاء اللہ میں اس کتاب کی ابتداء حضرت اسماعیل اور ان کی صلبی اولاد کے ذکر سے کروں گا۔جن میں نہ رسول اللہ کا ذکر ہے اور نہ قرآن میں ان کے متعلق کچھ نازل ہوا ہے نہ انکے ذکر کی کوئی وجہ ہے۔اور نہ ہی ان میں کسی واقعہ کی شہادت ہے۔ابن اسحاق کی کتاب کے ایسے اشعار کو بھی چھوڑ دوں گا۔جن سے میری تحقیق میں اہل علم ناواقف ہیں۔نیز ایسی باتوں کا ذکر چھوڑ دوں گا۔جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔اور بعض لوگوں کو ناگواری کا باعث ہیں۔اور بکائی کی روایت سے ان کا ثبوت نہیں ہے۔ان کے علاوہ سب باتیں مفصل بیان کروں گا۔

سیرت ابن ہشام کی روایت اس کے مصنف سے ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مصری نے کی ہے۔ابن ہشام کی تصنیفات میں ایک کتاب شاہان حمیر انساب میں ہے اور ایک کتاب سیرت سے متعلق اشعار کی شرح میں ہے مگر جو مقبولیت وشہرت سیرت ابن ہشام کو حاصل ہوئی کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی۔

ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمرو سہیلی اندلسی (م ۵۸۱ھ) نے الروض الانف کے نام سے سیرت ابن ہشام کی بہترین ضخیم شرح لکھی ہے اور ایک سو بیس سے زائد کتابوں سے اس کو مکمل کیا ہے۔

۳۴۔ العبر۔ ص ۳۷۴

۳۵۔ وفیات الاعیان۔ ج ۱۔ص ۳۱۵

”فن سیرت نگاری کا اجمالی جائزہ“

* ڈاکٹر محمد اکرم رانا

فن حدیث کی طرح فن سیرت نگاری بھی روایت اور درایت کے اصولوں کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فن حدیث اور فن سیرت کی تدوین ہوئی تو روایت اور درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق کا کام لیا گیا۔ سیرت نگاروں نے تحقیقی اعتبار سے فن سیرت کا ایسا معیار قائم کیا جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ مشہور مستشرق اسپرنگر ”اصابہ“ کے دیباچہ میں لکھتا ہے: ”نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو“۔(۱) یہ فن اصول روایت کہلایا۔

حکیم عبدالرؤف داناپوری نے اصول درایت کے طور پر یہ رائے دی کہ سیرت نگار کو سیرت سے پوری واقفیت ہونی چاہیے، وہ رسول اللہ ﷺ کے وقت کے واقعات وحالات پر گہری نظر رکھتا ہو۔ شبلی نعمانی نے سیرت نگاری میں احتیاط کے لئے محدثین کے مسلم فن درایت کی بنیاد پر گیارہ اصول مرتب کئے ہیں۔ جن کا سیرت نگار کو خیال رکھنا چاہئے۔(۲)

جہاں تک سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماخذ ومنابع کا تعلق ہے ان میں قرآن مجید، کتب احادیث، کتب مغازی وسیر، کتب تاریخ، کتب تفاسیر، کتب اسماء الرجال، کتب شمائل، کتب دلائل النبوۃ کتب آثار واخبار اور معاصرانہ شاعری شامل ہیں۔(۳)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے۔ جس کو ختم کرنا ناممکن

---

* شعبہ اسلامیات، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

۱۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، مطبع سعیدی، قرآن محل، کراچی س ن، ج ۱، (مقدمہ: ذیلی حاشیہ، ص 8-10)

۲۔ مقدمہ سیرۃ النبی ﷺ از شبلی، ص 83 دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ ”علم سیرۃ“ ڈاکٹر سید عبداللہ، ج 11، ص 175

۳۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور 1989ء، ص 40

ہے لیکن بقول مارگولیتھ اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے ۔(۴) تصنیف وتالیف سیرت کا سلسلہ یقیناً طویل ہے۔تاہم مثالی سیرت نگاری کے نمونے کم ملتے ہیں ۔اس مضمون میں قدیم اور جدید ہر دوادوار کے ایسے جید نسخوں کا تعارف کرایا جائے گا جو باقی سیرت نگاروں کے لئے بطور ماخذ مستعمل ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔سیرت نبوی ﷺ پر اس قدر کتابیں معرض وجود میں آ چکی ہیں ۔جو نہ صرف مسلمانوں نے تحریر کی ہیں بلکہ غیر مسلموں بشمول ہندوؤں نے بھی اس فن پر قلم اٹھایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی تعلیمات نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔اسلام نے صرف چند سالوں میں حجاز کی سرزمین سے نکل کر مشرق ومغرب میں اپنے پیغام کو عام کر دیا۔جس کے نتیجہ میں اہل اسلام نے اپنے ہادی برحق کے احوال واقوال کو اس احتیاط اور تفصیل سے محفوظ کیا کہ بقول مولانا شبلی اس کی زبان کا ایک ایک حرف ،اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادااور اس کے حلیہ وجود کے ایک ایک خدوخال کا عکس لے لیا ہے۔(۵)

بانی اسلام کی زندگی اور ان کے مشن کے ہر شعبہ کے متعلق اس قدر کثیر اور وافر مواد موجود ہے کہ ایک مورخ یا سیرت نگار انگشت بدنداں ہوکر رہ جاتا ہے ۔وہ اس بات کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہے کہ کن کتابوں کو اپنی تحقیق کا مآخذ بنائے ۔فن سیرت ،فن مغازی ،فن تفسیر اور فن حدیث میں مسلمانوں نے کمال درجہ تک مہارت حاصل کی ۔سینوں سے ارشادات رسول ﷺ اور تاریخی روایات منتقل ہوکر جمع وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔سیرت کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ (عہد صحابہ) کے بعد خلافت بنوامیہ کے زمانہ میں ہوا۔پھر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا۔یہاں تک کہ اسے عروج وارتقاء خلافت عباسیہ بغداد کے عہد میں حاصل ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی فرمائش پر اسلامی روایات کا ذخیرہ کاغذات پر منتقل کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے سب سے بڑے عالم امام محمد بن مسلم شہاب الزہری (م۱۲۴ھ) کے کندھے پر ڈالی

۴۔ مارگولیتھ،Muhammad and the Rise of Islam،لندن،1905،ص3

۵۔ شبلی نعمانی،سیرۃ النبی ﷺ،مقدمہ

گئی۔(۶) ایک روایت کے مطابق اموی حکمرانوں کی فرمائش پر انہوں نے سیرت اور مغازی پر مستقل تصانیف چھوڑیں۔تاہم یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ایک بات جو مکمل دیانت داری کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ فن مغازی پر سب سے بڑا نام موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کا ہے۔آپ کی تحریر کردہ کتاب المغازی اہل علم کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔جس کے حوالے واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں موجود ہیں۔تاہم یہ کتاب بھی زہری کی کتاب کی طرح زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی۔تاہم ابتدائی سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان، عروۃ بن الزبیر، وھب بن منبہ، عاصم بن عمر، شرحبیل بن سعد، عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کے نام بھی لئے جاسکتے ہیں۔(۷)

فن سیرت میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر آپ نے سیرت کی کتاب تحریر کی۔ابن اسحاق کی سیرت میں معلومات کی فراوانی تھی اس لحاظ سے اسے جامع اور مفصل سیرت کی کتاب کہا گیا۔دراصل یہ ہی وہ کتاب ہے جس پر بعد میں آنے والے مورخین اور مصنفین نے اعتماد کیا اور اسے ماخذ اولین قرار دیا کیونکہ اس سے پہلے کے نوشتے ناپید ہو چکے تھے۔ابن خلدون اور امام طبری جیسے فاضل محققین بھی اس کتاب سے حوالے دیتے نظر آتے ہیں۔ساتویں صدی ہجری تک یہ تالیف محفوظ رہنے کے باوجود اصل حالت میں ہم تک نہ پہنچ سکی۔تاہم ڈاکٹر حمید اللہ جو کہ اسلامی علوم وفنون کے مستند سکالر ہیں اس کتاب کے کچھ صفحات محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قدرت نے ابن اسحاق کی سیرت کو محفوظ کرنے کا بہترین بندوبست کیا۔سیرت ابن ہشام (م 213ھ) کی شکل میں یہ کتاب تلخیص کی صورت میں آج ہمارے پاس محفوظ ہے۔اس کتاب کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ ابن اسحاق کی اصل کتاب کو بھول گئے۔سیرت ابن ہشام اصل عربی میں جرمن مستشرق وسٹن فیڈ (Wusten Feid) کے ہاتھوں شائع ہوئی۔اب اس کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، رسول اکرم ﷺ کے سیرت نگار، مجلّہ فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد، ص 89

۷۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 92-107

انگریزی زبان میں سب سے بہترین ترجمہ پروفیسر گیوم (Galume) نے کیا اور جرمن زبان میں پروفیسر وائل (Weil) نے اسے شائع کیا۔ اردو زبان میں اس کے تراجم جو ہوئے ہیں ان میں مولوی محمد انشاء اللہ اور مولوی محمد حلیم انصاری نے 1914ء میں مکمل کیا۔ دوسرا ترجمہ یاسین علی نے 1915 میں شائع کرایا۔ ایک اور ترجمہ مولوی قطب الدین احمد صاحب کا ہے جو حیدرآباد دکن سے 1948ء میں منظر عام پر آیا۔ ابن الوقشی (م 489ھ) جن کا نام ہشام بن احمد بن ہشام بن خالد ہے نے بڑی مہارت اور اتقان کے ساتھ سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی جس کا نام ''تنبیہات ابن الوقشی'' رکھا۔ ابن الوقشی معتزلہ سے متاثر تھے۔ تاہم ان کی سیرت نگارانہ سرگرمیوں سے کسی کو انکار نہیں۔ (۸)

سیرت ابن ہشام کی بہترین شرح ابوالقاسم عبدالرحمان سہیلی (م 581ھ) کی ''الروض الانف'' کے نام سے ہے۔ موجودہ دور میں جو مصنف بھی سیرت پر قلم اٹھانے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ اس شرح سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک سو بیس کتابوں کا یہ نچوڑ ہے۔ یہ کتاب جامع اور محققانہ ہے۔ علم وادب، اسماء الرجال وانساب اور فقہی ونحوی معلومات کا خزانہ ہے۔ (۹)

متقدمین میں ایک نام محمد بن عمر واقدی (207ھ) کا ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی شہرت میں کسی کتاب سے کم نہیں۔ یہ ابن اسحاق کی سیرت کی طرح مفصل، مبسوط اور جامع ہے۔ امام طبری اور ابن سعد نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ جس سے جرمن مستشرق ویلہاؤزن (Welhausen) نے اس کا جرمن میں ترجمہ کیا۔ مسٹر جونز (Jones) نے 1964ء میں ایڈٹ کر کے سیرت نگاروں میں اپنا نام محفوظ کر لیا۔ اس کتاب کی قسمت یہ ہے کہ ہمیشہ Controversial رہی ہے۔ یورپین سیرت نگار اس کتاب پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

واقدی کے شاگرد محمد بن سعد (230ھ) کی طبقات ابن سعد کو علمی حلقوں میں کون نہیں جانتا۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا دائرہ کار سیرت نبوی ﷺ سے بڑھا کر صحابہ کرام اور تابعین تک کر دیا۔ تاہم اپنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں سیرت رسول ﷺ کا بیان کیا۔ جس میں اپنے استاد سے استفادہ کیا۔ یہ کتاب

۸۔ ڈاکٹر نثار احمد، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، فکر ونظر (سپین نمبر) 199ء، ص 147

۹۔ السہیلی، الروض الانف، مطبع الجمالیہ، مصر 1914ء، ص3

پروفیسر زخاؤ (Sachou) نے 8 جلدوں میں ایڈٹ کی۔ پہلی دو جلدوں میں سیرت کا بیان ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے۔ جو عبداللہ العمادی نے 1944ء میں کیا۔ اس کے علاوہ انساب الاشراف کے نام سے علامہ بلاذری کی تصنیف اہل علم کے ہاں بہت ہی مقبول اور متداول ہے۔ آنحضور ﷺ کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ انہوں نے چندنئی روایات کو بھی اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ یہ کتاب بھی سیرت نبوی ﷺ کے بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اس کتاب کو ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

تاریخ اسلام اور سیرت پر ایک اور مستند کتاب امام محمد بن جریر طبری (310 ھ) کی ہے۔ اس کتاب کی جتنی خوبیاں گنوائی جائیں کم ہیں امام طبری سیرت، تفسیر اور تاریخ کے امام تصور ہوتے ہیں انہوں نے ساری عمر دین کیلئے وقف کی۔ سیرت نبوی ﷺ پر ایک ضخیم حصہ مدون کیا۔ یہ کتاب اردو میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔ اس کے مترجم سید محمد ابراہیم ندوی تھے۔

اندلس کے سیرت نگاروں کے بارے میں اگر تفصیلات مرتب کی جائیں تو ابن عبدالبر (م 463 ھ) کا نام لئے بغیر چارہ نہیں۔ حصول علم میں انہوں نے ایسی مہارت حاصل کی کہ اپنے پیش رو اندلسی علماء پر فوقیت حاصل کر لی۔ ان کی عظمت کی گواہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ وہ عالم فقیہ، محدث ہونے کے علاوہ سیرت نگاران اندلس کے بہترین نمائندہ اور مروج سیرت نگاری کی دلیل اعظم ہیں۔ (۱۰) انہوں نے سیرت پر ایک مکمل وجامع تصنیف چھوڑی۔ جس کا نام "**الدرر فی اختصار المغازی والسیر**" ہے۔ مصری عالم ڈاکٹر شوقی نے اس کو شائع کیا۔ ابن عبدالبر اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ "میں نے نبی ﷺ کی بعثت عہد رسالت کے ابتدائی حالات، غزوات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے"۔ بقول شوقی انہوں نے سیرت پر ایک مختصر تصنیف پیش کی ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث پائے جاتے ہیں تو انہیں خیال ہوا کہ وہ صرف آبدار موتیوں کو چن لیں۔ ان کی کتاب کی قدر و قیمت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ اندلسی عالم ابن حزم نے بھی اپنی کتاب "

۱۰۔ ڈاکٹر نثار احمد، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، ص 143

جوامع السیر ''میں کچھ روشنی'' الدرر'' سے حاصل کی ہے۔

افریقی سیرت نگاروں میں قاضی عیاض کا نام ''کتاب الشفاء'' کی بدولت سیرت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ قاضی صاحب نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاق، معجزات اور کرامات کو ایسے طریقہ سے بیان کیا کہ ان کی والہانہ عقیدت و محبت نکھر کر سامنے آ گئی۔ ایسی وارفتگی پہلے کسی کتاب میں نہ دیکھی گئی۔ یہ کتاب مصر، ترکی اور ہندوستان سے متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی شروحات بھی بے شمار ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون کے پانچ صفحات پر مشتمل تفصیل فراہم کی ہے۔ بقول ابن فرحون یہ کتاب اپنی انفرادیت کے سبب مشرق و مغرب میں مقبول عام ٹھہری ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''شمیم الریاض '' کے نام سے محمد اسمعیل کاندھلوی نے کیا۔ دوسرا ترجمہ نذیر احمد جعفری نے کیا ایک اور ترجمہ احمد علی شاہ نے لاہور میں 1914ء میں کیا۔

سیرت پر ابوالفتح ابن سید الناس (671ھ) کا ذکر تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی سیرت کی کتاب فصاحت کا اعلیٰ نمونہ ہے ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کا طرز بیان محدثین جیسا ہے نہ کہ مورخین جیسا۔ معتبر اور مستند روایات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی مدح میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ علامہ ابن عبدالبر کی کتاب ''الدرر'' ہے۔ ابن قیم الجوزیہ (م751ھ) کی ''زادالمعاد'' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات بیان کر کے فقہی احکامات متعارف کراتی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کتاب سیرت نبوی ﷺ پر عمل کرنے پر ابھارتی ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ 1924ء لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

فن سیرت اور فن حدیث کے امام ابو العباس احمد بن محمد شہاب الدین قسطلانی (م923ء) کی کتاب ''المواهب اللدنية'' بڑی مشہور ہوئی۔ علمی حلقوں میں یہ کتاب مقبولیت کی حدوں کو چھو چکی ہے۔ اس کی مقبولیت کا ثبوت یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی کئی شروحات لکھی گئیں۔ جن میں زرقانی کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالجبار خان آصفی نے کیا۔

سیرت کی ایک اور مشہور کتاب ''سیرت حلبیة '' کے نام سے مشہور ہے۔مؤلف کا نام علامہ علی بن برہان الدین حلبی (م1044ء) ہے۔اس کتاب کے مآ خذ دو ہیں۔ایک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ ابن سیدالناس کی کتاب ''عیون الاثر فی فنون السیر '' ہے۔دوسری سیرت الشامی کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل بھی شامل کئے ہیں جن کا تعلق عقائد یعنی علم الکلام اور اصول الدین سے ہے۔دوسرا امبادات یعنی فقہ سے متعلق ہے۔

مصری سکالر محمد حسین ہیکل شبلی کی طرز کے مصنف ہیں ۔انہوں نے جدید زمانے میں پیش پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے۔اپنے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ان کی سیرت لکھنے کا مقصد مسیحی سوانح نگاروں کے الزامات کا جواب دینا ہے۔دوسرا آنحضرت ﷺ کو عہد حاضر کے مسلمانوں کے لئے بھی بطور نمونہ پیش کرنا ہے۔(۱۱)

ہیکل کی لکھی ہوئی سیرت مشرق ومغرب میں از حد مقبول ہے۔موجودہ دور کے سیرت نگاروں کے لئے اہم مآ خذ ہے۔اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے تراجم سامنے آ چکے ہیں۔انگریزی زبان میں اس کا بہترین ترجمہ اسماعیل راجی الفاروقی نے کیا ہے۔اردو میں اس کا ترجمہ ابویحییٰ محمد امام خان نوشہروی نے کیا۔مقدمہ کا ترجمہ محمد حسین رضی نے 1940ء میں ''مقدمہ زندگی محمد ﷺ'' کے نام سے کیا۔مصر کے ایک اور سیرت نگار توفیق الحکیم ہیں۔ان کی کتاب ''محمد صلعم'' ادبی شاہکار ہے۔اس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی نے کیا۔

یورپی سوانح نگاروں نے بھی حضور ﷺ کی سیرت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ان میں منٹگمری واٹ کی کتابوں ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایٹ مکہ'' اور ''محمد ﷺ ایٹ مدینہ'' کو کافی اہمیت حاصل ہوئی ۔ پروفیسر موصوف نے کوشش کی ہے کہ آزادانہ طرز اختیار کریں تا کہ انکی کتاب Controversial نہ بن سکے۔ اس لئے وہ ایک طرف مسیحی برادری کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وہ اپنی تحقیق میں تعصب کو چھوڑ دیں ۔دوسری طرف مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یورپی مستشرقین کی ہر کتاب پر شک وشبہ کا سوال نہ اٹھائیں ۔اس کے علاوہ

۱۱۔ محمد حسین ہیکل، The Life of Muhammad، اسلامی بک ٹرسٹ کوالالمپور، 1993ء

سیرت پر انگریزی زبان میں بے شمار کام ہوا ہے۔ نہ صرف انگریزی بلکہ جرمن، فرانسیسی اور دیگر زبانوں میں بھی آنحضرت ﷺ کی زندگی محفوظ ہو چکی ہے۔

جب ہم برصغیر میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری سب سے پہلی نظر سرسید احمد خان پر پڑتی ہے۔ سرسید احمد خان کا شمار برصغیر کے ان مشہور سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا۔ سرسید احمد خان نے سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' کے جواب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''خطبات احمدیہ'' تحریر کی۔ جس کو اردو زبان میں سیرت کی پہلی تصنیف کہا جانا چاہیئے۔

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ A series of Essays on the life of Mohammad کے عنوان سے 1870ء میں لندن سے شائع ہوا۔

سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' چار جلدوں میں 1861ء میں شائع ہوئی۔ یوں تو سر ولیم میور سے قبل بھی عیسائی مصنفین کا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معاندانہ رویہ شروع تھا لیکن ولیم میور نے خود مسلمان مصنفین کی کتابوں کے حوالے دے کر نبی پاک ﷺ کی تنقیص کی۔ سرسید احمد کہتے ہیں یہ بات بہت ''خطرناک'' تھی۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی سرسید اس کتاب کا جواب دینے کے لئے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ (۱۲)

سرسید نے ''خطبات احمدیہ'' لکھ کر فن سیرت نگاری کے جن اصولوں کی بنیاد رکھی وہ قابل ذکر ہیں:

1۔ سیرت کے ماخذ کی تنقید اور چھان بین۔
2۔ مغربی مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ۔
3۔ انجیل سے قرآنی صداقت کے ثبوت۔
4۔ عرب کے جغرافیائی اور نسلی واقعات کی تحقیق۔
5۔ اسلام کی تمدنی حیثیت کا مطالعہ۔

۱۲۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور 1971ء، ص 426

''خطبات احمدیہ'' موضوع اور اسلوب ہر دو اعتبار سے اپنی پیش رو کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور مدعا نویسی سرسید کی تحریر کی خصوصیات ہیں۔ سرسید سلاست اور روانی کو بہت پسند کرتے تھے۔ سرولیم میور کے جواب میں ان کا انداز عالمانہ اور سنجیدہ رہا نہ کہ معاندانہ، مخاصمانہ یامناظرانہ۔

برصغیر میں خدمت سیرت کے سلسلہ میں ایک اور نام قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے۔ ان کی ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ شبلی کی سیرۃ النبی ﷺ کو چھوڑ کر کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ ان کی کتاب تین جلدوں پر مشتمل، روایات کی صحت، واقعات کی ترتیب، مطالعہ کی وسعت، نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے والہانہ لگاؤ کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ کی کتاب کے بارے ایک خوبصورت تبصرہ یہ ہے کہ ''مصنف نے اس کتاب کے صفحات پر دماغ کے ساتھ ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشق نبوی ﷺ اور حب انسانیت نمایاں ہے''۔ (۱۳)

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اشاعت کے بعد اسے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، جامعہ عباسیہ بہاولپور، ندوۃ العلماء لکھنو، دارالعلوم دیوبند، انجمن حمایت اسلام لاہور اور اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب اور دیگر اسلامی مدارس نے شامل نصاب کرلیا۔ (۱۴)

قاضی صاحب کی اس کتاب کی خصوصیات جو میرے ذوق مطالعہ کی وجہ بنی وہ ان کا عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دینا ہے۔ قاضی صاحب نے قرآن اور صاحب قرآن پر وارد اعتراضات کا جہاں جہاں سمجھا شافی جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قرآن کا یہودیوں اور عیسائیوں پر احسان ہے کہ اس نے انبیاء کی سچی شان دنیا پر ظاہر کی ورنہ انہوں نے تو اپنے انبیاء پر شرمناک الزامات وارد کئے تھے۔ قاضی صاحب کے نزدیک سیرت نگاری کا حقیقی مقصد حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجاگر کرنا ہے۔ کیونکہ

۱۳۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 501

۱۴۔ منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، مقدمہ، ص 8

آپ ﷺ محبوب خلائق، محبوب ملائک اور محبوب خدا ہیں۔تاہم جہاں تک اسلام کی حقانیت اور بانی اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے والی بات ہے۔اگر سرسید کی خطبات احمدیہ اور منصور پوری کی رحمۃ للعالمین کا تقابل کریں تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے۔

سرسید کی خطبات احمدیہ میں کارلائل، گبن، ڈیون پورٹ ، گاڈ فرے، ہگنز، ولیم میور، پادری فنڈر ،اسپرنگر، جارج سیل، پریڈو اور پوکاک کے ناموں کی تکرار ہے۔جبکہ رحمۃ للعالمین کے صفحے صفحے پر کتاب پیدائش، کتاب استثناء، کتاب یسعیاہ، کتاب خروج، کتاب تواریخ، کتاب سلاطین، انجیل لوقا، انجیل متی انجیل یوحنا، مکاشفات یوحنا، ملاکی نبی کی کتاب، یوسیاہ نبی کی کتاب کے نام دکھائی دیتے ہیں"۔(۱۵)

سیرت النبی ﷺ از شبلی کے ساتھ اگر اس کتاب کا تقابل کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور سیرت النبی ﷺ کا دماغ کے ساتھ۔(۱۶)

جدید دور کی بطور مآخذ مستعمل ہونے والی سیرت کی کتاب مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی ﷺ ہے۔شبلی کا مطالعہ جدید وقدیم ہر دو اصولوں کا متزاج ہے۔سیرۃ النبی ﷺ کا اہم کارنامہ ایک طرف یہ ہے کہ انہوں نے یورپی مصنفین کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات پر کاری ضرب لگائی۔دوسری طرف سیرت نگاری کے اور سیرت نگاروں کے لئے اصول مرتب کئے۔

شبلی نے اپنی سیرت کا ایسا مقدمہ تحریر کیا۔جس سے مغازی، سیرت، حدیث اور تاریخ کا فرق نکھر کر سامنے آ گیا۔شبلی نے غزوات، غلامی تعداد ازواج جیسے مسائل پر مغربی آراء کو بیان کر کے علمی اور اسلامی نقطہ نظر واضح کیا۔بقول ڈاکٹر سید عبداللہ شبلی وسلمان کی مرتب کردہ یہ سیرت ہمارے دینی ادبیات عالیہ میں بلند حیثیت کی مالک ہے۔اس میں حضور ﷺ کی لفظی شبیہہ بھی آ گئی ہے اور اسوۂ بھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہانی نہیں دین ہے اور یہی چیز اسے سیرت کی باقی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔(۱۷)

سیرت النبی ﷺ کی تالیف کے وقت مصنف ایک فرد واحد نہیں تھا۔بلکہ ایک ٹیم کا کپتان تھا۔

۱۵۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص525

۱۶۔ منصور پوری، مہر نبوت، ص4

۱۷۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، فن سیرت نگاری پر ایک نظر، فکر ونظر ادارہ تحقیقات اسلامی، 1976ء، ص13

اسے سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا آبادی، عبدالسلام ندوی، مولانا حمید الدین فراہی اور سید نواب علی اور بعض اوقات ابوالکلام آزاد جیسے نابغہ روزگار کی معاونت بھی حاصل رہی۔ اتنے افراد کی آراء اور ہمدردی سے جو تخلیق ہوگی وہ یقیناً ایک شاہکار ہوگی۔

شبلی کو سیرت سے جو محبت تھی وہ ان کی زندگی کے آخری الفاظ سے بھی ظاہر ہوتی ہے وہ سید سلیمان ندوی کو بلا کر کہتے ہیں۔ ''سیرت، سیرت، سیرت'' یعنی ''سب کام چھوڑ کے'' سیرت مکمل کرنا۔

سید سلیمان ندوی نے بستر مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا اسے انتہاء درجے کے احساس ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سید صاحب نے ''سیرۃ النبی ﷺ'' کو ایک زندہ جاوید کارنامہ، لازوال یادگار اور غیر فانی توشہ آخرت بنادیا۔ اس کی زبان اتنی بلند پایہ اور معیاری ہے کہ اردو ادب بہت ترقی کے باوجود اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

سیرت النبی ﷺ کے اگر صرف ماخذ ہی شمار کئے جائیں تو بذات خود ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنی عرق ریزی ہوئی ہوگی۔ ان کتابوں کی محض ورق گردانی کے لئے ہی ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کا اسلوب نہایت دلکش ہے۔ اس میں جن اصولوں کو روا رکھا گیا ہے۔ ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔ مولانا نے یورپین سیرت نگاروں کے افکار باطلہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ان کے تمام الزامات کی قلعی کھول دی۔ انہوں نے ولیم میور، مارگولیتھ اور ولہاوزن کے افکار پر ضرب کاری لگائی۔ آپ کی کتاب میں اس لحاظ سے عشق ومحبت کا وہی رنگ ہے جو خطبات احمدیہ میں پایا جاتا ہے۔

- شبلی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے۔ انہوں نے عربی سیرت نگاروں، مورخوں اور ارباب روایت کے بے بنیاد اور مشکوک بیانات کو بھی ہدف تنقید بنایا۔ انہوں نے ان محدثین پر افسوس کا اظہار کیا جنہوں نے قصہ غرانیق کی روایات کو بہ سند نقل کیا۔ (۱۸)

شبلی کی سیرت نگاری میں عصری افکار کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول سید عبداللہ شبلی اپنے

۱۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، ج 2، ص 241

پیشروؤں سے یکسر مختلف ہے۔ کیونکہ شبلی نے آپ ﷺ کی ذات کو روحانیت کامل اور پاکیزگی کا ارفع اور کامل نمونہ قرار دیا ہے۔(۱۹)

اس کتاب کی تکمیل میں سید سلیمان ندوی کا بھی اتنا ہی حصہ ہے۔ جتنا شبلی کا۔ جہاں شبلی کی شخصیت شوخ، گرم جوش، جذباتی اور نفاست پسند تھی۔ وہاں سلیمان ندوی سنجیدہ، بردبار، معتدل مزاج اور ٹھنڈے انسان تھے۔

اور یہی صفات ان کے اسلوب کا خاصہ بنیں۔ تصانیف میں شبلی کے انداز کو مشرقی اور سید صاحب کے انداز کو مغربی قرار دیا گیا ہے۔ شبلی والے حصے میں اگر حضور ﷺ کی لفظی شبیہہ کا بیان ہے تو سلمان والے حصے میں اسوہ حسنہ اور دینی احکام کی روح کا ذکر ہے۔ آخر میں یہ کہنا بجا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر یہ انسائیکلوپیڈیا ہے۔ بقول اختر وقار عظیم "آج تک سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محققانہ عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں لکھی گئی"۔(۲۰)

سید سلیمان ندوی کا ایک عمدہ شاہکار نبوت "خطبات مدراس" کے نام سے منصہ شہود پر آیا۔ آپ نے معروف زمانہ آٹھ خطبے 1925ء میں اسلامی تعلیمی انجمن میں دیئے اور 1926ء میں انہیں کتابی شکل دی۔

شاہ معین الدین ندوی کا تبصرہ اس کتاب کی قدر و قیمت میں چار چاند لگا دیتا ہے وہ لکھتے ہیں "یہ تنہا کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت وعظمت اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت کے لئے کافی ہے"۔(۲۱)

سیرت النبی ﷺ اور رحمتہ للعالمین کی شہرت ومقبولیت کے بعد اردو کی بیشتر کتب وہ درجہ ومرتبہ یقیناً نہ پاسکیں جوان کا حق تھا۔ تاہم عاشقان رسول ﷺ اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت سیرت کی کتابیں لکھ کر دیتے رہے اور دیتے رہیں گے۔ ان میں ایک نام مولانا محمد اشرف علی تھانوی کا بھی ہے اپنے

۱۹۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1994ء، ص 14

۲۰۔ اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، تصنیفات، لاہور، 1968ء، ص 139

۲۱۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 619

''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' لکھ کر ایک دفعہ پھر لوگوں کو گرما دیا۔ مصنف کی یہ خواہش تھی کہ ایسی کتاب ہو جو ہر گھر میں پڑھی جا سکے۔ جس سے ہر عام خاص، بچہ بوڑھا، عورت و مرد پڑھا ہوا ان پڑھ مستفید ہو سکے۔ اس کتاب کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ہر بیان کے بعد ایک نتیجہ نکالا گیا ہے یا کوئی نصیحت کی گئی ہے۔ جس سے سننے اور پڑھنے والے سیرت رسول ﷺ پر عمل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (۲۲)

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنی معلومات کو خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طریقہ پر بیان کرنا یا تحریر میں لانا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے۔ لیکن عشق کی آگ اور دل کا سوز و گداز وہ دولت ہے۔ جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے۔ جب وہ کمال اور یہ خداداد دولت کہیں جمع ہو جائیں اور دونوں مل کر کوئی تصویر تیار کریں تو جیسی کچھ تیار ہوگی ''النبی الخاتم'' از سید مناظر احسن گیلانی اس کی زندہ مثال ہے۔

مولانا منظور نعمانی کہتے ہیں: ''یہ کتاب اگرچہ سیرت پر لکھی گئی ہے جو تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن مصنف کا مقصد اس سے صرف سوانح نبویہ کی تدوین نہیں ہے .... بلکہ ان کا مطمع نظر اس سے تبلیغ اور دعوت الی الحق ہے''۔ (۲۳)

النبی الخاتم دراصل ایک طویل مقالہ ہے جو ایک کتاب کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسے ''دریا بکوزہ'' کی مثال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا انداز ایک جوشیلے خطیب کا ہے اس میں مکی زندگی کو دل کی زندگی اور مدنی زندگی کو دماغ کی زندگی کہا گیا ہے۔ (۲۴)

کلاسیکی انداز کی ایک اور ضخیم کتاب مشہور عالم دین اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفی ﷺ ہے اس کا انداز وہی ہے جو عربی کی دیگر کتب سیرت کا تھا۔ ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں۔ ''سیرت المصطفی ﷺ'' اپنی تکنیک، اسلوب بیان اور طرز فکر کے اعتبار سے ''اصح السیر'' حکیم عبدالرؤف دانا پوری سے خاصی مشابہت رکھتی ہے۔ حکیم صاحب اور مولانا ادریس نے غزوات نبوی صلی

۲۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی، حبیب خدا، مکتبہ عالیہ لاہور، 1978ء، مقدمہ

۲۳۔ سید مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم ﷺ، الفیصل غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، 1999ء، ص2

۲۴۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص639

اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں زیادہ اہمیت دی ہے۔دونوں کو فقہی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے دونوں نے اپنی اپنی تصانیف کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ پر رکھی ہے۔دونون اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔دونوں کو اس بارے کوئی دلچسپی نہیں کہ مغربی دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کن کن غلط فہمیوں کا شکار ہے''۔

مولانا کاندھلوی نے علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور علامہ زرقانی کی تقلید میں سیرت کے واقعات پر تبصرہ بھی کیا ہے اور موقع بہ موقع بعض لطیف حقائق و معارف کی طرف اشارے بھی کئے ہیں۔ جن سے سیرت کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ پرفتن دور میں ایسی کتاب سیرت کی اشد ضرورت ہے۔جسے پڑھ کر مسلمان آنحضرت ﷺ کے اسوہ مبارک کو مشعل راہ بنا سکیں۔

مولانا کا عاشقانہ روپ اور شان نبوت ﷺ پر فدا ہونا کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیتا ہے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سیرت کی یہ کتاب ان قارئین کے لئے از حد ضروری ہے جو عربی زبان سے آشنا نہیں لیکن عربی کتب پڑھنے کی آرزو اور خواہش رکھتے ہیں۔سیرت المصطفی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے۔(۲۵)

سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک اور کتاب مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کی ہے۔اس کتاب میں کم و بیش واقعات سیرت وہی ہیں جو دیگر کتب سیرت میں پائے جاتے ہیں۔بعض جگہوں پر سر ولیم میور کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی ملتے ہیں۔تاہم یہ کتاب ان روایات سے پرہیز کرتی ہے جو آنحضرت ﷺ کو فوق البشر ہستی بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ایک اور نادر کتاب مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہے۔جس کا نام ''محمد رشی'' ہے اس مصنف کی اس سے بھی بڑھ کر کتاب ''مقدس رسول ﷺ'' بہت بڑا رتبہ پا گئی۔کیونکہ یہ کتاب راجپال نامی ناشر کی کتاب ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔''رنگیلا رسول'' میں ذات رسول ﷺ پر شرمناک جملے کہے گئے ہیں۔مولانا نے ان جملوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

مولانا ثناء اللہ پیغمبر اسلام کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتے تھے۔ان کا قلم ہمیشہ شمشیر بے نیام تھا۔

۲۵۔ محمد ظہیر الدین، محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۱۷۹

سیرت نگاروں میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی نے نئے ڈھب سے کام کیا ہے۔اس کتاب میں بعض ایسے ابھرتے ہوئے مباحث پر قلم اُٹھایا ہے۔جو کم از کم اردو زبان کی سیرت کی کتب میں مفقود ہے اس کتاب میں جا بجا عارفانہ نکات اور سوز و درد کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔عقلی مباحث اور نفسیاتی نکتے بھی درج ہیں۔اس طرح ''پیغمبر انسانیت'' اپنی نوعیت کی ایک الگ کتاب ہے۔اسے جو باتیں دیگر کتب سیرت سے ممتاز کرتی ہیں اس میں حضور ﷺ کا انسانی اقدار کو ایک خاص انداز میں اجاگر کرنا ہے۔(۲۷)

آخری کتاب کا ذکر کرنے سے پہلے دو کتابوں کا ذکر نہ کیا گیا تو بات ادھوری رہ جائے گی۔یہ دو کتابیں نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''سیرت سرور عالم'' ہیں۔محسن انسانیت آنحضرت ﷺ کو بنی نوع انسان کے ایک ایسے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے جس نے دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کیا۔

سیرت سرور عالم آنحضرت ﷺ کی سیرت و کردار اور آپ ﷺ کے ابدی پیغام کو جس خوبصورت اور عالمانہ انداز میں پیش کرتی ہے اسکی مثال دور حاضر کی کتب سیرت میں کم ملتی ہے۔

اس دور کی نمایاں کتابوں میں مفتی محمد شفیع کی آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا طاہر القادری کی در یتیم، عبدالماجد دریا آبادی کی خطبات ماجدی، مولانا ابوالکلام آزاد کی رسول رحمت، ڈاکٹر نصیر ناصر کی پیغمبر اعظم وآخر سید اسعد گیلانی کی رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب، ڈاکٹر حمید اللہ کی عہد نبوی میں نظام حکمرانی اور پیر کرم شاہ الازہری کی ضیاء النبی ہیں۔

عصر حاضر میں ضیاء النبی جہاں اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے وہاں محبت رسول ﷺ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی ہے۔ضیاء النبی میں ابتدائی طور پر ایران، یونان، روم، مصر، ہندوستان، چین اور خطہ عرب کے ماحول اور معاشرتی خرابیوں کی عکاسی جس انداز میں کی گئی ہے۔اس کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

۲۶۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص666

۲۷۔ محمد جعفر شاہ پھلواری، محمد پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2 کلب روڈ لاہور، 1995ء

ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیر صاحب کی سیرت نگاری کی نبیاد محبت وعشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اسے تحقیق کے مسلمہ اصولوں کے مطابق لکھا گیا ہے۔اس سے فن تاریخ وسیرت نویسی کو حسن ملا ہے۔

یہ کتاب قدیم اور جدید ماخذ کا نچوڑ ہے۔نیز سیرت نگاری کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتی ہے۔یہ سیرت جہاں زمانی ترتیب کی حامل ہے وہاں شمائل واخلاق نبوی،موضوعاتی مطالعہ،ادب وانشاء کو اجاگر کرتی ہے۔نیز اس میں سیرت نگاری کے جمالیاتی وتجزیاتی اسلوب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔(۲۸)

آخر میں عرض مدعا یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ پر لکھنے والوں کا شمار ناممکن ہے۔دنیا کی لاتعداد زبانوں میں سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت،کردار،حیات وکمالات پر طبع آزمائی کی ہے۔جوکوئی اس ہستی کی خوبی بیان کرتا ہے وہ یقیناً اپنا نام تا قیامت زندہ کرلیتا ہے۔ہماری یہ کوشش رہی ہے۔کہ آج تک کی نمائندہ سیرت کی کتب کا اجمالی تعارف کرادیں۔لیکن یہ بات حتمی نہیں ہے کہ ہم نے سب کتابوں کا تعارف کرادیا ہے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیرت کی ہر وہ کتاب جس میں ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایک دفعہ آگیا وہ قابل بیان اور قابل تبصرہ ہے۔لیکن اس کارروائی میں یقیناً دفتر کے دفتر درکار ہیں اور یہ مقام اس بوجھ گراں کو اٹھائے کا چنداں متحمل نہیں ہوسکتا۔

۲۸۔ عبداللہ صالح،اردو ادب میں ضیاء النبی ﷺ کی منفرد خصوصیات،ضیائے حرم (ضیاء الامت نمبر) اپریل 1999ء،لاہور ص ۲۷۲

کتب طبقات، تاریخ اور اسماء الرجال میں سیرت نگاری کا منہج

* ڈاکٹر سہیل حسن

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين و بعد:

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا یہ اعجاز ہے کہ ہر زبان، ہر زمانے میں اور سیرت کے ہر پہلو پر کتابیں تصنیف کی گئیں ہیں، آپ کی سیرت کا ذکر قرآن کریم سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ان شاء اللہ

تاریخ سیرت نگاری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سلسلہ صحابہ کرام کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا اور صحابہ کرام میں ایسے حضرات کے نام ملتے ہیں جو کہ سیرت سے متعلقہ روایات بیان کرنے میں نمایاں تھے،ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت براء بن عازبؓ کے نام شامل ہیں۔(۱)

اور اس قدیم سیرت نگاری کی وجہ سے سیرت نبوی میں کسی قسم کی تحریف، مبالغہ اور اضافہ کی گنجائش کم سے کم ہو گئی ہے۔

سیرت کے اوّلین ابتدائی مصادر میں قرآن کریم، کتب حدیث، کتب دلائل وشمائل، کتب سیرت کتب تاریخ وطبقات اور کتب اسماء الرجال شامل ہیں۔

اور ضمنی مصادر میں کتب ادب، شعری دیوان، کتب تراجم اور کتب جغرافیہ سیرت کے مسائل

---

* صدر شعبہ علوم القرآن والحدیث، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۱۔ طبقات ابن سعد ۵/ ۲۹۲، مسند احمد ۳/ ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۴، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۲۲

سلجھانے میں ہماری مدد کرتی ہیں۔

قرآن کریم کے بعد کتب حدیث سیرت کا ایک اہم مصدر ہے اور بغور دیکھا جائے تو وہ تمام علوم جن کا دارو مدار نقل وروایت اور اسناد پر ہے حدیث نبوی ہی سے ظہور پذیر ہوئے' مثلاً: سیرت ومغازی تاریخ وطبقات اور تراجم وسوانح' یہاں تک کہ تفسیر قرآن اور قراءت سے متعلقہ علوم وفنون حدیث نبوی سے ہی پیدا ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی پاتے چلے گئے۔ ابتداء میں یہ سب علوم حدیث میں اس لئے شامل تھے کہ ان سب کو رواۃ وحفاظ کے حافظہ میں **جگہ ملی تھی**' **رفتہ رفتہ** یہ جزوی علوم اپنے نام اور موضوعات کے اعتبار سے حدیث سے الگ ہوتے چلے گئے اور بعد میں ہر ایک نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی۔

سیرت کے مصادر میں کتب تاریخ اور طبقات اہم حیثیت رکھتی ہیں' زیر نظر مقالے میں انہی دونوں مصادر اور اسماء الرجال کی کتب میں سیرت کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔

ا۔ **کتب طبقات:** طبقات رواۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی سے متفرع ہونے والی اولین کتابیں ہیں' جن کے ذریعے سے ہم روایۃ حدیث کے احوال اور مختلف ادوار اور طبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔ طبقات کے مؤلفین میں امام مسلم بن الحجاج' امام نسائی اور محمد بن سعد الھاشمی کے نام مشہور ہیں۔ اور طبقات کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا نام تصور میں گردش کرنے لگتا ہے اور واقعی یہ کتاب اس فن کی انتہائی جلیل القدر کتاب ہے۔(۲)

طبقات ابن سعد ایک **کبیر الحجم** اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے' **زیر نظر ایڈیشن آٹھ** جلدوں پر مشتمل ہے، نویں جلد علمی فہارس کے لئے مخصوص کی گئی ہے اس کی پہلی دو جلدیں **سیرت رسول اللہ** ﷺ سے متعلق ہیں' تمہید کے طور پر ابن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اجداد کرام **کا بھی ذکر کیا** ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے' اور اس کے پہلو بہ پہلو، ادریس، نوح، ابراہیم، اسماعیل **اور حضرت آدم** و**محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیان سنین اور ازمنہ کا ذکر بھی کیا ہے اس کے علاوہ ابن سعد نے **حضرات انبیاء کے** اسماء وانساب' رسول اللہ ﷺ کے اجداد مثلاً قصی وعبد مناف' ھاشم اور عبد المطلب **نیز آپ کے والد ماجد**

۲۔ الرسالة المستطرفة ص ۱۰۴

اور والدہ محترمہ آمنہ بنت وھب کے حالات پر روشنی ڈالی ہے' اس کے بعد انہوں نے بعثت نبوی، نزول وحی، ہجرت اور ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کے تمام غزوات اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے تمام وفود کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد عہد رسالت میں مفتیان مدینہ اور دیگر صحابہ و تابعین کے سیر و سوانح کا ذکر کیا ہے۔

طبقات ابن سعد کی اہم خصوصیات:۔

۱۔ ابن سعد خود ایک محدث تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تمام روایات سند کے ساتھ ذکر کی ہیں' اور سند کی وجہ سے روایت کی حیثیت بڑھ جاتی ہے اور محدثین کے اصولوں کے مطابق اس کی چھان پھٹک آسان ہو جاتی ہے۔

۲۔ اہل جرح و تعدیل کے نزدیک ابن سعد ثقہ راوی ہے اور اس بات پر سوائے یحییٰ بن معین کے سب کا اتفاق ہے(۳) اور وہ خود اپنی روایات میں یہی کوشش کرتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے حاصل کریں' لیکن اس کے باوجود ضعیف راوی مثلاً واقدی سے بھی ان کی روایت موجود ہے' لیکن اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد ان روایات میں پوری احتیاط سے کام لیتے ہیں جہاں واقدی کی روایات بکثرت نقل کرتے ہیں۔ وہاں اپنے دوسرے شیوخ مثلاً: عفان بن مسلم' عبید اللہ بن موسیٰ اور فضل بن دکین سے بھی روایت کرتے ہیں اور یہ تینوں حضرات اپنی جگہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

۳۔ طبقات ابن سعد میں جہاں صحیح سند سے روایات منقول ہیں' وہاں مقطوع اور مرسل روایات بھی پائی جاتی ہیں اور یہ روایات لانا اس لیئے ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ایک موضوع کے بارے میں مکمل تصویر سامنے آجائے۔ اور سند کے ہوتے ہوئے اس کی جانچ پڑتال کرنا اہل علم کے لئے مشکل نہیں ہے۔

۴۔ اگرچہ طبقات ابن سعد روایات پر مشتمل ایک کتاب ہے اور نقد و تبصرہ کا وجود نہیں ہے مگر کہیں کہیں

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: تاریخ بغداد ۵/ ۳۲۱' الانساب' ۴۷۰' میزان الاعتدال ۳/ ۵۶۰' النجوم الزاھرۃ: ۲/ ۲۵۸ مقدمہ ابن الصلاح ۵۹۹' الجرح والتعدیل ۳/۲/ ۲۶۲' تہذیب التہذیب ۹/ ۱۸۲۔

تنقیدی توضیحات بھی نظر آتی ہیں:

مثلاً: ابن سعد نے ہشام کلبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''بدر میں سائب بن مظعون نے شرکت کی تھی نہ کہ سائب بن عثمان بن مظعون نے۔''

ابن سعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس جگہ کلبی سے غلطی سرزد ہوئی ہے، سیرت نگار جو مغازی سے بھی آشنا ہیں جانتے ہیں کہ ابن عثمان بن مظعون نے بدر و اُحد بلکہ تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔(۴)

۵۔ طبقات ابن سعد میں زیادہ اشعار نقل نہیں کئے گئے البتہ خطبات میں کچھ اشعار منقول ہیں، خصوصاً وہ خطبات جو آپ نے مختلف مواقع پر دیئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابن سعد محدثین کے طریقے کے مطابق روایت کرنے والا شخص ہے اور ادباء کی طرح تنقید کرنے کا عادی نہیں ہے۔

۲۔ طبقات کی ایک اور اہم کتاب خلیفہ بن خیاط (ف: ۲۴۰ھ) کی کتاب الطبقات ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

طبقات خلیفہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر انساب کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور یہی اہتمام ان کی کتاب میں نمایاں نظر آتا ہے اور اس کتاب میں سیرت کے حوالے سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف ملتا ہے اور اس کے بعد صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر ان کے مقام سکونت کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

۳۔ کتب تاریخ میں سال بہ سال کے واقعات کی ترتیب سے مرتب سب سے قدیم تالیف خلیفہ بن خیاط (ف: ۲۴۰ء) کی تاریخ ملتی ہے یہ کتاب بھی ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ء میں بغداد سے شائع ہوئی تھی۔

تاریخ خلیفہ بن خیاط اس لئے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ کتاب ایک قدیم مصدر ہونے کے ساتھ

---

۴. طبقات ابن سعد: ۴۰۲/۳

ساتھ محدثین کے اصولوں کے مطابق اس کی تمام روایات سند سے مزین ہیں۔خلیفہ بن خیاط نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر عہد کے والیان مملکت اوران کے عہدے داران کی فہرست بھی دی جائے' غزوات اور داخلی جنگ و جدال میں شہید ہونے والے افراد کے نام تحریر کئے جائیں' حرہ اور زاویۃ کے واقعات کے بارے میں تفصیلات صرف تاریخ خلیفہ میں پائی جاتی ہیں۔(۵)

خلیفہ بن خیاط نے اپنی کتاب کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت اور وفات سے کی ہے اور اس کے بعد سن ایک ہجری سے واقعات بیان کرنا شروع کئے ہیں' اس طرح اس کتاب کی ابتداء ہجرت سے ہوتی ہے اور اس کی وجہ مصنف کی وجہ ترتیب ہے کہ وہ اپنی کتاب کو واقعات کے بجائے تاریخی تسلسل اور سنوات پر مرتب کرنا چاہتے تھے اس طرح انہوں نے ہجرت سے شروع کرنے کے بعد ۲۳۲ھ تک کے واقعات اپنی کتاب میں جمع کئے ہیں۔اس کتاب کی خصوصیات میں یہ ایسی بات ہے کہ خلیفہ بن خیاط نے روایات ذکر کرتے ہوئے سند کا اہتمام کیا ہے ہر سال میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات بتاتے ہیں' ان میں غزوات اور سرایا کا بالخصوص ذکر کیا ہے' شہداء کے ناموں کی تفصیل اور غزوہ سے متعلق دیگر واقعات بیان کر دیئے ہیں اس کے علاوہ ہر سال کے اہم واقعات میں مختلف شخصیات کے سن ولادت' سن وفات اور شادی بیاہ کے بارے میں بھی تذکرہ شامل ہے۔

اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ خلیفہ بن خیاط' تاریخی تسلسل اور مختلف واقعات کی توثیق کے لئے ایک اہم مرجع ہے اور اس کتاب سے مختلف عہدوں پر کام کرنے والے صحابہ کرام کی تفصیل بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔

۴۔ اسماء الرجال کی کتب میں سب سے اہم کتاب امام مزی الدمشقی (ف ۷۴۲ھ) کی ''تھذیب الکمال فی اسماء الرجال'' ہے اس کتاب میں امام مزی نے صحاح ستہ کے راویان کرام کے اسمائے گرامی ان کے اساتذہ' تلامذہ اوران کے بارے میں اہل جرح وتعدیل کے اقوال جمع کئے ہیں اور اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے کئی مؤلفین نے اس کتاب کا

۵۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط . ص: ۲۳۶' ۲۸۱

اختصار اور تہذیب کی ہے۔(۶)

عموماً اسماء الرجال کی کتابوں میں سیرت نبوی بیان نہیں کی جاتی ' لیکن امام مزی نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ان کی کتاب کی ابتداء اسی بابرکت تذکرے سے ہو' انہوں نے شروع میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ کتاب اس مقصد کیلئے نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب سیرت نبوی کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ تاکہ برکت حاصل ہو اور آپ کا ذکر مبارک شامل ہو سکے۔''(۷)

اس کے بعد انہوں نے آپ کا نسب شریف' آپ کی والدہ ماجدہ' آپ کے اسمائے مبارکہ' آپ کی مختصر سیرت بیان کی ہے' اس کے علاوہ آپ کی اولاد' حج اور عمروں کی تعداد' غزوات' آپ کے ارسال کردہ نمائندے' آپ کے چچا اور پھوپھیاں' ازواج مطہرات' آپ کے شمائل' جسمانی اور اخلاقی صفات کا تذکرہ کیا ہے اس طرح تقریباً ستر صفحات میں سیرت النبی کا مختصر جائزہ پیش کر دیا ہے' اور اس تذکرہ میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ تمام سیرت صحیح احادیث سے سند کے ساتھ حاصل کی گئی ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام مزی نے کتب حدیث اور کتب سیرت کی بنیاد پر صحیح ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔

۵۔ اسماء الرجال کی ایک اور اہم کتاب حافظ ابن حبان (ف ۳۵۴ھ) کی کتاب الثقات ہے' جس میں انہوں نے راویان حدیث کی ایک کثیر تعداد کا تذکرہ کیا ہے' ۹ جلدوں میں یہ کتاب ادارۂ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی' اس کی پہلی دو جلدوں میں مؤلف نے سیرت نبوی کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے اور امام مزی کے برعکس نسب شریف ذکر کرنے کے بعد آپ کی مکی زندگی کے حالات بھی بیان کئے ہیں' جو کہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہیں اور اس کے بعد ہجرت کا ذکر شروع کیا ہے اور باقی سیرت طیبہ تسلسل فرمانی کے ساتھ سال بہ سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے محدثین کے طریقے کے مطابق روایات کو سند کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے اور ہر سال کے اہم واقعات میں غزوات' سرایا' تاریخ ولادت و وفات اور اس سال میں وقوع پذیر

۶۔ مقدمہ تہذیب الکمال از ڈاکٹر بشار عواد معروف. ۱/۱۵،۷۱

۷۔ تہذیب الکمال: ۱/۱۷۴

ہونے والے اہم واقعات بیان کئے ہیں اور ان کا طریقہ خلیفہ بن خیاط کے طریقے کے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن حبان کے اہم مصادر میں کتب حدیث اور کتب سیرت مثلاً سیرت ابن ہشام اور مغازی واقدی شامل ہیں۔

تہذیب الکمال کی طرح کتاب الثقات میں یہی کوشش نظر آتی ہے کہ سیرت کی صحیح روایات سند کے ساتھ جمع کر دی جائیں' ان کتابوں میں مذکورہ سیرت طیبہ ہمارے لئے دوسری کتابوں کی بہ نسبت کوئی جدید معلومات نہیں دیتی لیکن ہر مؤلف جب اپنی سند سے روایت بیان کرتا ہے تو کثرت روایات تقویت کی باعث بنتی ہیں اور مختلف روایات کے جمع ہونے سے کئی الفاظ اور واقعات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ طبقات اور تاریخ کی کتابوں کے ذریعے سے ہمیں واقعات کے تسلسل اور ترتیب کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے' اور اسماء الرجال کی کتب ہمیں سند کے ذریعے سے مزید تقویت بہم پہنچاتی ہیں۔

اس جائزہ سے ایک اہم نقطہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کتب سیرت و تاریخ کے ساتھ کتب حدیث سے سیرت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کتب سیرت و تاریخ میں بہت روایات مرسل اور منقطع اسانید کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہیں' جبکہ کتب حدیث میں روایات مفصل سند کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کتب سیرت کی روایات کی توثیق ہو جاتی ہے۔

اگر یہی منہج اپنایا جائے تو ہم سیرت نبویہ کو انتہائی مکمل اور صحیح انداز میں پیش کر سکتے ہیں اور یہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں:

۱۔ کتب سیرت سے حاصل کردہ معلومات کے بارے میں مکمل یقین اور اطمینان کا حصول۔

۲۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نئی معلومات کا اضافہ' اس لئے کہ کتب سیرت اور تاریخ عموماً مغازی وغیرہ کو اہمیت دیتی ہیں' جبکہ کتب حدیث سے ہم بہت سی اجتماعی' اقتصادی اور انتظامی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ مؤرخین اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل کی وضاحت مثلاً غزوہ بنی المصطلق کے بارے

میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اچانک حملہ کیا تھا جب کہ کتب سیرت کا دعویٰ ہے کہ آپ نے انہیں پہلے خبردار کیا تھا اور تیاری کے بعد مریسع کے مقام پر جنگ ہوئی تھی اس مسئلے میں تین آراء پائی جاتی ہیں۔

۱۔ جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب نہیں ہے یہ امام مازری اور قاضی عیاض کی رائے ہے۔

۲۔ دعوت دینا واجب ہے امام مالک کی رائے ہے۔

۳۔ جس کو دعوت پہلے نہ پہنچی ہو اس کو دعوت دینا لازمی ہے اور جس کو پہنچ چکی ہو اس کے لئے دعوت دینا لازمی نہیں ہے۔ اور یہ رائے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد کی ہے اور یہی راجح ہے۔ (۸)

اور اس راجح مؤقف کی تائید امام بخاری کی روایت سے ہوتی ہے اس صورت میں کتب سیرت اور تاریخ کی روایت کو قوی قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔

۴۔ مسلمان اہل علم کی کوششوں اور محنتوں کا بہترین ثمر ہمارے سامنے موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، ان میں وہ روایات بھی ہیں جو کہ اصول حدیث کے قواعد وضوابط کے مطابق صحیح یا حسن کے درجے میں ہیں، اس کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں جو کہ مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن سند کی موجودگی میں ان کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسے تمام وسائل مہیا کر دیئے جن کی ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بالکل محفوظ و مصئون ہوگئی اور ہر زمانے، عہد میں مسلمان اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل حل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنی زندگی ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۸۔ نیل الأوطار شوکانی. ۲۶۲/۷

عہدِ نبویؐ میں اسلامی معاشرہ پر مواخاۃ کے اثرات

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی*

اسلامی اخوت کا ایک اہم اور مثالی مظہر مواخاۃ ہے جس کا تذکرہ سیرت کی عام کتب میں ملتا ہے۔ عام طور پر مواخاۃ کا ذکر اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ یہ محض انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ پیدا کرنے کیلئے کیا گیا تھا جس کے نتیجہ میں ان دونوں طبقوں کے درمیان گہرا رشتۂ اخوت استوار ہو گیا تھا۔ ہمارے بعض سیرت نگار حضرات نے اس کے معاشی پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے عمل مواخات میں ملحوظ رکھا تھا۔ لیکن اگر مواخاۃ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور ان حالات واسباب کے پس منظر میں اس کا مطالعہ کیا جائے جن میں یہ عمل وجود پذیر ہوا تھا تو اور بہت سے دُوسرے پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فکر و بصیرت میں کس قدر وسعت و گہرائی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں مواخاۃ کا عمل دو مرتبہ پیش آیا پہلی مرتبہ مواخاۃ مکہ مکرمہ میں کرائی گئی۔ یہ مواخاۃ ان لوگوں کے درمیان کرائی گئی تھی جو اسلام قبول کر چکے تھے، ان میں زیادہ تر لوگ مکہ مکرمہ ہی میں رہنے والے تھے لیکن کچھ ایسے حضرات بھی تھے جو حبشہ۔ فارس اور دیگر دُور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

مکی زندگی میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا خواہ ان کا تعلق سرزمین مکہ سے تھا یا بیرون مکہ سے وہ مختلف قبائل اور گھرانوں کے ایک ایک دو دو افراد تھے، ان میں صاحب ثروت لوگ بھی تھے اور غریب و نادار بھی۔ قریش جیسے سیاسی و معاشی طور پر مستحکم قبیلہ کے لوگ بھی تھے اور دیگر نسبتاً کمزور قبائل کے لوگ بھی۔ چونکہ مختلف قبائل کے اکا دُکا لوگ تھے اس لئے انہیں حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا کہ اپنے ہی خاندان کی دشمنی مول لینا پڑتی تھی۔ اپنے گھر والے ہی منہ موڑ لیتے تھے۔ رشتہ دار اور احباب نہ صرف قطع تعلق کر لیتے بلکہ سخت ردّعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے خلاف ظالمانہ کارروائیاں کرنے لگتے۔ قبائلی نظام میں خاندان کی سرپرستی اور ضمانت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ سرپرستی

* ڈائریکٹر شریعۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

اور تحفظ کی ضمانت ختم ہو جائے تو اس سے جو خلا پیدا ہوتا ہے یا عدم تحفظ کا جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس صورت حال میں یہ لوگ اپنے آپ کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ مصائب و ابتلاء کے دور میں یہ احساس شدت سے ابھر رہا تھا کہ کوئی ان کا قریبی دوست ایسا ہوتا جس سے وہ اپنا حال دل کہہ سکیں۔ کوئی ایسا شریک غم ہوتا جس کے سامنے اپنا غم ہلکا کر سکیں۔ خونی رشتوں کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے جس انس و محبت اور تعلق کے فقدان کا احساس ہو رہا تھا وہ کسی طرح ختم ہو جائے۔

یہ ایک معاشرتی مسئلہ تھا جسے حل کرنا ضروری تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا مسئلہ بھی درپیش تھا جو اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ وہ مسئلہ ان غلاموں کی تعلیم و تربیت تھا جو اسلام قبول کر کے مسلم معاشرہ کا حصہ بن گئے تھے لیکن علمی اور فکری طور پر وہ بہت پیچھے تھے۔ ان کی ذہنی سطح بہت پست تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معاشرہ میں کبھی بھی انسانیت کے مقام پر فائز نہیں سمجھا گیا، نہ ہی انہیں کبھی ایسے مواقع مہیا کئے گئے جس میں وہ علم و تربیت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ ان کی تمام صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انہیں معاشرے میں قابل احترام مقام پر لایا جائے، تا کہ ان کی صلاحیتوں سے معاشرہ کو استفادہ کا موقعہ ملے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت رکھی ہوئی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں مسئلوں کو حل کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے والے بھائیوں کے درمیان مواخاۃ کرائی، محمد بن حبیب (م ۲۴۵ھ) نے مکہ مکرمہ کی مواخاۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آخی بینھم علی الحق والمو اساۃ وذلک بمکۃ" کہ رسول اللہ نے باہمی ہمدردی و تعاون کی بنیاد پر مواخاۃ کرائی۔ اور یہ مواخاۃ مکہ مکرمہ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ یہ مواخاۃ مندرجہ ذیل افراد کے درمیان کرائی گئی تھی۔

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ (رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام) کے درمیان
۲۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے درمیان
۳۔ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے باہم
۴۔ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان

۵۔ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ کے درمیان

۶۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے باہم

۷۔ حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ کے درمیان

۸۔ حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے درمیان

اس موقعہ پر حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ آپؐ نے ان لوگوں کے درمیان تو مواخاۃ کرادی ہے میں رہ گیا ہوں میرا بھائی کون ہوگا ؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ حضرت علیؓ تو پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور آپ ہی ان کی کفالت فرمایا کرتے تھے اس لئے شاید رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ ضرورت محسوس نہ کی ہو، بہر حال رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر کہ میں تمہارا بھائی ہوں حضرت علیؓ کی دلجوئی فرمائی۔

دوسری مرتبہ مواخاۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے تقریباً پانچ ماہ بعد انصار و مہاجرین کے مابین کرائی گئی۔ اس مواخاۃ کا آغاز حضرت انس بن مالکؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت انسؓ کے گھر پر جو مواخاۃ منعقد ہوئی، اس میں ان انصار و مہاجرین کو آپس میں بھائی بھائی بنایا گیا جو اس وقت وہاں موجود تھے، بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتے رسول اللہ ﷺ کسی نہ کسی انصار کا بھائی بنا دیتے تھے۔ مورخین اور سیرت نگار پینتالیس اور پچاس مہاجرین کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اتنے ہی انصار کے ساتھ اس رشتہ میں وابستہ کر دیا گیا تھا، اس طرح تقریباً پچاس مہاجر خاندان پچاس انصاری خاندان کے ساتھ رشتہ مواخاۃ میں منسلک ہو گئے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس یا پچاس مہاجرین اور پینتالیس یا پچاس انصار وہ تھے جن کے درمیان اجتماعی طور پر حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مواخاۃ کرائی گئی تھی۔ بعد میں اکا دکا خاندان آتے رہے اور ان کے درمیان بھی یہ عمل کرا دیا گیا۔ اس لئے کہ تاریخ و سیرت کی کتب میں اس سے کہیں زیادہ اسماء گرامی ملتے ہیں جن کے مابین مواخاۃ کرائی گئی تھی۔

ابن ہشام نے سولہ مہاجرین اور سولہ انصار کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بائیس انصار اور بائیس مہاجرین کے ناموں کو ذکر کیا ہے۔ البتہ

وہ بعض مورخین کی اس رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ انصار ومہاجرین میں کوئی بھی ایسا نہیں بچا تھا جو سلسلہ مواخاۃ میں منسلک نہ کر دیا گیا ہو۔ یہ رائے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جن مقاصد کے حصول کیلئے مواخاۃ کرائی گئی تھی، ان کے لئے سب ہی کا اس میں شریک ہونا ضروری تھا۔

سیرت نگار اور مؤرخین نے انصار ومہاجرین کے ناموں کو جمع کیا ہے۔ ابن حبیب نے چھپن انصار اور چھپن مہاجرین کے نام ذکر کئے ہیں۔ ابن سید الناس نے پینتالیس انصار اور پینتالیس مہاجرین کے ناموں کا احاطہ کیا ہے۔ کچھ ناموں میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اگر تمام ناموں کو اکٹھا کیا جائے تو تقریباً پینسٹھ انصار اور پینسٹھ مہاجرین کے اسماء گرامی ملتے ہیں اس طرح کل ایک سو تیس انصار ومہاجرین کے ناموں کو مورخین نے محفوظ کیا ہے۔ اہل علم کی دلچسپی کے لئے کچھ مشہور صحابہ کرام کے اسماء گرامی دیئے جا رہے ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ	حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ
۲۔ حضرت عمر فاروقؓ	حضرت عتبان بن مالکؓ
۳۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ	حضرت سعد بن الربیعؓ
۴۔ حضرت عثمان بن عفانؓ	حضرت اوس بن ثابتؓ
۵۔ حضرت ابوعبیدۃ بن جراحؓ	حضرت سعد بن معاذؓ
۶۔ حضرت زبیر بن عوامؓ	حضرت سلمہ بن سلامہؓ
۷۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابوایوب خالد بن زیدؓ
۸۔ حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
۹۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ	حضرت عباد بن بشرؓ
۱۰۔ حضرت بلال بن رباحؓ	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی
۱۱۔ حضرت سلمان الفارسیؓ	حضرت ابوالدرداءؓ
۱۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص	حضرت سعد بن معاذؓ
۱۳۔ حضرت عبیدۃ بن الحارث بن المطلب	حضرت عمیر بن الحمام اسلمیؓ

۱۴۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ	حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ
۱۵۔ حضرت الارقم بن الارقمؓ	حضرت طلحہ بن زید بن سہلؓ
۱۶۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ	حضرت سہل بن حنیفؓ
۱۷۔ حضرت زید بن الخطابؓ	حضرت معن بن عدیؓ
۱۸۔ حضرت عمرو بن سراقہؓ	حضرت سعد بن زیدؓ
۱۹۔ حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	حضرت قطبہ بن عامرؓ
۲۰۔ حضرت شماع بن وھبؓ	حضرت اوس بن خولیؓ
۲۱۔ حضرت عبداللہ بن جحش الاسدیؓ	حضرت عاصم بن ثابتؓ بن ابی افلحؓ
۲۲۔ حضرت ابوسلمہ بن عبداللہ الاسدیؓ	حضرت سعد بن خثیمہؓ
۲۳۔ حضرت الطفیل بن الحارث بن المطلبؓ	حضرت مقدر بن محمد بن عقبہؓ
۲۴۔ حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ	حضرت معاذ بن ماعصؓ
۲۵۔ حضرت خباب بن الارتؓ	حضرت جبار بن صخرؓ
۲۶۔ حضرت صہیب بن سنانؓ	حضرت الحارث بن الصمہؓ
۲۷۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ العنزیؓ	حضرت یزید بن المقدرؓ
۲۸۔ حضرت سعید بن زید بن عمروؓ	حضرت رافع بن مالکؓ
۲۹۔ حضرت وھب بن سرحؓ	حضرت سوید بن عمروؓ
۳۰۔ حضرت معمر بن الحارثؓ	حضرت معاذ بن عفراءؓ
۳۱۔ حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ	حضرت عمرو بن معاذؓ
۳۲۔ حضرت زید بن حارثہؓ	حضرت اسید بن حضیرؓ

مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی پالیسی کے تین اصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ باقاعدہ منصوبہ بندی، ترجیحات کا تعین اور حصول مقاصد کیلئے عملی جدوجہد۔

مواخاۃ کا عمل بھی آپ کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا اور ہجرت کے بعد ترجیحات میں سرفہرست تھا۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کا دفاع اور مہاجرین کی آبادکاری تھا۔ دفاعی سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ نے جہاں اور بہت سے اقدامات کئے ان میں ایک اہم اقدام امت مسلمہ کی وحدت اور یکجہتی بھی تھا۔

مدینہ منورہ ہجرت سے قبل خانہ جنگی کا شکار تھا، شہر مدینہ جو چھوٹی چھوٹی بہت سی آبادیوں کا مجموعہ تھا مختلف قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ یہاں کی باہمی جنگوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے آپ کو کسی حد تک غیر جانب دار رکھ کر اس بات کیلئے راہ ہموار کر لی تھی کہ مدینہ منورہ کے عرب و یہودی قبائل اسے لیڈر تسلیم کر لیں اور اسے مدینہ کا حکمران مان لیں تا کہ وہ اس خطہ میں امن قائم کرے۔ کچھ قبائل جو خانہ جنگی سے تنگ آئے ہوئے تھے وہ اسے حکمران بنانے پر تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی نے اپنی تاج پوشی کیلئے تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔ ہجرت کی وجہ سے اس کا حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ شائد اس وجہ سے عبداللہ بن ابی کا رویہ شروع سے ہی معاندانہ رہا، وہ کھل کر ظاہری طور پر تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت نہ کر سکا لیکن خفیہ طور پر امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع اس نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو انصار اور مہاجرین میں جو تہذیبی فرق تھا۔ عبداللہ بن ابی اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مکہ مکرمہ سے آنے والے مہاجرین کا تعلق عدنانی عربوں سے تھا یہ لوگ مکہ مکرمہ اور حجاز کے صحرائی علاقوں میں آباد تھے، ان کی تمام عادات واطوار میں صحرائی اقوام کے اثرات تھے، صحراء کی آزاد اور بدویانہ زندگی کے یہ لوگ دلدادہ تھے، ان کی تہذیب وتمدن اور رسوم رواج میں صحرائی تہذیب ہی رچی بسی ہوئی تھی۔ صحرا کی آزادانہ زندگی کے ساتھ ہی اہل مکہ نے اپنا شہری نظام وضع کر لیا تھا اور معاش کیلئے تجارت اور شکار پر بھروسہ کرتے تھے۔ تجارت کو انہوں نے زیادہ بہتر طور پر منظم کر لیا تھا۔

انصار میں زیادہ تر اوس اور خزرج کے قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ یہ لوگ صدیوں سے زراعت پیشہ چلے آرہے تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد ہونے سے قبل یہ لوگ یمن میں آباد تھے۔ وہاں بھی زراعت اور کاشتکاری ان کا پیشہ تھا۔ یمن میں آباد عربوں نے زراعت میں بہت ترقی حاصل کر لی تھی۔

انہوں نے اپنی زمینوں کی آبادکاری کیلئے ایک عظیم الشان بند تعمیر کیا تھا جو تاریخ میں سدمآ رب کے نام سے مشہور ہے۔ پانی کی کثرت اور زرخیز زمینوں کی وجہ سے یہ لوگ خوشحال تھے۔ قرآن حکیم میں بھی ان کی خوشحالی اور زراعت کی طرف اشارہ ملتا ہے اور ان کے تعمیر کردہ بند مآ رب کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ بند بعد میں ایک طوفانی سیلاب سے تباہ ہو گیا تھا جسکی وجہ سے زبردست سیلاب آیا اور اہل یمن کے بہت سے زراعت پیشہ لوگوں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ یہ لوگ یمن سے نکلے تو ایسی جگہوں پر جا کر آباد ہوئے جہاں قابل کاشت زمینیں تھیں اور آب پاشی کیلئے پانی موجود تھا۔ ان میں کچھ لوگ مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے اور یہاں زراعت میں مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں کی تہذیب وثقافت میں متمدن اور متمول قوموں کے اثرات تھے۔ ان کی تہذیب زرعی تہذیب تھی جو صحرائی تہذیب وتمدن سے مختلف تھی۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ان دو تہذیبوں کا اجتماع ہو گیا تھا۔ ایک صحرائی تہذیب تھی تو دوسری تہذیب کا تعلق زرعی تہذیب سے تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے معاونین اس تہذیبی اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے جو منصوبہ بندی فرمائی تھی اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ انصار ومہاجرین کے مابین اس تہذیبی اختلاف کو جلد از جلد ختم کیا جائے۔ اور کسی گروہ کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اس اختلاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ مواخاۃ کے عمل کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین مل جل کر ایک ساتھ رہیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کو اپنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان حضرات کا عقیدہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ اسکی بنیاد پر ان کی نئی تہذیب وجود میں آنے لگی اور انصار ومہاجرین کے مابین تہذیبی اختلاف بتدریج ختم ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کے علاوہ یہودی بھی اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی نسلی تعصب کو ابھار کر یا مقامی اور غیر مقامی کے مسئلہ کو اٹھا کر ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے لیکن منافقین اور یہودیوں کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، اس لئے منافقین کی اس قسم کی سازشوں کا سدباب کر دیا۔

مواخاۃ اولی ہو یا مواخاۃ ثانیہ، اس منصوبہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعہ موالی

(آزادانہ غلام) کی ذہنی وفکری تعلیم وتربیت کا ایسا اہتمام کیا جائے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ذہنی وفکری پستی کا شکار چلے آرہے تھے، انہیں آزاد لوگوں کے ہم پلہ کیا جائے اور غلامی نے جوان کی فکر، اور نفسیات کو متاثر کیا ہوا تھا، وہ ختم ہو جائے تاکہ یہ لوگ بھی معاشرہ میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

غلامی کی تاریخ پر نظر رکھنے والے افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ مال ومتاع کا سا سلوک کیا جاتا ہو اور جو آزاد فکری سے محروم رکھے گئے ہوں ان کی ذہنی وفکری سطح کس قدر پست ہو جاتی ہے۔ جدید دور میں بھی بھارت میں ایسے گروہ ملتے ہیں جنہیں نیچی ذات قرار دیکر دھتکار دیا جاتا ہے اور انہیں نسلی طور پر کمتر قرار دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا ہے، اس وجہ سے نیچی ذات کے بہت سے افراد احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں اور ذہنی وفکری اعتبار سے بہت پیچھے ہوتے ہیں۔ ان لوگون کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو جسمانی طور پر غلام چلے آرہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان آزاد شدہ غلاموں کی تعلیم وتربیت کی بہت فکر تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ احساس کمتری کے جال سے نکل آئیں اور فطرت نے انہیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں انہیں اجاگر کیا جائے تاکہ یہ لوگ بھی اس قابل ہو جائیں کہ وہ کردار ادا کر سکیں جو قائدانہ صلاحیت رکھنے والے آزاد لوگ ادا کر رہے تھے۔

موالی کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کچھ کو ایسے لوگوں کے ساتھ مواخاۃ میں منسلک کیا تھا جو قریش میں نمایاں قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کو عبیدۃ ابن الحارث کا بھائی بنا دیا گیا۔ حضرت سالم مولی ابی حذیفہ کو حضرت ابوعبیدہ کا بھائی بنایا گیا۔ مدنی مواخاۃ میں حضرت سالم کو حضرت معاذ بن ماعص کا بھائی بنایا گیا تھا۔ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ حضرت الحارث بن الصمہ کے بھائی قرار پائے تھے، حضرت خباب بن الارت حضرت جبار بن صخر کے بھائی بن گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ حضرت اُسید بن حضیر کے بھائی قرار پائے تھے۔ ان حضرات میں آزادی اور مساوات کی بنیاد پر آزاد لوگوں کی صحبت میں رہنے اور ان کے ساتھ افکار وخیالات کا تبادلہ کرنے سے نفسیاتی طور پر زبردست تبدیلی آئی انکی ذہنی وفکری سطح بلند ہوگئی

اور غلامی کے اثرات ڈھل گئے ان کے عزائم اور طبیعت میں قائدین کا سا ولولہ پیدا ہو گیا، خیالات میں وسعت و بلندی پیدا ہوئی اور بہت جلد یہ لوگ اعلیٰ درجہ کی قائدانہ صلاحیتوں کے مالک بن گئے۔ حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام کا مقام تو اس قدر بلند ہوا کہ اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت سالم کے بارے میں فرمایا تھا: کاش اگر آج سالم مولی ابی حذیفہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کر دیتا۔

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سالم میں کس قدر تبدیلی آ گئی تھی کہ وہ بہت سے آزاد اور نمایاں حیثیت رکھنے والوں سے بھی سبقت لے گئے تھے۔ منصب خلافت کوئی معمولی عہدہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں سالم میں وہ تمام صلاحیتیں پیدا ہو گئی تھیں جو اس عظیم الشان منصب کیلئے ضروری ہیں۔ نو آزاد غلاموں میں اتنا بڑا انقلاب رسول اللہ ﷺ کی کامیاب منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ اسلامی نظام زندگی ہی یہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر سکتا تھا۔ عہد نبوی کے بعد بھی یہی اسلامی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ موالی کو اسلامی معاشرہ میں وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو کسی بھی آزاد فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ سہولتوں سے زیادہ اہم مسئلہ معاشرہ میں ان کے ساتھ سلوک اور طرز عمل کا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ان کے ساتھ باعزت سلوک ہوتا تھا، ان کی عزت نفس اور وقار کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ برآمد ہوا کہ علم و فکر کے میدان میں موالی نے شاندار خدمات انجام دیں چند مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں انہیں کیا مقام حاصل رہا اور انہوں نے کس طرح اپنا کردار ادا کیا۔

مثلاً مدینہ منورہ میں حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ امام مالک کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح یمن میں حضرت طاؤس بن کیسان، بصرہ میں حضرت حسن البصری، خراسان میں ضحاک بن مزاحم، شام میں امام مکحول، مصر میں یزید بن حبیب، جزیرہ میں میمون بن مہران وغیرہ۔ اسی طرح مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس، یہ وہ حضرات ہیں جو علم حدیث اور علم تفسیر کے ائمہ شمار ہوتے ہیں، ان کے بغیر علم حدیث اور علم تفسیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بڑے بڑے حکمران اپنے بچوں کو حصول علم کیلئے ان کے پاس بھیجنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مجاہد بن جبیر کہتے ہیں کہ

انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا، تین مرتبہ تو اس طرح پڑھا کہ ایک ایک آیت پر رک کر اس کی تفسیر کی وضاحت معلوم کی اور مقام وکیفیت نزول کے بارے میں علم حاصل کیا۔ ابوزناد عبدالرحمان بن ذکون موالی میں سے تھے، یہ حضرت امام مالک کے اساتذہ میں رہے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں عراق میں وصولی خراج کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔ عبدالملک بن الماجشون بنو تیم کے موالی میں سے تھے۔ علم فقہ میں ان کا اہم مقام تھا۔ شرحبیل بن سعد بھی آزاد کردہ غلام تھے۔ سیرت و فتاویٰ میں ان کو بلند مقام حاصل ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے جمع وتدوین حدیث وآثار پر بڑا کام کیا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ مواخاۃ کے عمل نے آزاد وغلام کے درمیان فرق کو ختم کر کے نفسیاتی طور پر موالی کی تعلیم وتربیت کیلئے بہترین ماحول مہیا کر دیا تھا۔ مواخاۃ کا ایک پہلو معاشی مسائل کا حل بھی تھا، مہاجرین مکہ مکرمہ سے ترک وطن کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہ لوگ اپنا تمام مال ومتاع مکہ مکرمہ چھوڑ آئے تھے، مدینہ منورہ میں اُنکی آبادکاری کا مسئلہ تھا، نیز شہر مدینہ کے وسائل محدود تھے، چند سو مہاجرین کی آمد سے یہاں معاشی مشکلات بڑھ گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان مسائل کو احسن طریقہ پر حل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ کے ذریعہ غریب مہاجرین کو وقتی طور پر انصار کے اموال میں شریک کر دیا گیا، وفات کی صورت میں ایک دوسرے کی وراثت میں بھی شریک قرار دیئے گئے، اس عمل کا فوری طور پر اقتصادی فائدہ تو یہ ہوا کو بے خانماں مہاجرین کی آبادی کا مسئلہ حل ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے معاشی وسائل کو وسعت دینا بھی آپ ﷺ کے منصوبہ کا حصہ تھا۔ اہل مدینہ (اوس وخزرج) زراعت پیشہ لوگ تھے ان کی ساری معاشی جدوجہد زراعت تک محدود تھی، تجارت اور اس کے اصول وضوابط سے یہ لوگ ناواقف تھے۔ مدینہ منورہ میں تجارتی سرگرمیاں محدود تھی۔ ان پر بھی مکمل طور پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ اوس وخزرج کے لوگ عام طور پر یہودیوں کے مقروض رہتے تھے، یہودی انہیں سود پر قرضہ دیا کرتے تھے۔ عمل مواخاۃ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین ایک دوسرے کے معاشی تجربات اور صلاحتیوں سے فائدہ اٹھائیں مہاجرین نے انصار کے تعاون سے یہاں نہ صرف تجارتی سرگرمیاں شروع کیں بلکہ زراعت کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کیں۔

قرآن کریم نے تجارت کے ذریعہ حصول معاش کو اپنی نعمت اور فضل قرار دیا اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ تجارت کو فروغ دیں، خود رسول اللہ ﷺ نے تجارت کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔ دوسری طرف زراعت کو اس قدر اہمیت دی کہ ایک پودا لگانا بھی عبادت قرار پایا اور اس کا پھل خواہ انسان کھائے، پرندہ یا چوپایہ، درخت لگانے والے کے لئے صدقہ قرار دیا گیا۔ انصار و مہاجرین کی مشترکہ کوششوں سے مدینہ منورہ کے معاشی وسائل میں اضافہ ہوا اور جلد ہی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری بھی ختم ہوگئی۔ اس طرح مواخاۃ کا عمل معاشی مسائل کو حل کرنے اور معاشی بنیادوں کو از سر نو منظم کرنے میں بہت مفید اور موثر ثابت ہوا۔ مواخاۃ کا تعلیمی پہلو بھی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مواخاۃ کے ذریعہ مدینہ کے ہر مسلم گھرانہ کو ایک تعلیمی ادارہ میں ڈھال دیا تھا۔

دراصل تعلیم کے میدان میں مہاجرین اور انصار کے درمیان فرق پیدا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس فرق کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اہل مکہ تیرہ برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے، انہوں نے مکی دور میں بھی نزول کا مشاہدہ کیا تھا وہ مقامات وحی سے بھی واقف تھے، یہ لوگ تیرہ برس وحی کی تعبیر و تشریح رسول اللہ ﷺ سے سنتے رہے اور یہ تمام عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال کو دیکھتے اور سنتے رہے، اور انہیں اپنی زندگی میں منتقل کرتے رہے۔ صحابہ کرام صرف عمل ہی کو اپنے اندر منتقل نہیں کرتے تھے بلکہ جذبات و احساسات کو بھی منتقل کرتے تھے۔ اس صحبت کی وجہ سے ان کے اعمال میں رسول اللہ ﷺ کے اعمال کی روح جھلکتی تھی۔ اس تقدم ایمانی کی وجہ سے انہیں علم کے میدان میں بھی سبقت حاصل تھی اور مہاجرین، انصار سے تیرہ برس آگے تھے۔

رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ معرفت و علم کا یہ فرق ختم ہو جائے اور مہاجرین کے پاس جو مکی دور کا علم ہے وہ تمام کا تمام انصار کو منتقل ہو جائے تاکہ نہ صرف یہ کہ شرح تعلیم میں اضافہ ہو جائے بلکہ مسلم معاشرہ کے تمام افراد کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو بھی نشو ونما دیا جا سکے۔ مواخاۃ کے عمل کی وجہ سے ہر گھر غیر رسمی تعلیمی ادارہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ مہاجرین نے نہ صرف یہ کہ مکی دور کے علم وحی کو انصار تک منتقل کیا بلکہ وہ علم و تجربہ بھی منتقل کیا جو انہیں تجارت کے میدان میں حاصل تھا۔ اسی طرح صنعت و زراعت سے

متعلق جو علم اہل مدینہ کے پاس تھا مہاجرین نے وہ ان سے حاصل کیا۔اس طرح علم و ہنر کے میدان میں بہت بڑی تبدیلی آئی اور یہ اُمّی قوم جلد ہی علمی وفکری میدان میں دنیا کی قیادت کیلئے تیار ہوگئی۔

مندرجہ بالا گفتگو سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مواخاۃ کا عملی اقدام بہت کامیاب رہا اس لئے کہ انصار و مہاجرین کے اس قریبی تعلق اور باہمی اخوت و محبت اور تعاون سے ایک نئی تہذیب اور نیا تمدن وجود میں آیا، وہ تہذیب و تمدن جسکی بنیاد اسلامی عقائد، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ تھے۔ یہ عقیدہ کی قوت اور جذبہ عمل ہی تھا جس نے انصار کے دلوں میں اپنے مہاجر بھائیوں کیلئے بے پناہ قربانیوں کا جذبہ پیدا کیا۔انصار کی جانب سے جذبہ قربانی کو قرآن کریم نے ہمیشہ کیلئے محفوظ کرلیا:

﴿ ویو ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ﴾ (الحشر ٥٩:٩)

''وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔''

انصار کیلئے قرآن کریم کی یہ شہادت باعث سعادت وصد افتخار ہے۔

مواخاۃ کا عمل آج بھی دہرایا جاسکتا ہے۔اس کا صرف ایک پہلو یعنی وراثت میں بھی شریک ہونا قرآن کریم نے منسوخ کردیا تھا۔لہٰذا ان کو وراثت میں تو شریک نہیں کیا جاسکتا، البتہ مال و متاع میں بے خانماں مہاجرین کو شریک کر کے ان کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے آج بوسنیا، کوسووا اور بہت سے علاقوں کے مسلمان معاشی، معاشرتی، تہذیبی و تمدنی مسائل کا شکار ہیں برما، فلپائن اور بعض دیگر علاقوں میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا ہے۔بعض علاقوں میں مسلمان بچوں کیلئے تعلیم و تربیت کے مسائل ہیں۔کہیں کفار کے سیاسی و معاشی غلبہ کی وجہ سے تہذیبی مشکلات درپیش ہیں کہیں علمی و تہذیبی غلبہ نے مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں، امت مسلمہ کو ان مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کا احساس کرنا چاہیے اور مواخاۃ کے ادارے کا احیاء کرنا چاہیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ تو ہر دور اور ہر زمانہ میں واجب العمل ہے۔ ہماری رائے میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم (o.l.c) کو اس سلسلہ میں قدم اٹھانا چاہیے اور اجتماعی طور پر امت مسلمہ کے معاشی و معاشرتی مسائل کو حل کرنے کیلئے سیرت طیبہ سے روشنی حاصل کرنا چاہیے اس لئے کہ سیرت طیبہ کی پیروی میں ہماری نجات و کامیابی کا راز مضمر ہے۔

سیاسی امور و معاملات، انتہا پسندانہ رویئے اور منہج نبوی ﷺ

* پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز

آج کل معاشرے میں مختلف قسم کے انتہا پسندانہ روّیے جنم لے رہے ہیں۔ ان رویوں کا تعلق انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اجتماعی انتہا پسندانہ رویے معاشرے کو شکست و ریخت کا شکار بنا دیتے ہیں اور ایسے لاینحل مسائل پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں جن کے دیرپا منفی اثرات تادیر قائم رہتے ہیں۔

سیاسی امور و معاملات ہماری سوسائٹی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن مقام صد افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں یہی معاملات سب سے زیادہ انتہا پسندانہ رویوں کا شکار ہیں۔ عقیدے اور مکتب فکر کے اختلاف نے حالات کو اتنا گھمبیر بنا دیا ہے کہ ہر صبح کے اخبارات فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل مقاتلے سے بھرے رہتے ہیں۔ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے اقلیتی آبادی کے افراد کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کی نوعیت بین الاقوامی طور پر پاکستان کے لئے روز افزوں مشکلات کا باعث بن رہی ہے۔ مختلف جماعتوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے سیاسی کارکن بھی اکثر مواقع پر معمول کے تعلقات کار تک برقرار رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ الغرض اس خصوصی اور اہم ترین میدان میں ہماری مجموعی قومی کارکردگی حد درجہ ناقابل رشک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں ہمیں ایک غیر مہذب اور ناشائستہ قوم اور پاکستان کو ایک ناکام ریاست کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

داخلی اور اندرونی طور پر اس قسم کی صورت حال کے جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ وہ فہمیدہ اور سنجیدہ طبقہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ لیکن اس کے بیرونی اور خارجی اثرات کا ادراک شاید زیادہ عام نہیں۔ کارگل کے مسئلے پر پاکستان کی پسپائی کو ایک علیحدہ (isolated) واقعہ کے طور پر نہیں لینا چاہئے۔ یہ دراصل اس مجموعی قومی کارکردگی کا شاخسانہ ہے جس کا مظاہرہ ہم ایک عرصے سے کر رہے ہیں۔ ہمیں بڑی

---

* ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ ولسانیات/ چیئرمین شعبہ مطالعات سیرت، پشاور یونیورسٹی، پشاور

جرأت سے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم تیزی سے عالمی طور پر تنہا ہو رہے ہیں اور ہمارے روایتی دوست بھی اب ہمارے بارے میں زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر اس بات کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ عمیق طریقے سے سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کامل اور مکمل عظیم شخصیت۔ نے اس قسم کی صورت حال میں عملی طور پر ہماری کیا رہنمائی فرمائی ہے۔ اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے ابتلاء و آزمائش کے اس دور پرُ خطر میں کیا روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں میثاق مدینہ کو ریاستی امور کے حوالے سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس میثاق سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کار کے لئے اساس موجود ہے۔ اس معاہدے میں مدینہ کے اس وقت کے معاشرتی اور سماجی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک متفقہ فارمولے پر مشتمل دستاویز کو تحریری شکل میں، ترتیب دیا گیا' جس میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ واضح رہے کہ یہ معاہدہ یہودی قبائل کے ساتھ تھا جن کو اس وقت مدینہ میں ایک ایسی حیثیت حاصل تھی۔ جس کو نظرانداز کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اس معاہدے کے ذریعے مسلمانوں کا وہ بنیادی بشری حق تسلیم کرلیا گیا جو ان کو مکہ کے ماحول میں حاصل نہ تھا۔

یہ عہد نامہ مدینہ کی سرزمین کے تمام باسیوں کا عقیدہ و مذہب کے لحاظ کے بغیر مل جل کر رہنے کے لئے ایک آئین تھا۔

مذہبی آزادی پر اتفاق کے علاوہ اس عہد نامے میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ فریقین کے باہمی تعلقات خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ہوں گے۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ اور مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس میثاق سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سیاسی معاملات میں رسول اللہ کا پسندیدہ طرز عمل یہ رہا ہے کہ ہر ممکن حد تک پرامن اور آئینی طریقوں کے ذریعے حصول اہداف کے لئے کوشش کی جائے۔ میثاق مدینہ کی مختلف شقیں پیغمبر خدا کے اس رجحان کا بدیہی مظہر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہودی قبائل کے عزائم رسول اکرم کی خواہشات اور ترجیحات سے مختلف تھے' جس

کی وجہ سے یہ معاہدہ اپنے مطلوبہ اہداف حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کے اسی طرز عمل اور منہج کا ایک اور مظاہرہ ۶۲۸ء میں سامنے آیا ہے جب ۶ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کعبۃ اللہ کی زیارت کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ کے مقام پر آپ کو اطلاع ملی کہ قریش نے آپ کی مزاحمت کا فیصلہ کرلیا ہے یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ لیکن آپ نے غیر جذباتی اور پرامن طریقے سے حالات کے ساتھ نمٹنے کی کوششیں شروع فرمائیں اور مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔ نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس سال مسلمان کعبۃ اللہ کی زیارت کئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال غیر مسلح صورت میں صرف تین دن تک مکہ میں قیام کریں گے۔ نیز اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ جائے تو اسے واپس کردیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ کے کافروں کے ساتھ شامل ہونا چاہے تو اسے مدینہ واپس ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تاریخ اسلام میں اس صلح کو صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس صلح کی اکثر شقیں ظاہری طور پر مسلمانوں کے لئے اہانت آمیز تھیں، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ اس سے کچھ عرصہ قبل کافروں کا متحدہ محاذ مدینہ کو فتح کرنے میں ناکام ہوچکا تھا اور مسلمانوں کی حیثیت بڑی مضبوط تھی۔

لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر نے یہ پابندیاں محض دو دیگر شقوں کی خاطر مان لی تھیں جن کے تحت فریقین کے درمیان قبائل عرب کو اس بات کی اجازت دینے پر اتفاق کرلیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق قریش مکہ یا مسلمانوں کے درمیان کسی بھی فریق کے حلیف بننے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ صلح کا یہ معاہدہ دس سال تک نافذ العمل رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ جب ایک بار اسلام کو امن کی فضا نصیب ہوجائے اور اس کا یہ حق تسلیم کرلیا جائے کہ ہر کوئی اس کا پیغام اس کے مخالفین کی طرف سے جبر و تشدد کے خطرے کے بغیر سن سکتا ہے اور قبول کرسکتا ہے تو اس میں اتنی تاثیر ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس پر ایمان لے آئے گی۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صلح حدیبیہ کی ان دو آخر الذکر شقوں کی

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ابن ہشام،السیرۃ النبویہ، (مکتب فاروقیہ ملتان، ۱۹۷۷ء) جلد ۲ صفحات ۱۶ تا ۱۹۔ زیر عنوان: کتاب رسول اللہ ﷺ فیما بینہ و بین الیہود ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی و الخلافۃ الراشدہ، (دار النفائس بیروت ۱۹۸۹ء) صفحات ۵۷ تا ۶۲

وجہ سے خطے میں امن وامان کی حالت بہتر ہوگئی‘ تجارتی آمد ورفت میں اضافہ ہوا۔لوگوں کو آزادانہ ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کے مواقع ملے۔ بحث و مذاکرہ کے ماحول نے جنم لیا۔ نتیجتاً اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کے بارے میں عام آدمی کی معلومات میں اضافہ ہوا۔سابقہ جنگی ماحول نے اسلام کی اثر پذیری کا راستہ مسدود کیا تھا‘ لیکن امن کے ماحول کی وجہ سے اس کے بارے میں بہتر ادراک کی فضا پیدا ہوگئی اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ جب صلح حدیبیہ کو تحریری شکل دی جارہی تھی‘ اس وقت بھی قریش کے سفیر سہیل بن عمرو نے بعض نکات کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ مثلاً انہوں نے معاہدہ کی دستاویز کے اوپر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ تحریر کرنے کو قابل اعتراض قرار دیا۔ نیز وہ محمد مصطفیٰ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ کی ترکیب استعمال کرنے کے ساتھ متفق نہیں تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ملاحظات کو معقول قرار دیا۔ چنانچہ **بسم اللہ** کی جگہ **باسمک اللھم** اور **رسول اللہ** کی جگہ **ابن عبد اللہ** کے الفاظ تحریر کیے گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے نکات میں تکنیکی پیچیدگیوں میں الجھنے کے بجائے اصل ہدف کو سامنے رکھا اور امن کے معاہدے کو یقینی بنانے میں ہر ممکن تعاون فرمایا۔(۲)

سیاسی امور میں منہج نبوی کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کے لئے اس قسم کی تدابیر اختیار فرمائیں‘ جس کے ذریعے خون بہائے بغیر اس کو فتح کیا جاسکے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد بھی آپ نے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا‘ بلکہ عمومی معافی کا اعلان کیا‘ جس کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ایمان والوں کی صف میں شامل ہوگئے۔(۳) رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پوری انسانیت کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ اگر آج ہم اپنے امور ومعاملات آپ کی سیرت و تعامل کی روشنی میں چلانے کے لئے مستعد ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی۔

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

۲۔ ابن جریر طبری‘ تاریخ الامم والملوک ‘(بیروت تاریخ اشاعت ندارد) جلد۲‘ صفحات ۷۱تا۹۱

زیر عنوان: ذکر الخبر عن عمرة النبی التی صده المشرکون فیها عن البیت و هی قصة الحدیبیة

۳۔ ایضاً ‘صفحات ۱۱۰تا۱۴۰‘ زیر عنوان: ذکر الخبر عن فتح مکة

سیرت نبوی اور تہذیبی کشمکش

(موجودہ عالمی تہذیبی تصادم کے تناظر میں ایک تحقیقی و تاریخی مطالعہ)

* ڈاکٹر خالد ظفر اللہ

دور حاضر تہذیبی تصادم (Clash of Civilizations) کا دور کہلاتا ہے۔ سات براعظموں پر پھیلا ہوا کرہ ارضی سائنسی ایجادات اور الیکٹرانک میڈیا کے سامنے سمٹ کر گلوبل ولیج (Global Village) بن چکا ہے۔ اس بڑے گاؤں پر مغربی ثقافتی یلغار سیل رواں کی طرح چھائی جارہی ہے۔ اور غالب یورپین اقوام عسکری چڑھائی اور ایک بالشت کی بھی دیوار پھاندے بغیر بیڈروم تک تہذیبی غلبہ پا چکی ہیں۔ سونیا گاندھی بھی طعنے دے رہی ہے کہ ہم نے پاکستان کے ساتھ ثقافتی جنگ جیت لی ہے۔

عصر حاضر کی اس ثقافتی جنگ (Cultural War) میں بحیثیت مسلم قوم ہمارے تین طرح کے رویے سامنے آتے ہیں۔

1۔ غالب مغربی اقوام کے سامنے تمام تر مرعوبیت کے ساتھ ان کی برآمد کردہ ثقافت کو ساری اخلاقی برائیوں اور تمدنی خرابیوں کے باوجود شان امتیاز گردانا اور بطور نجات دہندہ دل و جان سے قبول کرنا۔ اپنے وجود اپنے گھربار اور در و دیوار سے اس کی بھرپور نمائندگی کی کوشش کرنا۔

2۔ تمام تر انکار کرتے ہوئے مدمقابل مذبوحی حرکات کرنا۔ مثلاً ٹی۔ وی توڑنا' کالر والا قمیص نہ پہننا......

3۔ الکلمة الحکمة ضالة المؤمن کی حکیمانہ روش اور خذما صفا ودع ما کدر کی مومنانہ فراست کے ساتھ باعث خیر کو قبول کرنا اور باعث شر کو رد کرنا۔

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمندری

یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا مسلمان ایک بہروپیا کا کردار اپنا نے والا ہوتا ہے۔ کہ ایک چہرے پر کئی چہرے سجالیتا ہے۔ اور تہذیب اغیار کا نمائندہ بن جانا گوارہ کر لیتا ہے۔ کیا اسلامی تہذیب پر کاربند رہنا اس کے لیے لازم نہیں ہے؟ حقیقی مسلمان صرف اپنی تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے بہروپیا نہیں کہ تہذیب اغیار کو اپنے چہرے پر سجالے۔

اس کے برعکس ثقافتی جنگ میں باعث خیر کو بھی رد کرتے چلے جانا کیا اسلامی سوچ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ باعث خیر کو رد کرنا اسلامی طرز فکر نہیں بلکہ مشرکین مکہ کا وطیرہ ہے۔ وہ کہتے تھے اے اللہ اگر یہ حق تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسایا ہم پر دردناک عذاب لا۔ آ۔(۱)

مسلمان کے اس قسم کے رویوں کے بالمقابل اگر ہم پیغمبر انقلاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپؐ نے مشرکین مکہ، جزیرۃ العرب کے اہل کتاب اور اہل مجوس عجم کے تہذیبی طور اطوار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟ محمد بن حبیب (245ھ) کی کتاب المحبّر جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد تہذیب اغیار کے بارے میں آپؐ کے رویے کا خلاصہ یوں سامنے آتا ہے۔

1۔ باطل اور شر کی نمائندہ روایات کو تمام تر مخالفت کرتے ہوئے رد کرنا۔

2۔ خیر و شر کی جامع ثقافتی رسومات کو رد و بدل کے بعد اپنانا۔

3۔ عمدہ اخلاق و تمدنی عادات کو بعینہ قبول کر لینا۔

4۔ کلیتًا نئی تہذیبی تعلیمات سامنے لانا۔

سیرت نبوی کا تہذیبی کشمکش کے حوالے سے جائزہ لینے سے پہلے تہذیب و تمدن یا ثقافت و کلچر کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ یہی چاروں لفظ معمولی اصطلاحی فرق کے باوجود باہم مترادف معنوں میں مستعمل ہیں۔ ان کے مفہوم میں کسی قوم کے عقائد و نظریات کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی سماجی رویے اور معاشرتی، معاشی و سیاسی طرز زندگی شامل ہے۔ سماجی علوم کے نامور ماہرین کی پیش کردہ تعریفوں میں الفاظ کا معمولی فرق تو پایا جاتا ہے۔ لیکن تہذیب و تمدن یا ثقافت و کلچر کی مشترک روح سب

۱۔ القرآن (۸: الانفال: ۳۲)

کے ہاں یہی ہے کہ افکار ونظریات اور ان کی بنیاد پر اختیار کردہ انسانی زندگی بالفاظ دیگر عقیدہ وعمل کے مجموعے کا نام تہذیب و تمدن ہے۔ نامور مسلم تاریخ دان اور ماہر عمرانیات ابن خلدون (م808ھ/1406ء) کے ہاں لفظ حضارۃ اسی مفہوم کی نمائندگی کرتا ہے۔(۳) یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ تہذیب وتمدن میں عقائد ونظریات بنیاد ہیں اور انداز بود و باش' طرز معاشرت' طرز معیشت' طرز سیاست' علوم وفنون' عبادات ومعاملات ظاہری رویے ہیں اس بات کو دھرانا بھی مفید ہوگا کہ ہر آدمی اپنے اپنائے ہوئے نظریہ حیات کی بنیاد پر خطوط زندگی استوار کرتا ہے۔ کسی فرد یا قوم پر تہذیبی غلبہ پانے کے لیے الغزوالفکری کی مدد سے نظریات کی بنیادیں متزلزل کرنا شرط اولین ہے۔

اب ہم تہذیبی کشمکش کے حوالے سے سیرت نبوی کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو سب سے پہلے نبی ﷺ خود تصادم کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ جب آپ نے یہ نعرہ لگایا: لا الہ الا اللہ...... جس نے ان کے عقائد کی نفی کی' ان کے نظام کی نفی کی' ان کے رسم ورواج کی نفی کی' ان کے رزائل اخلاق کی نفی کی' ان کے معاشرتی نظام کی نفی کی' معاشرتی اونچ نیچ کی نفی کی' نسل پرستی کی نفی کی' آباء پرستی کی نفی کی' ہوائے نفس کی نفی کر دی گویا تہذیب وتمدن کے جملہ رویوں اور مظاہر کی نفی کر کے تہذیبی ٹکراؤ کا آغاز کر دیا۔

آپ نے مشرکین عرب اور اہل کتاب کے عقائد کو بیت عنکبوت ٹھہرایا۔ ان پر واضح کیا کہ یہ صنم' پتھر کی تراش خراش کے باوجود پتھر ہی رہتا ہے۔ نفع نقصان کا مالک نہیں بن جاتا یہ بے چارا تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا۔(۴)

اسی طرح اہل کتاب کے انبیاء کو ابن اللہ قرار دینے کے غیر معقول عقیدے کی گرہ کشائی کی......(۵) بدنام مصلح محمد بن عبد الوہاب (1206ھ/1792ء) نے اپنی کتاب'' مسائل

۲۔ محمد بن حبیب ' کتاب المحبّر (لاهور؟) ص ۲۳۶، ۲۴۱، ۳۰۹

۳۔ عبد الرحمن بن محمد بن خلدون، مقدمه تاریخ ابن خلدون (لاهور ۱۹۹۳ء مترجم مولانا عبد الرحمن دهلوی)ص: ۳۳۱-۳۳۳

۴۔ القرآن (۲۲:الحج:۷۳)

۵۔ القرآن (۱۱۱:الاخلاص:۳)

الجاهلية التي خالف فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل الجاهلية میں ایسے ایک سو(100) جاہلانہ نظریاتی مسائل پر اسلامی تنقید کو جمع کر دیا ہے۔(۶)

پیغمبر ﷺ نے مسلسل 13 سالہ مکی دور میں ان کی تہذیبی بنیادیں منہدم کیں اور اپنی نظریاتی بنیادیں مضبوط کیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکی دور رسالت درحقیقت اسلامی تہذیب کی جڑیں مضبوط کرنے اور بالمقابل تہذیبوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا دور ہے۔

اس کے بعد مدنی دور اسلامی تمدن وثقافت کے پروان چڑھانے کا دور ہے۔ اس میں آپؐ نے اپنے اردگرد موجود اقوام کے تہذیبی رویوں کی زیادہ تر مخالفت کی۔ کیونکہ وہ تمدن برائی کے علمبردار بن چکے تھے۔ یہ مخالفت اس قدر شدید تھی کہ بالاخر آپؐ کے بارے میں یہود چلا اٹھے کہ اس شخص نے توقسم کھا رکھی ہے کہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرے گا۔

﴿ما يريد هذا الرجل ان يدع من امرنا شيأ الا خالفنا فيه﴾(۷)

آپ کا رویہ بھی اس بارے میں کچھ یوں تھا: **((هدينا مخالف لهديهم))** ہماری ثقافت اغیار کی ثقافت سے الگ تھلگ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا اس شدت سے مخالفت کرنا بالکل فطری تھا۔ کیونکہ انسانی وجود میں ظاہر و باطن کا گہرا تعلق ہے۔ ظاہر باطن کا پابند ہے۔ اور باطن ظاہر سے متاثر۔ اگر ظاہری یعنی خارجی طور پر ہم غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کریں گے تو اس کے اثرات دل ودماغ پر ضرور مرتب ہوں گے۔ اور آہستہ آہستہ پھر اسی غیر اسلامی تہذیب کے گمراہ کن افکار ونظریات بھی قلب مسلم پر قبضہ کرلیں گے۔ اس تباہ کن خدشہ کے پیش نظر پیغمبر حکمت ودانش نے مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام کے تہذیبی طور اطوار سے بالکل کاٹ دیا۔ اور کئی ایک باراس بارے میں نرمی دکھانے والوں کو آگاہ کیا۔ کہ اگر میری پیش کردہ اسلامی تہذیب کی بجائے دوسروں کی طرف رخ کرو گے تو پھر انہیں میں گردانے جاؤ گے۔

۶۔ محمد بن عبد الوهاب، مسائل الجاهلية التي خالف فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل الجاهلية (القاهره ۱۳۹۷ھ)

۷۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) (دارالسلام الریاض ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) ص ۷۴۸ (رقم الحدیث: ۶۹۴ (۳۰۲)

﴿من تشبه بقوم فهو منهم﴾(۸)

مسلم قوم کی اعلیٰ ایمانی 'اخلاقی وتمدنی تعلیمات سے تربیت کے بعد آپ گو غیر اسلامی تہذیب کی طرف ذرا سا میلان بھی پسند نہ تھا۔ حضرت عمرؓ(م 23ھ/ 644ء) نے یہود مدینہ کے پاس سے گزرتے ہوئے تورات سے ان کی صرف ایک دعا نوٹ کی۔ اور آ کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پڑھنی شروع کردی تو آپ گا چہرہ متغیر ہوگیا۔(۹)

آپؐ نے شرف انسانی کے منافی انداز رد کرتے ہوئے انسانی وقار کے شایان شان طور طریقے اسلامی تہذیب میں اختیار کیئے مثلاً قبل از اسلام عرب مردوں میں کھڑے ہو کر بھی پیشاب کرنا کا رواج تھا۔ جبکہ عورتیں بیٹھ کر ہی پیشاب کرتیں۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا نا مناسب انداز پسند نہیں فرمایا اور بیٹھ کر پیشاب کرنا کو رواج دیا۔ تو عرب پکار اٹھے کہ انہوں نے تو عورتوں کا سا انداز اپنا لیا ہے۔

﴿انه صلی الله علیه وسلم بال جالسا مخالفا لعادة العرب فقالوا متعجبین انظروا الیه یبول کما تبول المرأة﴾(۱۰)

عورت کی ماہانہ بیماری کے دنوں میں اس سے اپنایا ہوا غیر انسانی اور غیر اخلاقی یہودی رویہ کے برعکس آپؐ نے جنسی تعلقات سے ہٹ کر دیگر تمام تعلقات باقی رکھنے کی اجازت دی (۱۱) تو اس پر بھی یہودی چلاتے تھے کہ: ما یرید هذا الرجل ان یدع من امرنا شیأ الا خالفنا فیه

ہر تہذیب کا نمائندہ بنیادی یونٹ گھر ہوتا ہے۔ یہود کے گھر گندگی کے ڈھیر ہوتے تھے۔ آپ نے اس حوالے سے ان کی مشابہت سے منع فرمایا...... لا تشبهوا بالیهود(۱۲)

اور ایک حدیث میں اپنے گھر بار کو صاف ستھرا رکھنے کی تلقین کی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہودی صاف

۸۔ الکتب الستۃ (سنن أبی داوٗد) ص ۱۵۱۸ (رقم الحدیث: ۴۰۳۱)

۹۔ مراسیل ابی داوٗد (لاہور؟ تحقیق وتعلیق محمد عبدہ) ص ۱۸۳

۱۰۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ للقسطلانی (بیروت ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) ج ۴' ص ۲۳۴

۱۱۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۷۲۸' (حدیث نمبر: ۶۹۴ (۳۰۲)

۱۲۔ علامہ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (بیروت ۱۴۰۵' ۱۹۸۵ء) ج: ۱' ص: ۴۱۹

ستھرا نہیں رکھتے۔(**طھروا افنیتکم فان الیھود لا تطھرا فنیتھا**)(۱۳)

گھر بار کے حوالے سے یہودیوں کے گندے کلچر کے مقابلے میں اپنا انتہائی صاف ستھرا کلچر پیش کیا۔ بلکہ اسلامی کلچر میں'' **الطھور شطر الایمان**''(۱۴) فرما کر ہر طرح سے صفائی کو نصف ایمان ٹھہرا گیا۔ دور حاضر کے عظیم مسلم مفکر(King of the Knowldge) عالیجاہ عزت بیگووچ کے الفاظ میں یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ جسمانی صفائی کو بھی ایمان وعقیدے کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ دیگر تمام مذاہب میں جسم اور اس کی نظافت ''خارج از بحث'' ہے مثال کے طور پر مسیحیت کے پھیلنے پھولنے کے ساتھ رومی تہذیب کے بنائے ہوئے غسل خانے غائب ہونے لگے کلیسا نے غسل خانے' گر جا گھروں اور معبدوں میں تبدیل کر دیئے۔ اس کے برعکس اسلام نے مساجد کے ساتھ غسل خانے اور طہارت خانے قائم کروائے۔ دنیا میں کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس میں فوارہ (یا موجودہ دور میں وضو خانہ) نہ ہو۔ یہ سب اتفاقی طور پر نہیں ہوا۔(۱۵)

بچے کی پیدائش پر دور جاہلیت پر عقیقہ پر جانور کے خون میں روئی رنگتے اور پھر بچے کی حجامت کے بعد یہ روئی سر پر رکھتے۔ آپؐ نے ان کی اس جاہلانہ رسم کی مخالفت کی اور اس کی جگہ اس کے سر پر خوشبو لگانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔((**اجعلوا مکان الدم خلوقا**))(۱۶) کیونکہ آپؐ ایسا کلچر پروان چڑھا رہے تھے جو ہر طرف سے خوشبوئیں بکھیرنے والا تھا۔

اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کم کرنے کی تلقین کی۔ تا کہ اسلامی تہذیب کی شناخت ہو اور مسلمان ہر جگہ اپنی ثقافت کا علمبردار ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

'' **وفروا عقانینکم و قصروا سبالکم و خالفوا اھل الکتاب**''(۱۷)

۱۳۔ الالبانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ' ج:۱'ص:۴۱۸'رقم الحدیث:۲۳۶

۱۴۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۷۱۸ (رقم الحدیث:۵۳۴ (۲۲۳)

۱۵۔ علی عزت بیگووچ، اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش (لاہور ۱۹۹۴ء مترجم'محمد ایوب منیر) ص ۲۷۷ مع حاشیہ

۱۶۔ الالبانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج:۱'ص:۵۲۷ (رقم الحدیث:۴۶۳)

۱۷۔ الالبانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج:۳'ص:۲۴۹ (رقم الحدیث:۱۲۴۵)

سر پر غیر مہذبانہ اور مضحکہ خیز انداز میں کچھ بال کٹوانے اور کچھ چھوڑنے والی طرز حجامت کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ (نہی عن القزع......) (۱۸)

سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں مہندی سے رنگنے کا حکم دے کر آپ ﷺ نے اپنی ثقافتی جنگ جاری رکھی اور فرمایا: ''**ان الیھود والنصاریٰ لا یصبغون فخالفوھم**'' (۱۹)

وضع قطع کے علاوہ کفار کے لباس پہن کر ان کی مشابہت اختیار کرنے سے بھی منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ پر زرد رنگ میں رنگا ہوا کپڑا دیکھا تو فرمایا: ''اُامک امرتک بھذا؟ کیا تیری ماں نے تجھے یہ پہننے کا حکم دیا ہے؟ حضرت عبداللہؓ آپؐ کی ناراضگی بھان گئے اور پوچھا کیا اس کو دھوڈالوں؟ آپ نے فرمایا: ((**بل احرقھما**)) بلکہ انہیں جلادو۔'' ((**ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھا**)) یہ کفار کے کپڑے ہیں انہیں مت پہنو۔'' (۲۰)

مشہور عرب مقولہ ہے کہ ''الناس باللباس'' کہ لباس لوگوں کی پہچان ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کو یہ قطعاً پسند نہیں تھا کہ ایک مسلمان غیر اسلامی تہذیب کا نمائندہ مخصوص لباس پہن کر ان کی تہذیب کا چلتا پھرتا نمائندہ نظر آئے۔ بلکہ غیر اسلامی تہذیب کا کوئی رنگ ڈھنگ وجود مسلم پر عیاں ہونا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔ اسی لیئے آپ نے لباس رہبان پہننے والے کے بارے میں اپنے غصے کا اظہار فرمایا اور اسے صحیح معنوں میں اپنے ماننے والوں میں ہی تسلیم نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**ایاکم ولبوس الرھبان' فانہ من تزیا بھم او تشبہ فلیس منی**'' (۲۱)

مسلمانوں کی اپنی معاشرت میں یہود و نصاریٰ کے طرز ملاقات اور انداز دعا و سلام کے اپنانے

۱۸۔ الکتب الستۃ (سنن ابن ماجہ) ص۲۶۹۵ (رقم الحدیث: ۳۶۲۷): مسند احمد (دار المعارف بمصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء) حدیث نمبر: ۴۴۷۳

۱۹۔ الکتب الستۃ (صحیح البخاریؒ) ص۲۸۲ (رقم الحدیث: ۳۴۶۲)

۲۰۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص۱۰۵۰ (رقم الحدیث: ۵۴۳۶ (۲۰۷۷)' ۵۴۳۴ (۲۰۷۷)، الکتب الستۃ (سنن النسائی) ص۲۴۲۷ (رقم الحدیث ۵۳۱۸)، ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین (بیروت) ج:۴' ص:۱۹۰

۲۱۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط بسند لاباس بہ کذافی الفتح ج:۱۰، ص:۲۲۳، بحوالہ حجاب المرأۃ المسلمۃ للالبانی، ص: ۹۳

سے آپ نے روک رکھا ہے تا کہ ان کی تہذیبی روایات مسلمانوں میں در نہ کر آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" لا تسلموا تسليم اليهود والنصارىٰ......"(۲۲)

یہود نصاریٰ کے سر اور ہاتھ کے مخصوص اشارے والے سلام کے علاوہ آپؐ نے مشرکین عرب کے انداز سلام وکلام کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ جب غزوہ بدر میں مشرکین مکہ شکست کھا کر غم وغصہ میں تلملا رہے تھے تو صفوان بن امیہ نے عمیر بن وهب جمحی کو آپ ﷺ کے قتل کے لیے بھیجا۔ عمیر نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں آپ ﷺ سے ملاقات پر صبح بخیر کہا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تحیہ سے بہتر ہے یعنی سلام سے جو اہل جنت کا تحیہ ہے۔(۲۳)

آپ نے مسلمانوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جیسا سلامتی والا سلام سکھایا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی تلقین کی ہے کہ یہ تمہارا مخصوص ثقافتی شعار ہے تم نے اپنے اس ثقافتی شعار کو یہود ونصاریٰ کے لیے قطعا پیش نہیں کرنا ہے " لا تبدؤا اليهود و لا النصارى بالسلام "(۲۴) آپ ﷺ کو اپنے وضع کردہ کلچر کی کسی درجے میں بھی اہانت گوارا نہ تھی۔ بایں سبب غیر مسلم کے لیے السلام علیکم کہہ کر ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی ہے کیونکہ یہ اغیار کی ثقافت کا حصہ نہیں ہے بلکہ خاص مسلم ثقافت کی پہچان ہے۔

بوقت ملاقات ایک انسان کا دوسرے کی بڑائی کے آگے جھکنا انسانیت کی تذلیل ہے۔ کہ بندہ خالق کی بجائے اپنے جیسے ایک دوسرے بندے کے آگے جھک رہا ہے' آپؐ نے اپنی ثقافت میں اس ذلت سے انسانیت کو نکال کر برابری کے درجے میں ملنے کو رواج دیا اور فرمایا:

" لا ينحيى الرجل للرجل......"(۲۵)

اسی طرح عجمی طرز استقبال کو بھی آپؐ نے رد کر دیا جس میں کسی بڑے کی آمد پر کھڑے ہونے کا رواج تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

۲۲۔ البانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج:۴، ص:۳۸۹

۲۳۔ صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم (لاہور ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء) ص:۳۸۷

۲۴۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص۱۰۶۴ (رقم الحدیث:۵۶۶۱ (۲۱۶۷) الکتب الستۃ (جامع الترمذی ص ۹۲۴ (حدیث نمبر ۲۷۰۰)

۲۵۔ البانی' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج:۱' ص:۲۵۰

لاتقوموا کما یقوم الاعاجم"(۲۶)

اس استقبال میں بھی شرف انسانی پامال ہوتا تھا' آپ نے ایسے کلچر کو قطعاً فروغ دینا مناسب نہیں سمجھا اس لیے عجمی کلچر کی نفی کی۔ غیر اسلامی تہذیبیں اپنے علمبرداروں میں تکبر و غرور کو خوب پروان چڑھاتی ہیں ان کی چال ڈھال اور لباس فاخرانہ انداز کے عکاس ہوتے ہیں درحقیقت یہ کبر و نخوت کا وطیرہ اخلاقیات کی دنیا میں اخلاقی رذیلہ میں شمار ہوتا ہے جب کہ آپ اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔" **انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** " (۲۷)

یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے لباس اور چال ڈھال میں متکبرانہ رویے کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور فرمایا:

((لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلا))(۲۸)

نیز قرآن نے بھی نصیحت لقمان نقل کی ہے۔

((لا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولاً))(۲۹)

آداب خورد و نوش کسی کلچر کا اہم ترین حصہ ہوتے ہیں کیونکہ آدمی کی پہچان کھانے کی میز پر ہوتی ہے۔ آپ نے مسلم دسترخواں پر حلال اور طیب اشیاء سجانے کی اجازت دی ہے۔اس کے برعکس حرام اور خبیث اشیاء کی طرف ہاتھ بڑھانے کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے یہی وجہ ہے کہ بلی یا چوہے' کتے یا سؤر کے غلیظ گوشت کبھی بھی مسلمانوں کے دسترخوان کی زینت نہیں بنے۔

علاوہ ازیں فرداً فرداً کھانے کی عربی ثقافت میں تکبر کی بو اور باہمی پیار و محبت کا فقدان نظر آتا تھا اس لیے آپؐ نے مل کر کھانے کو باعث برکت قرار دیتے ہوئے اس کلچر کو رواج دیا۔(۳۰) نیز میلے کچیلے ہاتھ منہ کے ساتھ کھانے پر جھپٹ پڑنے کی بجائے ہاتھ دھوکر' بسم اللہ پڑھ کر' اپنے سامنے سے اطمینان اور

۲۶۔ الکتب الستۃ (سنن ابی داؤد) ص ۱۶۰۵ (رقم الحدیث: ۵۲۳۰)

۲۷۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری' الادب المفرد (المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ھل؟) ص: ۸۷ (رقم الحدیث: ۲۷۳)؛ الالبانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ' ج:۱' ص: ۷۵' (رقم الحدیث: ۴۵)

۲۸۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم)' ص: ۱۰۵۱' (رقم الحدیث: ۵۴۵۳ (۲۰۸۵)

۲۹۔ القرآن (۱۷: الاسراء: ۳۷)

۳۰۔ احمد عبدالرحمن البناء، الفتح الربانی (القاھرہ) ج: ۱۷' ص: ۸۸

سکون کے ساتھ کھانے کا انتہائی مہذبانہ کلچر پروان چڑھایا۔ (۳۱) کوئی بھی غیر اسلامی تہذیب آج تک اس مسلم ثقافت کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی طرح کچھ لوگ ترک یہودیت کے بعد اسلام میں داخل ہوئے سابقہ مذہبی اثرات کے تحت ہفتے کے دن کو متبرک گردانتے ہوئے اس دن کی تعظیم' رات کی رسم عبادت کی ادائیگی اور تورات کی چند آیتوں کے موافق عمل کرنے کی آپؐ سے اجازت چاہی۔ اس پر یہ ایت نازل ہوئی۔﴿یایھا الذین امنو ادخلوا فی السلم کافة﴾(۳۲) یعنی اسلام اپنے ساتھ تہذیب اغیار کی ذراسی آلائش بھی گوارانہیں کرتا بلکہ دوٹوک ثقافتی جنگ کا اعلان کرتا ہے۔

آپؐ نے یہودیوں کے متبرک دن ہفتے اور عیسائیوں کے متبرک دن اتوار کو چھوڑ کر اپنے لیے جمعہ کے دن کو پسند فرمایا یعنی ہفتہ وار مذہبی عبادت کے لیے دوسرے مذاہب کے طور اطوار اپنانا تو دور کی بات ہے آپ نے دن کی مماثلت بھی گوارانہیں کی بلکہ جگہ جگہ ثقافتی ٹکر مول لی۔ اغیار کی اجارہ داری کے سامنے یا اپنی رواداری کے نام پر ثقافتی جنگ میں قطعا نرم رویہ نہیں دکھایا بلکہ خواہ معاشرتی روایات ہوں چاہے مذہبی رسومات ہر جگہ اپنے عقیدے کی بنا پر سلامتی والی روایات اور خالص عبادات پر مبنی ثقافت کو ترویج دی۔ صحیح بخاری میں ایام الجاھلیة کا باب باندھکر اس ٹکراؤ کی امام بخاری نے بھی نشان دہی کی ہے۔(۳۳)

نماز کے لیے اعلان یا بلاوے کے حوالے سے جب آپ ﷺ کے سامنے نرسنگا کی تجویز رکھی گئی تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا کہ یہ یہود کا کام ہے۔اس کے بعد ناقوس کی تجویز سامنے آئی تو آپؐ نے ایسے بھی نصاری کا کام کہہ کر ناپسند قرار دیا۔ (۳۴) ثقافتی جنگ یہاں بھی جاری تھی اور آپ ﷺ اہل کتاب سے عبادت میں کسی طور مشابہت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اہل کتاب کا قبلہ پسند نہیں رہا بلکہ

۳۱۔ احمد عبدالرحمٰن البناء، الفتح الربانی ج:۷،ص:۹۰،۹۲

۳۲۔ سید احمد حسن، احسن التفاسیر' (لاہور ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء) ج:۱،ص:۱۶۳

۳۳۔ الکتب الستة (صحیح البخاری) کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاھلیة ص:۳۱۱

۳۴۔ الکتب الستة (سنن ابی داؤد) ص:۱۲۵۹۔۱۲۶۰ (رقم الحدیث:۴۹۸)

یہاں بھی تبدیلی ضروری جانی اور بار بار اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے بیت اللہ کو قبلہ ٹھہرائے جانے کی التجا میں ثقافتی جنگ کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ بالآخر یہود و نصاری کے قبلے کی بجائے اپنی پسند کے قبلے کی طرف رخ کرنے کی اجازت مل گئی۔(۳۵)

غیر اسلامی تہذیبوں سے مذہبی مشابہت پیغمبر انقلاب ﷺ کے مزاج کے خلاف تھی۔اس لیے اوقات عبادات بھی الگ مقرر کئے اور اغیار کے اوقات عبادت مثلاً طلوع آفتاب وغروب آفتاب کے وقت عبادت ممنوع قرار دی۔(۳۶)

طریق عبادت میں بھی ثقافتی ٹکراؤ جگہ جگہ نظر آتا ہے ایک آدمی کو بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے نماز ادا کرے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے منع فرماتے ہوئے کہا:" انها صلاة اليهود"(۳۷)

اسی طرح یہود کی مخالفت کرنے کا حکم دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

" خالفوا اليهود فانهم لا يصلون في نعالهم و لا خفافهم"(۳۸)

نماز کے بہت سے مسائل کی طرح روزے کے بارے میں بھی مخالفت والا رویہ ظاہر و باہر ہے۔سحری کو اپنے اور اہل کتاب کے روزہ کے درمیان فرق قرار دے کر روزے کے آغاز سے ہی مخالفت کی بنیاد رکھی اور فرمایا:

"فصل ما بين صيامنا و صيام اهل اللكتاب اكلة السحور."(۳۹)

آپ نے روزے کی افطاری میں یہود و نصاری کی مخالفت میں تعجیل کو اظہار دین کا سبب قرار دیا ہے۔یعنی جب تک مخالفت برقرار رہے گی۔افطاری بلا تاخیر ہوگی مسلمان غالب رہیں گے۔اس کے برعکس اگر مخالفت ترک کر دیں افطاری میں تعجیل کی بجائے احتیاط کے نام پر تاخیر در کر آئے گی تو غلبہ دین

۳۵۔ القرآن (۲:البقرہ:۱۴۴)

۳۶۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص:۸۰۸(رقم الحدیث:۱۹۳۰(۸۲۳) مسند ابی عوانہ (بیروت) ج:۱،ص:۳۸۶۔۳۸۷

۳۷۔ مسند احمد،رقم الحدیث:۵۹۳۶

۳۸۔ الکتب الستۃ (سنن ابی داؤد) ص:۱۲۷۱،(رقم الحدیث:۶۵۲)

۳۹۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص:۸۵۳(رقم الحدیث:۲۵۵۰(۱۰۹۶)

باقی نہیں رہے گا۔ حدیث نبوی کے الفاظ کچھ یوں ہیں:" **لا یزال الدین ظاھرا ما عجل الناس الفطر ' لان الیھود والنصاریٰ یؤخرون**"(۴۰)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے اور اتوار کے دن اکثر روزے رکھا کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کرنا پسند کرتا ہوں۔" **انھما عید المشرکین فانا احب ان اخالفھم**"(۴۱)

نماز اور روزے کی طرح حج میں بھی اغیار کی مخالفت کا رجحان جاری ہے۔ مشرکین عرب حج پر عرفات سے قبل از غروب آفتاب چل پڑتے تھے اور مزدلفہ سے بعد طلوع آفتاب روانہ ہوتے۔ آپ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے عرفات سے بعد از غروب آفتاب اور مزدلفہ سے قبل از طلوع آفتاب کا اسلامی طریقہ جاری کیا۔(۴۲)

سیرت نبوی کا تفصیلی مطالعہ ایسے بہت سے امور سامنے لاتا ہے۔ جن میں آپؐ نے ثقافتی جنگ لڑی۔ چند روایات کی نشاندھی کی جا چکی ہے۔ کیا یہ ساری مخالفت مخالفت برائے مخالفت کی سوچ کے تحت تھی یا اعلیٰ اخلاقی اقدار اور بہترین تہذیبی روایات کے فروغ کی خاطر تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس مخالفت کا سبب غیر مسلم تہذیبی روایات کا شر تھا یا پھر ان روایات کا کفر کا نمائندہ ہونا تھا۔ ورنہ اسلام کا یہ مزاج قطعا نہیں ہے کہ مخالفت کے نام پر ہر اچھائی کی بھی برائی کے ساتھ مخالفت کرتا چلا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ تہذیب اسلامی کے بالمقابل اس دور کی دیگر تہذیبین اعلیٰ تعلیمات اور بہترین تہذیبی روایات میں مقابلہ کرنے سے قاصر تھیں علاوہ ازیں اسلامی تہذیب میں زندگی کے ہر میدان میں جدت (Modernization) اور ترقی کی گنجائش موجود ہے۔ اپنے غلبے کے دور میں تہذیب انسانی کے ارتقاء میں اسلامی تہذیب نے بھرپور کردار ادا کیا۔ حتی کہ مغربی دانش وروں نے بھی اس

۴۰۔ الکتب الستۃ (سنن ابی داؤد) ص:۱۳۹۸ (رقم الحدیث:۲۳۵۳) الکتب الستۃ (سنن ابن ماجہ ص:۲۵۷۸) رقم الحدیث:۱۶۹۸)

۴۱۔ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، صحیح ابن خزیمہ (بیروت ۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) ج ۳ ص ۳۱۸ (حدیث نمبر ۲۱۶۷)

۴۲۔ الکتب الستۃ (صحیح البخاری) ص ۳۱۱ (حدیث نمبر ۳۸۳۸) الکتب الستۃ (سنن النسائی) ص ۲۲۸۳ (حدیث نمبر ۳۰۵۰) سنن الداری (ملتان) ج ۱ ص ۳۸۷ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۲۳؛ سنن الکبریٰ بیہقی بحوالہ حجاب المرأۃ للالبانی ص ۹۱

حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ آج بھی اسلامی تہذیب میں یہ صلاحیت باقی ہے۔ صرف اس تہذیب کے ماننے والوں میں حضرت عمر جیسے پختہ فکر حاملین کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر کو بیت المقدس کے فتح پر چابیاں پیش کرنے کے لیے اہل کتاب نے یاد کیا تھا۔ حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ کپڑے پیوند شدہ تھے۔ سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ جراح نے اعلیٰ لباس پہننے کی گزارش کی تو فرمایا کہ ہمیں عزت اسلام کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ (۴۳) لباس کی بدولت نہیں اسلام اور اسلام کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی اسلامی تہذیب کل بھی عزت بخشنے والی تھی آج بھی ہے کل بھی ہوگی۔ اور صرف اور صرف یہی تہذیب انسانیت کے لیے سلامتی کا پیغام اور بہترین طرز زندگی کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔

جس میں ہر علاقے، موسم اور افراد کے مطابق لچک موجود ہے اور اسی لچک کی بدولت اسلامی تہذیب دنیا میں ہر جگہ چل سکی۔ یہ تہذیب بنیادی ٹھوس فکری راہنمائی میں تو لچک نہیں دیتی۔ لیکن ظاہری رویوں میں ہر ماحول سے کفر و شرک کی نمائندہ نہ ٹھہرنے والی روایات کے ساتھ نبھا کا سبق دیتی ہے۔ فطرت انسانی کی ہر خواہش پر پہرے بٹھانے یا شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑنے کی بجائے اسے بہترین انداز میں پورا کرنے کی راہ دکھاتی ہے۔ لہذا پھر سے اپنی اسلامی تہذیب کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں اسلام تو پسند ہے لیکن ذہنی طور پر مرعوب ہونے کی وجہ سے اسلامی تہذیب پسند نہیں جبکہ سیرت النبی اس کے برعکس ہے۔

آپ اپنے ہر خطبے میں فرمایا کرتے تھے:

"خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (۴۴)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ سلم کا تہذیبی رویہ ہی سب سے بہتر تہذیبی رویہ ہے۔ اس تہذیب کے دامن پر کوئی سیاہ دھبہ نہیں ہے۔ بلکہ لیلھا کنھار ھا کہ اس کی توراتیں بھی دن جیسی روشن ہیں۔ اور اس تہذیب کا معاشرتی وسماجی رویہ اپنے اندر بڑی کشادگی رکھتا ہے۔ ایک دفعہ عید کے موقع پر حبشی اپنا کھیل کھیل رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

۴۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، (بیروت، ۱۹۶۶ء) ج ۷، ص ۶۰

۴۴۔ الکتب الستۃ (صحیح مسلم) ص ۸۱۳ (حدیث نمبر ۲۰۰۵ (۸۶۷)

"لیعلم الیهود ان فی دیننا فسحة" (۴۵) یہودیوں کو خبر ہونی چاہیے کہ ہمارا دین یعنی ہماری ثقافت بڑی وسعت رکھتی ہے۔

اس روایت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی تہذیب تنگ نظر، گھٹن والے رویے کی آئینہ دار نہیں ہے لیکن نام نہاد آزادی کے نام پر آوارگی والے انسانیت کے لیے تباہ کن تہذیبی رویوں کی ضرور مخالف ہے۔

آج ہمارے لیے مغربی ثقافتی یلغار کے حوالے سے اپنے رویے کا سیرت النبی کی روشنی میں جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان کے Think tanks انہیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ عسکری چڑھائی کے ذریعے کوئی ملک فتح کرنا مشکل ہے اور اس پر قبضہ رکھنا دنیا بھر سے بدنامی کمانے کا باعث ہے۔ اس کی بجائے تہذیبی تصادم کی راہ اپناتے ہوئے تہذیبی غلبہ پائیں اور پھر تہذیبی لوازمات فروخت کر کے خوب دولت کمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمان علمی دنیا میں یتیم، سیاسی طور پر غیر مستحکم، مالی طور پر بدحال ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہارورڈ یونیورسٹی کے مشہور سکالر پروفیسر سموئیل ہنٹنگٹن The Clash of Civilizations (۴۶) جیسے معروف زمانہ مقالے لکھ کر اہل یورپ کو تہذیب اسلامی سے تصادم کی راہ دکھا رہے ہیں اور مغرب نے موجودہ عالمی غلبہ کے زعم میں اپنی ثقافت کے پرچار میں سب کچھ روا سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ کلچر انسانیت کے لیے تباہی کا پیغام لا رہا ہے۔

خود ان کے ہاں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے۔ خاندانی نظام بالکل نیست و نابود کر دیا گیا ہے۔ عزت و آبرو اور غیرت و حمیت نامی الفاظ ان ڈکشنریوں سے غائب ہونے کو ہیں۔

منافقت اور خود غرضی کو چالاکی اور دانش مندی سمجھا جاتا ہے۔ دو رخی زندگی اور دوغلا پن کو سیاست اور ڈپلومیسی کا نام دیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں اپنے استعماری غلبے کے دوام کی خاطر جگہ جگہ خاص طور پر خون

۴۵۔ ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث (بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء، تحقیق و تعلیق: محمد عبدالرحیم) ص، ۲۶۵

۴۶۔ Samual P. Huntington, The Clash of Civilizations, P. 1-26 , Lahore (contemporary affairs , Eiditor : M. Imtiaz Shahid)

مسلم کی ارزانی ان کے لیے تفریح طبع کا درجہ رکھتی ہے جبکہ برصغیر کے نامور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق محمدی انقلاب کے ۲۳ سالہ دور میں کل ۱۹۱۸ افراد مسلم و غیر مسلم کام آئے تھے۔(۴۷)

وہاں تہذیبی غلبہ کے پیچھے روح اپنے فریضہ اظہار دین کی تکمیل تھی۔ ﴿هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله﴾(۴۸) اور یہاں پر سراسر استعماری ذہنیت کارفرما ہے۔ وہاں پہلے الغزوالفکری کے پھر اعلیٰ تہذیبی روایات کے مظہر معاشرے کا قیام اور آخر پر اس کے علانیہ مخالفین سے مسلح ٹکراؤ (Armed Confilict) تھا۔ یہاں پر صرف Super power کہلانے کا شوق ہے۔

لیکن اس شوق کی تکمیل کے لیے اعلیٰ فکری تعلیمات اور بے مثال تمدنی روایات کی تہذیبی تائید موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں موجودہ مرعوبانہ ذہنیت سے چھٹکارا پانا لازمی ہے۔ جس میں یورپ سے آمدہ ہر روایت سونے کی طرح چمکدار نظر آتی ہے۔

حالانکہ "All that glitters is not gold" اسی طرح وہاں سے آمدہ ہر روایت کو رد کرنے کا رویہ اپنانے کی بجائے آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ایمان و عمل کے لیے غیر مضر کو قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھنا چاہیے۔ اپنے آپ کو Equal footing پر لا کر اس ثقافتی یلغار کا بغور جائزہ لینا چاہیے۔ اور خذ ما صفا دع ما کدر کی چھلنی سے گزار کر ہی قابل قبول کو قبول اور باقی کو آپ ﷺ کی طرح علی الاعلان رد کرنے کی جرأت مندانہ پالیسی اپنانا ہوگی جیسا کہ آپ ﷺ نے غیلہ کے بارے میں روم و فارس کے رویے کو قبول کر لیا۔(۴۹)

۴۷۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمت اللعالمین، (لاہور، ۱۹۶۸ء)، ج ۲، ص ۲۱۹

۴۸۔ القرآن (۶۱: الصف: ۹)

۴۹۔ الامیر علاؤالدین علی بن بلبان الفارسی، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، (المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل) ج ۷، ص ۱۹۹ (عن جزامة بنت و هب الا سدیة انها سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لقد همت ان انهی عن الغیله حتی ذکرت ان الروم و فارس یصنعون ذلک فلا یضر اولادهم)

نکاح کے بارے میں عرب روایات میں سے لائق شرف انسانی کو قبول کیا اور باعث عار کو رد کردیا۔(۵۰) زنا کی لعنتی رسم اور اس سے پیداشدہ بچے پردعوی کی رسم جاہلیت کے خاتمے کا اعلان فرمایا(ذھب امرا لجاھلیة......)اورزانی کے لیے رجم کی سزا مقرر فرمائی۔(۵۱)

آج بھی آپ سے راہنمائی پانے والی مدبرانہ فراست کی ضرورت ہے۔اپنی ثقافتی بنیادوں پہ متصلبانہ ایمان پختہ تر کرنا ہوگا۔کھوکھلی مغربی ثقافت کی ظاہری چمک دمک کے سامنے ذہنی مرعوبیت کا شکار نہیں رہنا چاہیے۔انسانیت کے لیے انتہائی مہلک رویوں کی علمبردار ہونے کی بناء پراس مغربی ثقافت سے نفرت کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

نیز اسلامی تہذیبی روایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے احساس ندامت وشرمندگی کی بجائے اس نمائندگی کو باعث عز وشرف گردانا چاہیے کہ ہمیں انسانیت کے لیے اعلی واکمل تہذیب کے امین ہونے کا شرف ہے۔آج کی فکری درماندگی اور تہذیبی طور پر درندگی کا شکارانسانیت اعلی علمی، فکری وثقافتی قدروں کی متلاشی ہے۔

سیاسی وثقافتی استعمار کی یہ خواہش ہے کہ ہرطرح سے اس کا ہی بول بالا ہے یا کم ازکم دومتضادفکری نظام یعنی حق و باطل پہلو بہ پہلو چلتے رہیں تا کہ اس باطل کے وجود اور بقاء کی ضمانت (Lease of Existance) رہے لیکن حق و باطل کے مابین پر امن بقائے باہمی(Peaceful Co_existance)خود باطل ہے۔کیونکہ حق کے بعد سراسرگمراہی ہے۔(فماذا بعد الحق الا الضلال)(۵۲)اور یہ باطل اورضلالت ختم ہونے والی ہے۔

(ان الباطل کان زھوقا)(۵۳)

۵۰۔ الکتب الستہ (صحیح البخاری)ص،۴۴۳،۴۴۴(حدیث نمبر۵۱۲۷)؛الکتب الستہ (سنن ابی داؤد)ص،۱۳۹۱(حدیث نمبر۲۲۷۲)(عن عائشہؓ:ان النکاح فی الجا ھلیة کان علی أربع أنحاءٍ: ...... فلما بعث محمد ﷺ با لحق هدم نکاح الجا ھلیة کله الا نکا ح الناس الیوم)

۵۱۔ الکتب الستۃ (سنن ابی داؤد)ص،۱۳۹۱(حدیث نمبر۲۲۷۴)

۵۲۔ القرآن(۱۰ : یونس : ۳۲)

۵۳۔ القرآن(۱۷ : الاسراء : ۸۱)

لہٰذا نظریاتی ٹکراؤ اورتہذیبی تصادم کے سوا چارہ نہیں۔ غالب نظریہ اوراس بنیاد پر معرض وجود میں انے والی تہذیب کا لامحالہ دوسرے نظریات اور تہذیبوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اگر تصادم کے سوا کوئی راستہ ہوتا تو انبیاءکرام ہرگز اس تصادم کی راہ پر نہ نکلتے۔

آج دنیا بھر میں سیاسی وثقافتی میدانوں میں اگر امریکی بالا دستی (Pax-Americana) ہے تو کل تک برطانوی بالا دستی (Pax_Britainica) تھی وہ بھی نہ رہی یہ بھی نہ رہے گی۔ بہت جلد یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرکے اپنا وجود کھونے والی ہے۔ اس کی جگہ لینے کے لیے مسلم کلچر کو تیار رہنا چاہیے یہ تبدیلی نہ صرف ممکن بلکہ یقینی جان کر تیاری کرنی چاہیے۔

تہذیبی ٹکراؤ اور اسکے بعد اسلامی ثقافتی یلغار کے لیے بڑی دانش مندی سے منصوبہ بندی کی ضروری ہے یہ تیاری کھوکھلے نعروں کی بجائے ٹھوس علمی فکری بنیادوں پر ہمہ جہتی ہونی چاہیے نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلامی تہذیب میں وحدت ہے یکسانیت نہیں یعنی فکری اساس ایک ہے عملی مظاہر میں احوال وظروف کی مناسبت سے فرق کی گنجائش ہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

آج کل دنیا کو یک قطبی (Uni-polar) بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن غالب اقوام کے پاس ٹھوس علمی وفکری راہنمائی اور بہترین عملی نمونہ جو کہ ہرجگہ قابل قبول بھی ہو۔ موجود نہیں ہے۔ جبکہ ہم اسلامی تہذیب کی صدیوں پر محیط تاریخ شاہد عدل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ جس میں اسلامی تہذیب نے چاردانگ عالم میں آداب ملاقات، طرز لباس، آداب خوردونوش طرز تحریر وانداز تعمیر سے لے کر دستور حکمرانی تک ہرایک میں نمایاں لیکن کامیاب تبدیلیاں کیں۔

اس تہذیبی غلبے نے اپنے سائے میں صدیوں انسانیت کو پرامن، پرسکون اور باوقار زندگی گزارنے کے لیے سنہری ایام مہیا کیے۔ تاریخ اپنے آپ کو دھرانے والی ہے۔ یہ سنہری دن پھر سے لوٹنے والے ہیں۔ اے کاش! امن مسلمہ بروقت ہوشیار ہوجائے۔

آج مکالمے (Dialogue) کا دور ہے مغربی اقوام سے برابری کی سطح (Equal footing) پر بات کرنے والے مسلم سکالرز کو ثقافتی جنگ میں اپنے رول سے آغاز کرنا چاہیے۔ مغربی

ثقافت کے علمبرداروں کے سامنے اس کے عیوب ونقائص اور لائی ہوئی انسانی تباہی کی حقیقی تصویر پیش کرنی چاہیے۔ جو کہ استعماری الیکٹرانک میڈیا نے چھپا اور دبا رکھی ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی تہذیب کی طویل تاریخی شہادت' ٹھوس علمی فکری راہنمائی اور عملی انطباقات کو کھل کر پیش کرنا چاہیے۔ ڈائیلاگ کے علاوہ زندگی کے ہر میدان میں تہذیبی لوازمات کے حوالے سے ضروری تیاری بھی جاری رہنی چاہیے تا کہ آمدہ تہذیبی تصادم میں کسی موڑ پر پسپائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

تربیت کا نبوی منہج

* ڈاکٹر محمد امین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اگر ہم ایک باغ سے تشبیہہ دے سکیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک سدا بہار باغ ہے۔ جس پر پچھلے چودہ سو سال سے کبھی خزاں نہیں آئی۔ اس میں ہمیشہ سے ہر رنگ اور ہر خوشبو کے پھول کھلتے رہے ہیں جو مسلمانوں کی روح ایمان کو تازہ اور ان کی مشام جاں کو معطر کرتے رہے ہیں اور ان میں ہر دم اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جو اس باغ کی رعنائیوں اور نکہتوں کو دوبالا کرتا رہا ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کی جان ہے۔ لہٰذا جب تک اس کرۂ ارض پر ایک بھی مسلمان زندہ ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت کا یہ باغ لہلہاتا اور کھلکھلاتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

لہٰذا یہ کہنا تو شاید صحیح نہ ہو کہ حضور ﷺ کی سیرت کا کوئی گوشہ ایسا بھی ہے۔ جس پر کچھ لکھا نہ گیا ہو۔ ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض اسباب کی بناء پر بعض معاشروں میں اور بعض زمانوں میں سیرت کے بعض پہلوؤں پر زیادہ توجہ دی گئی ہو اور بعض پر زیادہ توجہ نہ دی جا سکی ہو۔ ایسا ہی ایک گوشہ ہماری نظر میں بھی ہے۔ جس پر ہمارے محدود علم کے مطابق اتنی توجہ نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق تھا، چنانچہ ہم کچھ عرصے سے اس پر غور کر رہے ہیں، اس کے لیے مواد جمع کر رہے ہیں، اس پر لکھنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، اور وہ گوشہ ہے حضور ﷺ کے منہاجِ تربیت وتزکیہ کا۔

اس مقالے میں ہم تربیت کے نبوی منہاج یا اس کے کسی پہلو پر کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے بلکہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ ہم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے یہ بات رکھیں کہ اسلام اور عصر حاضر کے حوالے سے اس موضوع کی وہ کون سی جہات ہیں جو ہماری رائے میں سنجیدہ غور وفکر اور توجہ کی مستحق ہیں، جو یہ ہیں:

1۔ تربیت کا مفہوم

2۔ تربیت کی اہمیت

3۔ تربیت منہاج سے امت کا تغافل

---

* سینئر ایڈیٹر، اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

4۔ تربیت نبوی کے ماخذ

5۔ تربیت کے وسائل

6۔ تربیت نبوی کے اسالیب

اب ہم ان عناوین پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

1۔تربیت کا مفہوم:

ایک بات کی وضاحت ہم شروع ہی میں کر دیں کہ جن معنوں میں ہم آج کل تربیت کا لفظ بولتے ہیں ان کے لیے قرآن وسنت نے تزکیہ نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔اسی چیز کو ہم تعمیر سیرت وکردار بھی کہتے ہیں۔انگریزی والے اس کے لیے Training کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور تعلیمی حوالے سے تربیتی سرگرمیوں کو Extra-Curricular یا Co-Curricular Activities کہتے ہیں۔مغرب کے ہاں تربیت کا تصور انتہائی ناقص ہے۔تعلیمی حوالے سے ان کی تربیت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ طلبہ کی فطری صلاحیتیں نکھر جائیں مثلاً بولنے اور تقریر کرنے کی صلاحیت، لکھنے کی صلاحیت یا معاشرتی آداب جیسے صاف ستھرا رہنا، ڈھنگ کے کپڑے پہننا وغیرہ۔وہاں کے مذہبی حلقوں میں تربیت کے حوالے سے اخلاق کا تصور بھی تھوڑا بہت موجود ہے لیکن مذہب اہل مغرب کی زندگیوں سے بڑی حد تک نکل چکا ہے اور ان کی زندگیوں پر اس کے اثرات برائے نام ہیں۔

مغرب کو چھوڑیئے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بھی تزکیہ وتربیت کا تصور مسخ ہو چکا ہے۔اب ہمارے ہاں مذہبی حلقوں میں تزکیہ وتربیت کا تصور محض اتنا ہے کہ آنکھیں بند کر کے سر جھکا کر اللہ ھو کی ضربیں لگائی جائیں۔دوسرے لفظوں میں ذکر اور عبادات کی کثرت۔جہاں تک عقائد، معاملات اور اسلامی اخلاق وآداب کا تعلق ہے انہیں عملاً تزکیہ وتربیت کا جزو نہیں سمجھا جاتا بلکہ مسلم عوام وخواص کا ذوق اتنا بگڑ چکا ہے کہ وہ اسے محض چند مظاہر تک محدود سمجھتے ہیں جیسے لمبی داڑھی، ہاتھ میں تسبیح، مبا چوغہ وغیرہ خواہ دیگر اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی ہی ہو رہی ہو، جیسے نماز نہ پڑھنا یا صاف ستھرا نہ رہنا وغیرہ۔

سنت نبوی سے تزکیہ وتربیت کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ نفس انسان کی ایسی تربیت ہے

جو اس کی ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو اطاعت رب کا خوگر بنائے اور اسے رضائے الٰہی کی منزل تک لے جائے یعنی انسانی صلاحیتوں کی بہترین نشو ونما، زندگی کے ہر معاملے اور جزئیات میں (خواہ وہ زندگی کا انفرادی پہلو ہو یا اجتماعی اور خواہ داخلی پہلو ہو یا خارجی) نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ اللہ کے احکام کی اطاعت، خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے اور خواہ اخلاق وآداب سے ہو یا معاملات سے، اس کے لیے مرغوب بن جائے اور اللہ کی خوشنودی ورضا اس کی غایت الغایات بن جائے۔

تربیت کی اس تعریف سے اسلام کے تصور تربیت کے مندرجہ ذیل خصائص سامنے آتے ہیں:

i۔ تربیت کا ایک جامع تصور جو تربیت کے سارے پہلوؤں اور سارے اصول وجزئیات پر حاوی ہے۔

ii۔ انسان کی داخلی اور روحانی زندگی کی تسکین کا سامان بھی اس میں ہے۔

iii۔ اس میں بہترین اجتماعی زندگی کا تصور بھی شامل ہے جس میں ایک فلاحی ریاست ہی نہیں بلکہ بہترین فلاحی معاشرے کا تصور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے۔

iv۔ اس میں موجودہ دنیاوی زندگی ہی کی فلاح شامل نہیں بلکہ اخروی فلاح اور فکر آخرت بھی اس میں شامل ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کا اصل زور آخرت ہی پر ہے۔ دنیاوی زندگی تو محض اس کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

v۔ یہاں اصل چیز ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت ومحبت اور اس کی رضا کا حصول ہے اور اس طرح کے ایک عظیم نصب العین سے بندھ کر فرد اور معاشرے کی ساری صلاحیتیں ایک ہی ہدف کے لیے یک جہت اور یکسو ہو جاتی ہیں۔

اسلامی تصور تربیت کے ان خصائص سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام کا تصور تربیت ایک جامع اور منفرد خصائص کا حامل تصور ہے۔ اس کے مقابلے میں مغرب کا تصور تربیت انتہائی ناقص ہے۔ نیز آج کل مسلمانوں میں مروّج تربیت کا تصور بھی ادھورا اور نامکمل ہے لہٰذا تربیت کے نبوی منہاج کی طرف رجوع ضروری ہے۔

2۔ تربیت کی اہمیت:

تربیت کا اگر وہ مفہوم اور تصور سامنے رہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے تو اس سے یہ بات نہایت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے کہ تربیت نفس انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ، اصل دین اور ہدف دین ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسے حضور اکرم ﷺ کا بنیادی مقصد قرار دیا ہے۔

﴿ هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیته ویزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین ﴾(۱)

''وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

یہی بات قرآن میں ان سے ملتے جلتے الفاظ میں تین دوسری جگہوں پر بھی کہی گئی ہے۔(۲) اور یہی نہیں قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تزکیہ صرف نبی اکرمؐ ہی کا مقصد بعثت نہیں تھا بلکہ پہلے انبیاء کا مقصد بھی یہی تھا اور ان کے صحیفوں میں بھی یہی بات کہی گئی تھی چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربه فصلی ○ بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا والاخرۃ خیروابقٰی ○ان هذا لفی الصحف الاولی ○ صحف ابراهیم و موسی ﴾ (۳)

''کامیاب ہوا وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا، جو اللہ کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور پائیدار ہے۔ یہی نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی موجود تھی۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

یہی بات سورۃ نازعات میں بھی کہی گئی ہے۔(۴) نیز قرآن کے اسلوب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے

۱۔ الجمعه: ۶۲/۲

۲۔ البقرہ: ۲/۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران: ۳/۱۶۴

۳۔ الاعلی: ۸۷/۱۴۔۱۹

۴۔ النازعات: ۷۹/۱۷۔۱۸

کہ گو پیغمبر کے کرنے کے کام اور بھی ہیں لیکن ان کاموں کا حاصل اور ان کی غایت بھی تزکیہ ہی ہے چنانچہ دیکھیے کہ سورۃ بقرہ میں جہاں مقاصد بعثت کا ذکر ہے، ایک دفعہ ان کے شروع میں تزکیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ان کے آخر میں گویا اوّل و آخر مقصود تزکیہ ہی ہے۔(۵)

قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ تزکیہ کی اہمیت اچھی طرح ہم پر واضح کر دی بلکہ کمال مہربانی سے اس حکمت پر سے بھی پردہ اٹھایا کہ تزکیے کی یہ اہمیت کیوں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ قد افلح من زکاھا ○ وقد خاب من دساھا﴾(۶)

''تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا وہ جس نے ایسا نہ کیا۔''

یعنی تزکیے کی یہ اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ہماری فوز وفلاح اور کامیابی و ناکامی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ فلاح قرآن وسنت کی ایک جامع اصطلاح ہے، جس سے دنیا و آخرت دونوں کی اور ہر طرح کی کامیابی و کامرانی مراد ہے۔ گویا تزکیے کی اہمیت یہ ہے کہ اسی پر ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر مبعوث فرماتا رہا ہے تاکہ وہ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں تاکہ وہ فلاح پا سکیں۔

3۔ نبوی منہج تربیت سے امت کا تغافل:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تزکیہ وتربیت کی دین میں یہ اہمیت ہے تو امت اس سے غافل کیسے ہوگئی؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ امت اس سے بالکل ہی غافل ہوگئی ہے۔ ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے تقاضوں پر صحیح طریقے سے عمل نہیں ہو رہا یا اس کا حق ادا نہیں ہو رہا۔ امت کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضورؐ کے صحابہ اور ان کے شاگرد اس معاملے میں انتہائی متحرک اور سرگرم تھے اور دوسری صدی میں جب امت کے علماء وصلحاء نے دیکھا کہ اس کے لیے خصوصی کوششوں کی ضرورت ہے تو تصوف کا ادارہ وجود میں آیا اور اگلی چند صدیوں میں اس ادارے کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ عالم اسلام کا شائد ہی کوئی کونہ ایسا ہو جہاں تعلیم کے لیے مدرسہ اور تربیت کے لیے خانقاہ موجود نہ ہو۔ تاہم یہ الگ کہانی ہے جس کی

۵۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ج:۱ ص:۱۷، ملک سنز، فیصل آباد ۱۹۸۱ء

۶۔ الشمس: ۹۱/۹۔۱۰

تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ اس ادارے میں غیر اسلامی عناصر خصوصاً یونان و ایرانی فلسفہ کیوں اتنی جلدی گھسنے میں کامیاب ہوگیا، جس سے اس ادارے کی اسلامی حالت مجروح اور کمزور ہوگئی۔ اگر ہم آج کے حالات پر غور کریں تو ہمیں تربیت کے صحیح تصور سے تغافل کے مندرجہ ذیل اہم اسباب نظر آتے ہیں:

i۔ دین سے دوری اور لاتعلقی کی ایک عمومی فضا

ii۔ مغرب کی بے خدا اور مادہ پرست تہذیت کے اثرات کا غلبہ

iii۔ دین کے فہم کا ناقص تصور

iv۔ تصوف کا بگاڑ

v۔ بعض بڑی معاصر دینی تحریکوں کا دین کی دنیوی کامیابی کے لیے سیاسی جدوجہد پر غیر متوازن طریقے سے اصرار اور تزکیہ و تربیت سے اہمال۔

ہم سمجھتے ہیں، کہ اگر حکمت سے ان موانع کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے تو تربیت کا صحیح تصور بحال ہوسکتا ہے اور صحیح مسلم فرد اور اجتماعیت کے قیام کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔ ان شاء اللہ۔

4۔ تربیت نبوی کے ماخذ:

اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ نبی اکرمؐ کے منہاج تربیت کا ماخذ کیا تھا تو اس کے دو بنیادی ماخذ ہمارے سامنے آتے ہیں ایک وحی اور دوسرے عقل و اجتہاد۔ وحی کو دو قسموں جلی اور خفی یا متلو اور غیر متلو میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک وہ رہنمائی جو ہمارے پاس قرآن حکیم کی صورت میں لفظاً لفظاً بین الدفتین محفوظ و مامون ہے اور جس کی تلاوت بھی باعث ثواب ہے۔ دوسرے وہ رہنمائی جو قرآن کے علاوہ حضور ﷺ کو بذریعہ فرشتہ یا بذریعہ خواب یا بذریعہ کشف والہام مہیا کی جاتی تھی۔ خود قرآن ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ رہنمائی بھی میسر تھی۔(۷) اور چونکہ امت کو مطلقاً، بغیر کسی شرط کے حضورؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ وَاَطِیعوا اللّٰہ والرَّسُول لَعلَکُم تَرحَمُون ﴾ (۸)

۷۔ التحریم: ۶۶/۳

۸۔ آل عمران: ۳/۱۳۲

''اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ؐ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

﴿ وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا﴾(۹)

''اور رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔''

بلکہ اسی سے رضائے الٰہی کو مشروط کیا گیا ہے:

﴿ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم﴾ (۱۰)

''اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا۔''

لہٰذا امت پر اس وحی (یعنی سنت) کی پیروی بھی فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وما کان لمو من ولا مو منه اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیر ة من امرھم ومن یعص اللہ ورسو له فقد ضل ضلا لاًبعیداً ﴾ (۱۱)

''کسی مومن مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو پھر ان کے لیے اس میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔''

بلکہ اسے دوسری جگہ کفر (یعنی نقیض ایمان) قرار دیا:

﴿ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولو ا فان اللہ لا یحب الکافرین﴾ (۱۲)

''اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو اللہ ایسے کافروں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

یہی وجہ ہے کہ وحی خفی یعنی سنت رسول ؐ کے حجت و فرض ہونے پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔

۹۔ الحشر: ۵۹/۷

۱۰۔ آل عمران: ۳/۳۱

۱۱۔ الاحزاب: ۳۳/۳۶

۱۲۔ آل عمران: ۳/۳۲

اوراس کا انکار نہیں کیا سوائے آکا دکا کسی فرد یا گروہ کے، جن کی گمراہی پر امت متفق ہے۔

تربیت کے نبوی منہاج کا دوسرا ماخذ عقل واجتہاد ہے۔ وہ امور جن میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ رہنمائی میسر نہیں ہوتی تھی ان میں آپ اللہ کی دی ہوئی فراست اور عقل سلیم سے لوگوں کی تربیت کرتے تھے۔ حضورؐ اس طرح کے فیصلے بھی قرآنی احکام کی روشنی میں، نصوص قرآن سے استنباط کرتے ہوئے اور شریعت کے مقاصد عمومی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرتے تھے اور قرآن اس امر کی وضاحت بھی کر چکا ہے کہ حضورؐ کا ہر قول مبارک زیغ وہوی سے پاک ہوتا تھا۔

﴿ وماینطق عن الهوی ، ان هوالا وحی یوحی﴾ (۱۳)

''وہ (پیغمبر) اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ یہ تو ایک وحی ہے۔ جوان پر نازل ہوتی ہے۔''

تاہم ان امور میں بشری تسامح کا امکان موجود تھا لیکن چونکہ آپ کو وحی کی رہنمائی ہر وقت میسر تھی لہذا اگر آپ سے کوئی خلاف اولیٰ بات ہوتی تو وحی جلی اس کی تصحیح کر دیتی تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم کے مطابق کئی دفعہ ایسا ہوا۔ (۱۴) اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ کا اجتہاد واستنباط بھی ہر قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے اجتہادات کے بارے میں ثقہ علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ بھی امت کے لیے حجت ہیں۔ (۱۵) اور وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا مختلف بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبوی منہاج تربیت کے دو ماخذ تھے۔ قرآن واجتہاد اور دونوں مکمل شرعی استناد کے حامل تھے۔

5۔ تربیت کے وسائل:

تربیت کے وسائل کے لحاظ سے بھی ہمارے ہاں ذہنی اور فکری ژولیدگی کی ایک مستحکم فضا موجود ہے۔ مغرب کا تصور تربیت ہی چونکہ ناقص ہے لہٰذا ان کے وسائلِ تربیت ادھورے اور ناقص ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اور تربیتی اداروں کے منتظمین سمجھ نہیں پاتے کہ وہ اپنے طلبہ کی تربیت کیسے کریں؟ جہاں تک ہمارے صوفی حلقوں کا تعلق ہے وہاں محبت اور کثرت ذکر ہی کو تربیت کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں

۱۳۔ النجم: ۳/۵۳

۱۴۔ عبس: ۸۰/ ۱۔۱۰، الانفال: ۶۷/۸، الانعام: ۳۵/۶، التحریم: ۶۶/ ۱ وغیرہ

۱۵۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی، حجتہ اللہ البالغہ، ص: ۱۲۸، طبع دار الفکر، قاھرہ

کوئی شک نہیں کہ اصولاً یہ دونوں امور تزکیہ و تربیت میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن ان دو اصولوں کی تفریع و تعمیل میں غیر شرعی جزئیات کی اتنی بھر مار کر دی گئی ہے کہ محبت و کثرت ذکر کے یہ دونوں ادارے گونا گوں مفاسد کا مجموعہ بن کر رہ گئے ہیں اور اپنی مروجہ صورت میں یہ شاذ ہی اس طرح کی تربیت مہیا کرتے ہیں۔ جو اسلام میں اصلاً مطلوب ہے۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ نبوی منہاج کے صرف تین اہم وسائل کے طرف اشارہ کریں گے۔

(i) شریعت:

اس سلسلے میں جو بات انتہائی اہمیت کی حامل اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے وہ مسلمانوں کا اس امر سے صرف نظر کرنا ہے کہ ساری شریعت ہمارا تزکیہ کرتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف شریعت ہی ہمارا توازن اور مکمل تزکیہ کرتی ہے اور کر سکتی ہے۔ شریعت یا دین کو ہم سہولت بیان کی خاطر چار بڑے شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات۔ ان چاروں شعبوں کے احکامات پر اگر اس توازن کے ساتھ عمل کیا جائے جس کی عملی تصویر ہمیں حضور اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں نظر آتی ہے تو پھر ہی انسان کی شخصیت اس طرح ارتقا پذیر ہوتی ہے کہ قرآن کا انسان مطلوب اور اسلام کا مرد کامل وجود میں آتا ہے اور انسانی نفس کا مکمل اور متوازن تزکیہ ہوتا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عقائد عبادات اور کسی حد تک اخلاق کا تزکیہ نفس کا وسیلہ ہونا تو بعض لوگوں کی سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن معاملات کا وسیلہ تزکیہ نفس ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ غور کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جانی چاہیے مثلاً اگر ایک آدمی متاہل زندگی نہیں گزارتا اور اس پر صنفی جذبات غلبہ پا لیتے ہیں تو اس کا راہ راست سے بھٹک جانا اغلب ہے اور اگر وہ اس بدقسمتی کا شکار ہو جائے تو ظاہر ہے وہ خدا کی ناراضگی بھی مول لے گا، اس کے اخلاق بھی برباد ہو جائیں گے، اسکی معیشت و معاشرت بھی فساد کا شکار ہو جائے گی اور ایسی دینی کیفیت میں وہ اللہ کی عبادت بھی کیسے کر سکے گا؟۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک خاوند اگر اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ صحابہ کو یہ بات سمجھ نہ آئی اور انہوں نے وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے صنفی جذبات کے غلط استعمال اور نتائج کی طرف ان

کی توجہ دلائی، تو وہ بات کو سمجھ گئے۔ تو گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات چاروں مل کر نفس انسانی کا مکمل اور متوازن تزکیہ کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ بات بری لگتی ہے کہ ہم عبادات کو ذریعہ تزکیہ کہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبادات کوئی ٹریننگ کورس نہیں یہ فی نفسہ مطلوب ہیں تا کہ خالق مخلوق کا تعلق صحیح خطوط پر استوار ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ عبادات یا عقائد یا اخلاق کو تزکیہ کا ذریعہ کہنا ہرگز ان کے کے استخفاف پر دال نہیں کرتا بلکہ یہ محض ایک امر واقعہ کا اظہار ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر ہم انسانی تعلقات کا احاطہ کرنا چاہیں تو بنیادی طور پر وہ تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ انسان کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ' انسان کا تعلق اپنے ابنائے نوع اور دوسری مخلوقات کے ساتھ اور اپنے نفس کے ساتھ۔ جب تک یہ تینوں قسم کے تعلقات ایک توازن کے ساتھ صحیح خطوط پر استوار نہ ہو جائیں، انسانی شخصیت کا متوازن اور مکمل تزکیہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ شریعت کے یہ چاروں شعبے مل کر ہی انسانی شخصیت کا متوازن تزکیہ کرتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شریعت کے یہ چاروں شعبے محض تزکیہ نفس کا وسیلہ ہی نہیں بلکہ یہ چاروں کے چاروں دین کا ہدف بھی ہیں اور باہم متقارب اور متخالط بھی۔ مثلاً نماز کو لیجئے۔ خود قرآن کہتا ہے کہ یہ تذکیر ہے۔(۱۶) اور انسان کو برائیوں سے روکتی ہے۔(۱۷) یہ گویا نماز کے اخلاقی اثرات ہیں۔ اسی طرح باجماعت نماز (اور اس میں نماز پنجگانہ کے علاوہ جمعہ اور عیدین کو بھی داخل سمجھے) ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اور تعلق باللہ کو مضبوط کرنے کا تو یہ وسیلہ ہے ہی اور یہ ہمیں روزہ، زکوۃ اور حج پر بھی اُکساتی ہے۔ اسی طرح ہر شعبے سے مثالیں دے کر یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے چاروں شعبے بیک وقت وسیلہ بھی ہیں اور ہدف بھی۔ لہٰذا ان کو تزکیہ نفس کا وسیلہ کہنا ان کے استخفاف کے مساوی نہیں ہے۔

(ii) عملی نمونہ:

تربیت کا دوسرا بڑا ذریعہ حضور ﷺ کا خود کو عمل کے بہترین نمونے کے طور پر پیش کرنا ہے۔

۱۶۔ طٰہٰ: ۲۰: ۱۴

۱۷۔ العنکبوت: ۲۹: ۴۵

حضور ﷺ نے صحابہ کی جو کامیاب تربیت کی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جو کچھ کہتے تھے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔آپؐ کی تلقین محض زبانی نہ تھی، محض وعظ اور لیکچر نہ تھی بلکہ اس تعلیم کے تقاضوں کا آپ ایک بہترین نمونہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی نے ایک دفعہ حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو انہوں نے کہا ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے''؟ (۱۸) مطلب یہ کہ جن اخلاقی تعلیمات کا قرآن میں ذکر ہے گویا آپ ﷺ ان کی تجسیم اور ان کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ جنگ خندق کے وقت غربت کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ایک آدمی نے بھوک کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا دیا وہاں دو پتھر بندھے تھے۔ (۱۹) ہجرت کے فوراً بعد بڑی اضطرابی کیفیت کا سماں تھا اور ہر لمحے یہ ڈر رہتا تھا کہ کفار حملہ نہ کر دیں۔ایک رات کچھ شور ہوا تو لوگ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے۔دیکھا تو حضور ﷺ تلوار پکڑے ہوئے باہر سے تشریف لا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کوئی بات نہیں، خیریت ہے، میں دیکھ کر آ رہا ہوں، آپ لوگ جائیں آرام کریں۔(۲۰) **جنگ حنین** میں ہزاروں مسلمان تیروں کی اچانک بارش سے تتر بتر ہو گئے لیکن حضور ﷺ اپنی جگہ جم کر کھڑے رہے اور ایک انچ پیچھے نہ ہٹے۔(۲۱) غرض حضور ﷺ کی ساری زندگی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ آپ نے ہر معاملے میں عملی نمونہ پیش کیا۔قرآن نے اس کی گواہی یوں دی ہے:﴿ **لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه**﴾(۲۲)۔

(iii) تعلیم:

تربیت کا ایک بڑا وسیلہ اور ذریعہ پہلے بھی تعلیم ہی تھی اور آج بھی تعلیم ہی ہے۔قرآن نے اس کا اظہار پہلی وحی میں کیا﴿ **الذی علم بالقلم .علم الانسان مالم یعلم**﴾(۲۳) بلکہ اس کا اظہار تو

۱۸۔ ابن سعد،الطبقات الکبری : ۱/۲،ص: ۳۶۴

۱۹۔ امام بخاری ، لجامع الصحیح، ج:۴،ص: ۱۱۲طبع القاهره

۲۰۔ امام مسلم،الجامع الصحیح، ج:۴،ص: ۱۸۰۲ ،رقم الحدیث :۲۳۰۷،طبع القاهره

۲۱۔ امام مسلم ،الجامع الصحیح، ج:۳،ص: ۱۳۹۸ ،رقم الحدیث :۱۷۷۵

۲۲۔ الاحزاب: ۳۳/۲۱

۲۳۔ العلق: ۹۶/۴،۵

تخلیق انسانی کے وقت ہی ہو گیا تھا۔ جب اللہ نے آدم کو وہ علم عطا فرمایا جو فرشتوں اور جنوں کو عطا نہ کیا تھا اور ان دونوں گروہوں کو آدم کے آگے جھکنے کا حکم دے کر انسان کی فضیلت کا اعلان فرما دیا تھا۔ (۲۴) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں حضور ﷺ کے مقاصد بعثت گنوائے ہیں، وہاں قرآن وحکمت کی تعلیم کا صراحت سے ذکر کیا ہے اور دیکھا جائے تو قرآن کی تلاوت بھی اس کی تعلیم ہی کا ایک حصہ ہے گویا اگر ہم حضور ﷺ کے مقاصد بعثت کو دو لفظوں میں سمونا چاہیں تو وہ ہیں تعلیم اور تزکیہ اور جیسا کہ پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ تعلیم بھی دراصل ذریعہ ہے۔ حضور ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو اس وقت تعلیم کے جو میسر ذرائع تھے وہ آپ نے سب استعمال کیے، لکھنے اور پڑھنے کا ذریعہ اس وقت عام نہ تھا اور تعلیم کا انحصار زبان سے گفتگو اور ذہن سے یاد کرنے پر تھا چنانچہ یہی دو ذرائع زیادہ استعمال میں لائے گئے۔ آپ ﷺ نہ صرف باقاعدہ لیکچر دیتے تھے بلکہ غیر رسمی تعلیم کے لیے آپ ﷺ نے اپنے چوبیس گھنٹے وقف کر رکھے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمداً بعثت کے بعد کسب رزق کے لیے کوئی ذریعہ معاش اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے سارے اوقات لوگوں کی تعلیم کے لیے وقف رکھے۔ چنانچہ تعلیم کا یہ سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا۔

6۔ تربیت کے اسالیب:

حضور ﷺ کے منہاج تربیت کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک اور اہم پہلو ہمارے سامنے رہنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حضور ﷺ نے تعلیم وتربیت کا یہ کام کیسے کیا؟ اس کے طرق اور اسالیب کیا تھے یہاں چونکہ تفصیل ہمارے پیش نظر نہیں لہٰذا چند اہم طرق واسالیب کی طرف اشارہ کر کے ہم اس گفتگو کو ختم کرتے ہیں۔

(i) نرمی:

حضور ﷺ کے تعلیم وتربیت کا ایک وصف یہ تھا کہ آپ ﷺ اس میں ہمیشہ نرمی اور حلم سے کام لیتے تھے۔ آپ نے کبھی سخت لہجہ اور درشت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس کی گواہی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یوں دی ہے کہ میں بچہ تھا اور ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا، بچپنے کی وجہ سے بے دھیانی اور حکم

۲۴۔ البقرہ: ۲/ ۳۰۔ ۳۴

عدولی بھی ہو جاتی تھی لیکن حضور ﷺ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی میرے ساتھ غصے سے بات کی۔(۲۵) ایک دفعہ ایک بدو مسجد نبوی میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔لوگ اسے زجر و توبیخ کرنے اور مارنے کو لپکے تو حضور ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا اور جب وہ فارغ ہو گیا تو اسے آرام سے سمجھایا کہ مسجد اس کام کے لئے موزوں جگہ نہیں ہے۔(۲۶) آپ کی اس نرمی کی گواہی قرآن نے یہ کہہ کر دی ہے۔﴿ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک﴾(۲۷)

(ii) مشورہ کرنا:

آپ اللہ کے پیغمبر تھے آپ پر وحی اترتی تھی اور اگر کسی معاملے میں وحی نہ اترتی تو بھی آپ اپنی خداداد فراست سے تنہا فیصلے کر سکتے تھے آپ لوگوں کے محبوب لیڈر تھے جو فیصلہ کرتے لوگ اسے مان لیتے لیکن مامور بہ امور کے علاوہ اجتماعی معاملات میں آپ نے ہمیشہ مشورے سے کام کیا اور یہی نہیں بلکہ بہت سے معاملات میں اپنی رائے چھوڑ کر اپنے احباب کی رائے مان لی جیسا کہ جنگ اُحد کے وقت ہوا جس میں یہ بات زیر بحث تھی کہ جنگ مدینہ میں رہ کر لڑی جائے یا باہر نکل کر۔(۲۸) اسی طرح جنگ بدر میں مقام جنگ کے تعین کے وقت ہوا اور آپ ﷺ نے اپنی رائے چھوڑ کر حضرت خباب بن منذرؓ کی رائے مان لی۔(۲۹)

(iii) عمدہ خطیب ہونا:

اچھے معلم اور قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھا مقرر ہو۔سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ بہت اچھے مقرر تھے۔آپ کی آواز بھاری اور پاٹ دار تھی۔تقریر میں جب ضرورت ہوتی ہاتھوں سے اشارے کرتے تھے اور آواز کو پست و بالا کر لیتے تھے اور مجمع پر چھا جاتے تھے۔(۳۰)

۲۵۔ امام مسلم ،الجامع الصحیح: کتاب الفضائل،باب من خلقه صلی الله علیه وسلم

۲۶۔ ابو دائود السجستانی ، السنن، ج:۴،ص:۲۶۳ ،طبع دهلی ۱۳۸۹ھ

۲۷۔ آل عمران:۳/۱۵۹

۲۸۔ ابن سعد ،الطبقات الکبری ،ج:۲،ص:۳۸

۲۹۔ ابن هشام ،السیرة النبویه،ص:۲۹۷

۳۰۔ قاضی محمدثناء الله ،شمائل واخلاق نبوی،ص:۸۲،عن محب الطبری ،تحقیق ڈاکٹر محمود الحسن عارف

(vi) مساوات:

حضور ﷺ جو کام دوسروں کو کرنے کو کہتے تھے خود بھی اس میں شریک ہوتے تھے اور کسی امتیاز کو روا نہیں رکھتے تھے۔ایک سفر میں جب لوگوں نے پڑاؤ ڈالا اور کھانا پکانے لگے تو لوگوں کے منع کرنے کے باوجود آگ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے کا کام آپ ﷺ نے اپنے ذمہ لیا۔(۳۱) اسی طرح جنگ بدر میں سواری کم تھی، تین آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا۔آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بہت کہا کہ آپ ﷺ اونٹ پر تشریف رکھیں، ہم خوشی سے پیدل چل لیں گے لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور کہا تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو۔چنانچہ اپنی باری پر اونٹ پر بیٹھتے اور پھر دوسروں کی طرح پیدل چلتے۔(۳۲)

(v) حریت:

آپ لوگوں سے زبردستی اپنی بات نہیں منواتے تھے۔اللہ کے رسول ﷺ اور لوگوں کا محبوب قائد ہونے کے باوجود اخلاقی دباؤ سے بھی کام نہیں لیتے تھے بلکہ لوگوں کو اپنی بات کہنے اور کرنے کی اجازت دیتے تھے۔حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ مشہور ہے کہ جب انہیں غلامی سے نجات ملی تو انہیں سابقہ نکاح فسخ کرنے کا حق مل گیا جو انہوں نے توڑنا چاہا۔ان کے خاوند روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے کہ وہ نکاح نہ توڑے۔حضور ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے بات کی۔انہوں نے کہا آپ ﷺ مجھے حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا حکم نہیں دے رہا یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔تمہارے خاوند کی سفارش کر رہا ہوں۔انہوں نے معذرت کر دی اور کہا میں نہیں مان سکتی۔میرا اس شخص کے ساتھ رہنے کو دل نہیں مانتا۔اس طرح ایک حبشی خادمہ نے سرورِ عالم ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا لیکن آپ ﷺ نے برا نہیں مانا اور نہ ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے کہ یہ اس کا حق ہے۔حضور ﷺ کی اسلوب تعلیم تربیت کی بیسوں نہیں سینکڑوں خصوصیات گنوائی جا سکتی ہیں لیکن یہاں ان کا شمار یا استقصاء مقصود نہیں ہے لہٰذا ہم ان چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی بات کو دہراتے ہیں کہ حضور ﷺ کے منہاج تربیت و تزکیہ کا موضوع ایک اہم موضوع ہے اور اس پر کام کی گنجائش ابھی باقی ہے لہٰذا اہل علم کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

۳۱۔ ابن کثیر ،السیرة النبویة، ج:۲،ص: ۳۸۹طبع القاھرہ: ۱۳۸۴ھ

۳۲۔ ابن ماجہ:السنن، کتاب الطلاق،باب خیار الامة اذاعتقت

رسول اکرم ﷺ کا نفسیاتی طریقہ دعوت

(وفود عرب کے ساتھ)

* ڈاکٹر محمد سجاد

سیرت نبوی ﷺ کا ایک اہم باب اور عنوان ''وفود عرب کی بارگاہ رسالت میں آمد'' ہے قدیم مآخذ سیرت میں عموماً فتح مکہ کے بعد اشاعت اسلام کے ضمن میں وفود عرب کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان وفود کے مطالعہ سے جہاں سیرت طیبہ کے کئی نمایاں پہلو اجاگر ہوتے ہیں، وہاں دعوت نبوی کے کئی اسالیب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اس کی ہی کوشش کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرجوش اور بادشاہوں کی طرح استقبال کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ جہاں تمام امور خدا تعالیٰ کے دین اور شریعت کے مطابق انجام پاتے تھے۔ اس ریاست کے قیام پر ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ دور و نزدیک کے قبائل سے اس کے تعلقات قائم ہونے شروع ہو گئے اور مختلف قبائل کے وفود مدینہ آنے لگے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا وفد مضر کی شاخ مزینہ کا تھا۔ جو رجب ۵ھ میں حاضر ہوا۔(۱)

فتح مکہ نے ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت ہے' اسے دبایا اور مٹایا نہیں جا سکتا۔ جو قبائل اسلام کی بقا اور اس کی کامیابی کے بارے میں تردّد کا شکار تھے، ان کا تردد ختم ہو گیا اور قبیلے کے قبیلے اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں لگاتار مدینہ میں ان کے وفود کی آمد شروع ہو گئی۔ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور ۹ھ میں ان وفود کی آمد اس کثرت سے ہوئی کہ مورخین اسے ''عام الوفود'' (وفود کا سال) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔(۲)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۔ ابن سعد ۱/۲۹۱' اس پر مزید بحث کے لیے ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ ۴/۷۷

۲۔ ابن ھشام ۴/۲۲۱

فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے اس تیزی سے اسلام قبول کرنے کی وجہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

كانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه و قومه فانه ان ظهر عليهم فهو نبي صادق فلما كانت وقعته الفتح بادر كل قوم باسلامهم و بادر قومي باسلامهم(۳)

''عرب اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ ان پر غلبہ حاصل کر لیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ سچے نبی ہیں۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں تیزی دکھائی۔ میری قوم نے بھی اپنے اسلام کے سلسلہ میں جلدی کی۔''

مغازی کے امام محمد بن اسحاق (م:۱۵۱ھ) نے اسی بات کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اہل عرب اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو کشمکش چل رہی ہے وہ کسی نتیجے تک پہنچے (تاکہ وہ اپنے بارے میں فیصلہ کر سکیں) اس لیے کہ قریش کی حیثیت لوگوں کے امام کی تھی۔ وہ بیت اللہ اور حرم محترم کے متولی تھے اور حضرت اسماعیلؑ سے ان کا نسلی تعلق خالص اور بے آمیز تھا۔ پورا عرب ان کے مرتبہ و مقام کو تسلیم کرتا تھا۔ ان ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کا آغاز کیا تھا۔

جب مکہ فتح ہو گیا' قریش نے سپر ڈال دی اور سب کے سب اسلام کے زیرنگوں ہو گئے تو اہل عرب کو یقین آ گیا کہ اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور وہ ہر طرف سے گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید کی سورۂ نصر میں بیان فرمایا ہے:

﴿ اذا جاء نصر الله و الفتح﴾(۴)

۳۔ بخاری' كتاب المغازی باب (بغير عنوان) رواه النسائی مختصراً كتاب الاذان باب احتزاء المرء باذان غيره في الحضر

۴۔ ابن ہشام ۴/۲۲۲

فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں اسلام کو قوت بخشنے میں کتنے گہرے اور دورس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوۂ تبوک کے بعد پختہ سے پختہ تر ہوگئی۔ ان دو برسوں ۹ھ اور ۱۰ھ میں مدینے آنے والے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا اس کی تعداد غزوۂ تبوک میں (جبکہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزرا تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہوگیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ ۲۴ ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار اہل اسلام کا سیلاب اُمنڈ پڑا۔

وفود کی تعداد:

سیرت کی مختلف قدیم کتب میں مدینہ آنے والے وفود کی تعداد:

۱۔ کم از کم ۱۵ (۵) اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴ ملتی ہے۔ (٦)

۲۔ ابن سعد نے نام بنام ان کی تفصیل فراہم کی ہے، اس کے مطابق ان کی تعداد ۷۲ ہے (۷) تحقیق کے بعد اس میں کمی بیشی کا بھی امکان ہے۔ (۸)

۳۔ حافظ ابن قیم نے ۳۲ وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ (۹)

۴۔ سیرت حلبیہ میں ۳۵ وفود کا ذکر ملتا ہے (۱۰)

۵۔ طبری نے ۳۴ وفود کا ذکر کیا ہے۔ (۱۱)

٦۔ ابن کثیرؒ نے اپنی سیرت میں ۷۱ وفود کی تفصیل بیان کی ہے۔ (۱۲)

۵۔ نفس مصدر

٦۔ الشامی محمد بن یوسف الصالحی، سبل الھدیٰ والرشاد، تحقیق عادل احمد، شیخ علی محمد معوض، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء ج ٦، ص: ۲۵۴

۷۔ ابن سعد ۱/ ۲۹۱، ۳۵۹

۸۔ علامہ ابن کثیرؒ کے ہاں ابن سعد کے بیان کردہ بعض وفود کا تذکرہ نہیں ملتا۔ (سیرت ۴/ ٦)

۹۔ ابن قیم، زاد المعاد ۳/ ۵۹۵

۱۰۔ السیرۃ الحلبیہ قاہرہ ۱۹٦۳ء

۱۱۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک ۳/ ۱۳۹

۱۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ۴/ ۷٦

۷۔ ابن اثیرؒ نے ۳۱ وفود کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۳)

۸۔ قسطلانی نے مواہب میں ۳۵ وفود کی آمد میں بیان کی ہے۔(۱۴)

وفودِ عرب دعوت و تبلیغ کا ذریعہ تھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ وفودِ اسلام قبول کرتے۔ کبھی اس بات کی اطلاع دیتے کہ وہ اسلام لا چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر دین سیکھتے' اسلامی زندگی کا عملاً مشاہدہ کرتے' نماز پڑھتے اور اس کے طریقے سے واقفیت حاصل کرتے۔ احکام شریعت کی تفصیل معلوم کرتے۔ عام طور پر تاثر یہ ہے کہ یہ وفود' جوق در جوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نعمت اسلام سے مشرف ہونے کے لیے آئے۔ لیکن اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ان وفود کی آمد کے مقاصد مختلف تھے۔ مثلاً

۱۔ بعض لوگ تلاش حق میں نکلے اور جستجو کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب میں آ پہنچے۔ (جیسے کہ وفد عمرو بن عبسہ)(۱۵)

۲۔ بعض وفود تفقه فی الدین کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (مثلاً وفد اشعریین)ان کے بارے میں بڑا دلچسپ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کائنات کے آغاز کے بارے میں دریافت کیا اور لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تکوین عالم کی تشریح سن کر اہل وفد اتنے خوش ہوئے کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔(۱۶)

۳۔ کسی وفد نے خوابوں کی تعبیر پوچھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انتہائی تشفی بخش طریق سے ان کی تعبیر بیان فرمائی بلکہ سائل کے بعض مخفی جسمانی مصائب کی نشاندہی بھی فرما دی جسے سن کر وہ

۱۳۔ ابن اثیر' الکامل فی التاریخ ۲/ ۲۸٦

۱۴۔ الکتانی، التراتیب الادار یہ ج:۱' ص:۲۳۴

۱۵۔ طبری' تاریخ الامم والرسل والملوک ۴/ ۲۸۴

۱٦۔ ابن سعد ۱/ ۳۴۸' و بخاری' کتاب بداء الخلق باب ما جاء فی قول الله تعالیٰ و هو الذی یبداء الخلق

حیران وششدر رہ گیا۔(۱۷)

۴۔ بعض وفود معاہدہ صلح وامن کے لیے حاضر ہوئے اور واضح طور پر یہ کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے نہیں آئے' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ دولت اسلام سے بہرہ یاب ہوکر اپنے گھروں کو لوٹے۔(جیسے وفد اشجع)(۱-۱۷)

۵۔ بعض لوگ کسی وفد میں شامل ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک شہید کرنے کا ناپاک عزم لے کر آئے۔لیکن جس کی حفاظت رب کائنات فرما رہا ہو اسے کون ضرر پہنچا سکتا ہے' یہ لوگ عبرتناک انجام کو پہنچے۔جبکہ وفد کے باقی لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔دیکھئے (وفد بنی عامر بن صعصعہ)(۱۸)

بعض مفاخرت کے لیے آئے جیسے بنو تمیم کا وفد' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وفد کا قائد اقرع بن حابس کو بایں الفاظ اعتراف کرنا پڑا۔(''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ہے' ان کا کلام ہمارے کلام۔سے زیادہ فصیح اور ان کی زبان ہماری زبان سے زیادہ شیریں ہے۔''(۱۹)

یہ تمام وفود دولت ایمان سے مشرف ہوتے اور اس مرکز ہدایت سے مستفیض ومستفید ہوکر جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ذمہ داری لگاتے کہ واپس جا کر اپنے قبیلے اور خاندان میں دعوت کا کام کریں۔ وفود میں کیونکہ قبیلہ کا سردار یا قائد یا چند ایک افراد نمائندگی کرتے چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس دعوت وتبلیغی ذمہ داری کی طرف متوجہ فرماتے۔ بعض وفود کے مطالعہ سے اس کی صراحت بھی ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری سونپی۔مثلاً اس طرح کی بعض ہدایات کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ ۸ھ میں قبیلہ عبدالقیس جس کا تعلق بنو ربیعہ سے تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

۱۷۔ ابن سعد ۱/۳۳۹

۱۷۔۱ ابن سعد ۱/۳۱۰

۱۸۔ ایضاً ابن سعد ۱/۲۱۵ وابن خلدون' تاریخ ج:۲'ص:۲۵۹

۱۹۔ ابن سعد ۱/۲۹۳

ہوااور عرض کی:

((انا لا ناتیک الا فی الشھر الحرام و بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر مرنا بامر فصل نخبر بہ من وراء نا و ندخل بہ الجنۃ(۲۰)

''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشہر حرم ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں۔اس لئے کہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کفار مضر موجود ہیں (مضر اور ربیعہ کے مابین جنگ رہتی تھی) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں جس سے ہم اپنے بعد والوں کو بھی باخبر کریں اور ہم خود بھی جنت میں داخل ہو سکیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ دین سیکھتے تھے ان کے سامنے ازخود یہ بات رہتی تھی کہ اس کی دوسروں کو دعوت دینی ہے اور اسے ان تک پہنچانا ہے۔ایک اور روایت ہے۔

''مرنا بامر نعمل بہ و ندعوا الیہ من وراء نا''(۲۱)

''ایسی بات کا حکم دیں جن پر ہم بھی عمل کریں اور جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں انہیں بھی اس کی دعوت دیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کو اللہ واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا۔اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

'' اتدرون ما الا ایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ و رسولہ اعلم' قال شھادۃ ان لا الہ اللہ و ان محمداً ا رسول اللہ''(۲۲)

''مطلب یہ کہ یہ بات ذہن میں ہر دم محفوظ رہنی چاہیے کہ ایمان باللہ' رسالت پر ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔پھر ایمان بالقلب ہی کافی نہیں' اس کی شہادت دینا بھی ضروری ہے۔اس کے

۲۰۔ البخاری' کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان ' و مسلم کتاب الایمان باب الامر بالایمان باللہ تعالی''

۲۱۔ مسلم' کتاب الایمان بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وفد خدمت اقدس میں مدینہ پہنچ کر اسلام لایا۔ابن سعد ۱ /۳۱۴' لیکن اس وفد کا آپ ؐ کو ''اے اللہ کے رسول'' کہہ کر خطاب کرنا یا یہ کہنا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

۲۲۔ بخاری' کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان

بعد نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور رمضان میں روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ ان تمام احکام کی تفصیل بھی انہیں بتائی گئی ہوگی۔ (۲۳) خود وفد کے ارکان بھی اپنے علم میں اضافہ کی کوشش کرتے رہے ہوں گے۔ چنانچہ وفد کے ایک رکن عبداللہ بن الاشج کے بارے میں صراحت کے ساتھ آتا ہے۔

" کان عبد اللہ الاشج یسأل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الفقه و القرآن"(۲۴)

"عبداللہ بن الاشج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہ (احکام) اور قرآن کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔"

قبیلہ عبدالقیس کا یہ وفد جب واپس ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"احفظوهن و اخبروبهن من وراء کم"(۲۵)

"ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلو اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں انہیں ان سے باخبر کرو۔"

یعنی یہ کہ دین کی ان باتوں کو اچھی طرح حفظ کرلو اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں ان تک انہیں پہنچاؤ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"اس سے مراد قبیلہ کے وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو مدینہ نہیں پہنچ پائے تھے اور اس سے مراد اپنے بعد والے بھی ہو سکتے ہیں یعنی دین کی ان تعلیمات کو اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کرو۔"(۲۶)

اس وفد نے دس روز مدینہ میں قیام کیا۔(۲۷) اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بہت بڑی جماعت ایسی تیار ہوگئی جو دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے ضروری مسائل سے

۲۳۔ بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان

۲۴۔ ابن سعد، ۳۱۵/۱

۲۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ

۲۶۔ فتح الباری ۱۰۶/۱

۲۷۔ ابن سعد ۳۱۵/۱

واقف تھی۔اس پوری جماعت کوتبلیغ ودعوت کے کام پرلگادیا گیا۔یہ گویاایک خاص قبیلہ کاذکر ہے۔لیکن اس سے یہ قیاس کرنا مشکل نہیں ہے۔کہ اسلام لانے والے ہر وفدکوتبلیغ دین کی اسی طرح ہدایت دی جاتی ہوگی۔

امام بخاری نے اس حدیث پرایک جگہ یہی باب (عنوان) قائم کیا ہے کہ

" باب وصاة النبی صلی الله علیه وسلم وفود العرب ان یبلغوا من ورائهم"(۲۸)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفودعرب کوتاکید کہ وہ اپنے بعدوالوں تک دین کی باتیں پہنچائیں۔"

(۲) عمروبن سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارا قافلہ جہاں آباد تھاوہاں قافلوں کی گزرگاہ تھی۔مختلف قبائل ہمارے ہاں سے گزرتے رہتے تھے۔ہم ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔وہ ہمیں آپؐ کے بارے میں بتاتے، جووحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرنازل ہوتی اس کاذکرکرتے۔ان کی یہ باتیں میری دل میں بیٹھ جاتی تھیں۔میری یادداشت اچھی تھی۔میں نے ان سے سن کرقرآن مجید یاد کرنا شروع کردیا۔اس طرح اس کا کافی حصہ حفظ کرلیا۔فتح مکہ کے بعدعرب کے قبائل اسلام میں داخل ہونے لگےتو میرے والدبھی مدینہ پہنچے تاکہ اپنی قوم کے اسلام لانے کی اطلاع دیں۔ابن سعد میں ہے کہ اللہ نے جب تک چاہا میرے والد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقیم رہے۔جب واپس ہوئے توان کا استقبال کیا۔انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بات کاحکم دیا ہےاوران ان کاموں سےمنع کیا ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ کون سی نماز کس وقت پڑھی جائے۔(۲۹) عمروبن سلمہ کے والد کے ساتھ ایک پوراوفد تھا۔چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے:

"انطلق ابی وافد الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی نفر من قومه فعلمهم الصلوٰة"(۳۰)

۲۸۔ بخاری کتاب التمنی، باب وصاة النبی وفود العرب ان یبلغوا

۲۹۔ ابن سعد ۱/۳۳۶

۳۰۔ ابو داود کتاب الصلوة باب من احق بالامامة

''میرے والد اپنی قوم کی ایک جماعت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو نماز کی تعلیم دی۔''

نماز کی تعلیم کا ذکر انہوں نے ایک خاص سیاق میں کیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ دین کی باتیں بھی انہوں نے لازماً سیکھی ہوں گی۔ چنانچہ ایک اور روایت میں ہے۔

'' تعلموا القرآن و قضوا حوائجھم ''(۳۱)

'' وفد کے لوگوں نے قرآن سیکھا اور اپنی ضروریات پوری کیں۔''

واپسی پر قبیلہ میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔امامت کے بارے میں فرمایا:

''اذا حضرت الصلوٰۃ فلیئوذن احدکم و لیؤمکم اکثرکم قرآناً''(۳۲)

''جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے جس شخص کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ تمہاری امامت کرے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامات کی تفصیل بھی بیان فرمائی اور پھر اسے دیگر افراد تک پہنچانے کی تلقین کی۔

(۳) تبوک کی تیاری جاری تھی کہ بنولیث بن بکر بن عبد مناف کا وفد مدینہ منورہ پہنچا۔(۳۳) اس میں حضرت مالک بن حویرث بھی تھے۔فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیس دن رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحیم اور رفیق القلب تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہمیں بیوی بچوں کی یاد آنے لگی ہے اور ہم واپس ہونا چاہتے ہیں، تو ارشاد فرمایا:

ارجعوا الی اھلیکم فاقیموا فیھم و علموھم و صلوا کما رائتمونی اصلی فاذا

۳۱۔ ابن سعد ۱/۳۳۶

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ایضاً

حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم و لیؤمکم اکبرکم"(۳۴)

''اپنے بیوی بچوں میں واپس جاؤ' ان کے درمیان قیام کرو۔ اور انہیں (دین کی) تعلیم دو اور (اس کی پابندی کا) انہیں حکم دو' نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں سے سب سے بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔''

یہ درحقیقت گھر اور خاندان والوں کی تعلیم و تربیت اور نماز باجماعت کی تاکید اور اس کے آداب کا بیان ہے۔

(۴) قبیلہ بنوسلیم میں ایک صاحب قیس بن نشبہ تھے۔(۳۵) وہ دور جاہلیت میں عبادت و ریاضت کرتے تھے اور سابق آسمانی صحیفوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا۔ غزوۂ خندق کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا۔

''میں اپنی قوم کا نمائندہ اور سفیر ہوں۔ وہ میری بات مانتی اور اطاعت کرتی ہے ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض وہ سوالات کروں گا جن کا وہی شخص جواب دے سکتا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہو۔ انہوں نے سات آسمانوں' فرشتوں اور ان کی غذا جیسے غیبی امور کے بارے میں سوالات کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دیئے اور اسلامی تعلیمات ان کے سامنے پیش کیں۔

جب اوامر و نواہی کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تو اسلام لے آئے اور وعدہ فرمایا کہ میری قوم کے ایک ہزار گھڑ سوار حاضر خدمت ہوں گے۔ اس کے بعد اپنی قوم میں پہنچ کر انہوں نے کہا۔ اے بنوسلیم! میں نے روم اور فارس کی باتیں سنی ہیں۔ اشعار عرب سے واقف ہوں۔ حمیر کی زبان دانی دیکھی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سب سے مختلف ہے۔ لہٰذا ان کی اطاعت کرو۔ (وہ کوئی غیر نہیں) تمہارا ننہالی رشتہ بھی ان سے ہے۔

۳۴۔ بخاری' کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین۔ و مسلم' کتاب المساجد' باب من احق بالامامه

۳۵۔ ابن سعد نے قیس بن نسیبہ نام بتایا ہے (۱/۳۰۷) لیکن ابن کثیر (السیرۃ النبویه) ۴/۷۶ اور حافظ ابن حجر (اصابه ۳/۲۶۰) نے قیس بن نشبہ لکھا ہے۔

اگر وہ کامیاب ہوئے تو تم فائدہ میں رہو گے۔ اور تمہاری قسمت اچھی ہوگی۔ اگر وہ کامیاب نہیں ہوئے تو عرب تمہارے خلاف اقدام کی ہمت نہیں کر سکتے۔ میں نے جس وقت ان سے ملاقات کی تو ان کے معاملہ میں میرا دل پتھر سے زیادہ سخت تھا۔لیکن ان کی بات چیت اور کلام سے وہ آہستہ آہستہ نرم پڑ گیا۔میری بات مانو اور فوراً اس دین کو اختیار کرلو۔اس دین میں قسمت نے جو تمہارا حصہ رکھا ہے اسے حاصل کرلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ''حبر''(عالم) فرماتے تھے۔ان کی دعوت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آٹھ ہجری میں بنوسلیم کے نو سو اور بعد میں ایک ہزار افراد نے قدید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور فتح مکہ، طائف اور حنین میں شریک ہوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غزوات میں ان کا الگ جھنڈا اور الگ شعار بھی رکھا تھا۔(۳۶)

(۶) عمرو بن مرہ الجہنی کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ جہینہ کا ایک بت تھا۔جس کی ہم سب تعظیم کرتے تھے میں اس کا مجاور اور خادم تھا۔جب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو میں نے یہ بت توڑ پھینکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اسلام لایا اور حق کی گواہی دی۔جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے حلال وحرام کی تفصیل بتائی اس کی تصدیق کی اور اسے تسلیم کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی قوم میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیج دیا۔ ان کی کوشش کے نتیجہ میں پوری قوم اسلام لے آئی۔صرف ایک شخص نے اسے ماننے سے انکار کر دیا عمرہ بن مرہ نے اس کے حق میں بددعا کی تو اسے لقوہ ہوگیا۔وہ بول نہیں پاتا تھا۔بینائی ختم ہوگئی تھی۔احتیاج کی زندگی اس نے گزاری۔(۳۷)

(۷) ضحاک بن سفیان کی کوشش سے بنوکلاب کا پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔۹ ہجری میں اس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اسلام کے طریقہ کے مطابق سلام کیا اور اپنے اسلام لانے کی

---

۳۶ ابن سعد ۱/ ۳۰۷

۳۷۔ ابن سعد ۱/ص: ۳۳۳

اطلاع دیتے ہوئے عرض کیا کہ ضحاک بن سفیان نے ہمارے درمیان کتاب اللہ اور آپ ؐ کی بتائی ہوئی سنت کے مطابق عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی ہمیں دعوت دی۔ ہم نے اسے قبول کرلیا۔ انہوں نے ہمارے اغنیاء سے صدقات وصول کئے اور ہمارے فقراء پر تقسیم کیئے۔ (۳۸)

(۸) ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کو قبیلہ صداء کی سرکوبی کا حکم دیا۔ وہ چار سو افراد کا لشکر لیکر پہنچے اور قریب ہی ایک مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ قبیلہ صداء کو جب اس کی اطلاع ملی تو ان کا نمائندہ خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو واپس بلا لیں۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ میری قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس قبیلہ کے پندرہ افراد خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلام لائے اور بیعت کر کے واپس ہوئے۔ ان کے ذریعے قبیلہ صداء میں اسلام پھیلا اور حجۃ الوداع میں اس کے سو افراد نے آپ ﷺ سے نیاز حاصل کیا۔ (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں عرب کے مختلف علاقوں کے وفود آئے۔ اسلام کو سمجھا اور قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی۔ یہ وفود ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا سبب بنے (۳۸-۱)۔ ان کے ذریعے پورے جزیرۂ نمائے عرب میں اسلام کا نور پھیلا اور بہت جلد عرب ساری دنیا کے امام اور قائد بن گئے۔

(iii) وفود عرب کے ساتھ آپ کا دعوتی طریقہ کار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے ان وفود کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا۔ جن میں چند ایک مشترکہ محاسن ومصائب تھے اور جبکہ بعض قبائل اپنی انفرادی شان وشوکت رکھتے تھے اور بعض کی وجہ شہرت بہادری اور بعض سخاوت ومہمان نوازی میں مشہور تھے۔ اور پھر ہر قبیلہ اپنے مخصوص

۳۸۔ ابن سعد ۱/۳۰۰

۳۸-۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ عمری سید جلال الدین، عرب کے وفود، دربار رسالت میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی (علی گڑھ) جلد ۷۔ شمارہ ۱۔ ۱۹۸۸ء ص ۵۔ ۱۶

۳۹۔ ابن سعد ۱/۳۲۶، ۳۲۷، الاستیعاب ۱/۵۶۶

نظریات اور امتیاز سے عرب میں اپنا مخصوص مقام رکھتا تھا۔ ان دعوتی وفود میں بعض افراد عمدہ خصلت و سیرت کے مالک ہوتے اور بعض سخت مزاج' ان میں سردار اور قائد بھی تھے اور قبیلہ کے عام افراد بھی۔ غرض یہ کہ ہر مزاج اور فکر کا فرد شامل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن دعوتی اصولوں کے مطابق دعوت حق کو پیش فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قبائلی اور علاقائی نفسیات کا لحاظ فرمایا اسی کی بدولت ان وفود میں اکثریت دولت ایمان سے مشرف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور حسن معاملہ کی بدولت جو وفود بظاہر صلح و امن کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے وہ بھی بالاخر ایمان لے آئے۔ ان وفود کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی طریقہ کار کا صحیح پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر نفسیاتِ انسانی کا لحاظ فرمایا۔

ہر وفد کے پہنچتے ہی دعوت دینی شروع نہیں کر دی' بلکہ دعوت کے لیے ماحول پیدا فرمایا۔ مجرد دعوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دعوت سے قبل مدعو کی مہمان دار' تکریم وتحریم کا مکمل اہتمام فرمایا۔ اس کی چند مثالیں ذیل ہیں۔

☆ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفود کی آمد کی اطلاع دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب صورت لباس زیب تن کرتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کا حکم دیتے۔ (۴۰)

☆ وفود کے استقبال کے لیے بعض دفعہ مکان سے باہر تشریف لے جاتے اور حسب حالات اگر سردار اور قبیلہ کا قائد ہوتا تو اسکے لیے اپنی ردائے مبارک بچھاتے۔ (۴۱)

☆ ان وفود کی رہائش کا اہتمام ایک صحابیہ رملہ بنت الحارث کے گھر کیا جاتا' اس کے علاوہ کبھی کبھی حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنے ہاں لے جاتے اور بعض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ٹھہرانے کا حکم دیتے۔

۴۰۔ و کان صلی اللہ علیہ سلم اذا قدم الوفود لبس احسن ثیابه و امر اصحابه بذالک (الامتاع ۱ ؍ ۵۰۹) ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی کان یخرج فیه للوفود حضرت میی طوله اربعه اذرع و عرضه ذراعان و شبر (سبل الهدیٰ والرشاد ۶ / ۲۵۹)

۴۱۔ مثلاً جب وائل بن حجر آپ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ (ابن سعد ۲/۵۲

☆ حضرت بلالؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاص کو ان وفود کی خاطر و تواضع کے لیے مقرر کیا گیا اور بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان دعوتی وفود کی خاطر و مدارت کرتے اور ان کے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرما دیتے تھے۔(۴۲)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے وفود سے ان کے قبیلہ کا نام پوچھتے اور بعض دفعہ وفد میں سے بعض کا نام پوچھتے۔ اگر یہ نام شریعت کے مزاج کے خلاف ہوتے تو تبدیل فرما دیتے اور عمدہ نام تجویز فرماتے۔(۴۳)

☆ مدینہ منورہ آنے والے ہر وفد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کرتے تھے اور اس قدر رواداری کا مظاہرہ فرماتے کہ ان کی بہت سی نازیبا اور ناقابل برداشت حرکتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر لیتے۔

☆ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفد کے ہر رکن کو تحفہ و ہدیہ عنایت فرماتے۔ وفد کے قائد یا قبیلہ کے سربراہ کو دیگر اراکین سے زائد دیا جاتا اور تمام وفود کے لیے یہ حکم دیا کہ:

''اجزھم کما تجیز الوفود ''(۴۴)

یہی نہیں بلکہ وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت فرمائی ان میں ایک یہ بھی تھی کہ:

''اجیزو الوفود بنحو ما کنت اجیزھم''(۴۵)

''جس طرح میں وفود کو تحائف اور عطیات دیا کرتا ہوں تم بھی اسی طرح دیا کرو۔''

اور جہاں تک نفس دعوت و تبلیغ کا تعلق ہے تو یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کی ذہنی

۴۲۔ ابن سعد الطبقات، (۲۹۸/۱)

۴۳۔ بنی سلیم کے ایک فرد ''غاوی بن ظالم'' کا نام بدل کر ''راشد بن عبدرب'' رکھا۔ (ابن سعد ۳۰۸/۱)۔ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص عبدالعزیٰ بن بدر کا نام عبداللہ بن بدر رکھا۔ (۳۳۳/۱)

۴۴۔ ابن سعد ۲۹۸/۱

۴۵۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد ۴۴۹/۱ : سنن ابی داؤد، کتاب الخراج ۴۲۹/۲

نزاکتوں کا پورا پورا خیال رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی ذہنیت کو تبدیل کرنا اور اس کے نقطہ نظر یا نصب العین کو منقلب کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے غیر معمولی ذہانت' حکمت وتدبر اور سب سے بڑھ کر ایسے استدلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ جو مخاطب کو ذہنی طور پر ہموار کر کے نئی بات قبول کرنے پر آمادہ کر سکے۔

جس طرح ایک بیج کی نشو ونما کے لیے فقط بیج کی صلاحیتوں پر ہی نظر نہ رکھنی پڑتی بلکہ زمین کی آمادگی ومستعدی اور فصل وموسم کی سازگاری اور موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے اسی طرح ایک داعی کو بھی لازماً تخم ایمان کی آبیاری کے لیے قلوب واذھان کی آمادگی وموافقت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے اسی طرح ایک کو بھی لازماً تخم ایمان کی آبپاری کے لیے قلوب واذہان کی آمادگی وموافقت کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے اور یہ آمادگی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ استدلال مستحکم اور پائیدار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اور تعلیمات دین کو دلوں میں اتارنے کے لیے ایک طرف تو ایسے دلائل و براہین سے کام لیا جن کا ادراک ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا آدمی بھی کرسکتا ہے۔ نیز ان دلائل وآثار میں تنوع کا خیال بھی رکھا تاکہ تفہیم وابلاغ کا حق ادا ہو سکے۔ اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کی تمام خوبیوں اور خرابیوں، ان کی انفرادی وقومی روایات اور ان کے عادات وخصائل کی رعایت رکھتے ہوئے کشت ایمان کی آبیاری کی۔

آفاق کے قوانین وضوابط' فطرت کے یقینیات' تاریخ کے مسلمات اور بنیادی اخلاقیات میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شرق وغرب اور عرب وعجم سب ایک ہی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور مخاطب کے درمیان انہی قدر مشترک کو تلاش کیا اور اس کو بنائے استدلال بنایا۔ وفود کے مطالعہ سے اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بعض افراد سلیم الفطرت ہوتے ہیں۔ ان میں اعلیٰ اخلاق صفات باتم موجود ہوتی ہیں اور اگر کوئی ان کی تعریف وتحسین کردے اور ان کے اس حسن سیرت وصورت کی نشاندہی کرے تو ان میں مزید بہتری کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور اس تحریک (Motivation) کی بدولت ان میں استقامت نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر آن بداخلاقی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے وفود میں بعض افراد باوجود جاہلی تعصّبات و خرافات کے عمدہ اخلاق وسیرت کے مالک ہوتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وفود کے اراکین سے ان کے اخلاق اوصاف کو مدنظر رکھتے اور دعوت پیش کرتے وقت وفد کے اراکین یا قائد کے ان صفات عالیہ کا تذکرہ ضرور فرماتے، جس سے وہ متصف ہوتے تاکہ آغاز کلام میں ہی ان کے اندر اس پیغام حق کے لیے تحریک پیدا کر دی جائے جس کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور یہ پیغام بھی اس خاصیت اور صفات کا داعی ہے جس سے وہ متصف ہیں اس طرح ابتداء سے ہی مدعو سے بے تکلف تعارف اور کلمات داد وتحسین سے مدعو پر نفسیاتی اثر ہوتا اور وہ دین حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ اس طرز فکر کی چند ایک مثالیں وفود کے مطالعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ وفد ازد کی وضع قطع اور خوش کلامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت پیش کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔ آپ ؐ مسکرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ تمہارے قول اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم میں پندرہ خصلتیں ہیں۔ ان میں پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں یعنی (مبلغین یا داعیان اسلام) نے ہمیں دعوت دی ہے اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق ہدایت کی ہے کہ ان پر عمل کریں اور پانچ وہ ہیں جن کے ہم زمانہ جاہلیت سے پابند ہیں اور اب تک ان پر قائم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ پانچ باتیں کون سی ہیں جن پر تم کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان

(۳) اس کی کتابوں پر ایمان (۴) اس کے رسولوں پر ایمان

(۵) مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر یقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ پانچ باتیں کیا ہیں؟ جن پر تمہیں عمل کرنے کی ہدایت کی

گئی۔انہوں نے عرض کیا۔(۱) کہ ہم اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔(۲) نماز کی پابندی کریں۔(۳) زکوٰۃ ادا کریں۔(۴) رمضان کے روزے رکھیں۔(۵) اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اب وہ پانچ باتیں بتاؤ جن پر تم زمانہ جاہلیت سے کار بند ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔

(۱) خوشحالی کے وقت شکر کرنا۔

(۲) مصیبت پر صبر کرنا۔

(۳) راضی برضائے الٰہی رہنا۔

(۴) آزمائش کے وقت راست بازی پر قائم رہنا۔

(۵) دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اڑانا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پر حکمت اور دانائی کی باتیں سنیں تو تعریف فرمائی اور ان پر دوام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگ تو بڑے حکیم اور عالم نکلے' تمہاری حکمت و دانش گویا انبیاء کی حکمت و دانش ہے'' اس طرح ان کے اندر مزید بھلائی اور نیکی کی تحریک پیدا ہوئی اور جب دیکھا کہ اس طرح اقوال اور نصیحت کو یہ لوگ اختیار کرتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مزید پانچ اور نصیحتیں فرمائی۔ تاکہ کل مجموعہ بیس ہو جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ (یا وہ مکان نہ بناؤ جس میں تمہیں بسنا نہ ہو)

(۲) ضرورت سے زیادہ اشیاء خورد و نوش جمع (ذخیرہ) نہ کرو۔

(۳) جس چیز کو چھوڑ کر کل تمہیں چلا جانا ہے اُس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کی طرف پھر تمہیں لوٹنا ہے اور اس کے حضور جوابدہ ہونا ہے۔

(۵) ان چیزوں سے رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی۔ جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا۔(۴۶)

۴۶۔ ابن کثیر السیرۃ النبویۃ ۱۸۰/۴

اہل وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو قبول کیا اور وطن واپس جا کر ہمیشہ ان پر عمل کیا۔ اس طرح دعوت میں منطقی و تدریجی اسلوب اختیار کرتے ہوئے آپ نے پہلے انکے خیالات و افکار کو جانا اور ان کی عمدہ باتوں کی تعریف و توثیق فرمائی اور اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے مزید پانچ خصلتوں کا تذکرہ فرمایا۔ جن کا مضمون سابقہ باتوں سے مختلف تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ افراد ایمان و عبادات پر یقین رکھتے اور عمل کرتے ہیں۔ اور اخلاق عالیہ سے بھی مزین ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ ایسی عادات و معمولات کا تذکرہ فرمایا، جس سے ان کے سابقہ اعمال میں پختگی پیدا ہو اور ان کی عبادات میں اخلاص و محبت پیدا ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پانچ باتوں کی تلقین فرمائی ان میں آخرت کا مضمون بیان ہوا۔ اور احتساب و ذمہداری کے تصور پر زیادہ زور دیا گیا۔ شاید اسی کی کمی ان کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کی ہو اور اس کے مطابق ان معمولات کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہو۔

☆ قبیلہ بنی حارث بن کعب، سارے عرب میں شجاعت اور بہادری میں مشہور تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی یہ لوگ کفر ضلالت پر قائم رہے۔ دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو دعوت اسلام کے لیے ان کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ کی دعوت پر سارا قبیلہ ایمان لے آیا اور انہوں نے ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تعلیم و تربیت کے لیے بھیجا وفد کے اراکین، بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھتے ہیں کہ:

''زمانہ جاہلیت میں جو تم سے لڑا وہ ہمیشہ مغلوب رہا۔ اس کا کیا سبب ہے؟'' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس کے تین سبب تھے۔

(۱) ہم اپنی طرف سے کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کرتے تھے۔

(۲) ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے تھے اور نہ لڑائی میں پہل کرتے تھے۔

(۳) جب ہم پر کوئی لڑائی تھوپ دیتا تو میدان جنگ میں ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے اور کبھی منتشر نہ ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ جو فوج یا جماعت ان اصولوں کے مطابق لڑے گی ہمیشہ غالب رہے گی۔ (۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفد کے ایمان ویقین سے واقف تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم تھا کہ قبیلہ بنی حارث بن کعب شجاعت و بہادری میں کمال رکھتا ہے۔ اور یہی ان کی عظمت و فضیلت ہے چنانچہ آپ نے ان کی نفسیات وحالات کو جانتے ہوئے ان کے اس مخصوص شعبہ میں مہارت کا ذکر فرمایا کہ جس کے سبب وہ ہمیشہ غالب رہے اور ظاہر ہے جب کسی کی خاص صفت یا بھلائی وعظمت جس میں وہ ملکیت تام رکھتا ہو یا اسکی وجہ شہرت ہو یا اس کی پہچان کا سبب ہو اس کا تذکرہ کیا جائے تو یہ بات اس کو دنیا ومافیہا سے بہتر لگتی ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ کس سبب سے وہ ہمیشہ غالب رہے؟ چنانچہ جب انہوں نے تین اسباب کا ذکر کیا جو کہ تعلیمات محمدیؐ کے بھی عین مطابق تھے تو آپؐ نے نہ صرف ان کی تعریف وتوثیق فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ یقیناً جو کوئی ان اصولوں کے مطابق لڑے گا وہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ اس طرح وفد کے اراکین اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے مطمئن ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مزید اکتساب فیض کے لیے چند دن ٹھہرے۔

عبدالقیس کا وفد، عبداللہ بن عوف الاشج کی قیادت میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ عبدالقیس کا وفد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا کیا اور فرمایا: ''عبدالقیس بھی کیسی اچھی قوم ہے ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے ان کو دعوت اسلام دی اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میں عبداللہ الاشج کون ہے؟ عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ (وہ کریہ منظر بدشکل تھے)

۴۷۔ ابن سعد، ج ۱، ص: ۳۳۹، وابن ہشام ۴/۵۹۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ انسان کی کھال کی مشک نہیں بنائی جاتی البتہ آدمی کو دو سب سے چھوٹی چیزوں کی حاجت ہوتی ہے۔ایک اس کی زبان اور ایک اس کا دل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے عبداللہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرمایا ہے۔

عبداللہ نے عرض کیا کہ وہ کون سی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حلم اور وقار'' انہوں نے عرض کیا کہ یہ چیز پیدا ہوگئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی ہے آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔

اس تبلیغی وفد کی آمد اور ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت اسلوب اور انسانی نفسیات کے لحاظ کی چند باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔مثلاً

(۱) سب سے پہلے عبدالقیس (۴۸) کے وفد کی آمد پر خوش آمدید کہا۔

(۲) اس وفد اور اس کے رئیس کی مدح وتوصیف فرمائی۔

(۳) اس کے رئیس و قائد عبداللہ بن عوف الاشج' جو بظاہر بدشکل ہیں ان کی ظاہری شکل وصورت کے برعکس ان کی داخلی صفات اور خوبیوں کا ان سے اراکین وفد کے سامنے ذکر فرمایا کہ حقیقت میں اصل خوبصورتی اور حسن' رنگ ونسل کا نہیں بلکہ وہ اخلاق حمیدہ ہیں جن سے انسن متصف ہوتا۔ہے۔اور حضرت عبد اللہ الاشج میں جو دو خصلتیں اور خوبیاں (حلم اور وقار) میں ہیں ان کی خوبصورتی اور حسن ہے۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے (interionty Complex) کو ختم کر کے ان کی صفات حمیدہ کا ذکر

۴۸۔ قبیلہ عبدالقیس' بحرین کا رہنے والا تھا۔یہ لوگ سعید الفطرت تھے اور فتح مکہ سے بہت پہلے دعوت اسلام قبول کر چکے تھے۔یہ دو مرتبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔پہلی مرتبہ ان کے وفد میں تیرہ آدمی تھے۔اور دوسری مرتبہ بیس ۲۰۔(بقول ابن سعد)
زرقانی ''شرح مواہب'' میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس کچھ لوگ آرہے ہیں جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہیں' اہل وفد نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنا سامان وہیں چھوڑ کر دیوانہ وار حضور کی طرف لپکے اور آپؐ کے دست مبارک چومنے لگے' تاہم اس وفد کے سردار منذر بن عائذ معروف بہ اشج نہایت بردبار اور زیرک تھے۔انہوں نے اپنے گرد آلود لباس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہ سمجھا۔انہوں نے پہلے سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا صاف ستھرا لباس پہنا اور پھر نہایت اطمینان کے ساتھ حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔

کیا۔

(۴) تمام اہل وفود کو انعامات وعطیات سے نوازا اور عبداللہ الاشج کو جو کہ وفد کے رئیس تھے سب سے زیادہ انعام دلایا۔(۴۹)

☆ بعض دفعہ اہل وفد کے کسی خاص فرد میں کوئی عیب' برائی یا جاہلی پن دیکھتے تو حکمت اور نفسیات انسانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی طرف اشارہ فرما دیتے تا کہ اہل وفد عموماً اور وہ فرد خصوصاً اس سے اجتناب کرے۔ مثلاً

وفد بلہجیم میں ابو جری جابر بن سلیم جو کہ وفد کے قائد تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک قطری تہبند باندھے ہوئے تھا۔ جس کے کنارے قدموں تک تھے۔ جن سے تکبر و غرور ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں جو مجھے نفع دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا۔ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا گو اس قدر ہو کہ تم اپنے ڈول سے کسی پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو۔ یا اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے بات چیت کرو۔ اپنا تہبند (یا ازار) پنڈلیوں تک اونچا رکھو اور تہبند کو زیادہ نیچا لٹکانے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں۔(۵۰)

یہاں بھی آپ نے براہ راست اور آغاز گفتگو ہی میں مدعو کے تکبرانہ لباس پر تنقید نہیں کی بلکہ جب خود ہی مدعو نے نصیحت کا مطالبہ کیا جو اس کے لیے نفع بخش ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مواعظ کے علاوہ تہبند لٹکانے سے پرہیز کی نصیحت کی جس سے مدعو پر نفسیاتی اثر ہوا۔

☆ وفد جعفی کے دو افراد حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم دل نہیں کھاتے۔ انہوں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع درست ہے۔ واقعی ہم دل نہیں کھاتے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارا اسلام دل کھانے سے مکمل ہوگا۔''

۴۹۔ ابن سعد ا/۳۱۴' ۳۱۵

۵۰۔ ابوداؤد' کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار (نمبر ۳۴۴۲)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کیلیے دل منگوایا اور اسے بھونا پھر آپ ؐ نے ان کو کھانے کے لیے دیا۔'' (۵۱)

☆ اہل وفد میں سے کوئی رکن عقلی توجیہ وتوضیح کرتا تو آپ ؐ اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی تعریف فرماتے۔ مثلاً

وفد بنی قشیر بن کعب کے سردار قرن بن ھبیرہ حاضر خدمت ہوئے' ایمان لائے اور پھر کہنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے زمانہ جاہلیت میں اللہ کے سوا کچھ اور اللہ بنا رکھے تھے ان میں سے کچھ مذکر (بت) تھے اور کچھ مونث (مورتیاں) ہم ان کو پکارا کرتے تھے۔ مگر وہ جواب نہ دیتے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تھے مگر وہ ہمارا سوال پورا نہ کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تو ہم نے ان کو چھوڑ کر آپ ؐ کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سنتے رہے اور اس کو پسند فرمایا۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ آئے اور ایک پست اونٹنی پر سوار تھے۔ حضور ؐ نے ان کو دیکھ لیا اور ان کو پکارا جب وہ قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا جب تم وفد میں میرے پاس آئے تھے تو تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے اپنی مذکورہ بالا باتیں دہرائیں جب جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو عقل دی گئی وہ کامیاب ہو گیا۔'' (۵۲)

یعنی اب بھی تم ان بتوں کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہو۔ تم نے عقل وشعور سے ان معبودان باطل کی تردید کی جو نہ کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ عقل وشعور بہت بڑی نعمت ہے

۵۱۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام نہیں کر لینا چاہیے'' یہ دو افراد' قیس بن سلمہ بن شراحیل ار سلمہ بن یزید بن مشجعہ آپس میں ماں جائے بھائی تھے۔ ایمان لانے کے بعد انہوں نے حضور ؐ سے دریافت کیا کہ ہماری ماں' غریبوں کو کھانا کھلاتی' مسکینوں پر رحم کرتی اور قیدیوں کو چھڑاتی تھی اس نے اپنی زندگی میں اپنی چھوٹی بیٹی کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ اس کا کیا حال ہے۔ حضور نے فرمایا: زندہ در گور کرنے والی دوزخ میں ہے۔''

اس سے ان کی رگ جہالیت پھڑک اٹھی۔ اور دونوں ناراض ہو کر چل دیئے اور کہنے لگے ہم ان کا اتباع نہیں کریں گے۔ گویا دونوں مرتد ہو گئے۔ راستہ میں ایک صحابہ کو پکڑ کر باندھ دیا اور صدقہ کے اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ حضور کو اطلاع ملی تو آپ ؐ نے دونوں پر لعنت بھیجی۔ (ابن سعد ۱/۳۲۴)

۵۲۔ ابن سعد ۱/ ۳۳۹

اور جس نے اس سے کام لیا یقیناً وہ کامیاب وکامران ہوا۔اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجمع عام میں اس کے کلمات دہرانے سے توحید کی اہمیت واضح فرمادی اور پھر یہ بھی بتایا کہ نہ صرف ان کی شخصیت کو آپؐ اچھی طرح جانتے ہیں۔ بلکہ ان کلمات اور باتوں کو بھی آپؐ جانتے ہیں جوانہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی تھیں۔

☆ بعض وفود میں سے کوئی رکن یا فرد حاضر خدمت ہوتا تو آپ سے سوال کرتا اور آپؐ فوراً اس کا جواب نہ دیتے بلکہ اسی سے اس کے سوال کا جواب طلب فرماتے۔تا کہ وہ اسی کی خودساختہ وضاحت کردے جواس کے ذہن میں ہے اس طرح اگر وہ جواب مزاج شریعت کے مطابق ہوتا تو آپؐ ان کی تصدیق فرمادیتے اوراس کی مزید تائید فرماتے اس طرح کی ناصحانہ طریقہ سے جودعوت موثر ہوتی اس کی نظیر نہیں کہ مدعو جب اپنی فکر و آراء کی تصدیق پالیتا ہے یا اس کے اپنے ذہن وفکر کے زاویے کی توثیق ہو جاتی ہے تو اس کا دل خوشی ومسرت سے جھومنے لگتا ہے اور وہ مزید اشتیاق اور استقامت سے راہ مستقیم پر چلنا شروع کردیتا ہے۔

چنانچہ ان دعوتی وفود کی آمد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے مکالمات کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نفسیاتی اسلوب کے مطابق دعوت دی اسکی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

بنی طے کے رئیس، زید الخیل (۵۳) حاضر خدمت ہوئے اسلام قبول کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ نو دن کی دشوار گذار مسافت طے کرکے آیا ہوں۔صرف دو باتیں دریافت کرنا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، انہوں نے عرض کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہے اس کی کیا علامت ہے اور جو اللہ کو نہیں چاہتا اس کی کیا علامت ہے روایت دیگر جسے اللہ چاہتا ہے اور جسے نہیں چاہتا اس کی کیا علامت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم زندگی کے شب و روز کیسے گزارتے تھے؟''

۵۳۔ حضور نے ان سے نام پوچھا انہوں نے عرض کیا ''زید الخیل'' آپؐ نے فرمایا نہیں، تم ''زید الخیر'' ہو۔(ابن سعد ۱/۱۲۱)

انہوں نے عرض کیا:

''میں نیکی اور نیکی کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو پسند کرتا تھا اگر میں اس پر عمل کرتا تھا تو اس سے طمانیت ہوتی تھی اور جب یہ عمل چھوٹ جاتا تھا تو غمگین ہو جاتا تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو اللہ کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے۔''

جب وہ اس بات سے مطمئن ہوئے تو آپؐ سے رخصت لی، آپؐ نے ان کو بارہ اوقیہ چاندی اور عمدہ خوشبو عنایت فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا:

''عرب کے جس شخص کی بھی فضیلت بیان کی گئی۔ پھر وہ میرے پاس آیا تو جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا تھا، میں نے اسے اس سے کم تر پایا سوائے زید کے۔'' (۵۴)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک میں بھی ہمیشہ مدارج کا لحاظ رکھا ہے۔ مخلص اور منافق، متقی اور غیر متقی کے ساتھ آپؐ ایک طرح کا سلوک نہیں کرتے تھے۔ نہ اس کو پسند کرتے تھے۔ یہ وفود قبائل کی طرف سے اسلام قبول کرنے کے لیے آتے تھے۔ مگر ان کے ساتھ سلوک ان کے مدارج کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ مثلاً

حضر موت سے حضرت وائل بن حجر کی قیادت میں ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وائل بن حجر اپنے علاقے کے سربرآوردہ رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے ورود مدینہ سے پہلے ہی حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''وائل بن حجر جو ملوک حضر موت کی یادگار ہیں۔ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کر لی ہے اور وہ دور دراز کی مسافت طے کر کے مدینہ آ رہے ہیں۔''

جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنی ردائے مبارک ان کے لیے بچھا دی۔ جب وہ ذوق وشوق سے اسلام قبول کر چکے تو اس موقع پر آپؐ نے اپنا دست

۵۴۔ ابن القیم زاد المعاد ۳/۶۱۶

اقدس ان کے چہرے پر پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ الٰہی وائلؓ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما۔ اور ان کو حضرموت کے سرداروں کا حاکم بنا۔ (۵۵)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے مویشی اور اموال میں سے صدقات جوان پر فرض تھے وہ خود لے کر آئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اموال میں جو اللہ کا حق تھا وہ ہم آپؐ کے پاس لے آئے ہیں، حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہی یہاں کے فقراء پر تقسیم کرو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپؐ کے پاس وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے کے بعد بچا ہے۔

حضرت صدیق اکبر نے جب ان کا جواب سنا تو فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کا کوئی وفد ایسا نہیں آیا جیسا اس قبیلہ تجیب کا وفد۔

''حضور نے فرمایا کہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے جس کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے قلب میں ایمان کے لیے انشراح پیدا کر دیتا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں پوچھیں جو حضور نے ان کے لئے لکھ دیں اس کے بعد پھر انہوں نے قرآن اور سنت کے متعلق کچھ سوالات کے لیے اس سے اور بھی ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رغبت پیدا ہوئی اور آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کی ضیافت بہت اچھی طرح کریں اور حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو بدلہ اور زادراہ اس سے زیادہ دیا جتنا عموماً وفود کو دیا کرتے تھے۔ (۵۶)

☆ اخلاق ایک طاقت ہے۔ بلکہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ حسن اخلاق اور اچھا سلوک دشمن کو دوست بنا سکتا ہے ایک میٹھا بول ایک سرکش آدمی سے اس کی سرکشی چھین سکتا ہے۔ ایک ہمدردانہ برتاؤ ایک ایسے جھگڑے کو ختم کر سکتا ہے۔ جس کو ختم کرنے کے لیے لاٹھی اور گولی کی طاقت ناکام ہو چکی ہے یہی وہ

۵۵۔ ابن کثیر السیرۃ النبویہ ۴/۱۵۴

۵۶۔ ابن القیم زاد المعاد، ۳/۶۵۱، ۶۵۰

بات ہے جس کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿ لا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم﴾(۵۷)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی۔ تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو گیا ہے جیسے کوئی دوست قرابت والا۔''

وفود کے مطالبہ سے معلوم ہوتا ہے جس چیز نے اہل وفود کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ آپؐ کا حسن سلوک اور اخلاق حسنہ تھا جو بھی آپؐ کے قریب رہتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔ حلم و وقار، رافت رحمت، برداشت وسچائی، حسن سلوک، آپؐ کے اندر کامل درجہ میں پایا جاتا تھا۔ آپؐ انسانی بلندی کی اعلی ترین مثال تھے۔ جسے نفسیات کی اصطلاح میں متوازن شخصیت (Balanced Persanalty) کہا جاتا ہے۔

ا۔ بعض وفود (خصوصاً) آپؐ کے حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ ایمان لے آئے۔ حالانکہ وہ صلح و امن امان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

انہی میں سے ایک وفد، قبیلہ اشجع کا تھا جو پانچ ہجری میں آیا ایک سو یا اس سے زیادہ آدمیوں پر مشتمل یہ وفد بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس بات کا انتظار نہ فرمایا کہ وہ خود بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ بلکہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے خیر و عافیت پوچھی اور بڑی دیر تک کمال اخلاق اور محبت کے ساتھ ان سے گفتگو فرماتے رہے۔ پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنے مہمانوں کی کھجوروں سے تواضع کرو۔ وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے انہیں بڑی نرمی کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

''انہوں نے جواب دیا محمدؐ! ہم اسلام قبول کرنے کے لیے نہیں آئے۔ ہماری آمد کی غرض و غایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن اور صلح کا معاہدہ کریں کیونکہ آپ کی اور آپؐ کی قوم کی

۵۷۔ القرآن (فصلت:۴۱/۳۴)

آئے دن کی لڑائیوں نے ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندہ پیشانی سے فرمایا: "جو تم کہتے ہو وہ ہمیں منظور ہے" چنانچہ امن کا ایک معاہدہ لکھا گیا جس کو فریقین نے منظور کر لیا۔ اس دوران میں اہل وفد حضور کے اخلاق کریمانہ سے اتنے متاثر ہو چکے تھے۔ کہ معاہدہ صلح معرض تحریر میں آنے کے بعد وہ سب پکار اٹھے۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کا دین برحق ہے۔ (۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملہ اور اخلاق عالیہ نے انہیں تسخیر کر لیا اور سب کے سب دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے اور پیغام بر ہو گئے۔ بنی سعد بن بکر کی طرف سے ضمام بن ثعلبہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے قبیلہ کے سربراہ اور نہایت دانا آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس لیے دربار رسالت میں اہل قبیلہ نے اپنی وکالت کے لیے صرف انہیں ہی بھیجنا کافی سمجھا وہ بدوی سادگی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی ناقہ کی مہار تھامے بلا تکلف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو گئے۔ حضورؐ اس وقت صحابہ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ ضمام نے اونٹنی کو ایک کونے میں بٹھایا اور مجلس کے سامنے کھڑے ہو کر سلام کلام کے بغیر یوں گویا ہوئے۔

"تم میں سے کون ابن عبدالمطلب ہے (ایکم ابن عبد المطلب) آپؐ نے فرمایا میں ابن عبدالمطلب ہوں ضمام نے کہا اے ابن عبدالمطلب آپ کا داعی ہمارے پاس آیا تھا اس نے چند باتیں آپؐ کی طرف سے ہمیں بتائی ہیں۔ میں ان کی آپ سے تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔ میرا لہجہ سخت اور درشت ہے میں سختی سے بات کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری بدوی لہجے کی درشتی سے دل میں غبار تو نہ لائیے گا؟

حضور نے فرمایا: "تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو بلا تکلف پوچھو؟

پھر وہ سوال کرتا ہے اور حضور نہایت ہی اطمینان سے اس کے ہر سوال کا جواب مرحمت فرماتے ہیں حالانکہ پورے مکالمے میں سائل' کا لہجہ درشت رہتا ہے۔ تعلیم وتحمل کا یہ طریقہ اس طرح کارگر ثابت

۵۸۔ ابن سعد، ۳۰۶/۱

ہوتا ہے کہ وہ شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

''اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق نبی بنایا۔ میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں میں کمی بیشی نہ کروں گا۔ میں آپ ﷺ کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔(۵۹)

آپ ﷺ کا حسن اخلاق، سیرت و کردار اور قبائل عرب کے ساتھ حکمت بھری دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب یہ وفود اپنے اپنے قبائل میں واپس پہنچے تو انہوں نے ماہِ تاباں، سرور کائنات ﷺ کی ایک ایک ادا اور آپ ﷺ کا ہر ہر عمل جو انہوں نے مشاہدہ کیا اور جس کی آپ ﷺ نے ان کو تلقین فرمائی اسی طریقے کے مطابق اپنے قبائل میں اس کو پہنچایا۔ اس طرح بڑے قلیل وقت میں پورا عرب ایمان کی دولت سے منور ہو گیا۔

............☆............

۵۹۔ ابن ہشام، ۵۷۳/۳

باجگذاران روم وفارس سے معاہدات نبوی دعوتی نتائج اور قبائل کی شیرازہ بندی

* معین الدین ہاشمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی سب سے پہلے عرب قبائل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے شروع کیے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل سے معاہدات کیے ان معاہدات سے قبائل کو آپس میں جوڑنے ریاستی نظم ونسق چلانے اور اسلام کی تبلیغ وترویج میں بہت امداد ملی۔

معاہدات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی تقسیم:

اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ا) بیعت عقبہ ثالثہ (۱) (ب) عقد مؤاخاۃ (۲) (ج) دستور مدینہ (۳) جیسے معاہدات کیے۔

ا۔ بیعت عقبہ ثالثہ جو دراصل اوس وخزرج سے ایک معاہدہ بھی تھا، کی وجہ سے اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہوا اور مرکز ریاست کا بندوبست ہوا۔ علاوہ ازیں اس معاہدے کے ذریعے مسلمانوں کی

---

* لیکچرار شعبہ حدیث وسیرت، فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ا۔ بیعت عقبہ ثالثہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے یہ عہد لیا کہ اللہ کی بندگی کرو گے۔ اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ مہاجرین کو ٹھکانہ دو گے اور اپنے بال بچوں کی طرح ان کی بھی حفاظت کرو گے اور ہر حالت میں میری اطاعت کرو گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ **ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ. تحقیق از مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری عبد الحفیظ شلبی، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ج. ۱، ص: ۴۴۲تا۴۴۳، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ج۳ ص۱۶۰تا۱۶۱**

۲۔ **ابن سعد، محمد کتاب الطبقات الکبریٰ** (دار صادر بیروت ۱۴۰۵ھ) ج۔۳، ص: ۲۳۸، ابن قیم ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۹۴ء، ج۴، ص: ۶۳، ۶۴۔

۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، دار الارشاد بیروت ۱۹۶۹ء وثیقہ نمبر: ۱

بکھری ہوئی قوت کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔

ب۔ عقد مواخاۃ کی صورت میں مسلمان مہاجرین کی مدینہ میں آبادکاری کی گئی۔ علاوہ ازیں مکی اور مدنی مسلمانوں کی شیرازہ بندی ممکن ہوئی۔(۴)

ج۔ دستورِ مدنیہ سے ایک غیر سیاسی، منتشر اور غیر منضبط معاشرے کو ایک منظّم اور متحد سیاسی معاشرے میں تبدیل کرنے کے عمل کی بنیاد رکھ دی گئی۔

2۔ ان معاہدات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل سے رابطے کیے جو مدینہ (اسلامی ریاست) کے مغرب میں تجارتی راستے پر آباد تھے۔ اس ضمن میں بنوضمرہ، مدلج، غفار اسلم جھینہ، وغیرہ قبائل سے حلیفی اور جنگ بندی کے معاہدات کئے گئے۔(۵)

ان معاہدات سے اسلامی ریاست کے حلیف وجود میں آئے۔ اسلامی ریاست کا خارجی استحکام ممکن ہوا اور اسلام کی ترویج میں اضافہ ہوا علاوہ ازیں مدینہ کے اردگرد کے قبائل میں اسلامی ریاست کے اثرات پھیلے۔

3۔حدیبیہ:

معاہدہ نبوی صلح حدیبیہ انتہائی اہم حیثیت کا حامل ہے کفارِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ

۴۔ (ا) مکی خصوصاً قریش تاجر پیشہ قوم تھی جبکہ انصار زیادہ تر کاشتکار تھے جس کی وجہ سے قریش ان کو اپنے سے کم تر خیال کرتے تھے۔ ابن ہشام ج ا،ص ۵۲۶، مجمع البحار، محمد طاہر مطبع العالی نولکشور ۱۸۹۶ء، ج:ا،ص:۶۸ (غزوہ بدر) نیز دیکھیں ندوی، محمد سلیمان، مولانا، تاریخ ارض القرآن (اردو) محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، ج، ۲،ص ۳۲۶

(ب) تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے وہ (قریش) معاشی طور پر اور کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ وہ (قریش) اپنے آپ کو مذہبی طور پر برتر سمجھتے تھے۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف قاہرہ ج، ۲ ص: ۲۵۶ تا ۲۵۸۔ عقد مواخاۃ کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ہر قسم کی ایسی دیواروں کو گرادیا جو اتحاد واتفاق اور باہمی تعلق کے راستے میں رکاوٹ کا سبب تھیں۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔ الحشر :۹ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن (اردو) ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۷۶ء، ج:۵،ص:۳۹۵

۵۔ ابن سعد ج، ۲،ص:۱۰، ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۳۵۳ھ، فقرہ ۴۴۷۔ ابن حبیب، کتاب المحبر، طبع سعودی عرب،ص:۱۱۱ ان معاہدات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق السیاسیہ۔

بندی کا یہ معاہدہ ٦ ھ میں طے پایا۔(٦)

اس معاہدہ سے پہلی مرتبہ عرب میں مسلمانوں کی ایک سیاسی اور مذہبی حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ اسلامی ریاست داخلی و خارجی طور پر نہایت مستحکم ہوئی۔ بہت سارے قبائل نے برملا اسلامی ریاست کے ساتھ حلیفی کے تعلقات قائم کیئے۔

4۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف عرب میں مختلف بادشاہوں کی طرف مکاتیب ارسال کیئے۔ان میں قیصر روم' کسرائے ایران' حبشہ کا بادشاہ نجاشی (٧)' عزیز مصر مقوقس' رئیس یمامہ' ہوذہ اور رئیس غسان' حارث شامل تھے۔(٨)

یہ مکاتیب بنیادی طور پر دعوتی نوعیت کے تھے(٩) ان کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے ذریعے سے اسلام' حکومتی اور ملکی سطح پر دوسرے ممالک میں ایک دم متعارف ہوا۔

5۔ فارس اور روم کے باجگذاروں سے معاہدات نبوی

عہد نبوی میں فارس اور روم:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فارس اور روم دنیا کی دو عظیم سلطنتیں تھیں مختلف وجوہ کی بناء پر ان میں باہم عداوت کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ دونوں اپنے ممالک میں توسیع کرنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے تھے۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانہ میں رومیوں نے اپنی بادشاہت کا تمام مشرقی حصہ کھو دیا تھا' شام' آرمینیا' مصر' حتی کہ قسطنطنیہ تک ایرانی جھنڈے لہرا رہے تھے۔(١٠)

٦۔ ابن ہشام ج' ٣۔٤ص: ٣١٧۔ ابوعبید ج: ا' ص: ١٥٧' ایضاً فقرہ نمبر ٤٤١' بلاذری' ابوالحسن احمد بن یحیی' فتوح البلدان' طبع لیڈن ١٨٦٦' ص۔ ٣٥' ابن قیم' ج: ٣' ص: ٢٩٩ نیز الوثائق السیاسیة : وثیقہ نمبر: ١١

٧۔ شاہ حبشہ نجاشی کی طرف اس مکتوب کی تاریخ کے حوالہ سے اختلاف پایا جاتا ہے تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمید اللہ' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی' دارالاشاعت کراچی ١٩٧٨ء' ص: ١٢٤

٨۔ ملاحظہ ہو۔ ابن سعد ج: ا ص: ٢٥٨ تا ٢٦٢ طبری' ج: ٢' ص: ٦٤٤' زرقانی' محمد بن عبدالباقی شرح المواہب اللدنیہ قاہرہ ١٩٢١ء' ج: ٣' ص: ٣١٨

٩۔ ایضاً

١٠۔ ابن الاثیر الزری' عز الدین ابی الحسن علی بن محمد الکامل فی التاریخ قاهره، ج: ا، ص۔ ١٧٦، ١٧٧

اسی دوران قرآن نے اس صورت حال کے بالکل برعکس پیشنگوئی کر دی کہ رومی فارس پر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔(۱۱) چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۶۱۶ء بمطابق ۶ھ نینویٰ کے مقام پر رومیوں نے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی اور اپنے مقبوضہ تمام علاقے واپس لے لیے۔(۱۲)

ان دونوں طاقتوں نے اپنی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور کہیں زیادہ دور تک عرب میں اپنے اثرات پھیلا رکھے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک عرب کے شمال میں دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا اور غسان جیسے اہم علاقے بیزنطینیوں (رومیوں) کے زیر اثر آ چکے تھے۔ ان علاقوں میں بسنے والے مختلف اہم قبائل مثلاً بنو کلب، تغلب، جزام، قین، بلی بہراء قضاعہ وغیرہ جنگ میں بیزنطینی جھنڈے کے نیچے ہی اکٹھے ہوتے تھے۔(۱۳) اسی طرح عہد نبوی میں عرب کے کئی اہم علاقے مثلاً یمن، یمامہ، عمان، بحرین اور طائف وغیرہ فارس کے زیر اثر تھے۔(۱۴)

اگرچہ دونوں ممالک ایک بڑے رقبے پر حکومت کے دعوے دار تھے لیکن عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانے دور میں یہ دونوں ممالک قسماً قسم اندرونی خلفشار کا شکار تھے۔ جس کی وجہ سے بالعموم تمام سلطنت اور بالخصوص مقبوضہ علاقوں اور باجگذار قبائل پر ان کے اثرات کمزور پڑ رہے تھے۔(۱۵)

۱۱۔ سورۃ الروم:۱

۱۲۔ Gibbon Edward. The History of the Decline and fall. Landon: Vol.v.P.190-194

۱۳۔ ابن ہشام (غزوہ موتہ)، ج:۳۔۴، ص:۳۷۵

۱۴۔ ان علاقوں میں بسنے والے قبائل کے ساتھ ساتھ ان کے حلیف اور پڑوسیوں پر بھی ایرانی اثرات پھیلے۔ طبری، ج:۲، ص:۶۵۶، ابن حبیب، ص:۲۶۵، ۲۶۶، بلاذری، فتوح البلدان، ص:۷۸، الاصبھانی، ابی الفرج علی بن الحسین، کتاب الاغانی، مؤسۃ جمال للطباعۃ والنشر بیروت ج:۱۲، ص:۴۸، ۴۹

۱۵۔ Gibbon Edward. The History of the Decline and fall. Landon: Vol.v.P.190-194

نیز ملاحظہ ہو حمید اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (اردو) دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۰ء ص:۲۷، ۲۸، ۲۹

فارس کے باجگذاروں سے معاہدات

ا۔ یمامہ:

یمامہ نجد سے ملحقہ علاقہ تھا۔ ابن ہشام نے یمامہ پر دو آدمیوں کا نام بطور رئیس/سردار ذکر کیا ہے۔ ایک ھوذہ بن علی الحنفی اور دوسرے ثمامہ بن اُثال الحنفی (۱۶) اس علاقے میں اسلامی اثرات صلح حدیبیہ سے قبل ہی پہنچ چکے تھے کیونکہ ثمامہ بن اُثال صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لے آئے تھے۔

یہاں پر دوسرا سردار ہوذہ بن علی تھا یہ نصرانی مذہب پر تھا اور مسیحی قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ (۱۷) معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے قبائل سرداروں سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسے ایرانی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ کسرائے ایران نے اسے ایک تاج بھی عنایت کیا تھا۔ جس میں ایک قیمتی لعل لگا ہوا تھا اسی کو پہننے کی وجہ سے ہوذہ کو ''ذوالتاج'' کا لقب بھی دیا گیا۔ (۱۸)

ایران کی سیاسی ابتری، رئیس یمامہ ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے اور اسلام کی طرف عوامی رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوذہ بن علی کو لکھا کہ:

> ''تمہیں معلوم ہو کہ میرا دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک کسی انسان کے پیر اور کسی جانور کے کھر پہنچیں گے۔ پس تم اسلام قبول کر لو نجات پا جاؤ گے اور تمہارے ماتحت جو ملک ہے اس پر تمہیں ہی حاکم رہنے دوں گا۔'' (۱۹)

ہوذہ بن علی اس شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کو تیار ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقتدار میں اسے بھی شریک کر لیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس شرط کو قبول نہ

۱۶۔ ابن ہشام، ج:۴، ص:۶۰۷

۱۷۔ قلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء، مصر، ج:۶، ص:۳۷۹، زرقانی، ج:۲ ص:۳۵۶

۱۸۔ ابن درید، ابی بکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق، مکتبہا لخانجی، مصر، ص:۳۴۸

۱۹۔ ابن سعد، ج:۱ ص:۲۶۲، قلقشندی، صبح الاعشیٰ، قاھرہ ۱۳۳۳ ج:۶، ص:۳۷۹ الوثائق السیاسیۃ الوثیقہ نمبر:۶۸

کیا۔(۲۰)

ثمامہ بن اثال اور دیگر مسلمانوں کے ذریعے اور پھر سرکاری سطح پر اس دعوت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہاں کے کچھ اہم لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔(۲۱)

بعد میں یمامہ کے ہی ایک سردار مجاعہ بن مرارہ بن سلمی بھی مسلمان ہوئے اور اسلامی وفاق میں شامل ہوئے ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اور ایک دیگر امان نامہ کا تذکرہ بھی ماخذ میں ملتا ہے۔(۲۲)

یمن:

عرب کے جنوب میں یہ شہر انتہائی متمدن تصور کیا جاتا ہے۔ ایک اہم تجارتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سرسبز و شاداب بھی تھا لہٰذا یہاں زراعت بھی ہوتی تھی۔(۲۳)

یمن کی سرزمین پر عاد، عمالیق، اہل معین، سباء اور حمیر کی سلطنتیں قائم ہوئیں بعد ازاں اہل حبشہ یمن پر قابض ہو گئے اور ستر برس تک حکومت کی پھر اہل فارس نے انہیں نکال کر یمن پر خود قبضہ کرلیا۔(۲۴)

ظہور اسلام کے وقت کسرائے ایران کی طرف سے یمن پر باذان گورنر مقرر تھا۔ کسرائے ایران کے حکم کی تعمیل میں باذان نے دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجے تا کہ ان کا جائزہ لیں اور ان کے احوال وغیرہ کی خبر کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آدمیوں کو معجزانہ طور پر کہا کہ باذان کو خبر دو کہ کسریٰ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جاتے وقت انہیں تالیف قلب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیے بھی

۲۰۔ بلاذری فتوح البلدان، ص:۸۷ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، ج:۱ص:۲۶۲

۲۱۔ ابن ہشام، ملاحظہ ہو وفد بنو حنیفہ کی تفصیل، ج:۳،۴، ص:۵۷۶ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، ج:۱ ص:۳۱۶

۲۲۔ ابن اثیر ، ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ، دارالشعب قاھرہ ،ج:۵ نمبر:۴۶۶۴، نیز ملاحظہ ہو مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر:۶۹ تا ۷۱ نیز بلاذری

۲۳۔ ابن حبیب المحبر ص:۲۶۶

۲۴۔ الھمدانی، حسن ابن احمد بن یعقوب . صفة جزیرة العرب طبعہ سعودی عرب ریاض ۱۹۷۴ : ص:۶۵.
یاقوت شھاب الدین ابی عبد اللہ یاقوت ،معجم البلدان ، دار صادر، بیروت ۱۹۷۷ ء، ج:۵، ص:۴۴۷، نیز ملاحظہ ہو لیبان گستاؤ، تمدن عرب (اردو ترجمہ) مقبول اکیڈمی لاہور۔

عنایت فرمائے اور باذان کے لیے یہ معاہداتی پیغام دیا کہ تم (اہل یمن) مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری حکومت تمہارے سپرد ہی رہے گی باذان نے جب یہ احوال سنے تو وہ اور دیگر روساء فارس (بنوالابناء) (۲۵) اسلام لے آئے (۲۶)

یہ وہ دور تھا کہ ایران اپنی مد مقابل ایک بڑی قوت (روم) سے بری طرح شکست کھا چکا تھا۔ (۲۷) علاوہ ازیں ایران کے بادشاہ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ (۲۸) اسی سیاسی انارکی کی وجہ سے یمن پر ایران کا اثر کمزور پڑ گیا وہاں ایک وطنیت پسند تحریک کا آغاز بھی ہو گیا کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو یمن سے نکال باہر کیا جائے۔ (۲۹)

اس ساری صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وثائق بنام اہل یمن کا مطالعہ کیا جائے کہ مسلمان، ارکان اسلام کی بجا آوری کا اہتمام کریں۔ غیر مسلم، یہودیوں کو زبردستی ان کے دین سے برگشتہ نہ کیا جائے (ملک بدر ہونے کا خطرہ رکھنے والے ایرانیوں کو) (۳۰) مجوسیوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ ان سے فی بالغ مرد وعورت صرف ایک دینار جزیہ لیا جائے اور اگر یہ تابع رہیں تو ان کی جائیدادوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کے مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی یہاں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے سرداران یمن کو بصورت اسلام بدستور حکمران رکھنے کی پالیسی کا اظہار شروع سے ہی کر دیا۔ (۳۱)

یمن کے حالات کے تناظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان وثائق کی وجہ سے یمن کا ماحول

۲۵۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یمن فتح کیا تھا۔ ابن حبیب ص: ۲۶۶، نیز دیکھیں ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد الاندلسی، جمہرہ انساب العرب، دار المعارف قاہرہ: ص ۲۱۵

۲۶۔ ابن سعد، ج: ۱، ص: ۲۶۰، طبری، ج: ۲، ص: ۶۵۶

۲۷۔ الروم: تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، ج: ۳، ص: ۷۲۷

۲۸۔ ابن سعد ج: ۱، ص: ۲۶۰

۲۹۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون "عہد نبوی کے عرب ایرانی تعلقات" معارف (مجلہ) اعظم گڑھ ۱۹۴۲ء، ج ۵۰، ص: ۲۱

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ابن سعد، ج: ۱، ص: ۲۶۰، طبری، ج: ۲، ص: ۶۵۶، نیز الوثائق السیاسۃ وثیقہ نمبر: ۱۰۵ تا ۱۰۹

تمام قبائل کے لیے پرسکون ہوا خصوصاً یمن کے حکمرانوں باذان اور ان کے قبیلہ کے دوسرے افراد جنہیں اپنے خلاف مقامی قبائل کی تحریک کے نتیجے میں ملک بدر ہونے اور بادشاہی ختم ہونے کا اندیشہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو دیکھتے ہوئے فوراً مسلمان ہو گئے۔

باذان کے لیے احکام اور دیگر قبائل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مراعات اور حقوق وفرائض میں عدل کی باتیں جونہی دوسرے قبائل تک پہنچیں تو انہوں نے بھی اسلامی وفاق میں شامل ہونے کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ یمن اور اطراف یمن سے بکثرت وفود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۳۲) مثلاً اشعر جو کہ یمن کا نہایت اہم قبیلہ تھا۔ پچاس آدمیوں پر مشتمل وفد لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ اسی وفد میں مشہور صحابہ رسول ابوموسیٰ اشعری بھی موجود تھے ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وفد میں قبیلہ عک کے بھی دو آدمی بطور وفد موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور اسلام قبول کر کے اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔ (۳۳) بنو ہمدان جن کے اکثر بطون یمن میں آباد تھے۔ (۳۴) ان کا وفد بھی بارگاہ نبوی میں پہنچا اور اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کر لی۔ (۳۵) بنو ہمدان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وثائق بھی تحریر فرمائے۔ جن میں انہیں اسلامی احکام پر قائم رہنے کی تاکید کی۔ علاوہ ازیں احکام کی تفصیل بھی تحریر فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میں سے ان پر امیر مقرر فرمایا۔ (۳۶) ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔ غیر مسلموں کے لیے جزیہ کی ادائیگی رکھی گئی اور مذہب کے معاملہ میں انہیں آزادی دی گئی کہ انہیں جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ (۳۷) بنو مذحج کی اکثریت

۳۲۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر خیبر میں تھے اس حساب سے یہ قبیلہ ان ابتدائی یمنی قبائل میں سے تھا جنہوں نے اسلامی وفاق کے ساتھ شمولیت اختیار کی۔ ابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۴۸

۳۴۔ قلقشندی، صبح الاعشیٰ، ج: ۱، ص: ۳۲۸

۳۵۔ ابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۴۰، ۳۴۱، ابن ہشام، ج: ۳، ۴، ص: ۵۹۶، نیز ملاحظہ ہو الکتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریۃ، احیاء التراث العربی، بیروت ج: ۱، ص: ۲۴۴

۳۶۔ مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱۲

۳۷۔ ایضاً وثیقہ نمبر ۱۰۹

یمن میں آباد تھی۔(۳۸) یہ لوگ بھی وفد کی سورت میں حاضر ہوکر اسلامی وفاق میں داخل ہوئے۔ جب یہ وفد اپنی قوم کی طرف واپس ہوا تو پوری قوم دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔(۳۹) بنو طے جو کہ یمن کا نہایت اہم قبیلہ تھا اس کے بطون شمال نجد تک پھیلے ہوئے تھے۔(۴۰) ۹ھ میں وفد لے کر حاضر ہوا اور اسلامی وفاق میں شمولیت کا اعلان کیا۔(۴۱) بنو کندہ کی متعدد شاخیں بھی یمن اور حضر موت میں آباد تھیں (۴۲) یہ لوگ بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کی۔(۴۳) یمن کے قریب شاہان حضر موت کا وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کی۔(۴۴)

یمن کے اثرات نجران تک پھیل گئے۔ چنانچہ یمن اور اردگرد کے حالات واحوال کو دیکھتے ہوئے نجران کا ایک اہم قبیلہ بنو حارث بن کعب بھی ۱۰ھ میں اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کرنے پر تیار ہوگیا اور اسلام قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بھی انہیں میں سے قیس بن الحصین کو وفد کا سردار مقرر کیا۔(۴۵)

اسی طرح شاہان حمیر نے بھی اپنا وفد ارجب ۹ھ غزوہ تبوک کے بعد بھیجا اور اپنی وفاداری اور اطاعت کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم اب مشرکین سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ان لوگوں سے اس کے بعد اب ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو وثیقہ عنایت فرمایا ابن ہشام نے اپنی کتاب میں

۳۸۔ البکری ابی عبید عبد اللہ معجم مااستعجم من اسماء البلاد والمواضع، مطبعہ لجنۃ التالیف والتراجم، قاہرہ ۱۹۴۵، ج: ۱، ص: ۴۰

۳۹۔ ابن سعد، ج: ۱ص: ۳۴۴

۴۰۔ بکری، ج: ۱ص: ۱۰۹

۴۱۔ ابن ہشام، ج: ۳، ۴، ص: ۵۷۷، ابن سعد، ج: ۱ص: ۳۲۱

۴۲۔ قلقشندی، صبح الاعشیٰ، ج: ۱ص: ۳۲۸

۴۳۔ ابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۲۸

۴۴۔ ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۴۹

۴۵۔ ایضاً: ص، نیز ابن ہشام، ج: ۳، ۴، ص: ۵۹۲

تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس میں انہیں اسلامی احکام پر چلنے کا حکم دیا گیا۔ ''نصاریٰ کے لیے لکھا کہ انہیں ایک دینار فی کس یا اسکی قیمت یا کپڑا وغیرہ جزیہ دینا ہوگا۔'' اس پر وہ بھی اللہ و رسول کی ذمہ داری میں آ جائیں گے۔(۴۷)

عمان:

یہ عرب کے جنوب مشرق کا ایک ساحلی علاقہ تھا جو دریائے یمن اور ہند کے ساحل پر مقام ہجر کے مشرقی سمت میں واقع ہے۔ اس علاقہ کی آبادی کا ایک بڑا حصہ قبیلہ ''ازد'' پر مشتمل تھا۔(۴۸) یمن کی طرح یہاں بھی ایرانی حکومت کے اثرات تھے۔ یہاں ایران کی طرف سے مقررہ حکمران، جلندی بن المستکبر ازدی تھا۔(۴۹)

چونکہ عمان یمن سے ملحقہ علاقہ تھا اور یہاں فارس کے لوگ بھی آباد تھے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ انہی کی طرفدار حکومت بھی تھی اس لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہاں بھی یمن کی طرح کوئی وطنیت پسند تحریک اٹھی ہو کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو نکال باہر کیا جائے یا ایرانی حکمرانوں کو ہٹایا جائے۔(۵۰) اگر نہیں تو بھی فارس میں سیاسی انارکی کی بنا پر اس کے زیر اثر (باجگذار) مملکتوں پر گرفت کمزور پڑ جانا تو ایک طبعی امر تھا۔ اس ساری صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۶ھ) میں شہزادگان عمان، جلندیٰ کے ہر دو فرزندان جیفر و عبد کو یہ مکتوب ارسال کیا کہ۔

> ''میں تم دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ۔ نجات پا جاؤ گے اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تمہیں بدستور حاکم رہنے دوں گا۔ اور تم سے کسی قسم کا تعرض نہ ہوگا۔''(۵۱)

۴۷۔ ابن ہشام، ج ۳، ۴، ص: ۵۸۸، ۵۹۰

۴۸۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۷۶، نیز یاقوت، معجم البلدان، ج: ۴، ص: ۱۵۰

۴۹۔ ابن حبیب المحبر ص: ۲۶۵، ۲۶۶

۵۰۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی: ص ۲۶۴

۵۱۔ بلاذری فتوح البلدان، ص: ۷۶، نیز مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۷۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب جیفر وعبد کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔(۵۲)اسی طرح قبیلہ بنواز داور دیگر قبائل عمان شہزادگان سمیت مسلمان ہو کر اسلامی وفاق میں شامل ہو گئے۔ بنوازد کا وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا جو انیس(۱۹) آدمیوں پر مشتمل تھا۔(۵۳)اس معاہدہ کی وجہ سے اسلامی ریاست کو جنوب مشرقی علاقے میں ایک اہم قبیلہ اور اس کے دوستوں کے حلیفی میسر آئی۔اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پر مدینہ سے آدمی مستقل مشن پر بھیجے تا کہ آس پاس کے قبائل کو اسلام کا تعارف کروائیں۔ چنانچہ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے مشن میں کامیاب رہے اور آس پاس کے قبائل نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ ماخذ میں عمان کے خالص بدوی قبائل بنوثمالہ اور حدان کا تذکرہ ملتا ہے کہ یہ وفد کی صورت میں فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف مکتوب کا تذکرہ بھی ماخذ میں ملتا ہے۔(۵۴)

بحرین:

یہ عرب کے مشرق میں ایک ساحلی علاقہ تھا(۵۵) یہاں مختلف قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم کے لوگ آباد تھے۔ بحرین بھی فارس کے زیر اثر تھا۔ یہاں منذر بن ساویٰ اگرچہ عربی النسل حکمران تھا(۵۶) لیکن شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا۔(۵۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی اور اسے لکھا کہ کہ تمہیں سربراہی

۵۲۔ فتوح البلدان، ص:۷۶

۵۳۔ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ(بنوازد کا وفد)، ج:۳، ۴، ص:۵۸۷

۵۴۔ عمان میں ایک بڑا عرصہ عمر بن العاص السہمی اور ابوزید الانصاری کی خدمات لی گئیں۔فتوح البلدان، ص:۷۶، ملاحظہ ہو وفد بنوثمامہ کا تذکرہ، ابن سعد، ج:۱، ص:۳۵۳، نیز مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۷۸

۵۵۔ الھمدانی، ج:۳، ص:۲۷۹، معجم البلدان، ج:۱ ص:۳۴۷

۵۶۔ ملاحظہ ہو گذشتہ حوالہ نمبر:۲۹

۵۷۔ فتوح البلدان، ص:۷۸، ابن حزم، جمھرہ ص:۳۴۷،۵

سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ منذر بن ساویٰ نے اپنی رعایا کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ اسلام قبول کر لیا منذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھی تحریر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا کہ:

''تمہارا سب کچھ تمہارے پاس ہی رہے گا بشرطیکہ تم اللہ و رسول کے تابع رہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر فرمایا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے وہ حقوق و ذمہ داریوں میں ہماری طرح ہی ہوں گے۔''

بحرین میں یہودیوں' نصرانیوں اور مجوسیوں کی آبادیاں بھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (غیر مسلموں) سے معمولی جزیہ پر صلح کر لی۔(۵۸)

بحرین کے قبیلہ بکر بن وائل کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے اسلامی وفاق میں داخل ہوا(۵۹) علاوہ ازیں قبیلہ بنو تمیم کے بڑے بڑے لوگ وفد کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ مآخذ نے اس وفد کی تعداد نوے کے قریب بتائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لیے انہیں انعام و اکرام بھی عنایت کیا۔(۶۰) بحرین میں ہی رہنے والے مشہور قبیلہ عبدالقیس کی طرف مکتوب کا تذکرہ ماخذ میں ملتا ہے۔ (۶۱) اس قبیلہ کے بعض افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے عمومی طور پر اس قبیلہ نے اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کر لی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تحریر کیا کہ یہ قبیلہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ جانے سے اسلام کے مواخذات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔(اس قبیلہ کی دوسرے قبائل کے ساتھ بعض اموال و اجناس پر غالباً کوئی نہ کوئی رکاوٹ یا چپقلش رہتی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گردونواح کے قبائل کے لیے لکھا کہ وہ ان کی فراہمی اجناس میں مانع نہ ہوں۔ بلکہ ان کے لیے خصوصاً

۵۸۔ فتوح البلدان' ص:۷۸'مجموعہ الوثائق السیاسیہ' وثیقہ نمبر ۵۷ تا ۶۰

۵۹۔ ابن سعد' ج:۱'ص:۳۱۵

۶۰۔ ابن هشام' ج:۳'۴' ص:۵۶۰ الدیار بکری' حسین بن محمد بن الحسن ' تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس' بیروت 'ج:۲'ص ۱۱۸'۱۱۹

۶۱۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ' وثیقہ نمبر ۷۲

زرعی تجارت کے دوران سہولت پیدا کریں۔ اہل بحرین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ اس قبیلہ (عبدالقیس) کے ساتھ تعدی و جنگ کرنے والوں کے خلاف قبیلہ مذکورہ کی نصرت کریں۔ (۶۲)

علاوہ ازیں ان کے لئے چند مزید آسان شرائط رکھیں۔ اس قبیلہ نے اسلامی وفاق کے ساتھ شمولیت کو غنیمت سمجھا۔ ماخذ سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کے بہت سارے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور فتح مکہ کے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۶۳)

طائف:

طائف میں زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ ایرانی اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ اغانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کسرائے ایران نے اپنے (ایرانی) انجینئروں کو بھیج کر طائف کے گرد ایک بڑی فصیل تعمیر کروائی تھی (۶۴) فتح مکہ کے بعد جب اہل طائف نے مکہ پر حملہ کرنا چاہا تو ان کی لشکرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی چنانچہ بھاگ کر انہوں نے طائف کے فصیل دار شہر میں پناہ لے لی (۶۵) طائف فتح کیے بغیر ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے (۶۶) اہل طائف کو اپنی کمزوری اور اسلامی ریاست کی قوت کا بخوبی اندازہ ہو گیا لہٰذا جلد ہی وہ اپنا وفد لے کر مدینہ پہنچے اور اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی قبول کر لی۔ انہوں نے یہ کہا کہ ہم اسلام قبول کرنے کو تیار تو ہیں لیکن ہماری چند شرائط بھی تسلیم کی جائیں۔

مثلاً:

1۔ ہمیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے۔ (۲)' زکوٰۃ (۳) جہاد (یعنی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کے خلاف فوجی کارروائی کرنے) سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے' (۴) ہمارا قدیم بت خانہ بھی نہ توڑا جائے۔ (۵) زنا سے منع نہ کیا جائے' (۶) سود کی ممانعت نہ رہے (۷) شراب کی ممانعت بھی نہ

۶۲۔ ایضا

۶۳۔ ابن سعد' ج:۱' ص:۲۱۲' ۳۱۴

۶۴۔ اغانی' ج:۱۲' ص:۴۸' ۴۹

۶۵۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴' ص:۴۷۷' ۴۷۸' نیز فتوح البلدان: ص ۵۶

۶۶۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴' ص:۴۸۷' ۴۸۸

رہے۔(۸) طائف کو مکہ کی طرح حرم قرار دیا جائے۔(٦٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ اسلوب کی وجہ سے اہل طائف اپنے اکثر غلط مطالبات منوانے سے باز رہے۔ چنانچہ نماز سے استثناء، زنا اور شراب کی اجازت نہ دی گئی، فوجی کارروائیوں میں مسلمانوں کا ساتھ دینے سے ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا(٦٨) سود کی حرمت کے لیے انہیں قلیل سی (آئندہ آنے والے عکاز کے میلے تک) مہلت دے دی گئی (٦٩) ان کے بت خانے کو توڑنے کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے نہ توڑو بلکہ ہمارے آدمی اسے توڑیں گے۔اسی طرح اگر کوئی نقصان پہنچے گا تو تم محفوظ ہوں گے یہ اس لیے فرمایا کہ اہل طائف کا یہ وہم بدستور باقی تھا کہ بت خانہ توڑنے والے کو سخت قسم کا نقصان ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا۔انہوں نے اس عظیم بت خانے کو منہدم کر دیا۔اس طرح معاہدے کی پرحکمت شق سے ان میں پرانی اور راسخ شدہ بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا۔(٧٠)

اہل طائف کو مکمل حقوق عنایت کیے گئے۔ چنانچہ طائف پر انہیں پورا اختیار دیا گیا ۔انہی میں سے ان پر امیر مقرر کئے گئے۔(٧١) علاوہ ازیں انہیں مکمل تجارتی وثقافتی آزادی دی گئی اور انہیں یہ بھی کہا گیا کہ ہر ظالم کے خلاف انہیں امداد دی جائے گی۔(٧٢)

اہل طائف (بنوثقیف) نے جب دیکھا کہ اسلامی ریاست ان کے حقوق میں کمی یا ان کے عدم

٦٧۔ ایضا، ج:۳۔۴، ص:۵۳۸تا۵۴۰، ابن الاثیر الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۲۸۴، مزید تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو، منصور پوری قاضی محمد سلیمان سلمان، رحمت للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ج:۱، ص:۱٦٦تا۱٦۹

٦٨۔ یہ وہ دور تھا جب اسلامی ریاست کے پاس عددی قوت کی کمی نہ رہی تھی۔

٦٩۔ **مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۱۸۱**

٧٠۔ ابن ہشام، ج:۳۔۴، ص:۵۴۰۔۵۴۱

٧١۔ طائف کی آبادی بنو مالک اور احلاف، دو گروہوں پر مشتمل تھی۔معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں باہم یک جہتی نہ تھی اس لیے دونوں فریقوں پر الگ الگ انہی میں سے سردار مقرر کئے گئے۔اس طرح وہ ممکنہ تنازع سے بھی بچ گئے۔مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۱۸۱تا۱۸۳

٧٢۔ ایضا

تحفظ کا ارادہ نہیں رکھتی تو انہوں نے خوشی سے اس معاہدہ کو تسلیم کر کے اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کر لی۔اس طرح مکہ کے جنوب میں قریب ترین ایک بڑی اور اہم قوت اسلامی ریاست کے باجگذاروں میں شامل ہوگئی۔اس معاہدہ کے بعد بنوثقیف کے ایک حلیف بنی ہلال جو کہ غزوہ طائف میں مسلمانوں کے خلاف شریک ہوئے تھے وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔(۷۳)

جرش:

طائف کے جنوب میں جرش ایک اہم مقام تھا(۷۴)فتح مکہ کے بعد ایک یمنی سردار،صرد ابن عبد اللہ ازدی نے جب اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے آس پاس کے علاقوں پر اپنے اثرات قائم کرنے کو کہا۔ چونکہ جرش یمن کے زیر اثر تھا(۷۵) اس لیے انہیں اس علاقے میں فوجی کاروائیاں کرنے میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔ چنانچہ جب اہل جرش نے ان سے صلح کرنا چاہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کا معاہدہ فرمایا۔

ان میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے انہیں بہت سی مراعات دی گئیں۔مختلف چراگاہوں پر انہیں خودمختار بنایا گیا۔غیر مسلموں کو معمولی جزیہ کی شرط پر امان عنایت کی گئی۔ یہاں ایک دلچسپ امر وہ شرط ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل جرش کے لیے لگائی گئی کہ اگر مسلمان مسافر وہاں سے گذریں تو یہ (اہل جرش)ان کی مہمان نوازی کیا کریں گے۔(۷۶)

باجگذاران روم سے معاہدات:

رومیوں نے اپنے مدمقابل کی بڑی قوت (فارس) کو نینوا کے مقام پر شکست فاش دی تھی (۷۷)

۷۳۔ ابن ھشام ' ج:۳۔۴ص ۴۳۷

۷۴۔ یاقوت ج:۲'ص:۱۲۶

۷۵۔ ایضا ملاحظہ ہو ابن ہشام' ج:۳۔۴'ص:۵۸۷

۷۶۔ بلاذری کے مطابق اسی طرح کی ایک شرط شام کی طرف ساحلی علاقے ''ایلہ'' کے ساتھ بھی رکھی گئی تھی چونکہ یہ علاقے تجارتی لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتے تھے لہذا یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ مسلمانوں کے لیے تجارتی سہولیات کے حصول کے لیے یہ شرط رکھی گئی ہو۔ فتوح البلدان' ص:۵۹

روم کے اثرات جہاں اور بہت پھیلے ہوئے تھے وہاں عرب کے کئی سرحدی علاقے' مثلاً دومۃ الجندل' ایلہ' مقنا اور اذرح وغیرہ بھی ان کے باجگذاروں میں شامل ہو گئے تھے۔ یہاں قرب و جوار میں بسنے والے اکثر قبائل مثلاً بنوتغلب' لخم' جذام' بلی اور بہراء وغیرہ ان ہی کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے اکثر قبائل نے رومیوں کے ساتھ مل کر غزوۂ مؤتہ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔(۷۸)

۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے قیصر روم کو خط لکھا کہ یا تو اسلام لے آؤ یا جزیہ دو وگرنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ قیصرِ روم' مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکا(۷۹) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کو غنیمت جانا اور رومیوں کے زیر اثر علاقوں' دومۃ الجندل' ایلہ' مقنا' جرباء اور اذرح وغیرہ کے سرحدی علاقوں کو مطیع کر لیا اور ان سے صلح و امن کے معاہدات کیئے۔

ا۔ دومۃ الجندل:

دومۃ الجندل حجاز سے شام اور عراق جانے والے تجارتی راستوں کا مقام اتصال (Junction) تھا اس لیے عرب تاجروں کے لیے یہ ایک اہم مقام تھا۔(۸۰) زمانہ جاہلیت میں یہاں ایک بڑا بازار بھی لگا کرتا تھا(۸۱) یہاں بنوکلب اور بنوکندہ کے اہم قبائل آباد تھے(۸۲) بنوکندہ کی ہی ایک شاخ بنوالسکون سے یہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک تھا۔(۸۳)

۷۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج:۳' ص:۷۶۷

۷۸۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴' ص:۳۷۵' نیز دیکھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی' ص:۱۹۰

۷۹۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ قیصر روم نے اسلام کا اعلان کردیا تھا۔ یعقوبی' احمد بن ابی یعقوب' تاریخ الیعقوبی' دار صادر بیروت۔ ج'۲' ص:۸۴' یعقوبی کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۹۸' نیز ابو عبید کتاب الاموال' فقرہ ۵۵۰

۸۰۔ قلقشندی 'صبح الاعشیٰ' ج:۴' ص:۲۹۲' نیز مسعودی ابو الحسن بن علی بن حسین' التنبیہ والاشراف:۲۱۵

۸۱۔ ابن حبیب ص:۲۶۳

۸۲۔ قلقشندی' ج:۱' ص:۳۱۶' نیز یاقوت ج:۲' ص:۴۸۷

۸۳۔ ابن خلدون' عبدالرحمٰن' تاریخ ابن خلدون مکتبہ التجاریہ' مصر:۱۹۳۶ء' ج:۲' ص:۳۸' نیز ابن درید' ج:۱' ص:۳۷۱

۵ ہجری سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کر دیا تھا(۸۴) تبوک کی مہم کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو یہاں کے حکمران ''اکیدر'' کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ خالد بن ولید نے اسے گرفتار کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اسلامی ریاست کی بالادستی کو قبول کر لیا۔(۸۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ اور دیگر آسان شرائط پر اس کے ساتھ صلح کر لی اور اسی کو وہاں کی سرداری پر بحال رکھا۔ اس طرح دومۃ الجندل کا علاقہ اسلامی ریاست کے باجگذاروں میں شامل ہو گیا۔(۸۶)

ایلہ:

ایلہ بحیرۂ قلزم کے ساحل پر شام کے قریب حجاز کی آخری حد تھی دومۃ الجندل کی طرح یہ علاقہ بھی تجارتی مرکز تھا(۸۷) غزوۂ تبوک کے سفر میں یہاں کا حاکم یحنہ بن روبہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔(۸۸)

۸۴۔ ملاحظہ ہو ۵ ھ میں سریۃ دومۃ الجندل اور ۶ ھ میں عبدالرحمٰن ابن عوف کے ذریعے بنوکلب کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے واقعات' مسعودی 'التنبیہ والاشراف' ص: ۲۱۵' نیز ملاحظہ ہو ابن سعد' ج: ۲'ص: ۶۲' علاوہ ازیں بنوکلب کے کئی سرداروں اور دیگر لوگوں کا اسلام لانا اور غیر مسلموں کا اسلامی ریاست کو جزیہ دے کر صلح کرنا ۶ ھ سے ہی ثابت ہے۔ ابن سعد ج:۲ص:۸۹

۸۵۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قبیلہ کے کسی حلیف نے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ ابن ہشام' ج:۲'ص:۵۲۶' حتی کہ بنوکلب جو کہ دومۃ الجندل کے گرفتار ہونے والے حاکم ''اکیدر'' کے قریبی رشتہ دار تھے انہوں نے بھی نہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر مسلمانوں نے پہلے سے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا اور ان سے حلیفی کے تعلقات بنا لیے تھے۔ بلاذری' فتوح البلدان' ص:۶۳' نیز ملاحظہ ہو گذشتہ حوالہ کی تفصیل۔

۸۶۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴ ص:۵۲۶' نیز بلاذری: فتوح البلدان ص:۶۱ تا ۶۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر:۱۹۰ تا ۱۹۲

۸۷۔ یاقوت' ج:۱'ص:۲۹۲' نیز ابن ہشام ج:۳۔۴'ص:۵۲۶' نیز دیکھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی:۱۹۹

۸۸۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴'ص:۵۲۵ نیز بلاذری' فتوح البلدان' ص:۵۹۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ بحری مہم بھی (بسلسلہ غزوۂ موتہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ:

۱۔ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دیں اور جزیہ کے ساتھ چند اور اشیاء بھی دیں گے۔(۸۹)

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں کی تعظیم کریں گے۔

۳۔ اطاعت کرنے پر ان کی مکمل حمایت کی جائے گی۔

۴۔ خشکی اور تری ہر دو راستوں پر (بشرط اطاعت) ان کی اور ان کے حلیفوں کی (حفاظت) کی جائے گی۔

۵۔ ان کے لیے خشکی اور سمندر کی راہیں جن پر وہ پہلے سے گزرتے ہیں بدستور کھلی رہیں گی۔

۶۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقام مقنا کے باشندوں کی ان کے وطن میں جانے کے لیے اعانت کریں۔(۹۰)

اس معاہدہ کی صورت میں اہل ایلہ کے لیے بہت سی سہولیات اور حقوق عنایت کئے گئے انہیں کھلی تجارت کی اجازت عنایت کی گئی اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کی گئی۔ اس طرح اہل ایلہ نے بخوشی اسلامی ریاست کی باجگذاری کو قبول کرلیا۔(۹۱)

مقنا:

ایلہ کے قریب واقع اس بستی کی آبادی میں اکثریت یہودیوں کی تھی (۹۲) یہاں کے اکثر یا کچھ یہودیوں کو ایلہ کے سردار نے ملک بدر کیا ہوا تھا تبوک کے موقع پر اہل مقنا اور بنوجنبہ وغیرہ کے لوگ صلح کی درخواست کے ساتھ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی امان نامہ لکھوایا کہ:

۱۔ ان پر مذہب کے معاملہ میں زبردستی نہیں کی جائے گی۔

ایلہ بھیجی گئی تھی۔ بحوالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص:۱۹۸

۸۹۔ جزیہ کے ساتھ دیگر تاوان ادا کرنے کا رواج اس علاقہ میں پہلے سے موجود تھا۔ ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر:۳۰

۹۰۔ اس شق کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو گذشتہ ص:۱۵

۹۱۔ ابن ہشام، ج:۳۔۴، ص:۵۲۵، نیز بلاذری، فتوح البلدان:۵۹، نیز ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر:۲۹۔۳۰

۹۲۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص:۶۰، نیز یاقوت ج:۵، ص:۱۷۸

۲۔ جو شخص مسلمان ہوگا اس کو پچاس دینار وظیفہ عنایت کیا جائے گا۔

۳۔ اہل مقنا سے احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان کیا جائے گا۔

۴۔ اہل مقنا سے برائی کرنے والوں سے بدلہ لیا جائے گا۔(۹۳)

یہاں یہ امر دلچسپ ہے کہ ان کے ہر مسلمان ہونے والے فرد کے لئے پچاس دینار مہیا کیے جائیں گے۔ یاد رہے کہ یہاں یہود کی آبادیاں تھیں اور ان کا سلسلہ خیبر تک پھیلا ہوا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ جلا وطن شدہ یہود مدینہ سے ان کے اتحاد سے بچنے اور ان کو اپنے ساتھ حلیفی پر پختہ کرنے کے لیے بطور تالیف قلب یہ شرط رکھی گئی۔

ان مراعات کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے جلاوطن شدہ باشندوں و ان کے اصل علاقے میں بھیجنے اور آباد کرنے کا بندوبست بھی فرمایا(۹۴) اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے حاکم کو لکھا کہ اہل مقنا کے ساتھ ان کے وطن جانے کے لیے اعانت کی جائے۔(۹۵) یہاں کے دوسرے یہود کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان ناموں میں ان کے گھروں میں دوبارہ آباد ہونے کا تذکرہ نظر آتا ہے۔(۹۷)

جرباء واذرح:

یہ دونوں بستیاں شام کی حدود میں مقنا کے قریب واقع تھیں(۹۸) یہاں بھی یہودیوں کی مختصر آبادیاں تھیں تبوک کے موقع پر انہوں نے بھی صلح کرنا چاہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اسلامی ریاست کے ساتھ وفاداری اور معمولی جزیہ کے عوض میں صلح کر لی۔(۹۹)

۹۳۔ بلاذری فتوح البلدان: ص:۶۰ نیز الوثائق السیاسیہ۔ وثیقہ نمبر ۳۳

۹۴۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص:۶۰

۹۵۔ ملاحظہ ہو ایلہ کے ساتھ معاہدے کا آخری فقرہ، مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر:۳۰

۹۷۔ یہ آبادیاں روم (بیزنطین) کے زیر اثر تھیں اس لیے یہاں عیسائیوں کا اثر ورسوخ زیادہ تھا عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی دشمنی کوئی نئی بات نہ تھی ممکن ہے کہ یہاں کے یہود کو تنگ کرنے اور انہیں جلاوطن کرنے میں عیسائیوں کا ہاتھ ہو۔ نیز الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر:۳۳۔۳۴

۹۸۔ یاقوت، ج:۳، ص:۱۱۸، ج:۱، ص:۱۲۹

۹۹۔ ابن سعد، ج:۱، ص:۲۸۹۔۲۹۰۔ بلاذری فتوح البلدان ص:۵۹، نیز ملاحظہ ہو۔ الوثائق السیاسیہ وثیق نمبر ۳۲

باجگذاران روم سے معاہدات نبوی کے مزید نتائج بھی سامنے آئے مثلاً ان قبائل کے ساتھ مناسب روّیہ ان کے حقوق کی حفاظت اور معاہدین کی قدر دانی کو دیکھتے ہوئے اردگرد کے دوسرے قبائل بھی اسلامی ریاست کی طرف راغب ہوئے (۱۰۰) ان میں مشہور قبیلہ غسان ہے جو بیزنطین کا پکا وفادار تھا (۱۰۱) اس قبیلہ کے چند لوگ کچھ ہی عرصہ بعد رمضان ۱۰ھ میں مدینہ آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے (۱۰۲) علاوہ ازیں غسان کے ایک قبیلہ بنی ثعلبہ کی طرف بھی مکتوب نبوی کا تذکرہ ملتا ہے۔ (۱۰۳) ان کے کچھ لوگ تو پہلے سے ہی اسلامی وفاق کے ساتھ شامل ہونے پر تیار ہو گئے تھے چنانچہ ۸ ہجری میں ان کا وفد مدینہ حاضر ہو چکا تھا۔ (۱۰۴)

اسی طرح بیزنطین کے وفادار دیگر قبائل، قبیلہ لخم، بنو بلی، قبیلہ داری اور بنو تغلب کی طرف مکاتیب کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ (۱۰۵) ان قبائل میں بنو بلی کے وفد کا تذکرہ ۹ھ میں تبوک سے قبل ہی ملتا ہے۔ علاوہ ازیں شام کے قریب سے قبیلہ داری کا وفد اس وقت حاضر ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس لوٹے۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر اسلامی وفاق میں شامل ہوئے (۱۰۶) اسی طرح بنو تغلب کے وفد بھی جس میں کچھ مسلمان اور کچھ نصاریٰ تھے حاضر ہوئے اور اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔ (۱۰۷)

معاہدین کے لیے اقدامات نبوی کا جائزہ

۱۔ علاقائی خودمختاری:

معاہد قبائل کو عمومی طور پر اپنے علاقے میں خودمختار بنایا جاتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ ان کے

۱۰۰۔ ابن سعد ج:۱، ص:۳۳۸

۱۰۱۔ ابن حبیب ص:۳۷۰۔۳۷۱، ان سے متعلق مکتوب نبوی ملاحظہ ہو۔ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر:۳۷

۱۰۲۔ ابن سعد، ج:۱، ص:۳۳۸

۱۰۳۔ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر:۴۰

۱۰۴۔ ابن سعد، ج:۱، ص:۳۹۸

۱۰۵۔ ابن سعد، ج:۱، ص:۳۱۶۔ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر:۴۱، ۴۸، ۴۳

۱۰۶۔ ابن سعد ج:۱، ص:۳۳۰، ۳۴۳

۱۰۷۔ ابن سعد، ج:۱، ص:۳۱۶

داخلی معاملات میں عموماً اسلامی ریاست دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ معاہدین کو مقامی زمینوں' باغات' چشموں' چراگاہوں اور دیگر اموال پر مکمل خود مختاری دی جاتی تھی۔

عموماً معاہدین قبائل پر انہی میں سے امیر مقرر کیا جاتا مثلاً بحرین' یمن' عمان' طائف' دومۃ الجندل' ایلہ' مقناء جرباء وغیرہ کے علاقوں میں سابقہ سرداروں کو ہی بحال رکھا گیا۔ ان میں سے اکثر وہاں کے مقامی قبائل کے لوگ تھے۔(۱۰۸) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کیے گئے اکثر عمال و منتظمین کا تعلق عموماً اسی قبیلہ سے ہوتا تھا جس پر ان کا تقرر کیا جاتا مثلاً بیعت عقبہ ثالثہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس وخزرج کی مختلف شاخوں پر انہیں میں سے نقباء کا تقرر فرمایا (۱۰۹) اسی طرح صحابی ابن الاصبع کلبی اور حارثہ بن القطن کلبی کو دومۃ الجندل میں بنوکلب پر عامل بنا کر بھیجا۔(۱۱۰)

مالک بن عوف نصری کو بنونصر' پر عامل مقرر کیا گیا (۱۱۱) صرد بن عبداللہ ازدی کو بنوازد پر (۱۱۲) قیس بن مالک ہمدانی کو ہمدان میں' عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بنوثقیف پر (۱۱۳) عباس بن مرداس (جن کا تعلق بنوسلیم سے تھا) کو سلیم و مازن پر (۱۱۴) بریدہ بن حصیب اسلمی کو بنوغفار و اسلم پر (۱۱۵) رافع بن

۱۰۸۔ مثلاً ملاحظہ ہو: عمان و بحرین کی طرف مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر ۶۲ رئیس یمامہ کی طرف مکتوب ایضاً وثیقہ نمبر: ۶۸۔ وثیقہ برائے بنی جناب از قبیلہ بلحارث' وثیقہ نمبر: ۸۱' ۸۲' ۸۳' ۸۴۔ نیز ملاحظہ ہو وثیقہ بنام شیخ ہمدان' ایضاً وثیقہ نمبر: ۱۱۱' ۱۱۳' ۱۳۱'' ۔ اسی طرح دوسرے کئی وثیق جات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدین کے اموال پر انہیں تصرفات عنایت کرتے تھے۔ البتہ ایک مخصوص حصہ بصورت زکوٰۃ یا صدقات یا جزیہ کا تعین کیا جاتا تھا۔

۱۰۹۔ مقامی منتظمین کے ساتھ حکومت کی طرف سے دوسرا منتظمین کا تقرر بھی کیا جاتا تھا' ملاحظہ ہو آئندہ حوالہ نمبر: ۱۱۰ تا ۱۲۰' ابن ہشام' ج: ۱' ص: ۴۴۳۔ ۴۴۴

۱۱۰۔ واقدی' محمد بن عمر بن واقد' کتاب المغازی' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' بیروت لبنان' ص: ۵۶۱' نیز ابن سعد' ج: ۱' ص: ۳۳۵

۱۱۱۔ ابن ہشام: ۳۔ ۴' ص: ۴۹۱' بلاذری احمد بن یحییٰ دار المعارف قاہرہ الطبعہ الثالثہ انساب الاشراف' ص: ۵۳۰

۱۱۲۔ ابن ہشام' ج: ۳۔ ۴' ص: ۵۸۷' ابن سعد: ج: ۱' ص: ۳۳۸

۱۱۳۔ بلاذری: ۵۳۰

۱۱۴۔ بلاذری انساب الاشراف: ۵۳۰

۱۱۵۔ ابن سعد' ج: ۲' ص: ۱۶۰' بلاذری انساب الاشراف ص: ۵۳۰

مکیث (جن کا تعلق قبیلہ جھینہ سے تھا) کو جھینہ پر (۱۱۶) عدی بن حاتم (جن کا تعلق بنو طے سے تھا) کو بنو اسد و طے پر (۱۱۷) سعد الدوسی کو دوس پر (۱۱۸) اشعث بن قیس کندی کو بنو کندہ پر (۱۱۹) اور زرعہ بن ذی یزن (جن کا تعلق رؤسا حمیر سے تھا) کو حمیر پر ہی عامل مقرر کیا گیا (۱۲۰)

قبیلہ سے ہی پرانے سربراہ یا مقامی عامل کے تقرر کا ایک فائدہ یہ تھا کہ قبیلہ و علاقہ کے حالات و معاملات سے پوری طرح واقفیت ہونے کی وجہ سے انتظامی معاملات میں سہولت رہتی تھی۔ دوسرا یہ کہ سرداروں اور دیگر سرکردہ افراد کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اسلام کی وجہ سے وہ کمتر ہو گئے ہیں نیز عوام بھی یہ محسوس نہیں کرتے تھے کہ ان پر کوئی غیر آدمی حکومت کر رہا ہے۔

معاشی جدوجہد میں آزادی:

عرب کے تجارتی میلوں/ بازاروں میں چند با اثر سرداروں کا قبضہ ہوتا تھا لہٰذا ایک طرف تو تجارت پیشہ قبائل کو بھاری خراج ادا کرنا پڑتا (۱۲۱) دوسری طرف یہ سردار تجارتی نقل و حمل کے راستے میں کئی طرح سے رکاوٹ بھی بنتے تھے (۱۲۲) جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدین کو تجارتی نقل و حمل میں آزادی فراہم فرماتے اور اگر کوئی ان کے تجارتی نقل و حمل میں رکاوٹ بنتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدین کا ساتھ دیتے اور راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے ان سے مکمل تعاون فرماتے۔ ۵ھ سریہ دومۃ الجندل اس کی ایک بڑی مثال ہے کہ جب وہاں کے حکمران نے تجارتی قافلوں کے نقل حمل میں رکاوٹ

۱۱۶۔ ابن سعد' ج:۲' ص:۱۶۰' بلاذری انساب الاشراف' ص:۵۳۰

۱۱۷۔ بلاذری انساب الاشراف' ص:۵۳۰' کتانی' ج:۱' ص:۳۹۶

۱۱۸۔ کتانی' ج:۱' ص:۲۴۲

۱۱۹۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴' ص:۵۸۵' ابن سعد' ج:۱' ص:۳۴۰

۱۲۰۔ طبری' ج:۳' ص:۱۴۰' ابن الاثیر، اسد الغابہ نمبر ۱۷۴۵

۱۲۱۔ واقدی' محمد بن واقد' تحقیق ڈاکٹر مارسڈن جونسی' مطبعۃ جامع اکسفورڈ ۱۹۶۶ء ج:۱' ص:۴۰۳' ابن حبیب المحبر اسواق العرب' ص:۲۶۳' ۲۶۴ تا ۲۶۷۔ نیز ملاحظہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی۔ ص:۱۷۳' ۱۷۴

۱۲۲۔ ایضاً: نیز ملاحظہ ہو: ۵ھ میں سریہ دومۃ الجندل اَسْلی بنیادی وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہل دومۃ الجندل نے تجارتی قافلوں کی نقل و حمل میں ناجائز رکاوٹیں ڈالنی شروع کی تھیں۔ مسعودی' ص:۲۱۵' نیز دیکھیں ابن سعد' ج:۲' ص:۶۲

ڈالنے کی کوشش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کارروائی کی۔(۱۲۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کے لیے جو وثیقہ تحریر فرمایا اس میں آس پاس کے قبائل (جو قبیلہ عبدالقیس کے تجارتی راستے کی رکاوٹ بن سکتے تھے) کے لیے لکھا کہ وہ ان (قبیلہ عبدالقیس) کی فراہمی اجناس میں مانع نہ ہوں اور پھلوں کے پکنے پر ان کے لیے برآمدگی میں سہولت پیدا کریں۔(۱۲۴)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایلہ کے لیے وثیقہ میں لکھا کہ ان معاہدین کے لیے خشکی اور سمندر کی راہیں جن پر وہ پہلے سے گزرتے ہیں بدستور کھلی رہیں گی یہ ساحلی علاقے تجارتی مراکز تھے۔ چنانچہ ان گزرگاہوں میں نہ صرف آزادانہ نقل وحمل کی اجازت دی جاتی (۱۲۵) بلکہ ان کے لئے وعدہ وفائی کے بدلے میں امن وحفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کی جاتی تھی۔(۱۲۶)

مذہبی آزادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام معاہدین کو مذہبی آزادی عنایت کی۔ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف لانے میں کبھی بھی سختی کا معاملہ نہیں کیا گیا بلکہ "لا اکراہ فی الدین" (۱۲۷) کے قرآنی اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا اور بنی جنبہ کے لیے وثیقہ تحریر فرمایا کہ "اسلام میں کسی کو اکراہا مسلمان کرنا روا نہیں" (۱۲۸) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل یمن عمر بن حزم کی طرف بھی یہ تحریر فرمایا کہ "کسی یہودی اور نصرانی کو اکراہاً (زبردستی) مسلمان نہ کیا جائے۔ ان کے بالغ مرد وعورت آزاد اور غلام دونوں پر ایک دینار جزیہ لیا جائے اور جو شخص جزیہ ادا کرے تو اس کی

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر: ۷۲

۱۲۵۔ ایضاً وثیقہ نمبر: ۳۱

۱۲۶۔ ایضاً وثیقہ نمبر: ۳۰

۱۲۷۔ البقرۃ: ۲۵۶، الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر: ۵۷، ۵۹

۱۲۸۔ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر: ۳۳

حفاظت کے لیے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار ہیں اور اس کا مانع اللہ' اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے۔(۱۲۹)

شاہان یمن کی طرف ایک اور مکتوب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا کہ کسی نصرانی اور یہودی کو جبراً مسلمان نہ کیا جائے اور جو شخص جزیہ ادا کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے۔(۱۳۰)

مجوس ہجر کے لیے مکتوب نبوی (بنام منذر بن ساویٰ) میں تحریر کیا گیا کہ جو شخص اسلام لانے سے انکار کرے اس کی خوشی تب اسے جزیہ دینا ہوگا(۱۳۱) اس سلسلہ کی بہترین مثال کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب برائے اہل نجران غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جس میں دیگر کئی چیزوں کے علاوہ مذہبی معاملات میں خاصی تفصیل نظر آتی ہے۔

اہل نجران کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ ''پادریوں اور راہبوں کو ان کے منصب سے معزول نہیں کیا جائے گا ان کی عبادت گاہوں میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مسجدوں میں تبدیل کیا جائے گا اور عدل و انصاف و سماجی معاملات میں ان کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے(۱۳۲) اسی طرح مجوس ہجر کو بھی تحریر فرمایا کہ ''درصورت اقرار ان کے اور ہمارے مفاد اور ذمہ داری یکساں ہیں''(۱۳۳) غرض اس سے ملتی جلتی مذہبی مراعات کا اعلان دوسرے معاہدین کے ساتھ بھی کیا گیا۔(۱۳۴)

۱۲۹۔ ایضاً وثیقہ نمبر ۱۰۵

۱۳۰۔ ایضاً وثیقہ نمبر: ۱۰۹

۱۳۱۔ ایضاً وثیقہ نمبر: ۶۱

۱۳۲۔ ابو یوسف' یعقوب بن ابراہیم' کتاب الخراج' بولاق ۱۳۰۲ھ' ص: ۷۸ تا ۷۹' نیز بلاذری فتوح البلدان ص: ۶۵

۱۳۳۔ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر: ۶۱

۱۳۴۔ ایضاً نمبر: ۳۳' ۳۴' ۶۱

معاہدین کے ساتھ حق پر امداد و تعاون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر ریاست کی حیثیت سے معاہدین قبائل اور ان کے حلیفوں کو ہر اس معاملہ پر امداد و تعاون کی مکمل یقین دہانی کراتے جس میں وہ حق پر ہوں۔ مثلاً ایلا کے سردار نے اپنے قریب اہل مقنا کے کچھ باشندوں کو شہر بدر کرایا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے سردار کی طرف مکتوب میں تحریر فرمایا کہ: ''مقام مقنا کے باشندوں کی ان کے وطن میں جانے کے لیے اعانت کی جائے۔(۱۳۵) اسی طرح عبداللہ بن اعور المازنی المعروف اعشیٰ شاعر کی اہلیہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطرف بن نہصل کو حکم فرمایا کہ'' ان کی بیوی ان کے حوالے کردی جائے''(۱۳۶) علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی زرعہ اور بنی ربعہ کی طرف وثیقہ میں لکھا کہ ان پر ظلم کرنے والے کے خلاف ان کی امداد کی جائے گی۔(۱۳۷)

عملی طور پر دیکھا جائے تو جب بھی معاہدین کے ساتھ ظلم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امداد اور دادرسی فرمائی۔ مثلاً جب دومۃ الجندل میں حلیف قبائل کو تجارتی سفروں میں تنگ کرنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کارروائی فرمائی (۱۳۸) اسی طرح جب قبیلہ بنو بکر نے اسلامی ریاست کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلیف قبیلہ (بن خزاعہ) کی مکمل حمایت کی اسی ضمن میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔(۱۳۹)

۱۳۵۔ ایضاً نمبر:۳۰

۱۳۶۔ عبداللہ بن اعور المازنی جو کہ اعشیٰ شاعر کے طور پر مشہور تھے کی اہلیہ گھر سے نکل بھاگی اور مطرف بن نہصل کے ہاں پناہ گزیں ہوگئی۔ باوجود کوشش کے جب عبداللہ اسے واپس لانے میں کامیاب نہ ہوسکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ مطرف ان کی اہلیہ واپس نہیں کررہا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو مطرف کے لیے مکتوب عنایت کیا۔ چنانچہ مطرف نے ان کی اہلیہ کو واپس کیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' کتاب المحبر :ص ۳۰۹ نیز آلوسی ' محمود شکری' بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب ' ج: ۲'ص: ۴۹' نیز(الوثائق السیاسیه وثیقه نمبر: ۱۲۶

۱۳۷۔ ایضاً نمبر:۱۵۱'۱۴۲۱' نیز ابوعبید کتاب الاموال ج:ا'نمبر:۵۰۶

۱۳۸۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر:۱۲۲'۱۲۳

۱۳۹۔ ابن ہشام' ج:۳۔۴'ص:۳۸۹۔۳۹۴

معاہدین کی حفاظت کی ذمہ داری:

معاہدات کی عبارتوں سے واضح پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست معاہدین قبائل کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کرتی تھی۔

مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایلہ، اہل غسان، قبیلہ لخم، قبیلہ داری، قبیلہ عبدالقیس، اور ہمدان کے لیے جو تحریریں لکھوائیں ان میں ان کے اموال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی اور ظالم کے خلاف ان کو مدد اور دادرسی کی یقین دہانی کرائی۔(۱۴۰)

رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور مساوات:

طبقاتی کشمکش کے اس دور میں جب کہ کمزور کے حقوق کی بات کرنا بھی امر محال تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زیر اثر رؤساء کو یہ حکم کرتے کہ رعایا کے ساتھ حسن سلوک رکھا جائے۔(۱۴۱)

بعض رؤسا کی طرف مکتوبات میں تحریر فرمایا کہ رعایا کے اور ہمارے مفاد اور ذمہ داریاں دونوں یکساں ہیں اور تمام لوگوں کی باہم مساوات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر خطوط سے مترشح ہے۔ شاہان یمن کی طرف مکتوب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ باہم ایک دوسرے کی تذلیل نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے امیر اور غریب دونوں کے دوست ہیں۔(۱۴۲)

قبائل کے قیمتی اموال اور زکوٰۃ وصدقات کی مد میں لینے کی ممانعت:

جہاں ہر طرف طاقتور کی نظریں کمزور کے پاس موجود قیمتی اشیاء پر ہی ہوتی تھیں اور دوسروں کے اموال پر ہر جائز و ناجائز تصرف کو روا رکھا جاتا تھا وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وثائق میں خاص اہتمام فرمایا اور اپنے عمال کو اس روش سے منع فرمایا۔ مثلاً زکوٰۃ وصدقات کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہمدان کے لیے تحریر فرمایا کہ صدقات میں بوڑھے اور جوان ہر دو طرح کے اونٹ لیے

۱۴۰۔ ملاحظہ ہو: الوثائق السیاسیہ بالترتیب وثیقہ نمبر: ۳۱۔۳۴۔۴۱۔۴۵۔۴۶۔۷۲۔۱۱۱

۱۴۱۔ ایضاً نمبر: ۵۷، ۶۷

۱۴۲۔ ایضاً نمبر: ۵۹، ۶۱، ۱۰۹

جائیں۔(۱۴۳)

اسی طرح ملوک حمیر کی طرف خط میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکاری محصل بے انصافی نہ کریں اور مویشیوں کے پانی کے گھاٹ پر نہ پہنچیں اور اچھی راس پر نشان نہ کرتے جائیں۔ (۱۴۴) دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام ریوڑ میں زیادہ موٹی تازی بکریاں نہ لی جائیں بلکہ درمیانہ ہوں۔(۱۴۵)

یہ وہ اقدامات نبوی تھے کہ جن کی بناء پر قبائل نے اسلام کی بالادستی اور سرپرستی کو برضا و رغبت قبول کیا نیز ان اقدامات میں حکمت نبوی نے محسوس اور غیر محسوس طریقے پر اسلامی ریاست اور قبائل کے درمیان قربت کے تعلق کو جنم دیا۔

عمومی نتائج:

۱۔ اسلامی ریاست کے جنوب اور جنوب مشرق کے علاقوں یمن، یمامہ، حضر موت، نجد، بحرین، عمان اور شمال میں انتہائی اہمیت کے سرحدی علاقوں میں بسنے والے قبائل اور ان کے حلیف اسلامی ریاست کے باجگذاروں میں شامل ہو گئے۔

۲۔ اسلامی ریاست کی طرف سے قبائل کے ساتھ انصاف اور عدل و مساوات اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے حصول انصاف کے لیے لوگوں نے قبیلہ کی طاقت حاصل کرنے کے بجائے مرکزی ادارہ (اسلامی ریاست اور اس کے عمال) سے رجوع کرنا شروع کر دیا جس کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ قبائل میں حقوق کے حصول کے لیے انفرادی کوششوں اور نتیجتاً باہمی دشمنیوں کے چلتے رہنے کا سلسلہ رک گیا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام**''(۱۴۶) کا اصول قائم فرمایا چنانچہ جو سردار مسلمان ہوتا اس کو پرانی سیادت پر بحال رکھا جاتا تھا بایں صورت

۱۴۳۔ ایضاً نمبر: ۱۱۴

۱۴۴۔ ایضاً نمبر: ۱۳۳

کہ وہ (سردار) صرف اپنی قوم کا ہی نہیں بلکہ امیر ریاست کا نمائندہ بھی ہوتا تھا۔ اس طرح سرداران قوم اور سرکردہ افراد کے لیے اسلامی ریاست کی بالا دستی کو قبول کرنے میں فطری طور پر بھی سہولت رہتی تھی۔

۴۔ بیرونی قوتوں کی شورشیں اب براہ راست اسلامی ریاست پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ اسلامی ریاست کے گردان معاہدات کی وجہ سے حلیف قبائل کا جال بن گیا۔

۵۔ ان معاہدات کی وجہ سے باہمی آمد و رفت میں سہولت ہوئی اور قبائل کے ساتھ رابطے قریب ہوئے جس سے اسلام کی تبلیغ و ترویج میں سہولت ہوئی۔

۶۔ یمن، حضر موت، نجد، یمامہ، بحرین، عمان، طائف اور دوسری طرف دومۃ الجندل اور دیگر سرحدی علاقے، تجارت کے مراکز تھے (۱۴۷) ان معاہدات کی وجہ سے ان علاقوں میں آمد و رفت میں خصوصی سہولت میسر آئی جس سے مسلمانوں میں تجارتی ترقی ہوئی اور ان کی معیشت مستحکم ہوئی۔

۷۔ ان معاہدات کی وجہ سے اسلام حکومتی اور ملکی سطح پر دوسرے ممالک و اقوام میں بہت جلد متعارف ہوا۔

۸۔ مختلف قبائل کے بیسیوں اہم خاندانوں میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ چنانچہ وفود کی شکل میں انہوں نے اپنے نمائندے بارگاہ نبوی میں بھیجے اور اپنے اسلام اور اسلامی وفاق کے ساتھ شمولیت کا اعلان کیا۔

۹۔ متضاد اور منتشر افراد و قبائل کو انفرادی محوروں سے نکال کر ایک وفاق کے تحت جمع کیا جس سے قبائلی افراتفری کا خاتمہ ممکن ہوا۔

۱۰۔ مختصراً یہ کہ یہ معاہدات اسلام کی تبلیغ و ترویج، اسلامی ریاست کے استحکام اور مختلف قوتوں کے زیر اثر قبائل کی شیرازہ بندی کے لیے بنیاد ثابت ہوئے۔

۱۴۵۔ ایضا

۱۴۶۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ، کتاب المناقب ج:۱، ص:۴۹۶

۱۴۷۔ ابن حبیب (اسوق العرب) ص:۲۶۳

سیرت نبوی ﷺ کا ایک گمشدہ باب۔ ربائبُ النبی ﷺ

ڈاکٹر سرور عالم ندوی *

کاشانۂ نبوت میں پروردہ حضرات امہات المومنین کی سابقہ اولاد جنہیں تاریخ وسیر میں ربیب یا ربیبۂ رسول کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ محسن عالم اور معلم انسانیت ﷺ کی کتاب زندگی کا ایسا قیمتی باب ہے، جسے سیرت نگاران رسول۔ نے اب تک قابل اعتناء نہیں سمجھا اور مرتبہ اور مربوط انداز میں اس پہلو کو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بنانے کی بجائے ضمناً اور سرسری طور پر اس طرح بیان کر دیا گیا ہے جس سے حیات طیبہ کا یہ مبارک گوشہ اپنے تمام تر عظمت و تقدس، کشش و جاذبیت، نمونہ حسن اخلاق معاملت اور غایت درجہ انس ومحبت اور لطف وعنایت کے باوجود تشنگی و ناتمامی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے تعلیم وتربیت نبوی کے قابل تقلید عمل اور پاکیزہ سیرت کی تشکیل سے وابستگان دامن دولت کا ایک بڑا طبقہ تقریباً ناآشنا ہے۔ اور حضرت اقدس ﷺ کی زندگی کا یہ بیش بہا حصہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ" کی عظیم شان والے جس ذات اقدس کی سیرت کے چراغ سے ہر دور میں چراغ جلتے آئے ہیں۔ جس محور پر تاریخ گردش کرتی ہے اور ان کے تذکرے مشعل ہدایت کا کام دیتے ہیں۔ اس کی سیرت مقدسہ کا یہ باب اس کا مستحق ہے کہ اسے گلدستہ طاق نسیاں بنانے کے بجائے مستقل عنوان کے تحت کتب سیرت میں جگہ دی جائے۔ اور خرمن اخلاق کے خوشہ چینوں کو یہ باور کرایا جائے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حسن تعلیم وتربیت سے بہرہ منداصحاب میں ان نفوس قدسیہ کو کیا مقام حاصل ہے۔ جنہیں مہبط وحی اور گہوارہ نور میں پرورش پانے کی سعادت عظمٰی نصیب ہوئی۔ جو اس دنیا کیلئے سرچشمہ اخلاق ہیں جہاں سے کمال انسانیت کے اسرار عوام پر منکشف ہوئے۔

حرم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جن معزز خواتین کو داخل ہونے اور امہات المومنین کا

* شعبہ عربی۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شرف عظیم حاصل کرنے کا تمغہ افتخار ملا، ان میں حضرت عائشہؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت ماریہؓ کو چھوڑ کر سب کی سب یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ۔ جن میں سے بعض صاحب اولاد بھی تھیں جن کی کفالت اور تربیت کا ذمہ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ اور وہ سب کے سب آنحضرت کے زیر نگرانی پروان چڑھے۔ جن کے اسماء کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت ہند بن نباش بن زرارہ تمیمی

۲۔ حضرت ہالہ بن نباش

۳۔ حضرت طاہر بن نباش

۴۔ حضرت ہند بنت عتیق بن عائذ مخزومی

۵۔ حضرت سلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد (یہ ابوسلم کی کنیت سے معروف ہیں)

۶۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ

۷۔ حضرت درہ بنت ابی سلمہ

۸۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ

۹۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سکران بن عمرو

۱۰۔ حضرت حبیبہ بنت عبداللہ بن جحش

ان میں سے اوّل چار حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو بعثت نبوی سے قبل حرم رسالت میں داخل ہوئیں۔ اس کے بعد علی الترتیب (۵۔۶۔۷۔۸) حضرت ام سلمہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو ۴ ہجری میں نکاح نبوی میں آئیں۔ اس طرح حضرت عبدالرحمٰن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اور حضرت حبیبہ، حضرت رملہ معروف بہ ام حبیبہ کے بطن سے تھے۔

ازواج مطہرات کی مذکورہ بالا اولاد کی مکمل نگہداشت و پرداخت، تعلیم و تربیت اور کفالت و ذمہ داری کا بار حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی برداشت کیا تھا۔ اور اس حسن و خوبی کے ساتھ پرورش کی گئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک صحابیت کے جلیل القدر منصب پر فائز ہو . کے ساتھ ساتھ اسلام کا داعی د

مبلغ، میدان کارزار کا مجاہد، تعلیمات اسلامی اور ارشادات نبوی کا ناشر، مزاج نبوت کا رمز شناس اور زبان و بیان نبوی کا متبع و پیروکار نظر آتا ہے جن میں تعلیمات و تربیت نبوی ﷺ کا مکمل عکس پایا جا سکتا ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ جنہیں دخول اسلام میں بھی اوّلیت کا شرف حاصل ہے ان کی پہلی شادی، ابو ہالہ نباش بن زرارۃ تمیمی سے ہوئی، جن سے تین اولاد پیدا ہوئی۔ ہند، ہالہ اور طاہر، دوسری شادی عتیق بن عائذ مخزومی، سے ہوئی جن کے صلب سے ایک لڑکی ہند بنت عتیق، پیدا ہوئیں۔ شادیوں کی ترتیب میں اہل تاریخ وسیر کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ابو ہالہ بن زرارہ سے ہی پہلی شادی قرار دیتے ہیں۔ اور بعض عتیق بن عائذ کو پہلا شوہر بتاتے ہیں۔ اس سلسلہ کی جملہ تفصیلات علامہ ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' جلد پنجم میں درج کی ہیں۔ لیکن ان کا رجحان ابو ہالہ کی اوّلیت کی طرف ہی ہے، البتہ وہ ابو ہالہ سے صرف دو ہی اولاد بتاتے ہیں، ہند اور ہالہ'' اور ایک لڑکی جو عتیق بن عائذ کی صلب سے تھی، ان کے برخلاف علامہ ابن عبدالبر نے ہند اور ہالہ کے ساتھ طاہر کو بھی ابن زرارہ کی اولاد بتایا ہے ابو قتادہ بھی ابو ہالہ سے تین ہی اولاد کے قائل ہیں۔ اس طرح حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہونے والی یہ چاروں اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کفالت میں آ گئے تھے۔

ہند بن ابی ہالہ:

ہند بن ابی ہالہ حضرت خدیجہ کی پہلی اولاد ہیں جو بعثت نبوی سے تقریباً پچیس (۲۵) سال قبل نباش بن زرارہ کی صلب سے پیدا ہوئے۔ جن کے نام میں اہل تاریخ وسیر کے نزدیک کافی اختلاف ملتا ہے۔ بعض ''نباش بن زرارہ'' بتاتے ہیں اور بعض ''مالک بن زرارہ بن نباش'' کچھ کا خیال ہے کہ ان کا نام مالک بن نباش بن زرارہ تھا اور کچھ ''ابو ہالہ ھند بن نباش بن زرارہ'' کے قائل ہیں۔

حضرت خدیجہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں داخل ہوئی تو ہند بھی اپنی ماں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں داخل ہو گئے۔ اور آپ ہی کے زیر سایہ تربیت پانے لگے، جس کا اثر ان کی زندگی میں واضح طور پر نظر آتا ہے، زبان و بیان سے لے کر کردار اور عمل تک ہر چیز تربیت نبوی کا پرتو نظر آتی ہے۔ ہند کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ محبت تھی۔ اور آپ بھی شفقت پدری کا

بھرپور اظہار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو حضرت ہند نے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سبقت فرمائی اس طرح پدرانہ شفقتوں کے ساتھ ساتھ فرائض نبوت سے بھی اکتساب فیض کرنے کا قریب سے موقع ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ محبت کا معاملہ فرماتے اور اکثر و بیشتر ساتھ رکھتے تھے۔

ہند بن ابی ہالہ غزوۂ بدر و اُحد میں بھی آپ کے ساتھ شریک تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں ید طولی رکھتے تھے۔ شمائل جس کا بیان خود نہایت مشکل اور دشوار گزار عمل ہوتا ہے، جس کو غایت درجہ قربت و تعلق اور رفاقت و ہم نشینی کے بغیر نہیں بیان کیا جا سکتا حضرت ہند کے اوصاف حمیدہ کا ایک روشن باب ہے، ان کے اخیافی بھانجے حضرت حسنؓ بن علیؓ جو بڑے فخر سے انہیں ''میرے ماموں'' کہا کرتے تھے ان کے متعلق فرماتے ہیں''

سألت خالي هند بن ابی هاله و كان و صافا عن حلية رسول الله صلى الله عليه وا نا اشتهي ان يصف لي منها شيئا اتعلق به فقال "(١)

''میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو شمائل نبی کے بیان کرنے میں ید طولی رکھتے تھے سوال کیا وہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کچھ بیان فرمائیں تو انہوں نے کہا، اس کے بعد پوری روایت نقل کی ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ان کا خاص تعلق تھا۔ جنگ جمل میں انہیں کی حمایت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کی اولاد میں ہند (ان کا بھی نام باپ کے نام پر ہند ہی تھا) بڑے محدث اور فقیہ گزرے ہیں، ان کی روایت کا بڑا حصہ ان کے والد ہند بن ابی ہالہ سے ہی مروی ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے، بصرہ میں ان کا انتقال ہوا، جنازہ میں اژدحام کثیر تھا اور آہ و بکا کے ساتھ لوگوں کی زبان پر یہ جاری تھا کہ آج ربیب رسول کا بیٹا دنیا سے رخصت ہو گیا، آہ ہند بن ہند کا انتقال ہو گیا۔ (۲)

۱۔ علامہ ابن اثیر ''اسد الغابہ'' جلد پنجم ص:۷۲

۲۔ حوالہ سابق:۷۳

ہالہ بن ابی زرارۃ:

حضرت خدیجہ کی دوسری اولاد ہیں۔ یہ بھی نباش بن زرارہ کی صلب سے ہی پیدا ہوئے۔ انہیں کے نام سے کنیت کرتے ہوئے تاریخ وسیر میں ابو ہالہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ بڑے بھائی ہند کی طرح ان کی بھی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زیر سایہ ہوئی اور حلقہ اسلام میں داخل ہوکر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے' ان کے اندران کی والدہ حضرت خدیجہ کی بہت ساری خصلتیں اور مشابہتیں پائی جاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے حضرت اقدس ہالہ کو زیادہ چاہتے تھے۔ صاحب استیعاب نے امام طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت آرام فرمارہے تھے کہ اسی دوران حضرت ہالہ درِدولت پر حاضر ہوئے' آہٹ پا کر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے' اور فرط محبت سے حضرت ہالہ کو سینے سے لگالیا اور فرمانے لگے ہالہ آ گئے، ہالہ آ گئے، ہالہ آ گئے۔ (۳)

طاہر بن ابی ہالہ:

علامہ ابن کثیر نے اسد الغابہ میں ابن زرارہ کی صلب سے صرف دو ہی لڑکوں کا ذکر کیا ہے ہند اور ھالہ۔ لیکن علامہ ابن عبد البر طاہر بن ابی ہالہ کو بھی حضرت خدیجہؓ کی اولاد اور ہند بن ابی ہالہ کا بھائی بتاتے ہیں۔ انہوں نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:۔

''طاهر بن ابی هاله التميمی الاسدی اخو هند ربيب النبی صلی الله عليه وسلم .''(۴)

'' جس کی تائید حضرت قتادہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ'' عتیق بن عائذ مخزومی کے بعد حضرت خدیجہ کا نکاح ہند بن نباش تمیمی سے ہوا جس سے تین لڑکے ہند' ھالہ اور طاہر پیدا ہوئے۔ (۵)

حضرت طاہر بن ابی ہالہ کو بھی آغوش نبوت میں تربیت پانے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوئی جس کا فیضان ان کی زندگی میں واضح طور پر محسوس کیا جاتا رہا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ کے منظور نظر اور مقرب تھے' دین کی حمایت اور باطل سے برسرپیکار رہنے میں تربیت نبوی کا ہی دخل تھا۔ فتنہ ارتداد کے موقع پر مرتدین کی

۳۔ علامہ ابن عبد البر'' الاستیعاب''

۴۔ حوالہ سابق جلد دوم ص ۲۱۴

۵۔ حافظ فروغ ''ازواج مطہرات'' حصہ اول ص ۹۲

سرکوبی کے لئے آنحضرت نے حضرت طاہر کو یمن کی طرف بھی روانہ کیا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر نے ابوموسیٰ کے حوالے سے حضرت سیف بن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی سرکوبی کے لئے جن پانچ لوگوں کو روانہ کیا تھا ان میں میں، معاذ بن جبل طاہر بن ابی ہالہ، خالد بن سعید اور عکاشہ بن ثور شامل تھے۔(۶) جنہوں نے نہایت دلیری اور جرأت کے ساتھ مرتدین کا مقابلہ کیا اور فتح و کامرانی سے سرفراز ہوئے۔

ہند بنت عتیق:

آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں داخل ہونے سے قبل حضرت خدیجہ کی مذکورہ تین اولاد کے علاوہ ایک لڑکی کا بھی پتا چلتا ہے جو عتیق بن عائذ مخزومی کی صلب سے تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت یہ چاروں بچے حضرت خدیجہ کے ساتھ تھے۔

حضرت قتادہ نے جو کہ عتیق بن عائذ مخزومی سے حضرت خدیجہ کا پہلا نکاح بتاتے ہیں، ان کی صلب سے کسی اولاد کے ہونے کا انکار کیا ہے، لیکن ان کے علاوہ دیگر اکثر محدثین ومورخین اور ماہرین انساب نے ہند بنت عتیق کا بھی تذکرہ کیا ہے یہ اور بات ہے اس سلسلہ کی مزید کوئی تفصیل تلاش بسیار کے باوجود اب تک دستیاب نہ ہو سکی، علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں عتیق بن عائذ سے صرف ایک لڑکی ہند کا تذکرہ کیا ہے مگر کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔ اسی طرح "الاستیعاب" میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ﷺ میں ہند بنت عتیق کو حضرت خدیجہ کی اولاد میں شمار کر کے اس قدر مزید لکھا ہے کہ "اسی وجہ سے حضرت خدیجہؓ "ام ہند" کے نام سے پکاری جاتی تھی، اور ہند نے اول اسلام قبول کیا۔(۷)

سید ظہور الحسن "ازواج النبیؐ" میں لکھتے ہیں "ہند بنت عتیق نے ایک عرصہ تک آغوش رسالت میں تربیت حاصل کی اور نبوت کے پہلے ہی سال حلقہ بگوش اسلام ہو کر صحابیات کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوا لیا۔(۸)

۶۔ الاستیعاب جلد دوم ص ۲۱۴

۷۔ علامہ شبلی نعمانی "سیرۃ النبی" جلد دوم ص ۴۰۳

۸۔ سید ظہور الحسن "ازواج النبی" ص ۸۷۷

مذکورہ بالا بیانات سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان تین اولاد کے علاوہ ایک لڑکی بھی تھیں جو عتیق بن عائذ کی صلب سے تھیں اور چونکہ اہل تاریخ وسیر کے نزدیک عتیق سے حضرت خدیجہ کا دوسرا نکاح راجح ہے اس لئے ہند بنت عتیق اپنے دیگر اخیافی بھائیوں سے چھوٹی ہی ہوں گی، اور بچوں سے آپ کو بے پناہ محبت اور تعلق ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پدری اور تعلق و ہمدردی دیگر اخیافی بھائیوں کے مقابلے ان کے ساتھ یقیناً زیادہ ہوگی، اور انہیں تعلیم وتربیت نبوی سے اکتساب کرنے کا زیادہ موقع ملا ہوگا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ جن کا اصل نام "ہند" تھا اور قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ ان ازواج مطہرات میں سے ہیں جو بچوں کے ساتھ نکاح نبوی میں داخل ہوئیں۔ ان کی پہلی شادی حضرت عبدالمطلب کے دوسرے صاحبزادے برہ کے فرزند عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوئی تھی جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور ابتدائے اسلام میں ہی دولت اسلام سے بہرہ مند ہو گئے تھے انہیں کے ساتھ حضرت ام سلمہ بھی دولت اسلام سے مشرف ہوئیں۔ اس طرح دونوں کو سابقون اولون بننے کا شرف امتیاز حاصل ہوا، اور اذن نبی پا کر حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والوں میں شریک ہو گئے۔ پھر بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور غزوۂ احد میں گہرا زخم لگنے کی وجہ سے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

انہیں کی صلب سے حضرت ام سلمہ کو چار اولاد پیدا ہوئیں، اور حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد جب حضرت ام سلمہ ۴ہجری میں نبی اکرم کے عقد نکاح میں آئیں تو یہ چاروں بچے بھی آنحضرت کی کفالت میں آ گئے۔ (جو شرائط نکاح میں سے ایک شرط بھی تھی کہ میں صاحب عیال ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کا میں کفیل ہوں گا) حضرت ام سلمہ کا ابتدائے اسلام میں داخلہ اور اس راہ میں قربانیوں کے ساتھ شدید ترین مصائب سے دوچار ہونا، نیز چار کم سن بچوں کی موجودگی میں بیوگی کے احساس کو دور کرنے اور بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے کی غرض سے آپ کو انہیں اپنی زوجیت میں داخل کر لینے پر آمادہ کیا جس سے انہیں ام المومنین کا شرف عظیم بھی حاصل ہوا اور بچوں کی صحیح نہج پر تعلیم وتربیت بھی ہوئی، جس کا اثر ان میں سے ہر ایک کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

سلمہ بن عبداللہ:

حضرت سلمہ پہلی ہجرت کے دوران حبشہ میں حضرت عبد اللہ بن عبدالاسد کی صلب سے پیدا ہوئے، انہیں سے کنیت کرتے ہوئے ماں اور باپ دونوں ابوسلمہ اور ام سلمہ کے نام سے تاریخ میں یاد کئے جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ اپنے بھائی عمر سے بڑے تھے۔

"وھو کان اسن من اخیہ عمر"(۹)

والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ کیونکہ ان کے والد ابوسلمہ اپنے قبیلہ بنوعبدالاسد اور حضرت اُم سلمہ کے قبیلہ بنومغیرہ کے آپس میں ٹکراؤ اور بچے اور بیوی کو اپنے اپنے قبیلہ میں الگ الگ رکھ لینے کے نتیجہ میں تنہا ہی مدینہ ہجرت کر گئے تھے، بعد میں بچے کے فراق میں حضرت ام سلمہ کی آہ و بکا سن کر بچہ انہیں واپس کردیا گیا۔ اس طرح وہ اپنے بچوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئیں۔

حضرت ابوسلمہ کے انتقال کے بعد جب حضرت ام سلمہ نکاح نبوی میں داخل ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں بچوں کی پرورش فرمائی تھی۔ اور شفقت پدری کا غایت درجہ ظہور عمل میں آتا رہا۔

آنحضرت نے حضرت سلمہ بن ابی سلمہ کی شادی اپنی چچازاد بہن، امامہ بنت حمزہ (سید الشہداء) سے فرمائی، اور نکاح کے بعد صحابہ کرام سے متوجہ ہوکر فرمایا ''**ھل ترونی کا فاتہ** ''(۱۰) علامہ ابن عبدالبر نے ابن اسحاق کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح امامہ بنت حمزہ سے اسی وقت کردیا تھا جب دونوں چھوٹے تھے اور رخصتی سے پہلے ہی دونوں کا انتقال بھی ہوگیا تھا۔ مگر ابن اسحاق کے اس قول کی تردید خود ہی واقدی کے حوالے کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ سلمہ بن ابی سلمہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خلافت تک زندہ رہے۔(۱۱)

اس طرح ۴ ہجری سے وفات نبوی تک حضرت سلمہ کو آنحضرت سے استفادہ کرنے اور آپ کی

۹۔ حافظ ابن حجر " الاصابہ" جلد دوم ص ۶۴۱

۱۰۔ اسد الغابہ دوم ۳۳۷

۱۱۔ الاستیعاب دوم ۶۴

نگرانی میں پروان چڑھنے کا بھرپور موقع ملا۔

عمر بن ابی سلمہ:

عمر بن ابی سلمہ کی کنیت ابو حفص تھی ۔۲ ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے ۔اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر یہ کہا کرتے تھے کہ میں عمر بن ابی سلمہ سے دو سال بڑا ہوں۔غزوۂ خندق کے موقع پر دونوں یعنی عمر بن ابی سلمہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت حسانؓ کے گھر میں تھے۔حضرت عمر بن ابی سلمہ کا حضرت علیؓ سے خاص تعلق تھا حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں بحرین کا گورنر بنا دیا تھا۔نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کا ان کے نام ایک خط ہے جس میں ان کی انتظامی صلاحیتوں اور اعلیٰ کارکردگی کا ذکر ملتا ہے۔

انہیں بھی آنحضرت کے زیر سایہ پرورش پانے کا موقع ملا تھا' اور آپ کی صحبت بابرکت سے فیض ظاہری و باطنی بھی حاصل کیا تھا' صحبت نبوی کے فیض نے ذہن و دماغ کو جو جلا بخشی تھی اور فکر و نظر کی جس جولانگاہ میں لا کر کھڑا کر دیا تھا اس کا نتیجہ تھا کہ اسی چھوٹی سی عمر سے ہی احکام شرعیہ میں غور و تدبر اور استفسار و توضیح کرنے لگے تھے آپ بھی از حد محبت فرماتے تھے اکثر و بیشتر ''یا بنیّ'' سے خطاب کرتے تھے اسی قربت اور صحبت کا نتیجہ ہے کہ اس ننھی سی عمر کے باوجود آپ سے متعدد روایتیں منقول ہیں۔

مدینہ منورہ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔(۱۳)

درہ بنت ابی سلمہ:

درہ بنت ابی سلمہ عمر میں اپنے دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھیں۔اور یہ بھی حبشہ میں ہی پیدا ہوئیں۔اور ماں کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی' بعض نے ان کا نام رقیہ بھی لکھا ہے' لیکن اکثریت تاریخ و سیر میں اسی نام (درہ) سے جانی جاتی ہیں۔ان کی پرورش بھی کاشانۂ نبوت میں ہی ہوئی تھی۔اور حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے علم و حکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا تھا۔حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

'' و ھی معروفة عنداھل العلم و السیر والخبر والحدیث فی بنات ام سلمه ربائب

۱۲۔ اسد الغابه چهارم ۷۹

۱۳۔ الاصابه چهارم ۱۸۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "(۱۳) ذہانت وذکاوت اور فہم وفراست کا وافر حصہ ملا تھا' جس کی وجہ سے بعض امہات المومنین کو یہ شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں آنحضرت انہیں اپنے حرم میں نہ داخل فرمالیں۔

حضرت ام حبیبہ اس گمان میں سب سے پیش پیش تھیں' لیکن آنحضرت کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے اوپر حرام ہے۔(۱۴)۔"الاصابہ" میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اگر وہ ربیبہ نہ بھی ہوتی تب بھی میرے اوپر حرام تھی اس لئے کہ وہ میری رضائی بھتیجی ہے(۱۵) کیونکہ حضرت ابوسلمہ نے بھی ابولہب کی باندی"ثوبیہ" کا دودھ پیا تھا۔اسی وجہ سے وہ حضرت اقدس کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی ہوجاتے ہیں۔

زینب بنت ابی سلمہ:

حضرت زینب اپنی بہن درہ سے عمر میں چھوٹی تھیں والدین نے ان کا نام برہ رکھا تھا۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔اور بدل کر زینب رکھ دیا' ان کی پیدائش کے سلسلہ میں اختلاف ملتا ہے۔بعض روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش حبشہ میں ہی ہوئی تھی' بعض نے لکھا ہے کہ جس وقت ان کے والد کا انتقال ہوا وہ شیر خوار تھیں۔علامہ شبلی نے"سیرۃ النبی" میں لکھا ہے کہ والد کے انتقال کے وقت ماں کے پیٹ میں تھیں' وضع حمل کے بعد آنحضرت سے ام سلمہ کا نکاح ہوا۔(۱۶)

حافظ ابن حجر کے اس قول کے مطابق کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر نے انہیں دودھ پلایا تھا' ان کی پیدائش مدینہ میں ہی متصور ہوتی ہے۔

آنحضرت نے ام سلمہ کے نکاح کے وقت زینب کی شیر خوارگی"مسند احمد' اور"طبقات ابن سعد" کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ"حضرت ام سلمہ اپنی غایت درجہ حیا کی وجہ سے حرم رسالت میں داخل ہونے کے بعد بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تو حضرت زینب کو گود میں لے کر دودھ پلانے لگتیں اور آپؐ واپس ہوجاتے جس پر ان کے رضاعی بھائی حضرت عمار بن یاسر سخت ناراض

۱۴۔ امام احمد بن حنبل" مسند احمد " جلد ششم ص ۲۹

۱۵۔ الاصابہ جلد اول ص ۲۹

۱۶۔ سیرۃ النبی دوم ۴۰۶

ہوئے اور زینب کو عارضی طور پر اپنے گھر لے گئے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زینب سے خاص تعلق تھا۔حیات نبوی کی جتنی مدت بھی انہیں ملی ان میں آپ سے استفادہ کرنے اور تربیت پانے کا خاص موقع ملا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ام سلمہ کے گھر تشریف لے جاتے حضرت زینب موجود رہتیں۔اسی صحبت کے فیض نے انہیں فضل وکمال کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔حافظ ابن حجر نے ابو رافع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے مدینہ کی کسی فقیہہ عورت کا ذکر کیا تو زینب بنت ابی سلمہ کو ضرور یاد کیا۔

ان کی شادی حضرت عبد اللہ بن اسود اسدی سے ہوئی جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں سے دو لڑکے ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ میں شہید ہوئے اور حضرت زینب کا ان کی شہادت کے دس سال بعد ۷۳ ہجری میں انتقال ہوا۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ جن کا اصل نام رملہ بنت ابی سفیان تھا اور آپ کے عقد نکاح میں آنے سے قبل عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا اور حبشہ کو ہجرت کرکے جہاں جا کر عبید اللہ نے عیسائیت قبول کر لی اور وہیں عیسائیت پر ہی موت ہوگئی۔اسی کی صلب سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام حبیبہ تھا۔اس کنیت سے رملہ بنت سفیان ام حبیبہ سے جانی جانے لگیں۔

حبیبہ بنت ام حبیبہ:

حضرت حبیبہ کی پیدائش مکہ میں ہوئی اور اپنے والدین کے ساتھ مکہ سے حبشہ کی طرف بعثت نبوی کے چھٹے سال ہجرت کر گئی تھیں۔ وہیں ان کے والد عبید اللہ بن جحش کی موت کے بعد جب ام حبیبہ آنحضرت کے نکاح میں آگئیں اور غزوہ خیبر کے موقع پر ام المومنین بن کر مدینہ منورہ تشریف لائیں تو حضرت حبیبہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔(۱۷) لیکن ابن اثیر نے ابن اسحاق سے ایک قول حبشہ میں پیدا ہونے کا بھی لکھا ہے۔(۱۸)

ان کی کفالت بھی دیگر ازواج مطہرات کی اولاد کی طرح آپ کے ہی ذمہ تھی اور آپ نے ان کی

۱۷۔ تفصیل کے لئے اصابہ جلد چہارم ۱۸۹ دیکھا جا سکتا ہے

۱۸۔ الاستیعاب چہارم ۲۶۱

پرورش و پرداخت اپنے سایۂ عاطفت میں ہی رکھ کر فرمائی۔

سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ان کی شادی عروہ بن مسعود سے جو قبیلہ بنو ثقیف کے سردار تھے۔

مولانا سعید انصاری نے حضرت ام حبیبہ کے ہی صلب سے ایک بیٹے کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کا نام عبداللہ تھا (۱۹) لیکن یہ روایت ان کے علاوہ کسی اور سے منقول نہیں ہے اور نہ ہی کسی مستند کتاب میں پائی گئی ہے۔

اسی طرح ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جن کی شادی آپؐ سے پہلے حضرت سکران بن عمرو سے ہوئی تھی۔ (جن کا انتقال واقدی اور ابن اسحاق کے مطابق حبشہ سے واپسی کے بعد مکہ میں ہوا اور موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق حبشہ میں ہی ہوا) حضرت سکران کی صلب سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

علامہ شبلی نے ''سیرۃ النبی'' میں لکھا ہے کہ حبشہ سے واپسی کے بعد حضرت سکران کی وفات ہوگئی ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ (۲۰) حافظ فروغ صاحب نے اپنی کتاب ''ازواج مطہرات'' میں مزید یہ لکھا ہے کہ عہد فاروقی میں عراق کو طاغوتی قوتوں سے آزاد کرانے کی مہم میں مقام جلولا میں ۱۶ ہجری میں جام شہادت نوش فرمایا۔

لیکن معروف اصحاب سیر' حافظ ابن حجر ابن عبدالبر اور ابن اثیر وغیرہ نے حضرت سودہؓ کے بطن سے کسی اولاد کا تذکرہ نہیں کیا ہے نہ ہی سکران بن عمرو کے ترجمہ میں کچھ ملتا ہے اور نہ ہی عبدالرحمٰن بن سکران کا کہیں تذکرہ ملتا ہے۔

ربائب رسول ﷺ کی تعلیم و تربیت اور آپ کا ان سے تعلق:

محسن انسانیت اور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ساتھ آنے والی اولاد کی صرف کفالت ہی نہیں فرمائی بلکہ اپنے کریمانہ اخلاق' مشفقانہ طبیعت اور تعلیم و تربیت کی عظیم صلاحیت کے

۱۹۔ مولانا سعید انصاری' سیر الصحابیات ص ۸۳

۲۰۔ سیرۃ النبی دوم ص ۴۰۴

ذریعے ان فرزندان ازواج مطہرات کی جس طرح کفالت فرمائی اوران کے احساس یتیمی کودور کرنے کے لئے جس تعلق ووارفتگی‘ شفقت ومحبت اورلطف وموانست کا اظہار کیا وہ حیات طیبہ کا انمول حصہ ہے۔

چونکہ ارباب سیر نے اس پہلو کو اپنی تصنیفات میں اجاگر نہیں کیا اس لئے یہ حصہ اب تک نگاہوں سے مخفی ہے۔

ذیل میں اس کی کوشش کی جارہی ہے کہ کتب احادیث کے ذخیروں سے ان مرویات کو جمع کردیا جائے جو ان فرزندان دلبند اور دختران ارجمند کے نگہداشت و پرداخت‘ تعلیم وتربیت‘ دلجوئی و ناز برداری‘ ذہنی وفکری نشو ونما اور علمی وفنی گہرائی وگیرائی میں موثر ہونے اور حضرت اقدس ﷺ کے اعمال واقوال‘ ہدایات ومعاملات سے استفادہ کرنے کا پتہ دیتے ہیں۔

جس محسن انسانیت اور معلم کائنات نے بچوں کی تعلیم وتربیت کو کاروان زیست کی تعمیر وترتیب میں خشت اوّل قرار دیا ہو۔ اور اپنے لطف وکرم سے ان کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت کی خاص ہدایت فرمائی‘ نیز زبان معجز بیان سے ایسے ارشادات عالیہ کا ظہور فرمایا جن کی رعایت اس آب گیتی میں انقلاب برپا کرسکتی ہے اور ایسے معاشرے کا وجود عمل میں آسکتا ہے۔ جو اقوام عالم کے لئے رشد وہدایت کا منارہ ثابت ہو‘ مثلاً آپ کا ارشاد گرامی:۔'' اکرموا اولادکم‘ واحسنوا ادبھم''(۲۱)

''اپنی اولاد کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور نہیں حسن آداب سے آراستہ کرو)اور ایک موقع پر آپ کا فرمانا:۔

'' من عال جاریتین حتی تدرکا‘ دخلت انا و ھو فی الجنة کھاتین واشار بالسبابة والوسطی ''(۲۲)

''جس نے اس دنیا میں دو معصوم بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں سن شعور کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہونگے اور اپنے ہاتھ کی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا''

نیز حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد فرمانا:۔

۲۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب الادب

۲۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری ' الادب المفرد'، حدیث نمبر۸۹۴

" امرنا ان نعلم اولادنا الرمی والقرآن"(۲۳)

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو تیراندازی اور قرآن کی تعلیم دیں"، بچوں کی تعلیم وتربیت میں اہم محرکات کا درجہ رکھتے ہیں۔

جس ذات عالی نے فرزندان ملت کی اصلاح وتربیت کے لئے ایسے ارشادات واحکام صادر فرمائے ہوں اس نے خود ان نونہالوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت میں کیا کردار ادا کیا ہوگا جن کی پرورش کی ذمہ داری خود انہیں کے دوش مبارک پر رہی ہو۔

اس فکر واحساس کے ساتھ کتب احادیث کا مطالعہ ایسی روایتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو آنحضرت کا امہات المومنین کی سابقہ اولاد کے ساتھ معاملہ کی نگرانی وذمہ داری اور تعلیم وتربیت کے نازک فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے اور فکر سلیم، علم عمیق اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں جس سے آراستہ وپیراستہ ہوکر ان نفوس قدسیہ کو ربائب النبی کے معزز ترین لقب سے سرفراز ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔

اس عمل نبوی سے حضرت خدیجہ کی اولاد (ہند، ہالہ اور طاہر) کو دیگر اولاد ازواج مطہرات کے مقابلہ میں مستفید ہونے کا موقع نسبتاً کم ملا کیونکہ یہ حضرات جس وقت آنحضرت ﷺ کی کفالت میں آئے عمر کی اس منزل میں داخل ہو چکے تھے جو تعلیم وتربیت کے اس انداز کو عبور کر چکی تھی۔ تاہم ان کی عمر اور ذہن ومزاج کے اعتبار سے حضرت اقدس ﷺ کا معاملہ ان کے ساتھ بھی مربیانہ اور مشفقانہ رہا، اور آپؐ انہیں اپنی قربت ورفاقت سے نوازتے رہے۔ مثلاً حضرت ہند بن ابی ہالہ کی روایت:۔

" مر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالحکم ابی مروان فجعل الحکم یغمز بالنبی صلی اللّٰہ وعلیہ وسلم و یشـ.ر باصبعہ، فالتفت الیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال اللھم اجعل لہ وزغا فرجف مکانہ"(۲۴)

۲۳۔ کنز الاعمال فی سنن الاقوال و الافعال، جلد ۱۶ ص ۱۴۹ (علامہ علاء الدین علی المتقی الھندی)

۲۴۔ اسد الغابہ پنجم ۷۳

''یعنی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مروان کے باپ حکم کے پاس سے گزرے (جو مکہ کا شدید ترین مخالف تھا) تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ لگانے اور انگلیوں سے اشارہ کرنے لگا تو آپ نے فرمایا'' اے اللہ اس پر لرزہ طاری فرمادے'' تو وہ اپنی جگہ پر ہی حیرانی کے ساتھ لرزنے اور کپکپانے لگا''

یہ روایت حضرت ہند کا خانہ اندرون کے علاوہ باہر بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہنے اور آپ کے ساتھ ساتھ لے کر چلنے پر غمازی کرتی ہے اس لئے کہ یہ واقعہ بعثت نبوی کے بعد ابتدائی زمانہ کا ہے اور اس کی روایت صرف حضرت ہند سے ہی ملتی ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ کا یہ ارشاد کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے تھے کہ اس دوران خدیجہ کے بیٹے ہالہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کے دوران ہی ان کے آنے کی آہٹ سنی تو فرط محبت سے کہنے لگے ہالہ آ گئے' ہالہ آ گئے' (۲۵) اس میں جہاں آپ کی محبت و تعلق ظاہر ہوتا ہے وہیں اس کے اظہار سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ تعلقات میں پختگی اور مضبوطی پیدا ہوا، اس سے اصلاح و تربیت کا بڑا کام لیا جائے۔

حضرت طاہر بن ابی ہالہ کو ابتدائی عمر میں ہی مرتدین کی سرکوبی کیلئے یمن کی طرف بھیجنا مستقبل میں کسی بڑے مقصد کے لئے تیار کرنے پر غمازی کرتا ہے۔

لیکن ان کے برخلاف ام المومنین حضرت ام سلمہ کے فرزندان و دختران کے ساتھ آپ کا معاملہ مختلف تھا' کیونکہ یہ حضرات جس وقت آپ کی کفالت میں آئے سب کے سب چھوٹے اور کم سن تھے۔ اس لئے ان کی تربیت بھی ان کی عمروں کے مطابق کی گئی۔

مثلاً حضرت عمر بن ابی سلمہ کی یہ روایت:۔

'' کنت غلاماً فی حجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کانت یدی تطیش فی الصحفة '' فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم '' یا غلام سم اللہ و کل

۲۵۔ الاستیعاب سوم ص ۵۶۲

بیمینک و کل مما یلیک "(۲۶)

"میں نبی اکرم ﷺ کی گود کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا' میرا ہاتھ پلیٹ میں چاروں طرف پھر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو مجھ سے فرمایا: اے بچے بسم اللہ پڑھو' اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور جو کچھ تمہارے نزدیک ہے وہ کھاؤ" آپ کی تربیت اور تعلیم کا دلکش اسلوب پیش کرتی ہے۔

اسی طرح حضرت ام سلمہ کی ہی سب سے چھوٹی اولاد حضرت زینب بنت ابی سلمہ کے ساتھ کھیلنا اور فرط محبت سے زینب کے بجائے زوینب کہنا جہاں آپ کا ان سے غایت زرجہ تعلق اور انسیت و محبت کو بتاتا ہے۔ وہیں اس کا بھی سبق ملتا ہے کہ بچوں کی تربیت اور پرورش میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو اس کے مزاج و ذہن سے ہم آہنگ ہو اور فطرت و طبیعت کا پورا خیال رکھا گیا ہو' تا کہ بچہ تربیت کی پہلی منزل میں انداز بیان اور نفس مضمون کی سختی و درشتگی سے متنفر ہونے کی بجائے اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کلام کو پا کر اس سے دلچسپی کا مظاہرہ کرے اور شوق و رغبت کے ساتھ فکر و ذہن کی اصلاح و تربیت کا اہم فریضہ انجام پاتا رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

" ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یلاعب زینب بنت ابی سلمه و یقول یا زوینب یا زوینب"(۲۷)

نیز حضرت زینب سے ہی مروی یہ روایت:

" کانت امی اذا دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یغتسل تقول ادخلی علیه' فاذا دخلت علیه نضح فی وجهی من الماء و یقول ارجعی"(۲۸)

"یعنی جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو میری والدہ (ام سلمہ) کہتیں آپ ﷺ کے قریب جاؤ جب میں جاتی تو آپ میرے چہرے پر پانی اچھالتے اور فرماتے جاؤ جاؤ"

۲۶۔ سنن ابن ماجه باب الاکل بالیمین

۲۷۔ کنز العمال جلد هفتم ص ۸۵

۲۸۔ اسد الغابه پنجم ص ۴۶۸

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے بے حد تعلق اور دلجوئی و دلبستگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کا شاہکار بھی ہے' جو یہ باور کراتی ہے کہ بچوں کی عمر اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے پیش آنا چاہئے۔

کم عمری میں ہی سلمہ بن ابی سلمہ کا اپنی چچا زاد بہن امامہ بنت حمزہ سے نکاح فرما کر جہاں ام المومنین حضرت ام سلمہ کی دلبستگی مقصود تھی وہیں احساس ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی میں عجلت بھی متصور ہوتی ہے۔ نیز رخصتی سے قبل ہی امامہ بنت حمزہ کے انتقال پر آپ کا یہ فرمانا'' **ھل جزیت سلمه** ''(۲۹) حضرت سلمہ سے آپ کی محبت پر غماز ہے۔

اسکے علاوہ ان اولاد ازواج مطہرات کا دیگر امہات المومنین سے ربط وتعلق ان کے گھروں میں جانا ان سے روایت کرنا مثلاً حضرت حبیبہ بنت ام حبیبہ کا ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے روایت کرنا' حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا حضرت ام حبیبہ سے روایت کرنا اور حضرت عائشہ کا ھالہ بن ابی ھالہ کے سلسلہ میں آپ کا ھالہ ھالہ کا قول نقل کرنا وغیرہ جیسے واقعات میں بھی آپ کی تعلیم وتربیت کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جس نے اپنے اور غیر کے فرق کو ختم کر کے تمام امہات المومنین سے ربط وتعلق کو اس طرح استوار کر دیا تھا کہ ان میں سے کسی کے چہرے پر کسی کے سلسلہ میں ناگواری کی شکن ابھرتی اور نہ زبان پر حرف شکایت آتا۔

یہ سب کے سب حضرت اقدس کی تربیت کا کرشمہ ہیں۔ جنھوں نے ان کے اخلاق واعمال کی درستگی' فکرونظر کی اصلاح اور علم وفن سے وابستگی کی طرف رہنمائی اس انداز سے فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک اخلاق ومروت رشد وہدایت' تبلیغ ودعوت اور فقہ وبصیرت کے بلند مقام پر فائز ہے جن سے علم وفن کا چراغ روشن ہوا اور رشد وہدایت کی ایسی کرنیں نمودار ہوئیں جن کی روشنی میں دنیا آج تک علم وتحقیق اور فکر وفن کے جواہر پارے تلاش کر رہی ہے۔

۲۹۔ الاستیعاب دوم ۶۴

حدیث نبوی ﷺ سے ان لوگوں کو شغف اور اس کی روایتیں:

آغوش رسالت کے تربیت یافتہ اشخاص کو جن اوصاف وخصائل کا حامل ہونا چاہئے تھا'' ربائب النبی ؐ''میں سے ہر ایک ان سے مکمل طور پر متصف تھا' علم وفضل' زہد واتقا' فقہ وبصیرت' کار دعوت وتبلیغ' اور جذبہ جہاد ان میں سے ہر وصف ان حضرات کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا۔ جنہیں قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا۔ اور سوال استفسار کے ذریعہ اپنی دینی علمی' فکری تہذیبی اور اخلاقی ثقافت کو پروان چڑھانے کا بھی۔

احادیث رسول کو حرز جان بنانا اور ان کو غیروں تک پہنچانا جاں نثار صحابہ کرام کا جو محبوب عمل تھا جس کو امت مسلمہ کے لئے نایاب سرمایہ اور ان کی اشاعت وتبلیغ اور ترویج وتشہیر کو دین کا اہم فریضہ تصور کیا جاتا رہا اسے بھی یہ حضرات خیر بے بہرہ نہ تھے۔

احادیث نبوی سے ان کا شغف اور وابستگی لازمی اور فطری عمل تھا' کیونکہ ان کے فکر وشعور نے جس فضا میں اپنے بال وپر کھولے اور جس ماحول میں ان کی نشو ونما ہوئی اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ ربائب النبی بھی اس مبارک عمل میں دیگر اصحاب نبی ﷺ کے ساتھ دوش بدوش شریک ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کی مبارک فہرست بھی ان کے ناموں سے خالی نہیں۔

لیکن اس عمل خیر میں ام المومنین حضرت ام سلمہ کی سعید اولاد کو جتنا موقع ملا اسقدر حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی اولاد کو نہ مل سکا کیونکہ وہ حضرات اپنی کم عمری کی وجہ سے اکثر وبیشتر اپنی والدہ حضرت ام سلمہ سے ہی وابستہ رہے اور آنحضرت ﷺ کے ہر قول وعمل کو دیکھتے اور سنتے رہے اس کے برخلاف حضرت خدیجہ کی اولاد جو عمر میں خاصے بڑے تھے۔ دیگر دینی ودعوتی امور کی انجام دہی میں آنحضرت سے الگ اور دور بھی رہنا پڑا ہوگا، جس نے اس سمت اپنے دیگر برادران کے مقابلہ میں توجہ کرنے کا کم موقع دیا ہوگا' جس کی وجہ سے ان کی مرویات دیگر بھائیوں کے مقابلہ میں کم پائی جاتی ہیں تاہم مفقود نہیں۔

جس میں حضرت ہند بن ابی ہالہ کا نام سرفہرست رکھا جا سکتا ہے جنہوں نے شمائل نبیؐ کے بیان میں جس دقت نظری' باریک بینی' مہارت لسانی اور ذوق ادبی کا ثبوت دیا ہے وہ ان سے دفتر توصیف کا

روشن صفحہ ہے، جس کی وجہ سے ''وصاف نبی'' کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ مروان کے باپ حکم کے لئے آپ کی بددعا'' اللھم اجعل له وزغا ''(جس کا ذکر پہلے گزر چکا) والی روایت صرف انہیں سے مروی ہے جن سے ان کے بیٹے ہند نے روایت کی ہے:۔

اسی طرح یہ حدیث بھی'' قال قلت'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حملک علی ان نزعت ابنتک عن عتبة یعنی ابن ابی لھب حتی حرشته علیک فقال '' ان اللہ ابی لی ان اتزوج او ازوج الا الی اھل الجنة ''(۳۰) ان کی مرویات میں شامل ہے۔

ھند بن ابی ہالہ سے روایت کرنے والوں میں حضرت حسن بن علی کے علاوہ خود انہیں کے فرزند ہند بن ھند کا نام بھی شامل ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ تھے اور محدث تھے، پورے بصرہ میں ان کے پائے کا کوئی محدث نہ تھا، جن سے ''ابومندہ'' اور ''ابونعیم'' نے روایت کی ہے۔

حضرت خدیجہ کی ہی دوسری اولاد ہالہ بن زرارہ'' سے مروی یہ روایت:۔

''انه دخل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم و ھو راقد فاستیقظ فضم إلی صدره و قال ھاله ھاله ھاله '' اکثر کتب سیرت وسوانح میں صحیح سند کے ساتھ پائی جاتی ہے اس روایت کو علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب'' سوم میں اور ابن اثیر۔ نے ''اسدالغابہ'' پنجم میں بھی نقل کیا ہے۔

کتب اسماء الرجال میں ہند بن ھند بن ابی زرارہ' ابوعمر ابن مندہ اور ابوموسیٰ کے شیوخ میں ھالہ بن زرارہ کا بھی نام ملتا ہے۔ جن سے ان اصحاب حدیث نے روایتیں نقل کی ہیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ کے فرزند'' سلمہ بن ابی سلمہ'' سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ ان کے سلسلہ میں صاحب ''اسدالغابہ'' کے الفاظ یہ ہیں'' لا تعریف له روایة ''(۳۱) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ '' و ھو کان اسن من اخیه عمرو و لو احفظ له روایة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم. ''(۳۲)

۳۰۔ الاستیعاب سوم ص ۵۷۸

۳۱۔ اسد الغابة ، دوم ص ۳۳۷

۳۲۔ الاصابه دوم ص ۶۴۱

ان کے برخلاف چھوٹے بھائی حضرت عمر بن ابی سلمہ کا مرتبہ رواۃ حدیث میں سب سے فائق ہے۔"الاعلام" میں ان کی مرویات کی تعداد بارہ۱۲ بتائی گئی ہے۔امام مسلم نے انہیں سے مروی یہ حدیث" **قال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قبلة الصائم فقال " سل هذه لام سلمه" فقلت غفر الله لک انی اخشاکم الله و اتقاکم"** اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔اس کے علاوہ وھب بن کیسان کے واسطہ سے انکی یہ حدیث " **ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له ادن یا بنّی فسم الله و کل بیمینک و کل مما یلیک"** بخاری ومسلم دونوں نے بیان کی ہے۔

تطہیر اہل بیت والی روایت بھی عمر بن ابی سلمہ سے ہی منقول ہے۔کہتے ہیں: **نزلت هذه الاية علی النبی صلی الله علیه وسلم ' انمایرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیراً فی بیت ام سلمه."** (۳۳)

آنحضرت ﷺ کے علاوہ کچھ روایتیں اپنے والد ابوسلمہ کے واسطہ سے بھی بیان کرتے ہیں:۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بھی طویل ہے۔جن میں خود انہیں کے فرزند محمد بن عمر کے علاوہ سعید بن المسیب' ابوامامہ بن سہل بن حنیف' عروہ بن زبیر' وھب بن کیسان کے نام کتب اسماء الرجال میں خاصی اہمیت کے حامل ہیں:۔

حضرت ام سلمہ کی سب سے چھوٹی دختر نیک اختر حضرت زینب بنت ابی سلمہ جن سے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص تعلق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے' فن حدیث میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔جنہیں"**افقه نساء زمانها**" کہا جاتا ہے۔انہوں نے بھی آنحضرت سے بالواسطہ حدیثیں بیان کی ہیں' "الاعلام" میں ان کی مرویات کی تعداد سات بتائی گئی ہے جو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔اس کے علاوہ حضرت ام سلمہ' حضرت عائشہ' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہن اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے بھی مروی ان کی حدیثیں کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں آنحضرت کا درہ بنت ابی سلمہ سے نکاح کرنے کے ارادے والی روایت جس کا ام المومنین

۳۳۔ اسد الغابه دو م ص ۱۲

حضرت ام حبیبہ کو گمان ہوا تھا' زینب بنت ابی سلمہ سے ہی منقول ہے۔ (۳۴)

ان کے شاگردوں میں امام زین العابدین' ابوعبیدہ' محمد بن عطا' عراک بن مالک' حمید بن نافع' عروہ بن زبیر' ابوسلمہ' کلیب بن وائل اور ابوقلابہ جرمی کے نام نامی شامل ہیں جن لوگوں نے اس سے روایتیں نقل کی ہیں۔

اسی طرح ربیبہ رسول حضرت حبیبہ بنت عبیداللہ بن جحش جو ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں' ان کو بھی رواۃ حدیث میں شمار کیا جاتا ہے۔

ابن سیرین کی سند سے جو حدیث حبیبہ بنت ابی سفیان سے نقل کی جاتی ہے اس سے حبیبہ بنت ام حبیبہ بنت ابی سفیان مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ ابوسفیان کی اولاد میں حبیبہ نامی کسی لڑکی کا پتا نہیں ملتا' حدیث یہ ہے:۔

" قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لہ ثلا ثۃ من الولد جنی بھم یوم القیامۃ فیقال لھم ادخلو الجنۃ فیقولون حتی یدخلھا آباؤنا فیقال لھم فی الثالثۃ او الرابعۃ ادخلوا انتم و آباء کم" (۳۵)

"اس حدیث میں حضرت حبیبہ کا اپنی والدہ حضرت ام حبیبہ سے روایت کرنا زیادہ قرین قیاس ہے' اس لئے دوسری حدیثوں میں ان کا اپنی ماں ام حبیبہ سے روایت کرنا ثابت ہے مثلاً " **قالت استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نو م محمر اوجھہ و ھو یقول لا الہ الا اللہ و یل للعرب من شر قد اقترب الحدیث"**

اس حدیث کو ابن عیینہ نے امام زہری سے اس طرح نقل کی ہے:

عن الزھری عن زینب بنت ابی سلمہ عن حبیبہ بنت ام حبیبہ عن امھا ام حبیبہ' عن زینب بنت جحش ' قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ وہ تفصیلات ہیں جن سے ربائب رسول ﷺ کے حالات اور کارناموں کا علم ہوتا ہے' جنہیں

۳۴۔ اسد الغابہ پنجم ص ۴۴۶

۳۵۔ اسد الغابہ پنجم ۴۲۳

کاشانہ نبوت میں پروان چڑھنے اور آغوش رسالت میں پلنے اور بڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جن کی پرورش و پرداخت میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت، لطف و موانست دانائی و حکمت کا بڑا حصہ سمٹ کر جمع ہو گیا ہے۔ جو اس کا مستحق ہے کہ اسے سیرت النبی کے پاکیزہ اور مقدس صفحات پر جگہ دی جائے۔

جس کے مطالعہ سے حضرت اقدس کے طرز تعلیم و تربیت اور اصول اصلاح و درستگی کا انوکھا انداز سامنے آتا ہے جسے کتاب زیست کا درخشندہ و تابندہ باب قرار دیا جا سکتا ہے۔

جن کی تعلیم و تربیت کے آپ کفیل بنے اور انہیں آپ کی صحبت بابرکت میں رہ کر اطوار حیات کو سمجھنے اور حسن کردار و عمل سے مزین ہونے کا موقع ملا، یہ سب اسی صحبت نبوی کا فیض ہے۔

جن کی پاکیزہ زندگی میں عظمتوں کے اتنے نقوش موجود ہیں جنہیں اختیار کر کے آج بھی کامرانی اور کامیابی سے سرفراز ہوا جا سکتا ہے۔

مراثی رسول اور ان کی تاریخی، ادبی اور دینی حیثیت

ڈاکٹر سید از کیا ہاشمی *

اسلامی مرثیے:

اسلامی مرثیوں کے تعارف سے قبل اسلام میں مرثیہ گوئی کی حیثیت کا تعین بھی ضروری ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کا اس بارے میں زاویہ نگاہ کیا ہے؟ اس لیے اس بحث کا آغاز ہم مرثیہ گوئی کی شرعی حیثیت سے کرتے ہیں۔

مرثیہ گوئی کی شرعی حیثیت:

اعزہ و اقارب کی موت پر اشک ریزی اور رنج و غم کا اظہار انسان کی فطری محبت اور دردمندی کا مظہر ہے اسی لیے شریعت مطہرہ نے اس فطرتی ردعمل پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کے انتقال پر رونا احادیث سے ثابت ہے۔(۱) حضرت ابراہیم کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک سے آنسو جاری ہوئے۔ اور آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

" ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون"(۲)

"آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ اور دل مغموم ہے۔ اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔"

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج بالاکوٹ مانسہرہ

۱۔ مثلاً دیکھیے: حدیث انسؓ: شھدت بنت رسول اللہ ﷺ تدفن ورسول اللہ ﷺ جالس عند القبر فرأیت عینهٗ تدمعان (بخاری۔ دیکھیے۔ الصنعانی سبل السلام شرح بلوغ المرام: دار احیاء التراث العربی. بیروت. ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۱۶

۲۔ بخاری: الجامع الصحیح" کتاب الجنائز. باب قول النبی انا بفراقک لمحزون

جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ انتہائی صدمات کے موقع پر رونا غم کے زوال اور دل کی تسکین کا باعث ہے اور زیادہ ضبط وتحمل مختلف دماغی اور نفسیاتی عوارض کا سبب بنتا ہے البتہ اس معاملہ میں شریعت نے اعتدال کو پسند کیا ہے۔ اور افراط وتفریط کو مذموم قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاهلیة"(۳)

"جو اپنے گالوں کو پیٹے' گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں۔"

نیز فرمایا:

"اَنَا بَرِیٌٔ ممن حَلَقَ وَ سَلَقَ وَ خَرَقَ" (۴)

"جو کوئی (موت اور غمی پر) سر منڈائے' چلّائے یا کپڑے پھاڑے میں اس سے بری ہوں۔"

شاعری کے ذریعہ غم والم کے جذبات کا اظہار بھی قدیم انسانی روایت ہے۔ اس قسم کی شاعری کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟ یہ سوال بے حد اہمیت کا حامل اور دقت نظر کا متقاضی ہے کیونکہ بعض احادیث میں مرثیہ گوئی سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے:

"نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی"(۵)

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ کئی صحابہ بالخصوص حضرت حسان' عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شہداء کی موت پر مرثیے کہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر متعدد صحابہ نے مرثیے کہے۔ اگر آپ نے انہیں مرثیہ گوئی سے منع کیا ہوتا تو صحابہ ضرور سکوت اختیار کرتے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرثیوں کو پڑھنے سے منع فرمایا جو مسلمانوں اور مکہ والوں کی لڑائیوں میں مرنے والوں پر کہے گئے کہ مبادا ان کو سن کر دشمنی اور کینے کے جذبات پھر سے نہ ابھر آئیں اور دلوں کا میل

۳۔ ایضا۔ باب لیس منا من ضرب الخدود

۴۔ دیکھئے۔ سبل السلام: ص ۱۱۵ سنن ابی داؤد، باب فی النوح

۵۔ ابن ماجه: السنن۔ ابواب ما جاء فی الجنائز۔ باب ما جاء فی البکاء علی المیت۔ حدیث نمبر: ۱۶۵۵

صاف ہونے کے بجائے اور نہ بڑھ جائے۔

ہماری ناقص رائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً مرثیہ گوئی سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ کی ممانعت اس مخصوص قسم کی مرثیہ گوئی سے تھی جس کا جاہلیت میں رواج عام تھا جو شکوہ و شکایت' بے صبری اور ناامیدی کے مضامین پر مشتمل اور مبالغہ آمیز مدح و توصیف پر مبنی ہوتی تھی۔

رثائیہ شاعری اگر ان نقائص سے پاک ہو اور تعزیہ و تسلی کے مضامین پر مشتمل ہو تو اس کے پسندیدہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ایک حدیث میں ہے:

"من عزیٰ مصابًا فلهٗ مثل اجره"(٦)

"جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا اجر ہے۔"

تعزیہ و تسلی اور صبر کی تلقین صدموں سے نڈھال دلوں کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔(اور بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے یہ مضمون اشعار میں زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے۔اور مراثی کی یہ قسم جو ان موضوعات پر مشتمل ہو شریعت کی نظر میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ٹھہرے گی۔ ہماری رائے میں درج ذیل شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے مرثیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

1۔ مرثیہ میں شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو۔

2۔ ممدوح کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ نہ ہو۔

3۔ مرثیہ گوئی کے ساتھ ماتمی رسومات (سینہ کوبی' گال پیٹنا' کپڑے پھاڑنا وغیرہ) شامل نہ ہوں۔

4۔ مرثیہ کے لیے باقاعدہ ماتمی مجالس کا انعقاد نہ ہو۔

مراثی رسول کا مفہوم اور ان کے دواعی و محرکات:

اسلامی دور کے مرثیوں کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا ذکر ہم سابقہ سطور میں کر چکے ہیں دوسری قسم کے مرثیے عہد رسالت کے بعد کے ہیں ان میں سے بھی ہماری بحث صرف ان مرثیوں سے متعلق ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر شعراء نے کہے۔ ناقدین ادب ان مرثیوں کو مدح

٦۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر۱۰۷۳: کنز العمال حدیث نمبر ۴۲۲۰۸

رسول ہی میں شمار کرتے ہیں اور انہیں مدحیہ اور نعتیہ شاعری کے ذیل ہی میں ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان پر مدح کا رنگ غالب ہے۔ مراثی رسول کا اطلاق ان پر اس لیے کیا جاتا ہے۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد کہے گئے قصائد میں حد فاصل قائم ہو سکے۔ جیسا کہ ان اشعار کے متعلق جو حسان بن ثابت وغیرہ نے وفات رسول پر کہے یہ کہا جاتا ہے: قال حسان یرثی النبی صلی اللہ علیہ وسلم' بعد کے ادوار میں شعراء نے جو کچھ حضور کی مدح میں کہا اس پر رثائیہ شاعری کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ حضور کی وفات کے غم میں نہیں بلکہ آپ کی مدح وثنا میں پیش کی گئی۔(۷)

آپ کی وفات پر شعراء کی ایک بڑی تعداد نے مرثیے کہے ہمارے خیال میں اس کے حسب ذیل دواعی ومحرکات ہیں:

1۔ عربوں کے ہاں اپنے اعزہ واقارب' دوست احباب اور قوم وقبیلہ کی بزرگ شخصیات کے انتقال پر مرثیہ کہنے کی قدیم روایت تھی جس میں شعراء اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے 'اسلام نے اس روایت کو ختم نہیں کیا البتہ اس کی اصلاح کرتے ہوئے کچھ حدود وضوابط کا پابند بنایا (جس کی وضاحت سابقہ سطور میں ہو چکی ہے)۔ صحابہ نے اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی مرثیے کہے اور آپ کے وصال پر بھی اپنے جذبات کا رثائیہ شاعری میں اظہار کیا۔

2۔ قران وحدیث کی روح سے حب رسول ایمان کا لازمی تقاضا ہے' صحابہ کرام کو حضور اکرم ﷺ سے جو عقیدت ومحبت تھی تاریخ وسیرت کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ ان کی زبانیں آپ کی زندگی میں بھی آپ کے وصال کے بعد بھی ذکر رسول میں ہمیشہ رطب اللسان ہیں وہ آپ کا تذکرہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور کرتے رہتے ہیں کیونکہ ان کی تمام تر سرگرمیوں کا محور ومرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی تھی۔ اپنے مرثیوں میں بھی انہوں نے اپنے جذبات عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔

3۔ ان مرثیوں کا ایک اہم داعیہ ومحرک فراق نبوت کا شدید صدمہ تھا جو اصحاب رسول کے لیے انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ حضور کی جدائی کو تو وہ عناصر بھی برداشت نہ کر سکے جنہیں بے شعور اور ''لا یعقل'' کہا

۷۔ ڈاکٹر ذکی مبارک نے'' المدائح النبویة'' میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ص ۱۷

جاتا ہے۔مشہور احادیث میں ''استن حنانة'' کا واقعہ موجود ہے۔جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی پر ہچکیاں بھرنے لگا اور آپکے دست مبارک سے اسے تسکین ملی۔

صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کس قدر شاق گزری اس کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو تاریخ وسیر میں موجود ہیں۔اکثر صحابہ پر سکتہ کی کیفیت طاری تھی۔جلیل القدر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش وحواس گم تھے،حضرت عمرؓ حالت اضطراب میں ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کہہ رہے تھے کہ جس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے' اس کی گردن اڑا دوں گا۔حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ بے حس وحرکت تھے' حضرت عبداللہ بن انیس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ حرکت قلب بند ہوگئی' حضرت عبداللہ بن زید انصاری رورو کر بینائی کھو بیٹھے' لوگوں کو یقین نہ آتا تھا کہ حضور بھی انتقال کر سکتے ہیں۔اور جب صبر واستقامت کے کوہ گراں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو خطبہ دیا تو انہیں حضور کی وفات کا یقین آیا' حضرت عمرو وفات کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے' ازواج مطہرات شدت غم سے نڈھال تھیں۔حضرت فاطمہ شدت گریہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہنے لگیں:

يا ابتاه ! اَجابَ ربًا دعاه

يا ابتاه من جنة الفردوس مأواه

يا ابتاه الىٰ جبرئيل ننعاه''(۸)

''اے ابا جان' آپ نے رب کی دعوت کو قبول فرمایا' اے ابا جان آپ نے جنت الفردوس میں نزول فرمایا۔اے ابا جان جبرائیل کو آپ ﷺ کے انتقال کی خبر ہم پہنچائیں گے۔''

جب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے واپس ہوئے تو حضرت فاطمہ نے خادم رسول حضرت انس سے نہایت درد انگیز لہجے میں فرمایا:'' يا انس ! اطابت انفسكم ان تحثوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم التراب ''(۹)

۸۔ البداية والنهاية '' ۲۷۳/۵

۹۔ ایضاً

''اے انس! تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاک ڈالنا کیونکر گوارا ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ایک صحابی کی بینائی جاتی رہی ان کے اصحاب عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے کہا ان آنکھوں سے مقصود تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار تھا لیکن جب آپ کا وصال ہو گیا تو اگر میرے عوض تبالہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں۔''(۱۰)

حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت میں بچہ تھا لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر خاک ڈال رہے تھے اور میں ان کے گریہ و بکاء کو دیکھ کر روتا تھا۔(۱۱)

ایک شخص صحابہ کے قلق و اضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا' لوگوں کو آپ کے وصال کی خبر دی اور کہا میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے سینے دیگچی کی طرح ابال کھا رہے ہیں۔(ترکت والناس بالمصیبة یغلون غلیان القدر)(۱۲)

حضرت حسانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کیا خوب مرثیہ کہا ہے:

و هل عدلت يومًا رزيئة هالكٍ
رزيئة يومٍ مات فيه محمد
و ما فقد الماضون مثل محمد
و لا مثله حتى القيامة يفقد (۱۳)

۱۰۔ بخاری . الادب المفرد '' باب العيادة. نیز دیکھئے ابن سعد :'' الطبقات الكبرىٰ: ۲/۳۱۳

۱۱۔ ابن اثیر :'' اسد الغابة فی معرفة الصحابة'' دار الشعب . قاهرة (سن. ن) تذکرہ عبد الله بن ابی لیلیٰ ج۳ ص ۳۷۴

۱۲۔ ابن حجر:'' الاصابة فی تمییز الصحابة''ط. ا مطبعة السعادة. مصر ۱۳۲۸، ج: ۱، ص ۴۵۶

۱۳۔ ابن سید الناس: '' عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'' دار الآفاق الجدیدة بیروت ۱۴۰۲/۱۹۸۲ء ج۲ ص ۴۲۵

''کیا کسی مرنے والے کی مصیبت کا دن اس دن کی مصیبت کے برابر ہو سکتا ہے جس میں محمد ﷺ کا انتقال ہوا۔ پچھلوں نے نہ تو محمد جیسی ہستی کو گم کیا اور نہ قیامت تک ان کا مثل گم ہو سکے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا غم ایسا غم تھا جو زائل نہ ہو سکا اور اس کی ٹیسیں غمزدہ دلوں سے مدتوں تک اٹھتی رہیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایک دفعہ مدینہ کی گلیوں میں رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک جھونپڑی سے روشنی نظر آئی قریب گئے تو دیکھا ایک بڑھیا روئی دھنک رہی ہے اور ساتھ ہی انتہائی دردناک آواز میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

علیٰ محمد صلوٰۃ الابرار
صلّی علیه الطیبون الأخبار
قد کنت قوّامًا بُکیً الاسحار
یا لیت شعری والمنایا اطوار(۱۴)

''محمد ﷺ پر نیک لوگوں کا صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر پاکباز ہستیاں صلاۃ وسلام بھیجتی رہیں۔ ساری ساری رات جاگنا اور سحر گاہ آہ وزاری کرنا' موت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ کاش میں جان لیتی کہ مجھے اور میرے محبوب (محمد) کو کوئی گھر یکجا کر دے گا۔''

یہ سن کر حضرت عمر وہیں بیٹھ کر رونے لگے اور پھر کئی دن تک صاحب فراش رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ " هل تجمعنِي وجیبی الدار " پر تڑپ کر پکار اٹھے۔" و عمر فاغفر لهٔ غفار'' ''اور عمر! خدایا اسے بھی بخش دے۔''

آنحضرت ﷺ کے وصال پر صحابہ کا یہ حال کیوں نہ ہوتا جب کہ خود آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا تھا:

۱۴۔ النبهانی : " المجموعة النبهانية فی المدائح النبوية" دار المعرفة . بيروت ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ ج ۱ ص:۵٦

اذا أصیب احدکم بمصیبة فلیذکر مصیبتهٔ بی فانها اعظم المصائب ''(۱۵)

''تم میں سے جب کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اپنی اس مصیبت کو یاد کرے جو میری وفات سے پہنچی ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔''

ایک شاعر نے یہی مضمون اس شعر میں باندھا ہے:

و اذا اَتتکَ مُصِیْبَة تَشْجی بها

فاذکر مصابک بالنبی محمد(۱۶)

''جب کوئی مصیبت تجھے غمزدہ کر دے تو تو اپنی اس مصیبت کو یاد کر جو حضور کی وفات سے تجھے پہنچی۔''

مذکورہ تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کا ردعمل کیا ہوگا اور وہ کرب والم کی کن کن منزلوں سے گزرے ہوں گے۔ ان کے تاثرات جہاں نثر کی شکل میں تاریخ وسیرت کی کتب میں محفوظ ہیں وہاں اشعار کی صورت میں بھی ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے جو ان کی قلبی کیفیات کا مظہر ہے جسے ہم آئندہ اوراق میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

مرثیہ گو شعراء اور ان کے مرثیے:

اصحاب رسول کی ایک بڑی تعداد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال پر مرثیے کہے ان میں سے کچھ مرثیے تاریخ، ادب اور سیرت کی کتابوں میں منتشر ہیں اور اپنی مکمل صورت میں محفوظ ہیں، بعض زمانے کی دستبرد کی نذر ہو چکے ہیں اور چند ایک نامکمل قصائد یا قطعات کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ مرثیے میرے محدود علم کے مطابق کتابی شکل میں بھی جمع نہیں کئے گئے اس لیے یقینی طور پر شعراء اور ان کے مرثیوں کی تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ شیخ عبدالحئ الکتانی م۱۳۴۱ھ نے اپنی مشہور کتاب '' التراتیب الاداریه'' میں حافظ العرقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ متعدد صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

۱۵۔ ابن سعد: '' الطبقات الکبریٰ'' دار صادر . بیروت (س.ن) ج۲ ص۲۷۵

۱۶۔ قسطلانی: '' المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة '' تحقیق صالح احمد السامی. المکتب الاسلامی . بیروت ۱۴۱۲/ ۱۹۹۱ء ص ۵۵۰۔۵۵۱

پر مرثیے کہے۔ جن میں سے ابو بکر، عمر، علی، صفیه بنت عبد المطلب، ام حکیم بنت عبدالمطلب، هند بنت عبد المطلب، ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب، حضرت حسان، عمرو بن العاص، کعب بن مالک، ابو الهیثم بن التیهان، عبد الله بن انیس، عمرو بن سالم الخزاعی، زبرقان بن بدر، عبد الله بن مالک الارجی، ابن ذی مدان، عبدالله بن سلمة الهمدانی، سواد بن قارب الدوسی و عبد الحارث بن انس بن ریان وغیرهم ان کی تعداد انیس ہے۔ کتانی نے فقط ان کے نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مرثیے نقل نہیں کئے۔(۱۷)

تاریخ، ادب اور سیرت کی اساسی کتب کے مطالعہ سے جن شعراء کے مرثیوں تک ہماری رسائی ہوئی ہے ان شعراء کی تعداد اکیس ہے۔ اس فہرست میں بھی بعض ان شعراء کے نام شامل نہیں جنہیں الکتانی نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً ام حکیم بنت عبد المطلب، عمرو بن العاص، ابوالہیثم بن التیہان، عمرو بن سالم الخزاعی، زبرقان بن بدر، ابن ذی مدان، عبداللہ بن سلمۃ اور عبد الحارث بن انس بن ریان ان کے مرثیے دستیاب نہیں ہو سکے البتہ ان کے مدحیہ قصائد و اشعار کتب ادب و سیرت میں موجود ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان شعراء کو غلط فہمی کی بنا پر مرثیہ گو شعرا کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ مدحیہ اور رثائیہ شاعری میں کافی حد تک مماثلت ہے اور مراثی رسول میں بھی مدح کا رنگ غالب ہے۔ البتہ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ شعراء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف میں کچھ اشعار آپ کی وفات کے موقع پر کہے ہوں مگر مرثیہ کے اسلوب و معیار پر پورا نہ اترنے اور مدح کا رنگ غالب ہونے کی بنا پر انہیں مراثی میں شمار کرنے کے بجائے نعت و مدح کی صنف میں شامل کر دیئے گئے ہوں۔ ہماری فہرست میں مذکورہ فہرست کے مقابلے میں درج ذیل ناموں کا اضافہ ہے۔ فاطمة، حسان، ابو ذؤیب الهذلی،

۱۷۔ کتانی نے یہ نام ''الشعراء من الصحابة والصحابيات الذين رثوه عليه السلام بعد موته'' کے عنوان کے تحت نقل کئے ہیں۔ دیکھئے: ''التراتيب الادارية والعمالات والصاعات والمتاجر والحالة العلمية التي كانت على عهد تاسبس المدينة الاسلامية في المدينة المنورة العلية'' مطبعة الاهلية بدرب الفارسي بالرباط ۱۳۴۶ھ (نسخه مصوره) ص ۲۱۴۔۲۱۵

عامر بن طفیل' مجیفه بن النعمان ' عمرو بن الفحیل' اروٰی بنت عبد المطلب' هند بن اثاثه' عاتکه بنت زید بن عمرو اورام ایمن .

اس طرح ہم نے تقریباً چالیس مرثیوں تک رسائی حاصل کی ہے جن میں سے چند ایک نامکمل ہیں اور قطعات ہی کی شکل میں دستیاب ہیں۔

ان میں سے متعدد مرثیے ان کی طرف منسوب ہیں جن کی شہرت شاعر کی حیثیت سے نہیں اور نہ ہی شعر و شاعری ان کا مستقل پیشہ رہا ہے۔عرب معاشرے میں چونکہ شعر و شاعری کا رواج عام تھا شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں (۱۸) اس لیے ان خواتین و حضرات نے جو شاعر تو نہ تھے مگر شاعری کے ذوق سے محروم نہ تھے معاشرے کی عام روایت کے مطابق اپنے جذبات کا اظہار موزوں الفاظ میں کر دیا ہے۔

مذکورہ فہرست میں ایک بڑی تعداد صحابیات کی بھی ہے ان کے رثائیہ اشعار سے ان کے دلی جذبات کے ساتھ ساتھ ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کی بھی عکاسی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی خواتین زبان و ادب اور فصاحت و بلاغت میں مردوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ان میں سے فاطمہ' اروٰی' عاتکہ' صفیہ' ہند بنت حارث' ہند بنت اثاثہ' عاتکہ بنت زید اور ام ایمن قابل ذکر ہیں۔

خواتین شعراء کا اس صنف ادب کو موضوع سخن بنانے کا باعث ایک تو قدیم روایت ہے کہ عورتیں مردوں کی بنسبت زود رنج اور کمزور دل ہونے کی بناء پر مرنے والوں پر نوحہ و ماتم کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں اور عربوں میں تو قدیم زمانے سے یہ رسم تھی کہ عورتیں بالخصوص جنگوں میں مقتولین پر گریہ و ماتم کرتیں اور مرثیے پڑھتی تھیں۔قدیم جاہلی شاعری میں غالب تعداد خواتین کے مرثیوں کی ہے۔دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان خواتین میں سے بیشتر چونکہ خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتی ہیں۔

۱۸۔ جیسا کہ ولید بن مغیرہ کے متعلق روایت ہے کہ جب آنحضرت کے خلاف سازش کی جا رہی تھی کہ حج میں آنے والے عرب قبائل کو یہ پروپیگنڈا کر کے روکا جائے کہ محمد شاعر ہیں تو ولید بن مغیرہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا" **لقد عرفنا الشعر کله" رجزهٗ و هزجهٗ و قریضهٗ و مقبوضه و مبسوطهٗ"** (ہم شعر کی ہر بحر سے واقف ہیں' رجز و ہزج' قریض و مقبوض اور مبسوط سب بحریں ہمیں معلوم ہیں۔" سیرت ابن هشام: ۱/ ۲۷۰

آپ سے قریبی نسبی اور قرابتی تعلق کی بنا پر آپ کی وفات ان کے لئے مزید غم اور صدمے کا باعث بنی جس کے اظہار کے لیے انہوں نے رثائیہ شاعری کو موضوع سخن بنایا۔

ان مرثیہ گوشعراء میں سرفہرست حضرت حسان بن ثابت ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی شخصیت کی جاذب نظر تصویر کشی آپ کی مختلف النوع صفات کے حوالے سے کی ہے اور جذبات کے اظہار میں بھی بڑا عمدہ اسلوب اختیار کیا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ذیل میں ہم دستیاب مراثی کا تعارف وخلاصہ پیش کرتے ہیں

(۱) مراثی حضرت ابوبکر الصدیق:

ابن سعد نے واقدی کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق کے تین مرثیوں کا ذکر کیا ہے (۱۹) ان کے علاوہ بھی ایک مرثیہ ایک گمنام مسودہ ''اشعار ابی بکر الصدیق'' میں بھی موجود ہے (۲۰) اور اس کے چندا شعار بلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں بھی نقل کیئے ہیں۔ (۲۱)

بطور نمونہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:۔

یا عین فابکی ولاتسأمی
و حق البکاء علی السید

''اے آنکھ! تو گریہ کناں ہو اور اس گریہ سے ملول نہ ہو کیونکہ ایسے سردار پر رونا روا ہے۔''

اس مرثیہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ وزاری کو لائق تحسین قرار دیتے ہیں اور ایسے محبوب کے گم ہو جانے پر نوحہ کناں ہیں جو زینت مجلس تھا اور جس کے رخصت ہو جانے کے بعد اب زندگی کی کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ (۲۲)

۱۹۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۱۹۔ ۳۲۰

۲۰۔ اشعار ابی بکر الصدیق "(مولف مجهول) تحقیق دکتور امین الله و ثیر' قسم اللغة العربیة و آدابها. جامعة بنجاب لاهور ص ۶۔۷

۲۱۔ بلاذری:" انساب الاشراف"تحقیق دکتور محمد حمید الله، دار المعارف. مصر ۱۹۵۹ (الجزء الاول)ص ۵۹۲

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۱۹

(۲) مراثی حضرت عمر فاروقؓ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دو مرثیے منسوب ہیں:

ا۔ سہیلی نے ''الروض الانف'' میں آپ کا ایک مرثیہ نقل کیا ہے جو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور اس کی ابتداء اس شعر سے کی گئی ہے:

لعمری لقد اَیقَنْت انک میتٌ
و لکنّما ابدی الَّذِی قُلْتُه الجزع

''اس مرثیہ میں آپ نے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ آپ کا وصال یقیناً ہو چکا ہے اور جو کچھ میں نے اس سے پہلے کہا ہے اس کا سبب گھبراہٹ اور پریشانی ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی مدت حیات پوری کر لی اور رخصت ہو گئے۔ آخر میں اس جدائی پر غم کا اظہار کرتے ہوئے آنکھوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ جو کچھ آنسو تو نے ذخیرکر رکھے ہیں انہیں بہا دے تا کہ یہ غم زائل ہو جائے۔ (۲۳)

بعض اہل علم کی اس مرثیہ کے متعلق یہ رائے ہے: '' الیس فی الشعر رائحة من عمر'' (۲۴)

(۲) بلاذری نے ایک دوسرے مرثیے کے چار اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے پہلا شعر یہ ہے:

ما زلت مُذ وضع الفراش لجثة
و ثویٰ ، مریضًا خائفًا أتوقَّع

''اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب فراش ہونے پر اپنے اندیشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ مجھے آپ کے جدا ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا تھا جو ہمارے لیے بڑے غم واندوہ کا باعث بنے گا۔ پھر فرماتے ہیں سب اہل مدینہ اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو اس حادثہ پر رونا چاہیے۔ میری جان آپ پر فدا ہو آپ ہی ہمارے کام آتے تھے اب ہم پریشانی کے موقع پر کس سے

۲۳۔ السهیلی : الروض الانف فی شرح السیرة النبویة لابن هشام ، تحقیق و تعلیق و شرح عبد الرحمن الوکیل دارالکتب الحدیثة.(س.ن) ج۷ ص۵۸۷.۸۸

مشورہ کریں گے۔(۲۵)

(۳) مراثی حضرت علیؓ:

حضرت علیؓ کی طرف دو مرثیے منسوب ہیں جو آپ کے مجموعہ اشعار'' دیوان علیؓ'' میں موجود ہیں اور دیگر کتب میں بھی منقول ہیں۔(۲۶)

اس مرثیہ کا پہلا شعر یوں ہے:

الاطَرَقَ　النَّاعِی　بِلَیْلٍ　فَرَاعَنِی

وَ　اَرَّقَنِیْ　لَمَّا　استھلَّ　مَنَادِیًا

''موت کی خبر دینے والے نے رات کو مجھے چونکا دیا تو میں گھبرا گیا اور جب آواز دینے والا چلاتو (اس اطلاع سے) میری نیند چاٹ ہوگئی۔(۲۷)

(۴) اشعار حضرت فاطمہؓ:

حضرت فاطمہ کی طرف ایک مرثیہ اور چند ابیات منسوب ہیں۔

(۱)　مرثیہ سہیلی نے'' الروض الانف'' میں چھ اشعار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ دیوان علی اور بعض کتب سیرت میں منقول ہے(۲۸)

حضرت فاطمہؓ کی طرف درج ذیل دو اشعار بھی منسوب ہیں جو'' مواھب الدینه اور وفاء الوفاء''وغیرہ کتب سیرت میں منقول ہیں:

۲۴۔　ایضاً

۲۵۔　انساب الاشراف (الجزء الاول ص ۵۹۲

۲۶۔　دیکھئے''دیوان سیدنا علیؓ . نگارشات لاہور۔(س۔ن)ص ۲۱۶، ۲۷ نیز انساب الاشراف ص ۵۹۲

۲۷۔　ایضا

۲۸۔　الروض الانف :۷/۵۹۴'دیوان حضرت علی ص ۱۰ نیز شرح مواھب للزرقانی. دار العرفة . بیرت. ۱۴۱۴ھ. ۱۹۹۳ء ج ۸ ص ۲۹۳

مَا ذَا عَلیٰ من شَمَّ تُربَۃَ احمدَ
ان لا یَشمّ مدی الزمان غوالیا
صُبَّتْ علیّ مصائبُ لو انّھا
صُبَّتْ عَلَی الایَّامِ لَصِرْنَ لَیَالِیَا(۲۹)

''جس نے احمد مصطفیٰ کی قبر کی مٹی سونگھ لی اگر وہ عمر بھر کوئی عطر نہ سونگھے تو کیا حرج ہے؟ مجھ پر ایسے مصائب پڑے۔ اگر دن پر یہ مصائب ڈالے جاتے تو وہ رات میں تبدیل ہو جاتے۔''

(۵) مراثی حضرت حسان:

شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر طویل ترن مرثیے کہے ان میں سے ابن ہشام نے چار مشہور مرثیے نقل کئے ہیں۔ یہ مرثیے کس قدر تغیر الفاظ کے ساتھ دیگر کتب سیرت میں بھی موجود ہیں۔ پانچواں مرثیہ طبقات ابن سعد اور دیوان حسان بن ثابت میں ان کے دیگر مراثی کے ساتھ منقول ہے۔(۳۰)

(۱) آپ کا سب سے مشہور اور مؤثر مرثیہ وہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

• ما بَالَ عینک لا تَنَام کَانما
کُحلت مآ قِیُھا بِکُحل الاَرُمَدِ

''تیری آنکھ کو کیا ہو گیا ہے کہ اس کی نیند اڑ گئی ہے گویا اس کی پتلیوں کو آشوب کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔''(۳۱)

۲۹۔ شرح مواھب للزرانی.۸/۲۹۳ . نیز السیرۃ النبویۃ

۳۰۔ الطبقات الکبریٰ :۲/۳۲۲.۲۳ . نیز السیرۃ النبویۃ لابن ھشام : ۴/۲۶۹ . ۷۰ ،نیز دیکھئے۔ دیوان حسان بن ثابت الانصاری. دارصادر. بیروت(س.ن) ص۵۷ الروض الانف:۷/۵۲۵.۲۶

۳۱۔ ایضاً

(۶) مرثیہ ابوذؤیب الہذلی:

ابوذؤیب کا مرثیہ سہیلی نے ''روض الانف'' میں نقل کیا ہے۔(۳۲) یہ مرثیہ چھ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا مطلع یہ ہے

لما رأیت الناس فی عسلانهم

من بین ملحودٍ لهٗ و مُضَرَّحِ

''ان اشعار میں وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو قبر میں مدفون ہوتے دیکھا تو غم و اندوہ نے مجھے گھیر لیا اور تدفین کے منظر نے ہوش وحواس گم کر دیئے۔

(۷) مرثیہ ابوسفیان الحارث بن عبدالمطلب:

''الروض الانف'' اور اسد الغابۃ'' وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ابوسفیان کا ایک مرثیہ منقول ہے۔ جو دس اشعار پر مشتمل ہے۔(۳۳)

ابتدائی شعر یہ ہے:

ارقت و باتَ لیلی لا یزول

وَ لیُلُ اخی المصیبة فیه طول

''میری نیند اچاٹ ہوگئی اور میری رات ختم ہونے پر نہیں آتی اور مصیبت زدہ کی رات تو دراز ہوتی ہی ہے۔

(۸) مراثی کعب بن مالک:

حضرت کعب بن مالک کی طرف درج ذیل مرثیہ منسوب ہے۔ یہ مرثیہ طبقات بن سعد میں ۸ اشعار کے ساتھ منقول ہے اس کا مطلع یہ ہے:

۳۲۔ الروض الانف: ۷/ ۵۹۳

۳۳۔ ایضاً ۵۹۳. ۹۴ البدایة والنهایة: ۵/ ۲۸۲'المواهب اللدنیه: ۵۵۳' ابن سید الناس ' عیون الاثرفی فنون المغازی والشمائل والسیر '' دار الافاق الجدیدة. بیروت. ۱۹۸۲ء ج۲ص ۴۲۴

يا عين فابكى بد معٍ ذرى
لخير البرية و المصطفٰى

''اے آنکھ! اتنا رو کہ آنسوؤں کا تار بندھ جائے اس ذات پر جو کائنات میں سب سے زیادہ برگزیدہ اور منتخب تھی۔''(۳۴)

(۹) مرثیہ عبداللہ بن انیس:

طبقات بن سعد میں آپ کا ایک مرثیہ منقول ہے جس کے بارہ اشعار ہیں(۳۵) اور اس کا مطلع یہ ہے:

تطاول ليلى و اعترمتنِى القوارِعُ
و خطبٌ جليلٌ للبليّةِ جامِعُ

''رات بہت لمبی ہوگئی اور مجھے ایسے مصائب اور حوادث کا سامنا کرنا پڑا جو بہت عظیم تھے اور بڑے بڑے غموں کو جمع کرنے والے تھے۔''

(۱۰) اشعار عامر بن طفیل:

''الاصابۃ'' میں ابن حجر نے حضرت عامر بن طفیل کے تذکرہ میں درج ذیل دو اشعار نقل کئے ہیں جو انہوں نے آپ کی وفات کے موقع پر کہے::

بكتِ الارض و السماء على النور
الذى كان للعباد سراجاً
من هدينا بهٖ اِلٰى سبيل الحق
و كنا لا نعرف المنهاجا(۳٦)

۳۴۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/۳۲۴۔۲۵

۳۵۔ ایضاً: ۳۲۰

۳٦۔ الاصابة ۲/۲۵۱

''آسمان اور زمین اس نور پر گریہ و بکاء کرتے ہیں جو بندگان خدا کے لیے، روشن چراغ تھا جس نے راہ حق کی طرف ہماری رہنمائی کی حالانکہ ہمیں اس راستے کا کچھ علم نہ تھا۔''

(۱۱) مرثیہ سواد بن قارب:

سہیلی نے ''الروض الانف'' میں آپ کا ایک مرثیہ نقل کیا ہے جو چودہ اشعار پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے

مَلَّتْ مصيبتک الغَدَاةَ سوادُ
و أرى المُصيبة بعدها تزْدادُ

''آپ کی جدائی کی مصیبت نے بوقت صبح سواد کو ملول کر دیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے بعد مصیبت بڑھتی ہی چلی گئی۔''(۳۷)

(۱۲) اشعار عبداللہ بن مالک الارجی:

ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں آپ کے دو اشعار نقل کئے ہیں:

لعمری لئن مات النبی محمد
لما مات یا ابن القیل ، رب محمد
دَعَاهُ الیهِ ربهُ فَاجَابَهُ
فَیاخَرَ غورٰی وَیا خیرَ مَنْجدِ(۳۸)

''میری عمر کی قسم! اگر محمدؐ کی وفات ہوگئی ہے تو اے قیل کی اولاد! رب محمد تو فوت نہیں ہوا۔ ان کے رب نے انہیں اپنی طرف دعوت دی جو انہوں نے قبول فرمالی اے پست و بلند زمین کی بہترین ہستی۔''

(۱۳) اشعار مجیفہ بن النعمان:

ابن حجر نے ''کتاب الردۃ عن محمد بن اسحٰق'' کے حوالے سے آپ کے درج ذیل اشعار نقل کئے

۳۷۔ الروض الانف: ۱/۱۴۰۔۱۴۱

۳۸۔ الاصابۃ: ۳۶۵/۲

ہیں:

یا عمرو ان کان النبی محمد
أتی به الأمر الذی لا یُدفعُ
فقلوبنا قرحی و ماء دموعنا
جارٍ و اعناق البریة خضعُ
یا عمر ان حیاتهُ کوفاتِهِ
فناد ننظر ما یقول ونسمع(۳۹)

''اے عمرو! اگر نبی کے پاس وہ امر آیا جسے دفع نہیں کہا جا سکتا (یعنی موت) تو ہمارے دل اس (سانحے) پر زخمی ہیں، ہمارے آنسو جاری ہیں ساری مخلوق کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ اے عمر! آپ کی زندگی اور وفات ہمارے لیے برابر ہے اور جو کچھ آپ کہتے ہیں ہم اسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔''

(۱۴) اشعارِ عمر بن الفحیل:

ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں آپ کے دو اشعار نقل کئے ہیں:

اسعِدِینی بدمعک الرقراق
لفراق النبی یوم الفراق
لَیتَنِی مِتُّ قبل یوم مات و لم
ألقِ من الرّز ء ما أنَا لاقِ(۴۰)

''فراق کے دن نبی کی جدائی کی وجہ سے آنکھوں بھرے آنسوؤں سے میری مدد کرو۔ کاش جس دن آپ نے وفات پائی میں مر چکا ہوتا۔ جو مصیبت (خبر وفات کی) مجھے پہنچی ہے نہ پہنچتی۔''

۳۹۔ ایضاً: ۳/۲۶۵، ۲۶

۴۰۔ ایضاً: ۳/۱۰، ۱۱

(۱۵) مراثی اروٰی بنت عبدالمطلب:

آپ کی طرف دو مرثیے منسوب ہیں:

(۱) پہلا مرثیہ جو ۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ ابن سعد نے نقل کیا ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے:

اَلاَیَاعین وَیحکِ اَسْعِدِیْنِی

بدمعکِ ما بقیت و طاوعینی

اے آنکھ! تجھ پر افسوس! جب تک تو باقی ہے اپنے آنسوؤں سے میری مدد کر میرا کہنا مان۔ (۴۱)

(۲) ابن سعد نے ایک دوسرا مرثیہ بھی آپ کے حوالے سے نقل کیا ہے جو دس اشعار پر مشتمل ہے۔ (۴۲) ''انساب الاشراف'' اور ''الاستیعاب'' میں یہ مرثیہ کس قدر الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صفیہ بنت عبدالمطلب کی طرف منسوب ہے۔ (۴۳) اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

الا یا رسولَ اللّٰهِ کنت رَجاء نا

و کنت بنا برًّا و لَم تک جافیا

و کنت بنا رَؤفًا رحیمًا نبیًا

لِیَبْکِ عَلَیْکَ الیوم من کان باکیا

''اے اللہ کے رسول! آپ ہی سے ہماری امیدیں وابستہ تھیں' آپ ہم پر مہربان تھے' سخت گیر نہ تھے' آپ ہم پر شفیق تھے' رحم کرنے والے تھے' ہمارے نبی تھے' جسے رونا ہوا اسے آپ پر رونا چاہیے۔'' (۴۴)

۴۱۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/۳۶۵

۴۲۔ ایضاً: ۲/۳۶۵۔۳۶۶

۴۳۔ الاستیعاب: ۱/۱ ۲ انساب الاشراف: ۱/۵۹۴

۴۴۔ ایضاً

(۱۶) مراثی عاتکہ بنت عبدالمطلب:

ابن سعد نے آپ کے تین مرثیے نقل کئے ہیں، ان کے اشعار میں گریہ و بکاء کا عنصر زیادہ ہے:

(۱) پہلا مرثیہ سات اشعار کے ساتھ منقول ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

عینی جُودَا طَوَالِ الدّھرِ وَاانھَمِرَا
سکبًا و سحاً بدمعٍ غیر تعذیر

''اے میری آنکھ! زمانے کی درازی تک تم روؤ اور خوب دل کھول کر آنسو بہاؤ بغیر کسی تقصیر کے۔''(۴۵)

(۲) دوسرا مرثیہ ۱۹ اشعار کے ساتھ منقول ہے اور اس کا مطلع حسب ذیل ہے:

یاعین جُودِی ما بقیت بعبرةٍ
سحاً علٰی خیر البریة احمد

''اے آنکھ! جب تک تو باقی ہے مخلوق میں سے سب سے بہترین ہستی پر جن کا اسم گرامی محمد ہے، خوب فیاضی سے آنسو بہاتی رہ۔''(۴۶)

(۳) تیسرا مرثیہ سات اشعار پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے:

اَعَینیَّ جُوداَ بالدَّمُوْعِ السَّواجِمِ
عَلٰی المصطفٰی بالنور من آل ھاشم

''اے میری آنکھ! آنسوؤں کی لڑیوں کے ساتھ سخاوت کر واس برگزیدہ ہستی پر جو نور کے ساتھ متصف تھے اور خاندان ہاشم میں سے تھے۔''(۴۷)

۴۵۔ الطبقات الکبرٰی: ۳۲۶/۲

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً: ۳۲۷

(۱۷) مراثی صفیہ بنت عبدالمطلب:

کتب تاریخ وسیرت میں آپ کے ۸ مرثیے منقول ہیں جن میں سے بیشتر طبقات ابن سعد" میں نقول ہیں۔ان کے بھی اکثر مرثیوں میں ممدوح پر آنسو بہانے کا ذکر بکثرت آیا ہے۔

(۱) پہلا مرثیہ ۱۹ اشعار کے ساتھ منقول ہے جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

لهف نفسي و بتُّ كالمسلوب
ارق الليلَ فِعلة المحروب
مِن هُمومٍ و حسرةٍ رَدفتنِي
ليُت انّي سُقيتُهَا بشعوبِ

''ہائے افسوس اپنی جان پر! میں نے اس شخص کی طرح رات کاٹی جس سے سب کچھ چھین لیا گیا ہواور وہ ساری رات جاگتا رہے'لوٹے ہوئے شخص کی طرح' یہ حالت ایسے غموں اور حسرتوں کے باعث ہے' جنہوں نے مسلسل مجھے آ گھیرا ہے۔کاش! میں انہیں الگ الگ (گھونٹ در گھونٹ) پی سکتی (یعنی یہ غم اکٹھے نازل نہ ہوتے)۔"(۴۸)

(۱۸) مرثیہ ہند بنت الحارث بن عبدالمطلب:

''طبقات ابن سعد" میں آپ کا ایک مرثیہ منقول ہے جو ۵ اشعار پر مشتمل ہے۔اس کا مطلع یہ ہے:

يا عين جودِی بِدمعٍ منک و ابتدری
كما تنزل ماءُ الغيثِ فَانتعبا

''اے آنکھ! آنسوؤں کے بہانے میں فیاضی دکھا اور جلدی برس جیسے بارش کا پانی برستا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی المناک خبر اور آپ کے زیر زمین مدفون ہونے کا ذکر اگلے

۴۸۔ ایضاً: ۲/ ۳۲۷۔۲۸

اشعار میں بڑے رنج وحسرت کے ساتھ کیا ہے۔ اور آپ کے حسب ونسب کی پاکیزگی اور شرافت کے بیان پر اس مرثیہ کو ختم کیا ہے۔"(۴۹)

(۱۹) مرثیہ ہند بنت اُثاثہ بن عبدالمطلب:

طبقات بن سعد میں آپ کی طرف تین مرثیے منسوب ہیں:

(۱) پہلا مرثیہ ۱۸ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

اَشَابَ ذُو ابَتِي وَ اَذَلَّ رُكْنِي
بُكاؤكِ ، فَاطِمَ ، المَيتَ الفقَيدَا

"اے فاطمہ! مرنے والے اور رخصت ہو جانے والے پر تیرے گریہ و بکاء نے میرے سر کے بال سفید کر دیئے اور میری کمر جھکا دی۔"(۵۰)

(۲) دوسرے مرثیہ میں ۷ اشعار منقول ہیں اور ان کا مطلع یہ ہے:

الا يا عين بكّي اِلَا تَمْلِي
فَقد بَكَرَ النَّعيُّ بِمنُ هَوِيُت

"اے آنکھ! رو! اور رونے سے اکتا نہیں کیونکہ پکارنے والے نے صبح کے وقت اس شخص کی وفات کا اعلان کر دیا ہے جس سے مجھے محبت تھی۔"(۵۱)

(۲۰) مرثیہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل:

طبقات بن سعد میں ان کا ایک مرثیہ منقول ہے۔ جو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

اَمْسَتْ مراكِبُهُ او حَشَتْ
وقَد كَانَ يَركُبُهَا زيْنُها

۴۹۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۳۰۔ ۳۱

۵۰۔ ایضاً: ۳۳۱

۵۱۔ ایضاً

و اَمُسَتْ تُبُکّی عَلٰی سَیّدٍ
تَردُدُ عَبرتَهَا عَیُنُها

''آپ کی سواریاں آج سرِشام ہی وحشت زدہ ہیں جن پر آپ سوار ہوتے تھے اوران کی زینت کا باعث تھے وہ آج سرِشام ہی اس سردار کو اس طرح رو رہی ہیں کہ بار بار ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔''(۵۲)

(۲۱) مرثیہ امِّ ایمن:

یہ مرثیہ سات اشعار کے ساتھ ابن سعد نے نقل کیا ہے۔اس کے ابتدائی اشعار حسب ذیل ہیں:

عَیُنِ جُودِی ! فاِنّ بذلک للدَّمُ
عِ شفاءٌ فاکُثِری م البُکاءُ
حِیُنَ قَالُوا الرَّسُوُل اُمُسٰی فقیدًا
میّتًا کَان ذاکَ کُلَّ البَلاءِ

''اے آنکھ! آنسو بہانے میں سخاوت کر کیونکہ اسی میں شفاء ہے۔اس لیے خوب گریہ و بکاء کر، جب لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو مصیبت وآزمائش کا یہی تو وقت تھا) آپ کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ومحاسن کے بیان پر اس مرثیہ کو ختم کیا ہے۔(۵۳)

مراثی رسول کی استنادی حیثیت:

وفات رسالتمآب پر کہے گئے یہ مرثیے اپنے ظاہری و باطنی محاسن کی بنا پر ادب عربی کا بہترین سرمایہ ہیں۔جس کلام کا مرکز ومحور اور موضوع ومقصود ذات نبوت ہو اور جس کی نسبت صحابہ کرام کی طرف ہو اس کی رفعت واہمیت میں کیسے شبہ ہوسکتا ہے؟ لیکن یہاں یہ سوال بھی تحقیق طلب ہے کہ ان مرثیوں کی

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ایضاً:۳۲۳

استنادی حیثیت کیا ہے؟ اور مذکورہ شعراء کی طرف ان کی نسبت کس حد تک درست ہے؟ اس بحث کا آغاز ہم حضرت حسان کے مراثی سے کرتے ہیں کیونکہ مرثیہ گو شعراء میں ان کا کلام کیفیت و کمیت کے اعتبار سے سب سے فائق ہے۔ ان کے ۵ معروف مرثیوں میں سے چار مرثیے ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کئے ہیں(۵۴) جب کہ پانچواں مرثیہ دیگر مرثیوں کے ساتھ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے(۵۵) ابن سعد نے ان میں سے ایک مرثیہ جو کہ ۴۸ اشعار پر مشتمل ہے اور جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔ غالباً طوالت کی بناء پر ذکر نہیں کیا۔ ان مرثیوں کے علاوہ بھی چند اشعار حضرت حسان کی طرف منسوب ہیں جو ''انساب الاشراف'' اور آپ کے مطبوعہ دیوان میں منقول ہیں۔(۵۶) تاریخ و سیرت کے مأخذ اہل علم کے ہاں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت حسان کے اشعار کے متعلق یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ ان کے کلام میں غیر منتخب اشعار بھی غلط طور پر منسوب کر کے بڑھا دیئے گئے ہیں۔ اصمعی اور ابن سلام نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے(۵۷) اس کو بنیاد بنا کر بعض مستشرقین نے حضرت حسان کی اسلامی شاعری کو اس بناء پر مشتبہ قرار دیا کہ اس کی زبان عصر جاہلی یا صدر اسلام کی زبان کے برعکس سہل الفاظ اور معمولی تراکیب پر مشتمل ہے اور جوش و روانی اور معنی آفرینی سے خالی ہے۔ ڈاکٹر شوقی ضیف حضرت حسان کی شاعری کو مطلقاً وضع سے پاک قرار نہیں دیتے بالخصوص ان کے وہ قصائد جو قاتلین عثمان کی ہجو میں کہے گئے۔ ان کی تحقیق کے مطابق امویوں نے اس عار کو مٹانے کے لئے جو حسان کے اشعار کے ذریعے ان کے اسلاف سے وابستہ ہو چکی تھی حضرت حسان کی طرف بعض قصائد وضع کر کے منسوب کر دیئے اور یہی وہ قصائد ہیں جن میں فنی

۵۴۔ دیکھئے : السیرۃ النبویۃ لا بن ھشام ۴/ ۶۶۱۔ ۶۷۱

۵۵۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۲۱۔۳۲۵

۵۶۔ انساب الاشراف: ۱/ ۵۹۳

۵۷۔ اصمعی کی رائے یہ ہے:تنسب الیه اشیاء لا تصح عنه'' اور ابن سلام لکھتے ہیں:قد حمل علیه ما لم یحمل علیٰ احدٍ لما تعاضهت قریش وانتسب و ضعَعوا علیه اشعارًا کثیرة لا تُنقّٰی'' دیکھئے. شوقی ضیف: تاریخ الادب العربی. العصر الاسلامی : دارالمعارف . القاھرہ (س.ن) ص ۸۰

لغزشیں اور لفظی رکاکت وغیرہ جیسے نقائص موجود ہیں جن پر ناقدین ادب نے تبصرہ کیا ہے(۵۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ محض چند قصائد اور اشعار کے غلط انتساب کی وجہ سے حضرت حسان کے اسلامی دور کے اشعار کو مشتبہ قرار دینا سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام کے دفاع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں حضرت حسان کے قصائد و اشعار لوگوں کی نوک زبان تھے اور ادبی معیار اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی وہ جاہلی دور سے کس طرح کم نہیں بلکہ ایمان و یقین کی تاثیر اور فکر و نظر کی گہرائی اور قرآن و سنت کے اعجازی اسالیب کے زیر اثر ان کا کلام ایک نئے رنگ و آہنگ سے آشنا ہوا جو جاہلی شاعری میں مفقود تھا۔

حضرت حسان کی شاعری کا اسلوب چاہے مدحیہ شاعری ہو یا رثائیہ' زبان و ادب کے ماہرین کے ہاں معروف ہے اور اسے کسی بھی دوسرے کلام سے واضح طور پر متمیز کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ مرثیے بھی اسی اسلوب کے مطابق ہیں اور ان کی صحت اس اعتبار سے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ارباب سیر و تاریخ کی مستند کتب میں منقول ہیں۔

مرثیہ گو شعراء کی صف میں خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل ہیں' ان کے ادبی ذوق اور شعری مہارت سے تو کسی کو اختلاف نہیں اور مفضل الضبی کی اس روایت سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے حضور کی مدح میں مرثیہ نہ کہا ہو اور اس کو موقع پر پڑھ کر نہ سنایا ہو۔'' ابوزید القرشی نے الضبی کے حوالے سے ان کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔(۵۹)

حضرت ابوبکر صدیق کی طرف منسوب مرثیے طبقات ابن سعد میں منقول ہیں(۶۰) اور حضرت علیؓ کے مرثیے انکے دیوان سے ماخوذ ہیں(۶۱) اور ان کی صحت کا قرینہ غالب ہے۔ حضرت عمر کے مرثیے

۵۸۔ ایضاً ص ۸۰. ۸۱ انہوں نے بعض مشکوک قصائد کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ص: ۸۰

۵۹۔ '' و لَم یبق احدٌ من اصحاب رسول الله الا و قد قال الشعر او تمثّل به.'' جمهرة اشعار العرب'': ۴۴

۶۰۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۱۹۔۲۰

۶۱۔ دیوان حضرت علی: ص ۲۱۶'۹۔۲۱۷

مستند مأخذ میں دستیاب نہیں اس لئے ان کی صحت کا تیقن نہیں ۔ بالخصوص پہلا مرثیہ " **لعمری لقد ایقنتُ انک میتُ**"(٦٢)ادبی پہلو سے بھی موجب جرح ہے۔

حضرت عثمانؓ کی طرف بھی ایک شعر منسوب ہے:

فیاعینُ ابکی و الا تسأمی

و حقُ البکاء علی السید (٦٣)

لیکن یہ شعر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مرثیہ میں موجود ہے۔ممکن ہے یہ ان کا ذاتی شعر نہ ہو وفات رسول پر انہوں نے یہ شعر پڑھا ہو۔محض اس ایک شعر کی بنا پر جس کی نسبت احتمال یہ ہے کہ یہ ان کا ذاتی شعر نہیں ہم نے انہیں مرثیہ گو شعراء کی فہرست میں شامل نہیں کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب بعض اشعار بھی مشتبہ ہیں مثلاً:

" **ما ذا علی من شَمَّ تُربۃَ احمد**، اور " **صبّت عَلیَّ مصائبٌ لو انَّھا**"(٦٤)

اگر چہ عام شہرت ان اشعار کی حضرت فاطمہؓ کے حوالے سے ہے مگر یہ مستند کتب میں موجود نہیں۔ حضرت علیؓ کے مطبوعہ دیوان میں بھی مذکورہ اشعار حضرت فاطمہؓ کے دیگر نقل کردہ اشعار کے ساتھ مندرج نہیں۔ان کے مشتبہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ اس دور کی شاعری جو تصنع اور تکلفات سے پاک ہے۔ سے بھی یہ اشعار کوئی مناسبت نہیں رکھتے ان میں سادگی کی بجائے تصنع اور خیال آفرینی نمایاں ہے۔ نیز دونوں اشعار میں بھی باہمی کوئی ربط نہیں۔البتہ حضرت فاطمہؓ کا مرثیہ " **اغبر أفاق السماء و کورت**" (٦٥) سیرت کی بعض مستند کتب میں موجود ہے اور دیوان علیؓ میں بھی منقول ہے اور اس دور کی شاعری سے بھی ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ اس لیے اس کی صحت کا قرینہ غالب ہے۔ جو اشعار اور مرثیے جناب

٦٢۔ الروض الانف: ٥٨٨/٧

٦٣۔ جمهرة اشعار العرب: ٣٤، وفاء الوفاء: ١٤٠٥/٤

٦٤۔ المواهب اللدنيه: ٥٦٣، شرح مواهب: ٢٩٣/٨

٦٥۔ الروض الانف: ٥٩٤/٧، ديوان حضرت على ص: ١٠، شرح مواهب للزرقانى: ٢٩٣/٨

عبدالمطلب کی بیٹیوں یعنی آنحضرت ﷺ کی پھوپھیوں صفیہ، اروٰی اور عاتکہ کی طرف منسوب ہیں۔(٦٦) ان کی صحت زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق جس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں جناب عبدالمطلب کی خواہش کے مطابق ان کی چھ بیٹیوں نے ان کی مرض وفات میں اپنے اشعار کے ذریعہ ان پر گریہ و ماتم کیا تھا۔(٦٧) ان اشعار کا موازنہ ان مرثیوں کے ساتھ کیا جائے جو آنحضرت ﷺ کی وفات پر آپ کی پھوپھیوں کی طرف منسوب ہیں تو ان میں اسلوب بیان کے ساتھ ساتھ مماثلت کے بہت سے پہلو واضح نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہند بنت الحارث، ہند بنت اثاثہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل اور ام ایمن کے مرثیے بھی اس دور کی شاعری کے اسلوب کے مطابق ہیں ان میں اس دور کی سادہ فکر، بلا تصنع اظہار غم اور زبان وتراکیب کی یکسانیت ان کی صحت کی شہادت دیتی ہے۔ بالخصوص جب کہ ان میں سے بعض خواتین اپنے اعلیٰ ادبی ذوق کی بنا پر اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔

خواتین کے مرثیوں کے علاوہ دیگر صحابہ کے اشعار اور مراثی بھی تاریخ وادب کی کتابوں میں منتشر ہیں۔ ان میں سے بعض کی شہرت شاعر کی حیثیت سے ہے جیسے کعب بن مالک، ابو ذؤیب الہذلی اور ابوسفیان بن الحارث وغیرہ۔ اس لیے آپ کی وفات پر ان کی طرف منسوب مرثیوں میں کسی قسم کا تردد نہیں کیا جا سکتا جب کہ دیگر مرثیوں کی نسبت یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اور پڑھا کسی اور نے ہو اور ان کی نسبت پڑھنے والوں کی طرف کر دی گئی ہو۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جن حضرات کی طرف یہ مرثیے منسوب ہیں ان میں سے بھی بیشتر کا تعلق شعر و شاعری سے کسی نہ کسی درجے میں ضرور رہا ہے۔ اور کتب تاریخ وادب میں ان کے اشعار بھی محفوظ ہیں لہٰذا ان کی صحت کا فیصلہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

مراثی رسول کی تاریخی اہمیت وافادیت:

مرثیے عموماً اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے میت پر ماتم اور مدح وتعریف پر مشتمل ہوتے ہیں مگر بعض مرثیوں میں ضمناً ایسا مواد بھی مل جاتا ہے۔ جس سے دوسرے موضوعات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

٦٦۔ الطبقات الکبریٰ: ٢/٣٢٥۔٣٠

٦٧۔ السیرۃ النبویہ ١/١٦٩۔١٧٣

اس پہلو سے جب ہم مراثی رسول کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بعض مرثیوں میں ایسا مواد بھی نظر آتا ہے جو تاریخی اعتبار سے اہمیت اور افادیت کا حامل ہے اور جنہیں شعراء نے ضمناً ذکر کیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس مواد کی اہمیت اس بناء پر بھی ہے کہ مراثی پر مشتمل یہ شاعری بعد کے ادوار میں تاریخ وسیرت کے موضوع پر تحریر کردہ کتابوں کی بنسبت اولین، قدیم اور مستند مأخذ ہے اس سلسلہ کی بعض توضیحات درج ذیل ہیں۔

حضرت حسان اپنے ایک مرثیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر اپنی موجودگی کا ذکر اس شعر میں کرتے ہیں:

بابی و امی من شهدت و فاتهٗ
فی یوم اثنین النبی المهتدی (۶۸)

''اس ہدایت یافتہ نبی پر میرے ماں باپ قربان ہوں جن کی وفات دوشنبہ (سوموار) کو میری موجودگی میں ہوئی۔''

اس سے آپکا یوم وفات بروز سوموار ہونا متعین ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل سیر وتاریخ اس پر متفق ہیں مگر وقت وفات ان کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ حضرت حسان نے اپنے ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

نب المساکین ان الخیر فارقهم
مع النبی تولّٰی عنهم سحراً (۶۹)

''مساکین کو خبر دے دو کہ خیر وفلاح نبی کے ساتھ ہی ان سے رخصت ہوگئی جب انہوں نے صبح کے وقت ان سے اپنا رخ پھیرلیا۔''

اس شعر سے آپ کی وفات بوقت صبح متعین ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ حضرت آمنہ کے بطن سے صرف یہی پاکیزہ ہستی متولد ہوئی۔ حضرت حسان نے اپنے ایک شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

۶۸۔ ایضاً: ۲/۲۶۹

۶۹۔ ایضاً: ۲/۲۷۰، الطبقات الکبری ۲/۳۲۴

يا بكر اٰمنِةَ المبارَكَ بِكرھَا (٧٠)

''اے آمنہؓ کے اکلوتے فرزند! جن کا اکلوتا فرزند مبارک ثابت ہوا۔''

ان تاریخی معلومات کے علاوہ بعض اشعار سے شعراء کے فکری اور سیاسی رجحانات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے کی صرف ایک اور نمایاں مثال حضرت عبداللہ بن انیس کے مرثیہ کے اشعار ہیں جن میں وہ آپ کی وفات پر اپنے تاثرات کے اظہار کے بعد فرماتے ہیں:

فیالیتَ شعری ! من یقوم بأمرنا
وھل فی قریشٍ من إلامام ینازِعُ ؟
ثَلاثَةُ رھطٍ مِنْ قریشٍ ھمُ ھُمُ
أزِمَّةُ ھٰذا اَلْاَمرِ وَالله صَانِعُ
علیٌّ اَو الصّدیقُ اَو عُمَرٌ لَھَا
و لَیْسَ لَھا بعد الثلاثَةِ رابعُ
فَاِنْ قَالَ مِنَّا قَائِلٌ غیر ھٰذِہٖ
أبَیْنَا ، و قُلْنَا اَللّٰہُ رَاءٍ و سَامِعُ
فِیا لَقُرَیْشٍ! قَلِّدُوا الاَمَر بَعْضَھُمُ
فَاِنَّ صحیح القولِ للنَّاسِ نَافِعُ
وَلَا تُبْطِئُوا عَنْھَا قُواقًا فَاِنَّھَا
اذَا قُطِعَتْ لَمْ یُمْنَ فِیْھَا اَلْمُطِامِعُ (٧١)

''کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے بعد کون ہمیں سنبھالے گا اور کیا قریش میں آپ کے پائے کا کوئی امام ہے؟ قریش میں تین افراد ایسے ہیں جو خلافت کی اہلیت رکھتے ہیں اور کام بنانے والا تو

٧٠۔ الطبقات الکبریٰ: ٢/ ٣٢٢

٧١۔ ایضاً: ٣٢٠۔٢١

اللہ ہی ہے۔علی ہیں یا ابوبکر صدیق ہیں یا عمر ہیں ان تین کے علاوہ چوتھا کوئی بھی نہیں جو اس کے لیے موزوں ہو۔اگر ہم میں سے کسی کہنے والے نے ان کے علاوہ کسی کا کہا تو ہم انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ دیکھنے سننے والا اللہ ہے۔کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ قریش اپنا معاملہ ان میں سے کسی کے حوالے کر دیں کیونکہ صحیح بات ہی لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے اور اس میں ایک ساعت کی بھی تاخیر مت کرو اس لیے کہ جب خلافت کا انعقاد ہو گیا تو طمع و حرص اس کی تمنا نہ کر سکیں گے۔''

ان اشعار سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

1۔ قریش کے استحقاق خلافت کا ذکر۔جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشہور حدیث الائمۃ من القریش میں متوجہ کیا ہے۔

2۔ قریش میں سے تین موزوں ترین افراد حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مشورہ۔حضرت علی کی تقدیم غالباً قرابت رسول کی بنا پر کی گئی ہے۔

3۔ خلافت کے مسئلہ میں ان کے علاوہ کسی کی اطاعت نہ کرنے کا عندیہ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریش دینی اور قومی بنیادوں پر اپنے علاوہ کسی کی امامت و امارت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

4۔ خلافت کے انعقاد اور خلیفہ کے انتخاب میں کسی قسم کی تاخیر نہ کرنے کا مشورہ، جس سے اس مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کا اندازہ ہوتا ہے اور صحابہ کے طرز عمل سے بھی واضح ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تدفین سے قبل ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔

مراثی رسول کی ادبی حیثیت:

مرثیہ وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر کو غزل، نسیب اور تشبیب و تمثیل کے مواقع بہت کم ملتے ہیں جن سے کسی شاعر کی فنی مہارت کو پرکھا جاتا ہے۔رثائیہ شاعری کا تعلق زیادہ تر جذبات سے ہے اور مرثیہ شاعر کے جذبات کا آئینہ ہوتا ہے، مرثیہ کا حسن اور اس کی جان شاعر کے وہ قلبی واردات و کیفیات ہیں جو وہ مرنے والے کی جدائی میں محسوس کرتا ہے اگرچہ اس میں تکلفات اور نکتہ آفرینی کے مواقع نہیں ملتے مگر ان

میں شاعر کا خلوص و محبت اور فطری جذبات کا بے تکلف اظہار ان کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ بقول اصمعی ایک اعرابی سے جب انہوں نے سوال کیا: '' ما بال المراثي اشرف اشعار کم؟ '' کیا وجہ ہے کہ تمہارے بہترین اشعار مراثی کے ہیں۔'' تو اس کا جواب یہ تھا۔'' لانها نقولها و قلوبنا محترقة'' ''اس لیے کہ یہ اشعار کہتے ہوئے ہمارے دل درد و کرب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (۴۲)

اس پہلو سے جب ہم ان مرثیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ مرثیے کسی مشترک اور یکساں اسلوب کے حامل نہیں اور نہ ہی تمام مرثیے غم و اندوہ کے جذبات کے ترجمان ہیں خواتین کے مرثیوں میں یہ رنگ زیادہ نمایاں ہے' جب کہ دگر مرثیوں میں بالخصوص حضرت حسان کے مرثیوں میں ممدوح کے اوصاف و شمائل کا بیان نمایاں ہے' اگر چہ اس وصف و بیان میں کہیں کہیں معنی آفرین اور شوکت الفاظ بھی ہمیں نظر آتی ہے مگر مرثیہ نگاری کا وہ پہلو جس کا تعلق واردات قلب سے ہے جو شاعر مرنے والے کی جدائی میں محسوس کرتا ہے ان کے ہاں دیگر مضامین کی بنسبت کم ہے اگر چہ تمام شعراء نے رنج و غم کے جذبات کا اظہار کسی نہ کسی درجے میں ضرور کیا ہے۔

مراثی کے مطالعہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان میں یہ عنصر کس قدر ملحوظ ہے اور اس کے اسالیب و انداز کیا ہیں۔ مثلاً شعراء نے قدیم عرب شاعری کی روایت کے مطابق آنکھوں کو مخاطب کر کے اپنے اپنے اسلوب میں گریہ کناں ہونے کی تلقین کی ہے۔ کثرت گریہ کو کہیں پانی بھرے ڈولوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہیں سیلاب کے پانی کے ساتھ' مسلسل بہتے آنسوؤں کی تمثیل بارش کے ساتھ اور ان کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے آب زلال اور چشمہ صافی کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اس گریہ و ماتم کو شعراء نے بے حس و بے شعور اشیاء و عناصر' زمین و آسمان' شمس و قمر' شجر و حجر تک وسیع کر دیا ہے کہ وہ بھی آپ کے ماتم و سوگ میں شریک ہیں' غم رسول میں رات کی بے خوابی و بے داری' ہموم و افکار کے ہجوم' رات کی درازی' بالوں کے سفید اور جسم و جان کے ناتواں ہونے کا ذکر بھی شعراء نے اپنے اپنے اسالیب میں کیا ہے۔ شدت غم اور شوق ملاقات میں بعض شعراء نے موت کی تمنا اور خواہش کا بھی اظہار کیا ہے' جذبات و کیفیات کے اظہار میں ہر شاعر کا

۴۲۔ العقد الفرید: ۳/۲۲۹

جداگانہ اسلوب ہے جس کی کچھ مثالیں مراثی کے ضمن میں گزر چکی ہیں۔

ان مرثیوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے جو خصوصیت ان میں مشترک اور نمایاں نظر آتی ہے یہ ہے کہ ان کی زبان عموماً سادہ' تراکیب آسان اور خیالات' تصنع' تکلف سے پاک ہیں' کلام میں نرمی' گداز اور سوز کا عنصر نمایاں ہے' خیالات میں گہرائی کے بجائے سادگی ہے' شعراء نے جو کچھ محسوس کیا اس کا من وعن اظہار کر دیا ہے۔

مراثی کے مجموعی اسلوب پر اجمالی نظر ڈالنے کے بعد اب ہم ان اشعار کا جائزہ لیتے ہیں جو ادبی محاسن اور لفظی و معنوی لطافتوں کی بنا پر مراثی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مختلف شعراء نے ممدوح کی مرگ پر آنسو بہانے کا ذکر اپنے اپنے انداز میں کیا ہے لیکن یہ مضمون جس خوبصورت اور عمدہ اسلوب میں حضرت حسان نے اپنے ایک مرثیہ میں پیش کیا۔ ہے وہ ان کے اعلیٰ ادبی ذوق اور مہارت کا واضح ثبوت ہے۔ آنکھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا عینُ جُودِی بدمعٍ منک اسبالَ
ولاتَملُّنَّ مِنْ سَحٍ و اعوالِ
لَا یَنفُدَنُ لِی بعْدَ الیومِ وَمَعکُما
اِنّیُ مُصَابٌ و اِنّی لسْتُ بِالسَّالِ
فَاِنَّ مِنعَکُمَا مِنْ بعْدِ بذلِکُمَا
ایَّای مثلُ الَّذِیْ قَدْ غُرَّ بالالَِ
لکِنْ اَفِیُضِی عکَلَیَّ صدُرِی باربعَةِ
اِنَّ الجوائحِ فِیهاھَا ھَاجِس صالی
سَحَّ الشَّعیُبَ وَ ماءِ الغربِ بِمنحُهٗ
سَاقِ یُحَمِّلُهٗ سَاقِ باز لَالِ (۷۳)

۷۳۔ الطبقات الکبری: ۲/۳۲۳

''اے آنکھ! آنسو بہانے میں اتنی سخاوت کر کہ ندیاں بہہ جائیں اور تو مسلسل اشک ریزی اور نالہ وفریاد سے نہ اکتانا۔ آج کے بعد تیرے آنسو میرے لیے ختم نہ ہونے پائیں کیونکہ میں مصیبت زدہ ہوں اور تسلی وتشفی پانے والا نہیں۔ تمہاری اشک ریزی کے بعد اب مجھے اسے روکنا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو سراب سے دھوکا دیا گیا ہو۔ تو میرے سینے پر چار چار آنسو بہا کیونکہ پسلیوں میں سوزش سرایت کر چکی ہے۔ اے آنکھ! چشمے اور مشک کے پانی کے طرح آنسو بہا ایسا پانی جسے ساقی صاف شیریں چشمے سے اٹھا کر پلاتا ہو۔''

المناک جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ اشعار ماتمی اسلوب کا حسین مرقع ہیں جن میں شاعر دل بے قرار کی تسکین وتسلی کے لیے آنکھوں کو آنسوؤں کی ندیاں بہانے اور مسلسل اشک ریزی کی تلقین کرتا ہے۔ سینے پر آنسو بہانا تا کہ سوزش جگر رفع ہو اور غمزدہ دل کے لیے باعث تسکین ہو لطیف پیرایہ بیان ہے' اسی طرح چشمے اور مشک کے صاف اور ستھرے پانی کے ساتھ آنسو بہانے کا ذکر بھی معنوی اعتبار سے انتہائی لطیف ہے۔ کیونکہ آنسوؤں کے یہ پاک اور صاف موتی اس ہستی پر نثار ہونے کے لیے ہیں جو خود طاہر وطیب ہے۔ مراثی میں متعدد ایسے اشعار ہیں جو شدت ہونے کے جذبات کے ائینہ دار ہیں جنہیں سن کر آدمی تڑپ اٹھتا ہے۔ مثلاً حضرت حسان کے درج ذیل اشعار:

كنت	السواد	لناظری
لعَمِيَ	عليک	الناظر
من شاء	بعدک	فليمُت
فَعلَيک	كُنتُ	أُحاذِرُ(۷۴)

''آپ ہی میری آنکھ کا نور تھے اب میری نگاہ آپ کو دیکھنے سے کور ہو گئی۔ آپ کے بعد جو چاہے مرے' مجھے تو صرف آپ ہی کے فراق کا اندیشہ تھا۔''

ایک دوسرے مرثیہ میں حضرت حسان اپنے جذبات کا اظہار ان اشعار میں کرتے ہیں:

۷۴۔ دیوان حسان بن ثابت ص: ۹۴

فظللت بعد وفاتہ متبلّدًا
مُتلدّدًا یَا لیتنی لم اُوَلدِ
أَ أُقِیمُ بعدک بالمدینۃِ بینھم
یا لیتَنِی صُبّحتُ سَمَّ الاَسْوَدِ (۷۵)

''آپ کی وفات کے بعد میں حیران و پریشان سرگرداں پھر رہا ہوں۔ اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ کیا میں آپ کے بعد مدینہ میں لوگوں کے درمیان رہ سکوں گا اے کاش! مجھے صبح ہی کالے ناگوں کا زہر پلا دیا جاتا۔''

سوز و گداز اور قلبی تاثرات کے اعتبار سے یہ اشعار بڑے بڑے مرثیوں پر فائق ہیں۔

متعدد شعراء نے اپنے مرثیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح و ثنا میں آپ کے اوصاف و شمائل کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس موضوع پر حضرت حسان کے درج ذیل اشعار حسن بیان و لطف اداء میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

کَشّافِ مَکْرُمۃٍ مطعامِ مَسْغَبۃٍ
وھّابِ عفیۃٍ وَجْنَاءَ شِمْلَالِ
عَفٍّ مَکَاسِبُہٗ جَنْزَلٍ مَوَاھِبُہٗ
خَیْرِ الْبَرِیَّۃ سَمْحٍ غَیْرِ نَکَالِ (۷۶)

''آپ واضح شرف و عزت والے! بھوکوں کو کھانا کھلانے والے' قیدیوں مجرموں کو بخشنے والے' ہلکے پھلکے جسم والے اور بڑے رخساروں والے تھے' آپ کی کمائی انتہائی پاکیزہ اور عطا کثیر تھی۔ آپ مخلوق میں سب سے بہترین اور فراخ دل تھے' بزدل اور کمزور نہ تھے۔''

وزن کے لحاظ سے یہ اشعار کس قدر ہلکے' سبک اور ڈھیلے ہوئے ہیں اور صفات کے ضمن میں کس قدر حسین

۷۵۔ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۴/۶۶۹ نیز الطبقات الکبری: ۲/۳۲۲

۷۶۔ الطبقات الکبری: ۲/۳۲۳

اور جامع الفاظ کا انتخاب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ روانی وسلاست نے ان اشعار کی قیمت کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔

ایک مرثیہ میں حضرت حسان نے آپ کی تدفین کا ذکر کس قدر خوبصورت انداز میں کیا ہے:

لقد غیّبوُا حِلُمًا و عِلُمًا و رحمةً

عشِیَّةَ غَلَّوهُ الثّرٰی لَا یُوَسَّدُ (۷۷)

''لوگوں نے حلم، علم اور رحمت کو اس رات غائب کردیا جب لوگ آپ پر مٹی کا ڈھیر ڈال رہے تھے جس میں کوئی فرش تک نہ بچھایا گیا تھا۔''

ممدوح کو سراپا صفت قرار دینے سے یہ شعر مدح میں انتہاء کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی واضح کر رہا ہے۔ کہ آپ کے اٹھ جانے کے بعد اب حلم، علم اور رحمت بھی اس دنیا سے اٹھ گئی۔ مدح وثناء رسول اور جذبات عقیدت ومحبت کے اظہار میں حضرت ابوبکر صدیق کا یہ شعر بڑے بڑے قصائد پر بھاری ہے۔

نفسی فداؤک من میتٍ و من بدنٍ

ماطُیَبَ الذکُرَ والاخُلاقَ وَالجسَدَاء (۷۸)

''میری جان آپ پر فدا ہو کیا خوبصورت میت تھی اور کیسا عمدہ بدن تھا۔ آپ کی یاد کتنی پاکیزہ، اخلاق کیسے اعلیٰ اور جسم اطہر کیسا حسین تھا۔''

حضرت ہند بنت الحارث نے درج ذیل شعر میں آمنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مامون'' کے لقب سے یاد کر کے لطافت شعری میں اضافہ کردیا ہے:

لَقَد اتتنی من الانباء مُعضِلةٌ

اِن ابُن اٰمِنَةً المأمُونَ قَدُ ذَهَبَا (۷۹)

۷۷۔ **السیرة النبویة لابن هشام**: ۲۶۷/۴

۷۸۔ الطبقات الکبریٰ: ۳۲۰/۲

۷۹۔ ایضاً: ۳۳۰

''ایک ناقابل برداشت خبر مجھے تک پہنچی ہے کہ امنہ کے بیٹے مامون (برکت والے) دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

مراثی رسول کی دینی اہمیت وقدر و قیمت:

مراثی رسول کا مطالعہ خالص دینی اعتبار سے درج ذیل افادیت کا حامل ہے:

1۔ مراثی کا اولین واساسی محرک عشق ومحبت رسول ہے۔ ان میں جو سوز و گداز، تڑپ اور جاذبیت ہے۔ وہ آپ سے والہانہ عقیدت ومحبت کا باعث ہے، صحابہ کے دل عشق ومحبت کے جذبات سے سرشار و لبریز تھے انہوں نے آپ کی جدائی کے غم کو محسوس کرتے ہوئے اپنے جذبات عقیدت ومحبت کا نذرانہ دلکش اور خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے جس سے سننے والوں پر ایک خاص تاثر قائم ہوتا ہے اور حب رسول کے جذبات کو تحریک وتقویت ملتی ہے جو بجائے خود ایک اعلیٰ مقصد اور ایمان کا لازمی اور بنیادی تقاضا ہے۔

2۔ مرثیوں کا جو اسلوب رجحان اہل عجم کے ہاں اور بالخصوص پاک و ہند میں پایا جاتا ہے اس میں حقیقت نگاری کا عنصر مفقود ہے۔

فرضی واقعات اور افسانوی طرز بیان کا کوئی نمونہ مراثی رسول میں دستیاب نہیں۔ ان میں کوئی ایسا مضمون نہیں جو واقعیت کے خلاف اور اصلیت کے منافی ہو اور جس کی اساس محض خیال اور مبالغہ پر ہو کیونکہ صحابہ کے فکر ونظر کی تربیت براہ راست اس ہستی کی طرف سے ہوئی تھی جس نے انہیں ہر قسم کے کذب ومبالغہ سے اجتناب اور صداقت و واقعیت اور حقائق کی اہمیت کا درس دیا۔ آپ ایسے اشعار سنتے بھی تھے اور کہلواتے بھی تھے جو حقائق پر مبنی اور کذب ومبالغہ سے پاک ہوں، جب کبھی کلام میں مبالغہ محسوس کرتے فوراً ٹوکتے اور اصلاح فرماتے کہ کہیں یہ مبالغہ فساد عقیدہ کا باعث نہ بن جائے جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے عرض کیا۔ ''ماشاء الله و شئت '' (جو اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا) تو آپ نے فرمایا: '' اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟'' (کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا۔'' اور فرمایا: '' قُل ما شاء الله وحدهٗ'' (صرف ماشاءاللہ کہا کرو۔) (۸۰)

۸۰۔ ابن سنی: عمل الیوم واللیلة: ٦٦١

ایک موقع پر حضرت انس بن زُنیم نے آپ کے سامنے یہ کہا: " اَ اَنتَ الَّذِی مھدِی مُعَدّاً الِدِیْنِھَا" (کیا آپ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے مُعد قبیلہ کو ہدایت عطا کی؟) تو آپ نے فرمایا: "بَلُ اللّٰہِ یھدِیَھا"۔ (بلکہ اللہ نے ہدایت دی) حضرت انس نے "بل اللہ یھدیھا و قال لک اَشھِد" (۸۱) (بلکہ اللہ نے انہیں ہدایت دی اور آپ سے فرمایا کہ گواہ رہیں) کہہ کر شعر مکمل کر دیا کیونکہ ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے نبی کو محض ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔

ہجرت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے موقع پر بچیوں نے جو استقبالیہ گیت گائے ان میں یہ شعر دینی نقطہ نظر سے قابل اعتراض تھا کیونکہ اس میں اللہ اور رسول کے درمیان حفظ مراتب کی رعایت ملحوظ نہ تھی۔ " و فینا نبیٌّ یعلم ما فی غدٍ" (ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔) تو آپ نے اس پر ٹوکا اور فرمایا: "جو پہلے کہتی تھیں وہی کہو۔" (۸۲)

حضرت کعب بن زہیر کے مشہور قصیدہ بانت سعادُ کے ایک شعر میں بھی آپ نے اصلاح فرمائی جب انہوں نے یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا۔

ان الرسولَ لنورٌ یُستضاءُ بہٖ
مُھنّدٌ مِنْ سُیُوفِ الھندِ مسلُولُ

"اللہ کے رسول ایسا نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ ہندی تلواروں میں سے بے نیام ہندی تلوار ہیں۔"

تو آپ نے "سیوف الہند" کی جگہ اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: " مُھَنَّدٌ من سیوف اللہ مسلولٌ (۸۳) کیونکہ پہلے شعر میں آپ کی بعثت کے عالمگیر ہونے کے بجائے محدود ہونے کا تصور سامنے آتا تھا۔ آپ کی تعلیمات و اصلاحات نے شاعری کے مروجہ اسالیب کو جو دروغ گوئی، کذب بیانی اور مبالغہ آرائی پر مشتمل تھا، تبدیل کر دیا اور اس کا رخ واقعاتی صداقت اور حقیقت نگاری کی طرف موڑ دیا۔

۸۱۔ المجموعۃ النہانیۃ ۱/۷۲

۸۲۔ بخاری: الجامع الصحیح: ۲/۵۲۰

اصحاب رسول کی یہ رثائیہ شاعری بھی الوہیت اور نبوت کی حدود کی معرفت اور حفظ مراتب کے ادراک و شعور پر مبنی ہونے کی بناء پر اس صنف کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

3۔ مذکورہ مراثی میں شعراء نے فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اضطرابی کیفیات و جذبات کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا ہے جس سے تکلف اور مبالغہ کا شبہ ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسالیب عربوں کے ہاں مروج تھے جنہیں شعراء نے غمزدہ دلوں کی تسکین وتشفی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار کے لیے اپنایا اس فرق کے ساتھ صحابہ نے حدود شریعت کو قائم رکھا اور مبالغہ کے ذریعے حقائق کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ یہاں ایک آدھ شعر بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوسفیان الحارث بن عبدالمطلب اپنے ایک مرثیہ میں حضرت فاطمۃ سے مخاطب ہوتے ہیں:

أفاطمَ اِنَ جزعتِ فذاک عذُر

و اِنْ لم تجزعِي ذاک السبيل (۸۴)

''اے فاطمہ! اگر آپ ماتم کرتی ہیں تو آپ معذور ہیں اور اگر ماتم نہ کریں تو یہی راہ حق ہے۔''

ایک طرف جذبات کا اظہار اور دوسری طرف احترام شریعت کا پاس' مذکورہ شعر اس توازن کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ فطری جذبات اور قلبی تاثرات کے پہلو بہ پہلو احترام شریعت کا لحاظ' رضاء بالقضاء' صبر وتعزیت اور تقدیر پر ایمان جیسے مضامین کی شمولیت ان مراثی کا طرہ امتیاز ہیں جن کی مثالیں مراثی کی ضمن میں گزر چکی ہیں۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ شعراء رسول کی نظر میں ان کی شاعری مقصدیت اور معنویت کے اعتبار سے بھی مختلف نوعیت کی تھی' ان کی تمام تر فکر و کاش کا حقیقی مقصد ومحرک ذاتی تشہیر یا خودنمائی کا جذبہ نہیں بلکہ تقرب نبوی اور رضاء حق تھا جس کی طرف حضرت حسان نے اپنے ایک مرثیہ میں اشارہ کیا ہے:

۸۳۔ السیرۃ النبویۃ: ۵۱۲/۴

۸۴۔ الروض الانف: ۵۹۳/۷' البدایۃ والنھایۃ: ۲۸۲/۵

و ليس هواى نازعًا عن ثنائِهٖ
لعلّی بهٖ فی الجنَّةِ الخُلْدِ اَخلَدُ
معَ المصطفٰی اَرْجُوا بِذَاکَ جَوارَهٗ
وَ فِی نَیْلِ ذَاکَ الْیومَ اسْعٰی وَاَجْهَدُ (۸۵)

''آپ کی مدح وثنا میں میری خواہش نفس معارض نہیں ہوسکتی۔ مجھے امید ہے کہ میں اس مدح وثنا کے ذریعے جنت الخلد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤں گا اور اس کی وجہ سے میں محمد مصطفٰی کے جوار میں ان کے ساتھ رہنے کی امید رکھتا ہوں۔ اور یہی مقصود حاصل کرنے کے لیے میں یہ سعی وکوشش کر رہا ہوں۔''

4۔ مراثی رسول پر مشتمل یہ شاعری صرف جذباتی مضامین ہی پر مشتمل نہیں اور نہ ہی فقط جذباتی تسکین کا ذریعہ ہے بلکہ یہ متنوع موضوعات کا احاطہ کرتی ہے، بالخصوص حضرت حسان کے مرثیے خالص اسلامی تعلیمات کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں جن سے مقام نبوت اور تعلیمات نبوی کا صحیح نقشہ سامنے آتا ہے اور شخصیت رسول کے متنوع پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر زکی مبارک حضرت حسان کے مرثیوں پر اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں:

" ویظهر الروح الدینی فی مدائح حسان لمن یقرومراثیه للرسول و هی مراثٍ مصبوغةٍ بالصّبغة الدینیةِ یتکلَّم فیها الشَّاعِرِ عَنِ المنبرَ وَالمُصلّٰی وَالْمسْجِدِ وَالوَحْیِ (۸٦)

''حضرت حسان کے مرثیے پڑھنے والوں کو ان کی مدحیہ شاعری میں دینی روح نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ مرثیے دینی رنگ میں رنگے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر منبر اور مصلّٰی پر مقیم ہے اور مسجد میں کھڑا سامعین سے مخاطب ہے اور وحی الٰہی کی ترجمانی کر رہا ہے۔''

اور ایک مرثیہ پر ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ کرتے ہیں:

۸۵۔ السیرة النبویه لابن هشام: ۲/۶۶۹

۸٦۔ ذکی مبارک: " المدائح النبویة ص ۳٦

" فبكاء الرسول فى هٰذهِ المرثية ليس الا ثناءً عليه و علٰى دينهِ القديم ' و ليس من الرّثَاءِ المألوفِ الَّذِىْ يقع من الشاعر حين يفجع فى رئيس او صديقٍ(۸۷)

''آپ نے اس مرثیے میں رسول ﷺ کی وفات پر جو ماتم کیا ہے تو وہ دراصل آنحضرت ﷺ کی مدح وثنا اور آپ کے لائے ہوئے دین قدیم کی تعریف وتوصیف پر مشتمل ہے اس مرثیہ کے رنگ اس معروف اسلوب سے مختلف ہے جو عام رؤساء اور دوست احباب کے مرثیوں میں پایا جاتا ہے۔''

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ مرثیے ہمیں شاعری کے مقصدی پہلو سے آشنا کرتے ہیں کہ شعرو شاعری چاہے کسی بھی صنف سخن سے متعلق ہو لیکن اس کا مقصد تقرب الٰہی اور محاسن دین کی نشرواشاعت ہونا چاہیے جو کہ صحابہ کرام کا حقیقت منشاء ومقصود تھا۔

............☆............

۸۷۔ ایضاً ص:۴۰

تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

* ڈاکٹر محمود الحسن عارف

براعظم پاک و ہند کو یہ اعزاز اور یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے شہروں اور قصبوں میں سیرت طیبہ پر جتنا کام ہوا ہے، وہ عربی زبان کو مستثنیٰ کرتے ہوئے، دنیا کی کسی اور زبان یا خطے میں نہیں ہوا...... یہاں کا کچھ کام تو منظر عام پر آ چکا ہے مگر بہت سا کام ابھی مختلف ''کتاب خانوں'' اور لائبریریوں میں مخفی پڑا ہے، اس میں بہت سا کام ایسا ہے جو بین الاقوامی نوعیت کا ہے، لیکن یہ کام ابھی تک کسی محقق کی نظر عنایت کا منتظر ہے۔

مجھے ذاتی طور پر براعظم پاک و ہند کی جن عظیم شخصیت پر کام کرنے کا موقع ملا، وہ متاخر مغلیہ دور کی عظیم ترین علمی شخصیت ہیں، میری مراد قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی سے ہے، قاضی صاحب نے چالیس کے قریب چھوٹی بڑی کتب مرتب اور مدون فرمائیں۔ جن میں سیرت طیبہ کے پاکیزہ عنوان پر، تین رسائل بھی شامل ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

1۔ شمائل واخلاق نبوی: یہ رسالہ راقم الحروف کے ترجمہ اور تعلیقات کے ساتھ نفیس اکیڈمی لاہور نے ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں شائع کر دیا ہے۔

2۔ رسالہ در نسب اطہر و ازواج مبارکۃ واولاد عالی گوہر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم: یہ نسخہ دھلی میں کتاب خانہ مولانا ابوالحسن میں محفوظ ہے۔

3۔ تقدیس والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: سیرت طیبہ سے تعلق رکھنے والے اس اہم رسالے پر اس مقالے میں گفتگو ہوگی۔

اس سے پہلے کہ ہم رسالے پر گفتگو کریں، مناسب ہوگا کہ اس کے فاضل مؤلف کے حالات اور رسالے کے موضوع پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

---

* صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

1۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۱۲ھ/۱۸۱۰ء)...... اپنے زمانے میں سب سے زیادہ علمی شان اور فکری آب و تاب رکھنے والے عالم دین، مجتہد، صوفی اور مفسر قرآن ہیں، انہوں نے اپنے دور کی دو عظیم شخصیات امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور قطب دوراں مرزا مظہر جانجانان (۱۱۶۵ھ/۱۷۸۲ء) سے اکتساب فیض کیا...... وہ ایک طرف **علوم ظاہرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، تو** دوسری طرف **علم** طریقت و تصوف میں بھی مرجع عوام **وخواص تھے۔**

قاضی صاحب کی شخصیت کو جن **باتوں** میں **قدرت** نے دوسروں سے **ممتاز کیا تھا،** ان میں ان کی ذات میں اعتدال و توازن کی **موجودگی،** علوم شریعت اور علوم طریقت میں یکجائی نمایاں ہے...... اسی لیے انہیں اور ان کی تفسیر مظہری کو خاص عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

قاضی صاحب کو اپنے دونوں بزرگوں (شاہ ولی اللہ محدث اور مرزا مظہر جانجانان شہید) کی طرف سے خاندان نبوی کی محبت وراثت میں ملی تھی، یہ اسی کا اثر تھا، کہ قاضی صاحب نے اپنی اس محبت کا کھلے لفظوں میں اظہار فرمایا ہے، اس فہرست میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول (اجداد) اور فروع (اولاد) **دونوں** شامل ہیں۔

آنحضور **صلی** اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت کا ہی یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ حضرت **حسنؓ اور** حضرت حسینؓ سے اپنی ''عقیدت و محبت'' کا واضح ترین الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اور ان کے **مخالفین پر** کچھ تنقید کی دوسری طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے **دوسرے بزرگوں** سے نہ صرف یہ کہ خصوصی محبت و عقیدت کا اظہار فرمایا ہے، بلکہ ان کے ایمان کو ثابت کر کے، **ان کے نجات یافتہ** ہونے کے نظریے کی وکالت کی ہے۔

قاضی صاحب نے خاندان نبوی میں سے اپنی عقیدت کا اظہار جن مستقل رسائل و تصانیف میں کیا ہے **ان میں سے ایک** ''تقدیس والدی المصطفیٰ ﷺ'' بھی ہے جو ہمارے اس مقالے کا موضوع ہے۔ **اپنی اس تصنیف اور** اس کے بلند پایہ موضوع کا تذکرہ انہوں نے اپنی عظیم تفسیر ''تفسیر مظہری'' میں دو مقامات پر فرمایا ہے۔ وہ سورۃ البقرہ (آیت ۱۱۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿و قد صنف الشيخ الاجل جلال الدين السيوطی رضی الله عنه فی اثبات اسلام آباء النبی صلی الله علیه وسلم رسائل و اخذت من تلک الرسائل رسالة فذکرت فیها مما یثبت اسلامهم و یفید اجوبة شافیة ما یدل علی خلافه﴾(۱)

''اور شیخ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے اثبات پر کئی رسالے لکھے ہیں میں نے ان کے رسائل میں انتخاب کر کے ایک رسالہ لکھا ہے جن میں سے ان دلائل کا ذکر کیا ہے' جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام ثابت ہوتا ہے اور اس میں اس کے خلاف پیش کئے جانے والے اعتراضات کے شافی جوابات کا ذکر کیا ہے۔''

اسی طرح سورۃ توبہ (آیت ۱۱۳) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے' اپنی اس کتاب کا مکرر حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے:

﴿ وقد صنف الاجل جلال الدین السیوطی رضی الله عنه رسائل فی اثبات ایمان ابوی رسول الله صلی الله علیه وسلم و جمیع آبائه و امهاته الی آدم علیه السلام و خلصت منها رسالة سمیتها تقدیس آباءِ ہ النبی صلی الله علیه وسلم فمن شاء فلیرجع الیه﴾ (۲)

''اور شیخ اجل علامہ جلال الدین السیوطی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام اجداد اور تمام جدات کے ایمان کو ثابت کرنے کے لیے کئی رسائل تصنیف فرمائے اور میں نے اس میں سے ایک رسالہ تلخیص کر کے لکھا ہے' جس کا نام ''تقدیس آبائ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ جو شخص چاہے اس کی طرف مراجعت کرے''۔

۱۔ التفسیر الظهری. ۱۰/۱۲۱

۲۔ التفسیر الظهری:۳/۳۰۷.۳۰۸

اس مقالے کی فوٹو کاپی مجھے محترم ابوحفص (کوئٹہ) کی مہربانی سے دستیاب ہوئی ہے۔ ابتدأ میرا خیال تھا کہ یہ نسخہ کافی ضخیم ہوگا اور اس میں اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہوگا لیکن قاضی صاحب کا یہ رسالہ خلاف معمول مختصر نکلا ہے قاضی صاحب طویل نویس مصنف ہیں مگر یہ رسالہ چند صفحات پر مشتمل ہے اس میں آپ کا انداز بیان سے حد ایجاز و اختصار لئے ہوئے ہے۔

2۔ موضوعی پس منظر:

اس سے قبل کہ اس رسالے کے مضامین اور محتویات پر ایک نظر ڈالی جائے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے موضوع پر مختصر سی گفتگو کر لی جائے۔

شاعر نے کہا ہے:

نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا. ایمان ہو نہیں سکتا

یوں تو اسلامی تعلیمات کا دامن ''آفاق گیر ہے اور زمان و مکان کی کوئی قید اور بندش اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی' لیکن اسلام کی ان اعلی وارفع تعلیمات کی اساس جن بین الاقوامی اور آفاقی اصولوں پر استوار ہے' ان میں ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت و وابستگی اور آپ کی اطاعت وفرمان برداری کا اصول بھی ہے' قرآن حکیم نے ہر جگہ اس نکتے پر زور دیا ہے' اور اس کو' ایمان' کی بنیاد کہا ہے: مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿و ما کان لمومن و لا مو منةٍ اذا قصی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً﴾(۳)

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں' تو ان کے لیے اس میں کچھ اختیار باقی رہے' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہ ہوگا۔''

الاحزاب: ۳۳؍۳۶

ایک اور مقام پر حب نبوی کو جزو ایمان" قرار دیا گیا' ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَ اَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ' وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ...... (۴)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، عورتیں، خاندان کے لوگ' وہ مال جو اگاتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو' اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں' تو انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔"

پیغمبر کی ذات سے اس درجہ محبت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امت کے سامنے' اتباع و اطاعت کا نمونہ کامل ہیں' لہٰذا جس درجے کی ان سے محبت و الفت ہو گی اس درجے میں آپ کی ذات سے عملی اور روحانی فیضان میں اضافہ ہو گا۔

قرآن حکیم نے اسی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا تذکرہ ایسے الفاظ سے فرمایا ہے جو ادب امیز ہونے کے ساتھ ساتھ الفت خیز بھی ہیں...... انہیں تمام لوگوں کے لیے راحت و رحمت کا سرچشمہ اور روف و رحیم کہا گیا ہے۔(۵)

آپؐ پر لوگوں کا مشقت میں پڑنا بڑا گراں ہے۔(۶) آپؐ لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں مسلسل گھلتے رہتے تھے' جس کی بنا پر قرآن حکیم کو بار بار آپؐ کو محبت آمیز پیرائے میں سرزنش کرنا پڑی۔(۷)

آپ کی ذات ان تمام اخلاق حسنہ و عالیہ کا مجموعہ ہے' جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔(۸)

۴۔ التوبہ: ۹/۲۴

۵۔ التوبہ: ۹،۱۲/۲۳۱

۶۔ ایضا

۷۔ الکھف: ۱۸/۶

آپ کی ذات خلق عظیم عالیہ کی حامل ہونے کے باعث اسوۂ حسنہ (عمل کا قابل تقلید نمونہ) ہے(۹)

قرآن حکیم نے آپ ﷺ کی ذات اقدس سے امت کے رشتہ محبت ومودت کو مزید مضبوط اور پختہ کرنے کے لیے آپ ﷺ کے نفس زکیہ کے ساتھ عام انسانوں کے وہ تمام رشتے بھی قائم کر دیے ہیں جن سے باہمی الفت ومحبت میں قابل رشک اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کی ذات امت پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتی ہے۔(۱۰) اور آپ کی ازواج طیبات وطاہرات نہ صرف یہ کہ امت کی مائیں ہیں۔(۱۱) (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی والد) بلکہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے نکاح بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔(۱۲)

جہاں تک بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا تعلق ہے جو محبت وعظمت کا لازمی تقاضا ہوتے ہیں، قرآن حکیم نے ان سے بھی امت کو خبردار کیا ہے۔ چنانچہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات (یا اپنی رائے وغیرہ) کو کبھی مقدم نہ کریں (۱۳) آپ ﷺ کی ذات اقدس کو عام لوگوں کی طرح نہ بلائیں (۱۴) آپ ﷺ کے روبرو ادب، نرمی اور آہستگی سے زبان کھولیں۔(۱۵) اور آپ ﷺ کے بلانے کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھیں۔ ان آداب کی خلاف ورزی انسانی اعمال کی بربادی اور ان کے اکارت ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔(۱۶)

قرآن حکیم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس سے ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے قریبی

۸۔ القلم: ۶۸/۴

۹۔ الاحزاب: ۳۳/۲۱

۱۰۔ الاحزاب: ۳۳/۶

۱۱۔ الاحزاب: ۳۳/۶

۱۲۔ الاحزاب: ۳۳/۵۲

۱۳۔ الحجرات: ۴۹/۱

۱۴۔ ایضاً: ۴۹/۲

۱۵۔ الحجرات: ۴۹/۲، ۳

۱۶۔ الحجرات: ۴۹/۲

عزیزوں سے بھی محبت والفت رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ قل لّا اَسْئَلُکُمْ علَیْہِ اَجْرًا اِلّا الْمَوَدّۃَ فِی الْقُربیٰ ﴾ (۱۷)

''کہہ دو کہ میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت تو چاہیے۔''

نامور صحابی اور حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد تابعین نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں '' مودۃ فی القربیٰ'' سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں سے محبت واخوت ہے' چنانچہ ابن ابی حاتم الطبری اور ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ (۱۸) اس کے علاوہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

﴿اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ﴾. (۱۹)

''میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔''

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ احادیث طیبہ میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ سے محبت ومودت رکھنے کا درس دیا گیا ہے' مثال کے طور پر ایک حدیث مبارکہ میں ہے۔:

﴿ لا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴾ (۲۰)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک میری ذات اس کے نزدیک اس کے باپ' اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔''

امام بخاری نے حُبُّ الرَّسُوْلِ مِنَ الایمان'' پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں اسی نکتے پر زور دیا گیا ہے۔

۱۷۔ الشوریٰ (۴۲، ۲۳)

۱۸۔ التفسیر المظھری: ۸/۷ ۳۱

۱۹۔ ایضا ۸ ۳۲۰

۲۰۔ البخاری کتاب الایمان باب :۸

ایک اور روایت میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ ثلاث من کن فیه وجد هن حلاوة الایمان من کان الله و رسوله احب الیه مما سواهما و من احب عبداً لا یحبه الاالله و من یکره ان یعود فی الکفر بعدان انقذه الله منه کما یکره ان یلقی فی النار﴾(۲۱)

''جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں اور وہ ایمان کی حلاوت پالے گا جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول باقی سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جائے اور جو شخص کسی بندے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے' اور جو شخص کفر سے نجات پانے کے بعد اس کی طرف لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے' جس طرح کا وہ جہنم میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''

قرآن حکیم اور احادیث طیبہ کے ان پیہم بیانات اور صاف وصریح ارشادات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسیہ ''ایمان'' کا محور ہیں اور آپ کی ذات اقدس سے گہری محبت وعقیدت کے بغیر دین اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

پھر عموماً کسی ''فرد'' سے محبت تنہا نہیں کی جاتی' بلکہ محبت کا دائرہ عموماً اس کے خاندان قبیلے اور متعلقین اور متوسلین تک وسیع ہوتا ہے اور محبت کرنے والا ہر اس نقش پا سے محبت کرتے ہوئے خود کو مجبور پاتا ہے جو ''دیار یار'' تک پہنچنے والے اپنے .... پیچھے چھوڑ دیتے ہیں...... پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا بھی یہی حال اور یہی معاملہ ہے۔

خود قرآن حکیم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ.......... **والذین معه** (وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں) کا تذکرہ بھی اسی محبت بھری دنیا کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر تمہاری محبت محمد ﷺ کے ساتھ سچی اور بے لوث ہے تو تمہارے دلوں میں ان لوگوں کی بھی محبت پیدا ہو جائے گی جو ماہتاب نبوت کے آس پاس حلقہ بنا کر کھڑے ہیں۔

۲۱۔ البخاری کتاب الایمان باب:۸

۲۔آنحضور کے خاندان کی محبت:

رہے وہ لوگ جنہیں خاندان نبوی ہونے کا مقام ورتبہ حاصل ہے تو وہ مسلمانوں کی ساری محبتوں اورعقیدتوں کا مرجع ومرکز ہیں...... چنانچہ مفسرین نے قران حکیم کی آیت مبارکہ:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ...... ﴾ (۲۲)

''یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی ہے''۔

کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اس موقع پر نازل ہوئی' جب منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ کر پھیلا دی تھیں جو بے اصل اور بے سود تھیں (۲۳) اس کے علاوہ سورۃ النور میں...... واقعہ افک کا رد جس طرح کے سخت ترین الفاظ اور کلمات میں فرمایا گیا' اس سے بھی اس خیال اور قیاس کو تائید پہنچتی ہے کہ رحمت دوعالم ﷺ کے عزیز واقارب بھی' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ''محبت'' کے زمرے میں داخل ہیں' اس لیے.......... اس بحث کا اختتام۔

﴿ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات ﴾ (۲۴)

''نیک عورتیں نیک مردوں کے لیے اور نیک مرد نیک عورتوں کے لیے ہیں۔''

پر ہوا ہے' جس میں خاندان نبوت کی خواتین کے بارے میں محتاط رہنے کا مضمون بڑی عمدگی کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

الغرض قرآن حکیم' احادیث طیبہ اور آئمہ اسلام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مسلمانوں کے لیے ایک شاہی خاندان(Royal famely) کی حیثیت رکھتا ہے' جن سے محبت وعقیدت ان کے ایمان کا حصہ اور جزو ہے۔

اس فہرست میں آپ کے خاندان کے وہ لوگ تو بلا اختلاف شامل ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

۲۲۔ الاحزاب ۳۳/۵۷

۲۳۔ تفسیر مظہری: ۳۱۰

۲۴۔ النور

پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کے مرتبہ نبوت و رسالت کو پہچانا...... جیسے حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، اور آپ کے خاندان کے دوسرے نفوس قدسیہ ہیں۔

رہے وہ بزرگ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ علماء نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول: ان بزرگوں پر مشتمل ہے، جن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ جیسے...... ابولہب اور (اکثر روایات کی رو سے) جناب ابو طالب وغیرہ ان لوگوں کے بارے میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لوگ دعوت اسلام کو رد کرنے کے باعث **مستحق عذاب** وعتاب ہیں...... البتہ...... ان کا خصوصاً جناب ابوطالب کا تذکرہ...... ادب واحترام کا **متقاضی** ہے۔

دوسری قسم: ان لوگوں اور ایسے بزرگوں پر مشتمل ہے، جنہوں نے **بعثت نبوی** سے **قبل** انتقال فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی بزرگوں کا حکم مختلف فیہ ہے...... اور یہ مسئلہ زیر بحث کتاب کا موضوع ہے۔

۳۔ آنحضور ﷺ کے والدین سعیدین:

بزرگوں کی اس فہرست میں سرفہرست آنحضور **صلی اللہ علیہ وسلم** کے قدسی الصفات والدین جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ ہیں...... یہ دونوں بزرگوار نبی اکرم **صلی اللہ علیہ وسلم** کی دنیا میں تشریف آوری کا ظاہری سبب اور وسیلہ تھے...... اور کھربوں انسانوں پر مشتمل اس دنیا میں وہی دونوں اس ''سعادت عظمیٰ'' کے حق دار اور سزاوار قرار پائے...... یہ مرتبہ بلند اور یہ شرف عظیم...... خدائے بخشندہ کی بخشش اور عطا کے بغیر ناممکن ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت کے موقع جناب عبداللہ کی موجودگی **مختلف فیہ** ہے۔ اکثر روایات کی رو سے انہوں نے اس وقت انتقال فرمایا، جب آپ ابھی شکم مادر میں تھے۔

جبکہ آپ ﷺ کی والدہ سعیدہ نے آپ ﷺ کی 6 برس یا 8 برس تک تربیت اور پرورش فرمائی اور اس وقت دنیا سے پردہ فرمایا، جب آپ ﷺ نے اپنی زبان سے بولنا اور اپنے قدموں سے چلنا سیکھ لیا تھا۔

۴۔آنحضور ﷺ کے والدین کے بارے میں......تین مسالک کی تشریح:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جسمانی رشتہ بھی تھا اور پھر یہ بزرگوار اسلام سے قبل اس کے قریبی دور میں گزرے ہیں اس لیے ان کی نجات وعدم نجات کے متعلق بحیثیت عمومی درج ذیل مسالک سامنے آئے ہیں:

ا۔خاموشی (سکوت):

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفات والدین کے ساتھ چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت قریبی رشتہ ہے۔ اور پھر ان کا انتقال ایک ایسے دور (دور فترت) میں ہوا' جب لوگ اسلام کی روشنی سے محروم تھے' اس لیے ان کے بارے میں جمہور امت نے (جس میں ائمہ اربعہ کے علاوہ بڑے بڑے اکابرین امت شامل ہیں) سکوت (خاموشی) کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ مسلک ہی سب سے زیادہ بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ (نجات وعدم نجات) چونکہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہاں فیصلوں کا کامل اختیار مالک یوم الدین (جزا سزا والے دن کے مالک) کو حاصل ہے اور وہ اس بارے میں کسی قسم کی مداخلت گوارہ نہیں فرمائے گا۔ اس لیے اس بارے میں سکوت ہی میں عافیت ہے۔ پھر نجات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے متعلق قطعیت کے ساتھ دعویٰ کرنا بے اصل اور بے سند ہی ہوسکتا ہے اس لیے کہ اس کی اساس اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم پر ہے۔ لہٰذا کسی شخص کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ اس کے نجات یافتہ ہونے یا معتوب ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اسلام کی دینی تعلیمات کی رو سے کسی فرد یا خاندان یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کے متعلق دعویٰ کرے کہ وہ کامیاب ہوگیا ہے بلکہ وہ اپنے اعمال کی بنا پر بارگاہ خداوندی میں معذو اور ماخوذ ہونے کا والا ہے۔

علاوہ ازیں ان بزرگوں کے خاندان نبوت میں سے ہونے کا بھی یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان کو بند رکھے۔

پھر آنحضور ﷺ کے قدسی صفات والدین کے عمومی رویے اور ان کے اخلاق عالیہ کے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان کے مطالعے سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگوار نیک اور صالح الفطرت تھے

کہ اگر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی تو وہ یقیناً اس دعوت کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتے بلکہ اس کے سچے داعی اور مخلص ترین مبلغ بھی قرار پاتے' لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت کا اقتضا یہ ہوا کہ آپ کو بچپن ہی میں ان کے سائے سے محروم کر دیا گیا اور آپ ﷺ دور طفولیت ہی میں یتیم کر دیئے گئے۔

اسلام کی عمومی تعلیمات اور قرآن کریم کے حکیمانہ فلسفے کے ذریعے اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کے ساتھ مکمل طور پر عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

عدل کے ترازو پر نہ صرف یہ کہ ان کے اعمال کو تولا جائے گا۔ بلکہ اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ انہیں اسلام کی روشنی کس حد تک پہنچی تھی۔ اس طرح وہ لوگ جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے اللہ تعالیٰ کے ہاں نرمی اور رعایت کے مستحق قرار پائیں گے۔

لیکن چونکہ اسلام کے ''دور متوسط'' میں وہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ...... جن پر خاموشی اور سکوت بحث وتمحیص سے بہتر تھا ان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے نجات وعدم نجات کا مسئلہ بھی شامل تھا...... جس پر زیر بحث رسالہ مشتمل ہے۔ لہٰذا اس بارے میں سکوت پر امت متفق نہ ہو سکی اور دوسرے مسالک بھی معرض وجود میں آ گئے۔

۲۔ معتوب ہونے کا مسلک:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) دور جاہلیت کے دوسرے لوگوں کی طرح بارگاہ خداوندی میں ماخوذ اور معتوب ہوں گے۔

یہ غلط فہمی یا یہ نظریہ چند روایات وآثار کی بنا پر پیدا ہوا...... اور غالباً یہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران میں پیدا ہونے والے فروعی مباحث کی پیداوار ہے' ایسی ہی روایات جو اس نظریے کے لیے تقویت کا باعث ہیں...... قاضی صاحب کے رسالہ کا خصوصی موضوع ہیں...... اور قاضی صاحب نے ان پر مفصل اور اجمالی طور پر گفتگو اور بحث کی ہے۔ پھر اگر ان روایات کا جائزہ لیا جائے' تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصہ تو وہ ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی...... اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا مغفرت کی اجازت مانگی...... مگر اجازت نہ ملی...... یہ

روایات اگرچہ صحیح مسلم میں مروی ہیں' لیکن اس لیے محل نظر ہیں کہ ان میں قبر کا جو موقع محل بیان ہوا ہے' وہ غلط ہے آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر مدینہ منورہ سے چند گز کے فاصلے پر واقع مقام ابواء میں ہے' نہ کہ مکہ مکرمہ میں اس لیے ہمارے خیال میں ...... یہ راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے...... ممکن ہے کہ آپ نے جنت المعلٰی (مکہ مکرمہ) میں اپنے کسی دوسرے مشرک عزیز کی قبر پر حاضری دی ہو' اور راوی نے اسے آپ ﷺ کی والدہ کی قبر سمجھ لیا...... اس پر مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں نظر آئے گی۔

اس سلسلے میں دوسری قسم روایات کے اس سلسلے کی ہے جن میں مذکور ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کے ساتھ گفتگو کے دوران یہ فرمایا: میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے'' ایسی روایتوں کے متعلق قاضی صاحب اور بعض دوسرے محدثین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مبارکہ محض ''توریہ'' کے طریقے پر تھا...... اس روایت پر بھی مفصل بحث آپ کو متن کتاب میں ملے گی۔ (۲۵)

جن محدثین اور مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے' ان میں دو بزرگ خصوصاً قابل ذکر ہیں:

علامہ ابوبکر بیہقی نے اپنی کتاب الحلیہ میں اس بیان پر چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

﴿و كيف لا يكون ابواه وجده عليه الصلواة والسلام لهٰذه الصفة في الاخرة و قد كانوا يعبدون الوثنیٰ حتٰى ماتوا ولم يدينو دين عيسى بن مريم عليه السلام و كفر هم لا يقدح في نسبه ...... عليه الصلوٰة والسلام لان أنكحة الكفار صحيحة﴾ (۲۶)

''اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے جد امجد کا یہ حال کیوں نہ ہو' جبکہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی پوجا کرتے رہے' اور انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا دین بھی اختیار نہیں فرمایا۔ تاہم ان کے کفر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر حرف نہیں آتا' اس لیے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں۔''

اس عبارت میں امام ابوبکر البیہقی نے اس رائے کے حق میں جن دو دلائل کا ذکر فرمایا ہے:

۲۵۔ السمعیعی الروض الانف: ۱۸۶/۲

۲۶۔ السمعیعی الروض الانف ۲: ۱۸۶ بحوال البهقی ۱/۷

اہل بصیرت بخوبی جانتے ہیں ان کی دونوں باتیں کمزور ہیں' اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی بت پرستی کسی مستند دلیل سے ثابت نہیں اور محض کسی معاشرے کے بگاڑ سے ان کی بت پرستی پر استدلال درست نہیں اس لیے کہ اسی معاشرے میں حنفاء کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی جو شرک و بدعات سے متنفر تھی......ان حالات میں استصحاب کو ان کے ''شرک'' کی دلیل نہیں بنایا جا سکا۔

رہا ان کا یہ کہنا' کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تو یہ اعتراض بادی النظر میں کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے لیکن امام بیہقی جیسا شخص بھی اس کی کمزوری کو نہیں بھانپ سکا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ......نص قرآنی کے مطابق صرف خاندان بنی اسرائیل تک محدود تھا، سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ و اذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرآئیل انی رسول اللہ الیکم ﴾ (۲۷)

''اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا: ''اے اولاد یعقوب' یقیناً میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔''

اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر امام بیہقی کا یہ اعتراض برائے اعتراض کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری جلیل القدر شخصیت جس نے اس موقف کا اثبات کیا ہے علامہ ابن کثیر کی ہے وہ اپنی کتاب البدایہ والنہایۃ میں ان مقدس بزرگوں کا تذکرہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

''و اخبارہ عن ابویہ وجدہ عبد المطلب بانہم من اہل النار لا ینافی الحدیث الواردۃ عنہ من طرق متعددۃ .. ان اہل الفترۃ والاطفال المجانین والصم یمتحنون فی العرصات یوم القیامۃ.....کما بسطناہ...... فی تفسیرنا...... عند تفسیر قولہ تعالیٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا فیکون منہم من یجیب ومنہم من لا یجیب فیکون ہولاء من جملۃ من لا یجب فلا منافاۃ وللہ الحمد والمنۃ (۲۸)

۲۷۔ الصف ۶۱

۲۸۔ البدایہ والنہایہ ۲۰ ۲۸۱

''اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور اپنے جد امجد جناب عبدالمطلب کے بارے میں یہ خبر دینا کہ وہ دوزخی ہیں، اس حدیث کے منافی نہیں ہے، جو کئی طریقوں سے مروی ہے، اور جس میں مذکور ہے، کہ قیامت کے دن زمانہ فترت کے لوگوں، بچوں، دیوانوں، اور بہروں کا امتحان لیا جائے گا جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں ارشاد باری تعالیٰ ﴿ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ﴾ کی تفسیر کے تحت پوری تفصیل سے اس کی سند اور متن پر بحث کر آئے ہیں، پھر ان میں سے کچھ لوگ مثبت جواب دینگے اور کچھ جواب نہیں دیں گے اور یہ لوگ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد) ان میں شامل ہونگے۔ جو جواب نہیں دینگے، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔''

اس عبارت میں علامہ ابن کثیر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں مختلف روایات کے مابین، جمع و تطبیق'' کا طریقہ اپناتے ہوئے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اپنے خیال میں ''دوطرح کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔'' لیکن افسوس کہ انہوں نے شک کا فائدہ ''ملزمان'' کو دینے کے بجائے ''مدعین'' کو پہنچایا ہے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ شک کا فائدہ ''ملزمان'' ہی کو دیا جاتا ہے۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے روز محشر کو اہل فترت سے امتحان لینے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے سے ابوجہل عتبیہ ابوشیبہ کے بزرگوں کو فائدہ پہنچے گا تو ھادی امم سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس رعایت اور سہولت سے کیوں محروم رہیں گے کہ ان پاکیزہ خصلت اور نیک صفات لوگوں سے، جن کے بارے میں سیرت و تاریخ کی کتابوں میں...... نافرمانی اور شرک کا ایک واقعہ بھی روایت نہیں کیا گیا وہ کونسی خطا ہوئی ہے جس کی بنا پر یہ بزرگ اس رعایت اور اس امتحان سے محروم رکھے جائیں گے...... اور ان کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ہونا اور ان کا بیٹا کی مقدس ترین ہستی کی تربیت اور پرورش کرنا بھی ان کے کام نہ آئے گا۔

الغرض علامہ ابن کثیر کی جلالت قدر اور بلند مرتبے کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس جگہ انہوں نے

نہ انصاف سے کام لیا اور نہ ہی خاندان نبوت کے مقام و رتبے کو پیش نظر رکھا۔

تاریخ اسلام میں...... ایک اور شخصیت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عدم نجات کا عقیدہ رکھنے کی بنا پر معروف ہے یہ نامور اور بزرگ شخصیت ملا علی قاری کی ہے جنہوں نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بڑی شد و مد کے ساتھ اپنا یہ موقف و نظریہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین (العیاذ باللہ) مبتلائے عذاب ہوں گے۔ (۲۸۔الف)

۳۔ تیسرا مسلک آنحضور ﷺ کے والدین اور بزرگوں کے نجات یافتہ ہونے کا نظریہ:

اس سلسلے میں تیسرا اور اہم ترین مسلک جو مذکورہ بالا مسلک (دوم) کے ردعمل کے طور پر پیدا ہوا۔ یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بزرگ اور آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔

اس مسلک کا کھل کر اظہار سب سے پہلے تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی میں، اس وقت ہوا جب لوگوں نے یونانی علوم و فنون کے تحت نت نئے مباحث و مسائل اٹھائے اور انہیں موضوع سخن بنایا...... اور اس ضمن میں...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سعیدین کی ''ذات قدسیہ'' کی ''عدم نجات'' کا موقف ببانگ دھل دھرایا جانے لگا ردعمل کے طور پر بہت سے قدماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''والدین'' کے نجات یافتہ'' ہونے کے موقف کی ترجمانی کی۔ یہ مسلک جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا مسلک ہے۔ جیسا کہ علامہ الالوسی صاحب روح المعانی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۲۸ب)

اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے علماء کرام نے کئی عنوانات یا مسالک اختیار فرمائے، انہی مسالک و موقف کو علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں جمع کیا ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی کے مطابق...... اس بارے میں علماء نے حسب ذیل مسالک اپنائے ہیں:

الف۔ زمانہ فترت میں ہونا۔

اس سلسلے میں بہت سے علماء نے اس حکم کو، ان بزرگوں کے زمانہ فترت (انقطاع نبوت) میں

۲۸الف دیکھئے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ آلوسی محمود روح المعانی: ۸۱۹

۲۸ب۔ روح المعانی ۱۲۸/۱۹

سے ہونے کی طرف منسوب کیا ہے اس لیے کہ ان بزرگوں کا بعثت نبوی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والوں کو کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نبعث رَسُوْلًا ﴾(۲۹)

''اور ہم (کسی کو) اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔''

یہ مسلک سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ المناوی نے اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ مروی ہے:

''ایک بار ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سوال کیا گیا اس پر ان سے اور مسائل کے درمیان بحث ہوئی' سائل نے پوچھا کیا ان کا اسلام لانا ثابت ہے انہوں نے فرمایا کہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہو گیا تھا اور اس وقت انتقال کرنے والے کے لیے کوئی سزا ہی نہیں ہے۔ (۳۰)

اسی طرح نامور محقق علامہ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مرأة الزمان'' میں علماء کی ایک جماعت کی طرف اسی قول کو منسوب کیا ہے۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدہ کے زندہ کئے جانے کے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا تھا:

''ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا﴾ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی۔ (پھر) ان دونوں کا کیا گناہ ہے۔؟ (۳۱)

حافظ ابن حجرؒ کا موقف ومسلک:

نامور محدث اور محقق حافظ ابن حجر نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے:

﴿والظن بآله صلى الله عليه وسلم ......يعنى الذين ماتوا قبل البعثة انهم **يطيعون** عند الامتحان اكراماً لهم لتقربه عينه﴾ (۳۲)

۲۹۔ بنی اسرائیل: ۱۷

۳۰۔ مسالک ص: ۱

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ ایضاًص: ۱

''اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو بعثت سے قبل انتقال کر گئے۔ گمان یہ ہے کہ جب ان کا امتحان لیا جائے گا تو وہ اطاعت اور فرمان برداری کریں گے تا کہ ان کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔''

علامہ السیوطی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے الاصابہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ:

''کئی طریقوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ قیامت کے دن سٹھیا جانے والے بوڑھے' جو لوگ زمانہ فترت میں انتقال کر گئے ہیں' اور جو شخص پیدائشی طور پر بہرہ' اندھا اور گونگا ہو اور جو شخص دیوانہ پیدا ہوا' یا اس پر بالغ ہونے سے پہلے دیوانگی طاری ہوگئی' اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں پر تمام حجت کے لیے پوچھا جائے گا اور اگر وہ کہہ دیں گے کہ اگر میں سمجھ دار ہوتا یا مجھے نصیحت کی جاتی تو میں بالضرور ایمان لے آتا تو ان کے سامنے جہنم لائی جائے گی۔ اور انہیں کہا جائے گا اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جو کوئی اس میں داخل ہو گیا تو وہ اس کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی اور جو کوئی اس میں (خوشی) سے داخل نہ ہوگا اسے جبراً داخل کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے تمام طرق کو ایک جزو (رسالے) میں جمع کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''اور ہم امید رکھتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ اس میں (امتحان کے وقت) خوشی سے داخل ہونے والوں میں شامل ہونگے۔............سوائے ابو طالب کے......اس لیے کہ انہوں نے بعثت نبوی کا زمانہ پایا ہے' مگر ایمان قبول نہیں کیا اور (صحیح) حدیث سے ثابت ہے۔ کہ وہ دہکتی ہوئی (ضحضاح) میں ہونگے۔(۳۳)

علامہ السیوطی نے اس مسلک کے حق میں چھ قرآنی آیات اور سات احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن سے زمانہ فترت کے لوگوں کے بارے میں صراحت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا

۳۳۔ السیوطی ص:۲

جائے گا اور وہ امتحان کے بغیر نہ جنت کے سزاوار ہونگے اور نہ جہنم کے' جبکہ قرآنی آیات میں محض صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی قوم پر اتمام حجت نہ فرمالیں اس وقت تک اسے عذاب نہیں دیں گے۔'' (۳۴)

علامہ السیوطی نے بھی لکھا ہے کہ ان کا یہ مسلک صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جن تک دین کی دعوت نہیں پہنچی اور جو لوگ دعوت دین ملنے کے باوجود اس سے کنارہ کش رہے' ان کا حکم اس سے مختلف ہوگا۔''

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ملت حنیفیہ کا حامل ہونا:

جو لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ ہیں ان میں سے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ ایسا اس لیے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ملت حنیفیہ کے حامل اور اس پر عامل تھے جیسے کہ کتب تاریخ میں زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کے بارے میں آتا ہے کہ مفسرین میں سے یہ مسلک علامہ فخر الدین الرازی نے اختیار فرمایا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''اسرار التنزیل''میں لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا' بلکہ ان کا چچا تھا' پھر اس پر' انہوں نے متعدد دلائل دیئے ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ الذی یَرَاکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴾

''وہ ذات جو تجھے اس وقت دیکھتی ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ گزاروں میں تیرا پلٹنا۔''

(۳۴ الف) کہا جاتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورد مبارک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزار میں منتقل ہوتا رہا۔ (۳۵)

اس اعتبار سے یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد مسلمان تھے۔ اس بنا پر یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے' وہ تو ان کا چچا تھا،

۳۴۔ ایضاً ص ۵.۲

۳۵۔ الف الشعراء

ماسوائے اس کے کہ آیت مبارک و تَقَلُّبَکَ فِي السَّاجِدِينَ کو دوسری تاویلات پر محمول کیا جائے۔''

اور اس بات کی دلیل کہ حضرت ابراہیم کے والد بت پرست نہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((و لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات و قال تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ......﴾ فَوَجَبَ ان لا يَكون احد من اجداده مشركاً))(٣٦)

اور میں پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک عورتوں کے رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یقیناً مشرک ناپاک ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بزرگ مشرک نہ ہو اس مسلک کی تائید میں علامہ جلال الدین السیوطی نے دو مقدمات قائم فرمائے ہیں:

اوّل: یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بزرگ، حضرت آدم سے لے کر اپنے زمانے میں سب سے بلند اور سب سے افضل شخص تھا۔

دوّم: کئی روایات اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک تک کوئی زمانہ بھی ایسے لوگوں کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ جو فطرت اصلیہ پر قائم رہے، اور جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے اور ایک سمجھتے رہے اور اپنے پروردگار کے سامنے نماز ادا کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے یہ زمین تباہی سے محفوظ رہی اور اگر وہ لوگ موجود نہ ہوتے تو یہ زمین اور جو لوگ اس کی پشت پر لوگ کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے۔

ان دونوں مقدمات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے کوئی بھی شخص مشرک نہ تھا۔ (٣٧)

بعد ازاں علامہ السیوطی نے اپنے ان دونوں مقدمات کے حق میں بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے جن میں سے بیشتر احادیث اور آثار کا تذکرہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

٣٦۔ مسالک: ص۔ ۷

٣٧۔ مسالک: ص۔ ۷

مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بعثت من خير قرون بنی آدم قرناً فقرنا حتى بعثت من القرن الذی کنت فيه))

'' مجھے اولاد آدم کے بہترین لوگوں میں زمانہ بزمانہ بھیجا گیا یہاں تک کہ میں اس زمانے میں مبعوث کر دیا گیا جس میں میں ہوں۔''

رہا دوسرا مقدمہ تو اس کے متعلق علامہ السیوطی نے مختلف روایات اور آثار سے استدلال کیا ہے: مثال کے طور پر ابتداء میں حضرت علی کا یہ قول نقل کیا ہے' کہ انہوں نے فرمایا:

لم يزل على وجه الدهر فی الارض سبعة مسلمين فصا عداً فلولا ذالک لهلكت الارض و من عليها ۔ رواه عبد الرزاق فی المصنف(۳۸)

''روئے زمین پر ہر ایک زمانے میں سات یا اس سے زیادہ لوگ ہمیشہ مسلمان رہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس کے رہنے والے تمام لوگ ہلاک کر دیئے جاتے۔''

اس حصے میں سے بھی اکثر روایات کا تذکرہ قاضی صاحب نے اپنے رسالے میں کیا ہے۔ علامہ السیوطی کے ہاں یہ بحث بہت پھیلی ہوئی اور بہت منتشر ہے' اس کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ السیوطی کے زمانے میں اس مسئلے پر بہت سے لوگ ان کے مخالف تھے اسی لیے انہوں نے اس عنوان کے تحت چومکھی لڑائی ہے اور اس میں ہر مسلک و مشرب افراد کو ان کے اپنے اصولوں کی روشنی میں قائل کیا ہے اس بحث کے ابتداء میں علامہ السیوطی فرماتے ہیں:۔

المجاد لون فی هذا لزمان كثير خصوصاً فی هذه المسئله و اكثر هم ليس لهم معرفة بطريق الاستدلال فالكلام معهم ضائع............ (۳۹)

ترجمہ: اس زمانے میں خصوصاً اس مسلئے میں جھگڑا کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہیں ان میں سے بیشتر افراد کو طریق الاستدلال کا بھی علم نہیں ہے وہ لہذٰا ان کے ساتھ بحث فضول ہے۔

۳۸۔ مسالک ص ۷

۳۹۔ مسالک: ص ۹

تاہم اتمام حمیت کیلئے علامہ السیوطی نے ان کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر استدلال کیا ہے:

ہمارے مخالفین میں سے زیادہ تر لوگ یہی کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں مذکورہ صحیح حدیث سے تمہارے اس دعوے کے برخلاف اثبات ہوتا ہے..... اگر یہ مباحثہ کرنے والا ہمارا ہم مسلک یعنی شافعی المسلک ہو تو میں اس سے کہوں گا، صحیح مسلم میں، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھی اور بسم اللہ کے بغیر نماز کو درست نہیں مانتے اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ تم اس کی اقتدا کرو لہذا تم اس سے اختلاف نہ کرو اگر وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو اور تم جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، تو تم بھی اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے (اقتدا نہیں کرتے) اور جب وہ کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو تم اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو، (بیٹھ کر نہیں پڑھتے اس طرح امام کی مخالفت کرتے ہو)... ان تمام صورتوں میں اگر اس کے پاس ذرہ بھر بھی علم ہوگا، تو وہ ضرور کرے گا، کہ ہمارے پاس ایسی دلیلیں ہیں، جو اس کے خلاف ہیں (جس کی بناء پر ہم ان حدیثوں پر عمل نہیں کرتے) تو میں اس کے جواب میں کہوں گا، بجا.................. یہ مسئلہ بھی ویسا ہی کہ اس پر طریقے سے حجت قائم کی جاتی ہے، اس لیے کہ یہ دلیل اسے اور اس جیسی اور دلیلوں کو لازم کرنے والی ہے۔

اور اگر ہمارے ساتھ مباحثہ کرنے والا مالکی المذھب ہو، تو اس کے جواب میں میں کہوں گا: کہ صحیحین میں ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **البیعان بالخیار مالم یتفرقا** (بیع کرنے والے، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں، انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار رہے)...... اور تم لوگ خیار مجلس ثابت نہیں کرتے، اس طرح صحیح مسلم میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے پورے سر کا مسح نہیں کیا، اور تم لوگ وضو میں پورے سر کا مسح لازم قرار دیتے ہو، تو تم نے صحیح مسلم میں وارد شدہ صحیح حدیث کی مخالفت کیوں کی؟ تو وہ کہے گا، کہ اس کے بالمقابل ایسی دلیلیں ہیں جو ان کی معارض ہیں۔ لہذا ہم نے انہیں اس حدیث پر مقدم کر لیا تو میں (جواباً) کہتا ہوں، کہ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

اور اگر ہمارا مخالف حنفی المسلک ہو، تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر تم میں سے

کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال لے تو تم اسے سات مرتبہ دھو اور تم لوگ کتے کی نجاست میں سات بار دھونے کو ضروری نہیں سمجھتے' اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز جائز نہیں' جو نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے۔ اور تم اس کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو' اسی طرح صحیحین میں ہے' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور تم اپنا سر اٹھاؤ یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا ہو جائے'' اور تم لوگ اعتدال میں طمانیت کے بغیر نماز کو صحیح قرار دیتے ہو' اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب پانی دو قلوں (بڑے مٹکوں) کے برابر ہو تو نجس نہیں ہوتا لیکن تم اس حدیث کا اعتبار نہیں کرتے اور صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کو فروخت فرمایا: مگر تم لوگ مدبر کی بیع صحیح نہیں سمجھتے .... تو اس کے جواب میں وہ کہے گا' کہ دوسری دلیلیں جو اس کے معارض تھی' موجود ہیں' جن کی بناء پر ہم نے انہیں اس پر مقدم کر دیا......... تو میں بھی یہی کہوں گا۔

اور اگر ہمارا مخالف شافعی ہو' تو میں اس سے کہوں گا کہ صحیحین میں ہے' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شک والے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی' اور صحیحین میں ہے کہ رمضان المبارک سے پہلے ایک یا دو دن کے روزے (مت) رکھو' اور تم لوگ شک والے دن روزہ رکھنے کے قائل ہو' تو تم نے صحیحین والی حدیث کی مخالفت کیوں کی' تو وہ کہے گا کہ اس کے مقابلے میں ایسی دلیلیں ہیں' جو اس کی معارض ہیں' لہذا ہم نے انہیں مقدم کر دیا' تو میں بھی جواب میں یہی کہوں گا۔ کہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

اور اگر جھگڑا کرنے والا شخص ایسا ہو' جو محدث تو ہو' مگر فقیہ نہ ہو' تو میں کہوں گا کہ ''قدماء کہہ گئے ہیں'' کہ فقہ کے بغیر حدیث بیان کرنے والا ایسے ہے' جیسے کوئی عطار ہو' مگر طبیب نہ ہو' کہ اس کے پاس تمام ادویات تو موجود ہیں مگر اسے یہ علم نہیں ہے کہ اس کی کونسی دوا کس مرض کیلئے بہتر ہے' اور فقیہ جو حدیث نہ جانتا ہو وہ ایسے ہے کہ جیسے کوئی طبیب ہو' مگر عطار نہ ہو' جسے یہ تو علم ہو' کہ کونسی دوا کس مرض میں فائدہ مند ہو سکتی ہے مگر اس کے پاس ادویہ ہی موجود نہ ہوں۔ (۴۰)

۴۰۔ مسالک: ص ۳۵، ۳۶

ج۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کا مسلک:

اس سلسلے میں تیسرا مسلک موقف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا اور وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ (اور پھر اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا)

بقول علامہ السیوطی یہ مسلک بہت سے علماء نے اختیار فرمایا' جس میں ابن شاھین' حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی علامہ عبدالرحمان السہیلی' علامہ القرطبی' محب الطبری اور علامہ ناصر الدین بن المنیر قابل ذکر ہیں۔

اس بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے (اور جس سے قاضی صاحب نے بھی زیر بحث اپنے رسالے میں درج فرمایا ہے، (۴۱) اسے خطیب البغدادی (السابق واللاحق) الدارقطنی اور ابن عساکر نے ''غرائب مالک'' میں ایک ضعیف سند کے ساتھ' اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے۔

اس ''احیائے والدین نبوی'' والی حدیث کو علامہ السیوطی نے محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف' بلکہ موضوع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ روایت موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہے اور یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی توضیح وتشریح کیلئے ایک مستقل رجسٹرڈ (رسالہ) لکھا ہے۔

نامور حدیث اور مفسر علامہ القرطبی نے بیان کیا ہے کہ حدیث احیاء' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کیلئے استغفار کرنے کی ممانعت کی...... مابین کوئی تعارض نہیں ہے' اس لیے کہ آپ کے والدین کا احیاء...... کا عمل بعد میں پیش آیا' جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق احیاء کا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے' اسی لیے ابن شاھین نے اسے سابقہ احادیث وروایات کیلئے ناسخ قرار دیا ہے۔ (۴۲)

علامہ جلال الدین السیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیاء کا واقعہ شرعاً اور عقلاً ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ (۴۳)

۴۱۔ مسالک. ص

۴۲۔ مسالک: ص۲۸،۲۷

۴۳۔ مسالک ص۲۸

تاہم اس بارے میں حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کے بیان پر مشتمل جتنی بھی روایات ہیں، جن کا تذکرہ علامہ السیوطی کی اتباع میں اس رسالے کے مؤلف، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے بھی کیا ہے۔ وہ تمام کی تمام ضعیف، بلکہ انتہائی کمزور ہیں، تقریباً تمام کی اسناد میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور خرابی موجود ہے، اسی لیے ان روایات کو کسی بھی مستند مجموعہ حدیث میں روایت کا نہیں کہا گیا، باین همه، بہت سے محدثین نے ان روایات سے تائید وتوثیق کا کام ضرور لیا ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی کے اسی مسلک کو قاضی صاحب نے اپنے زیر بحث رسالے میں پیش کیا ہے، اور اسے ہر پہلو سے ثابت کیا ہے۔

2 تجزیہ:

جہاں تک زیر بحث مسئلے میں مذکورہ تمام دلائل کے تجزیئے کا تعلق ہے، تو یہ کہنا بجا ہوگا بلکہ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ اول تو سکوت (خاموشی) اختیار کی جائے اس لیے کہ اس بارے میں حضورؐ کا یہی مسلک وموقف ہے .... جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اهل کتاب سے خطاب کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا ہے:

ھاتنم ھو لاء حاججتم فیما لکم به علم فلم تحا جرن فیما لیس لکم به علم ......(۴۴)

ترجمہ: دیکھو ایسی بات میں تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی، مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جس کچھ اہل کتاب (یہودیوں) نے حضرت ابراھیم کو یہودی اور عیسائیوں نے عیسائی قرار دیا...... زیر بحث صورت بھی ایسی ہی ہے اس لیے اس میں یہی موقف و مسلک بہتر اور مناسب ہے۔

اور اگر کبھی زبان کھولنا بھی پڑے تو پھر .... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے صاحب

۴۴۔ ال عمران ۳: ۶۶

ایمان ہونے اور نجات یافتہ ہونے کا نظریہ زیادہ بہتر ہے۔

پھر جہاں تک اس بارے میں تین مسالک کا تعلق ہے' تو ہمارے خیال میں یہ موقف زیادہ مناسب ہے کہ یہ بزرگ حضرات زمانہ فترت میں گزرے ہیں.......... اوران لوگوں میں قرآن حکیم کی صراحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں..... عذاب نہیں دے گا..... اس کے بعد کیا صورت ہو گی اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے..... واللہ علم۔

علامہ آلالوسی کا موقف:

سب نے آخر میں نامور محقق اور خاتم المفسرین علامہ الالوسی کا یہ موقف پیش کرنا مناسب ہوگا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہے' تو وہ کافر ہے' علامہ الالوسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

واستدلّ بالاية على ايمان ايويه صلى الله عليه وسلم كما ذهب اليه كثير من اجل اهل السنسة وانا اخشى الكفر على من يقول فيهما رضى الله عنهما على رغم انف على القارى و اضرابه بضد ذالک الا انى لااقول لحجية الاية على هذا المطلب ۔ (۴۵)

اوراس آیت سے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ بہت سے جلیل القدر ائمہ اھل سنت کا یہی مسلک ہے' اور میں ملا علی قاری اوران جیسے لوگوں کے برخلاف کہتا ہوں' کہ اس شخص کے متعلق کفر کا خطرہ ہے' جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات (کفر وغیرہ) کہتا ہو' البتہ میں اس آیت کی' اس مضمون پر حجت کا قائل بھی نہیں ہوں۔

رسالہ تقیس والدین المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم:

پھر جہاں تک قاضی صاحب کے زیر بحث رسالے کے موضوع اور اس کے مبحث کا تعلق ہے تو اس پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے یہاں اس رسالے کا ظاہری تعارف مناسب ہوگا۔

۴۵۔ روح المطافی: ۱۳۸

ہمیں، یہ رسالہ محترم آغا ابوحفص عمر کی وساطت سے ملا، یہ رسالہ چھوٹے سائز کے 18 قلمی صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحے پر ہی 18 سطریں ہیں، ہماری معلومات کے مطابق یہ رسالہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

اس کے ناقل صوفی بزرگ مولانا ابوالحسن زید دھلوی، فاروقی المجد دی ہیں ......جنہوں نے اس کو ایک اور نسخے سے 1357ھ میں شملہ کے رامندر ہاؤس کی دوسری منزل پر بیٹھ کر نقل کیا، چنانچہ وہ اس کے ترقیمہ میں لکھتے ہیں:۔

یقول العبد الراجی رحمة ربه القوی ابو الحسن زید فاروقی المجددی بانی قد نقلت هذه الرسالة الشریفة فی تقدیس آباء النبی صلی اللہ علیه وسلم الحریر و الحبر الکبیر القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنه وار ضاه، فی یوم السبت العشرین من الشهر المبارک الذی ولد فیه سیدالعرب و العجم صلواة اللہ وسلامه علیه سنة سبع و خمسین بعد الالف من الهجرة علی صاحبها الف صلوٰة و تحیة وذلک فی شملة سهر هل، رامندر هاؤس الدور الفوقانی ولله الحمد ۔(۴۶)

یہ رسالہ مولانا ابوالحسن زید کے ان رسائل میں سے ایک ہے، جسے انہوں نے قاضی صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس مجموعے میں یقیناً اور رسائل اور کتابیں بھی ہونگی، اس لیے کہ ہمارے پاس جو نسخہ ہے، اس کے صفحات ۱۲۳ سے شروع ہو کر ۱۴۰ پر جا کر ختم ہوتے ہیں......اس مجموعے میں: صفحہ ۱۶۶ سے ۱۶۷ تک قاضی صاحب کے حالات زندگی نقل کیے ہیں۔ اور قاضی صاحب کی ۳۲ کتابوں کے نام درج ہیں اور اس کے آخر میں حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔ فقیر کاتب الحروف (مراد مولانا ابوالحسن زید دھلوی ہیں) تصنیفات الیشاں راجمع نمودہ غیر از کتاب دوم فتاوی مظہری و رسالہ سی و یکم و کتاب سی دوم ہمہ رسائل نزد فقیر موجود است فتاوی مظہری نزد قاضی عطاء اللہ موجود بودہ و بقیہ دو کتاب را فقیر نہ دیدہ (۴۷)

قاضی صاحب کی تصانیف کی کوئی حتمی فہرست اب تک سامنے نہیں آئی ہم نے اپنی کتاب تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی میں جو یہ کتابوں پر مشتمل فہرست مرتب کی ہے، اس میں ابھی تحقیق کی گنجائش موجود

۴۶۔ رسا له تقدیس والدی المصطفی ، قلمی (ص ۱۶۹)

۴۷۔ ایضاً

ہے......ان کی قلمی کتابیں، سب سے زیادہ مولانا ابوالحسن زید دھلوی کی تولیت میں تھیں، جوان کی وفات کے بعدان کے جانشین کے پاس ہوں گی۔

قاضی صاحب کا یہ تمام کام، دراصل ان کی خاندان نبوی علی صاحبھا والتحیۃ والسلام، سے گہری عقیدت ومحبت کا مظہر ہے، اوراس سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں سے محبت، جزو ایمان تھی اوراسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کالازمی تقاضا خیال کرتے تھے۔

انداز بیان:

قاضی صاحب کے زیرنظر رسالے کا انداز تحریر مکمل طور پر محدثانہ ہے، ابتدائی ابواب (فصول) ابتدائی صفحات میں السیوطی کا رنگ نمایاں ہے اس حصے میں انہوں نے احادیث کی تخریج کی ہے، یہ بیشتر حصہ امام السیوطی کی کتاب مسالک الحنفاء کی عمدہ انداز میں کی گئی تلخیص ہے۔

تخریج روایات:

زیرنظر کتاب میں روایات کوسند مختصر کے ساتھ نقل کر دینے پر کفایت کی گئی ہے۔ اورسند مفصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس کے بجائے اصل راوی اور کتاب حدیث کے نام کا حوالہ دینا کافی سمجھا گیا ہے۔

الغرض قاضی صاحب کا یہ رسالہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع کے حوالے سے بہت اہم ہے، اسے بہت جلد اردو ترجمہ اورضروری تعلیقات کے ساتھ اردو قارئین کیلئے طبع کیا جارہا ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب کی تحقیق کے ساتھ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

ازمرتب: ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

سیرت رسول ﷺ کا جمالیاتی پہلو

* ڈاکٹر محمد اظہار الحق

عام طور سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ تقوی نام ہے جمالیات کی نفی اور ترک کرنے کا۔ ''عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بدھ مذہب کے بھکشوؤں اور اشراق متصوفین کی طرح رہبانیت اور قطع لذات کا(۱)۔ مگر اسلام نہ تو خشک دینداری کا قائل ہے اور نہ ترک صفائی و جمال کا بلکہ اسلام نے تو اس تصور کی واشگاف الفاظ میں نفی کی ہے اور رسول کریم ﷺ نے اپنے اسوۂ سے اس کی عملی تفسیر پیش کی ہے۔ اس بات کو قرآن کریم نے بڑے واضح الفاظ میں یوں پیش کیا:

﴿قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هو للذين امنوا فى الحيوة الدنيا خالصةً يوم القيامة﴾(۲)

''آپ کہہ دیجئے کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام قرار دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا؟ آپ کہہ دیں کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ آپ کہہ دیں یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتا انہی کے لئے ہوں گی۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يا ايها الذين امنوا لا تحرموا الطيبات ما احل الله لكم و لا تعتدوا﴾(۳)

---

* شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مکتبۂ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۷۸ء۔ ج ۱ / ۴۹۸

۲۔ سورۃ الاعراف: ۳۲

۳۔ سورۃ المائدہ: ۸۷

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں تم انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔''

یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ جب پیغمبر علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ بعض صحابہ نے ہمیشہ روزے رکھنے' راتوں کو بستر پر نہ سونے اور جاگ جاگ کر عبادت کرنے' گوشت اور چکنائی نہ کھانے اور عورت سے تعلق نہ رکھنے کا عہد کیا ہے تو آپ نے اس انداز بندگی کی نفی کرتے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا:۔

''مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تمہارے نفس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ راتوں کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی۔ مجھے دیکھو' میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی۔ پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں'۔ پھر فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو اور اچھے کھانے کو' اور خوشبو اور نیند اور دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ میں نے تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور پادری بن جاؤ۔ میرے دین میں نہ عورتوں اور گوشت سے اجتناب ہے اور نہ گوشہ گیری اور عزلت نشینی ہے۔ ضبط نفس کے لئے میرے ہاں روزہ ہے رہبانیت کے سارے فائدے یہاں جہاد سے حاصل ہوتے ہیں اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' حج اور عمرہ کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی' اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کے بقایا ہیں جو تم کو صوموں اور خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔ (۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لئے رہنما بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کی رہنمائی کو ایک کامل اور بہترین نمونہ کے طور پر ہمارے لئے پیش کیا ہے۔ آپؐ کی حیات طیبہ ہر پہلو سے

۴۔ تفہیم القرآن۔ ۱/۴۹۸۔۴۹۹

اسوۂ کامل پیش کرتی ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر﴾(۵)

''بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے۔''

آپ کے اسی اسوۂ کا ایک پہلو جمالیات کا ہے۔ جس میں آپؐ نے راہبانہ تصور زندگی کو چھوڑتے ہوئے اشیائے زیب وزینت کو اختیار فرما کر امت کے سامنے اسلامی تصور جمالیات کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ ایک طرف اگر آپؐ نے تیل وخضاب لگا کر اور کنگھی کر کے بالوں کی آرائش کی تو دوسری طرف سرمہ ڈال کر آنکھوں کی زیبائش کی۔ مسواک کر کے دانتوں کی صفائی اور چمک کا اہتمام فرمایا تو رنگا رنگ اور محشی لباس زیب تن فرما کر جمال کے خاکے میں ایک اور رنگ بھرا۔ اور پھر خوشبو اور عورتوں کو دنیا کی مرغوب اشیاء میں اپنی سب سے پسندیدہ اشیاء قرار دے کر رہبانیت کی جڑ پر تیشہ چلایا...... مگر یہ سب کچھ اختیار کرتے ہوئے آپ نے نہ تو حیا کا پہلو اوجھل ہونے دیا اور نہ وقار ومتانت کا۔ نہ اسراف وتبذیر کا پہلو اختیار فرمایا اور نہ مصنوعیت اور افراط وتفریط کا۔ ہر مقام پر اعتدال، میانہ رروی اور انسانی فطرت کا عنصر موجود ہے۔ یہ وہ چند اشیا جمال ہیں جن کا احاطہ اسی مقالے میں کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اختیار کردہ زیب وجمال پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالی جارہی ہے۔ تو آیئے سب سے پہلے بالوں کے بارے میں آپ کے انداز جمال کو لیتے ہیں:

بال:

جسمانی زیب وزینت میں شخصیت کو نکھارنے والی چیز لمبے سیاہ بال ہوتے ہیں جن میں چہرہ چودھویں کی چاند کے مانند نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زلف مبارک مختلف اوقات میں کانوں کے نصف سے لے کر کندھوں تک بڑھائے ہیں۔ یہ گیسو خم کھاتے ہوئے فطری انداز میں چار

حصوں میں تقسیم ہوتے تھے۔اس انداز کی بہترین تصویر کشی آپ کی چچازاد بہن ام ہانی بنت ابوطالب نے ان الفاظ میں کی ہے۔وہ کہتی ہیں:

"قَدِمَ رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علینا مکۃ قدمۃ و لہ اربع غدائر"(۶)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف مکہ تشریف لائے تو ان کے بال چار مینڈھیوں کی طرح تھے۔"

اور پھر ان مینڈھیوں میں کسی قدر گنگر یالے پن کو لئے ہوئے بال ان کی خوبصورتی میں اضافے کا سبب بن رہے تھے۔انس رضی اللہ عنہ کے بقول:

"لم یکن (شعر رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم) بالجعد و لا بالبسط، کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ"(۷)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ تو بالکل گنگر یالے تھے اور نہ بالکل سیدھے اور وہ کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔"

ان روایات سے آپ ﷺ کی لمبے سیاہ گنگر یالے بالوں والے شخص کی ایک حسین وجمیل تصویر ابھرتی ہے جو اپنے ابتدائی دور میں بالوں میں مانگ نکالے بغیر نظر آتے ہیں اور بعد کے دور میں بقول ابن عباس مانگ نکالے دکھائی دیتے ہیں۔(۸)

پھر ان بالوں کی خوبصورتی، چمک اور صحتمندی میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب آپ ﷺ ان میں تیل لگاتے ہیں۔رسول ﷺ اسی فطری طریقہ آرائش گیسو کو کثرت سے استعمال فرماتے ہیں۔اس پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

۵۔ سورۃ الاحزاب:۲۱

۶۔ محمد عبد اللہ الخطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، طبع قندھار، افغانستان، باب الترجل، مترجم محمد زکریا، شمائل ترمذی فی خصائل نبوی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ باب ما جاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۷۔ نفس المصدر

۸۔ نفس المصدر

کان رسول اللّٰہ یکثردھن رأسه و یسرح لحیته و یکثر القناع حتی کان ثوبه ثوب زیات''(۹)

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سر پر اکثر تیل کا استعمال کرتے تھے اور اپنی داڑھی میں کنگھی کرتے اور اکثر سر پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کی کثرت کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔''

مگر چونکہ صرف تیل سے جمال پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ بالوں کو سنوارا نہ جائے اور ان میں کنگھی نہ کی جائے۔ کنگھی کرنے میں ایک طرف اگر زینت ہے تو دوسری طرف اس سے شخصیت میں وقار پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہلو سے بھی غافل نہ تھے۔ اور بسا اوقات آپ ﷺ کی ازواج یہ خدمت انجام دیتیں عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ:

کنت ارجل رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم و انا حائض ''(۱۰)

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کنگھی کیا کرتی تھی حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی تھی۔''

اور نہ صرف یہ کہ خود پراگندہ بال نہیں رکھتے تھے بلکہ دوسروں کے پراگندہ بال دیکھ کر آپ ﷺ کی ذوق جمال پر گراں گزرتے اور ان سے اپنے بال سنوارنے کا حکم ہوتا۔ مؤطا کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ تھے تو آپ ﷺ نے بالوں کو درست کرنے کا اشارہ فرمایا چنانچہ وہ شخص اپنے بال درست کر کے پھر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

''یہ حالت بہتر ہے یا تمہارا اس حال میں آنا کہ شیطان کی طرح بال پراگندہ ہوں۔''(۱۱)

۹۔ نفس المصدر۔شمائل : باب ما جاء فی الترجل

۱۰۔ شمائل. ما جاء فی الترجل

۱۱۔ امام مالک، مؤطا. مترجم وحید الزمان، اسلامی اکادمی لاہور ۱۴۰۲. باب اصلاح الشعر، مشکوٰۃ، کتاب اللباس، باب الترجل

اسی طرح جابرؓ کے بقول ایک شخص کے پراگندہ بالوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"اما وجد هذا ما ليسكن به شعره"(۱۲)

''کیا اسے کوئی چیز نہیں ملی جس سے وہ اپنے بال درست کرتا۔''

ان روایت سے بہ آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جمالیات کے اس پہلو کا کتنا اہتمام فرمایا کرتے تھے مگر کنگھی کرنے میں آپ اعتدال سے کام لیتے۔ یہ نہیں ہوا کبھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آرائش گیسو میں مگن ہوں۔ خود بھی بے اعتدالی سے کنارہ کش رہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرمائی بقول عبداللہ بن مغفل:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الترجل الا غباً"(۱۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی سے منع کیا مگر گاہے گاہے۔''

مگر بات یہاں آ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آپ ﷺ سر کے علاوہ داڑھی اور مونچھوں میں بھی اپنی وضع قطع کو درست رکھتے تھے' کیونکہ یہ فطری مردانہ زینت ہیں اور یہ باعث زینت تب بنتے ہیں جب حد اعتدال میں ہوں۔ بڑھی ہوئی مونچھیں تو ذوق سلیم سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ اور کھانے پینے کے دوران تو خصوصیت سے ان کی کراہیت سامنے آتی ہے۔ داڑھی میں اعتدال کا پہلو یہ ہے کہ اسے حد سے بڑھنے نہ دیا جائے۔ بلکہ اس کے بڑھتے ہوئے بال طول وعرض سے لئے جائیں۔ یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ عمرو بن شعیب اپنے دادا سے رسول اللہ کے اس عمل کے بارے روایت کرتے ہیں:۔

(انالنبى صلى الله عليه وسلم كا ن ياخذ من لحيته من عرضها و طولها) (۱۴)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے تراشتے تھے۔''

۱۲۔ مشکوٰۃ' کتاب اللباس. باب الترجل

۱۳۔ نفس المصدر

۱۴۔ نفس المصدر

اور مونچھوں کے بارے میں تو آپ کا ارشاد ہے کہ:

"من لم يأخذ شاربه فليس منا"(15)

"جس شخص نے اپنی مونچھیں نہ کتروائیں وہ ہم میں سے نہیں۔"

زمانہ قدیم سے ایک طبقہ داڑھی کو مونڈھنے اور مونچھوں کے بڑھانے اور تشبہ بالنساء کو زینت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ مگر چونکہ یہ غیر فطری طریقہ جمال ہے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اختیار کرنے سے نہ صرف خود رُکے بلکہ دوسروں کو بھی رکنے کا حکم دیا اور ڈاڑھی بڑھانے کا ارشاد ہوا اور فرمایا:۔

(احفوا الشوارب واعفوا اللحى)(16)

"مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں، کہ:

"خالفوا المشركين و فرّوا اللحى واحفوا الشوارب"(17)

"مشرکین کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔"

یہاں ایک سبب مشرکین کی مخالفت کو بتایا گیا ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے "مسلمانوں کی تربیت اس انداز سے کرنا چاہی ہے کہ وہ اپنا تشخص قائم رکھ سکیں اور صوری اور معنوی، ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہوں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ داڑھی منڈانا ایک ایسا فعل ہے جو فطرت کے خلاف ہے اور اس میں عورتوں سے مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ دراصل داڑھی رجولیت (مردانگی) کی تکمیل ہے اور اس سے مرد کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔"(18)

15۔ محمد احمد بن شعیب نسائی، سنن نسائی مترجم. حامد اینڈ کمپنی لاہور۔ ت،ن کتاب الزينة

16۔ نفس المصدر

17۔ محمد بن اسمعيل بخاری. الصحيح البخاری. كتاب اللباس، باب قص الشارب

18۔ یوسف قرضاوی، اسلام میں حلال وحرام (مترجم) احباب پبلی کیشنز لاہور۔ 1979ء ص 126

اور ایک حدیث میں مونچھوں کے ترشوانے کو انسانی فطرت بتایا گیا ہے۔(۱۹)

الغرض داڑھی اور مونچھوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطری جمال کے قائل تھے اور فطری جمال میں اعتدال کے قائل تھے۔

خضاب:

بالوں کا سفید ہونا ایک فطری امر ہے اور اس سے کسی قدر جوانی کی شادابی ماند پڑ جاتی ہے اور جمال میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ زمانہ قدیم سے بالوں کی سفیدی دور کرنے کے لئے مختلف ادویات اور خضابات کا استعمال چلا آ رہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے اور انہیں بھی بچپن، شباب اور کہولت کے مختلف ادوار سے واسطہ پیش آیا۔ آپ کے بالوں میں بھی چاندی اتر آئی تو آپ ﷺ نے اسے سنہری تاروں سے تبدیل کیا اور حناء کا بالکل فطری وقدرتی خضاب استعمال کرتے ہوئے اپنے بالوں کو رنگا۔ ابو رمثہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

(أتيت انا و ابى النبى صلى الله عليه وسلم و رأيته قد لطخ لحيته بالحناء)(۲۰)

''میں اور میرے والد نبی ﷺ کے پاس آئے اور میں نے آپ کو اپنی داڑھی کو حناء لگاتے ہوئے دیکھا۔''

ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بقول آپ ﷺ نے مہندی اور کتم (وسمہ) کو بہترین خضاب قرار دیا۔(۲۱)

۱۹۔ مشکوٰۃ کتاب اللباس، باب الترجل، و سنن نسائی: کتاب الزینۃ، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال عشرة من الفطرة السواک وقص الشارب و تقليم الاظفار و غسل البراجم و حلق العانة والاستنشاق و المضمضة. (نسائی)

۲۰۔ سنن نسائی کتاب الزينة

۲۱۔ نفس المصدر۔ کتم (وسمہ) یمن کی نباتات ہے جس کا رنگ سیاہ مائل بہ سرخی ہوتا ہے جبکہ حناء کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ (یوسف قرضاوی: اسلام میں حلال وحرام۔ ص ۱۲۵)

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاہ خضاب کی بجائے مہندی کا استعمال فرمایا ہے کیونکہ یہی آپ کی فطرت اور حقیقت پسندی کے زیادہ قریب ہے۔ اس میں ایک طرف آپ نے مصنوعی جوانی کا روپ دھارنے سے اجتناب کیا ہے اور دوسری طرف بالوں کی سفیدی کو قدرتی نباتات استعمال کر کے سنہری رنگ سے رنگ دیا ہے جس میں بزرگی کا وقار اور انسانی فطرت کی پکار کا حسین امتزاج ہے۔

یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسلامی اور امتیازی تشخص کو اجاگر کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ بقول یوسف قرضاوی ''اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ خضاب لگا کر بالوں کا رنگ بدل دینے کے قائل نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ زیب و زینت دینداری اور خدا پرستی کے منافی ہے۔ چنانچہ راہبوں اور دین میں غلو کرنے والے زاہدوں کا یہی شعار ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تقلید کرنے اور ان کے طریقے کو اپنانے سے منع فرمایا تا کہ مسلمان ظاہر و باطن میں اپنی مستقل امتیازی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں۔ (۲۲)

آنکھوں میں جمالیات کا پہلو:

چہرے کے دلکش اور جاذب نظر اعضاء میں آنکھیں اہم مقام رکھتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ ہمیں احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿هل يستوى الاعمىٰ والبصير﴾ (۲۳)

''کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں۔'' ...... پھر خود ہی جواب ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وما يستوى الاعمى والبصير﴾ (۲۴)

''اور نہیں برابر اندھا اور بینائی رکھنے والا۔''

۲۲۔ اسلام میں حلال و حرام ص ۱۲۳

۲۳۔ سورۃ الانعام: ۵۰

۲۴۔ سورۃ فاطر: ۳۵

لہٰذا جب بینائی یا آنکھیں اس قدر اہم ہیں تو ان کی حفاظت بھی ضروری ہے اور زینت بھی۔

آنکھوں کی خوبصورتی ایک طرف اگر فطری بناوٹ کی وجہ سے ہوتی تو دوسری طرف سجاوٹ سے۔ ان کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ سرمہ ہے جسے زمانہ قدیم سے لے کر آج تک مسلسل استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ نہ صرف باعث زینت ہے بلکہ اس سے آنکھوں کی خشکی اور گرد و غبار بھی دور ہو جاتا ہے اور یہ راقم کا عرصہ دراز سے ذاتی تجربہ رہا ہے۔ علاوہ ازیں سرمہ سے پلکیں خوبصورت اور لمبی ہوتی ہیں۔ اس بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ:

علیکم بالاثمد فانه یجلوا البصر و ینبت الشعر "(۲۵)

"تم اثمد ضرور ڈالو کہ وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکوں کو بھی بڑھاتا ہے۔"

اور اس ہدایت پر آپ خود بھی عمل پیرا تھے اور اسے روزانہ کا معمول بنا لیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

" کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یکتحل قبل ان ینام بالإثمد ثلثاً فی کل عین "(۲۶)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر ایک آنکھ میں تین دفعہ اثمد کا سرمہ ڈالا کرتے تھے۔"

اس مقصد کے لئے آپ نے ایک سرمہ دانی بھی رکھی ہوئی تھی۔ (۲۷)

ان روایات کی روشنی میں آپ ﷺ دو مقاصد کے تحت سرمہ استعمال فرماتے تھے۔ ایک یہ کہ بینائی کے لئے مفید ہے اور دوسرا یہ کہ یہ پلکیں اگانے کا کام بھی کرتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ لمبی پلکیں آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ یہ جتنی لمبی ہوں گی، آنکھیں اتنی ہی خوبصورت اور جاذب نظر ہوں گی۔

۲۵۔ شمائل ترمذی. باب ما جاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

۲۶۔ نفس المصدر

۲۷۔ نفس المصدر

حیاء اور بصر:

تاہم آنکھوں کا جمال اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ ان میں حیاء کا عنصر شامل نہ ہو کیونکہ حیاء ایک اخلاقی زیور ہے اور اس کے بغیر ایک مؤمن کی شخصیت ادھوری رہتی ہے۔ اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقاً "(۲۸)

''مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے کامل ترین وہ ہیں جن کے اخلاق ان میں سے اچھے ہیں۔''

اسے ایمان کے جزو لاینفک کے طور پر حیاء کو شامل کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''الحیاء شعبة من الایمان'' (۲۹)

''حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔''

تو جس طرح حیاء کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی اس طرح حیاء کے بغیر جمال نامکمل ہے۔ حیاء کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حوران جنت جو کہ سراپا جمال ہیں کی اسی صفت حیاء کو اللہ تعالیٰ بطور نعمت خاص ذکر فرماتے ہیں:

﴿ فیھن قٰصرٰت الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان . فبایّ الآءِ ربِّکُمَا تُکَذِّبٰن ﴾ (۳۰)

''ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا۔''

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے درمیان ان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے ان

۲۸۔ مشکوٰۃ : باب حسن الخلق

۲۹۔ مشکوٰۃ کے الفاظ ہیں: الحیاء من الایمان : باب الرفق والحیاء و حسن الخلق

۳۰۔ سورۃ الرحمن : ۵۶۔ ۵۷

کے حسن و جمال کی نہیں بلکہ ان کی حیا داری اور عفت مآبی کی تعریف فرمائی ہے۔ حسین عورتیں تو مخلوط کلبوں اور فلمی نگار خانوں میں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ اور حسن کے مقابلوں میں تو چھانٹ چھانٹ کر ایک سے ایک حسین عورت لائی جاتی ہے مگر صرف ایک بد ذوق اور بد قوارہ آدمی ہی ان سے دلچسپی لے سکتا ہے۔ کسی شریف آدمی کو وہ حسن اپیل نہیں کر سکتا۔ جو ہر بد نظر کو دعوت نظارہ دے۔''(۳۱)

آنکھیں جھکانا حیاء کی علامت ہے۔ جس قدر حیاء زیادہ ہوگی اسی قدر شخصیت میں وقار اور جمال میں اضافہ ہوگا۔ یہی وہ صفت ہے جس نے آپ ﷺ کی شخصیت کو مزید نکھارا اور آپ کے رعب، وقار اور جمال میں اضافہ کیا۔ یہی وہ حسن و جمال تھا جسے دیکھ کر شاعر رسول حسان بن ثابت یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ:

و أحسن منک لم ترقط عین

و أجمل منک لم تلد النساء(۳۲)

''نہ تو تجھ سے زیادہ حسین آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ تجھ سے زیادہ جمیل عورتوں نے جنا ہے۔''

اور ابو سعید خدری ؓ نے آپ کی حیاء پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ کو ایک پردہ دار کنواری لڑکی سے زیادہ شرمیلا قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں:

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاءً من عذراء فی خدرھا''(۳۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردے میں بیٹھی ہوئی کنواری دوشیزہ سے زیادہ حیاء دار تھے۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری زینت کے ساتھ ساتھ حیاء و اخلاق کے زیور سے مزین ہو کر اپنی آنکھوں کی کشش سے ہر ناظر کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

۳۱۔ تفہیم القرآن ۵/ ۲۶۸

۳۲۔ حسان بن ثابت: دیوان

۳۳۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔ کراچی ت۔ن کتاب الفضائل: باب کثرۃ حیائہ صلی اللہ علیہ وسلم. سنن ابن ماجہ: باب الحیاء

لباس:

لباس انسانی فطرت کا جزو اور تقاضا ہے جس کے ذریعے وہ ستر عورت کرتا ہے اور یوں ظاہری طور پر حیوانیت کے مقام سے اٹھا کر خود کو انسانیت کے عظیم مقام پر فائز کرتا ہے۔ یہی فطرت انسانی سب سے پہلے آدم اور حوا علیہما السلام کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے جب شیطان انہیں بہکا کر ان کا جنت کا لباس اتروا دیتا ہے۔ تو وہ درخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہیں ڈھانکتے نظر آتے ہیں۔ (۳۴)

یہی وہ لباس ہے جسے پہن کر انسان ایک طرف ستر پوشی کا کام لیتا ہے تو دوسری طرف اپنی زیب و زینت کا سامان مہیا کرتا ہے اور ''اسلام میں یہ بات نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے کہ مسلمان اللہ کی پیدا کردہ زینت، پوشاک اور نفیس لباس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی وضع قطع اور شکل وصورت میں حسن و جمال پیدا کرے۔ (۳۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شخصیت کے اس فطری تقاضے سے بھی غافل نہیں رہے انہوں نے مختلف اوقات میں سفید، سرخ اور سبز رنگ کے لباس استعمال کیئے۔ سادہ لباس بھی زیب تن فرمایا اور قیمتی بھی۔ تاہم کبھی بھی نہ تو اعتدال سے بڑھے اور نہ تبذیر و اسراف کی طرف قدم اٹھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس سفید لباس تھا۔ یہ لباس نہ صرف خوبصورت لگتا ہے بلکہ اس میں جمال کے ساتھ وقار بھی ہے۔ اور جو لباس صاف ستھرا اور چمکدار ہو اسے سب سے پاکیزہ شخص کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے لئے پسند فرمایا بلکہ اسے دوسروں کے لئے بھی نہایت پسندیدہ قرار دیا۔

سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۳۴۔ سورۃ الاعراف: ۲۲، ۲۶ اور سورہ طٰہٰ: ۱۲۱۔ آیات یہ ہیں

﴿ فلما ذاقا الشجر بدت لهما سوآتهما وطفقا يخصفٰن عليهما ......من ورق الجنة، يٰبنى آدم لا يفتننكم الشيطان كما اخرج ابويكم من الجنة ينزع عنهما لباسهما ليريهما سوآتهما ﴾ (الاعراف: ۲۲، ۲۶)

۳۵۔ اسلام میں حلال وحرام: ص: ۱۰۶

(البسوا من ثيابكم البياض فانها اطهروا اطيب ، وكفنو فيها موتاكم)(۳۶)

''تم اپنے سفید لباس کو پہنو کیونکہ یہ پاکیزہ اور صاف وشفاف ہے اور اس میں تم اپنے مردوں کو بھی دفناؤ۔''

دوسرا پسندیدہ لباس حبرہ تھا جس کے بارے میں انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

'' كان احب الثياب الى النبى صلى الله عليه وسلم ان يلبسها الحبرة''(۳۷)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پسندیدہ لباس حبرۃ تھا۔''

حبرہ حاشیہ دار یمنی چادر تھی (۳۸) جس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوا کرتی تھی اور یہ کپاس (کاٹن) سے بنی جاتی تھی۔

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں ایک چادر دے گئی جس پر کڑھائی کا کام ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چادر لے کر اس کا ازار باندھ لیا اور اسی میں باہر نکلے۔(۳۹)

اسی طرح آپ نے سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے ہیں اس رنگ میں اپنی جگہ جمال اور کشش بھی ہے اور وقار بھی۔ ابو رمثہ ہی سے روایت ہے کہ:

خرج علينا رسول الله صلى و عليه ثوبان اخضران ''(۴۰)

''رسول اللہ ہماری طرف اس حالت میں نکلے کہ انہوں نے دو سبز رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے تھے۔''

سبز کے علاوہ سرخ رنگ بھی استعمال میں آیا ہے۔ جو کہ سب سے زیادہ جاذب نظر ہے اور دور سے اس پر نظر پڑتی ہے۔ یہ رنگ آپ کی شخصیت اور جمال کو کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ ایسے ہی لباس میں براء

۳۶۔ مشکوٰۃ، کتاب اللباس، سنن نسائی : کتاب الزینۃ

۳۷۔ نفس المصادر

۳۸۔ مرقاۃ علی ہامش مشکوٰۃ ۳۷۳. اور المنجد، المطبعۃ الکانو لو کیۃ، بیروت مادہ '' حبر''

۳۹۔ سنن نسائی : کتاب الزینۃ

۴۰۔ نفس المصدر

بن عازب آپ کو دیکھ کر آپ کے جمال سے مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور آپ کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه حلّةٌ حمراءَ مترجلاً لم ارَقبله و لا بعده احداً هو أجمل منه"(۴۱)

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالوں میں کنگھی کیے اور سرخ لباس پہنے ہوئے دیکھا۔ میں نے ان جیسا حسین پہلے کسی کو دیکھا تھا اور نہ بعد میں۔

ان سارے لباسوں میں نہ تو کہیں اسراف کا شائبہ تھا اور نہ غرور و تکبر کا حتیٰ کہ آپ نے دوسروں کو بھی فخر و غرور کے لباس سے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے:

من جرَّ ثوبه مخيلة فان الله تعالىٰ لم ينظر اليه يوم القيامة"(۴۲)

''جو اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹے ہوئے چلے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف اگر غرور و تکبر کے لباس کو ناپسند کیا تو دوسری طرف میلا رہنے اور گندے کپڑے پہننے کو بھی دوسروں کیلئے ناپسند کیا۔ کسی کو میلے لباس میں دیکھتے تو آپ کے ذوق جمال پر گراں گزرتا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

" **ما كان يجد هذا ما يغسل به ثوبه**"(۴۳)

''کیا اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھوتا؟''

صاحب حیثیت افراد کے لئے تو خاص طور پر آپ کی ہدایت تھی کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق

۴۱۔ نفس المصدر

۴۲۔ نفس المصدر

۴۳۔ نفس المصدر' مشكوٰة : كتاب اللباس

لباس پہنیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عملی مظاہرہ ہو سکے۔ ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرآنی سیء الهیاۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هل لک من شیء قلت نعم من کل المال قد آتانی اللہ . فقال : اذا کان لک مال فلیر علیک"(۴۴)

''اس نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے بری حالت میں دیکھا تو فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ (مال) ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر طرح کا مال عطا فرمایا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اگر آپ کے پاس مال ہے تو وہ آپ پر نظر آنا چاہیے۔**''

تاہم آپ ﷺ نے تکبر اور نسوانیت کی علامت والا لباس سخت ناپسند فرمایا۔ خاص کر ریشمی لباس پر تو آپ کی طرف سے سخت وعید آئی ہے۔ ایک دفعہ **عمر رضی اللہ عنہ** نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زرد لکیروں والی ریشمی چادر خریدی تا کہ آپ جمعہ کے دن **غیر ملکی** وفود کی آمد پر پہنیں۔ اسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" انما یلبس هذه من لا خلاق له فی الاخرة"(۴۵)

''یہ تو وہ شخص پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

دانتوں کی صفائی:

انسانی چہرے میں جمال کا ایک اور اہم عنصر دانت ہیں۔ دانتوں کی بناوٹ کے ساتھ ساتھ ان کی

۴۴۔ ترمذی، کتاب الزینة : باب الفطرة

۴۵۔ سنن نسائی ، کتاب الزینة. نسوانی لباس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں منع فرمایا ہے:

" عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة تلبس لبسة الرجال. (مشکوٰة کتاب اللباس ' باب الترجل)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر جو عورتوں کا لباس پہنتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کا لباس پہنتی ہیں لعنت فرمائی ہے۔''

صفائی ہوتو گویا وہ منہ میں چمکتے ہوئے موتی ہیں۔ دانت کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں۔ اگر ان کی صفائی نہ ہو اور ان سے بد بو آئے تو کوئی قریب بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دانتوں کی صفائی کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اور کیوں نہ کرتے جبکہ آپ اسلامی تحریک کے علمبردار اور اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اور مختلف امراؤ ورؤساء اور وفود آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ انہیں اسلام کی دعوت اور تعلیم دیتے۔ اس دعوت کے لئے جتنی ضرورت باطنی صفائی اور پاکیزگی کی ہے اتنی ہی ظاہری کی۔ یہی وجہ ہے کہ دعوت کے بالکل ہی آغاز میں آپ کی توجہ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے مبذول فرمائی ہے کہ:

﴿ یا ایھا المدثر O قم فانذر O و ربک فکبر O و ثیابک فطھر O والرجز فاھجر O ﴾(۴۶)

"اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور (لوگوں کو) ڈرا' اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر' اور اپنے لباس کو پاک کر اور گندگی سے دور رہ۔"

اس جسمانی صفائی میں منہ اور دانتوں کی صفائی اہم مقام رکھتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنے پر زور دیا۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" لو لا ان اشق علی امتی لأمرتھم بتاخیر العشاء و بالسواک عند کل صلوۃ"(۴۷)

"اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑھنے کا خوف نہ ہوتا تو انہیں عشاء کی تاخیر اور ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دیتا۔"

اس صفائی کے باقاعدہ اہتمام کی تلقین اس لئے فرمائی کہ:

۴۶۔ سورۃ المدثر: ۱۔۵

۴۷۔ مشکوۃ کتاب الطھارۃ 'باب السواک

''السواک مطهرة للفم مرضات للرب'' (۴۸)

''مسواک منہ کی صفائی اور رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔''

لہٰذا دوسروں کو تلقین کے ساتھ ساتھ خود بھی اس کا باقاعدہ اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے، نیند سے بیداری اور وضو کے وقت سب سے پہلا کام مسواک کرنا ہوتا تھا۔ (۴۹)

مشکوۃ میں روایت ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو پہلا کام جو کرتے وہ مسواک ہوتا تھا۔'' (۵۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

'' کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیستاک فیعطینی السواک لأغسله فأبدأ به فأستاک ثم اغسله وادفعه الیه'' (۵۱)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے۔ اس کے بعد مجھے دے دیتے تا کہ اسے دھولوں اور مسواک کرلوں۔ لہٰذا میں مسواک کرنے کے بعد اسے دھولیتی اور انہیں واپس کر دیتی۔''

خوشبو:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں خوشبو کے استعمال کا ایک اہم مقام ہے، اس کے بغیر اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالیاتی پہلو شاید نامکمل ہوتا اور معترضین کو بھی اعتراض کا موقع ملتا کہ یہ کس طرح صفائی اور پاکیزگی کی دعوت کا علمبردار ہے جبکہ خوشبو سے بیزار ہے۔ اور شاید راہبان امت کو دنیاوی پاکیزہ اشیاء سے لاتعلقی کا جواز فراہم ہوتا۔ مگر آپ کے اسوۂ کاملہ نے ہر طرح کے اعتراضات کا دروازہ بند کرتے ہوئے انسانی فطرت کے اس پہلو سے بھی غفلت نہیں برتی۔ آپ کو خوشبو کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے

۴۸۔ نفس المصدر

۴۹۔ نفس المصدر

۵۰۔ نفس المصدر

۵۱۔ نفس المصدر

لئے آپ نے ایک عطر دان رکھا ہوا تھا اور اس سے خوشبو لیا کرتے تھے۔"(۵۲)

دوسروں کو یہ درس دیا کہ خوشبو دار پھولوں کو رد نہیں کرنا چاہئے بلکہ لے لینا چاہئے۔ابو ہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں کہ:

"من عُرِضَ علیه ریحان فلا یرده فانه خفیف المحمل طیب الریح"(۵۳)

"جس کسی کو ناز بو(نیاز بو) پیش کر دیا جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ یہ ہلکا ہے اور اس کی خوشبو اچھی اور پاکیزہ ہے۔"

انہی فطری اشیاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی مرغوب ترین اشیاء قرار دیا اور فرمایا کہ:" میرے نزدیک دنیا کی اشیاء میں سے محبوب ترین خوشبو اور عورتیں ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔"(۵۴)

اور آپ اس حد تک استعمال فرماتے کہ بقول انس بن مالک لوگ خوشبو دار ہوا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا برآمد ہو جانا جان لیتے تھے۔"(۵۵)

خلاصۂ بحث:

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالیاتی پہلو کا مطالعہ کرنے کا ماحاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی فطرت کے عین مطابق جمالیات کے ہر مستحسن پہلو کو اپنایا ہے اور اپنے عمل سے راہبانہ طرز زندگی کو ردّ کیا ہے۔اس سلسلے میں آپ نے بالوں کی آرائش انہیں چھوٹے بڑے رکھنے' تیل اور حناء لگانے اور کنگھی کرنے سے کی ہے۔تشابہ بالکفار سے اجتناب کیا ہے اور میانہ روی کا

۵۲۔ نفس المصدر۔کتاب اللباس ' باب الترجل' شمائل ترمذی. کتاب الزینة ' باب ما جاء فی تعطر رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... حدیث میں سکتہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس کا ایک معنی تو عطر دان کے ہیں جبکہ دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ ایک مرکب خوشبو کا نام ہے۔(محمد زکریا: شمائل ترمذی)

۵۳۔ صحیح مسلم' کتاب الالفاظ من ادب: باب استعمال المسک و کراهیة رد الریحان

۵۴۔ محمد بن سعد' طبقات' ابن سعد (مترجم) نفیس اکیڈمی' کراچی ۱۹۸۲ء،۲:۱۶۴

۵۵۔ نفس المصدر

راستہ اختیار کیا ہے ۔ڈاڑھی اور مونچھوں کے بارے میں بھی تشابہ بالکفار والنساء سے اجتناب کرتے ہوئے معتدل اور منفرد انداز اپنایا ہے ۔اور فطری انداز میں ان کی مناسب خراش تراش کر کے اور وقتاً فوقتاً حناء سے رنگ کر مزین کیا ہے۔آنکھوں کی صفائی اور تزئین کیلئے مصنوعی اشیاء کی بجائے سرمہ کا استعمال کیا ہے اور ان کی خوبصورتی اور حسن میں اضافہ کا ذریعہ حیاء کو بنایا ہے۔لباس کے ذریعے ستر پوشی اور زینت اختیار کرنا فطری ضرورت اور تقاضا ہے اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے آپ نے مختلف اوقات میں مختلف اقسام کا لباس مختلف رنگوں میں پہن کر جمال فطری کی نئی راہیں ہموار کی ہیں ۔یہاں بھی اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اسراف' تکبر اور نسوانیت کے پہلو سے اجتناب کیا ہے ۔منہ اور دانتوں کی صفائی کا اہتمام مسواک سے کیا ہے ۔اور انہیں چمکتے ہوئے حسین وجمیل موتیوں کی طرح رکھا ہے۔خود بھی اس پر عمل پیرا رہے اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کی ہے ۔یہ سارے انداز اپنا کر آپ ﷺ کی شخصیت کچھ یوں نظر آتی ہے گویا ایک بارعب و باوقار شخص تیل لگائے کنگھا کئے' لمبے گنگریالے بال لئے' آنکھوں میں سرمہ اور حیاء کی زینت سجائے ،مسکراتے ہوئے موتیوں جیسے چمکدار دانتوں سمیت کھڑے اور سفید و سبز لباس کے اوپر سرخ رنگ کی عباء زیب تن فرما کر پورے رعب و وقار اور حسن و جمال کے ایسے پیکر نظر آتے ہیں جس کے آگے نگاہیں جھکتی ہیں اور دل بچھے جاتے ہیں ۔

پاکستان میں سیرت نگاری کے موضوع پر فارسی کے قلمی نسخوں پر ایک تحقیقی نظر

* ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری

سیرت النبی کے عنوان یا اس سے ملتے جلتے عنوانات کے مشابہ کتابوں کی تالیف کا احساس اس زمانے سے ہی معمول بن گیا تھا۔ جب رسول اکرمؐ کے اصحابؓ جو درحقیقت آپ کے بارے میں اطلاعات اور عظیم علوم کے خزانے تھے۔ آہستہ آہستہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ حضرت رسول اکرمؐ سے تعلق رکھنے والے اس ان کے محبّ خاص طور پر غیر عرب نومسلم جو یہ چاہتے تھے کہ اسلام اور حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی کے بارے میں بیشتر معلومات حاصل کریں۔ اور وہ رسول اکرمؐ کے اصحابؓ کے اس گروہ سے جو زندہ تھے اور ان اصحابؓ کے ساتھیوں اور حلقہ یاراں سے بھی جن کو اصطلاح میں تابعین کہتے ہیں۔ رجوع کرتے تھے یہ لوگ ان کے لیے، مرجعیت کا درجہ رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر ان میں سے رسول اکرمؐ کے اصحابؓ کی اولاد اور حضرت رسول اکرمؐ کے نزدیک ترین اصحابؓ اور عزیزوں کو مرجیعت کا بیشتر حامل قرار دیتے تھے۔

لیکن لوگوں کے اس اشتیاق کے باوجود حضرت رسول اکرم کے وصال کے بعد سیرت النبیؐ کی تالیف کا کام مختلف اسباب اور سیاسی وجوہات کی بنا پر شروع کے سالوں میں زیادہ تیزی سے نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ اس کی تدوین کی بھی گاہ گاہ مخالفت ہوتی تھی کہ جن میں سے خالد بن عبداللہ القسری حاکم عراقین کے بارے وہ خبر ہے جو کتاب اغانی (جلد ۲۲ صفحہ ۱۵) میں نقل کی گئی ہے (۱) حضرت رسول اکرمؐ کی حیات

* یونیورسٹی پروفیسر و کلچرل قونصلر، جمہوری اسلامی ایران۔ اسلام آباد

۱۔ رجوع کیجئے، کتاب الاغانی، ج ۲۲، ص ۱۵

مبارکہ پر تالیفات کا کام پہلی صدی ہجری کی دوسری دھائی میں مدینہ میں شروع ہوا۔لیکن پہلی صدی ہجری اوردوسری صدی ہجری کے شروع کے زمانے کی کوئی اہم تصنیف ہم تک نہیں پہنچی ہے۔لیکن لوگوں کا اشتیاق اس بات کا سبب بنا کہ حضرت رسول اکرم کی سیرہء مبارکہ کی تالیف کے سلسلہ میں ابن شہاب زھری ابوالاسود یتیم عروہ،موسی بن عقبہ،محمد بن اسحاق اور ابومعشر سندھی جیسے دانشمند اقدامات کریں۔کہ جن میں سے سب سے جامع اور اہم سیرت کی کتاب محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۰، ۱۵۱ھ۔ق) کی ہے جس کا خلاصہ ابومحمد عبدالملک بن ہشام حمیری نحوی (متوفی ۲۱۸، ۲۱۳،ق) کے ذریعے ہوا۔اور اس تالیف نے سیرہ ابن ھشام کے نام سے شہرت پائی، اور یہ آج بھی سب سے قدیم اور سب سے معتبر سیرۃ نبوی شمار کی جاتی ہے۔(۲)

محمد بن اسحاق نے حضرت رسول اکرمؐ کے زندگی نامہ کو اپنے چند شاگردوں اور اس زمانے کی احادیث کے راویوں کیلئے بیان کیا۔کہ جن میں سے ایک زیاد بن عبداللہ البکائی (۳) (متوفی ۱۸۵ھ،ق) ہے۔بکائی کے ایک شاگرد نے جس کا نام ابومحمد عبدالملک بن ہشام (متوفی ۲۱۸) تھا۔اپنے استاد سے زندگی نامہ پیغمبرؐ کو سنا اور اپنی تالیف میں کچھ حذف اور اضافوں کے بعد اس صورت میں تدوین کیا۔جو آج **سیرۃ رسول اللہؐ یا السیرۃ النبویہ** کے نام سے مشہور ہے۔یہ کتاب سیرۃ رسول اللہ ابن ہشام کی روایت کے تحت ساتویں صدی ہجری کی دوسری دھائی میں ایران کے شہر ابرقوہؑ (۴) کے ایک دانشمند رفیع الدین اسحاق بن محمد ہمدانی جو ابرقوہؑ کے قاضی تھے کے ہاتھوں عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی، اور یہ کتاب ڈاکٹر اصغر مھدوی کے فاضلانہ مقدمے اور جدید تصحیحات کے ساتھ ۱۹۸۱ء میں تہران کے خوارزمی پبلشرز کی طرف سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔اور پھر ۱۹۸۲ء میں تجدید نظر کے بعد منصہء شہود پر آئی۔

سیرت النبیؐ کے فارسی زبان میں قلمی نسخے لیکن کبھی کبھی مختلف ناموں عنوانات اور مشابہ مفاہیم

۲۔ سیرت رسول اللہ۔تالیف: ڈاکٹر عباس زریاب خوئی، انتشارات سروش ج۱، نمبر ۱۹۸۱ ص ۱۸

۳۔ بکائی: بفتح اول منسوب بہ قبیلہ بکا

۴۔ ابرقوۃ: ایران کے ضلع یزد کی ایک تحصیل

کے ساتھ بڑی تعداد میں ساری دنیا میں بے شمار ہیں۔ اور یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان فارسی جاننے والوں یا فارسی بولنے والوں نے ساری دنیا میں تاریخ کے لئے ادوار میں اسلام کے عظیم پیغمبر حضرت رسول اکرمؐ کی حیات مبارکہ کے بارے میں نگارشات چھوڑیں کہ جن کے قلمی نسخے آج بھی ساری دنیا کے قلمی نسخوں کے خزانوں کو زینت بخشتے ہیں ان مذکورہ خزانوں میں سے برصغیر پاک و ہند کے وہ کتاب خانے بھی ہیں کہ وہاں کے پاک طینت مسلمانوں نے ان کی تالیف پر کمر ہمت باندھی۔ اور سیرت النبیؐ سے متعلق بے شمار قلمی نسخے آج بھی ان علاقوں کے عظیم خزانوں کو رونق بخشتے ہیں۔ برصغیر میں رسول اکرمؐ کے کارناموں، خصوصیات، شرح احوال اور سیرت النبیؐ سے متعلق کتابوں کے عنوانات اور ناموں کے تنوع کی طرف یہ توجہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اسلامی دور حکومت کی تاریخ کے طولانی ادوار میں برصغیر کے مسلمانوں کی توجہ رسول اکرمؐ کی حیات مبارکہ کی خصوصیات مختلف گوشوں اور جہتوں کی طرف کس قدر تھی اور اسلام اور اس کے بانی سے محبت انہیں کس حد تک اس موضوع پر مشقت اٹھانے پر راغب کرتی تھی۔

برصغیر میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر معروف ناموں کی فہرست اپنے تمام تنوع کے باوجود اس مختصر سے مقالے میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور ان میں سے صرف چند عنوانات کی طرف نیچے دی ہوئی تفصیل کے مطابق اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیان کرنا لازم ہوگا کہ اکثر درج ذیل عنوانات چند مصنفین کے ذریعے اور حوالے سے مختلف جگہوں پر منتخب کیے گئے ہیں اور ورطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔

الشمائل النبویه والخصائص المصطفویه (۵)(ج ۱۰ :ص ۱۹۲) یه شمائل النبیؐ (ج ۱۰ ص ۱۹۳) ترجمه منظوم شمائل النبیؐ (وهی) شرح شمائل النبیؐ (وهی)، ترجمه شمائل ترمذی (وهی) شرح شمائل ترمذی (وهی)

زبده شرح شمائل (ج ۱۰ :ص ۱۹۴) نور ایمان (وهی) نظم الشمائل (وهی)

نثر الشمائل (وهی) اشرف الوسائل فی شرح الشمائل (ج ۱۰ :۱۹۸)

۵۔ پہلا شمارہ، شمارہ مجلّہ، فہرست مشترک نسخہائے فارسی پاکستان تالیف احمد منزوی، ص دوم

کشف الشمائل(ج ۱۰ :ص ۲۰۱)خیر الفضائل (ج ۱۰ :ص ۲۰۱) نورمعروفت(وهی)

ترجمه الشفافی تعریف حقوق المصطفیؐ(ج ۱۰ :ص ۲۰۵)

عین الوفاء(ج ۱۰ف: ص ۲۰۶)شرح الشفافی شرف المصطفیؐ(ج ۱۰ :ص ۲۰۶)

مطالع الانوارفی ترجمه الآثار(ج ۱۰ :ص ۲۰۹)

ترجمه مولود المصطفیؐ (ج ۱۰ :ص ۲۱۴)ترجمه سید الا برار(وهی)

ترجمه المنثفی فی سیره المصطفیؐ (وهی)

نهاية السئول فی درایة الرسولؐ(ج ۱ :ص ۲۱۵) بهجة المباهج(ج ۱ :ص ۲۱۷)

محاضر السید فی احوال سید البشر (وهی)سلوة القلوب (ج ۱ :ص ۲۱۸)

سفرالسعاده (ج ۱ :ص ۲۱۸)منتخب سفر السعادة (وهی)

طریق القویم فی شرح صراط مستقیم (ج ۱ :ص ۲۱۹)

درج الدررودرج الغررفی بیان میلاد سید البشر (ج ۱ :ص: ۲۲۰)

نزه الابرارنخبة الا خبار فی سیرة النبیؐالمختار(ج ۱ :ص ۲۲۱)

شواهد النبوةلتفویة اهل فتوة (ج ۱ :ص ۲۲۳)احوال پیا مبرؐ(ج ۱ :ص ۲۲۶)

روضة الاحباب فی سیر ةالنبیؐالآل والا صحابؓ (ج ۱ :ص ۲۲۷)

معارج النبوة فی مدارج الفتوه(ج ۱ :ص ۲۳۵)

معراج النبوه (ج ۱ :ص ۲۴۶)سیرت مصطفیؐ(ج ۱ :ص ۲۳۶)

آثاراحمدی (ج ۱ :ص ۲۶۷) مغازی النبیؐ(ج ۱ :ص ۲۶۰)

میلاد رسولؐ (ج ۱ :ص ۲۶۲) پیغامبرنامه (ج ۱ :ص ۲۶۸)

آداب لباس سید البشر (ج ۱ :ص ۲۶۹)

حلیه حضرت سید المرسلین (ج ۱ : ص ۲۷۱)مدارح النبوة (ج ۱ :ص ۲۷۳)

مطلح الانوارومخزن الاسرار(ج ۱ :ص ۲۷۵)

طریق القویم (شرح سفر السعادۃ) (ج ۱: ص ۲۷۶) زبدہ شرح شمایل (وھی)

نخبۃ الا خبار (ج ۱: ص ۲۷۷) حلیہ رسالت مآب (ج ۱: ص ۲۷۸)

حصایص احمد مصطفیؐ (وھی) انیس العاشقین (ج ۱: ص ۲۷۹)

مولود شریف (ج ۱: ص ۲۹۲)

باقیات الصالحات فی ذکر الازواج الطاھرات (ج ۱: ص ۲۹۲)

تحفۃ المسلمین فی تفدیر مھور امھات المسلمین (ج ۱: ص ۲۹۳)

حدیقۃ الصفاء فی اسماء المصطفیؐ (ج ۱: ص ۲۹۳)

فتح القوی فی نسب النبیؐ (ج ۱: ص ۲۹۵) حلیہ مبارک (ج ۱: ص ۲۹۴)

خلاصہ فصاحت (ج ۱: ص ۲۹۴) رسالہ کبیر (ج ۱: ص ۲۹۵)

نبی نامہ (ج ۱: ص ۲۹۱)

نثر الجواھر فی تلخیص سیر ابی الطیب والطاھر (ج ۱: ص ۲۸۵)

وسیلۃ الغریب الی جناب الحبیب (ج ۱: ص ۲۹۶)

وسیلۃ الفقیر فی شرح اسماء الرسو ل البشیرؐ (وھی)

صحیفہ المتقین ومنھج الیقین (وھی)

معارف الا نوار فی بیان فضایل سید الابرار (ج ۱: ص ۲۹۷)

حفظ الایمان (ج ۱: ص ۲۹۸) وسیلۃ لوصول الی دیار الرسولؐ (ج ۱: ص ۳۰۱)

سلوی الکثیب بذکر الحبیب (ج ۱: ص ۳۰۱) سراج المجالس (ج ۱: ص ۳۰۳)

شمس الضحی (ج ۱: ص ۳۰۵) تحفہ محمدی (ج ۱: ص ۳۰۸)

شجرۃ الانساب (وھی) حلیہ مبارک (ج ۱: ص ۳۱۲) جامع المعجزات (وھی)

وفات نامہ (ج ۱: ص ۳۱۴)

مولود شریف خاتم شریف خاتم النبیین (ج ۱: ص ۳۱۷)

خیر الوصال (وھی) معجزات خاص (ج ۱: ص ۳۱۸)

تحفه رسولیه (ج ۱: ص ۳۲۲) حلیه محبوب خدا (ج ۱: ص ۳۲۵)

خلق نبی پاک (ج ۱: ص ۳۲۷) الشرح اللطیف للمولد الشریف (ج ۱: ص ۳۲۷)

تحقیق اللغات وتصحیح الکلمات فی اسماء اجداد سید الکائنات (ج ۱: ص ۳۳۰)

خصایص اعظم (ج ۱: ص ۳۳۲) علم الھداحلیة الرسول المقتدا (ج ۱: ص ۳۳۳)

نور ایمان (ج ۱: ص ۳۳۴) معجزات نبوی (ج ۱: ص ۳۲۸)

انوار المشرقین (ج ۱: ص ۳۴۰) جامع المعجزات (ج ۱: ص ۳۴۵)

آفرینش نامه (ج ۱: ص ۳۴۹)

اسلام آباد میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کا کتاب خانہ گنج بخش جو کہ جمہوری اسلامی ایران کے اسلام آباد کلچرل قونصلر سے منسلک ہے۔ اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس کے ہاں سیرت النبیؐ کے موضوع پر فارسی قلمی نسخوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

کہ جن میں سے بعض منحصر بہ فرد ہیں اور ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے اور یہ ہمیشہ اہل فضل و تحقیق کی توجہ کا محور قرار پا سکتے ہیں۔ اور ان کا چھپنا اسلام کی عظیم تعلیمات محمدیؐ کے پھیلاؤ کے سلسلے میں ایک اور پیش قدمی ہوگی۔ ان میں بعض قلمی نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ **شرح متن شمایل النبیؐ:** (شمارہ ۱۷۴۵) از صفی اللہ بن عبداللہ دھلوی بخارائی۔ یہ ترمذی کی شرح متن شمایل النبی کا نسخہ ہے۔ اس کا شارع شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے مریدوں میں سے تھا۔ اس نسخے کے ۵۳۸ صفحے ہیں۔

۲۔ **سیرت النبیؐ یا میلاد رسول اللہؐ:** (شمارہ ۱۴۷۰) بظاہر یہ محمود بن محمد اسماعیل المطلب انصاری سے متعلق ہے (جز و مجموعہ از ۲۷۷ تا ۲۹۷)۔

۳۔ **سیرت النبیؐ یا تاریخ پیغمبر اسلام:** مختلف حصوں اور ابواب پر مشتمل ہے۔ نور محمدی کے منتقل

ہونے کے بیاں کا باب، حضورؐ کی پیدائش اوران کی اولاد، حضورؐ کی پیدائش کی شب ظاہر ہونے والے واقعات اورحضورؐ کے آباؤ واجداد واُمہات پیغمبر اورآخر میں امارات نبوت کے ذکر کا باب (شمارہ نسخہ ٦١٥٥)

۴۔ **سیرۃ النبیؐ**: ۲۱فصلوں میں میلاد سے وصال تک اورآخر میں بنائے کعبہ تک (شمارہ نسخہ ۴۴۴)

۵۔ **حدیقه الصفافی اسما' المصطفیؐ**: ازمحمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی۔ یہ حضرت رسول اکرمؐ کے کچھ ناموں کی تفصیل ہے۔ یہ ایک مقدمہ اورتین فائدے کےعنوان پر مشتمل ہے۔ (جزوہ مجموعہ ازص ٦٧۔٦٢)(شمارہ نسخہ ٣٥٦٦)

٦: **حلیہ مبارک**: یہ عبید کے (۴٦)اشعار کی منظوم سیرت النبیؐ ہے۔(شمارہ نسخہ ۲۱۵۱)اس کے علاوہ محمد ھاشم تتوی سندھی کا بھی نظم اور نثر میں ایک حلیہ مبارک ہے اور کتابت کی تاریخ (۱۲۲۲ھ۔ق)غلام محی الدین قصوری کی نظم ونثر میں ایک تالیف ''حلیہ محبوب'' ہے جس کا سن تألیف (۱۲۲۵ھ،ق) ہے۔ بظاہر اسے تحفہ رسولیہ بھی کہا گیا ہے۔(شمارہ نسخہ ۳۱۲۸)،(جزو مجموعہ ص ۱۰۷۔۱۱۴)اس کے علاوہ ۲ نسخے اور ہیں شمارہ ۴۹۹۳(ص ۱۔۱۳ مجموعہ)اور شمارہ ۵٦۷۵(ص ۱۔۷ مجموعہ)

۷۔ **روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبیؐ والآل والاصحابؓ**: ازعطاءاللہ بن فضل اللہ جمال حسینی دشتکی شیرازی۔ یہ مقصد کےعنوان کے تحت ۳ مقصد میں منقسم ہے اورامیرعلی شیرنوائی کے نام ہے۔ پہلا مقصد رحلت پیغمبرؐ سے متعلق چند ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کا موضوع آنحضرتؐ کی ذات مبارکہ ہے۔یعنی آپؐ کانسب، ولادت، غزوات، ازواج مطہرات اوراولاد مبارکہ، آپؐ کے فضائل، معجزات، اوصاف وشمائل، عبادات، لباس، خوراک، مشروبات، خصوصیات، خدام، پیروکار، مثلاً مرداورخاتون، عامل، محدثین تابعین، تبع تابعین اوراس کے علاوہ مختلف اور جواولیاءاللہ کے تابعین کے بعد ہوئے ہیں، اس نسخے کے کچھ نسخے موجود ہیں کہ جن میں سے

بعض چھپ چکے ہیں ۔شمارہ نسخے: ۱۱۲۷، ۱۳۷، ۵۶۸۴، ۴۰۴۷، ۵۸ اور یہ منتخب مجموعوں میں بھی موجود ہیں۔

۸۔ **سیرۃ النبیؐ از نور الدین ابو سعید پورانی ہروی:** ۔اور یہ ایک دیباچہ، خاتمہ، چند ابواب اور فصول پر مشتمل ہے۔اوران کا موضوع نورمحمدی، اوّلین آفریدہ، ذکر ولادت آنحضرتؐ، شیرخوارگی سے بعثت تک کے آنحضرت کے احوال حضرت حلیمہ اوران کا آنحضرتؐ کو دودھ پلانا، آنحضرتؐ کی زندگی کے چالیسویں سال کے واقعات، آپؐ کی ولادت اوروحی کا آغاز، پیغمبری سے ہجرت، اسلام کی دعوت اوراس شخص کا ذکر جوسب سے پہلے اسلام لایا۔آپؐ کا مدینہ تشریف لیجانا اور مدینہ میں لوگوں کی طرف سے آپؐ کا استقبال، ولادت سے وفات تک آنحضرتؐ کے حالات کا ذکراور ہجرت کے پہلے سال سے گیارھویں سال ہجرت تک کا ذکر، (۲۵۰ص)(شمارہ نسخہ: ۴۸۰۸)

۹۔ **سیرت النبیؐ: یا حلیۃ النبیؐ: از احمد بہاء الدین بن یعقوب:** بظاہر یہ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ تحصبی کی انتہائی اہم عربی تالیف الشفانی تعریف الحقوق المصطفیؐ کا ترجمہ ہے یہ نسخہ ذکر ولادت رسولؐ، ذکر اسماء رسولؐ، ذکر اولاد رسولؐ ذکر ازواج رسولؐ اورذکر اصحابؓ رسولؐ کے موضوعات پر مشتمل ہے۔(جزومجموعہ، ص ۸۰۔۱۱۹)، (شمارہ ۴۴۱۶)

۱۰۔ **سیرت النبیؐ:** مصنف نامعلوم ہے ۔اس کے عنوانات فصول پر مشتمل ہیں ۔آنحضرتؐ کی نمازوں کے بارے میں، آپؐ کے فرمائے ہوئے مشوروں کے بارے میں، قریش کے عہد توڑنے کے بارے میں ۔حج میں اختلاف وقت کے بارے میں ۔آنحضرتؐ کے حلیہ مبارک کے بارے میں، دوسری نمازوں کے بارے میں، روزہ، عقیقہ، معالجات، سواری، سلام، کچھ اور معالجات، گلہ اور گلہ داری اور بھیڑوں کے پالنے کے بارے میں اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۵۲ص، (شمارہ نسخہ ۶۳۶۰)

۱۱۔ **سیرت النبیؐ (منظوم)**: اس نسخہ میں آپؐ کے معجزات کے بارے میں زیادہ ذکر ہے۔ معجزہ اوّل۔۔ چاند کے شق ہونے کے بارے میں اور اسی طرح بیسویں معجزہ تک کی ترتیب کا ذکر، اس کے بعد آنحضرتؐ کے خلق کے بارے میں، حضرت عائشہؓ، آنحضرت کی حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ سے محبت اور شفقت کے بارے میں، اور اسی طرح آنحضرتؐ کی بچوں سے محبت کے بارے میں، آنحضرتؐ کا حلم، آنحضرتؐ کے مشروبات، نیند (آپؐ کے خواب) آپؐ کا لباس، آپؐ کی انگوٹھی، آپؐ کے نعلین کا ذکر شامل ہے۔ (شمارہ نسخہ ۲۹۲۴) (۵۳۰ص)

۱۲۔ **سیرت النبیؐ (منظوم)**: مولف ناشناختہ متعلق بہ ۱۳ اویں صدی ہجری۔ (جزو مجموعہ شمارہ، ص ۱۰۳، ۲۲۹) اس کے عنوان ہیں: حضرت آمنہؓ کا حاملہ ہونا، آپؐ کی ولادت، شیر خوارگی، دادا کے سپرد ہونا، آپؐ کو قتل کرنے کی سازشیں، آٹھ سال، پچیس سال۔

بر آنند اهل حدیث وسیئر

که چون شد چهل ساله خیر البشر.

بعثت کا ساتواں سال:

به سالی که هفتم زبعثت رسید

لوای نبوت به رفعت کشید.

وغزوات: غزوہ بدر، سیرت مصطفیٰؐ (شمارہ ۳۷۹۷)

۱۳۔ **سیرۃ النبیؐ**: شمایل النبیؐ از ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (اصل متن)، ترجمہ از مصلح الدین محمد بن محمد لاری، مشتمل بردو دیباچہ، (دیباچہ متن دیباچہ مترجم) ومقدمہ مؤلف۔ ابواب: باب اوّل: خلقت رسول اللہؐ، دوسرا باب خلق پیغمبر اور آپؐ کی حدیث اخلاق، اگلا باب آپؐ کی شکل وصوت کے بارے میں آپؐ کے ادراک، نگاہ، سننے، سونگھنے اور چھونے کے بارے میں ۲۰۶ص (شمارہ ۲۳۷۱)، ۲۷۹ص (شمارہ ۳۳۸۵)

۱۴۔ **سیرۃ النبیؐ: شمایل النبیؐ: از حاجی محمد کشمیری:** بہت پختہ فارسی نثر میں ہے۔اور آپؐ کے بارے میں انھی خصوصی اور عمومی مطالب پر مشتمل ہے اس کے تین نسخے موجود ہیں: جزو مجموعہ (ص ۱۔۳۶۹) (شمارہ نسخہ ۴۲۲۷)، نسخہ مستقل ۳۷۸ ص (شمارہ نسخہ ۶۲۰۳) (۲۶۹ ص)

۱۵۔ **سیرت النبیؐ اخلاق المصطفیؐ: شرح شمایل النبیؐ، شرح از:** عبدالھادی بن محمد معصم تألیف عہد اورنگزیب عالمگیر: اس کا موضوع آپؐ کی ولادت سے آپؐ کے وصال تک کا ہے اور اس ضمن میں آپؐ کے خالق عظیم کے بارے میں بھی بحث کی گئی ہے۔۲نسخہ (شمارہ ۳۶۷) ۴۶۱ ص نسخہ دیگر (شمارہ ۸۰۹۶) (۶۵۲ ص)، احادیث سے بہت استناد کیا گیا ہے۔

۱۶۔ **سیرۃ النبیؐ: زندہ شرح شمایل: خیرالاطوار وواقعات سید ابرار متن از ترمذی:** اس کے مترجمین اور شارحین نامعلوم ہیں۔لیکن عبیداللہ اور فقرائی احمدی کا نام لیا گیا ہے، اس کی تقسیم صحیفہ کے عنوانات سے ہے۔ پہلا صحیفہ خیرالاطوار ہے۔ کہ حروف ابجد کے اعتبار سے (۱۰۵۸۔ھ،ق) بنتا ہے۔دوسرا صحیفہ واقعات سید ابرارؐ ہے یہ بھی تاریخ ابجد کے اعتبار سے (۱۰۵۸۔ھ،ق) ہے۔ یہ شاہ جہاں بادشاہ کے اکسویں سال جلوس میں تالیف ہوئی۔اس کے ۵۶ باب ہیں:۔ **ماجاء فی خلق النبیؐ خاتم النبوت، ماجاء فی شعر، رسولؐ ترحل** (رسولؐ کا کنگا کرنا)، بڑھاپا اور بالوں کا سفید ہونا، آپؐ کا خف (جوتا) کا ذرہ رسول اللہ، آپؐ کا پھل کھانا، آپؐ کی عبادت، آپؐ حجامت کرنا، **ماجاء فی میراث الرسولؐ، ماجاء فی رویۃ النبیؐ**۔ ان ابواب کے علاوہ واقعہ کے عنوان کے تحت رسول اللہؐ کے بہت سے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔(شمارہ نسخہ ۱۰۶۳) (۸۳۲ ص)

۱۷۔ **سیرۃ النبیؐ از نظام الدین محمد بن خجندی اسناد باری:** ولادت رسولؐ کے بارے میں ۵۶ باب ہیں اور متن بالا کی مانند موضوعات کو تقسیم کیا گیا ہے اور ایک باب کا اضافہ ہے جو آپؐ کو خواب میں دیکھنے اور زیارت کرنے سے متعلق ہے۔(۸۰۳ ص) ۲ نسخے یہ شمارہ ۴۳۹۔۴۲۵۲۔

۱۸۔ **شواہد النبوۃ لتقویۃ اھل الفتوۃ**: از عبدالرحمٰن جامی، اور اس کے موضوعات کی تقسیم رکن کے عنوان سے ہے اس کے (۲) نسخے ہیں شمارہ ۶۹۲ اور ۱۴۵۷ بالترتیب ۴۳۹ص اور ۵۱۰ص۔

۱۹۔ **محاضر السرفی احوال سید البشر**: یہ شاہ داعی الی اللہ کا انتہائی نفیس نسخہ ہے۔ شمارہ ۸۴۹، (مجموعہ ص ۲۳۱۔۵۱۸)

۲۰۔ **معارج النبوۃ فی مدارج الفتوہ: از معین مسکین ھروی**: اس کے تقریباً ۱۰۰ نسخے ہیں۔

۲۱۔ **معجزات حضرت محمدؐ**: شمارہ نسخہ ۴۷۹۷، (۱۴ص)

۲۲۔ **معجزات النبیؐ**: (شمارہ نسخہ ۵۹۹۸)

۲۳۔ **مغازی النبیؐ: از یعقوب صرفی کشمیری**: یہ حمد خدا، نعت رسولؐ، منقبت پیر سید علی ہمدانی۔ منقبت میر کمال الدین حسین خوارزمی پر مشتمل ہے۔ شمارہ نسخہ ۱۴۸۰، (۴۶۸ص)

۲۴۔ **نزھۃ الابرار ونخبۃ الخیار فی سیرۃ النبیؐ المختار**: از محمود بن محمد المطیب لاری یہ مقدمے اور ایک فصل پر روان فارسی نثر پر مشتمل ہے۔ (ج ا و ج ۲) (۲۶۷ص)

۲۵۔ **نسب نامہ پیامبر**: در ۲ نسخہ شمارہ ۲۱۲۴، ۱۳۰۷ اور شمارہ صفحات ۱۸۔ ۱۱ اور مجموعے کا ۹۰۱ بھی۔

۲۶۔ **نود ونہ نام رسولؐ**: شمارہ نسخہ ۱۹۲۶ (ص ۴۹۶۔ ۴۸ مجموعہ)

۲۷۔ **نور نامہ**: آفرینشن نامہ۔

۲۸۔ **وسیلۃ الوصول الی دیار الرسولؐ**: (شمارہ ۶۰۸) آپؐ کے فضل اور خلق، شرح عبادات اور رسائل پر مشتمل ہے۔ اور صفحات کی تعداد ۱۹۸ ہے۔

۲۹۔ **وفات نامہ پیامبرؐ**: (کتاب خانہ گنج بخش میں اس کے تقریباً ۲۰ نسخے موجود ہیں)

آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ اسلام آباد میں کلچرل قونصلر جمہوری اسلامی ایران سے وابستہ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان کے کتاب خانہ گنج بخش میں حضرت رسول اکرمؐ کے بارے میں خاص

ناموں کے ساتھ ہزاروں نسخے موجود ہیں اور فارسی، اردو، پنجابی، پشتو، سندھی، سرائیکی، بلتی، اور عربی زبانوں میں بھی سینکڑوں منظومات موجود ہیں۔ اور شائقین کے مطالعے، تصحیح اور چھاپنے کے سلسلے میں موجود یہ مواد مرکز ان کی دسترس میں دے سکتا ہے۔

مآخذ و منابع

اس مقالے کے مآخذ دائرۃ المعارفوں کے مرسوم طریق کار کے مطابق خود مقالے میں اور قوسین میں دیئے گئے ہیں۔

............☆............

سیرت نگاری کی ابتداء اور سندھی علماء کے چند مخطوطاتِ سیرت کا جائزہ

* پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ

الحمد للّٰہ الذی ھو الرحمن الرحیم ونصلی و نسلم علی حبیبہ قاسم النعیم و بالمؤمنین رَؤُفٌ رَّحِیم. اما بعد

یہ عاجز اپنے مقالے کا آغاز D.S.Margoliutn (ڈی ۔ ایس مارگولیاتھ) کی کتاب Muhammad and the Rise of Islam کے ابتدائی جملے سے کر رہا ہے جو کہ ایک ضرب المثل اور آفاقی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

" The Biographers of the Prophet (Peace be upon Him) form a long series which is impossible to end but in which it would be honourable to find a place."(1)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاروں کا طویل سلسلہ جس کو ختم کرنا ناممکن ہے مگر ان میں جگہ پالینا باعث شرف ہے۔"

حدیث کے لکھنے کی ابتداء جیسا کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیرت نگاری کی ابتدا بھی حقیقت میں آپ ﷺ کے ہی عہد میں ہو چکی تھی۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کے ہر قول، فعل و عمل کو تحریر کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے دور میں قرآنی آیات و دیگر شرعی مسائل لکھے جاتے تھے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث:

---

* چیئرمین شعبہ عربی و فارسی، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز یونیورسٹی آف سندھ جامشورو

1 "D.S Margoliuth:Muhammad and the Rise of Islam" New York Rutman's Sons, 3rd:ed:P.23

((لا تکتبوا عنی من کتب غیر القرآن فلیمحه))(۲)

''مجھ سے کوئی چیز نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔'' اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دور میں آپ کے قول و فعل کو لکھا جاتا تھا۔

صحیح بخاری (باب العلم) میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ: حدیث میں کوئی بھی صحابی مجھ سے آگے نہیں البتہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شان اور ہے کیونکہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے احادیث لکھتا تھا اور میں لکھتا نہیں تھا۔ (۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۶۵ھ) کی یہ عادت تھی کہ آنحضرت ﷺ سے جو بھی سنتے تھے وہ لکھ لیتے تھے (۴) علامہ ابن اثیر (۵) اپنی کتاب میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جس بیاض میں احادیث اکٹھی کیں اس کا نام ''صحیفۂ صادقہ'' تھا۔

امام بخاری نے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ والے سال خزاعی قوم میں ایک شخص کا قتل کیا گیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ڈاچی پر چڑھ کر خطبہ فرمایا: خطبے کے بعد آپ کی خدمت میں ایک یمنی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ خطبہ مجھے لکھ دیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حکم کیا کہ یہ خطبہ اس کو لکھ دیا جائے۔ (۶)

بقول علامہ شبلی نعمانی (۷) آنحضرت ﷺ کے وصال تک مندرجہ ذیل علمی سرمایہ تحریری طور پر جمع کیا گیا تھا۔

1۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تحریری مواد

۲۔ صحیح مسلم 'کتاب الزھد' جلد ۷ 'ص ۳۰۵' دار الکتب العلمیة بیروت

۳۔ صحیح بخاری' باب العلم' جلد ۱' ص ۸۶ .حدیث نمبر ۱۱۳

۴۔ سنن ابی داؤد. باب کتابة العلم' ۷۷ ۱' ۷۳۲ . محمد سعید تاجران کتب' کراچی

۵۔ ابن اثیر' علی الدین ابو الحسن' اسد الغابة: طھران ۱۳۶۷ھ' جلد ۳' ص ۲۳۳

۶۔ صحیح بخاری' باب العلم' جلد : ۱' ص :۸۵' حدیث نمبر ۱۱۲

۷۔ علامہ شبلی نعمانی' سیرت النبی' ج ۱' ص:۱۷

2 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحریریں

3۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تحریریں

4۔ وہ معاہدے جو حضور ﷺ نے کیے مثلاً صلح حدیبیہ‘ بادشاہوں کے نام خطوط‘ عرب قبیلوں کے نام‘ پندرہ سو صحابہ کے اسماء کی تحریر کا مجموعہ وغیرہ۔

آنحضرت ﷺ کے دور کے بعد اس فن (سیرت نگاری) کا تحریری مواد اتنا تو زیادہ ہو گیا کہ ولید یزید کے قتل کے بعد جب حدیث اور روایات کا مجموعہ ولید کے کتب خانے سے منتقل کیا گیا تو فقط امام زہری کی روایات اور تالیفات کو ہی سواری پر اٹھایا گیا۔(۸)

ثابت ہوا کہ تحریری عمل آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں ہی شروع ہو چکا تھا البتہ تصنیف و تالیف کا ابھی رواج نہیں پڑا تھا۔ بعد میں خلفاء اور بادشاہوں کی خاص توجہ کے نتیجے میں اس کا شوق پیدا ہوا اور اہل علم‘ تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔

جس قدر مغازی اور سیرت پر تالیفات کا سوال ہے تو اس کے بارے میں ''کشف الظنون'' (۹) کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔ مغازی میں سب سے پہلے محمد بن اسحاق بن یسار‘ رئیس اہل المغازی نے کتاب لکھی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ صبری (۱۰) کی تحقیق کے مطابق سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قلم اٹھایا اس کے بعد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن سعد نے اس موضوع پر لکھا۔ ان کے بعد زہری نے لکھا جو امام بخاری کا استاد ہے۔

سہیلی کی رائے کے مطابق اس موضوع پر سب سے پہلے امام زہری نے قلم اٹھایا۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

''ھی اول سیرۃ الفت فی الاسلام'' (۱۱)

۸۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی: السنة و مكانتها فی التشريع الاسلامی‘ ص۳۰۷‘ قاهره ۱۳۸۰ھ

۹۔ حاجی خليفه : کشف الظنون. ج۲‘ ص:۱۰۱۲‘ استنبول:۱۹۴۳ء

۱۰۔ ڈاکٹر مصطفیٰ صبری: موقف العقل والعالم من رب العالمين‘ ص:۴۷‘ قاهره: ۱۳۴۹ھ

۱۱۔ ابو القاسم‘ عبد الرحمن سهيلی : ''الروض الانف'' بيروت: ۱۹۷۸ء‘ جلد: ۱‘ مقدمه

سیرت پر یہ پہلی تصنیف ہے جو اسلام میں تالیف ہوئی۔''

شبلی نعمانی نے سہیلی کی رائے پر اعتماد کیا ہے اور ابن شہاب زہری کو سب سے پہلا سیرت نگار کہا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر صبری کی رائے کے مطابق ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلا سیرت نگار قرار دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ اس نے احادیث' سیرت کے موضوع پر لکھنے کے مقصد سے اکٹھی نہیں کی تھیں۔ اس لئے اس کو محدث تو کہا جا سکتا ہے مگر سیرت نگار نہیں۔

جہاں تک کسی سندھی عالم کی طرف سے سب سے پہلے سیرت و مغازی پر کتاب لکھنے کا سوال ہے تو اس سلسلے میں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق کے مطابق ابو معشر نجیح سندھی' سب سے پہلا سیرت نگار ہے وہ لکھتا ہے کہ: ''سیرت کا فن جیسے ہی دوسری صدی میں وجود میں آیا تو ابو معشر نجیح سندھی نے کتاب المغازی لکھی اور سندھی عالم کی سیرت پر یہ پہلی کتاب ہے۔ البتہ اس وقت ناپید ہے۔ اس کے بعد علامہ جعفر دیبلی کی شخصیت ہے جس نے ان خطوط کو اکٹھا کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تبلیغ کے سلسلے میں لکھے تھے۔ (۱۲) جیسا کہ اس مقالے کا عنوان سیرت نگاری کی ابتداء اور سندھی علماء کے مخطوعات سیرت کا جائزہ ہے۔

اس لیے اب یہ عاجز سندھی علماء کے اٹھارہ مخطوطات سیرت کا جائزہ پیش کرنے کی سعادت کر رہا ہے۔ عاجز حروف تہجی کے اعتبار سے ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہے:

۱۔ بدر المنیر (مخطوط) :۔

مصنف: مخدوم عبداللہ نروالا

اس مخطوط کا مرکزی موضوع سیرت رسول اور ارکانِ اسلام ہے۔ قدیم سندھی زبان استعمال کی گئی ہے البتہ زبان قابل فہم اور آسان ہے۔ مصنف نے یہ نسخہ بارہ صدی ہجری میں لکھ کر پورا کیا۔ (۱۳)

۱۲۔ علامہ غلام مصطفی قاسمی: ''علم سیرت جنی اوسراءِ ارتقاء سندہ'' مہراث ۱/۱۹۷۹

۱۳۔ بدر المنیر' ص: ۱۱۔۱۲

۲۔ تواریخ جہان فی احوال رسول زمان (مخطوط) :۔

مصنف: قاضی جان محمد انصاری قنبری اور محمد عثمان

کاتب: محمد عثمان لاڑکانہ

سائز: ۳۰، ۲۰س م

صفحہ: ۵۸۰

سطور: ۱۳فی صفحہ

سال: ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۹ء

زبان: سندھی

یہ مخطوط فن تاریخ پر ہے۔ ابتداء زمانہ سے حضور ﷺ کی تجہیز و تکفین تک کا ذکر اس میں کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس میں معروف انبیاء کرام، اولیاء عظام و دیگر بزرگ ہستیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس میں کتابت کی کافی غلطیاں ہیں۔ (۱۴)

۳۔ تذکرہ معراج النبی (مخطوط) :۔

اس مخطوط کے مصنف کا نام نہیں ملتا، البتہ کاتب کا نام محمد شفیع مجاور مخطوطے کے آخر میں لکھا ہوا ہے۔ یہ عربی زبان میں ۳۷ صفحات پر مشتمل مخطوط ہے۔ اس کی سائز ۲۵۔۱۸س م ہے اور سال ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۰ء کا لکھا ہوا ہے۔

اس مخطوط میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ یہ مخطوط مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ خط صاف، خوبصورت اور پڑھنے میں آسان ہے البتہ اس میں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ اس مخطوط کا کاغذ دیسی موٹا اور صفائی ہے۔

۱۴۔ دکتور حافظ عبد الغنی شیخ" تذکرۃ علماء لاڑکانہ و مساعیہم للعلم العربیۃ والاسلامیہ" المقالۃ لنیل شہادۃ الدکتوراہ فی العربیۃ جامعۃ السند جامشورہ. ص ۴۱.۴۳، ۱۹۹۳ء

۴۔ خزانہ الاعظم (مخطوط) :۔

مصنف: مخدوم عبداللہ (نرئے پچھ والا)

کاتب: خود مؤلف

زباں: سندھی نظم الف اشبیاء سے

سائز: ۲۹۔۱۸س م

صفحہ: ۵۹۶

سطور: ۱۷ فی صفحہ

سال: ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۲ء

کاغذ: دیسی عمدہ رنگ سبزہ مائل

خط: نسخ سادہ

اسم الخط: عربی

اس مخطوط میں حضور ﷺ کی سیرت اور اکابر اسلام کی سوانح اور ان کے ارشادات لکھے گئے ہیں۔ یہ مخطوط کشادہ خط ہے اور ۳۳۹ صفحہ تک کا مواد سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔

۵۔ درالمجالس (مخطوط) :۔

مصنف: سید ابوظفر

کاتب:

زبان: فارسی

سائز: ۲۰۔۱۰س م

صفحہ: ۳۵۰

سطور: ۱۹ فی صفحہ

سال:

کاغذ: دیسی موٹا

یہ مخطوط اصل میں چھپا ہوا ہے۔اس میں انبیاء اور صلحاء کا ذکر ہے۔ٹوٹل ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے جن میں چھٹے سے نویں باب تک آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر موجود ہے۔

۶۔ رسالت نامو (مخطوط) :۔

مصنف: ثناءاللہ ثنائی (ولد سنۃ :۱۳۱۲ھ وتوفی سنۃ :۱۳۹۸ھ)

کاتب:

سائز:

صفحات: ۱۱۴

سال:

مولانا ثناءاللہ ثنائی کا یہ قلمی سرمایہ منظوم تاریخ اسلام کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔مثنوی کی طرز پر لکھے ہوئے اس مخطوط کو چھوٹے چھوٹے عنوان دیئے گئے ہیں مثلاً جبرئیل کا نزول، نبوت کا ملنا، ورقہ بن نوفل کا حال، دوبارہ وحی کا آنا، کفار کی ایذارسانی وغیرہ۔(۱۵)

۷۔ زاد السفینہ لسالکی المدینۃ (فارسی) مخطوط:۔

مصنف: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

کاتب: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

صفحہ: ۳۹

سطور: ۲۱ فی صفحہ

سائز: رائل

اس مخطوط کا مرکزی موضوع ''مدینہ منورہ کے اسماء'' اور مدینہ منورہ کے ہر نام کی معنیٰ، تشریح اور بنیاد کو مصنف نے جمع کیا ہے۔اصل مخطوط شاید مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی صاحب کا خود لکھا ہوا ہے لیکن بعد

۱۵۔ رسالت نامو (مخطوط) ص ۸۔۲۸

میں علامہ قاسمی نے ۱۹۵۷ء میں اس پر سے نقل کیا ہے۔ یہ مخطوط قاسمی صاحب کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

۸۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مخطوط) :۔

مصنف:

کاتب:

زبان: سندھی

سائز: ۳۲۰۵ ۲۶س'م

صفحات: ۱۵۷

سطور: ۱۶فی صفحہ

سال:

کاغذ: دیسی' موٹا' حنائی

خط: عمدہ

اس مخطوط میں سیرت کا بیان ہے اس مخطوط کے شروع اور آخر کے کچھ صفحات ضائع ہو گئے ہیں۔ عبارت اور کتابت کی بہت سی غلطیاں اس مخطوط میں ہیں۔ مخطوط بہت قدیم معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ شمائل محمدیہ (مخطوط) :۔

مصنف: عبدالرسول بن عبدالصمد

کاتب: سید حیدر شاہ ولد سید میر علی شاہ' اجن شاہ

زبان: عربی

سائز: ۲۰'۱۴س'م

صفحات: ۵۷۲

سطور: ۱۳فی صفحہ

سال: ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۸ء

اس مخطوط کا موضوع سیرت ہے۔اس میں آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت وصورت' طرز تکلم' قدوقامت' قیام وقعود غرض کہ ہر پہلو کا بیان کیا گیا ہے۔علماء اس مخطوط کو انتہائی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس میں کل ۷۴ فصلیں ہیں اور آخری فصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین' تدفین وجنازہ اور اس میں جتنے بھی اختلافات ہیں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ قصیدہ بردہ (مخطوط) :۔

مترجم: میر حسن علی خان (وفات ۱۹۰۷ء)

مترجم کا یہ ترجمہ علمی اور ادبی لحاظ سے نہایت عمدہ ہے۔ یہ منظوم ترجمہ سندھی میں لکھا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۶۸ اشعار پر مشتمل ہے اور ایک ہی بحر فاعلاتن میں مثنوی کے انداز پر لکھا گیا ہے۔مترجم کی طرف سے کچھ اشعار رہ بھی گئے ہیں۔اس میں الفاظ کا انتخاب اور استعمال نہایت فصاحت' بلاغت اور روانی سے کیا گیا ہے۔

۱۱۔ قوۃ العاشقین (مخطوط) :۔

مصنف: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

کاتب: ملا احمد

زبان: سندھی منظوم آزاد نظم مشابہ نثر

سائز: ۲۰'۱۴ س'م

صفحات: ۳۶۰

سطور: ۱۴ فی صفحہ

سال: ۱۱۸۵ھ/۱۷۶۵ء

یہ مخطوط ''قوۃ العاشقین'' کا دوسرا نسخہ ہے۔خط صاف اور خوبصورت ہے۔اس میں عربی قصیدے بھی ہیں۔ یہ مخطوط سندھی زبان میں ہے اس کی زبان بہت پیاری ہے۔

۱۲۔ معراج ناموں (مخطوط) :۔

مصنف: ثناء اللہ ثنائی

صفحات: ۴۱

سال:

اس مخطوط کا موضوع آنحضرت ﷺ کا معراج ہے۔اس میں عقلی ونقلی دلائل سے معراج کا واقعہ ثابت کیا گیا ہے اس میں چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ معراج نامہ (مخطوط) :۔

مصنف: میاں محمد حسین سومرو

کاتب: میاں محمد حسین سومرو

زبان: سندھی منظوم

سائز: ۲۰، ۱۲۔س،م

صفحات: ۴۷۲

سطور: ۱۵فی صفحہ

سال: ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۰۷ء

کاغذ: دیسی موٹا

خط: نسخ عمدہ

اس مخطوط کا موضوع سیرت ہے۔آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے معراج، خوارق اور معجزات کا تفصیلی بیان اس مخطوط میں کی گیا ہے۔

۱۴۔ معراج نامہ (مخطوط) :۔

مصنف: احمد

کاتب: رحمت اللہ بن عبدالرشید

زبان: سندھی نظم۔الفاشباع سے

سائز: ۱۷۔۱۶اس'م

صفحات: ۳۲۰

سطور: ۱۳فی صفحہ

کاغذ: دیسی موٹا

سال: ۲۷جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۵۹ء

یہ مخطوط بہت پرانا ہے۔اس مخطوط کے صفحہ ۶۳ سے ۳۱۱ تک معراج کا ذکر ہے البتہ بیان غیر معتبر ہے۔ص ۳۱۴ سے ''سہ حرفی'' میں ایک مناجات دی گئی ہے جو کہ اردو اور پنجابی زبانوں ملا کر لکھی گئی ہے اور اس کے ہر شعر کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ''حقا میری فریاد سن''

۱۵۔ معراج نامہ (مخطوط) :۔

مصنف: ملا احمد

کاتب: رحمت اللہ ولد عبدالرشید از اولاد مخدوم نور رنگ ضلع لاڑکانہ' سندھ

زبان: سندھی' منظوم

سائز: ۲۰، ۱۶۔س،م

صفحات: ۳۲۰

سطور: ۱۳فی صفحہ

سال: ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۹ء

اس نام سے دوسرا نسخہ بھی موجود ہے۔مصنف اور کاتب دونوں وہی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ مخطوط لکھا گیا اور بعد میں دوسرا کیونکہ اس میں تاریخ جمادی الاول ۱۲۷۹ھ کی ہے اور دوسرے میں جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ کی ہے۔البتہ آغاز والی عبارت میں فرق ہے۔اس میں قدیم سندھی زبان استعمال کی گئی ہے۔

۱۶۔ معارج النبوۃ فی مدارج الفتوہ (مخطوط) :۔

مصنف: ملا معین کاشانی المعروف بہ ملا مسکین

کاتب: دوست محمد بن تردی علی

زبان: فارسی

سائز: ۳۲'۲۲۔س'

صفحات: ۸۷۰

سطور: ۲۱ فی صفحہ

سال: ۱۰۳۶ھ/۱۶۱۶ء

اس مخطوط کا موضوع سیرت ہے یہ مخطوط بہت قدیم ہے۔ یہ مخطوط بہت مرتبہ چھپ چکا ہے۔ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ' آپ کے غزوات اور حالات مقدسہ کی انتہائی معتبر کتاب ہے۔ اصل کتاب ایک مقدمہ' چار ارکان اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ البتہ یہ مخطوطہ پرانا ہونے کی وجہ سے اس میں مقدمہ اور دو رکن کٹ گئے ہیں اس مخطوط میں آیات واحادیث لال سیاہی سے لکھی گئی ہیں۔

۱۷۔ نورنامو سندھی (مخطوط) :۔

مصنف: عبدالرحمٰن

کاتب: عثمان

زبان: سندھی' آزاد نظم

سائز: ۲۰'۱۰۔ا'م

صفحات: ۸۲

سطور: ۹ فی صفحہ

سال: ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۴ء

اس مخطوط میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے اور اس نام کی کتاب بہت سی

دوسری زبانوں میں بھی لکھی گئی ہیں۔

۱۸۔ **ہجرت نامو (مخطوط، منظوم) :۔**

مصنف: ثناءاللہ ثنائی

صفحات: ۸۰

سال:

اس قلمی سرمایہ میں حضور ﷺ کے مکہ سے **مدینہ ہجرت** والے واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں سیدنا صدیق اکبر کی رفاقت، سیدنا علی رضی اللہ کی شجاعت **مدینۃ المنورہ** کی مختصر تاریخ، مہاجروں کے لئے انصار کی قربانی، مدینۃ النبی میں حضور ﷺ کی پہلی تقریر اور حضرت ابوایوب انصاری، مسجد قباء، مسجد نبوی وغیرہ کے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔(۱۶)

نتائج:۔

1۔ سندھ کے علماء میں شروع ہی سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ رہا اور الحمدللہ اب بھی ہے اور انشااللہ تعالیٰ رہے گا۔

2۔ سندھ کے علماء نے سیرت پر لکھنے کے لئے قرآن وحدیث، شمائل ومغازی اور صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کی روایات، حالات کے احوال کو اپنا ماخذ بنایا۔

3۔ سندھی سیرت نگاروں نے ان کے بعد جن کتابوں کو اپنا مآخذ بنایا اس میں سرفہرست **ابوجعفر بن** ابراہیم بن عبداللہ کی کتاب مکاتیب النبی، **طبقات ابن سعد، دلائل النبوہ لابی نعیم اصفہانی، الخصائص الکبری، المواھب اللدنیة، مدارج النبوة، بذل القوة اور قوت العاشقین** شامل ہیں ان کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی اور **خطبات مدراس** بھی شامل ہیں۔

۱۶۔ دکتور حافظ عبد الغنی شیخ. "تذکرة علمآء لارکانه و مساعیهم للعلوم العربیة والاسلامیة". المقالة الدکتوراه فی العربیة. ص: ۴۱، ۴۳، ۴۳، ۱۹۹۳ء

4۔ نثر نگاروں کے علاوہ سندھی شعراء نے بھی سیرت رسول کو اجاگر کرنے میں بہت کوششیں کیں۔

تجاویز:۔

1۔ سندھی علماء کو چاہیے کہ ایک کمیٹی قائم کریں جو سیرت کے اصل ماخذ کا جائزہ لے اور ایک ایسی مستند اور مقبول عام کتاب تیار کرے جو اصل ماخذوں کا عکس ہو۔

2۔ دوسری زبانوں پر سیرت کی مستند کتابوں کے سندھی میں تراجم کئے جائیں۔

3۔ جدید سیرت نگاروں کو چاہئے کہ وہ سیرت پر لکھتے وقت ایسی روایات سے پرہیز کریں جو شان نبوت کے خلاف ہوں۔ اور ایسی غلطیوں کا اعادہ نہ کریں جن سے اسلام کے مرکزی عقیدے کو نقصان پہنچے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے علی احمد انصاری۔ سندھ میں سیرت نگاری۔ پی ایچ۔ ڈی سندھ یونیورسٹی: ۶۸۳۔۱۰ے دسمبر ۱۹۹۳ء

''علمائے سندھ کے تصنیف کئے گئے کچھ غیر مطبوعہ قدیم مخطوطات سیرۃ کا جائزہ''

* ڈاکٹر عبدالرزاق گھانگھرو

حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکت تمام انسانیت کے لئے ہدایت کا ذریعہ اور روشنی کا مینار ہے۔ پوری انسانیت آپ ﷺ سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی محتاج ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان مفکرین اور علمائے کرام نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں سے سبق حاصل کرنے کے لئے اس کو اجاگر کرنے والے عمل کو ایک مقدس فرض سمجھ کر پورا کیا ہے۔ تمام انسانیت نے اپنی عملی زندگی کو سنوارنے کے لئے، جس قدر آپ ﷺ سے روشنائی حاصل کی ہے، اس سے زیادہ روشنائی وہ کہیں سے بھی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو قرآن پاک کا عملی ظہور قرار دیا۔

برصغیر پاک و ہند میں سندھ سب سے پہلا ملک ہے۔ جہاں اسلام کی روشنی سب سے پہلے پہنچی اور اس کی منور شعاعوں سے سارا برصغیر روشن ہوا۔ یہاں تک کے علمائے کرام نے قدیم زمانے سے لے کر آج تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر جتنا کام کیا ہے وہ برصغیر کی کسی علاقائی زبان میں نہیں ہوا۔ خاص کر پاکستان کی کسی بھی صوبائی زبان میں سیرت طیبہ کے متعلق اس قدر کام نہیں کیا گیا۔ اس طرح سندھ کے قدیم ادوار سے لے کر آج تک بڑا علمی اور تحقیقی کام ہوا۔ ہے سن ۹۱ھ/ ۷۱۱ء میں سندھ میں عربی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور تقریباً تین سو سال تک قائم رہا۔ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے۔ ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' (۱) یعنی عوام حاکم کے دین پر ہوتے ہیں۔ اس قدرتی قانون کے

---

* مہران یونیورسٹی جامشورو حیدرآباد سندھ

۱۔ الزرقانی محمد بن عبدالباقی: ''مختصر المقاصد الحسنہ'' (عربی)، مکتبہ التربیتہ العربی لدول لخلیج الریاض. ۱۹۸۱ء ص: ۲۰۵

تحت سندھ کے لوگوں نے اسلامی روایات اور عربی زبانی کے اثر کو ہمیشہ کے لیے قبول کیا اور یہ اثر ابھی تک قائم و دائم ہے۔

تاریخی لحاظ سے مشہور عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی ذاتی کوشش اور سعی سے علم حدیث کو مدون کرنے کا کام شروع ہوا، تو سیرت طیبہ اور مغازی کا فن وجود میں آیا۔ ان کے ہی حکم سے عاصم بن انصاری (۱۲۱ھ / ۷۳۸ء) نے دمشق کی جامع مسجد میں سیرت کا درس دینا شروع کیا اور دوسری طرف اس فن کی تدوین کا کام بھی شروع کیا گیا۔ (۲) اس دور میں ایک دوسرے عالم امام محمد بن شہاب الزہری کو مغازی پر کتاب لکھنے کا کام سونپا گیا۔ امام زہری کے تلامذ میں ہشام بن عروہ کا شمار بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔ ان سے حدیث اور سیرت طیبہ پر کافی روایات نقل کی گئی ہیں۔ (۳) ان کے ایک شاگرد ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان السندی رالمتوفی ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء) بڑی شہرت کے مالک تھے۔ علم حدیث اور سیرت طیبہ کی تدوین کے ابتدائی دور میں یہ پہلا سندھی عالم ہے۔ جسے بیک وقت حدیث اور سیرت طیبہ سے نسبت رہی۔ اور مشہور محدث محمد بن اسحاق کی طرح۔ انہیں بھی سیرت اور مغازی کا امام مانا جاتا ہے۔ (۴)

مگر افسوس کہ ان کی تصنیف کی ہوئی کتاب ''المغازی'' زمانے کی دست برد کا شکار ہوگئی اور ان کی روایات ان کے حلقہ تلامیذ اور کتابوں کی زینت بن گئیں۔

امام ابومعشر نجیح کے بعد ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (المتوفی ۳۲۲ھ۔ ۹۳۳ء) تیسری صدی ہجری میں دوسرا سندھی عالم ہے۔ جس نے حضور ﷺ کی طرف سے مختلف مواقع پر لکھے گئے خطوط کو پہلی مرتبہ ''مکاتیب البنی ﷺ'' کے نام سے مدون کیا، جو ایک بڑا کارنامہ ہے۔ سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری کا یہ شاہکار زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہا ہے۔ اور سنہ ۱۹۸۶ء میں جامعہ کراچی کے شعبہ عربی کے اُستاد محمد عبدالشہید نعمانی نے اس کا ترجمہ و شرح ''فرامین نبویؐ'' کے نام سے الرحیم اکیڈمی

۲۔ مولانا دین محمد وفائی: ''تذکرۃ مشاہیر سندھ''، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، ۱۹۷۴، ص ۱۷-۱۹

۳۔ حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری: ''اصح السیر فی ھدی خیر البشر''، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، ۱۹۸۲ء ص ۱۳۔

۴۔ عبدالرحمن جلال الدین السیوطی: ''الخصائص الکبری''، مترجم حکیم غلام معین الدین، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۶ء، دیکھئے مقدمہ، ص و

کراچی کے تعاون سے شائع کیا ہے۔(۵)

سندھ میں عربی حکومت کے خاتمہ کے بعد سعہ، سومرا، مغل، ارغون دور تک سندھ کے علما اور فضلا نے سیرت طیبہ پر کافی علمی اور تحقیقی کام کیا۔ چونکہ ان ادوار کا علمی اور ادبی سرمایہ مکمل طور پر دستیاب نہیں ھو سکا ہے؛ اس لیے علمائے سندھ کی ان ادوار میں علمی اور ادبی خدمات کو مکمل طور پر اجاگر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود جو کچھ دستیاب ہوا ہے، وہ عربی اور فارسی زبانوں میں ہے اور ان ادوار کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔ اس کے بعد کلہوڑا دور حکومت میں اکثر سندھی علمائے تصنیف اور تالیف عربی اور فارسی کے ساتھ سندھی زبان میں کی ہے۔ یہ دور سندھ کی تاریخ میں علمی، ادبی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے ایک درخشاں دور تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور حکومت سے پہلے ہی ٹھٹھہ علمی اور سیاسی لحاظ سے ایک مشہور شہر تھا اور صدیوں سے علم وادب، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، تجارت اور تعلیم کا اہم مرکز تھا۔ ہیملٹن جب سندھ میں آیا تھا، اس زمانے میں ٹھٹھہ میں چار سو مدارس قائم تھے۔(٦)

۵۔ مولانا محمد عبدالشہید نعمانی نے علامہ ابوجعفر دیبلی کی کتاب ''مکاتیب النبی ﷺ'' نہ صرف مکاتیب کے موضوع پر اب تک دستیاب کتابوں میں اولین کتاب کی حیثیت سے شمار کیا ہے؛ بلکہ علامہ صاحب کا شمار حدیث کے راویوں میں بھی کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق علامہ دیبلی کے جزو ''مکاتیب النبی ﷺ'' کو روایت کرنے کا شرف مشہور حافظ حدیث ابوعلی نیشاپوری کو حاصل ہے حدیث کی کتابوں میں نقل کی گئیں مرویات میں ''جزوالدیبلی'' موجود ہے۔ چنانچہ ''تذكرة الحفاظ'' میں حافظ اعمش ہمدانی کے تذکرہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے؛ جس کے راویوں میں ابوجعفر دیبلی کا نام شامل ہے، اسکے علاوہ حافظ ابن عبدالبر نے احمد بن رحیم کے حوالے سے ابوجعفر کی ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ علامہ دیبلی کے اس جزو میں آپ ﷺ کے پچیس مکتوب جمع ہوئے ہیں۔ یہ تمام کے تمام مکتوب حضرت عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے اور مختلف موضوع سے متعلق ہیں۔ محدثین میں اس جزو کی روایت متداول رہی ہے۔
قرون متاخرہ میں اس جزو کی حفاظت اور راویت کا سہرہ حافظ شمس الدین محمد بن علی طولون کے سر ہے۔ حافظ بن طولون دسویں صدی کے مشہور مؤرخ، محدث حافظ حدیث ہیں۔ اور اپنے دور کے بڑے بلند پایہ مصنف گزرے ہیں۔ چھ سو کے قریب ان کی تصانیف ہیں ان کی تصانیف میں حضور ﷺ کے مکاتیب پر مشتمل ایک رسالہ ''اعلام السائلین عن کتب سيد المرسلين'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کے وہ مکاتیب ہیں؛ جو آپ ﷺ نے مختلف فرمانروان مملکت اور دیگر اہم شخصیات کے نام تحریر کروائے ہیں۔ خوش قسمتی سے حافظ ابن طولون نے اپنی کتاب کے آخر میں محدث علامہ ابوجعفر دیبلی کے اس جزو کو بھی نقل کیا ہے۔ علامہ ابن طولون کے اس رسالہ کا قدیمی نسخہ کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ (دیکھئے مقدمہ از مولانا محمد عبدالشہید نعمانی)

٦۔ ڈاکٹر مبارک علی؛ ''تاریخ سندھ مغل دور'' ادارہ نگارشات لاہور، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۰، ۵۱

کلھوڑا دور حکومت میں ٹھٹھہ کے علمی حلقے میں ایک نئی تحریک شروع ہوئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ عربی اور فارسی زبانوں کی بجائے، اسلامی علوم کا درس مادری سندھی زبان میں دیا جائے۔ اس تحریک کے اہم اسباب یہ تھے۔ پہلا یہ کہ بزرگان دین اور مشائخ شریعت کے تبلیغی اثر سے کئی غیر مسلم قوموں نے اسلام اختیار کیا تھا۔ اس لیے ٹھٹھہ کے علماء نے محسوس کیا کہ ان نومسلموں کو مذہبی تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ان نومسلموں کو اسلام کے فقہی مسائل عربی اور فارسی کی بجائے مادری زبان میں سمجھانا آسان ہوگا۔ (۷)

یوں بھی ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ مادری زبان میں دی ہوئی تعلیم زیادہ موثر ہوتی ہے۔ ٹھٹھہ میں اس تحریک کے بانی مخدوم ابوالحسن ٹھٹھوی تھے، جنہوں نے ۱۷۰۰ء میں نئی سندھی، عربی صورت خطی تیار کر کے، سندھی علماء کے لیے راہ ہموار کی۔ (۸)

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۷۴/۱۷۶۱ء) جو اس دور کے بڑے عالم مفسر اور فقیہ گزرے ہیں، نے اپنی تصنیف کی ہوئی تفسیر ''ہاشمی'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے یہ تفسیر اس لیے تالیف کی ہے؛ کیونکہ سندھ کے اکثر لوگ عربی زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے، قرآن پاک کے مطلب اور مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں؛ اس لئے میں یہ ترجمہ و تفسیر سندھی میں تالیف کر رہا ہوں۔ (۹)

مخدوم محمد ہاشم کا شمار سندھ کے بلند مرتبہ علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم کے ہر فن پر علمی اور تحقیقی کام کیا ہے ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔ انہوں نے علم تفسیر، حدیث، سیرت طیبہ اور علم فقہ پر عربی، فارسی اور سندھی زبان میں تصنیفات کی ہیں سیرت طیبہ پر ان کی تصنیفات بیس تک ہیں، جن میں کافی چھپ چکی ہیں اور بعض ابھی تک مخطوطوں کی شکل میں مختلف سرکاری و خانگی کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ان کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب ''**قوۃ العاشقین**'' کے نام سے مشہور ہے اس کتاب میں آپ ﷺ کے ایک سو ساٹھ معجزات کو بڑی تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مخدوم صاحب نے یہ کتاب ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء میں سندھی زبان میں تصنیف کی۔ '' **بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ**'' مخدوم

۷۔ مہر غلام رسول: ''تاریخ سندھ کلھوڑا دور''، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، ۱۹۶۴ء، ص: ۵۷۷۔

۸۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ: ''سندھی بولی ءِ ادب جی تاریخ''، پاکستان سٹڈی سینٹر جام شورو ۱۹۹۰ء۔

۹۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی: ''تفسیر ہاشمی''، کریمی پریس بمبئی، ۱۳۳۰ھ، ص: ۳

صاحب کی سیرت طیبہ پر عربی زبان کی مشہور تصنیف، علمی دنیا میں ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب اردو زبان میں ''عہد نبوت کے ماہ وسال'' کے نام سے ۱۹۷۶ء میں چھپ چکی ہے سندھ کی ادبی تاریخ میں سیرت طیبہ کے سلسلے میں مخدوم عبداللہ اور خلیفہ محمد ٹھٹھوی کے نام بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ مخدوم عبداللہ کی سیرت طیبہ پر تالیف کی گئی کتابیں ''بدر المنیر'' اور ''قمر المنیر'' چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں اور خلیفہ محمد کی تمام تصنیفات انڈیا آفس لائبریری میں مخطوطوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اس طرح کلہوڑا دور سے لے کہ نہ صرف برطانوی دور حکومت تک بلکہ آج تک اس سلسلے میں علمی اور تحقیقی کام جاری ہے۔ اس مختصر مقالے میں ہم نے سیرت طیبہ پر علمائے سندھ کی لکھی ہوئی ان تصانیف کا ذکر کیا ہے، جو ابھی تک مخطوطوں کی شکل میں موجود ہیں۔

(۱) فتح القوی فی نسب النبی ﷺ:

آپ ﷺ کے حسب ونسب کے متعلق یہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصنیف ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ یہ مخطوطہ 7x12 انچ کی سائز میں 155 صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر تقریباً 21 سے 28 سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ مخدوم صاحب نے اس کتاب میں حضور ﷺ کے شجرہ نسب پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس دوران مخدوم صاحب کو، جہاں اختلاف نظر آیا ہے، اس کو قرآن پاک، احادیث نبوی اور دیگر مشہور فقہی کتب کے حوالہ جات سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس مخطوطے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مخدوم صاحب نے نسب نامہ میں جتنے نام آئے ہیں ہر لفظ کے لغوی معنی پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ کس زبان کا مروج لفظ ہے۔ اس سلسلے میں پوری کتاب میں تقریباً دوسو قدیم عربی وفارسی تفاسیر، لغات اور کتب فقہی کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس دوران صفحہ 50 پر لفظ ''قریش'' پر علمی بحث کرتے ہوئے ۲۸ قدیم تفاسیر، لغات اور کتب فقہ حنفی کے حوالے نقل کئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آپ ﷺ کے حسب ونسب کے متعلق ایک معلوماتی اور تحقیقی کتاب ہے۔ مخدوم ٹھٹھوی نے یہ کتاب محرم الحرام ۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء سے لکھنا شروع کی اور ۱۴ ربیع الاوّل ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء میں مکمل کی، اس کتاب کا مخطوطہ تحصیل وارہ ضلع لاڑکانہ کے ایک گاؤں جونانی شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (۱۰)

۱۰۔ مگسی عبدالرسول: ''مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی'' ڈاکٹریٹ کے لئے لکھا گیا مقالہ، سندھ یونیورسٹی جام شورو؛ ۱۹۹۵، ص: ۱۵۶

(۲) الباقیات الصالحات فی ذکر ازواج الطاهرات:

یہ مخطوطہ 10x8 انچ کے سائز میں 38 صفحات پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اس مخطوطے میں حضور ﷺ کی ازاوج مطہرات سے شادی، ان کے حسب ونسب اور وفات کے متعلق احوال تحریر کیے ہیں۔ مخدوم صاحب نے جن قدیم عربی وفارسی تفاسیر وکتب سیرت سے استفادہ کیا ہے۔ ان سے حوالے نقل کر کے اپنی تحریر کو مستند بنانے کی کوشش کی ہے۔ قدیم مصنفین کی طرح مخدوم صاحب نے مخطوطہ کی تصنیف کا سال ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء درج کیا ہے۔ اس مخطوطے کے قلمی نسخے انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی جام شورو، مدرسہ نعیمیہ ملیر کراچی اور دارالعلوم منصورہ تحصیل ہالا کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔(۱۱)

(۳) تذکرہ معراج النبی ﷺ:

یہ مخطوطہ 18x25cm کے سائز میں 137 اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر 15 سطریں درج ہیں۔ اس تذکرہ میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے؛ آپ ﷺ کے معراج کے سفر کو عربی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ قدیم مصنفین کی طرح مصنف نے کہیں بھی اپنا نام نہیں لکھا البتہ تصنیف کا سال ربیع الاوّل 1155ھ/1742ء درج کیا ہے۔ مخطوطہ کے آخر میں کاتب کا نام محمد شفیع المجاور کتابت کا سال 1220ھ/1805ء لکھا ہوا ہے۔ یہ مخطوطہ انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی جام شورو میں موجود ہے۔ پورے مخطوطے میں مصنف نے ''عطر اللهم قبره الكريم بعرف شذى من صلواته وتسليم'' 54 مرتبہ تحریر کیا ہے۔(۱۲)

(۴) وسیلة الفقیر فی شرح اسماء الرسول ﷺ:

یہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصنیف ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ یہ مخطوطہ 9x7 انچ کے سائز میں 562 صفحات پر مشتمل ہے۔ مخدوم صاحب نے اس مخطوطہ میں آپ ﷺ کے 1181 اسمائے گرامی تحریر

۱۱۔ ایضاً ص: ۶۸۰

۱۲۔ محمد صدیق ماسٹر: ''سندھالاجی میں موجود قلمی نسخن جوتشریحی کیٹلاگ''، ۱۹۸۰ء ص: ۱۷۷

کئے ہیں اور ان کو حروف تہجی پر ترتیب دیکر، ان کی لغوی معنی پر بحث کی ہے۔اس کے ساتھ اس بات کی نشاندہی بھی کی ہے کہ یہ اسمائے گرامی کو قرآن پاک، احادیث نبوی اور دیگر کتب لغات میں کہاں اور کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔مخدوم صاحب نے اس مخطوطہ میں کہیں بھی تصنیف کا سال نہیں لکھا اور نہ ہی کاتب نے کتابت کی تاریخ درج کی ہے۔یہ مخطوطہ سندھ یونیورسٹی کی مرکزی علامہ آ ء- آ ء قاضی لائبریری میں موجود ہے۔(۱۳)

(۵) ثمانیہ قصائد صغارفی مدح النبی ﷺ:

حضور ﷺ کی مدح اور ثنا میں تصنیف کئے گئے یہ آٹھ رسائل مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تالیف ہیں۔یہ رسائل 7x5 انچ کے سائز میں 182 صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہر ایک صفحہ پر دس سے لے کر 15 تک سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ان رسائل میں ایک قصیدہ، قصیدہ بردہ کی نہج پر تالیف کیا گیا ہے۔اور باقی میں مختلف قافیے بنا کر نہایت والہانہ عقیدت کے ساتھ فخر دوعالم ﷺ کی توصیف اور تعریف بیان کی ہے۔ایک قصیدہ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے۔

یا سالکا طرق المدینہ طیبہ
بلغ تحیاتی الی ساکن الحرم
فاذاقدمت بھا نقول ملاک
اھلاً وسھلاً مرحبا خیر مقدم

اس طرح اس قصیدہ کا خاتمہ اس طرح کیا گیا ہے۔

صلی علیہ وآلہ رب العباد وصحبہ
مادام برق دانا صلو علیہ وسلمو)(۱۴)

یہ مخطوطہ قاسمیہ لائبریری کنڈیارو ضلع نوشہرو فیروز میں موجود ہے اور اس مخطوطہ کے آخر میں

۱۳۔قادری عبدالرسول:''مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی؛سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۸۸ء،ص:۱۰۹

۱۴۔مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی:''قصیدہ میمہ المسدس فی مدح النبی ﷺ''(قلمی)،ص:۱۷

کاتب کا نام فیض محمد ولد حاجی بوبکائی اور کتابت کا سال 1205ھ/1790ء درج ہے۔

(۶) معراج نامہ:

یہ مخطوطہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے۔ جو 18x14 س۔م کے سائز میں 38 اوراق پر مشتمل ہے، قدیم سندھی نظم میں لکھے گئے، اس مخطوطہ کے ہر ورق پر 14 سطریں ہیں۔ مشہور عربی تفاسیر، کتب حدیث اور دیگر کتب سے، جو حوالہ جات نقل کئے گئے ہیں: ان کے لیے کاتب نے لال سیاھی استعمال کی ہے۔ یہ مخطوطہ خلیفہ محمد بن عبدالخالق کی تصنیف ہے۔ خلیفہ صاحب کلھوڑا دور کے بلند مرتبہ عالم، مفسر اور سیرت نگار ہیں، جن کی تمام تصنیفات سندھی زبان میں ہیں اور تمام کی تمام انڈیا آفس لائبریری میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ مخطوطہ کے آخر میں کتابت کا سال 1201ھ/ 1780ء درج ہے۔ (۱۵)

(۷) غزوات:

آپ ﷺ کی شجاعت، تدبر اور غزوات پر مشتمل یہ مخطوطہ مخدوم عبداللہ نرائی کی تصنیف ہے۔ 32*25cm کے سائز میں مخدوم عبداللہ نے قدیم سندھی نظم میں، سیرت طیبہ کے اس اہم موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس مخطوطہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مخدوم صاحب نے اپنی تحریر کو مستند اور مدلل بنانے کیلئے، مشہور قدیم عربی وفارسی تفاسیر ودیگر کتب کے علاوہ، قرآن پاک کی، آیات کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ چونکہ قرآن پاک کی آیات کیلئے کاتب نے لال سیاہی استعمال کی ہے۔ اس لئے قرآنی آیات نمایاں نظر آتی ہیں اور یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیات کی تفسیر ہے۔ مخطوطہ کی آخر میں مخدوم صاحب نے اپنا نام اور تالیف کا سن 1175ھ/1762ء درج کیا ہے۔ یہ مخطوطہ قاسمیہ لائبریری کنڈیارو ضلع نوشہرو فیروز میں موجود ہے۔ ڈاکٹر میمن عبداللہ المجید کی رائے ہے کہ سندھی زبان میں یہ پہلی کتاب ہے، جو اس موضوع پر تالیف کی گئی۔ (۱۶)

۱۵۔ Dr : Shakle :Catalogue of the Punjab and Sindhi Manuscripts in the Indian office library "london ,1977-p-80.

۱۶۔ مخدوم عبداللہ: ''خزانۃ الاعظم'' مہران اکیڈمی کراچی؛ ۱۹۹۶ء، ص: ۳۳، ۳۴ دیکھئے مقدمہ

(۸) معراج نامہ:

حضور ﷺ کے معراج کے سفر پر مشتمل یہ مخطوطہ انسٹیٹیوٹ آف سندھالا جی میں موجود ہے۔ 30*12.5 کے سائز میں، اس مخطوطے میں 472 صفحات ہیں۔ قدیم سندھی نظم میں تالیف، اس مخطوطہ میں، مصنف نے اپنا ظاہر نہیں کیا؛ البتہ آخر میں کاتب کا نام محمد حسین سومرو اور کتابت کا سن 1227ھ/1809ء لکھا ہوا ہے۔ (۱۷)

(۹) شمائل محمدیہ:

14x20cm کے سائز میں، یہ مخطوطہ 572 صفحات پر مشتمل ہے اور ہر ورق پر سطروں کی تعداد 13 ہے۔ مصنف عبداللہ الرسول بن عبدالصمد نے عربی زبان میں آپ ﷺ کی صورت، قد وقامت، قیام وقعود، کردار و گفتار پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ مخطوطہ کی شروع میں 18 صفحات پر صرف فہرست دی گئی ہے۔ مخطوطہ کی شروع میں مصنف نے حمد و درود کے بعد اپنا شجرہ نسب نقل کیا ہے۔ اور اس کے بعد ان الفاظ سے مخطوطہ کو شروع کیا ہے۔

"لمن لیس له قوته فی العربیه وسمیتها بالشمائل المحمدیه....الخ"

مخطوطہ کے آخر میں کاتب کا نام سید حیدر شاہ ولد سید میر علی شاہ ساکن قریہ اجن شاہ اور کتابت کا سال 25 المرجب 1276ھ/1859ء درج ہے۔ یہ مخطوطہ انسٹیٹیوٹ آف سندھالا جی میں موجود ہے۔ (۱۸).

(۱۰) زبدة الموالید :

یہ مخطوطہ قاسمیہ لائبریری کنڈیارو میں موجود ہے۔ 18*14.5cm کے سائز کے اس مخطوطہ میں کل 147 اوراق ہیں۔ فارسی زبان میں لکھے گئے، اس مخطوطہ کا مصنف مخدوم علی محمد دائرائی ہے۔ موصوف سندھ کی مشہور قدیم دینی درسگاہ دائرہ شریف کے بانی تھے۔ آپ نے اس کتاب میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کو مشہور عربی وفارسی تفاسیر و کتب سیرت کی روشنی میں ترتیب دیا ہے۔ مخدوم صاحب نے

۱۷۔ "سندھالا جی میں موجود قلمی نسخن جو تشریحی کیٹلاگ، ص: ۱۴۴

۱۸۔ ایضاً؛ ص: ۲۰۳

کتاب کے آخر میں تالیف کا سال 9 ربیع الثانی 1281ھ/1864ء لکھا ہے۔(۱۹)

(۱۱) حلیۃ النبی ﷺ:

آپ ﷺ کی شکل وصورت مبارک کے متعلق یہ عربی مخطوطہ سندھ یونیورسٹی کی علامہ آء آء قاضی لائبریری میں موجود ہے۔24x14cm کے سائز میں، یہ مخطوطہ 36 صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے مختلف صحابہ اکرام اور ازواج مطہرات سے روایت کی گئیں احادیث کو اس مخطوطہ میں جمع کیا ہے۔ اس مخطوطہ کے مطالعہ سے کہیں بھی مصنف کا نام ظاہر نہیں ہوتا البتہ مخطوطہ کے آخر میں، کاتب کا نام فضل اللہ بن عمر دربیلوی السندی اور کتابت کا سن 1186ھ/1772ء معلوم ہوتا ہے۔(۲۰)

(۱۲) معراج نامہ:

حضور ﷺ کے معراج کے سفر پر تالیف کیا گیا یہ مخطوطہ احمد نامی ایک عالم کا ہے۔ سندھ کی ادبی تاریخ میں، اس عالم کے متعلق کوئی تفصیلی ذکر نہیں ملتا۔16*17cm کے سائز میں، اس مخطوطہ میں صفحات کی تعداد 320 ہے۔ قدیم سندھی نظم میں لکھے گئے، اس مخطوطہ میں تصنیف کا سال درج نہیں ہے۔ البتہ کاتب کا نام رحمتہ اللہ بن عبدالرشید اور کتابت کا سال 1279ھ/1843ء لکھا ہوا ہے۔ یہ انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی جام شورو میں موجود ہے۔ مندرجہ بالا مخطوطات کے علاوہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود قدیم سندھی مخطوطات میں کچھ ایسے مختصر رسائل شامل ہیں، جن میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ خصوصاً آپ ﷺ کی مدح، ولادت باسعادت اور معراج کے سفر کے متعلق احوال درج ہیں۔ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل نے اپنے ترتیب دیئے ہوئے کیٹلاگ میں، ان مختصر رسائل کا ذکر کیا ہے۔(۲۱)

۱۹۔ مخدوم علی محمد: ''مصلح المفتاح''، سندھ یونیورسٹی پریس حیدرآباد؛ ۱۹۷۰ء دیکھئے مقدمہ از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ؛ ص: ۱۴

۲۰۔ کاتب فضل اللہ بن عمر دربیلوی کے دو اور مخطوطے بھی علامہ آء آء قاضی لائبریری میں موجود ہیں۔ سندھ کی ادبی تاریخ میں دربیلوی علماء وفضلا کا تذکرہ نمایاں طور پر ملتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' (فارسی) میں دربیلوی علما میں سے قاضی عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ دربیلوی کے علم وکمالات کا ذکر کیا ہے۔

۲۱۔ Dr.Shakle :"Cataluge of Punjabi and Sindhi Manuscripts in India Office Library "London 1977-p-58-7.

کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر

علامہ ابن عبدالبر القرطبی

* پروفیسر ڈاکٹر نورالدین جامی

پانچویں صدی ہجری کی تاریخ کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ لیا جائے تو آسمان علم وحکمت پر بے شمار درخشندہ ستارے جلوہ گر نظر آئیں گے جو اپنے علم وادب کی ضیاء پاشی سے جہاں بھر کی تاریکیوں اور ظلمتوں کو کافور کر دیتے ہیں۔ تحقیق وتدقیق کے نئے نئے زاویے روشناس کرا دیتے ہیں اور جن کی ذات سے علم وادب کے بے شمار چشمے پھوٹتے ہیں۔ انہیں تابندہ ستاروں میں اندلس کے علامہ ابن عبدالبر کی شخصیت آفتاب جہانتاب بن کر ابھرتی ہے۔

نام ونسب:۔

آپ کا نام یوسف کنیت ابوعمرو، اور عرفیت ابن عبدالبر ہے۔ آپ کا پورا نام یوسف بن عبداللہ بن محمد عبدالبر بن عاصم النمر ی القرطبی ہے۔(۱)

تاریخ پیدائش:

آپ کی پیدائش بروز جمعہ 25 ربیع الثانی 368ھ کو قرطبہ میں ہوئی۔(۲) ابوالحسن طاہر بن مغفور المغافری کہتے ہیں کہ مجھے ابوعمرو عبدالبر نے اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ کی تولید جمعہ کے روز اس وقت ہوئی جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا(۳)۔

خاندان:

آپ نے خالصتاً علمی وادبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ آپ کا خاندان علمی لحاظ سے قرطبہ میں ممتاز

* چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان

۱۔ ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر وفیات الاعیان، دارالفکر، بیروت لبنان، ج ۳، ص ٦٦

۲۔ معلم بطرس البستانی، دائرۃ المعارف، دارالمعرفہ بیروت، ج 1، ص ۵۸۵

۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان ج ۳ ص ۷۱

تھا۔آپ کے والد محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالبر(380ء) قرطبہ کے عالی مرتبہ فقہاومحدثین میں سے تھے اور علم وادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔آپ کا وطن قرطبہ اور قبیلہ المنتری تھا اور یہ نسب النمر قاسط کی وجہ سے ہوا جو اس خاندان کے مورث اعلیٰ تھے (۴)۔

حالات زندگی:

آپ کے والد کا شمار قرطبہ کے فقہاومحدثین میں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے والد نے آپ کو ٹھوس بنیادوں پر تعلیم دلوائی۔ابھی بمشکل آپ کی عمر تیرہ برس ہوگی کہ آپ کے والد محمد عبداللہ بن عبدالبر کا ربیع الثانی 380ھ میں وصال ہوگیا(۵)۔

تاہم آپ اس عظیم سانحہ کے باوجود بھی بڑے ذوق وجستجو کے ساتھ حصول علم میں مگن رہے اور قرطبہ میں ہی اس وقت کے جید ترین علماء کرام سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔آپ نے قرطبہ میں جن علماء سے تعلیم حاصل کی ان میں ابوالقاسم خلف بن القاسم،عبدالوارث بن سفیان،عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن، محمد بن عبدالمالک بن صیفوں،عبداللہ بن محمد بن اسد الجھنی،یحی بن وجہ الجنتہ،احمد بن فتح الرساں،سعید بن نصر،الحسین ابن یعقوب البجانی،ابوعمر بن الحسو اروغیرہ شامل ہیں(۶)۔

ان نابغہ روزگار علماء کرام کے علاوہ ابن خلکان نے چند ایک اور حضرات کا بھی ذکر کیا ہے۔جن سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ان میں ابوعمرالطلمنکی،ابوالولید ابن الفرضی وغیرہ شامل ہیں اور علوم حدیث کی اجازت اہل مشرق میں سے آپ کو ابوالقاسم اسقطی الملکی،عبدالغنی بن سعید الحافظ،ابوذر الھروی،ابومحمد ابن النحاس المصری وغیرہ نے دی ہے۔

قاضی ابوعلی الحسین بن احمد بن حمد الغسانی الاندلسی الجیانی کہتے ہیں۔کہ ابن عبدالبر اہل قرطبہ میں سے ہمارے شیخ تھے۔آپ نے فقہ کا علم ابوعمر احمد بن عبدالمالک بن ہاشم الفقیہ الاشبیلی سے حاصل کیا اور علوم حدیث ابوالولید ابن الفرضی الحافظ سے حاصل کیا۔آپ نے ان سے بہت کچھ اخذ کیا اور آپ علم کی

۴۔ ایضا

۵۔ ایضا

۶۔ ذھبی،شمس الدین محمد،تذکرۃ الحفاظ داراحیاء التراث اسلامی ۱۳۷۴ھ،ج ۳،ص ۱۱۲۸

طلب میں مگن رہے۔ یہاں تک کہ آپ اندلس کے تمام علماء پر فائق تھے اور شہرۂ آفاق بن گئے۔(۷) پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں جب قرطبہ سیاسی لحاظ سے خلفشار اور افراتفری کا شکار تھا۔اموی حکومت ختم ہوگئی تھی۔ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلنے لگا تھا نتیجتاً قرطبہ کے بہت سے علماء وادباء نے وہاں سے ہجرت کرنا شروع کردی۔علامہ ابن عبدالبر اپنی علمی منزلت کی وجہ سے اس وقت قرطبہ میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے تھے۔آپ نے بھی وہاں سے ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا اور آپ قرطبہ سے بطلیموس چلے گئے جہاں بنوالافطس کی حکمرانی تھی۔وہ بڑا علم دوست اور قدردان شخص تھا۔انہوں نے آپ کی بڑی عزت وتوقیر کی اور آپ کو اپنی ریاست کے دوشہروں اشوتہ اور شنتریں کا قاضی مقرر کردیا۔پھر آپ مشرقی اندلس چلے گئے۔بلنسیہ اور دانیہ میں اقامت گزیں ہوگئے۔جہاں مجاہد حکمران تھا۔مجاہد کو قرآن و حدیث میں خاصی درک تھی۔(۸) اس لئے اس نے آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور بہت تھوڑے عرصے میں دونوں کے درمیان دوستی اور اخوت کا مضبوط رشتہ استوار ہوگیا۔(۹)

علامہ ابن عبدالبر کا ایک بیٹا محمد عبداللہ بن یوسف بہت بڑا ادیب وانشاء پرداز اور شاعر تھا اور فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ تھا۔آپ کی کئی کتب،رسائل اور اشعار موجود ہیں۔ان کے اشعار میں سے دوشعر ملاحظہ فرمائیے۔

لا تكثرن تـــــاملا
واحبس عليك عنان طرفك
فـلـســر بـمـــا ارسـلتـــه
فـرمـــا ک فـي ميدان حتفك

(۱۰)

۷۔ ابن خلکان وفیات الاعیان ج۷ص۶۶۰

۸۔ ڈاکٹر شوقی ضیف،الدرر فی اختصار المغازی والسیر محمد اجمل اصلاحی مترجم بحوالہ نقوش،مدیر محمد طفیل ادارہ فروغ اردو لاہور،ج ا ص۶:۶

۹۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی ناشر مرکز دائرہ المعارف بزرگ الاسلامی چاپ اول ۱۳۷۰ تہران،ج ۴ص۱۸۲

۱۰۔ ابن خلکان،وفیات الاعیان، ج ۷ص۷۲

اس کی اس زبان دانی اور علم وادب کی وجہ سے مجاہد نے ان کو اپنے ''دواوین'' میں ملازمت دی اور مجاہد کے بعد جب اس کا بڑا بیٹا علی بن مجاہد حکمران بنا تو اس نے انہیں دواوین اور کاتبین کا صدر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آتا ہے۔ علی بن مجاہد نے علامہ ابن عبدالبر کے اسی مذکور صاحبزادہ کو اسبیلیہ کے امیر معتصد (۴۳۶۔۴۶۱ھ) کے پاس پیامبر بنا کر بھیجا۔ لیکن انہوں نے آپ کا خیر مقدم کرنے کی بجائے آپ کو قید کر دیا۔ پھر آخر کار علامہ ابن عبدالبر نے خود معتصد کی شان میں قصیدہ لکھا اور رحم کی درخواست کی۔ چنانچہ معتصد نے انہیں رہا کر دیا اور آپ واپس دانیہ آ گئے۔ (۱۱)

لیکن رہائی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ انتقال کر گیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں: ''قیل انه مات سنة ثمان وخمسين واربع مائة'' کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔ (۱۲) اپنے بیٹے کی وفات کے بعد آپ دوانیہ سے شاطبہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی وہیں علم وتعلیم میں مگن رہے۔ (۱۳)

وفات:

بقیہ زندگی آپ نے شاطبہ میں ہی گزاری۔ یہاں تک آپ ربیع الثانی ۴۶۳ھ بروز جمعۃ المبارک کو اس دارفانی سے رحلت فرما گئے اور آپ کا جنازہ ابوالحسن طاہر بن مفوز المعافری نے پڑھایا۔ (۱۴) اس لحاظ سے وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۵ سال تھی۔

آپ کی علمی خدمات:

علامہ ابن عبدالبر ایک نہایت ہی جامع شخصیت تھے۔ آپ بلاشبہ عالم کل تھے۔ آپ نے تمام علوم فنون خاص کر قرآن، تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، تاریخ، سیر ومغازی، فصاحت وبلاغت، معانی وبیان، فقہ، اصول فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے ایک طرف سے درس وتدریس اور قضاء وافتاء کے ساتھ بے شمار تشنگان علم کو سیراب کیا تو دوسری طرف تصانیف وتالیف کا ایک ضخیم ذخیرہ بھی آپ کے علمی تبحر

۱۱۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۹ ص۱۸۲

۱۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۷ ص۷۲

۱۳۔ نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل مقالہ نگار ڈاکٹر شوقی ضیف، ص۶۱۷

۱۴۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۷ ص۷۱

اور جلالت شان اور عظمت پر شاہد ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ آگے چلنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے فقہی نظریات پر اختصار کے ساتھ کچھ رقم کر دیا جائے۔

فقہی مذہب:

فقہ میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ابو علی غسانی فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد علامہ ابن عبدالبر قرطبی نے اپنے وطن میں فقہ کی تحصیل کی اور اس میں نمایاں قابلیت اور بصیرت پیدا کی اور مشہور فقیہ ابو عمر احمد بن عبدالمالک اشبیلی کی صحبت اختیار کی اور ان سے مسائل کی تحصیل کی۔ ابن خلکان اور ذھبی نے علم حدیث واثر کی طرح فقہ میں بھی ان کے تقدم اور فقہی بصیرت کا ذکر کیا ہے۔(۱۵)

علوم قرآن وحدیث میں گہرے تفکر وتدبر کی وجہ سے علامہ ابن عبدالبر کسی خاص فقہی مسلک کے پیروکار نہ تھے اور آپ کا مذہب ہر قسم کے تعصب اور اندھی تقلید سے پاک تھا۔ ابتداً آپ کا مسلک ظاہری مذہب کی طرف تھا اور اہل ظواھر قرآن وسنت پر ہی احکام کی بنیاد رکھتے اور قیاس کو ناجائز سمجھتے تھے۔ لیکن بعد ازاں انہوں نے مالکی مذہب اختیار کیا۔ تاہم ان کا میلان شافعی مذہب کی طرف بھی تھا اور بعض مسائل میں فقہ شافعیہ کو صحیح مانتے تھے۔(۱۶)

شمس الدین محمد ذھبی تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے مذہب فقہی کی بابت لکھتے ہیں کہ:

"وکان دیناصیناًثقة حجة صاحب سنة واتباع وکان اولا ظاهر یا اثر یا ثم صار مالکیاً مع میل کثیر الی فقه الشافعی "

امام حمیدی لکھتے ہیں۔ ابو عمر فقیہ، حافظ، علم قراءت کے ماہر اور بلا اختلاف علوم حدیث اور اسماء الرجال میں سب سے زیادہ ماہر تھے اور آپ کا میلان فقہ میں امام شافعی کے اقوال کی طرف تھا۔(۱۷)

شعر وادب:

ابن عبدالبر کا میلان شعر وسخن کی طرف بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر چہ باقاعدہ آپ کا دیوان تو منظر

۱۵۔ اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ گرین وے پرنٹر لاہور، طبع اول ۱۹۸۷ء، ج ۲ ص ۲۴۰

۱۶۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۴ ص ۱۸۲

۱۷۔ ذھبی، شمس الدین محمد، تذکرۃ الحفاظ، ج ۳ ص ۱۱۳۰

عام پرنہیں ہے۔تاہم آپ کے اشعار آپ کی چند کتابوں میں ہمیں ملتے ہیں۔جن سے ان کے ذوق لطیف اورادب و بلاغت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تذکرت من یبکی علی مداوما
فلم ارالا العلم بالدین والحبر
علوم کتاب اللہ والسنن التی
اتت عن رسول اللہ مع صحة الاثر
وعلم الا ولی من ناقدیہ وفھمنا
لما اختلفوا فی العلم بالرای والنظر

دیگر اشعار ملاحظہ ہوں۔

مقالة ذی نصح وذات فوائد !
اذا من ذوی الاحباب کان استماعھا
علیکم باثار النبی فانہ
من افضل اعمال الرشاد اتباعھا (۱۸)

مختصراً یہ کہ علامہ ابن عبدالبر ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔آپ قراءت وتفسیر، تاریخ وانساب، سیر واخبار اورادب وعربیت، فقہ واستنباط وغیرہ پر گہری بصیرت رکھتے تھے۔اب اختصار کے ساتھ آپ کے چند مشہور تلامذہ اور آپ کی کتب وتصانیف کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد وحصر شمار سے باہر ہے۔بے شمار تشنگان علم نے آپ سے استفادہ کیا۔ چند ایک مشہور تلامذہ جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔حافظ ذھبی نے آپ کے تلامذہ میں ابو العباس العلائی، ابومحمد بن ابی قحافة، ابوالحسن ابن مفوز، ابوعلی الغسانی، ابوعبداللہ

۱۸۔ اصلاح ضیاء الدین، تذکرة المحدثین، ج ۲ ص ۲۴۱

۱۹۔ ذھبی، شمس الدین محمد، تذکرة الحفاظ، ج ۳ ص ۱۱۳۰

الحمیدی ابو بحر سفیان بن العاص، محمد بن فتوح الانصاری، ابوداؤد سلیمان بن القاسم کوذکر کیا ہے۔(۱۹)

تصانیف:

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ تصنیف وتالیف میں توفیق الٰہی اور تائید ایزدی علامہ ابن عبدالبر کے شامل حال تھی۔علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ ان کی کتابیں مختلف حیثیتوں سے اہم اور بے مثال ہیں۔ان کی کتابوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ان کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

1۔ علوم قرآن:

علوم قرآن پر درج ذیل کتب ہیں۔

1 - البیان عن تلاوۃ القرآن یا البیان فی تاویلات القرآن

2. کتاب المدخل فی القراء ت یا کتاب التجوید والمدخل الی علم القرآن بالتجوید (دوجلدیں)

3- کتاب الاکتفاء قراء ۃ نافع وابی عمرو (۲۰)

2۔ علوم حدیث واسماء الرجال:

1- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

2- التمہید لمافی المؤطا من المعافي والاسانید(۲۱)

3- تجرید

4- التغطاء بحدیث المؤطا

5- التقصی بحدیث المؤطا (۲۲)

6- کتاب الاستذکار

۲۰۔ اصلاحی،ضیاءالدین،تذکرۃ المحدثین،ج ۲ ص ۲۴۵

۲۱۔ ابن خلکان،وفیات الاعیان،ج ۷ ص۶۶۷

۲۲۔ اصلاحی،ضیاالدین،تذکرۃ المحدثین،ج ۲ ص ۲۴۹

7. الانباه علی قبائل الرواۃ(۲۳)

8. کتاب الکنی

9. الا جو بۃ الموعبۃ

10. کتاب الشواھد فی اثبات خبر الواحد

11. کتاب الا ستظھارفی حدیث عمار

12. کتاب اختلاف اصحاب مالک بن انس واختلاف روایا تھم عنہ (۲۴)

13. اختصار التمیز لمسلم (۲۴)

14. اختصارالتحریر

15. القصد والا مم (۲۵)

3۔ سیرت ومغازی وتاریخ:

1. کتاب الا خبار الائمتہ الا مصار (سات جلدیں)

2. اختصار تاریخ احمد بن سعید

3. فھرست الشیوخ

4. کتاب جمھرۃ الا نساب (۲۶)

5. کتاب الدررفی اختصار المغازی والسیر(۲۷)

ہماری بحث اس کتاب پر ہوگی اوراس کا تفصیلی تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

۲۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۷ ص ۶۷

۲۴۔ اصلاحی، ضیاالدین، ج ۲ ص ۲۴۵

۲۵۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۴ ص ۱۸۳

۲۶۔ اصلاحی، ضیاءالدین، تذکرۃ المحدثین، ج ۲ ص ۲۴۵

۲۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۷ ص ۶۷

4۔فقہ:

1 . كتاب الفرائض

2 . كتاب الكافي (۲۸)

3 . الانصاف فيمافي بسم الله من الخلاف

4 . الا نتقاء في فضائل الثلا ثه الفقهامالك والشافعي و ابي حنيفة (۲۹)

5۔فلسفہ:

1 . كتاب العقل والعقلاء

6۔شعروادب اور متفرق مضامین:

1 . الا حتيال بمافي شعرابي العتا هية من الامثال

2 . كتاب بهجة المجالس وانس المجالس

3 . جامع بيان العلم وفضله

4 . البستان في الاخدان (۳۰)

ابن عبدالبر جلیل القدر علماء کی نظر میں:

علامہ ابن عبدالبر کے معاصرین اور امت کے جلیل القدر علماء نے آپ کی علمی خدمات، وجاہت وتبحر کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور آپ کے عظیم مرتبہ ومقام کا اعتراف کیا ہے۔ہم چند ایک آراء اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

1۔ ابوالولید الباجی فرماتے ہیں:۔حدیث میں ابوعمر جیسا اندلس میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

2۔ ابن حزم کہتے ہیں:۔علوم حدیث کو سمجھنے کے لئے ہمارے صاحب ابوعمر ابن عبدالبر القرطبی کی

۲۸۔ اصلاحی، ضیاالدین، تذکرۃ المحدثین، ج ۲ ص ۲۴۶

۲۹۔ ذھبی، شمس الدین محمد، تذکرۃ الحفاظ، ج ۷ ص ۱۱۲۹

۳۰۔ اصلاحی، ضیاالدین، تذکرۃ المحدثین، ج ۲ ص ۲۴۸-۲۴۵

کتاب ''التمهید'' جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس سے معیاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

3۔ قال ابن سکرة سمعت ابا لولید الباجی بقول:۔ ابوعمر احفظ المغرب۔(۳۱)

4 ۔ علامہ الغسانی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عبدالبر کو یہ کہتے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ہمارے ملک میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد الجباب جیسا کوئی نہیں ہے۔غسانی کہتے ہیں کہ انکا کہنا درست لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبر نہ تو اس سے کسی درجہ میں کم تھے اور نہ ہی ان سے پیچھے رہنے والے تھے۔وہ نمر بن قاسط کی اولاد میں سے تھے اور انہوں نے علم حاصل کیا اور خوب حاصل کیا۔انہوں نے ابوعمر احمد بن عبدالما لک فقہی کی صحبت میں رہ کر فقہ اور ابولولید ابن الفرصی کی صحبت میں رہ کر علم حدیث میں مہارت تامہ حاصل کی اور اس قدر محنت کی کہ تمام علماء اندلس سے ہر فن میں فائق ہو گئے۔(۳۲)

5۔ ابن بشکوال لکھتے ہیں کہ تصنیف وتالیف میں خوش اوقات اور صاحب توفیق تھے،اللہ تعالی نے ان کی تصنیفات سے دنیا کو فائدہ پہنچایا۔حدیث وفقہ میں گہری بصیرت کے ساتھ علم الانساب اور تاریخ میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔(۳۳)

طوالت کے خوف سے اس مضمون کے اب دوسرے حصے کی طرف توجہ دیتے ہیں اور وہ ہے علامہ ابن عبدالبر کی کتاب الدرر فی المغازی والسیر پر اجمالی تبصرہ۔مزید لکھنے سے پہلے اس بات کا اعتراف کر دینا مناسب ہے کہ کوشش بسیار کے باوجود اصل کتاب نہ مل سکی۔تاہم دیگر کتاب کے علاوہ نقوش رسول نمبر 1 سے ہی زیادہ تر اس ضمن میں استفادہ کیا جائے گا۔

کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر :

دائرہ المعارف بزرگ اسلامی کا مقالہ نگار بھی اس کتاب کی بابت لکھتا ہے۔

الدرر فی اختصار المغازی والسیر (قاھرہ 1995ء)ایں اثر در سیرۃ نبوی

۳۱۔ ابن خلکان،وفیات الاعیان،ج ۷ ص ٦٦

۳۲۔ ذھبی،شمس الدین محمد،تذکرۃ الحفاظ، ج ۳ ص

۳۳۔ نقوش سیرت رسول نمبرا، ص ٦١٨

خلاصه ای است از سیره ابن اسحاق .البته افزون پر کتاب ابن اسحاق روایتهای از کتابهائے موسی بن عقبه وابن ابی خیثمه ونز از روایتهای استاد دانش آوردہ است .ابن حزم دوست پایه تعبیری شاگرد ابن عبدالبر تیر درجوامع السیرۃ از ایں کتاب بھرہ جستہ است.(۳۴)

ابن عبدالبر نے الدرر کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب آنحضرت ﷺ کی بعثت اس کے بعد کے واقعات وحالات پر لکھی ہے اور موسی بن عقبہ (م 141ھ) اور محمد بن اسحق (م150ھ) کی سیرت النبی کو ماخذ بنایا ہے۔جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ دونوں کتابیں سیرت کی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور سیرت پر قلم اٹھانے والے ہی مصنفین ان سے استفادہ کرتے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ بہت سی قدیم کتابوں کی طرح یہ دونوں کتابیں بھی ناپید ہوگئیں ۔اب سیرت ابن اسحٰق کا صرف ایک ٹکڑا کتب خانہ رباط میں محفوظ ہے۔جہاں تک ابن ھشام کی رویت کا تعلق ہے تو وہ مکمل نہیں بلکہ اصل کتاب کی تلخیص وتہذیب ہے اور وہ بھی ابن اسحٰق سے براہ راست روایت نہیں بلکہ ان کے شاگرد زیاد بن عبداللہ سے منقول ہے۔

الدرر کے ماخذ:

اس کتاب کے بنیادی طور پر تین ماخذ ہیں۔(1) سیرت موسٰی بن عقبہ (2) سیرت ابن اسحٰق (3) سیرت بن ابی خیثمہ ۔لیکن ان کے علاوہ کئی دیگر کتابوں مثلاً سیرت واقدی وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی سیرت الدرر ابن اسحٰق کی کتاب سے مرتب کی ہے اور دوسرے راویوں کی روایت سے ان تک پہنچی ہے وہ حجۃ الوداع پر گفتگو کرتے ہوئے واضح طور پر لکھتے ہیں۔

ابن اسحٰق کی سندات:

ہماری اس کتاب میں ابن اسحاق سے جو روایتیں منقول ہیں ان میں ہماری ایک سند یہ ہے۔

عن عبدالوارث بن سفیان،عن قاسم بن اصبغ ،عن محمد بن السلام الخشنی

۳۴۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۴ص۱۸۳

عن محمد بن البرقی،عن ابن هشام عن زیادالبکائی عن محمد بن اسحق .

دوسرا ماٗخذ یونس بن بکیر کی روایت ہے جو میں نے عبداللہ بن محمد بن یوسف کو پڑھ کر سنائی۔

سند یہ ہے۔

عبدالله بن محمد بن یو سف بن ابن مغرج عن ابن الا عرابی ،عن العطاری ، عن یونس بن بکیر ،عن ابن اسحق

تیسرا ماٗخذ ابراہیم بن سعد کا نسخہ ہے۔یہ بھی میں نے عبدالوارث بن سفیان کو پڑھ کر سنایا۔

سند یہ ہے۔

عبدالوارث بن سفیان ،عن قاسم بن اصبغ ،عن عبید بن عبدالواحد البزاز عن احمد بن محمد بن ایوب ،عن ابراهیم بن سعد عن ابن اسحق . (۳۵)

سیرت موسیٰ بن عقبہ کی سند:

اسی مقام پر ابن عبدالبر نے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب کا ذکر کیا ہے کہ اس کتاب سے جو روایتیں لی ہیں۔ان کا ماخذ وہ نسخہ ہے جوانہوں نے عبدالوارث بن سفیان اور احمد بن محمد بن الجسور کو پڑھ کر سنایا۔مکمل سند یہ ہے۔

عن قاسم بن اصبغ عن مطرف بن عبدالرحمن بن قیس عن یعقوب ،عن ابن فلیح عن موسی بن عقبه .

الا ستیعاب فی معرفة الا صحاب میں موسیٰ بن عقبہ سے دوسری سند کا ذکر کیا ہے۔وہ سند یہ ہے۔

عن خلف بن قاسم ،عن ابی الحسن ،عن ابی العباس بن محمد بن عبدالغفار المعروف باس الون المصری ،عن جعفر بن سلیمان النو فلی ،عن ابراهیم بن المنذر الخرامی ،عن محمد ابن فلیح عن موسی بن عقبة .(۳۶)

۳۵۔ ابن عبدالبر، کتاب الدرر، دارالفکر بیروت ۱۹۸۱ء ص ۲۵۰

۳۶۔ ایضاً

طبقات اور مغازی واقدی کی اسناد:

طبقات کی سند یہ ہے:

قرائته علی احمد بن قاسم الناهِرتی .عن محمد بن معاویه القرشی عن ابراهیم بن موسی بن جمیل عن محمد بن سعد کاتب الوقدی عن الواقدی .

مغازی کی سند ملاحظہ ہو۔

اخبرنی به خلف ،عن قاسم ،عن ابی الحسن ،محسن ابی العباس بن الون ،عن جعفر بن سلیمانالنوفلی ،عن ابراهیم بن المنذر الخرامی عن الواقدی .

ابن ابی خیثمہ کی سند:

الاستیعاب کے شروع میں ابن عبدالبر نے تصریح کی ہے کہ میں نے ابن ابی خیثمہ کی مکمل کتاب ابوالقاسم عبدالوارث بن سفیان بن جروی کو پڑھ کر سنائی عبدالوارث نے ابومحمد قاسم بن یوسف شیبانی اور انہوں نے ابن ابی خیثمہ ابوبکر احمد بن زہیر بن حرب سے روایت کی۔

ابن عبدالبر نے انہیں مأخذ کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ مأخذ ہیں جن کے ذکر کا اہتمام انہوں نے نہیں کیا۔مثلاً الدرر کی بیشتر احادیث وہ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن سے روایت کرتے ہیں۔بعض واقعات میں سعید بن یحییٰ اموی کا نام بھی آیا ہے۔بظاہر اموی کی کتاب ''السیر'' بھی ابن عبدالبر کا ایک ماخذ تھی۔کہیں کہیں ابن عبدالبر حدیث کی سند مختصر کردیتے ہیں اور اس کے راویوں کا مکمل سلسلہ درج نہیں کرتے بلکہ اس طرح کی عبارتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔راوی **عن عباه بن الصامت ، قال ابن شهاب الزهری ،قال معمر ،ذکر ابن جریج** وغیرہ۔(۳۷)

کتاب الدرر کی غرض وغایت:

اس کی اسناد کا تذکرہ کردینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مقاصد کے بارے

۳۷۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (دارالمعارف، مصر، ۱۹۷۲ء) ص ۴۵

میں کچھ ذکر کر دیا جائے۔ابن عبدالبر نے اس سلسلے میں الدرر کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

''اس کتاب میں نبی ﷺ کی بعثت، عہد رسالت کے ابتدائی حالات، غزوات اور ان میں آپ کے طریق عمل کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے۔اس لیے آپ کی ولادت، پرورش اور اہم واقعات یا ذکر صحابہ کے حالات پر راقم اپنی کتاب کے شروع میں کر چکا ہے۔یہ کتاب صرف بعثت اور اس کے بعد کے بقیہ حالات کیلئے لکھی گئی ہے۔اس کی ترتیب مکمل طور پر ابن اسحٰق کی طرز پر ہے۔آپ کے غزوات اور جہاد کے ذکر میں جو بات پیش نظر رہی ہے وہ یہ کہ اختصار سے کام لیا جائے۔واقعہ آسانی سے ذہن نشین ہو جائے اور حشو و زوائد اور مختلف بحثوں کو گڈ مڈ کرنے کی بجائے صرف اہم اور نمایاں باتوں کے بیان پر اکتفا کیا جائے''۔(۳۸)

ابن عبدالبر خود بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحٰق کے سلسلہ میں صرف ایک روایت پر اکتفا نہیں کیا۔بلکہ ان کتابوں کی مختلف روایات کو سامنے رکھا اور موازنہ کیا اور ان کے ساتھ ساتھ واقدی اور ابن ابی خیثمہ کی تحریروں اور اپنے شیوخ کی روایات کا بھی اضافہ کیا اور ان سب کی روشنی میں سیرت نبویؐ پر ایک مستند کتاب مرتب کی۔

ابن عبدالبر کے کچھ منفرد اور اچھوتے افکار:

ابن عبدالبر کی سیرت کے ضمن میں کئی ایک منفرد خیالات بھی ملتے ہیں۔یہ خیالات چونکہ فقہ وحدیث کے ایک بلند پایہ اور جلیل القدر عالم کے ہیں اس لیے عام اور مشہور رائے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ان کا بڑا وزن ہے۔مثلاً اللہ اور اس کے رسولؐ پر اوّل اوّل ایمان لانے والوں میں ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق کا ذکر کیا اس کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے کہ وہ کمسن تھیں (وھی صغیرة) اس مشہور قول کی تردید ہوتی ہے۔جس کی رو سے آنحضرت ﷺ کا مدینہ میں حضرت عائشہ سے جب زفاف ہوا تو ان کی عمر نو سال تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ اوّل بعثت میں یعنی ہجرت سے تقریباً تیرہ سال قبل اسلام لائیں۔جس کا تقاضا یہ ہے کہ بعثت کے وقت ان کی عمر

۳۸۔ ابن عبدالبر، کتاب الدرر، ص ۲۹

کم از کم چار سال ہی ہوتا کہ قبول اسلام میں ان کے اوّلیت کو تسلیم کیا جا سکے۔

اسی طرح ابن عبدالبر کے نزدیک رمضان کے روزے ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئے جبکہ مشہور خیال یہ ہے کہ ہجرت کے اٹھارویں مہینے فرض ہوئے، خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیبر مکمل جنگ کے بعد فتح ہوا ہے۔

ابن عبدالبر کی دقت تحقیق کا اندازہ غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ مریسیع کے بارے میں اس اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اسی غزوہ میں اہل افک نے حضرت عائشہؓ پر بہتان لگایا۔ پس اللہ تعالی نے انہیں بری قرار دیا اور ان کی برأت کے لئے قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔ یہ روایت کہ سعد بن معاذ نے اس بارے میں سعد بن عبادہ سے تکرار کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے سعد بن حضیر سے تکرار کی تھی۔ ایسا ہی ابن اسحٰق نے زہری بن عبداللہ وغیرہ نقل کیا ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ سعد بن معاذ کا انتقال بنوقریظہ سے آنحضرت ﷺ کی واپسی میں ہی ہو چکا تھا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور غزوہ کے وقت نہ وہ زندہ تھے نہ وہ شریک ہوئے۔ (۳۹)

اس مذکورہ بحث سے آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یہ کتاب کس قدر مہتم بالشان ہے اور کس باریک بینی، دقت نظر اور ثقہ کتابوں سے اُخذ کی گئی ہے۔ مزید برآں اخبار و احادیث کے درمیان موازنہ صحیح نتیجہ تک رسائی، اشخاص کے ناموں میں پوری باریک بینی توقف کی جگہ توقف اور موزوں رائے کا انتخاب حدیث اور رجال الحدیث کا وسیع علم، ضعیف اور قوی کا امتیاز یہ ساری خصوصیات اس سیرت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

اس سیرت کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابن عبدالبر کے شاگرد ابن حزم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اپنی کتاب "جوامع السیرۃ" لکھنے کا ارادہ کیا تو "الدرر" کو مشعل راہ بنایا۔

۳۹۔ ابن عبدالبر، کتاب الدرر، ص ۲۹

سیرت ابن عبدالبر کا مخطوطہ:

کتاب الدرر کا مخطوطہ دارلکتب المصر یہ میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ عام قلم سے دو مختلف رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ ایک تو خط نسخ ہے جو واضح اور روشن ہے اور اس میں بعض الفاظ کو حرکتوں کے ذریعہ ضبط کیا گیا ہے۔ ابواب کے عنوانات خط ثلث میں لکھے گئے ہیں۔ دوسرا عام خط ہے۔ نقطے بہت کم لگے ہیں۔ الفاظ کو ضبط بھی نہیں کیا گیا۔ متن کے مقابلہ میں عنوانات جلی قلم سے لکھے گئے ہیں۔ حاشیوں پر تصحیح و استدراک ہے۔ (۴۰)

۴۰۔ نقوش سیرت رسول نمبر 1 ، مدیر محمد طفیل، مقالہ کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر مقالہ نگار ڈاکٹر شوقی ضیف، ص ۶۳۳۔ ۶۱۸


بین الاقوامی سیرت کانفرنس
الله
رسول
محمد

جلد دوم

مقالات سیرت نبوی ﷺ

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس
منعقدہ 11-13 فروری 2000ء

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مقالات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوّم

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس

منعقدہ ۱۱-۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

زیر اہتمام

سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سلسلہ اشاعت نمبر 9

اشاعت .... اوّل 2005ء

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

زیر اہتمام .... سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فہرست

حصّہ دوم

نمبر شمار	تفصیل مقالہ جات		صفحہ نمبر

(ج) جنوبی ایشیامیں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

(د) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر حاضر کے تقاضے

جنوبی ایشیا میں سیرت نگاری

کا تنقیدی جائزہ

بلوچستان میں اردو سیرت نگاری کا ارتقاء

(نثری سیرت نگاری)

* پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

کلیات محمد حسن براہوئی (م ۱۲۷۲ھ/ ۵۶۔۱۸۵۵

دیوان کی تکمیل ۱۸۴۷ء میں ہوئی) مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر: طبع اول دسمبر ۱۹۷۶ء لاہور، طبع دوم اپریل ۱۹۹۷ء کوئٹہ۔ ناشر سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) مکتبہ شال کوئٹہ صفحات ۹۰ پیش لفظ ڈاکٹر جمیل جالبی، مقدمہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ آغاز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ستائش، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور پھر آل واصحاب کا ذکر خیر ہے۔

تاریخ اسلام:

مولف: سہگل محمد خان جسکانی، مطبوعہ اسلامیہ پریس کوئٹہ ناشر: اقبال سٹیشنری مارٹ کوئٹہ ۱۹۵۱ء صفحات ۸۰۔ حصہ اول دس ابواب پر مشتمل ہے دوسرا اور تیسرا باب حضور پاک سرور کائنات ﷺ سے متعلق ہے۔

مختصر تاریخ اسلام:

مؤلف: چودھری محمود خان، مطبوعہ اسلامیہ الیکٹرک پریس کوئٹہ ناشر: اقبال سٹیشنری مارٹ کوئٹہ ۱۹۵۱ء صفحات ۷۲۔ سوال و جواب کے انداز پر مرتب کی گئی ہے۔ اس میں عرب قبل از اسلام، عہد اسلام، عہد اسلام خلافت راشدہ، عہد بنی امیہ، حادثہ کربلا، عہد بنی عباس اور صلیبی جنگیں شامل ہیں۔

دین کی باتیں (حصہ سوم):

مولف: مولانا عبدالشکور طوروی (المتوفی جون ۱۹۸۰ء) زیر اہتمام اسلامیہ پریس کوئٹہ، ناشر مؤلف ۱۹۵۱ء صفحات ۶۶ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ کتاب کے سرورق پر دین کی باتیں حصہ سوم یعنی معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہے۔

---

* ۲۷۲، اے۔ او بلاک iii سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ

اس میں چیدہ چیدہ معجزات (جیسے شق القمر، ستون حنانہ کا رونا، درختوں سے سلام کی آواز، پہاڑ کا ہلنا، اشارہ سے بتوں کا گرنا، جانور کا سجدہ کرنا، جانور کا خدمت اقدس میں شکایت کرنا، گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس جانا، شیر خدا (کرم اللہ وجہہ) کی آنکھوں کا اچھا ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہونا، دودھ کے پیالہ میں برکت وغیرہ) مع پیش گوئیاں (مثلاً معرکہ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان میں صحابہ کو مختلف جگہیں بتائیں جہاں جہاں کافر مارے جانے والے تھے) اور واقع معراج نہایت آسان اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

دین کی باتیں (حصہ چہارم): مولف: مولانا عبد الشکور طوروی۔ بلوچستان پریس زیر اہتمام اسلامیہ پریس کوئٹہ میں چھپا، مولف نے اسے جامع مسجد کوئٹہ سے شائع کیا۔ ۱۹۵۱ء صفحات ۸۰۔ یہ حصہ غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔ اس میں چیدہ چیدہ اسلامی جنگوں کا ذکر ہے جن میں سرور کونین صلی اللہ علی وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ انداز بیان اتنا دلکش اور متاثر کن ہے کہ اس کے مطالعہ سے جوش ایمانی میں اضافہ اور شوق شہادت دوچند ہو جاتا ہے۔

دینیات: مرتبہ: مولانا عبد العزیز، مولانا عبد الشکور طوروی، ناشر: سلیم بکڈ پو شارع لیاقت کوئٹہ ۱۹۶۱ء صفحات ۱۲۸، کتابت وچھپائی نہایت عمدہ اس میں پندرھواں سبق تا اکیسواں سبق سیرت النبی ﷺ پر مبنی ہے۔ مؤلفین کا انداز نہایت دلکش اور دلپذیر زبان عام فہم ہے۔ مشکل الفاظ کے استعمال سے اجتناب برتا گیا ہے۔

ظفر اسلامیات: مؤلف نامعلوم، ناشر، سلیم بک ڈپو شارع لیاقت کوئٹہ، سن اشاعت ندارد۔ صفحات ۵۳۔ اس کا چھٹا سبق سیرت النبی ﷺ اور نواں نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ (جیسے کسی بھائی کی حاجت براری کرنے والا ایسا ہے کہ گویا تمام عمر خدا کی خدمت میں گزاردی۔ پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے۔ اگرچہ تمام رات عبادت کرے اور تمام دن روزہ دار رہے۔ جو کام سب سے زیادہ سبب مغفرت ہوگا وہ کشادہ روئی اور شیریں زبانی ہے۔) پر مشتمل ہے۔

شجرۃ الاصول فی حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)

مولف: مولانا ثناء اللہ بھاگوی مطبع یور پرینٹر سکھر، ناشر مدرسہ عربیہ دار العلوم بھاگ بلوچستان، سن

اشاعت: ندارد، صفحات ١٦، کتابت مولف نے خود کی ہے۔ اس کتابچہ میں علم اصول حدیث کی اصطلاحات، حدیث کی تقسیم وغیرہ کا بیان ہے۔ اصول حدیث کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ ''علم اصول حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ حدیث کے احوال معلوم کئے جائیں۔ اصول حدیث کی غرض کے تحت لکھتے ہیں کہ علم اصول حدیث کی غایت یہ ہے کہ حدیث کے احوال معلوم کر کے مقبول پر عمل کیا جائے۔ اور غیر مقبول سے بچا جائے یوں تو چھوٹی سی کتاب ہے مگر اچھی خاصی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ علم حدیث کے مبتدین کو ایک ہی نشست میں حدیث کی اصطلاحات سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

حیات طیبہ مبارکہ حضرت جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: مولف: مولانا محمد خیر الدین، مطبوعہ: جنگ پرنٹنگ پریس کوئٹہ مولف نے اسے سنہری مسجد کوئٹہ سے شائع کیا۔ صفر المظفر ١٣٨٢ھ/١٩٦٢ء، صفحات ٤٨۔ کتاب کے آغاز میں قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ کا حوالہ دیا گیا ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں اتری ہیں۔ ان آیات کریمہ کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ ابتداء اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

ترجمہ ''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ ﷺ کو ایک سچا دین دے کر خلق کی طرف بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوشخبری سناتے رہئے اور نہ ماننے والوں کو سزا سے ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔''

وصال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ مواد موجود ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام کی توقیر کے سلسلے میں کئی احادیث شامل کی گئی ہیں۔

فلسفہ معجزات:

مولانا قاری محمد طیب، تقریر، جامع مسجد کوئٹہ ٣ جون ١٩٦٢ء بروز اتوار صبح پونے دس بجے سے سوا بارہ بجے تک۔ مرتب: مولوی نور النبی خطیب جامع مسجد چلتن مارکیٹ و مدرس اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ۔ ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر کوئٹہ سے شائع کیا۔ صفحات ٩١

کتاب میں حکیمانہ انداز میں دلائل عقلیہ سے معجزات کا وجود ان کی حکمت، معجزات اور سائنس کا

باہمی تعلق اور انبیاء کے لئے معجزات کیوں ضروری ہیں؟ یہ سب فصیح و بلیغ انداز میں فکر کی گہرائی اور گیرائی اور علم کی وسعت سے بیان ہوئے ہیں۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ ضمناً دوسرے مضامین بھی آئے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد و تقویٰ پر زیادہ زور ہے۔

دین و دنیا (قلمی):

مرتب: بلوچستان کے نامی گرامی صحافی' اور تحریک پاکستان کے نامور ہنما مولانا عبدالکریم (المتوفی ۱۹۶۹ء) پر ان چالیس تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو مولانا عبدالکریم نے کوئٹہ میں ریڈیو سٹیشن کے قیام کے آغاز یعنی ۱۹۵۶ء سے لے کر ۶۷۔۱۹۶۶ء تک مختلف اوقات میں نشر کیں۔ ان میں سے بعض کے عنوانات یہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منتظم کی حیثیت سے' اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' سادگی اور بے تکلفی کا پہلو کا سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے عید میلا د النبی' حضور کی مقدس زندگی مسلسل جہاد رہی' حضور کریم کی عید' شب معراج کی اہمیت' حضور پاک صلی اللہ وسلم کی حیات طیبہ' اخلاق نبوی (عدل و انصاف) وغیرہ۔ انداز نگارش شستہ توانا اور دلپذیر ہے۔ ''دین و دنیا'' کا دیباچہ کے جی علی سابق ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کوئٹہ نے لکھا ہے۔ جبکہ نذرانہ عقیدت کے عنوان سے عبدالصمد درانی اور ''بلوچستان میں تحریک پاکستان کا پہلا نقیب'' کے تحت فضل احمد غازی نے خامہ فرسائی کی ہے۔

نفسیات سب کے لئے:

مولف: محمد اقبال سلمان' ناشر مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۵ ات صفحات ۱۳۳۔ محمد اقبال سلمان نے اپنی کتابوں میں نبی اکرم سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے برمحل مثالیں دی ہیں۔

پیغمبر عالم ﷺ:

تقریر از مولانا عبدالشکور دین پوری' کوئٹہ ۱۹۶۷ء مرتب حافظ محمد صابر علی اختر انبالوی' جامع مسجد جنرل پوسٹ آفس کوئٹہ' تاریخ اشاعت: ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ/ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۷ء' صفحات: ۱۶

اس کے بارے میں مولانا محمد عبدالقادر آزاد جنرل سیکرٹری اسلامی مشن رجسٹرڈ پاکستان بہاولپور تحریر کرتے ہیں۔ ''کتابچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ نوخیز' نوطرز خطیب اسلام حضرت مولانا عبدالشکور

صاحب دین پوری کی شعلہ افشاں تقریر کی ایک جھلک ہے' دیکھی۔ چونکہ ان کا طرز تقریر کسی تعارف کا محتاج نہیں' سمندر کی طغیانی' ہوا کے لطیف جھونکے' شیروں کی گرج' صوفیوں کا مذاق عارفانہ تمام ہی بیان میں موجود ہے۔'' اس دلپذیر تقریر کے پڑھنے سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوچند ہو جاتی ہے۔

کاشانۂ وحدت: مرتب: خان محمد سرور خان' البلاغ پریس ۱۱۹ سرکلر روڈ بیرون شاہ عالم گیٹ لاہور میں چھپی اور مولف نے اسے کوئٹہ سے شائع کیا ۱۹۶۱ء صفحات ۱۸۴۔ اس میں باب دوم سرور کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہے۔

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

مولف: دولت علی نقشبندی' مطبوعہ بولان مسلم پریس جناح روڈ کوئٹہ' ناشر خود مولف' سن اشاعت ندارد۔

اس کتاب کے شروع میں مندرج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے بعد ازاں مولف نے مختلف بیماریوں میں کلونجی کا استعمال بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ ایک مقوی دوا ہے۔ خون کو صاف کرتی ہے۔ بلغمی امراض میں مفید ہے۔ گردہ مثانہ کی پتھری کو خارج کرتی ہے۔ دماغی امراض میں مفید ہے۔

چہل حدیث (مترجم اردو):

مولانا غلام اللہ خارانی' ناشر: مولانا احتشام الحق آسیا آبادی جامعہ رشیدیہ آسیا آباد تحصیل تمپ ضلع تربت مکران' سن اشاعت درج نہیں۔ چالیس حدیثوں کے مجموعے کئی زبانوں میں ترجموں کے ساتھ منظر عام پر آئے ہیں۔ خاران کے عالم دین مولانا غلام اللہ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ چالیس احادیث مبارکہ مع اردو ترجمہ کو مرتب کیا ہے۔

شمشاد خراماں:

مولف نثار احمد محشر رسول نگری' ناشر: سجاد پبلی کیشنز ۱۹۰ آرٹ سکول روڈ کوئٹہ' مطبوعہ پاکستان پریس جناح روڈ کوئٹہ ۱۹۷۸ء صفحات ۱۴۵۔ اس میں محشر صاحب نے ایک مرد خدا مست ڈاکٹر شمس الدین شمشاد خلف الرشید مرزا لعل دین کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا

اتباع کرتے ہوئے لوگوں کے دلوں کو پیار، ہمدردی اور حکمت سے موہ لیا۔ ان کے پاس جو مریض آئے وہ جسمانی دوا کے علاوہ روحانی دوا بھی لے جاتے۔ اس تذکرہ میں ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں سے بعض واقعات کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

درود شریف تُحِیّنا (عربی/اردو)

اسے دولت علی نقشبندی نے چھپوایا۔ مطبع کا نام اورسن اشاعت ندادر، صرف ایک صفحہ پر مبنی۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیغام محبت وانسانیت:

مصنفہ: بیگم ثاقبہ رحیم الدین ناشر: مصنفہ خود ہیں ۹ جامی روڈ' راولپنڈی کینٹ پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۸۱ء دوسرا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۰ء صفحات ۹۹

اس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید میں نہ صرف کوئٹہ بلکہ پشین' ژوب' مستونگ' سبی' چمن' زیارت' لورالائی' گوادر اور قلات کے دور دراز علاقوں سے خواتین شریک ہوئیں۔ اس میلاد شریف کی ترتیب کچھ یوں تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کو مختلف ادوار میں عمر اور واقعات کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا۔ حمد وثنا اور درود شریف کے کئی انداز تھے۔ جن میں جدید ممتاز اور نامور اہل قلم کی تخلیقات شامل تھیں۔ ہر مضمون کے عنوان سے نعت معنوی اعتبار سے منسلک تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک۔ بلوچستان میں:

مصنف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور' اکتوبر ۱۹۸۳ء صفحات ۴۳۲۔

ترتیب: انتساب' آغاز سخن (پروفیسر انور رومان) حرف نیاز (انعام الحق کوثر)

باب اول (بلوچستان کا جغرافیائی اور تہذیبی پس منظر' اسلام کی آمد اور اس کے اثرات)

باب دوم (براہوئی کتب اور نعت گوئی) باب سوم (بلوچی کتب اور نعت گوئی)

باب چہارم (پشتو کے نعت گو شعراء) باب پنجم (فارسی گو شعراء کا نعتیہ کلام)

باب ششم (اردو نعت گوئی اور چند متعلقہ کتب)

باب ہفتم (بلوچستان میں نعتیہ مشاعرے' عید میلاد النبی کی تقریبات' تعلیمی اور دینی اداروں میں میلاد

کی تقریبات) اخبارات اور رسائل کے سیرت نمبر' ریڈیو' ٹی وی پروگرام۔ اختتامیہ' ضمیمہ (بلوچستان میں موجود دینی مدارس' ضلع وار) کتابیات اس کتاب پر دسمبر ۱۹۸۴ء میں صدارتی ایوارڈ ملا۔ کتاب میں جن جن زبانوں کی نعت کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا اردو ترجمہ موجود ہے۔

نیکی کی کلیاں (i تا iii):

مولف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر مطبوعہ پیکٹوریل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ اسلام آباد' ناشر: ابلاغی اطلاعاتی سرورس یونسیف اسلام آباد۔ ملنے کا پتہ سیرت اکادمی بلوچستان کوئٹہ ۱۹۹۱' ۱۹۹۲' ۱۹۹۳ء (تعداد ایک لاکھ کے قریب) صفحات ۲۴ تا ۳۲)

ان کی بنیاد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور اسلام کے بڑے بڑے رہنماؤں کے سچے واقعات پر مبنی ہے۔ جن میں زیادہ تر اخلاقی پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے مگر انداز بوریت کے ساتھ نصیحت کرنے والا نہیں بلکہ ان میں ایک خوبصورت اور دلچسپ کہانی بھی موجود ہے۔ الفاظ آسان اور عام فہم ہیں۔

کتاب نمبر i میں دوسری کہانی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہے۔ جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن سے مساوات' خدا ترسی اور محنت کی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ از پروفیسر انور رومان بعنوان Ever Blooming Virtues۔ ۱۹۹۷ء میں سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ نے یونیسف اسلام آباد کی معاونت سے شائع کیا ہے۔

بلوچستان میں دینی ادب (قلمی):

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی' ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء صفحات ۱۲۲۴۔ اس رسالہ دکتری کے ہر باب میں فارسی' اردو' پشتو' براہوی اور بلوچی کتب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مندرجات ہیں

۱۔ عرض حال ۲۔ مقدمہ (تاریخ وجغرافیہ بلوچستان)

۳۔ باب اول تراجم وتفاسیر قرآن مجید ۴۔ باب دوم قرأت وتجوید

۵۔ باب سوم حدیث وشروح حدیث واصول حدیث وغیرہ ۶۔ باب چہارم فقہ و اصول فقہ و

میراث:

۷۔ باب پنجم فتاویٰ ۸۔ باب ششم سیرت النبی ﷺ

۹۔ باب ہفتم تاریخ وتذکرہ ۱۰۔ باب ہشتم تصوف واخلاقیات، مواعظ خطبات

۱۱۔ باب نہم عقائد کلام مناظرہ وغیرہ ۱۲۔ باب دہم اورادوظائف، عملیات وغیرہ

۱۳۔ باب یازدھم علم صرف ونحو فلسفہ منطق وغیرہ ۱۴۔ باب دوازادھم متفرقات

۱۵۔ اسمائے کتب ۱۶۔ مصنفین معہ تصانیف ۱۷۔ کتابیات

پشتو میں سیرت نگاری:

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ، ناشر [نادر ٹریڈرز مستونگ مقام اشاعت: قلات پریس رستم جی لین کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء صفحات ۲۰۴

عنوانات:

۱۔ پشتون اور اسلام ۲۔ سیرت پر پشتو کتب

۳۔ قلمی کتب سیرت ۴۔ نورنامہ

۵۔ تفسیر سورہ والضحیٰ ومعجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶۔ معجزات کبیر

۷۔ قصیدہ بردہ ۸۔ پشتو شعراء اور نعت گوئی

۹۔ قندہاری نعت گویان ۱۰۔ گلشن نوروز

۱۱۔ جدید نعت گویان ۱۲۔ مقالات سیرت ۱۳۔ کتابیات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سیما گل مکسی ناشر: ناروٹریڈرز مستونگ، ۱۹۸۹ء صفحات ۲۵

یہ کتاب عقیدت کے پھول، حضور پاک کی ابتدائی زندگی، حضور پاک کا بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق اور حضور پاک کی احادیث پر مشتمل ہے زبان وبیان سادہ اور اثر پذیر ہے۔

نجاشی کا دربار: شاہدہ بخاری، طابع فائن بکس پرنٹرز لاہور، ناشر: دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد ۱۹۹۳ء صفحات ۱۶

یہ چار کہانیوں (۱) نجاشی کا دربار (۲) دنیا کی سچی خاتون حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۳)

عدل وانصاف۔ ہسپانیہ کے بادشاہ عبدالرحمٰن کا واقعہ (۴) حضرت ابوبکر صدیق کا ایثار پر مشتمل ہے۔ سیرت پاک ﷺ کا پرتو موجود ہے۔ کہانیاں سچے واقعات پر مبنی ہیں۔ انداز بیان سلیس، دلچسپ اور اثر انگیز ہے۔

سرور کائنات بحیثیت داعی امن واخوت:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر' طابع' ادرہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد' ناشر دعوت اکیڈمی بین الاقوامی اسلام یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۹۳ء صفحات ۲۰' سلسلہ کتاب نمبر ۱۶۳۔

اس میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے واقعات کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایسے وقت میں جب مسلمان اپنے دشمن پر ہر طرح غالب تھے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو نیام میں رکھا اور زمین کو انسان کے خون سے رنگین ہونے سے بچا کر انسانیت کو امن کا درس دیا۔

اسلامی فلاحی مملکت چند عملی تجاویز:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر' طابع ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد' ناشر' دعوت اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سن اشاعت ندارد صفحات ۲۵ سلسلہ کتاب نمبر ۱۷۱ اس میں ایک اسلامی مملکت کے خدوخال اجاگر کرنے کے لئے حیات طیبہ سے مختلف واقعات چن چن کر بیان کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ نظام مصطفیٰ کے اصولوں پر قائم ایک اسلامی فلاحی مملکت ہی ایک جدید ریاست کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) مکتب شال' سٹیلائٹ ٹاؤن کوئٹہ ۱۹۹۳ء ۱۹۹۶ء (بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی) صفحات ۱۶۴

اس میں انتساب' پیش لفظ (پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی) محسن انسانیت اور ہم پروفیسر محمد انور رومان) حرف عقیدت (مصنف) کے علاوہ گیارہ مضامین ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

۱۔ احترام بچہ ۲۔ رسول مقبول کی شخصیت تاجر کی حیثیت سے

۳۔ رسول اکرم کی حکمت' اصلاح معاشرہ کا ایک گوشہ عفو و درگزر

۴۔ انسانی حقوق اور تعلیمات نبوی

۵۔ سرکائنات بحیثیت داعی امن واخوت

۶۔ نبی پاک سرورکائنات کا نظام عدل

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت امن عالم کے نقیب

۸۔ اسلامی فلاحی مملکت اوراس کے قیام کے لئے عملی تجاویز

۹۔ داعیان الی الخیر کی شخصیت' کرداراوراوصاف

۱۰۔ موجودہ حالات میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ اور عملی تجاویز

۱۱۔ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان بلوچستان میں۔

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں:

ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ' مطبع: یونائٹڈ پرنٹرز' کوئٹہ ۱۹۹۷ء بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی' صفحات ۴۵۸

ضابطہ کی تفصیل یوں ہے: نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بآیات قرآن حکیم: سید حسن مثنیٰ ندوی' فضائل وفوائد درودشریف: نرجس رضوی' ڈاکٹر محمد طفیل

انتساب' پیش لفظ: محترم حکیم محمد سعید' حرف نیاز: ڈاکٹر انعام الحق کوثر (یہ سات حصوں پرمبنی ہے۔

پہلا باب: براہوئی کتب اور نعت گوئی۔ دوسرا باب: بلوچی کتب اور نعت گوئی

تیسرا باب: پشتو کے نعت گوشعراء چوتھا باب: فارسی گوشعراء کا نعتیہ کلام

پانچواں باب: اردو نعت گوئی اور چند متعلقہ کتب چھٹا باب: بلوچستان میں نعتیہ مشاعرے' عید میلادالنبی کی تقریبات سیرت پاک سے متعلق تقاریب' اخبارات ورسائل کے سیرت نمبر' ریڈیو' ٹی وی پروگرام' سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ)' مختلف صاحبان اور دیگر متعلق انجمنوں کی کارکردگی۔

ساتواں باب: بلوچستان میں دینی مدارس' کتابیات

چہل حدیث صلوٰۃ وسلام:

مرتبہ محمد اقبال مدینہ منورہ' ماخوذ از فضائل درودشریف مولفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی

قدس سرہ' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء صفحات ۶۵

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ:

درود شریف ایسا ورد ہے جو فرش زمیں پر پڑھا جاتا ہے اور عرش بریں پر سنا جاتا ہے۔ ناشر سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء' ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء صفحات: ۴۸

(ا) نعتیہ شاعری

قندیل خیال: یعنی مجموعہ کلام شعرائے بلوچستان جو بمعہ جون ۱۹۱۵ء بمقام لورالائی پڑھا گیا' زیر ترتیب سردار محمد یوسف یوسف سیکرٹری مشاعرہ باستعانت لالہ ہرکرن داس ہرکن' باہتمام لالہ ٹھاکر داس صاحب اینڈ سنز پرنٹر دلی پرنٹنگ ورکس دھلی میں چھپا' باراول تعداد طبع ۲۵۰' ۱۹۱۶ء صفحات ۴۰ سرورق پر سب سے پہلے درج ہے الشعرا تلامیذ الرحمٰن پھر تحریر ہے۔

بہ سرپرستی جناب خانصاحب عزیز الدین خان صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔

۷ جون ۱۹۱۵ء کو لورالائی میں منعقدہ مشاعرہ میں جن شعراء نے نعتیہ کلام پیش کیا تھا ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی عبدالحنان احقر عرائض نویس درجہ اول لورالائی

۲۔ بابو عنایت اللہ خان آیاغ' میر مشاعرہ اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ دفتر ضلع لورالائی

۳۔ جناب نبی بخش اسد' نائب تحصیلدار لورالائی

۴۔ سردار محمد یوسف خان پوپلزئی یوسف تحصیلدار لورالائی۔

اب ان کا ترتیب وار ایک ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

تمنا ہے کروں میں صاف گلیاں اپنی پلکوں سے
شہر یثرب ! اگر پہنچائے قسمت تیرے مسکن تک
ایاغ راوق عرفاں ہوں مجھ کو گنبد نیلی
سرور کیف میں لے چل اسی بے خار گلشن تک

رسائی ہو کہیں یا رب شہر یثرب کے مدفن تک
کہ گلخن سا، جدائی سے ہوا جاتا ہے گلشن تک
شفیع المذنبین ہے رحمۃ للعالمین ہے تو
میں چھوڑوں کس طرح داماں تیرا محشر کے دامن تک

گلزار عابد:

سید عابد شاہ عابد بلوچستانی (۱۸۸۸ـ۱۹۴۹ء) مطبع قاسمی واقع دیوبند، ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحات ۴۸۔ اس مجموعہ کلام میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

دیوان ناشط (خطی)

ڈاکٹر محمد اسحاق صدیقی ناشط (۱۸۹۱ء۔۱۹۴۰ء) ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ کو فورٹ سنڈیمن (ژوب) میں قیام کے دوران مولوی غلام نقشبند خاں کی فرمائش پر جو نعتیہ شعر کہے تھے وہ ''بلوچستان میں اردو'' ڈاکٹر انعام الحق کوثر' (لاہور ۱۹۶۸ء پنڈی ۱۹۸۶ء ۱۹۹۴ء ص ۳۶۰) میں درج ہیں۔

مکاتیب یوسف عزیز مگسی (۱۹۰۸ء......۱۹۳۵ء)

مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر مطبع: زرین آرٹ پریس لاہور، ناشر: مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۸ء صفحات ۱۱۵

اس میں ایسے اشعار اور واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن سے یوسف عزیز کی حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے ایک شعر یہ ہے۔

گاندھی و مالوی کے واعظ دھرے رہ جائیں
میں اگر قول محمد کو نمایاں کر دوں

رحیل کوہ:

میر محمد حسین عنقا، کراچی ۱۹۳۴ء صفحات ۱۰۰، ''فریاد'' پیارے نبی کی پیاری جناب میں موجود ہے۔

سلام والتجا:

(بحضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی بخش اسد۔ اس کے چار بند اور تیس شعر ہیں۔

مخمسات زیب (اردو، خطی):

سردار گل محمد زیب مگسی (۱۸۸۳ء۔۱۹۵۳ء) کاتب کا نام اور سال درج نہیں۔ اندازاً ۶۰، ۶۵ سال پہلے کا نسخہ ہے اس میں ایسے مخمسات دستیاب ہیں۔ جن سے وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ یوسف عزیز مگسی کے بڑے بھائی اور فارسی کے تین دیوانوں کے تخلیق کنندہ ہیں۔

نقش جمیل (خطی) : غلام محمد جمیل (۱۹۰۷ء.....۱۹۶۲ء)۔ اس میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

بربط ناہید:

قیوم راشدہ القریشی، پیش کردہ حلقہ ارباب ادب کوئٹہ، ۱۹۴۸ء صفحات ۶۴۔ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قیوم راشدہ کے گلہائے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

دست سبو:

سید صغیر اصغر انبالوی، ناشر: بزم ارتقائے ادب کوئٹہ ۱۹۶۰ء صفحات ۱۶۰۔ اصغر کا یہ مجموعہ کلام نعت اور منقبت کے علاوہ زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔

تیغ و قرآن: نثار احمد محشر رسول نگری، ملنے کا پتہ اسلامیہ سٹیشنری مارٹ قندھاری بازار کوئٹہ، سنا شاعت ندارد صفحات ۹۸۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہے:

اک ہاتھ میں شمشیر ہو اک ہاتھ میں قرآن
اے مومن جانباز تری شان یہی ہے

اس کے بعض نظموں کے عنوانات یہ ہیں: فقر و جہاد، حسین رضی اللہ عنہ اور اسلام، آزادی، اسلامی حکومت، مرد مجاہد، جواہر اسلام، اسلامی نظریہ جنگ، عید قربان کا پیغام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

تین شعر ملاحظہ فرمائیے:

کرنی پڑے گی عدل پہ قربان قومیت
مکر و دغا نہیں یہ سیاست خدا کی ہے
دامن تاریخ ملت میں کمی کس شے کی ہے

اسوۂ فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہے مسلک شبیر رضی اللہ عنہ بھی

نفس انساں بھیڑیا ہے خوف عقبیٰ کے بغیر
ہے تن بے روح ہر قانون تقویٰ کے بغیر

مثنوی صحیفۂ فطرت (حصہ اوّل)

نثار احمد محشر رسول نگری۔ طابع و ناشر میاں افتخار یوسف' پاکستان پریس کوئٹہ' ۱۹۵۷ء صفحات ۹۵

یہ مثنوی اس دور میں لکھی گئی جب محشر صاحب کی زندگی ''قال'' سے ''حال'' کی منزل میں داخل ہو چکی تھی۔

محشر رسول نگری کے نزدیک ملت اسلامیہ کے لئے عظیم ترین مقصد رضائے الٰہی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے حق سے غیر معمولی عشق بھی ضروری ہے۔ جس کی بہترین اور مکمل مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے مل سکتی ہے۔

بقول محشر:

عشق کیا ہے؟ اتباع مصطفیٰ
عشق کیا ہے؟ صبر و تسلیم و رضا

اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے انسانوں کی دلداری اور درد کے ماروں کی غمخواری کرنے کی ضرورت ہے۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ اوّل)

نثار احمد محشر رسول نگری' کوئٹہ' بار اول ۱۹۶۱ء صفحات ۱۹۲ بار دوم ۱۹۶۲ء مطبوعہ پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ لاہور = اشعار کی تعداد ایک ہزار چار سو ستر' مقدمہ از مختار صدیقی۔ اس حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ہجرت تک کے واقعات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ دوّم)

نثار احمد محشر رسول نگری' طابع و ناشر میسرز پاکستان پریس جناح روڈ کوئٹہ' ۱۹۶۴ء صفحات ۲۵۵۔ اشعار کی تعداد ایک ہزار سات سو پچیس' مقدمہ از ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ اس میں ہجرت سے فتح مکہ تک کے واقعات خاصی تفصیل سے آ گئے ہیں۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ سوم)

نثار احمد محشر رسول نگری' طابع زمانہ پریس جناح روڈ کوئٹہ' ناشر: میسرز پاکستان پریس کوئٹہ ۱۹۷۰ء صفحات ۱۳۶۔ اشعار کی تعداد ایک ہزار اٹھاون ہے۔ پیش حرف از مولانا غلام رسول مہر'' درہ بولان کے اس پار'' از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ تیسرے حصے کی ابتدا ''نوائے شوق'' کے بعد غزوہ حنین و محاصرہ طائف سے ہوتی ہے۔ پھر غزوہ تبوک' قیام احد' حکمت تبلیغ' عدی بن حاتم کا اسلام' اصلاح نفس' پیغام آخرین (حجۃ الوداع کا خطبہ) اور سفر آخرت کا بیان آتا ہے۔ یوں اس حصے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا بیان تاریخی تسلسل کے اعتبار سے اختتام پذیر ہوا۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے پیشتر ارمغان رحمت' حدیث دلبری' حقیقت ایمان اور مقام عبودیت سے اجاگر ہوتا ہے کہ یہ فقط منظور سیرت ہی نہیں بلکہ ایک دلپذیر دعوت اسلام بھی ہے جس میں اس دین کے اساسی حقائق بڑے ہی متاثر کن انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

تینوں حصوں میں مجموعی طور پر اشعار کی تعداد چار ہزار دو سو ترپن ہے۔ اور اس لحاظ سے فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم اردو ادب کا سب سے طویل مسدس ہے۔ جو قرآن و حدیث اور سیر و تواریخ کے مستند ماخذات پر مبنی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس مسدس کی سب سے بڑی خوبی یہ بتائی تھی کہ کسی جگہ بھی شاعرانہ مبالغے اور غلو سے کام نہیں لیا گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا الطاف عام ملاحظہ فرمائیے:

انسانیت ملے گی یہیں کائنات میں
تکمیل پا چکی ہے محمدؐ کی ذات میں
تیری نظر سے قسمت انساں بدل گئی
روح حیات اک نئے سانچے میں ڈھل گئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت یوں بیان کی گئی:

ہیبت سے کانپتا تھا جو ملتا تھا پہلی بار

ہوتا تھا جب قریب تو بنتا تھا جاں نثار

اس کے پہلے حصے کا ترجمہ انگریزی میں از ملک مقصود عالم 'بعنوان: Pride here and here after (God's Blesings and peace be upon him)

لاہور سے چھپا ہے۔ سن اشاعت ندارد صفحات ۲۴۶۔ عبدالصمد شاہین نے ''فخر کونین'' کا منظوم براہوئی ترجمہ کیا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔

مسدس فخر کونین کے تینوں حصے اکٹھے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ زیر اہتمام سجاد پبلی کیشنز ۹۔ آرٹ سکول روڈ کوئٹہ' مطبع سلمان آرٹ پریس لمیٹڈ لاہور' طبع دوم ۱۹۸۱ء صفحات: ۶۲۲

محشر رسول نگری کا نعتیہ کلام اور آپ کی تقاریر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسلامی موضوعات سے متعلق ہوتی تھیں۔ ریڈیو پاکستان کے تمام سٹیشنوں سے نشر ہوتی ہیں۔

چشمہ کوثر:

پروفیسر آغا صادق حسین صادق' سید الیکٹرک پریس ملتان سے طاہرہ نقوی ناشرہ نے چھپوایا۔ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء صفحات ۹۲۔

یہ نعت ومنقبت کا مجموعہ ہے۔ آٹھ طرحی نعتوں کے دوسرے عنوانات ہیں: زمزمہ نعت' میلاد اعظم' شب معراج' رموز نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم' نعت مقتبس' نعت سہل ممتنع۔

رموز نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ فرمائیے۔

میم کہتا ہے کہ محبوب کا جلوا ہوں میں
حجت'' ح' ' ہے کہ وحدت کی تمنا ہوں میں
دوسرا '' میم'' مصر ہے کہ مدینہ ہوں میں
دعویٰ '' دال'' کہ دلدار سراپا ہوں میں
چاند بھی دیکھ کے اس نور کو شرماتا ہے
کوئی نقطہ نہیں بے داغ نظر آتا ہے

میم سے کاش مسلماں بھی مسلماں ہو جائے
ح الحمد کی قندیل فروزاں ہو جائے
میم سے مرکز اسلام کا سماں ہو جائے
دال سے دہر کی تقدیر درخشاں ہو جائے
چاند بھی دیکھ کے اس نور کو شرماتا ہے
کوئی نقطہ نہیں بے داغ نظر آتا ہے

متاع بردہ:

عبدالرحمٰن غور' ناشر مکتبہ بلوچی دنیا' ملتان' ۱۹۶۷ء صفحات ۱۲۴۔
''نذرانہ عقیدت'' کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے ہیں۔

خارگل:

ڈاکٹر عبدالحمید کاکڑ' ناشر بزم ثقافت کوئٹہ' ۱۹۶۹ء صفحات ۱۱۹۔ گلہائے عقیدت حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے ہیں۔

ابیات باھومعہ ترجمہ وشرح:

بتحقیق وشرح سلطان الطاف علی' ناشر حاجی محمد اشفاق قادری' کریم پارک لاہور' ۱۹۷۵ء صفحات بڑی تقطیع ۶۳۶ شارع نے ص ۱۴۱ پر منبع خیال' کے تحت واضح کیا ہے۔ ''تمام تر ابیات کسی نہ کسی آیت قرآن یا احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہیں اور کوئی فکر وخیال رموز دین وعرفان سے باہر نہیں کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ عاشق حقیقی اور مادر زاد ولی ہونے کی حیثیت سے مبلغ قرآن وحدیث ہیں ابیات اپنے مخصوص انداز اور سچائی کے پیغام سے دل کی گہرائیوں میں اسلام کی روح پھونکتے ہیں۔ ان سے صفائی باطن اور عمل صالح کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔''

حریم وحجاب:

فضل اکبر کمال' زیر اہتمام انجمن وبستان بولان کوئٹہ' مطبع: قلات پبلشرز کوئٹہ ۱۹۸۵ء صفحات

۲۲۸۔گلہائے عقیدت بحضور سرور کائنات دستیاب ہیں۔

عرفان و آگہی:

ناگی عبد الرزاق خاور، زیر اہتمام انجمن و بستان بولان کوئٹہ، مطبع : شہزاد پرنٹنگ پریس، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء صفحات ۱۴۴۔اس میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

آداب سفر:

نور محمد ہمدم، ناشر: بک سپاٹ کوئٹہ، مطبع معراج دین پرنٹرز لاہور۔ ۱۹۸۸ء صفحات ۲۲۔اس میں گلہائے عقیدت بحضور سرور کونین ملتے ہیں۔

نعتیہ کلام حافظ مسمیٰ بہ "نور غذائے روح" (قلمی):

حافظ قاری محمد ابراہیم حافظ خلف الرشید حاجی مہتاب الدیدی (۱۰ اگست ۱۸۹۶ء...... ۲۷ فروری ۱۹۹۲ء۔ پہلا صفحہ پر حافظ محمد ابراہیم ۱۴/۳۲۔۲ مسجد روڈ کوئٹہ درج ہے۔عام کاپی کے ۶۶ صفحات ہیں۔

قوس عقیدت:

سہیل اختر، ناشر: امداد نظامی وجدان پبلی کیشنز، سنٹر بلڈنگ مسجد روڈ، کوئٹہ مارچ ۱۹۸۴ء صفحات ۱۶۰ یہ مجموعہ کلام حمد و نعت نقبت اور وطن کی ارض مقدس سے عقیدت کا مظہر ہے۔پیش لفظ ڈاکٹر محمد سعود اور تقریظ پروفیسر جلیل احمد صدیقی نے تحریر کی ہے۔سرورق کی پشت پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی رائے درج ہے۔

منتخب نعتیہ کلام: مرتبہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، شاعر کردہ ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ یکم محرم الحرام ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۱ء (پانچ بار چھپا) صفحات ۴۲

مدرجات: حرف آغاز (ڈاکٹر انعام الحق کوثر) حمد اور ریاض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردو ے مختلف شعرائے کرام کے نعتیہ کلام میں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب بلوچستان بھر میں بچوں، بچیوں، طلبہ، طالبات اور اساتذہ کرام کے حسن قرأت اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ علمی و تعلیمی مقابلوں میں بطور انعام دیا جاتا تھا۔

نعت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم:

مرتبہ: ریاض ندیم نیازی، ناشر: مکتبہ امتیاز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور صابری دارالکتب قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور سن اشاعت درج نہیں۔ صفحات ۹۶

ابتداء مظفر وارثی کی حمد سے ہوتی ہے بعد میں مختلف جدید وقدیم عقیدت گزاروں کی نعتیں درج ہیں۔ امید فاضلی کے صلوٰۃ وسلام (ایسے قرآن پیکر پہ لاکھوں سلام) پر یہ انتخاب ختم ہوتا ہے۔

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم:

صوفی جاوید اقبال معصومی، ناشر: انجمن دبستان بولان کوئٹہ بہ اشتراک انجمن خدام خواجگان معصومیہ کوئٹہ، مطبع این اے اے پرینٹرز، ناظم آباد نمبر ۲ کراچی، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء صفحات ۱۶۰۔ صوری ومعنوی اعتبار سے دیدہ زیب۔

صوفی جاوید اقبال معصومی صاحب کتاب نعت گو شاعر ہیں۔

مجموعہ کلام کا آغاز حمد باری تعالیٰ اور حمد یہ قطعہ سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں گلہائے عقیدت ہی عقیدت ہیں۔ جو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں: صوفی جاوید اقبال معصومی حمد باری تعالیٰ میں گویا ہوتے ہیں:

توفیق کی ہے بات تجھے کیا سے کیا لکھوں
چلتا رہے قلم تیری حمد و ثناء لکھوں

چند نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

یہ آقا ﷺ کی عنایت ہے کہ مجھ کو
شناسا کر دیا ہے بندگی سے
بھولے نہ کبھی اپنی امت کو مرے آقا ﷺ
افسوس کہ امت نے یاد ان کی بھلا ڈالی

گنبد خضرٰی (منتخب نعتیں):

مرتبہ: ریاض ندیم نیازی، ناشر: یکے از مطبوعات غلام دستگیر اکادمی بہ اشتراک ناشاد پبلشرز کوئٹہ/

لاہور ۱۹۹۶ء صفحات ۱۲۵۔ انتساب، آرا، پیش لفظ (سلطان ارشد القادری) کچھ اپنی زباں میں (ریاض ندیم نیازی۔ مرتب) اور حمد باری تعالیٰ (میرے رب کہاں پہ نہیں ہے تو؟۔ سید ریاض الدین سہروردی) کے بعد نعت بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت نئی اور پرانی نعتوں کا انتخاب دیا گیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے الفاظ میں ''انتخاب بڑی محنت سے کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ نعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستاروں میں مقبول ہوگا۔''

سوغات:

مؤلفین: پروفیسر محمد انور رومانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۹۷۔۱۹۹۶ء صفحات ۶۴۔

انور رومان صاحب نے 'انتساب' میں انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ ایک ماسٹر صاحب اور ایک بچے کے مابین اس (بچے) کے نام سے متعلق گفتگو بیان کر کے لکھا ہے ''یہ انتخاب اس بچے کے نام منسوب ہے۔''

انور رومان ہی نے 'تعارف' میں اس انتخاب کی ضرورت یوں بتائی ہے: ''یہ انتخاب بالخصوص نوجوانوں کے لئے کیا گیا ہے۔ تاکہ انہیں نام مصطفیؐ، احترام مصطفیؐ، مقام مصطفیؐ، نظام مصطفیؐ اور دوام مصطفیؐ کا شعور حاصل ہو سکے۔''

ماہنامہ 'ہمدرد صحت' کراچی دسمبر ۱۹۹۸ء) میں مندرج ہے ''یہ مختصر انتخاب اردو نعتیہ شاعری کا پوری طرح احاطہ کرتا ہے۔''

منتخب نعتیہ کلام:

مجلس ادارت: پروفیسر انور رومان، پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، راجہ نثار احمد، جناب محمد رفیق اور جناب محمد مشتاق باجوہ، ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ، مطبع یونائیٹڈ پرنٹرز کوئٹہ ۱۹۹۸ء صفحات ۶۴۔

پہلے صفحہ پر حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جس میں ہادی برحق کی حیات طیبہ کے مطمع ہائے نظر کا ذکر ہے۔ دوسرے صفحہ پر قرآن پاک کی روشنی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرا صفحہ پر درود شریف کے فضائل اور فوائد رقم کئے گئے ہیں۔ دیباچہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا تحریر کردہ ہے

اور انتساب معروف دانشور اور صاحبفکر ونظر اسکالر پروفیسر انور رومان نے لکھا ہے جو عمیق علم اور لطافت بیان کا مظہر ہے۔انتخاب کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔اس میں برصغیر کے معروف شعراء کی نعتیں شامل کی گئیں ہیں۔

مطلع الفجر (اردو نعت سلام):

سعید گوہر' زیر طبع ہے۔علاوہ ازیں بلوچستان کے متعدد جدید وقدیم معروف اور نامور عقیدت مندوں کی اردو نعتیں ''سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں'' ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ۔مطبع: یونائیٹڈ پرنٹرز' زونکی رام روڈ' کوئٹہ ۱۹۹۷ء میں ۲۵۷ تا ۳۵۶۹ میں شائع کی گئی ہیں۔ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

'' محمد صادق شاذ' ارشد امروہوی' علامہ عیش فیروز پوری' اخگر سہار نپوری' اشر جلیلی' رشید نثار' صادق نسیم' عابد رضوی' ظفر خاں نیازی' عیاض محمد عیاض' امداد نظامی' ملک محمد رمضان بلوچ' مقبول رانا' ریاض قمر' نسیم احمد نسیم' سعید جعفر طاہر' خورشید افروز' قاضی محمد عالم ضمیر' سعید گوہر' سرور سودائی' رب نواز مائل' چودھری فضل حق' ماہر افغانی' آغا محمد علی فرحت' محمود احمد محور' سلطان محمود نیاز' عرفان الحق صائم' مرزا حسین قدیری' محمد حنیف کاشف' عرفان احمد بیگ' حسن جاوید' سائرہ خان سارا' سلطان ارشد القادری' ڈاکٹر میر رئیسانی' سیدہ نجمہ واحد' پیر سلطان حامد نواز القادری' عابد شاہ عابد' شبنم شکیل' مذاق العبی شعور رضوی' سلطان غلام دستگیر القادری ناشاد' حضرت تراب گوالیاری' فقیر بخش مسلم بگٹی' غلام سرور جاوید' بشیر تمنا' اور یا مقبول جان' محمد علی اختیار' کرن حیدر' صلاح الدین ناسک' عبد الغفور مینگل' حبیب اللہ حبیب' نادرہ ضمیر پرواز' ڈاکٹر ابو یحییٰ عینی' عاصمہ جعفری' صدف چنگیزی' رشید انجم' پروفیسر شرافت عباس' ڈاکٹر ولایت حسن عسکری' امین صباء' نیاز خلجی' آصف حسن' نذر حسین نیر' محمد نواز ناظر۔''

بلوچستان میں اردو سیرت نگاری (نثر اور نعتیہ شاعری) کے حوالے سے ایک مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا برکات ساری انسانیت کے لئے ایک کسوٹی ہے۔چنانچہ جب اس کسوٹی کے ناطے سے اپنے احوال پر نظر ڈالی جاتی ہے۔تو یہ جائزہ بھی نعت کے ضمن

میں آ جاتا ہے = شاعر اپنے نعتیہ اشعار میں انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کی جانب منعطف کراتا ہے۔ اور اس طرح زندگی اور انسانی معاشرے کو زندہ تر اور پائندہ تر بنانے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ یوں ہر دور میں نعت کی اہمیت' ضرورت اور افادیت اجاگر ہو جاتی ہے۔

بلوچستان کے نعت گو شعراء متذکرہ بالا کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھتے ہوئے گلہائے عقیدت صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔ وہ قرآن و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے غیر معتبر اور غیر مصدقہ روایات سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ وہ سلام و درود کی برکات سے اچھی طرح آ گاہ ہیں مگر عقیدت کشی میں حزم و احتیاط ضروری ہے

ناسک قدم تو رکھ ہی دیا پل صراط پر
حد درجہ احتیاط ' کہ نعت رسول ہے

وفا کی شیکی گہرائی و گیرائی سے لیس حرم پاک اور مسجد نبوی کی طرف گامزن دکھائی دیتا ہے۔ محشر رسول نگری کے الفاظ ہیں:

اے تشنہ کام جذبہ پنہاں سے کام لے
ساقی کے ہاتھ سے مئے عرفاں کا جام لے
اٹھ اور دامن شہِ لولاک تھام لے
ہر گام پر خدائے محمدؐ کا نام لے
سیرت مرے حضور کی سرِّ حیات ہے
انسانیت کی آج اسی میں نجات ہے
دستگیر عاپشت و پناہ بے کساں
دلنواز عاشقاں خستہ حالاں کو سلام
(نبی بخش اسد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں، ڈاکٹر انعام الحق کوثر لاہور، ۱۹۸۳ء ص ۱۳ تا ۱۶

بنگلہ زبان میں سیرت نگاری کا ارتقاء

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن *

بنگلہ ایک ایسی زندہ وجدید تر زبانوں میں سے ہے جو ان دنوں تقریباً ۱۲ کروڑ آبادی پر مشتمل پورے بنگلہ دیش کی سرکاری قومی زبان ہے۔ یہ زبان اپنی جغرافیائی حدود کو پار کرتی ہوئی اپنے ہمسایہ ممالک یعنی مغربی بنگال، آسام، تریپورہ برماواراکان کی سرزمین میں بھی یکساں طور پر رائج ہے۔ گویائی ونطق یعنی بول چال کے اعتبار سے اس زبان کو دنیا کی غالباً پانچویں اہم زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ ساری کائنات میں اس وقت کوئی بھی مفروضہ، فلسفہ یا نظریہ مروج نہیں ہے جو کہ بنگلہ زبان میں منتقل ہو کر شائع وذائع نہ ہوا ہو۔ خصوصاً بنگلہ دیش اور مغربی بنگال کے قدیم وجدید مسلم وغیر مسلم ادباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے متعدد علوم و فنون اور دانش وآگہی کو اس زبان میں مسلسل ترجمہ کے جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان میں فصاحت وبلاغت، سلاست وروانی اور استعارہ وکنایہ وغیرہ کا یہ عالم ہے کہ اس زبان کے قارئین اور اس میں وعظ وپند کے سامعین پر بسا اوقات محویت اور وارفتگی طاری ہو جایا کرتی ہے چنانچہ عربی، فارسی اور اردو وغیرہ مشرقی زبانوں میں جس طرح سیرت نگاری کی بہتات اور فراوانی ہے۔ عین اسی طرح بنگلہ زبان بھی اپنی افتادِ طبع کے باعث قطعاً ان کے پیچھے نہ رہ سکی ہے اور نہ ہی اس میں رنگ لائے بغیر چین سے بیٹھ سکی۔ بلکہ وہ مذکورہ بالا زبانوں کے ساتھ ساتھ قدم بقدم اپنی ارتقائی منازل طے کرنے کی ہر ممکن کاوش کرتی رہی۔ ادہر نصرتِ خداوندی بھی اس کے قدم چومتی رہی اور اس طرح یہ کاوش و جانفشانی کارآمد وبارآور ثابت ہوئی۔

یہاں ایک تلخ حقیقت اگر اجاگر کی جائے تو بیجانہ ہوگا۔ وہ یہ کہ سرزمین بنگال میں اسلامی بنگلہ زبان وادبیات کو عام طور پر فروغ دینے میں ہمعصر ہندوؤں نے بڑے روڑے اٹکائے اور اس راہ میں وہ سدّ سکندری بن کر حائل ہو گئے۔ مزید برآن انہوں نے بنگلہ زبان کو ناروا وممنوع قرار دیتے ہوئے اپنے معاصر ائی ایشیوں کی طرف سے فتوی بھی صادر کروایا کہ سنسکرت کو چھوڑ کر بنگلہ کی ترویج وآبیاری میں توجہ مرکوز

---

* پروفیسر راجشاہی یونیورسٹی: نزیل نیویارک

کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ چنانچہ جو اس زبان کی خدمت میں منہمک و مستغرق ہوگا۔ اسے لامحالہ رورنگ، نامی ایک اتھاہ دوزخ کے پینڈے میں جھونک دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ زبان اور بولی جو روز افزوں ترقیاں کر رہی تھی رجعت قہقری اور ترقی معکوس میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ اس سے کچھ مدت تک مسلمان علماء اپنی مادری زبان چھوڑ کر عربی یا فارسی اور آگے چل کر پھر اردو میں بھی سیرت نگاری کے کام انجام دیتے رہے۔ اگر چہ وہ کام ترغیب اور حوصلہ افزائی نہ ہونے کی وجہ سے غیر معیاری اور نا قابل ستائش ہی کیوں نہ ہوں۔(۱)

بعد ازاں سلطان حسین شاہ جب بنگال کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو سنسکرت کو چھوڑ کر پھر دوبارہ مادری بنگلہ زبان کو اپنانے نیز اسے فروغ دینے کا شاہی فرمان بانگ دہل جاری کر دیا۔ چنانچہ صرف بنگال ہی کے طول و عرض سے ہی نہیں بلکہ اراکان، برما، آسام، تریپورہ سے بھی اس زبان کے علماء فضلاء و دانشور رکشاں کشاں حسین شاہی دربار میں باز یاب ہو کر بنگلہ ادب کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ حسین شاہ کی انتہا کی داد و ہش، سخاوجود اور قابل تحسین زر پاشیوں سے ان کی زندگیاں بڑی فارغ البالی سے گزرتی تھیں۔ البتہ اس دور کی یہ اسلامی بنگلہ زبان غریب شاہی، دوبھاشی یا پونتھی کی منظوم زبان کے نام سے معروف تھی۔ کیونکہ اس میں عربی فارسی کا حسین امتزاج و آمیزش بہت زیادہ تھی۔ اس زمانہ کو دور متوسط یا ''مدھیا جوگ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ منثور بنگلہ زبان وادب کا رواج شروع ہونے نہیں پایا تھا۔ اس دور میں بنگال کے طول و عرض، گوشہ گوشہ بلکہ چپے چپے میں نیک نفس و متدین مسلمانوں کے پڑھنے پڑھانے کے لئے پونتھی کی یہی منظوم زبان رائج تھی۔ ایسی منظوم زبان نے ان کے روزمرہ کی زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا تھا۔

ویسے تو سینکڑوں دانشور سیرت نگاری پر اپنے شاہکار منصۂ شہود پر لائے۔ مگر یہ مختصر سا مضمون بسط و تفصیل کے ساتھ ان تمام فہرستوں کا حامل کہاں اور کیسے ہو سکتا ہے؟ بنا بریں Chronological order یعنی واقعہ نگاری یا متن و تاریخ کے اعتبار سے ایک سرسری سا جائزہ درج کیا جاتا ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ سیرت نگاری پر بنگلہ میں کیا کیا خدمات سرانجام دی گئیں۔

۱۔ مولانا ذوالفقار احمد قسمتی: بنگلہ زبان میں تراجم وتفسیر: قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سیرت پر ہی ایک سرسری روشنی ڈالی جائے قرآن نے لفظ ''سیرت'' (سورۃ ۲۰، پارہ ۱۶، آیت ۲۱) کا استعمال کیا ہے جو عصائے موسیٰ کے معجزہ ہونے کے سلسلہ میں ہے کیونکہ ان کی لاٹھی جب اژدھا کا روپ دھار کر دوڑنے لگی تو وہ سہمے ہوئے نظر آئے۔ اللہ نے فرمایا: خوف نہ کھایا کرو میں ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہاں ''سیرت'' کے معنی حالت و کیفیت کے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لفظ اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۲) ذیل میں سیرت نگاری پر پونتھی کی چند منظوم کتابوں کے نام ہم درج کیے دیتے ہیں۔

	نام مصنف یا شاعر	نام کتب
۱۔	محمد زین الدین	رسول بجئی یعنی فتوحات رسول اللہ ﷺ (۳)
۲۔	سید سلطان	وفات رسول ﷺ و شب معراج (دونوں الگ الگ ضخیم کتابیں ہیں)۔
۳۔	سید سلطان	''رسول پریت'' بنگلہ زبان میں پریت کے معنی سیرت کے ہیں۔
۴۔	''	بنی بنگسو (بنگلہ زبان میں بنگسو، خانوادہ یا خاندان کو کہتے ہیں۔
۵۔	''	رسول بجئی یعنی رسول اللہ کی فتح اور ظفر مندی (۴)۔
۶۔	نصر اللہ خان سیّد	''نورنامہ و جنگ نامہ'' یہاں نور سے مراد خود رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔
۷۔	میر محمد شفیع	''نورنامہ'' یہاں بھی ایک ہی نام و عنوان سے کئی شاعروں نے اپنے اپنے شاہکاروں کو مرتب کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر طبع آزمائی کی
۸۔	شاہ بریدخان	''نورنامہ'' (۵)

۲۔ مثلاً سفر و سیاحت شکل و شباہت، طور طریقہ، داستان، قدیم قوموں کی تواریخ، سوانح و غزوات نبویہ۔

۳۔ زین الدین اپنے ہم عصر بادشاہ یوسف شاہ کے دربار میں بڑے نامور شاعر گزرے ہیں اور وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں

۴۔ ایک ہی نام و عنوان پر کئی ایک شاعروں نے اپنے اپنے شاہکاروں کو مرتب کیا ہے۔

۵۔ اس کتاب کا دوسرا نام رسول جئی بھی ہے۔ لسانیات کی کسوٹی پر جانچ پڑتال کرتے ہوئے اہل لسان نے اسے قدیم ترین قرار دیا

۹۔	شیخ چاند و شیخ پران	''نورنامہ''، ورسول بجئی یعنی فتوحات رسول اکرم ﷺ
۱۰۔	قاضی حیات محمود	''فرمودات ابنیاء و نبی نامہ(۶)
۱۱۔	عبدالکریم	''نورنامہ''(۷)
۱۲۔	تاج الدین محمد	قصص الانبیاء
۱۳۔	قاضی شفیع الدین	قصص الانبیاء
۱۴۔	منشی حیات علی وامیر علی	قصص الانبیاء
۱۵۔	منشی الٰہی بخش ومنشی خاطر محمد	خلاصہ قصص الانبیاء (دیوان)
۱۶۔	منشی صادق علی سلہٹی	حالت النبی ﷺ
۱۷۔	منشی فصیح الدین	طریقہ محمدیہ(۸)
۱۸۔	دوست محمد چوہدری ومنشی جناب علی	جنگ خیبر و دیگر غزوات

۱۹۔ میر مشرف حسین (۱۸۴۸۔۱۹۱۱) اپنے زمانہ کے نامور ادیب، شاعر، ناول نگار اور ڈرامہ نگار بھی تھے۔ سیرت نگاری میں ان کی مشہور و معروف تصنیف ''فخر مدینہ'' ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بالواسطہ بھی کچھ سیرت نگاری کی ہے۔ مثلاً آپ کے دیگر شاہکار ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ وحضرت حسینؓ وغیرہ میں بھی بالواسطہ کچھ نہ کچھ سیرت نگاری کی گئی۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں آپ کا سب سے بڑے اور اہم کارنامے کا نام ہے۔ ''بشادسندھو''(۹) یہ ضخیم کتاب ایک کامیاب ناول کی شکل میں تین جلدوں میں قلمبند کی گئی۔ پہلی

ہے۔ یہاں بنگلہ زبان میں جئی وبجئی دونوں لفظوں کے معنی فتح وظفر کے ہیں۔

۶۔ مظہر اسلام نے حیات محمود کی سوانح عمری، علمی خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس پر راجشاہی یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔ نیز اس مقالہ کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ تفصیل کے لیے مقالہ مذکورہ ملاحظہ ہو۔

۷۔ نورنامہ کا دوسرا نام جنگ نامہ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات جس طرح نور ہدایت تھی اسی طرح سراپا جنگجو یعنی مجاہد اعظم بھی تھی۔ بنابریں اس عنوان سے سیرت نگاری کا ذکر پہلے بھی آیا اور بعد میں بھی آئے گا۔

۸۔ اس کے علاوہ یہ اور بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر منصور الدین احمد، بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات، ج ۲، ص ۷۱۔۷۲، قاضی دین محمد: تاریخ بنگلہ ادب، خ (ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویز ۱۹۶۸ء) ص: ۱۷۶۔

۹۔ یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے اس کے معنی ہیں ''غم واندوہ اور المیہ کا سمندر'' صحیح معنوں میں یہ کتاب میدان کربلا کا منظر پیش

جلد ۱۸۸۵ء میں منظرِ عام پر آئی دوسری جلد ۱۸۸۷ء میں اور تیسری جلد ۱۸۹۰ء میں۔ کہنے کو تو یہ ایک تاریخی بلکہ اسلامی ناول مگر اس میں ضمناً سیرت نگاری بھی آ گئی۔ خصوصاً حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسن، حضرت حسین، زین العابدین، علی اصغر وغیرہ کا تذکرہ بھی آ گیا اور یہ سب کے سب خاندان نبویہ کے ہی چشم و چراغ تھے۔ ساتھ ساتھ حضرت معاویہ، یزید، عبید اللہ بن زیاد، شمر ذی الجوشن وغیرہ کا ذکر بھی آیا۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت عمر، حضرت حمزہ، حضرت بلال وغیرہ کی سوانح عمری بھی الگ الگ قلمبند کی ہے۔

بنگلہ زبان و ادب کی تاریخ میں میر مشرف ہی دراصل ایک ایسے ہمہ گیر و سرگرم ادیب، شاعر، ناول نگار و ڈرامہ نگار واقع ہوئے نیز ہر صنف ادب اور علم و آگہی کے وسیع و عریض میدان میں ہر وقت ایسی جولانی و جادہ پیمائی کرتے رہے کہ آپ نے کسی صنف سخن کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر چند ملکی شعراء نے بھی اپنی منظوم پوتھی کی زبان میں اس موضوع پر اپنے اپنے کارنامے پیش کیے مگر افسوس کہ ہمیں ان سیرت نگاری کی اشاعت یا چھپائی کے سن تاریخ کا پتہ نہیں چلا۔ ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

۲۰۔ کووی فیض الدین — معراج النبی ﷺ

۲۱۔ شاہ زبید علی — معراج نامہ

۲۲۔ مولوی عبدالسبحان — کرامات احمد ﷺ

۲۳۔ صحیح کلاں ''رحمت عالمؐ'' اور جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب وغیرہ (۱۰)

کرتی ہے Journal of the anthropological Society, Bombay No.4,1900pp216-217 میں بھی میر مشرف صاحب کی تصنیفات پر مزید روشنی دستیاب ہو سکتی ہے۔ جناب منیر چوہدری نے ۱۹۶۰ء Bangla Academy Journal کے صفحہ ۴۵۔۶۵ میں میر صاحب کی تصنیفات پر سیر حاصل بحث وتذکرہ کیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر وکیل احمد: ''سلطانی عہد میں بنگلہ زبان و ادب (ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویز 1968) ص ۳۔۱۵۔

نذیر الاسلام محمد سفیان: ''بنگلہ زبان کی تاریخ جدید'' (ڈھاکہ بوگڑا مطبع چھاپا پیتھی بدون تاریخ) Prof.A.K.M Yaqub Ali "Aspect of Society & Culture of Barind, 1200-152 unpublished Ph.D راجشاہی یونیورسٹی میں شعبہ بنگلہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالاول نے لندن پہنچ کر وہاں کی یونیورسٹی سے میر مشرف صاحب پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اب یہ انگریزی و بنگلہ دونوں زبانوں میں چھپ گیا ہے۔

پوری صحت اور تعین کے ساتھ اس کے مصنف کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔ مگر اس کی مقبولیت ہر دل عزیزی کا یہ عالم ہے کہ

۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد مسلمان ادباء وفضلاء جنگ آزادی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بنگلہ زبان وادب کی طرف اپنی ساری توجہات مبذول کرنے سے وہ قاصر رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء یعنی سو سال بیت چکنے کے بعد ماضی کی بھول بھلیوں اور تیرہ وتار ظلمت کی گہرائی سے چھلانگ لگا کر پھر انہوں نے اپنی کروٹیں بدل کر نئی انگڑائیاں لینا شروع کیں۔ پھر اپنی طویل خواب غفلت سے چوکنا و بیدار ہو کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پہلے زلزلے کے فوراً ہی بعد سب نے مل کر نئے سرے سے اپنی قلمی طبع آزمائی شروع کر دی۔

بعد ازاں پھر مسلمان تو مسلمان، غیر مسلموں کے دل کی پہنائیوں میں بھی یہ مقدس سیرت نگاری اپنا سکہ بٹھائے اور اپنا سماں باندھے بغیر نہ رہ سکی۔ سیرت پیغمبر اسلام کا یہ میدان کس قدر وسیع وعریض ہے! چنانچہ اس میں خامہ فرسائی وطبع آزمائی کرنے والے مسلمان بھی ہیں۔ ہندو بھی، عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی۔۔۔۔۔ پاکستانی بھی ہیں، ہندوستانی بھی، عربی بھی ہیں، عجمی بھی، مصری بھی ہیں، ترکی بھی، عالم بھی ہیں، مسٹر بھی، شاعر بھی ہیں، خطیب بھی، سیاست دان بھی ہیں گوشہ نشین بھی۔

۲۴۔ ہر قوم، ہر ملت ومذہب کے دانشوروں کی طرف سے سیرت نویسی کی بوقلمونی، رنگارنگی اور بڑھتی ہوئی دلچسپیوں کو دیکھ کر سرزمینِ بنگال کے ایک ہندو ادیب بھی اس طرف آگے بڑھنے لگا۔ اس کا نام ہے اتول کرشن مترو، اور اس کی کتاب کا عنوان ہے ''دھرم بیرکد'' (۱۱) کلکتہ شہر کے بنو بدھان برہمن سماج نے بڑے ذوق وشوق سے اس کتاب کو (سنہ ۱۸۸۵ء) میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

۲۵۔ ایک سال کے بعد ہی پھر گریش چندر سین (۱۸۳۵۔۱۹۱۰) نامی ایک اور ہندو ادیب نے سیرت نگاری پر ایک کتاب مزید قلمبند کی۔ اس کا نام ہے۔ ''محمد جیون چریت'' سنہ ۱۸۸۶ء میں بنو بدھان برہمن

بیسویں صدی کی عین آغاز میں اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے تھے۔ پھر مدتوں بعد یعنی ۱۹۵۹ء کے لگ بھگ اسلامک اکادمی بیت المکرم ڈھاکہ نے اس کے افادی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔ واضح رہے کہ ڈھاکہ اسلامک فاؤنڈیشن کا موجودہ نام ۱۹۷۴ سے پہلے تک اسلامک اکادمی ہی تھا۔ پھر حکومت کے بدلنے سے اکادمی، کا نام بھی فاؤنڈیشن سے تبدیل ہو گیا۔

۱۱۔ بنگلہ زبان میں ''دھرم بیر'' کے معنی ہیں ''اسلام کا سچا مجاہد''

سماج مذکور نے اسے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ پھر اسی مطبع سے گریس چندر سین کے قلم سے فن سیرت پر دوسری کتاب منظرِ عام پر آئی۔ اس کا پورا نام ہے۔ ''مہاپورس محمد وتانر پروبرتینو اسلام دھرم'' (۱۲) اس ہر دل عزیز کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا سن اشاعت ۱۹۰۱ء ہے۔

۲۶۔ منشی شیخ عبدالرحیم صاحب (۱۸۵۹۔۱۹۳۱ء) نے ''رسول محمد کی جیون چریت اور دھرم نیتی'' کے عنوان سے ایک بہترین کتاب تحریر کرتے ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں کلکتہ سے شائع فرمایا۔ دیباچہ فہرست ضمیمہ وغیرہ کو شمار نہ کرتے ہوئے بھی یہ کتاب ۶۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے رسولِ عربی کے سیرت مبارکہ اور بالخصوص ان کے خالص توحیدی مشن کو پوری طرح اجاگر کرنے کی پیہم کاوشیں کیں۔ اس طرح سے سیرت نگاری کے متعلق معلوماتی مواد فراہم کر کے انہیں ترتیب دیتے ہوئے منشی عبدالرحیم صاحب بنفس نفیس بھی شہر کی بدعات سے قطعی طور پر کنارہ کش ہو کر قرآن وسنت اور نیز توحید خالص و رسالت کے پرزور نقیب اور حامی بن گئے۔ (۱۳)

شیخ عبدالرحیم صاحب ضلع ۲۴ پرگنہ تحصیل بشیر ہاٹ کے ایک دورافتادہ گاؤں محمد پور کے باشندہ

۱۲۔ اس کا اردو ترجمہ یوں ہوسکتا ہے کہ ''محمد کی عظیم شخصیت اوران کی پرچار کردہ اسلامی شریعت'' واضح رہے کہ عام پنڈوں کی طرح ان دونوں نے بھی خود بڑے بننے اور بڑوں سے باریاب ہونے کی خاطر پہلے تو خوب فارسی زبان کو اپنانا شروع کیا کیونکہ اس دور سے پہلے بھی درباری زبان فارسی ہی رہی۔ پھر انہوں نے اپنے مرشد کیشب چندر کے ایماء پر قرآن مجید وکتب سیرت کو بنگلہ میں منتقل کرنا شروع کیا۔ اس طرح سے وہ بالکل ہی غیر ارادی طور پر اسلام کی طرف مائل ہوتے چلے گئے لیکن اپنے مرشد کی طرف سے سخت رکاوٹ کی بنا پر بالآخر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ بہرکیف ان کی حیات، خدمات پورے عقائد پر میں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ نیز ان غلطیوں اور لغزشات کی بھی میں نے پوری طرح نشان دہی کی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ''بنگلہ بھاشائی قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن، بیت المکرم، ڈھاکہ: اگست ۱۹۸۶ء ص ۴۷۔۵۶، نیز ملاحظہ ہو میرا تحقیقی مقالہ بعنوان ''بنگلہ زبان میں گریش بابو کا قرآن ترجمہ'' بنگلہ اکاڈمی تحقیقی پتریکا'' ششماہی یعنی جنوری تا جون ۱۹۷۱ء: اردو میں ''پتریکا'' کے معنی مجلّہ وجریدہ کے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہونذیر الاسلام محمد سفیان: بنگلہ زبان وادب کی تاریخ جدید: (۱۲۰۰۔۱۷۰۰ء) ڈھاکہ بنگلہ دیش مطبع چھاپا یتھی ص ۱۷۔۲۵)۔

۱۳۔ مگر ان کے پوتے پروفیسر ڈاکٹر انیس الزمان صاحب نے ہندوستان کے ضلع ۲۴ پرگنہ بشیر ہاٹ سے ہجرت کرتے ہوئے ڈھاکہ بنگلہ دیش میں رہائش اختیار کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبہ بنگلہ زبان وادب کے پروفیسر بنے مگر تاہم شرک وبدعات اور دہریت کے داعی ونقیب ہی بنے رہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشائی قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن: بیت المکرم ڈھاکہ سنہ ۱۹۸۶ء، ص: ۸۹)۔

تھے۔ سیرت وسنت سے متعلق کئی تصنیفات کے علاوہ ''مہر'' اور سدعا کر'' نامی اس زمانہ کے دو معیاری ماہناموں کے مدیر مسئول بھی تھے (۱۴)۔

۲۷۔ بیسویں صدی کے عین آغاز میں ادب وفن سیرت پر ادبا، ومصنفین بنگال نے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ ان میں سے محمد عبدالعزیز نامی سیرت الرسول ﷺ کے ایک سچے شیدائی نے متوسط درجہ کی ایک کتاب قلمبند کرتے ہوئے کشٹیا ضلع کمارکھالی تحصیل سے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔ کشٹیا کمار کھالی ان کا اپنا علاقہ تھا۔ مقدمہ، ضمیمہ، فہرست وغیرہ کے علاوہ کتاب ہذا کے کل صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔ (۱۵)

ضلع کومیلا کے اور بھی ایک عبدالعزیز صاحب تھے جو کہ اول الذکر عبدالعزیز کے ہی ہمنام تھے۔ انہوں نے بھی سیرت نگاری کے علاوہ ترجمہ وتفسیر قرآن پر کام کیا جسے ان کے ایک ہندو ہمعصر گانیس چندر بھوڈک نے اس سے متاثر ہوکر بڑے ذوق شوق واہتمام سے شائع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گانیس چندر کی یہ اشاعت اس وقت نہیں بلکہ آئندہ چل کر ۱۹۳۱ء میں منظرِ عام پر آئی۔ کہتے ہیں کہ یہ گانیس چندر بھوڈک بعد میں مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

۲۸۔ ۱۹۰۳ء میں ضلع ندیا شانتیپور کے ایک نامور و شہرہ آفاق بنگالی شار مزمل حق صاحب (۱۸۶۵۔۱۹۳۳) نے آنحضرت ﷺ کے نام سے ۱۹۴ صفحات پر مشتمل مختلف قافیوں میں ایک منظوم کتاب لکھ کر شائع کی۔ یہ شاہکار زیور طباعت سے آراستہ ہوتے ہی تعلیم یافتہ ہمعصروں نے دل کھول کر اس کی مدح سرائی کی۔ مسلمان تو مسلمان ہندو معاصروں نے بھی اس کی تعریف وتوصیف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا حتی کہ اس کی قافیہ بندی کو دیکھ کر ہندو ادیب نے تو اسے مہرشی بلمیکی کے ایپک (Epic) راماین مہابھارت سے بھی قریب تر کہہ کر تشبیہ دی ہے۔ (۱۶)

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ افسوس کہ ان کے حالات وخدمات سے متعلق مجھے مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں اور اپنے وطن مالوف سے دور شہر نیویارک میں رہائش پذیر ہوکر معلومات فراہم کرنا بھی مشکل ہے۔ ویسے مجھے اتنا پتہ ضرور لگا کہ کمارکھالی کے عبدالعزیز صاحب کا برابر تعلق ورابطہ کلکتہ عالیہ مدرسہ سے رہا۔ جب گریش چندرسین نے قرآن مجید کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا تو انہوں نے گریش بابو کو ایک اہم و تاریخی خط لکھ کر بھیجا جو ان کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں اشاعت پذیر ہوا۔

۱۶۔ پروفیسر منصور الدین، بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات،

اس منظوم سیرت الرسول کی سلاست وروانی کا یہ عالم ہے کہ ماضی بعید میں یہ راقم عاجز بھی اسے فطری جذبات کے رو میں بہہ کر جھوم جھوم کر زبانی پڑھتا اور گنگناتا رہا۔ بہر کیف فلسفہ واسلام کا یہ ترجمان اور کاروانِ ملت کا یہ حدی خوان ورہنما شاعر عبقری مزمل حق مذکور اس سیرت نگاری کے علاوہ اور بھی کافی منظوم ومنشور کتابوں کے مصنف ہیں مگر اس مختصر مقالہ میں ساری تفصیلات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

۲۹۔ رام پران گپتا (۱۸۶۹۔۱۹۲۷ء) نامی اک ہندو ادیب ڈھاکہ کے حوائی شہر میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۴ء میں ''آنحضرت محمدؐ'' کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم مختلف مذاہب کے دانشوروں کے اہم اقتباسات کو جو پیغمبر اسلام کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں انہوں نے اس کتاب میں شامل کر دیئے۔ چنانچہ قلیل عرصہ ہی میں یہ کتاب اس قدر ہر دل عزیز اور مقبولِ خاص و عام ثابت ہوئی نیز اطراف واکناف میں اس کی چاہت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کے تیرہ ایڈیشن نکل گئے۔ (۱۷)

پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ پاک وہند اور بنگلہ دیش کے کیا ہندو، کیا عیسائی ہر کس وناکس نے اپنے مختلف فرسودہ وبدترین اغراض ومقاصد کے پیش نظر سیرت نگاری کے وسیع وعریض میدان میں قدم دھرتے ہوئے اچھی خاصی بلکہ نمایاں مسابقت ومسارعت شروع کر دی۔ اس طرح صاف وشفاف سیرت النبیؐ کو داغدار، بدنما اور بھونڈا کرنے کی غرض سے ان دشمنانِ اسلام نے چاروں طرف سے عملی، تقریری وتحریری طور پر پیہم اور تابڑتوڑ یورش ویلغار شروع کر دی۔ نیز اسے ناکام بنانے کی جانفشانی وکاوشوں میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی۔

چنانچہ پادری سی، سی، پی، فانڈر، پادری صفدر علی، جان مرشمین (۱۷۶۸۔۱۸۳۷)، پادری جان منرو، پادری جیکوب، ڈاکٹر ولیم کیری (۱۷۶۱۔۱۹۳۴ء) مسٹر پوئیل ولیم وارڈ (۱۷۶۹۔۱۸۳۷) روکرنڈ ولیم گولڈسیک (۱۸۶۱۔۱۹۵۰) ایچ۔ جی۔ راؤس، پادری جارج سمتھ شری فلیپ بسواس وغیرہ اسی سلسلہ کی

۱۷۔ ماہنامہ ''آگروتھیک'' (بنگلہ) سیرت النبیؐ کے خصوصی نمبر جولائی ۱۹۸۶ء، اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ: جناب خالق بن زین الدین کا بنگلہ مضمون بعنوان ''سرزمین بنگلہ دیش میں سیرت نگاری کی اشاعت، ص ۱۶۴: ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشاتی قرآن چرچا، اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ مذکورہ بالا ماہنامے کے ساتھ ساتھ اردو ماہنامے وتفاسیر بھی ملاحظہ ہوں مثلاً علامہ احسان الٰہی ظہیر کے زیر ادارت ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' میں جناب اختر راہی کا مضمون لاہور اگست، ۱۹۷۱ء۔

مخصوص کڑیاں بن کر بے عیب سیرت النبیؐ کو داغدار اور بھونڈا کرتے ہوئے اپنی اسلام دشمنی میں مرتے دم تک پیش پیش رہے۔

مسٹر اے، ایچ ایر لے بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔ اپنی پہلی زندگی میں اسلام اور رسولِ اسلام کے جانی دشمن تو وہ تھے ہی۔ مگر کچھ آگے چل کر وہ اس قدر شیدا و فریفتہ رسول بن گئے کہ اپنی جان ہی ان کے سپرد کر دی۔ پھر اپنے علم و عمل میں مزید ترقیوں کے زینے عبور کرتے ہوئے وہ مولانا سراج الدین احمد کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ بعد ازاں وہ پیغمبر اسلام کی حمایت میں ڈاکٹر مربشن کے ساتھ کبھی تقریری ور کبھی تحریری بحث میں مصروف رہے۔ بعد میں پھر کتابی شکل دے کر ان مشنری وعیسائی مبلغوں نے اسلام کے مقدس رسول کو بدنام کرتے ہوئے ان کی سوانح عمریاں لکھیں اور کبھی سر راہ پیہم تقاریر کے ذریعہ اہل اسلام کو دین سے برگشتہ کرتے ہوئے عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی لگا تار جدو جہد کی۔ ان کی تحریف شدہ یہ سوانح عمریاں ہزاروں ولاکھوں کی تعداد میں ہر جگہ مفت تقسیم کی جاتی رہیں۔

اس طرح سے برطانوی ہندوستان British India کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں ان عیسائیوں نے رسول اسلام کی تردید اور مخالفت میں جھوٹ موٹ کتب و رسائل کے دام تزویر بچھائے اور اپنے مکر و فریب کا ڈھونگ رچایا دراصل پیغمبر اسلام سے ان کی انتہائی عداوت نے ہی اس قسم کے فرضی و جعلی کتابچوں کو منظرِ عام پر لانے کے لئے انہیں اکسایا۔ ان عیسائی مبلغین میں سے کچھ تو بدیشی تھے مگر اکثر و بیشتر دیشی مقامی بھی تھے۔ ان جدید عیسائیوں نے کبھی تو خطیر رقم کے لیے لالچ اور کبھی محض اقتدار ہی کی ہوس میں عیسائیت قبول کر لی۔ پھر لطف کی بات ہے کہ الٹے اثرات کے طور پر بعض بدیشی و بیرونی عیسائی مبلغین آگے چل کر اسلام کی رواداری اور اندرونی حسن و جمال سے پوری طرح متاثر ہو کر پھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ان میں سے سطور بالا میں ہم نے ابھی صرف سراج الدین مسلم کا ذکر کیا ہے۔ (۱۸)

اس ضمن میں پادری سی، سی، پی فانڈر سمتھ کی تحریف کردہ کتاب میزان الحق ''طریق الحیات'' ''حل الاشکال'' اور ''مفتاح الاسرار'' پادری ایچ، جی راؤس کی تحریفی تصنیف ''پیغمبر عیسیٰ و محمدؐ'' پادری صفدر علی

۱۸۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: بنگلہ بھاشاتی اور قرآن چرچا: ص ۸۵۔۸۷۔

کی ''تحقیق الایمان'' اور ''نیاز نامہ'' پادری گولڈسیک کی کتاب ''اسلام میں محمدؐ'' اور اسی طرح ٹھاکر داس کی کتاب ''سیرت محمدؐ'' وغیرہ تحریف کردہ کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس طرح سے عیسائی مبلغین نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے جنون میں اس قسم کے تحریف کردہ و مسخ شدہ ان گنت رسائل، کتابچے اور فرضی کتابیں شائع کیں ان کتابوں کا دندان شکن اور ترکی بہ ترکی جواب مسلم قلمکاران بنگال نے اسی وقت واضح الفاظ میں بجا طور پر دے دیا تھا۔ گوان مسلمانوں کے ہاں نہ تو کوئی شاہی طاقت تھی اور نہ دیگر مادی وسائل ہی دستیاب تھے۔

اس ترکی بہ ترکی جواب دینے کے سلسلہ میں جن حضرات نے عیسایت کے تبلیغی سیلِ رواں کی روک تھام کے لئے سب سے بڑھ چڑھ کر نمایاں حصہ لیا تھا۔ ان میں سے مولوی ریاض الدین احمد مشہدی (۱۹) منشی شیخ عبدالرحیم (۲۰)، معزالدین (۲۱) احمد المعروف بہ صوفی مدھومیاں، مولانا علاؤالدین احمد (۲۲) منشی ضمیرالدین (۱۸۷۰ـ۱۹۳۰ء) نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

۱۹۔ ''سدھارکار'' نامی معیاری مجلّہ کے ایڈیٹر تھے مولوی مشہدی صاحب اسی مجلّہ کے صفحات میں عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کے تحریری جواب دیا کرتے تھے لیکن عیسائیوں نے پھر انتقام لیتے ہوئے انہیں ایک مقدمہ میں پھنسایا اور پھر مولانا وحید الدین اور شیخ عبدالرحیم صاحب نے تحریری جواب کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں لے لی۔ اس طرح یہ قلمی جہاد رواں دواں رہا۔

۲۰۔ بنگلہ زبان میں آپ کا شاہکار سیرت نگاری پر اولین مرحلہ میں ہی شائع ہوا تھا ہم نے اس سے قبل ہی . س شاہکار پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ مغربی بنگال کے ضلع ۲۴ پرگنہ تحصیل بشیر ہاٹ کے باشندے تھے۔ اس زمانہ میں چوٹی کے انشاء پرداز اور موحد تھے۔

۲۱۔ آپ نے عیسائیوں کے مقابلہ اور سیرت النبی کی حمایت میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اسی غرض وغایت میں آپ نے ''تفسیر حقانی'' کے مقدمہ کو بنگلہ میں منتقل کیا تھا صرف یہی نہیں بلکہ حفاظت نبوی اور رد عیسایت میں ایک ضخیم کتاب بھی قلم بند کی اس کا نام ''شانتی کرتا'' ہے۔ اس کے اردو معنی ہیں'' پیکرامن وچین'' رد تثلیث اور حفظانِ سیرت النبیؐ پر آپ کی تصنیف کردہ کتابیں اور بھی ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے اپنے دور افتادہ گاؤں اعظم پور کو خیر باد کہہ کر ہاوڑہ صدر میں سکونت اختیار کی تھی۔ پیغمبر اسلام کی سیرت پر دشمنوں کی پیہم یورش ویلغار کی روک تھام اور مقابلہ کے لئے آپ نے اپنے متعلقین اور حلقہ احباب میں سے نوجوان طبقوں کی ایک مخصوص ٹیم تیار کی تھی جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی مہم جوئی جاری رکھی تھی'' بائبل میں محمدؐ'' کے نام سے آپ کی اور بھی ایک کتاب قابل ذکر ہے۔ ڈ۔م۔ ڈ۔م رحمان'' رحمۃ للعالمین''۔

۲۲۔ آپ پٹنہ ضلع کی تحصیل سیراجگنج کے قریب چوہان نامی گاؤں کے باشندہ تھے۔ سرکاری ضلع سکول کے فارسی کے ٹیچر تھے اور اسی تعلیم و تدریس کے دوران جو فرصت کے لمحات میسر ہوا کرتے دشمنان اسلام کے خلاف تقریری وتحریری جہاد میں مصروف رہتے۔ چنانچہ تفسیر حقانی کے بعض حصوں کا بنگلہ ترجمہ آپ نے بھی کیا تھا۔ سیرت النبیؐ کی حمایت اور تفسیری خدمات میں آپ کی تصنیفات اور بھی ہیں۔

مئوخر الذکر یعنی منشی شیخ ضمیر الدین کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ آپ کلکتہ کے پاس جمع ندیا کے باشندہ تھے۔ بہت ہی ذہین، ہوشمند اور کچھ اُفتادہ طبع مالک تھے۔ اپنی جوانی کے عالم میں چند پادریوں کی تقاریر و تصانیف سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً عیسائیت قبول کر لی پھر اس مذہب کی تبلیغ، پرچار اور سربلندی کی خاطر جان توڑ اور پیہم جانفشانی شروع کر دی۔ لگا تار کئی سال اسی عالم میں گذر جانے کے بعد جب عیسائیت کا بھوت گریز پا ہو گیا تو وہ (ضمیر الدین) پھر اسلام کے خنک سایہ تلے پناہ گزین ہو کر اس کے سچا شیدائی و دلدادہ بن گے۔

اس کے فوراً بعد ہی آپ نے اپنی برجستہ تقاریر اور تصانیف کے ذریعہ خدا جانے کتنے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ پورے ۸ سال تک عیسائیوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر انہیں یہ تلخ تجربہ ہوا کہ مذہب واقعی کس قدر کھوکھلا، بے مغز اور فرسودہ ہے۔ عوام الناس میں تو آپ مولانا پادری کے نام سے مشہور تھے ہی ادھر علمی حلقوں میں بھی آپ کی شہرت و نیک نامی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے ایک دلچسپ آپ بیتی قلمبند کی۔ اس کا عنوان تھا ''دین عیسوی میں میرے ۸ سال کی طویل مدت'' اس میں آپ نے عیسائیت کا تمام پول کھول دے نیز ان کی زار سربستہ سے بھی پردہ اٹھایا۔ ترتیب وار براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس دین کی عمارت کتنے مکر و فریب پر قائم ہے اور کس قدر طلسم و شعبدہ پر انہوں نے اس کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس طرح سے منشی ضمیر الدین نے ایک طرف عیسائیت کی بڑی مخالفت کی اور دوسری طرف رسول اکرم کی حقانیت کو کما حقہ ثابت کر دکھایا۔

چنانچہ بنگلہ زبان میں ان کا ایک اور شاہکار بعنوان ''معصوم مصطفیٰ'' ہے یہ کتاب بنگلہ سن ۱۳۳۵ء میں کلکتہ سے پہلی بار منظر عام پر آئی۔ اس میں ضمیر الدین نے پانی پت اور امرتسر کے اسلام دشمن پادری ڈ، ڈی لایج اور عماد الدین کی ''تواریخ محمدی''، ''ھدایۃ المسلمین''، ''نغمہ سوری'' وغیرہ کتابوں کی بڑی سخت تردید کرتے ہوئے دندان شکن جواب دیا۔ بلاشبہ بنگال میں ''معصوم مصطفیٰ'' کو وہی حیثیت حاصل رہی جو پنجاب میں ''مقدس رسول'' کو ہوئی تھی جو کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری المتوفی ۱۹۴۸ء نے ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں لکھی تھی۔ (۲۳)

۲۳۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کی خودنوشت سوانح حیات: ''اخبار اہل حدیث'' امرتسر مجریہ ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء

مئوخر الذکر کتاب یعنی ''نغمہ سوری'' کا ایک اور جواب مولانا سید محمد علی ۔نے بھی اردو میں لکھا تھا۔ اس کا نام تھا ''ترانہ حجاز''، راجشاہی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے اس کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا تھا(۲۴) اس طرح سے عیسائیوں کی تمام ریشہ دوانیاں نیز ان کی خرافات و واہیات کی بھرپور تردید کرتے ہوئے اوران کے مدلل جوابات دیتے ہوئے ضمیر الدین نے جو چھوٹی بڑی کتابیں شائع کیں ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ ''اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی شکست وریخت'' ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔(۲۵)

۲۔ ''عیسائیت کے خلاف اسلامی تقاریر کا مجموعہ: دیباچہ کے علاوہ ۵۸ صفحات، کی یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔(۲۶)

۳۔ نبی محمدؐ کی برتری اور پادری کی فریب کاری: ۱۱۰ صفحات کا شاہکار ۱۹۱۶ء میں منظر عام پر آیا۔اس میں ایک طرف تو رسول اکرم ﷺ کی خوبیوں کو اور دوسری طرف عیسائی پادریوں کی ریشہ دوانیوں کو واضح الفاظ میں اجاگر کیا گیا۔

۴۔ ''میرا قبولِ اسلام میری آپ بیتی'' تقریباً دوسو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار و مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا بین ثبوت یہ ہے کہ عرصہ قلیل ہی میں چار ایڈیشن نکل گئے ہمعصر قلمکاروں نے ان کتابوں کے بہترین تبصرے قلمبند کیے جو ہم عصر ماہناموں ومجلّات کی زینت بنتے رہے۔ان رسائل و جرائد میں سے رنگپور کے ماہنامہ ''باسونہ''(۲۷) کلکتہ کے ماہنامے ''اسلام پرچارک''(۲۸) ''پرچارک'' اور کھرسیٹان بندھوب' نیز کلکتہ کے ماہنامہ

۲۴۔ ڈ۔م۔رحمان: ''بنگلہ بھاشا کی قرآن چرچا'' ایضاً ص: نیز ''رحمۃ للعالمین'': ترجمہ ڈ۔م۔م رحمان راجشاہی ۱۹۹۷ء

۲۵۔ پروفیسر منصور الدین احمد: بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات (ڈھاکہ رتن پبلشرز ۱۹۶۵ء) ج ۱ ص ۲۹، ۳۲

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ ضمیر الدین کی اور ایک کتاب ''برنباس انجیل کی پیش گوئی'' بھی ہے۔علاوہ ازیں ہمعصر ماہناموں میں تثلیث (trinity) سے متعلق شائع شدہ آپ کے مختلف فکر انگیز مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ان جرائد ومجلّات میں سے رنگپور کے ماہنامہ ''باسونہ'' (بمعنی منشاء ومقصد) وہاں کے نامور شاعر و ادیب شیخ فضل الکریم صاحب کے زیر ادارت چھپتا تھا۔ اس دور کی ادبی سرگرمیوں میں اس معیاری پرچہ کو بڑا دخل رہا ہے۔

''سدھکار''(۲۹)خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں(۳۰)۔

ہم نے یہاں ضمیرالدین کی صرف ان علمی خدمات وتصنیفات پر ہی روشنی ڈالنا مناسب سمجھا جوفقط سیرت سے متعلق ہیں۔اسی طرح سیرت پاک کوعیسائیوں نے متعدد زاویوں سے جن الائشوں کے ساتھ ملوث وآلودہ کرنے کی جونا کام جدوجہد کی اورعلمائے بنگال نے ان کے منہ توڑ جواب دے کر کثیر تعداد میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ہم نے ان دانشور مصنفین میں سے یہاں صرف چند ایک ہی کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ کی تقریباً ساری کتابیں ۱۸ویں صدی کی اواخر کی تخلیقات ہیں۔یہ سلسلہ بنگال کی طرح پنجاب اور شمالی وجنوبی ہند کی سرزمین میں بھی جوں کی توں جاری وساری بلکہ پورے جوبن پر تھا۔ان میں سے غالباً رحمت اللہ کیرانوی المتوفی ۱۳۰۸ھ(مدرسۃ صولیۃ مکہ معظّمہ کے بانی) کا نام سرفہرست ہے(۳۱)۔

۳۰۔ کوئی (شاعر) شیخ فضل الکریم صاحب(۱۸۸۲ء۔۱۹۳۶ء) نے ''آنخضرت تیرجیون''یعنی

۲۸۔ عربی واردو میں اس کی معنی ہیں مبلغ اسلام،ا؎ ماہنامہ کے علاوہ اس دور کا ایک اور پرچہ کا نام''پرچارک'' بھی ہے۔دونوں کے جوائنٹ اڈیٹرمعزالدین مدھ میاں ہوا کرتے تھے۔''مدھومیاں'' ان کا علمی نام ہے۔اس نام کو غالباً وہ اس لئے بھی استعمال کرتے ہو نگے کہ عام قارئین کی آنکھوں سے اپنی ذات کو اوجھل رکھنا چاہتے تھے۔یہ ایک وقت میں کئی پرچوں کے مدیرمسئول بھی تھے۔''تاریخ ترکستان'' کے نام سے ایک بہترین کتاب بھی لکھ کر آپ نے شائع کی تھی۔آپ کی مخالفت میں پھر عیسائیوں نے بھی اپنا پرچہ''گھریستاں بندھوب'' کے نام سے نکالا اس کے اردو معنی عیسائیوں کے گہرے دوست ہیں۔

۲۹۔ اردو میں اس کے معنی ہیں خوشگوار اور لذیذ خوارک۔اس کے جوائنٹ اڈیٹرمنشی عبدالرحیم صاحب تھے۔یہ معیاری پرچہ ۱۸۹۲ء میں کلکتہ شہر سے جاری ہوا تھا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈ۔انیس الزمان:''مسلم بنگال کے ہمعصر جرائد و رسائل'' ص ۱۴۰: پروفیسرڈ۔ایم مجیب الرحمٰن:''رحمۃ للعالمین'' اشاعت محمدیہ،راجشاہی ۱۹۹۷ء

۳۰۔ باقیوں کوسردست نظرانداز کرتے ہوئے مستقبل کا ہی میں بیقرار نگاہوں سے منتظر ہوں کیونکہ یہ مختصر سا مضمون کہاں اور کب تفصیلات کا حامل ہوسکتا ہے؟ ویسے تو مختصراً اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ سرزمین بنگال کے طول وعرض سے تقریباً سینکڑوں خطباء و قلمکاروں نے تقریری وتحریری طور پر اسلام دشمن عیسائیوں اور آریہ سماجوں کی بے تحاشا اور بے دھڑک تردید کی تھی۔

۳۱۔ انہوں نے نہ صرف اپنا عربی شاہکار''اظہارالحق'' کے ذریعہ سی۔سی۔پی فانڈر کوزک پہنچائی بلکہ اسے بری طرح رسوا کرتے ہوئے گریز پا ہونے پر مجبور کیا۔اسی طرح سرزمین ہندو بیرونِ ہند کے آریہ سماج ومتعدد عیسائی پادری مجلس مناظرہ ومباحثہ سے عاجز آکر بالآخر تلملا اٹھے اور پھر دم دبا کر فرار بھی ہو گئے۔اس عربی شاہکار''اظہارالحق'' کا پہلا ایڈیشن ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔بعد ازاں پھر عربی،اردو اور انگریزی وغیرہ میں ایڈیشن شائع ہوتے رہے۔محمد ولی الرضاء صاحب نے اسے مکمل طور پر انگریزی کا جامہ پہنایا جو کہ کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ان کے چند شاگردانِ رشید نے جواب بھی وہاں تعلیم وتدریس میں مصروف ہیں اس شاہکار کو چھپوانے

''حیاتِ پیغمبرِ خدا'' کے عنوان سے ایک بہترین سوانح عمری لکھ کر ۱۹۰۴ء میں کلکتہ سے شائع فرمایا۔ موصوف ضلع رنگپور میں ایک دور افتادہ گاؤں ککینہ کے باشندہ تھے۔ اس سے قبل بھی میں نے یہ بتایا تھا کہ موصوف اسی گاؤں سے باسونہ (منشاؤ نامی ایک معیاری ماہنامہ اپنے زیرادارت شائع کیا کرتے تھے) کافی کتابوں

کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ ان کی اس ترغیب کا ہی لازمی نتیجہ ہے کہ ۱۹۹۲ء میں سعودی عرب کے (WAMY) یعنی (World Assembly of Muslim Youth) نے اسے چھپوانے کا بیڑا اٹھا کر طہٰ پبلیکیشن لندن سے شائع کیا۔

بعد ازاں پھر بی، سی، فانڈر کے ساتھ مولانا کی سہ روزہ بحث ومباحثہ میں مولانا نے انہیں بڑی تیزی سے بائبل کی تقریباً ۹/۸ جگہوں میں واضح اور صریح جعلسازی دکھائی۔ اور پادری نے ایسی شکست کھائی کہ وہ بالآخر دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد پھر مدت قلیل ہی گذرنے پائی تھی کہ مولانا کیرانوی صاحب فانڈر کی کتاب کی تردید میں ''ازالۃ الخفاء'' نامی ایک ضخیم کتاب لکھ ڈالی۔ مگر اپنی تہی دستی کی بنا پر اسے چھپوانے سے قاصر رہے۔ پھر مسودہ ہاتھ میں لے کر اپنے گھر سے نکلے تو آگرہ پہنچ کر دم لیا۔ اعیانِ آگرہ نیز وہاں کے سر برآوردہ لوگوں نے اپنے اخراجات سے کتاب مذکور کو بڑے شاندار طریقہ سے چھپوانے کا انتظام کیا۔ ۱۲۴۵ھ میں ربیع الاول کا مہینہ تھا کہ پادری فرنچ اور دیگر پادریوں کا مولانا کیرانوی کے ساتھ اس علاقہ کے وسیع و عریض میدان میں زبردست مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کا موضوع تھا ''تحریف انجیل'' دوسری بحث ۱۸۵۴ء مورخہ اپریل ۱۰۔۱۲ میں ہوئی۔ اس میں پادریوں نے ہر چند اصرار کیا کہ مباحثہ مخفی طور پر اندرونِ خانہ میں ہو۔ مگر ڈاکٹر وزیر خان کی یہ حکمت عملی تھی کہ بجائے اندرونِ خانہ کے کھلے میدان میں ہزاروں سامعین کے روبرو مباحثہ ہوا (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشا قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ ص ۸۳) اب پوری اسلامی دنیا مولانا کا لوہا مان چکی تھی حتی کہ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید صاحب نے بڑی گرمجوشی سے ان کی آؤ بھگت کرتے ہوئے اپنے ہاں دعوت دی۔

لیکن ادھر ہندوستان میں فرنگی حکومت کے پیہم برداشت ظلم وستم اور جبر تشدد سے تنگ آ کر بالآخر آپ نے مکہ معظمہ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا۔ مولانا وحیدالزماں کیرانوی غالباً آپ ہی کی چشم و چراغ تھے۔ اس ضمن میں یو، پی، فتح پور اور جہان آباد کے مولانا قاسم ومولانا ابوالحسن متوفی ۱۲۸۷ھ کی تصنیفی وتبلیغی خدمات اور سرگرمیاں قابل ذکر اور درخور اعتناء بھی ہیں۔ مولانا امداد صابری بھی ان دنوں اسی میدان تصنیف میں فروکش ہو کر اور اپنا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس سلسلہ میں ان کے شاہکار بعنوان ''فرنگیوں کے جال'' نے تو عیسوی قلعوں میں ایک زبردست زلزلہ پیدا کر دیا اور ایک بھرپوری ہلچل بھی مچادی۔ اسی طرح مولانا ابوالحسن مذکور نے بھی دریدہ دہن عیسائی پادریوں کی کارستانی وبدعنوانی کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ ان دنوں وہ جہاں آباد میں ہی منصف (Judge) تھے مگر اللہ کا کرشمہ دیکھئے کہ یکا یک آگرہ میں ان کا تبادلہ ہو گیا پھر اہالیان آگرہ کے اقتصادی تعاون سے انہوں نے ''استفسار'' کے نام سے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب شائع کی۔ اس کتاب کے جوابات اسقدر مدلل ودندان شکن تھے کہ عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں ماند پڑ کر رہ گئی (اختر راہی: ماہنامہ ترجمان الحدیث، لاہور: اگست ۱۹۷۱ء: ڈاکٹر قاضی عبدالمنان: ''جدید بنگلہ ادب وخدمت مسلم'' ڈھاکہ ۱۹۶۹ء ص ۸) اس ضمن میں اور بھی ایک جید عالم اور نامور ہستی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ ہیں مولانا ہاشم ولی اللہ لاہوری ۱۲۵۱ھ۔ ۱۲۹۶ھ اپنے بڑے بھائی شیخ صدیق کے ہمراہ کشمیر سے لاہور آ کر انہوں نے میاں سنگھ قلعہ کے معروف دانشور مولانا غلام رسول کے ہاں زانوئے تلمذ تہ کر دیا۔ پھر اس عہد کے کہنہ مشق

کے مصنف تھے اور ملک وملت کے نامور وغمخوار شاعر بھی ۔ چنانچہ برسوں کی ترتیب اور حساب سے سیرت نگاروں کا جائزہ لیتے ہوئے بنگلہ زبان کے یہ مایہ ناز سپوت بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں ہمیں سرفہرست نظر آتے ہیں ۔(۳۲)

عالم مولانا احمد دین بغوی اور مولانا نور احمد کھوئی کوٹلی کے ہاں بڑی تندہی سے خوشہ چینی کی ۔ اپنی طالبعلمی کے دوران وہ مولانا محمد حسین بٹالوی المتوفی ۱۹۶۰ء کے بھی کلاس فیلو تھے ۔ اپنی عملی زندگی میں وہ لاہور میں وزیر خان مسجد اور شاہی مسجد کی درسگاہوں کے استاد بھی رہ چکے تھے ۔

رسول اکرم کو بدنام اور معرض دشنام گردانتے ہوئے عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور بڑھتا ہوا سیلاب کی بروقت روک تھام اور قلع قمع کیلئے ولی اللہ لاہوری کی مندرجہ ذیل تصنیفات بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔ ا۔ صیانۃ الانسان ۔۲۔ ابحاث ضروریہ ۳۔ رموز الشیاطین ۴۔ مراھیس دینیہ ۔ ان کتابوں کی ترتیب وتالیف میں ڈپٹی برکت علی نے ان کی معاونت کی اور ہاتھ بٹایا ۔ (ڈ۔ مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشائی قرآن پرچار'' ص ۸۷' شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ''اخبار الاخیار'' اردو ترجمہ کراچی ۱۹۵۳ء ڈاکٹر عبدالحق: ''قاموس الکتب'' ڈاکٹر انیس الزمان: مسلم منش اور بنگلہ ادب: ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ص: ۳۰-۲۲۱ فہرست بنگلہ لائبریری: دوسراسہ ماہی تربیتی نمبر ۱۲۷)۔

پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی گھناؤنی اغراض کے فرسودہ و من گھڑت پروپیگنڈہ ایک طرف اگر عیسائی پادریوں کی جانب سے تھا تو دوسری طرف آریوں کی شدھی تحریک اور قادیانی کی جھوٹی نبوت کا دعویٰ و پروپیگنڈہ بھی کسی طرح کم نہیں تھا ۔ آگے چل کر ان تینوں تحریکات کی فوری روک تھام کیلئے فوراً ہی اس وسیع وعریض اور گھمسان کی رزمگاہ میں علمائے وقت اپنی تصنیف' تقریر اور مناظرہ کا پرچم اپنے آزمائے ہوئے بازوؤں میں لہرا کر نمودار ہوگئے ۔ ان میں سے منجھے ہوئے اہلِ علم وفن مناظرہ کے پیشوا' چوٹی کے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۸ء) مولانا سید نذیر حسین دہلوی' مولانا بشیر شہسوانی' مولانا عبدالمنان وزیر آبادی' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' قاضی سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷-۱۹۳۲ء) وغیرھم کے نام جلی حرفوں میں سرفہرست ہیں ۔

اول الذکر تو ماشاء اللہ مذکورہ بالا تینوں اسلام دشمن جتھوں کے خلاف اپنی پوری طاقت وبساط کے مطابق محاذ قائم کرتے ہوئے سینہ سپر بھی ہوئے نیز مرتے دم تک برسرِ پیکار بھی رہے ۔ دین اسلام کے خلاف مذکورہ بالا تینوں جتھوں کے جہاں بھی مناظرے ہوا کرتے تھے ۔ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر آپ فوراً ایک طرف تو کوہ ہمالیہ تو دوسری طرف خلیج بنگال تک رواں دواں رہتے تھے ۔ رسول پاک کی مقدس سیرت کو بھونڈ کرنے کی غرض سے جس نے بھی زبان کھولی یا قلم گھسیٹا' آپ کا اشہب قلم فوراً اس کی روک تھام اور بیخ کنی کیلئے شمشیر بے نیام بن کر چل نکلا' قلم گوید کہ من شاہِ جہانم ۔۔۔۔۔''۔

آپ نے اپنی پوری حیات مستعار اسی مجاہدانہ وسپاہیانہ خدمت کیلئے وقف کردی تھی ۔ سیرت نگار پر آپ کا انمول شاہکار یہی ہے کہ آریہ سماج کی طرف سے ایک مردود نے جب ''رنگیلا رسول'' شائع کی تو آپ نے اس کے دندان شکن جواب میں فوراً ''مقدس رسول'' جیسی ضخیم ومدلل کتاب لکھ ڈالی جس پر نہ صرف تاریخ بلکہ آنے والی نسل بھی ہمیشہ ناز کرتی رہے گی ۔ (سید سلیمان ندوی: ''یادرفتگان' ۱۹۸۳ء کراچی' ص ۳۷۰: ''ماہنامہ محدث'' ج ۳' شمارہ ۲ فروری ۱۹۹۹ء: عبدالرشید صفحہ ۵۴-۵۶' عبدالمجید خادم: ''سیرت ثنائی'' مسلمان کمپنی گوجرانوالہ: علامہ احسان الٰہی ظہیر: ''القادنیت'' بنگلہ ترجمہ ۱۹۹۴ء ادارہ ابحوث العلمیہ' ریاض سعودی عربیہ)۔ دشمنان اسلام جب چاروں طرف سے سیرت النبی پر بدنما دھبہ لگانے پر تلے ہوئے تھے ایسے آڑے وقت میں زمانہ کے اس نازک ترین بڑھتے ہوئے تقاضوں کو نباہتے ہوئے عرصہ قلیل میں ایسی

۳۱۔ شہرہ آفاق ادیب و نامور ناول نویس و افسانہ نگار خان بہادر قاضی امداد الحق صاحب ۱۸۸۲۔۱۹۲۶ء نے بھی ''نبی کہانی'' کے نام سے ایک شاندار و جاندار سوانح حیات لکھ کر ۱۹۱۰ء میں کلکتہ سے شائع کیا۔ (۳۳)

۳۲۔ بنگلہ زبان وادب کے نامور مورخ، مولف ومصنف شیخ عبدالجبار صاحب (۱۸۸۱ء۔۱۹۱۸ء) ضلع مئومن شاہی غفور گاؤں کے ایک مشہور ومعروف فرد تھے۔ سیرت نگاری پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ایک طرف جہاں انہوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ لکھی تو دوسری طرف آنحضرت جیونی (حیات رسولؐ) لکھ کر کلکتہ شہر سے تقریباً ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ شائع کیا۔ ان کی یہ کتاب کلکتہ یونیورسٹی کے محکمہ تعلیم نے کالجوں کی ۱۱ویں جماعت کے مسلمان طلباء کی درسی کتابوں میں شامل کردی ہے۔ اسلامی ادبیات پر ان کی مہارت کا کماحقہ اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں جامعہ کلکتہ نے انہیں جماعت مذکورہ کے آخری امتحانات کے ممتحن کا عہدہ بھی پیش کیا جسے وہ پوری ذمہ داری، تندہی اور حسن وخوبی کے ساتھ نباہتے رہے۔ (۳۴)

۳۳۔ مولانا محمد سعید ابراہیم پوری (۱۸۹۲۔۱۹۵۲ء) ضلع چاند پور ڈاکخانہ نرسنگپور کے ایک دور افتادہ گاؤں ابراہیم پور کے باسی تھے۔ والد بزرگوار نے گھر میں اتالیق رکھ کر ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا۔ پھر چاند پور، چاٹگام وغیرہ شہروں میں رہ کر بھی سلسلہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے عرفان وآگاہی میں کمال دستگاہ حاصل کی۔ بالآخر اپنی عملی زندگی میں بھی تعلیم وتعلم کے پیشے کو ہی ترجیح دی۔ بعدازاں پھر مدارنی پور جونیئر مدرسہ میں ہیڈ کے عہدے پر فائز ہوئے (۳۵)۔

انمول تصنیف قلمبند کرنا کوئی معمولی خدمت نہیں تھی۔ رسولِ رحمتؐ کے خلاف عیسائیوں' آریہ سماج اور قادیانیوں کی تاڑتوڑ یورش کے ہر وقت مقابلہ کے سلسلہ میں مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی نمایاں خدمات بھی ہم نے بیان کی ہیں۔ موصوف کی انمول تصنیف ''رحمۃ اللعالمین'' اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس شاہکار تصنیف کی تینوں جلدوں کو بنگلہ کا جامہ پہناتے ہوئے ڈھاکہ سے میں نے شائع کیا۔

۳۲۔ ڈاکٹر قاضی دین محمد: ''بنگلہ ادب'' ج، ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویئز، ۱۹۶۸، ص: ۱۸۶: نذیر الاسلام محمد سفیان: ''بنگلہ زبان کی تاریخ جدید: (ڈھاکہ وبوگڑا اچھایا بیٹھی)۔

۳۳۔ ڈاکٹر عبدالمؤمن: ماہنامہ ''آگرہ پتھیک'' خصوصی سیرت نمبر: جولائی ۱۹۹۶ء ڈھاکہ: ص ۱۸۳۔

۳۴۔ پروفیسر منصور الدین: ''بنگلہ زبان میں مسلمانوں کی خدمات'': ج ۲ ص ۴۵۔۲۴۳: نیا پلٹن ڈھاکہ۔

۳۵۔ سیرت نگاری اور قرآنیات پر ان کی تصنیفات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس راقم عاجز نے بنگلہ مجلّہ ''سوغات'' میں روشنی

اس مدرسہ میں تعلیم و تدریس کے دوران انہوں نے سیرت نگاری پر اپنا شاہکار ''تواریخ محمدی'' لکھ کر کئی جلدوں میں شائع کیا۔ سن اشاعت غالباً ۱۹۱۰ء ہے۔ ''تواریخ محمدی'' میں مصنف نے اپنی مختصر سی سوانح عمری بھی درج کی ہے۔ بنگلہ نظم میں انہیں اس قدر دلچسپی و دلبستگی تھی کہ جوں ہی ''تواریخ محمدی'' کی اشاعت سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی مکمل قرآن مجید کا منظوم ترجمہ و تفسیر لکھنا شروع کر دی۔ ۱۹۵۲ء میں ایک طرف تو ان کی یہ منظوم تفسیر اور دوسری طرف ان کی حیات مستعار بھی اختتام پذیر ہوگئی۔ ''ان للّٰہ و انا الیہ راجعون''۔(۳۶)

اس طرح سے مولانا محمد سعید ابراہیم پوری کی دیرینہ تمنا ان کی زندگی میں بر نہیں آئی یعنی سات جلدوں میں مکمل اپنی تفسیر کو شائع کرنے سے وہ قاصر رہے گئے۔ پھر ان کے انتقال پر ملال کے ۱۷ سال بعد ان کے خیر خواہ یارانِ کہن نے ۱۹۶۸ء میں ڈھاکہ کے مطبع مرشد سے ان مسودوں کو منظرِ عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا۔ ان مخلص و خیر اندیشوں کے نام نامی مولوی غلام حسین اور مولوی عبدالخالق ہیں جنہوں نے بنگلہ بازانِ پیاری داس اور ڈھاکہ میں ایک مکتبہ بھی قائم کیا قرآن محل کے نام سے (۳۷) ''بہشت و دوزخ'' جیسی موصوف کی دیگر کتابوں کو بھی انہوں نے زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

۳۴۔ بنگلہ زبان و ادب کے اور ایک تسلیم شدہ افسانہ و ناول نگار اور مانے ہوئے سیرت نگار جناب یعقوب علی چودھری ۱۸۸۶ء۔۱۹۳۸ء (سرتاج انسانیت) نامی سیرت النبیؐ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۶ء میں کلکتہ سے چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس کا اولین ناشر تھا ''بنگیو مسلم ساھیتیہ سمیتی''، ہمعصر قارئین میں اس قدر مقبولیت و ہر دل عزیزی حاصل ہوئی کہ سب نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور دل کھول کر تبصرہ بھی کیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلیل سی مدت میں اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔

ڈالی تھی تیس سال قبل (دیکھئے ماہنامہ ''سوغات'' شمارہ ۱۹۷۱ جنوری، ص ۳۵۴)۔

۳۶۔ پروفیسر منصورالدین: شانتی نگر ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ج ۲، ص ۲۲۷ پل ویل پریس نیا پلٹن ڈھاکہ۔

۳۷۔ دونوں حضرات سے اس راقم عاجز کی بار ہا ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے مکتبہ قرآن محل میں جو کہ بنگلہ بازار، پیاری داس روڈ ڈھاکہ میں واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محولا بالا حصہ)۔

برصغیر پاکستان و ہند میں سیرت نگاری

(دوسری صدی تا بارہویں صدی ہجری)

* ڈاکٹر سفیر اختر

برصغیر پاکستان و ہند و بنگلہ دیش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کے موضوع پر متعدد اہل علم نے دادِ تحقیق دی ہے۔(۱) بعض نے اسے مستقل بالذات موضوع بناتے ہوئے کسی ایک زبان کے حوالے سے اپنے نتائج غور و فکر پیش کیے ہیں۔(۲) اور بعض نے ایک خاص عہد، ایک خاص خطے کے سرمایۂ

* ادارہ تحقیقات اسلامی/بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد Z

۱۔ لغت کی رو سے سیرت کے معنی طور طریقے اور چال چلن کے ہیں، تاہم اصطلاحاً کسی فرد کے حالات زندگی کو سیرت کہا جاتا ہے۔ اسی مفہوم میں عوانہ بن حکم کلبی (م ۱۴۷ھ/۷۶۴ء) کی کتاب "سیرة معاویه وبنی امیه" اور ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ/۸۲۳ء) کی کتاب "سیرة ابی بکر ووفاتہ" کے عنوانات میں لفظ سیرت استعمال کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کو بھی ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ/ ۷۶۸ء) اور ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے عمومی اصطلاحی مفہوم میں سیرت کہا ہے۔

اردو میں بھی یہ لفظ عربی زبان کے اہل قلم کے تتبع میں کسی کے احوال و آثار کے بیان کے لیے اس کے نام کی اضافت کے ساتھ مستعمل ہے۔ "سیرت خلفائے راشدین" (محمد عبدالشکور لکھنوی) "سیرت عائشہ" (سید سلیمان ندوی)، "سیرت ابوذر غفاری" (محمد رضی کاظمی فتح پوری)، "سیرت سجاد" (سید قائم رضا نسیم امروہوی)، "سیرت عمر بن عبدالعزیز" (عبدالسلام ندوی)، "سیرة النعمان" (علامہ شبلی نعمانی)، "سیرت سید احمد شہید" (سید ابوالحسن علی ندوی)، "سیرة شبلی" (اقبال سہیل)، "سیرت محمد علی" (رئیس احمد جعفری) اور "سیرت اقبال" (محمد طاہر فاروقی) چند معروف کتابیں ہیں، تاہم آج جب کسی مضاف الیہ کے بغیر لفظ "سیرت" بولا جاتا ہے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی مراد ہوتی ہے۔

۲۔ برصغیر کی چند زبانوں:- اردو، بلوچی، براہوئی، بنگالی، پشتو، پنجابی، سندھی- کے ساتھ عربی و فارسی میں علمائے برصغیر کے سرمایہ سیرت نگاری کے لیے دیکھیے۔ اردو۔ نصیر الدین ہاشمی، قدیم اردو (دکھنی) میں سیرة النبی کا ذخیرہ، "دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین" دلی: آزاد کتاب گھر (۱۹۶۳ء)، صفحات ۲۲-۵۰، انور محمود خالد، "اردو نثر میں سیرت رسول" لاہور: اقبال اکادمی پاکستان (۱۹۸۹ء)، محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، "اردو میں میلاد نامے: تحقیق۔ تنقید، تاریخ" لاہور: فکشن ہاؤس (۱۸۸۹ء)

بلوچی و براہوی:۔ انعام الحق کوثر، ذکر رسول : بلوچی و براہوئی ادب کے آئینے میں، فکر و نظر (اسلام آباد) جولائی ۔ دسمبر ۱۹۹۲ء صفحات ۹۷-۱۰۸ سرور کونین کی مہک۔ بلوچستان میں، کوئٹہ: سیرت اکادمی بلوچستان (۱۹۹۷ء

بنگالی:۔ وفا رشدی، بنگلہ زبان میں سیرت نگاری، سیارہ لاہور شمارہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء

پشتو:۔ سعید اللہ قاضی، پشتو میں سیرت کی کتابیں "الحق" (اکوڑہ خٹک)، جون ۱۹۷۸ء، صفحات ۳۷-۴۵، جولائی ۱۹۷۸ء، صفحات

سیرت کا جائزہ لیا ہے۔(۳) ان متخصیصن کے ساتھ کچھ دوسرے اہل قلم نے وسیع تر تناظر میں برصغیر کے سرمایۂ علم و دانش کی فہارس مرتب کرتے ہوئے سیرت پر کتابوں کا تعارف لکھا ہے،(۴) تاہم جوں جوں خطی ذخیرہ ہائے کتب کی فہرستیں شائع ہوتی جارہی ہیں' سرمایۂ سیرت سے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہورہا ہے۔ بعض کتابیں جن کے اکا دکا نسخے ہی دستیاب تھے اور جن تک رسائی بوجوہ آسان نہ تھی' اب ان کے متعدد دوسرے نسخوں کا انکشاف ہو چکا ہے اور ان کے مطالعے سے صحیح تر معلومات سامنے آرہی ہیں۔ اس حوالے سے سرمایۂ سیرت کے پیش رو جائزہ نگاروں کے مقالات میں اضافہ و ترمیم کی گنجائش پیدا ہوگئی ہے، اور میری گزارشات کی ایک وجۂ جواز یہ بھی ہے۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ (۹۳ھ/ ۷۱۱ء) سے بہت پہلے مسلمان

۳۵_۴۲' ستمبر ۱۹۷۸ء صفحات ۴۳_۴۸' اکتوبر ۱۹۷۸ء صفحات ۱۳_۲۳۔

پنجابی:۔ سلیم خان گمی، پنجابی میں سیرت نگاری۔، (المعارف لاہور) دسمبر ۱۹۸۳ صفحات ۱۳_۲۳

فارسی:۔ رحیم بخش شاہین کتاب شناسی فارسی سیرت النبی درشیعہ قازۃ دانش (اسلام آباد) مئی، ۱۳ صفحات ۹۴_۹۹

سندھی:۔ غلام مصطفیٰ قاسمی' سندھ میں علم سیرت کی ابتدء اور ارتقاء' ''المعارف'' (لاہور) دسمبر ۱۹۷۹ء صفحات ۵-۱۲ (مکرر اشاعت' جولائی۔اگست ۱۹۸۵' صفحات ۲۲۵_۲۳۲) کریم بخش خالد' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سندھ کے ادبی سرمائے کا جائزہ'' ''المعارف'' (لاہور)' اگست ۱۹۸۰ صفحات ۳_۱۱' گل حسن لغاری' سندھ میں علم سیرت کا ارتقاء' المعارف (لاہور) جنوری ۱۹۸۱' صفحات ۳_۱۰) میمن عبدالمجید سندھی' آزادی کے بعد سندھ میں دینی ادب کی اشاعت' سیرت پاک پر کتابیں' ''نگارشات سندھ'' لاڑکانہ / سندھی ادبی اکیڈمی (۱۹۹۲ء) صفحات ۱۰۹_۱۳۴

عربی:۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی' ہندوستان میں عربی سیرت نگاری' آغاز و ارتقاء، ''تحقیقات اسلامی'' (علی گڑھ) اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۴ء صفحات ۳۶۹_۳۸۱' محمد سلاح الدین عمری' ہندوستان میں عربی سیرت نگاری۔ ایک جائزہ'' تحقیقات اسلامی'' اپریل۔۱۹۹۷ء، صفحات ۳۴-۴۸

فارسی:۔ رحیم بخش شاہین، کتاب شناسی فارسی سیرت النبی درشبہ قارہ دانش اسلام آباد، شمارہ ۱۳، صفحات ۹۴_۹۹،

۳۔ حکیم محمد عمران خان فن سیرت اور تونک برہان (دہلی)' فروری ۱۹۶۸ صفحات' مارچ ۱۹۶۸' صفحات صاحبزادہ شوکت علی خان (مرتبہ) قصر علم: ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر' ٹونک' عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (راجستھان ۱۹۸۰' صفحات: ۲۶۶_۲۹۲

۴۔ زبید احمد, The Contribution of India to Arabic Litreature لاہور: شیخ محمد اشرف (۱۹۶۷ء) سید عبدالحی' الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند' دمشق: المجمع العلمی العربی اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمۃ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند' ترجم ابو العرفان خان ندوی) اعظم گڑھ۔ دارالمصنفین زبید احمد' احمد زدی فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان' اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ جلد دہم اسلام آباد ۱۹۸۸ء

برصغیر کے ساحلی علاقوں میں آمد ورفت رکھتے تھے، اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب ۱۵ھ/ ۶۳۶ء میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی (م بہ اختلاف روایت ۵۱ھ/ ۶۷۱ء یا ۵۵ھ/ ۶۷۵ء) کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا گیا تو بعد الذکر نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کو تھانہ (نزد موصبائی) پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔(۵)

مگر حضرت عمر فاروق کو یہ مہم جوئی پسند نہ آئی۔ حضرت عمر فاروق کی احتیاط پسند طبیعت کے خلاف تھا کہ کسی ایسی مہم کا خطرہ مول لے لیا جائے جس میں مجاہدین اسلام کو مسلسل کمک بہم نہ پہنچائی جا سکتی ہو۔ بلادِ ہند کے بارے میں حضرت عمر فاروق کی اسی پالیسی پر عمل جاری رکھا گیا۔ اس لئے خلافت راشدہ اور بعد ازاں اموی خلافت کے ابتدائی پچاس برسوں میں برصغیر کے کوئی علاقہ اسلامی خلافت میں تو شامل نہ ہو سکا، البتہ بلوچستان، سندھ اور گجرات میں انفرادی طور پر مسلمانوں کی آمد ورفت جاری رہی۔ متعدد صحابہ کرام اور تابعین اس عرصے میں برصغیر میں وارد ہوئے اور اکا دکا یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔(۶)

محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے ساتھ اس خطے میں مسلم معاشرہ کی باقاعدہ تشکیل ہوئی، مذہبی ضروریات کے لئے جگہ جگہ مساجد تعمیر کی گئیں، شہروں میں خطیبوں اور قاضیوں کا تقرر ہوا اور اس عہد کے مطابق مکاتب و مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ پڑھنے، لکھنے اور حساب کتاب سیکھنے کے ساتھ مسلم نظام تعلیم میں قرآن مجید کے حفظ اور روزمرہ معاملات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ ابتداءً یہ خدمت محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والوں (مثلاً ابوشیبہ جوہری، امیر دیبل و نیرون، زیاد بن حواری، ابوقیس زیاد بن رباح قیسی، قطن بن مدرک کلابی، قیس بن ثعلبہ، کہمس بن حسن بصری اور موسیٰ بن یعقوب ثقفی وغیرہ) اور اس کے جانشینوں (مثلاً یزید بن ابی کبشہ) نے ادا کی۔ وقت کے ساتھ جب سندھ

۵۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے۔ قاضی اطہر مبارک پوری، فاتحین ہند حضرات عثمان وحکم اور مغیرہ بنو ابوالعاصی ثقفی رضی اللہ عنہ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، دہلی: ندوۃ المصنفین (۱۹۶۹ء)، صفحات ۲۷۔۹۰

۶۔ دیکھئے: قاضی اطہر مبارک پوری العقد الثمین فی فتوح الهند و من ورد فيها من الصحابة و التابعين مومبائی ۱۹۶۸ خلافت راشدہ اور ہندوستان، سکھر: فکر ونظر پبلی کیشنز (۱۹۸۶ء) صفحات ۲۲۷۔۲۸۰، محمد اسحاق بھٹی برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۰ء

میں مسلم معاشرہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا تو مثالی مسلمانوں میں اہل علم پیدا ہونے لگے۔

سندھ اور گرد و نواح کے خطے پر عربوں کا اقتدار کم و بیش پونے چار سو سال قائم رہا۔ اس عرصے میں جو خود مختار اور آزاد امارتیں وجود میں آئیں ان میں قاضی اطہر مبارک پوری کی تحقیق کے مطابق سنجان (۷) کی امارت ماہانیہ (از درود ۱۹۸ تا حدود ۲۲۷ھ) منصورہ (۸) کی امارت ہباریہ (از حدود ۲۴۷ھ تا ۴۱۶ھ) ملتان کی امارت سامیہ (از حدود ۲۸۰ء تا حدود ۳۶۰-۷۰ھ)، مکران کی امارت معدانیہ (از حدود ۲۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) اور قصدار (خضدار) طوران کی امارت متغلبہ (از حدود ۲۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ خلافت اسلامیہ کی کمزوریوں کے باوجود ایک حد تک اسلامی تہذیب کا دور عروج تھا۔ آزاد اور خود مختار امارتیں وجود میں آ رہی تھیں، جن کی باہمی چپقلشوں نے "مثالی اتحاد" کو مجروح کر دیا تھا تاہم خلافت کے ساتھ ان امارتوں کی وابستگی نے عالم اسلام کے بڑے حصے میں

۷۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، کراچی مکتبہ عارفین (س۔ن)، ص ۲۱

۸۔ شہداد پور (ضلع سانگھڑ) کے مہذب مشرق میں تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کی پرانی گزرگاہ اور جمراؤ نہر کے بائیں کنارے پر اونچے نیچے ٹیلوں کی شکل میں منصورہ کے آثار موجود ہیں۔ منصورہ کی بنیاد محمد بن قاسم کے فرزند عمرو نے ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء اور ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء کے درمیان رکھی تھی۔ امارت ہباریہ کا مرکزی شہر تھا مقدسی بشاری نے امارت ہباریہ کے زوال سے تقریباً چالیس سال پہلے احسن التقاسم فی معرفۃ الاقالیم (تالیف ۳۷۵) میں اپنے مشاہدات قلمبند کیے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق منصورہ اقلیم سندھ کا سب سے بڑا شہر ہے، جس کی وسعت دمشق کے برابر ہے۔ یہاں کے باشندوں میں بڑی شرافت و مروت اور اصلاحی معاملات میں بڑی تازگی ہے۔ علم اور اہل علم کی کثرت ہے۔ لوگ فہیم و ذکی ہیں، صدقات و خیرات سے کام لیتے تھے یہاں کی تجارت نفع بخش ہے۔ ساتھ ہی یہاں حسن اخلاق بھی پایا جاتا ہے۔

ہباریوں کے مخالف ہمسایوں کی یلغار اور سب سے بڑھ کر جغرافیائی تبدیلیوں یعنی دریائے سندھ کے رخ بدلنے سے اس کی آبادی نقل مکانی کر گئی۔ منصورہ کی شان و شوکت کم ہو گئی اور آخر قصہ ماضی بن گیا۔ آج مقامی آباد منصورہ کے آثار کی جگہ کو "داور" کے نام سے پکارتی ہے۔ تفصیلات کیلئے دیکھیے: قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، حوالہ مذکورہ، صفحات 77-168 ایم۔ ایچ۔ پٹھان Arab Kingdom Of Al/ Mansurah In Sind. جامشورہ: انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی، یونیورسٹی آف سندھ ۱۹۷۳ء محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان نے منصورہ میں کھدائیاں کی ہیں، اور امارت ہباریہ کی متعدد یادگاریں برآمد کی ہیں۔ دیکھیے: احمد نبی خان، Al-Munsurah: A Forgotten Areb Metropolis in Pakistan کراچی، محکمہ آثار قدیمہ و عجائب گھر، حکومت پاکستان (۱۹۹۰ء)

ادارتی یک رنگی قائم کر رکھی تھی۔اس دور میں بلاد ہند کے شہر کچھ، دیبل، منصورہ، خضدار علم دانش کے بڑے مراکز تھے، اور بالخصوص ''دیبل اور منصورہ تو عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہم سری کر رہے تھے۔(۹)

اس دور کی تاریخ و رجال کی کتابوں میں ان شہروں کے اہل علم و دانش کے تذکرے اسی انداز میں ملتے ہیں جس طرح سمرقند و بخارا، دمشق و بغداد اور بلاد مصر کے علماء کے تذکرے موجود ہیں۔ بلاد ہند و سندھ کے طلبہ عالم اسلام کے دوسرے مراکز میں استفادہ کے لئے جانے جاتے تھے اور متعدد سندھی نژاد اہل دانش نے اپنے وطن سے دور خراسان، عراق، شام، مصر حتی کہ اندلس میں نام پیدا کیا۔

وطن سے دور مقیم سندھی علماء، محدثین تو طبقات نگاروں کی نظر میں آ گئے اور ان کے مجمل حالات انساب، تاریخ اور طبقات کی کتب میں درج ہو گئے مگر سندھ اور بلاد ہند میں رہ کر جن اہل علم و فن نے خدمات انجام دیں، ان کے بارے میں کسی مقامی مورخ و مصنف نے کچھ نہ لکھا۔'' اس غفلت کے نتیجے میں ہندوستان کی علمی تاریخ کے نقوش نہ ابھر سکے۔ اور اگر ان کے کچھ دھندلے نقوش باقی رہ گئے تھے تو بعد کے عجمی و عقلی علوم و فنون کا سیلاب ان کو بھی بہا لے گیا ورنہ صرف فقہاء و محدثین کے نام اور کام ضائع ہوئے، بلکہ اس دور کے ادباء و شعراء، حکماء، فلاسفر، متکلمین اور دیگر اہل علم و فن گوشہ گمنامی کی نذر ہو گئے۔(۱۰)

اس افسوس ناک صورت حال کے باوجود رواں صدی کے اہل علم میں سے ڈاکٹر محمد اسحاق، (۱۱) قاضی اطہر مبارک پوری (۱۲) اور بعض دوسرے اہل علم نے غیر ہندی مآخذوں سے ریزہ ریزہ چن کر محدثین فقہاء مفسرین و قراء اور قضاۃ و معدلین کے احوال قلمبند کئے ہیں۔

حدیث اور علم وحدیث سے قطع نظر خالص سیرت نگاری کے حوالے سے ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن

۹۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں مذکورہ بالا ص ۱۸

۱۰۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔ خلافت عباسیہ اور ہندوستان، سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز اپریل ۱۹۸۶ء صفحات ۳۹۷۔۳۹۸

۱۱۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، India's Contribution to the Study of Hadith literature ڈھاکہ: یونیورسٹی آف ڈھاکہ (۱۹۵۵ء)

۱۲۔ قاضی اطہر مبارک پوری ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، مذکورہ بالا صفحات ۱۴۹۔۱۶۵، ص ۲۷۷، صفحات ۲۹۹۔۳۰، صفحات ۳۲۲۔۳۲۳، خلافت امیہ اور ہندوستان، دھلی ندوۃ المصنفین ۱۹۷۵ء، ص ۶۴۰۔۶۵۸

خلافت عباسیہ اور ہندوستان، سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز (۱۹۸۶ء) صفحات ۳۹۴۔۵۰۷

سندھی مدنی (م۱۷۰ھ) کی ''مغازی'' پر ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔(۱۳)

امام عبداللہ حمید بن نصر کسی مسند کے مصف ہیں۔ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔امام بخاریؒ نے اپنی ''**الجامع الصحیح**'' میں تعلیقاً ان کی ایک روایت درج کی ہے۔اکثر علمائے طبقات ورجال نے انہیں وسطی ایشیاء کے شہر ''کش'' (نزد سمرقند) کی جانب منسوب کر دیا ہے۔(۱۴)

مگر یاقوت حموی نے واضح کیا ہے کہ ان کا تعلق ''ارض ہند کے شہر'' کس (کچھ) سے ہے۔(۱۵)

ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م۳۲۲ھ) مکہ مکرمہ چلے گئے تھے' وہاں فوت ہوئے انہوں نے حضرت عمرو بن حزم سے مروی نبی اکرم ﷺ کے ۲۵ مکاتیب جمع کئے تھے۔اگرچہ ان سے پہلے ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی (م۲۱۵) نے مکاتیب اور معاہدات نبی ﷺ پر حسب ذیل تحریریں مرتب کی تھیں۔(۱۶)

☆ **كتاب عهود النبى صلى الله عليه وسلم**

☆ **كتاب رسائل النبى صلى الله عليه وسلم**

☆ **كتاب كتب النبى صلى الله عليه وسلم الى الملوك**

☆ **كتاب صلح النبى صلى الله عليه وسلم**

☆ **كتاب من كتب له النبى صلى الله عليه وسلم كتاباً و اماناً**

سخاوی (م۹۰۲ھ) نے عمارہ بن زید کی کتاب'' **مكاتبة صلى الله عليه وسلم للاشراف**

۱۳۔ محمد بن اسحاق ندیم' الفہرست' بیروت: مکتبہ خیاط' س۔ن' ص ۹۳

(۱۴) فواد محمد سزگین نے امام عبد بن حمید بن نصر کسی کو ''کش'' کا باشندہ قرار دیتے ہوئے ان کے علمی آثار کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ ''المسند'' کیبعض انتخابات کے خطی نسخے مراکش' ہندوستان اور ترکی کے کتب خانوں میں موجود میں جو پانچویں سے ساتویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ہیں۔ایک اور منتخب'' الثلاثیات الواقعہ فی منتخب المسند'' کے چند اوراق کتاب کانہ ایا صوفیہ (ترکی) اور قاہرہ میں موجود ہیں جو ساتویں صدی کے اوائل کے متوبہ ہیں۔ایک اور انتخاب'' احادیث عوال من ستۃ قاہر میں محفوظ ہے۔
ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابۃ'' میں عبد بن حمد بن نصر کسی کی ''التفسیر'' کے اقتباسات دیئے ہیں۔(تاریخ التراث العربی'')

۱۵۔ یاقوت حموی' معجم البلدان' بیروت: دار صادر (۱۹۷۷ء)' جلد 4' ص ۴۶۰

۱۶۔ محمد بن اسحاق ندیم' الفہرست' حوالہ مذکورہ' ص ۱۰۱

والملوک ولغیرھم ''کاذکر کیا ہے(۱۷)مگران میں سے آج کوئی دستیاب نہیں۔حافظ شمس الدین محمد بن علی ابن طولون (م۹۵۳ھ) نے جب ''اعلام السالکین عن کتب سید المرسلین ''مرتب کی تو اس کے آخر میں ابوجعفر دیبلی کا ''جزو مکاتیب النبی''نقل کردیا۔اس طرح یہ کتاب محفوظ ہوگئی۔ابوجعفر دیبلی کی کتاب کے مترجم جناب محمد عبدالشہید نعمانی کی تحقیق کے مطابق مکاتیب (النبی) کے موضوع پر دستیاب باقاعدہ کتابوں میں ان (ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی) کی کتاب کو اوّلین کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔(۱۸)

جب سندھ اور ملحق علاقوں میں مسلم امارتیں رو بہ زوال ہوئیں اور اسماعیلی اثرات بتدریج بڑھتے چلے گئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت علماء نے تعلیم و تدریس کا جو نظام قائم کیا تھا وہ برقرار نہ رہ سکا۔قرآن اور مطالعہ حدیث کے ضمن میں سیرت سے جو دلچسپی تھی،علمی سطح پر کمزور پڑ گئی۔اس دور کا سندھ (اور آج کا سندھ و پنجاب) عباسی خلفاء اور فاطمیین مصر کی مذہبی' سیاسی مخاصمت کا ایک میدان بن گیا۔نتیجتاً اہل سنت آبادی کو نقصان برداشت کرنا پڑا۔کہا جاتا ہے کہ امارت سامیہ کے خاتمے (حدود ۳۶۰ھ۔۳۷۰ھ) جو جب اسماعیلی اقتدار قائم ہوا تو جہاں ایک طرف فاطمی خلیفہ کے نام سے خطبہ جاری ہوا وہیں ملتان میں محمد بن قاسم کی تعمیر کردہ مسجد بند کردی گئی تھی۔ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد نے لاہور کے راجہ پال کو سلطان محمود غزنوی کے خلاف عسکری امداد فراہم کی تھی' کیوں کہ سلطان محمود غزنوی' خلیفہ بغداد کے وفادار کی حیثیت سے سندھ و پنجاب سے اسماعیلی اقتدار ختم کرنے کے درپے تھا' اور آخر الامر غزنوی نے ہی یہاں سے اسماعیلی اقتدار کا خاتمہ کیا۔(۴۰۱ھ)

سلطان محمود غزنوی کی جولان گاہ یوں تو برن (بلند شہر) اور سومنات تک کے علاقے تھے مگر سلطان نے پنجاب اور سندھ کے علاقوں کو غزنی کی سلطنت میں شامل کیا تھا۔سلطان محمود غزنوی کی وفات (۴۲۱ھ) کے ساتھ غزنویوں کی قوت کمزور پڑ گئی' تاہم تقریباً پونے دو سو برس تک اس خطے پر ان کا اقتدار قائم رہا۔غزنویوں کے بعد غوریوں نے اقتدار کا پرچم لہرایا اور جب شہاب الدین محمد غوری پنجاب کے

۱۷۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی' الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ ترجمہ محمد یوسف لاہور: مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۸'ص ۱۹۸!

محمد عبدالشہید نعمانی (مترجم) فرامین نبوی ترجمہ و شرح مکاتیب النبی' کراچی۔الرحیم اکیڈمی (۱۹۸۶ء)'ص:۱۱

شورش پسند کھوکھروں کو تنبیہ کرنے کے بعد غزنی واپس جارہا تھا تو ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں جہلم کے کنارے شہید کر دیا گیا اسی برس قطب الدین ایبک نے برصغیر میں مسلم سلطنت کی داغ بیل ڈالی جو ۱۲۷۴ھ تا ۱۸۵۷ء تک سرد و گرم رہتے اور نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد سات سمندر سے پار آنے والے انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

ساڑھے چھ صدیوں پر محیط اس طویل عرصے میں مسلمانوں نے برصغیر میں علم و دانش کے چراغ جلائے۔ لاہور، دہلی اور ملتان جیسے شہر اپنے مدارس، مساجد، خانقاہوں کی بدولت اور نزدیک مشہور ہوئے۔ ''صاحب تاج المآثر'' نے ساتویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں لاہور کو 'مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل و فتوی، مأمن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد' قرار دیا تھا(۱۹)' لاہور میں علم و دانش کی جو خیرات بٹ رہی تھی اس کے لئے ایک دوسرے مورخ کے الفاظ میں

جوق در جوق تشنگان علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و
ماوراالنہر و عراق بخارا، سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذالک ازاں
خیر امنیع تشفع می شدند چندانکہ آبادانی در حدود لاہور پدید آمد(۲۰)

''سیر الاولیاء'' کے مصنف کے بقول شیخ فرید الدین گنج شکر(ولادت ۵۶۹ھ) کے زمانہ طالب علمی میں ''ملتان قبۃ الاسلام'' عام بود و فحول علماء آنجا حاضر بودندر(۲۱) یہی مؤلف دہلی کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

''شہر دہلی کہ قبۃ الاسلام گیتی است و بندگان خدائے تعالیٰ از مشائخ در مقامات و کرامات می زنند و می کشادند و علما در غوامض معانی باریک استنباط می کردند(۲۲) کم و بیش یہی کیفیت دوسرے شہروں کی تھی

۱۹۔ محمد بن حسن نظامی تاج المآثر، بحوالہ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی: ادارہ ادبیات، (۱۹۸۱ء)، ص ۹۴۔ بعض دوسرے اہل قلم نے بھی ''تاج المآثر'' کے خطی نسخوں سے لاہور کے بارے میں یہ اقتباس نقل کیا ہے، خطی نسخوں کے باہمی اختلاف کے سبب اقتباس کے بعض الفاظ کم و بیش یا مختلف ہیں۔

۲۰۔ تاریخ سلاطین آل غزنین، منقولہ از شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور فیروز سنز (۱۹۷۱ء)، ص ۶۵

۲۱۔ سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ ''میر خورد'' سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۸ء)، ص ۷۰

۲۲۔ ایضاً ص ۶۷

جہاں مسلم اقتدار کی جڑیں جم چکی تھیں۔(۲۳)

سلاطین دہلی (۶۰۲ھ۔۹۳۲ھ) کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ "وہ مساجد تعمیر کرتے تھے۔امام موذن اور مذکر مقرر کرتے تھے اور ان کو وظائف دیتے تھے اور شیخ الاسلام اور صدر الصدور کے ذریعہ مذہبی طبقہ سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔مذہبی کاموں کے لئے اوقاف قائم کئے جاتے تھے۔مذہبی تہواروں بالخصوص عیدین اور شب برات کے موقعوں پر خاص اہتمام کیے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک عام دادودہش جاری رہتی تھی۔شب برات میں آتش بازی چھوڑنے پر بعض علماء و مشائخ سخت اعتراض کرتے تھے، لیکن عوام کے جذبات کا ساتھ دیتے ہوئے سلاطین اس کو جاری رکھتے تھے۔فیروز شاہ کی طرف سے چراغان اور آتش بازی کا جو اہتمام ہوتا تھا اسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور ہندو بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔رمضان کے مہینے میں بعض سلاطین روزانہ محفلیں منعقد کرتے تھے۔بعض سلاطین وعظ سننے کیلئے خود علماء کے مکانوں پر جاتے تھے۔(۲۴)

سلاطین دہلی کی اس "اسلامیت" کے دو امتیازی نشانات تھے، ایک فقہی مسلک میں ان کی حنفیت اور دوسرا تصوف۔نظام تعلیم و تربیت میں ان ہی کو اہمیت حاصل تھی اور اہل قلم کی جولان گاہ بھی فقہ و تصوف ہی تھے اور سیرت نگاری کے ابتدائی نقوش بھی "افتاء و قضاء" اور خانقاہوں سے وابستہ صوفیوں نے وضع کئے۔سلطنت دہلی باصلاحیت اور عالی حوصلہ حکمرانوں کے نااہل جانشینوں، ان کی داخلی کشمکش اور منگولوں کے حملوں سے عدم استحکام کا شکار تو ہمیشہ رہی، تاہم اس کے انتشار کا آغاز محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۱ھ) کے عہد میں ہوا تھا۔اس کے آخری دور میں کئی علاقے مرکز سے علیحدہ ہو گئے تھے ان میں دکن کی بہمنی سلطنت بالخصوص قابل ذکر ہے۔فیروز شاہ نے مرکزی سلطنت کی بالادستی کی کوششیں کیں۔مگر اس کی رحلت، اور امیر تیمور کے حملے (۸۰۱ھ) کے بعد ناگفتہ بہ حالات نے جونپور، مالوہ، گجرات اور خاندیش کے متعلق صوبیداروں کو خود مختاری کا راستہ دکھایا۔اور انہوں نے سلطنت دہلی کے بالمقابل اپنا سکہ جاری کیا اور اپنے

۲۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: محمد سعید احمد مارہروی، آثار خیر، آگرہ مطبع عزیزی (۱۳۲۳ھ)، ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، لاہور، مکتبہ خاور (۱۹۷۹ء)

۲۴۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی: ادارۂ ادبیات (۱۹۸۱ء) صفحات ۵۳۔۵۴

نام کا خطبہ پڑھایا۔نویں صدی/ پندرھویں صدی کے نصف اوّل میں دہلی کی سلطنت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ قریب و جوار کے علاقوں کے علاوہ ہمیں بھی اس کا اقتدار باقی نہ تھا۔سلطنت دہلی کے زوال اور انتشار سے برصغیر کے مسلم معاشرے کو جونقصان پہنچا تھا سو پہنچا' تاہم اس صورت حال میں علم وفضل کی سرپرستی کے ایک سے زیادہ مرکز وجود میں آ گئے۔ جونپور' احمد آباد اور برہان پور اچھے وقتوں کی دہلی سے آنکھ ملانے لگے۔

سلطنت دہلی کی ابتدائی دو صدیوں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری/ تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں سیرت نگاروں کے حوالے سے کوئی زیادہ تصانیف ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ اہل قلم اپنی تصنیفات کا آغاز حمد ونعت سے ضرور کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے برکات کا ذکر کرتے تھے اور مؤرخین اور اپنے دور کے واقعات قلمبند کرنے سے پہلے روایتی انداز میں حضرت آدم سے لے کر اپنے عہد تک کے احوال متقدمین کی کتابوں سے نقل کر لیتے تھے' یا اپنی زبان میں لکھ دیتے تھے۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی (م بعد ۶۵۸ھ) نے ''طبقات ناصری'' (تألیف: ۶۵۵ھ۔۶۵۸ھ) کے ''الطبقة الاولی'' میں حضرت آدمؑ سے حضرت محمد ﷺ تک انبیاء کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اجداد' صفات' معجزات اسماء' والقاب اور ہجرت تا رحلت کے تمام حالات ۲۴۔۲۵ اختصاً میں نپٹا دیئے ہیں ۔ان کا مقصود بالذات ''سیرت النبی'' نہیں۔ بلکہ تاریخ لکھنا تھا' یہی سبب ہے کہ ان کے ماخذ میں سیرت کے حوالے سے ''سنن ابی داؤد'' کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہی نہیں (۲۵)

ایک دوسرے مؤرخ ضیاء الدین برنی (م ۷۸۵ھ) جس کی شہرت '' تاریخ فیروز شاہی'' کے مصنف کی حیثیت سے ہے' اس نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سیرت کے موضوع پر کتاب ''ثناء محمدی'' یا نعت محمد (فارسی) لکھ کر کیا تھا۔ اس میں خصائص نبی' معجزات اور معراج وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ مگر اس تاحال غیر مطبوعہ کتاب سے علمی سطح پر کوئی '' زیادہ توقع نہیں وابستہ کرنا چاہئے۔ (کہ) برنی (کا) مکمل طور پر اپنی یادداشت پر (انحصار) تھا۔اس کی دسترس میں کسی قسم کی مستند تالیفات نہیں تھیں' 'اور واضح ہے کہ ''اس

۲۵۔ قاضی منہاج سراج' طبقات ناصری (بہ مقابلہ وتصحیح وتحشیہ وتعلیقات عبدالحی حبیبی قندہاری) لاہور۔ دانش گاہ پنجاب (۱۹۵۴ء) جلد دوم' صفحات ۷۵۶۔۷۶۷

طرح کی صورت حال میں کوئی عالمانہ کام ممکن نہیں تھا۔(۲۶)

ضیاء الدین برنی کے ہم عصر میر سید علی ہمدانی سے دو صفحات پر مشتمل ''حلیہ مبارک'' (عربی مع فارسی ترجمہ) اور اس کی اسناد (فارسی) ملحق ہیں۔(۲۷) جسے سیرت النبی پر کوئی کتاب یا رسالہ تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ یہ ایک اچھی یادداشت ہے جس کی تائید دوسرے اہل علم کے بیانات سے ہوتی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں شیخ رکن الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد حضرت برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے ایماء پر تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے اس فن کے بنیادی اصولوں اور آداب پر ایک کتاب ''شمائل الاتقیاء'' (فارسی) تالیف کی اس کے چار ابواب (اقسام) میں سے تیسرا باب (قسم) ''در صفات و ذات الٰہی و متعلقات آن و فضائل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے (۲۸)

آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر خیر طویل نعتیہ قصائد کی شکل میں بھی نظر آتا ہے اضی عبدالمقتدر کندی دہلوی (م ۷۹۱ھ) کا قصیدہ لامیہ (بہ تقلید ''لامیۃ العجم مویدالدین اسماعیل بن الحسین ظفرائی م ۵۱۴ھ'') اور شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کے ''قصیدہ والیہ'' کی تذکرہ نگاروں اور عربی ادب کے جوہر شناسوں نے بہت تعریف کی ہے۔(۲۹) قاضی عبدالمقتدر کے شاگردوں

۲۶۔ محمد حبیب و بیگم افسر عمر سلیم خان، سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ (مع ترجمہ ''فتاویٰ جہاں داری) نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ (۱۹۷۹ء) صفحات ۲۴۰

۲۷۔ ''حلیہ مبارک'' کے متن کیلئے دیکھئے: سیدہ اشرف ظفر، امیر کبیر سید علی ہمدان الہور ندوۃ المصنفین (۱۹۷۲ء)

۲۸۔ شمائل الاتقیاء'' صوفیاء اور بالخصوص دکن کے چشتی صوفیاء میں بہت مقبول رہی ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی اطلاع کے مطابق ''اسے خانقاہوں میں ایک نصابی کتاب کی طرح پڑھا جاتا تھا'' (نقدِ ملفوظات، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۹ء ص ۲۰۹)۔ شمائل الاتقیاء کا فارسی متن ادارہ اشاعت العلوم۔ حیدرآباد دکن نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کیا تھا۔ شمائل الاتقیاء'' کو میران یعقوب دکنی نے ۱۰۷۸ھ میں اردو میں منتقل کیا۔ اس ترجمے کے خطی نسخے دکن کتب خانوں میں عام ملتے ہیں۔ (دیکھئے اختر راہی، ترجمہ ہائے متون فارسی بہ زبان پاکستانی، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۹۸۵ء صفحات ۶۸-۶۹ میں بدیع حسینی نے ''شمائل الاتقیاء'' کا انتخاب شعبہ اردو۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی جانب سے شائع کیا ہے۔ ۱۹۶۷ء

۲۹۔ قاضی عبدالمقتدر کے قصیدے اور اس پر تبصرے کیلئے دیکھیے: شیخ عبدالحق دہلوی، اخبار الاخیار، دہلی: مطبع مجتبائی (۱۳۳۲ھ)، صفحات ۱۵۰-۱۵۱، رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (مترجمہ محمد ایوب قادری)، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۱ء)، صفحات ۳۲۳۔ سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد: دائرہ المعارف (۱۹۴۸ء)، جلد دوم، صفحات ۶۷-۷۰، زبید احمد، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۴۰-۲۴۲

میں جن لوگوں نے شہرت پائی، ان میں محمد بن یوسف (م ۸۲۵ھ) جو خواجہ گیسو دراز کے عرف سے حلقہ صوفیاء میں متعارف ہیں، اور جونپور کی شرقی سلطنت کے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۸ھ) کے نام بہت نمایاں ہے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز کے سوانح نگاروں نے ان کے ایک رسالے ''سیر النبی'' کا ذکر کیا ہے۔ (۳۰)

فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ۔۷۹۰ھ) میں حجاز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تین تبرکات کلید کعبہ، موئے رسول اور قدم رسول دہلی لائے گئے تھے۔ فیروز شاہ نے ان تبرکات سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ کلید کعبہ اور موئے رسول کا ذکر تو سیرت ''فیروز شاہی'' میں ملتا ہے لیکن قدم رسول کے بارے میں کوئی معاصر شہادت دستیاب نہیں۔ (۳۱) تاہم دہلی میں ''قدم رسول'' فیروز شاہ تغلق کے چہیتے بیٹے فتح خان کی قبر پر نصب ہے (۳۲) عہد سکندری میں قدم رسول پر ہر جمعرات کو مجلس ہوتی

شیخ احمد بن محمد تھانیسری کے قصیدے اور اس پر تبصرے کیلئے دیکھیے: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۴۴-۱۴۶، تذکرہ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۰۴-۱۰۳، سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد: دائرہ المعارف (۱۹۵۶ء)، جلد سوم، صفحات ۱۳-۸، زبید احمد، حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۲، صفحات ۴۸۰-۴۷۹۔

۳۰۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، اعظم گڑھ: دار المصنفین (طبع سوم: س۔ن)، ص ۵۸۴

۳۱۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، حوالہ مذکورہ، ص:: ۴۲۳، ۴۲۴

۳۲۔ دہلی کے ''قدم شریف'' اور درگاہ قدم شریف'' کے لئے دیکھئے: سر سید احمد خان آثار الصنادید، بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت دہی، دہلی: اردو اکادمی (۱۹۹۰ء) جلد دوم، صفحات ۵۳۷، ۵۴۲، سید احمد شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے زمانے میں ''قدم شریف'' کی اصلیت اور آثار رسول سے توسل کی حقیقت پر غور و فکر کیا گیا۔ مولوی عبدالکریم (م ۱۲۹۱ھ) نے برہان محکم علی خذ دان من نفی اثر القدم اور مولوی فرید الدین نے ''سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسول'' کے نام سے قدم شریف کی صحت اور توسل کے اثبات رسائل مرتب کئے۔ جن کا محاکمہ میاں سید نذیر حسن (م ۱۳۲۰ھ) نے ''**الدلیل المحکم فی نقی اثر القدم**'' فخر المطابع۔ دہلی ۱۲۶۷ھ) میں کیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کتاب **الاستشفاع و التوسل باثار الصالحین و سید المرسلین** حافظ محمد ہلوی عمر عرف سراج الحق بن فرید الدین (خادم اسلام پریس۔ دہلی ۱۲۲۹ھ) سے یادگار ہے۔

قدم رسول کے بارے میں یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ برصغیر کے طول و عرض میں متعدد ایسے آثار موجود ہیں۔ محمد ایوب قادری نے ایسے ۴۳ زیارتوں کی نشاندہی کے بعد لکھا ہے۔ آنولہ دیوبند، رام پور، دہلی، لاہور، بدایوں، اور کراچی کے قدم شریف ہم نے خود دیکھئے ہیں۔ لمبائی و چوڑائی، انگلیوں کی ساخت، نقش کی گہرائی، پتھروں کی اقسام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور زبان حال سے اپنے وضعی و جعلی ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ (برصغیر میں قدم شریف'' کی زیارتیں) ضمیمہ کتاب ''حضرت مخدوم جہانیاں جہاں ﷫ گشف'

تھی۔(۳۳) یقیناً اس مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر' بالخصوص خصائص وفضائل کا چرچا رہتا ہوگا۔ یہ قیاس اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ تغلق دور میں مصر اور برصغیر کے درمیان آمدورفت میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا۔ اور میلاد کی مجلسوں کا رواج برصغیر میں ہونے لگا تھا۔(۳۴) عہد سلطنت میں براہ راست میلاد النبی کے حوالے سے کسی تالیف کا ذکر تو نہیں ملتا' تاہم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۶ھ) کی ایک عبارت حکیم عبدالشکور مرزاپوری نے میلاد کے عدم جواز میں نقل کی ہے(۳۵) دوسرے لفظوں میں تردید کی ضرورت اسی لئے پڑی تھی کہ میلاد کا چرچا ہو رہا تھا۔

سلطنت دہلی کے مدمقابل علاقائی حکمرانوں کے ہاں بھی نعت اور سیرت پر توجہ دی گئی۔ شرقی سلطنت جونپور کے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اپنے استاد عبدالمقتدر دہلوی کی مجالس میں شعروادب کا جو ذوق پروان چڑھایا تھا' اس کے نتیجے میں ''قصیدہ بانت سعاد'' کی جامع شرح ''مصدق المفصل'' وجود میں آئی۔(۳۶) قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس شرح میں قصیدہ نگار کعب بن زہیر کے مختصر حالات اور اس کی شعری صلاحیت پر تبصرے کے ساتھ لغت' صرف' نحو' معانی' بیان'

کراچی' ایچ ایم سعید کمپنی اگست ۱۹۷۵ء صفحات ۲۳۱۔۲۴۳

۳۳۔ رزق اللہ مشتاقی' واقعات مشتاقی

۳۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) کی رائے میں میلاد کی مجلس کا رواج ''غالباً چوتھی صدی ہجری'' میں ہوا تھا۔ (سیرۃ النبی' کراچی: دارالاشاعت' جلد سوم' ص ۲۶۴)' مگر مورخین میلاد رائے میں اولاً موصل کے ایک نیک سیرت فرد عمر بن محمد نامی شخص نے تخصیص وتعیین تاریخ کے ساتھ ربیع الاول میں مجلس مولد کا اہتمام کیا جس کی پیروی ابوسعید مظفر (م ۶۳۰ھ) سلطان اربل نے کی۔ سلطان اربل کو میلاد النبی کی تقریب منانے سے بدرجہ عشق لگاؤ تھا۔ اور ابوالخطاب عمر بن حسن معروف بہ ابن دحیہ کلبی بلنسی (۵۴۴ھ۔۶۳۳ھ) نے مولود کی پہلی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' (بعض کتابوں میں اس کا نام ''التنویر فی مولد البشیر والنذیر'' بھی لکھا گیا ہے) اس کیلئے لکھی تھی اور ان دونوں کے معاصر ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) صاحب ''وفیات الاعیان'' کے بقول ابن دحیہ کلبی نے سلطان کے سامنے مولود پڑھا اور ایک ہزار اشرفی انعام حاصل کی تھی۔

''میلاد النبی'' کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا' اور لکھا جا رہا ہے' تاہم یہ حقیقت ہے کہ مسلمان معاشروں میں جزوی طور پر میلاد کی تقریبات کا اہتمام ہوتا رہا ہے' اور ان تقریبات ومجالس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کے حوالے سے چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ (تفصیل کیلئے دیکھیے: ابن خلکان' وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان' قاہرہ: مکتبۃ النھضۃ المصریہ (۱۹۴۸ء)' جلد ۳' صفحات ۱۲۲-۱۲۱

۳۵۔ حکیم عبدالشکور مرزاپوری' تاریخ میلاد' لکھنو: الفرقان بک ڈپو (۱۹۷۶ء)' ص ۱۱۱' ص ۱۵۹

۳۶۔ قصیدہ بانت سعاد کی یہ شرح حیدرآباد دکن سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

بدیع اور عروض کی روشنی میں ایک ایک شعر کی شرح لکھتے ہوئے ''حاصل'' کے زیرِ عنوان سے اپنی رائے دی ہے۔ جناب احمد منزوی نے ایک غیر معروف شاعر ''عبدی'' کی منظوم ''سیرۃ النبی'' (فارسی) کے ایک نسخے کا ذکر کیا ہے جو ۸۱۹ھ میں نظم ہوئی تھی۔ شاعر نے اپنی کاوش ''ابراہیم سلطان'' کے نام معنون کی ہے۔ کتاب میں ابراہیم کے ساتھ شہزادوں کی تعریف کی گئی ہے۔ (۳۷) یہ ''سیرۃ النبی'' کس ''ابراہیم سلطان'' کے نام معنون ہے؟ گمان غالب ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی ہے جو ۸۰۴ھ سے ۸۴۴ھ تک حکمران تھا۔

جونپور کی شرقی سلطنت کے ساتھ شاہانِ گجرات بھی اصحاب علم وفضل تھے۔ گجرات میں ابوبکر بن محمد بھروچی (م ۹۱۵ھ) نے ۹۱۰ھ میں محمود شاہ اول (م ۹۱۷ھ) کیلئے قاضی عیاض اندلسی کی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' کو ''عین الوفا'' کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔ (۳۸) محمود شاہ کا جانشین مظفر شاہ ہوا جو اپنے ذاتی تدین وتقویٰ کے ساتھ اہل علم کا سرپرست تھا۔ اس کے عہد میں یمنی عالم جمال الدین محمد بن عمر مبارک بہ بحرق الحضرمی (۳۹) (م ۹۳۰ھ) شاگرد علامہ سخاوی برصغیر آئے۔ مظفر شاہ نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا' اور ایک دوسرے نووارد یمنی عالم محی الدین عبدالقادر عیدروس احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ) کے بقول بحرق الحضرمی ''علماء الراسخین والائمہ اتجرین'' میں سے تھا۔ بحرق الحضرمی نے اپنے سرپرست مظفر شاہ کیلئے ''تبصرہ الشاہیہ بسیرۃ الحضرۃ النبویہ'' (۴۰) (عربی)'' تالیف کی۔ بحرق

۳۷۔ احمد منوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۶ء)، جلد ہفتم، صفحات ۴۸۶-۴۸۷

۳۸۔ یو۔ ایف آرگل فارسی بر مبنای تالیف استوری' تہران: مؤسسہ مطالعات فرہنگی (۱۳۶۲ھ ش)' جلد دوم' صفحات ۷۶۸-۷۶۹ ''عین الوفا'' کا ایک نسخہ محکمہ قضاۃ بھروچ کے کتب خانے میں تھا۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے قاضی سید نورالدین حسین بھروچی نے' واللہ اعلم یہ کیوں لکھ دیا ہے کہ اس کا ترجمہ مترجم ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے ایماء سے کیا تھا' حالانکہ مصنف اور مترجم کے درمیان چار صدیوں کا فصل ہے۔ ''ضمیمہ۔ گجرات کے کتب خانے'' معارف (اعظم گڑھ)' جولائی ۱۹۴۹ء' ص ۶۴

۳۹۔ تعارف کیلئے دیکھیے: ظہور احمد اظہر' شیخ جمال الدین بحرق الحضرمی'' اورینٹل کالج میگزین (لاہور)' مارچ۔ جون ۱۹۷۲ء' صفحات ۲۱۵-۲۳۲

۴۰۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس کتاب کا نام ''تبصرہ الحضرۃ الشاہیۃ الاحمدیہ بسیرہ النبویۃ احمد'' لکھا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق یہ بحرق الحضرمی کی ان کتابوں میں سے ہے جن کے صرف نام ملتے ہیں۔ حوالہ مذکورہ' ص ۲۳۲۔

الحضرمی نے قصیدہ ''لامیۃ العجم'' پر صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی (م۷۶۴ھ) کی مفصل ''شرح لامیۃ العجم'' کو اس کے حشو وزوائد سے پاک کرتے ہوئے' اور کچھ اضافات کے ساتھ ایک نئی کتاب ''نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم'' کی شکل دی ہے۔ کتاب ''نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم'' قاہرہ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ محی الدین عبدالقادر عیدروس (۴۱) کی زیادہ شہرت تو دسویں صدی ہجری کے اہل علم کے تذکرے **''النور السافر عن اخبار القران العاشر''** کی بدولت ہے' تاہم ان سے سیرۃ النبی پر چار مختلف کتابیں یادگار ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور عشرہ مبشرہ کے احوال میں ''الحدائق الحضرۃ فی سیرۃ و اصحابہ العشرۃ'' اور سیرۃ النبی پر مختصراً ''اتحاف الحضرۃ العزیزہ لعیون السیرۃ الوجیزۃ'' لکھی ہے۔ میلاد النبی پر ''المنتخب المصطفی من اخبار المولد المصطفی'' اور معراج نبی پر ''المنہاج الی معرفۃ المعراج'' ان کی کاوشیں ہیں۔ ایک کتاب اصحاب بدر کے بارے میں **''الانموذج اللطیف فی اھل بدر الشریف''** بھی ان سے یادگار ہے۔ محی الدین عبدالقادر عیدروس نے سیرت نگاری میں روایات کی چھان پھٹک سے کام لیا ہے۔ ان کی سیرت نگاری متصوفانہ رجحانات سے بھی پاک ہے۔

برہان پور (خاندیش) کے اہل علم میں سے ایک محدث علی بن حسام متقی (م۹۷۸ھ) ہیں جن سے ایک رسالہ ''شمائل النبی'' ملتا ہے۔ (۴۲) برہان پور کے ہی ایک دوسرے' سندھی نژاد عالم شیخ طاہر بن یوسف (م۱۰۰۴ھ) سے ''المواہب اللدنیہ'' کا انتخاب تیار کیا تھا۔ (۴۳)

۴۱۔ احوال و آثار کیلئے دیکھیے: سید عبدالحی رائے بریلوی' یاد ایام یعنی مختصر تاریخ گجرات' لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات (۱۹۸۳ء)' ص۱۰۲' حوالہ مذکورہ' صفحات ۱۷۵-۱۸۲' صفحات ۲۷۶-۲۷۷' صفحات ۳۵۵-۳۵۶' صفحات ۳۷۵-۳۷۶' صفحات ۴۴۶-۴۴۷' ص۴۷۱

۴۲۔ عبدالرحیم' لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دارالاسلامیہ (پشاور) آگرہ: آگرہ اخبار' (۱۹۱۸ء)' ص۷۶۔ ڈاکٹر زبید احمد نے مولوی عبدالرحیم' اور کتب خانہ علی گڑھ کے فہرست نگار پر انحصار کرتے ہوئے رسالہ ''شمائل النبی'' کو عربی تحریر قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے فہرست نگاروں نے اسے فارسی کتابوں میں شمار کیا ہے: دیکھیے: منظور احسن عباسی' تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پبلک لائبریری۔ لاہور' لاہور (۱۹۶۳ء)' صفحات ۴۱۶-۴۱۷' پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ ایک نمائش میں پیش کی گیا تو نمائش کے فہرست نگار نے بھی اسے فارسی کتابوں میں درج کیا۔ دیکھیے: فہرست کتب سیرت' لاہور: مجلس اسلامیات' اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء)' ص۱۱

۴۳۔ محمد غوثی شطاری ماندی' اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار (مترجمہ فضل احمد جیوری)' لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن (۱۳۹۵ھ)' ص۳۳۲' سید محمد مطیع اللہ راشد' برہان پور کے سندھی اولیاء حیدر آباد: سندھی ادبی بورڈ (۱۹۸۸ء)' ص۸

گجرات اور یمن کے درمیان آمدورفت کے باعث عربی زبان سے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ یمنی اہل علم اپنی مادری زبان عربی میں تصنیف و تالیف کر رہے تھے۔ عربی زبان کی کتابیں برصغیر آ رہی تھیں، اور مقامی علماء کے ہاں بھی ان سے اخذ و استفاد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ محمد بن احمد فاکہی (م ۹۹۲ھ) کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ابن سید الناس اندلسی کی ''نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین و المامون'' حفظ کر رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و تذکیر میں واقعات سیرت کو کیا حاصل تھا۔

علاقائی حکمرانوں کے ساتھ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بھی کچھ نہ کچھ سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس سلسلے میں ''غازی'' تخلص کے ایک شاعر کے فارسی مثنوی بہ عنوان ''سیرت المصطفیٰ'' کے تین نسخے دستیاب ہیں (۴۴) مگر شاعر کے تخلص کے علاوہ کوئی اور معلومات معروف تذکروں میں نہیں ملتیں۔ جناب احمد منزوی نے اسے نویں۔ دسویں ہجری کی تخلیق قرار دیا ہے۔

سکندر لودھی کے دربار سے وابستہ ایک عالم شیخ عبدالوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ) تھے۔ انہوں نے ''شمائل النبی'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور چند نعتیہ قصائد کہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی تفسیر قرآن (تالیف ۹۱۵ھ) کا ذکر ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے بقول ''اکثر قرآن بلکہ تمام آں را ارجاع بنعت پیغمبر و ذکر او کردہ ﷺ و لبسیاری از دقائق عشق و اسرار محبت در آن جا درج کردہ است۔ (۴۵)'' شیخ عبدالحق نے ''غالباً غلبہ حال و استغراق'' میں لکھی ہوئی اس تفسیر کے اقتباسات درج کیے ہیں۔ (۴۶)

مولانا مناظر احسن گیلانی کے بقول: ''عوام میں ان (شیخ عبدالوہاب بخاری) کے کام نے بڑی

۴۴۔ احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد سوم، صفحات ۶۲۱-۶۲۲

۴۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۵، شیخ دہلوی کے شاگرد محمد صادق دہلوی اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے عبدالوہاب بخاری حالات اور تفسیر میں کم و بیش ''اخبار الاخیار'' کی عبارت دہرائی ہے۔ دیکھیے: محمد صادق دہلوی، کلمات الصادقین (مرتبہ محمد سلیم اختر)، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۸ء) صفحات ۱۰۷-۱۱۰، رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ، صفحات ۳۳۳-۳۳۴، سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حوالہ مذکورہ، جلد چہارم، ص ۲۲۴

۴۶۔ سورہ مریم، سورہ طٰہٰ، سورہ انبیاء اور سورہ حج کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر شیخ عبدالوہاب بخاری کی نکتہ سنجی کی داد تو دی جا سکتی ہے۔ مگر دور از کار تاویلات ان کے دعوے کے ساتھ نہیں دیتیں۔

اہمیت حاصل ہوگی' سارا قرآن پیغمبر کی نعت ہے' عام مسلمانوں کیلئے بہ ظاہر ایک بڑا دلکش فقرہ ہے(۴۷)''
مگر آج اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

شیخ عبدالوہاب بخاری کے ایک معاصر' مگر دہلی سے دور مالا بار کے متوطن شیخ زین الدین (م ۹۲۸ھ) تھے' ان سے ''قصص الانبیاء'' پر ایک کتاب کے ساتھ سیرۃ نبوی پر بھی ایک تالیف ملتی ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں سلطنت دہلی تو برائے نام تھی' ۹۳۲ھ میں مہم جو ظہیر الدین بابر نے لودھیوں کا تختہ الٹ کر ایک نئے ''خانوادہ اقتدار'' کی داغ بیل ڈالی جس نے آہستہ آہستہ جونپور' گجرات اور مالوہ وغیرہ کی علاقائی سلطنتوں کے چراغ گل کر دیے اور صدی کے اختتام تک مغل جاہ و جلال اور قوت وحشمت کے ساتھ علم وفضل کے چرچے بھی دور ونزدیک پھیل گئے۔ شخصی بادشاہت کی جملہ خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ مغل اقتدار اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) تک مضبوط رہا' اس کے بعد جہاں مغل حکمرانوں کی گرفت عنانِ اقتدار پر کمزور ہوتی چلی گئی' ویسٹ انڈیا کمپنی اپنی حکمت اور ساز باز سے قدم جماتی چلی گئی۔ مغل اقتدار کے عہد زوال میں شاہ ولی اللہ کی تجدیدی کاوشوں کے تناظر میں علمی سرگرمیوں اور پیش رفت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے' اس لیے ہم اپنی بحث اورنگ زیب عالمگیر کی وفات یعنی بارہویں صدی کے ابتدائی حصے تک ہی محدود رکھیں گے۔

سلاطین دہلی کے مقابلے میں مغل حکمران' اورنگ زیب عالمگیر کے استثناء کے ساتھ' من حیث المجموع مذہبی اور دینی زندگی میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ اس دور میں غیر مذہبی علمی سرگرمیوں میں خوب اضافہ ہوا۔ شاعری' تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی پر توجہ دی گئی اور معقولات کو فروغ حاصل ہوا۔ اس عرصے میں عمومی تاریخ یا بالخصوص برصغیر کی تاریخ پر جو کتابیں تالیف کی گئی' ان میں اکثر مورخین نے آغاز آفرینش سے اپنے عہد تک اجمالاً تاریخ انبیاء اور نبی اکرم ﷺ کی سوانح پر روشنی ڈالی گئی۔ تاریخ الفی (۸۵۰ھ۔۹۸۴ھ' گروہ مولفین)' تاریخ ہمایونی (۹۸۵ھ' ابراہیم بن جریر' از ملازمان ہمایوں)' مجامع الاخبار (۱۰۰۰ھ' محمد شریف وقوعی نیشاپوری)' منتخب التواریخ (۱۰۰۴ھ' عبدالقادر بدایوانی)' احسن تاریخ (۱۰۲۱ھ' حسن بیگ

۴۷۔ مناظر احسن گیلانی' ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت' لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س۔ن)' جلد دوم' ص ۳۱۰

خاکی شیرازی)، انفع الاخبار (۱۰۳۶ھ محمد امین بلخی) شاہ جہاں نامہ (۱۰۵۰ھ / مرزا محمد جلال الدین طباطبائی یزدی)، (منتخب التواریخ ۱۰۵۶، محمد یوسف اٹکی) اور متعدد دوسری کتابوں میں اس وقت روایت کا تتبع کیا گیا ہے۔ (۴۸)

برصغیر میں مغلوں کے اقتدار کے ساتھ وسطی اور مغربی ایشائی ملکوں کے اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں آ کر مقیم ہوئی۔ بابر کے تقریباً چار سالہ عہد (۹۳۲ھ۔۹۳۷ھ) میں غیاث الدین بن ہمام الدین محمد ملقب بہ خواند میر ۹۳۴ھ میں آگرہ حاضر ہوا تھا۔ خواند میر نے اپنے ماموں ۔۔۔۔ محمد بن خواند شاہ محمود معروف بہ میر خواند ۔۔۔ کی عمومی تاریخ ''روضۃ الصفافی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء'' کا اختصار ''حبیب السیر فی اخبار افراد البشر'' کے نام سے تیار کیا تھا' اس پر خواند میر نے تیسری بار نظر ثانی برصغیر آنے کے بعد ۹۳۵ھ میں کی۔ ''حبیب السیر'' کی پہلی جلد میں جہاں ''پادشاہان پیش از اسلام ایران وعربستان'' کا ذکر ہے' وہیں حضرت محمد ﷺ اور اولیں چار خلفاء کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ (۴۹)

ہمایوں کے عہد میں سید عبدالاول بن علاء الحسینی زید پوری جونپوری (م ۹۶۸ھ) نے خانخانان بیرم خان کی فرمائش پر مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کی ''سفر السعادۃ'' کا فارسی میں خلاصہ تیار کیا۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ ۹۴۱ھ میں لشکر خراسان یعنی لشکر نصیر الدین ہمایوں دہلی سے گجرات جا رہا تھا کہ مرض وفتنہ سے بچنے اور حفظ وامان کی خاطر علم حدیث سے اشتغال کو لازم سمجھتے ہوئے ''سفر السعادۃ'' کا اختصار مرتب کیا گیا۔ (۵۰)

اکبر کا عہد (۹۶۳ھ۔۱۰۱۴ھ) مذہبی آزاد خیالی اور فرقہ وارانہ تنوع کیلئے معروف ہے۔ نقطوی' حروفی' روشنیہ اور مہدی خیالات کے پہلو بہ پہلو صوفیائے خام اور بھگتی تحریک کے رہنماؤں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ''عبادت خانے'' کے مذہبی مباحثوں اور ان میں علمائے سوء کے کردار نے ناخواندہ' مگر استحکام سلطنت کے خواہش مند اکبر کو ایک نئے مذہب کی تخلیق کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اکبر کے دربار سے ایک

۴۸۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے: آفتاب اصغر' تاریخ نویسی فارسی ہند و پاکستان: تیموریان بزرگ از بابر تا اورنگ زیب' لاہور: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران (۱۳۶۴ھ ش)

۴۹۔ ''حبیب السیر'' کے خطی نسخے عام ہیں' نیز یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

۵۰۔ پاکستان میں اس کے خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۱۸-۲۱۹

عرصہ وابستہ رہنے کے بعد مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (م۹۹۰ھ) اور صدر الصدور عبدالنبی گنگوہی (م۹۹۲ھ) معتوب ہو گئے تھے۔ ان دونوں علماء نے اپنی دینوی کمزوریوں سے قطع نظر، سیرۃ النبی کے مطالعے پر توجہ دی۔ مخدوم الملک کی تالیفات میں ''شرح شمائل النبی'' اور ''عصمۃ الانبیاء'' کا ذکر تو اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مگر سیرۃ الیوم و اللیلۃ النبویہ پر ان کی ایک مستقل تصنیف ''منہاج الدین'' توجہ حاصل نہیں کر سکی۔ (۵۱) عبدالنبی گنگوہی کی تالیفات میں ''وظائف الیوم واللیلۃ النبویہ'' اور سنن الہدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ'' کے عنوانات ملتے ہیں۔ (۵۲)

اکبر کے عہد میں ''شمائل'' کی جانب مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کے ساتھ جن دوسرے اہل علم نے توجہ مبذول کی، ان میں مصلح الدین لاری (م۹۷۹ھ)، حاجی محمد کشمیری (م۱۰۰۶ھ) اور محمد حسین حافظ بن باقر ہروی کے نام ملتے ہیں۔ ان سب ہی حضرات نے ترجمہ وشرح کیلئے فارسی زبان استعمال کی ہے۔ مصلح الدین لاری نے شمائل ترمذی کی شرح، (۵۳) اور حاجی محمد کشمیری نے ''ترجمہ'' پر اکتفاء کیا ہے۔ (۵۴) محمد حسین حافظ بن باقر ہروی نے شمائل ترمذی کو فارسی میں ''نثر الشمائل'' کے نام سے منتقل کیا اور شاہزادہ سلیم کے نام معنون کیا، یعنی یہ نورالدین جہانگیر کے تخت نشین ہونے (۱۰۱۴ھ) سے پہلے کی

۵۱۔ سید عبدالباری، ''عصمۃ الانبیاء: عہد ہمایونی کا ایک نادر و نایاب نسخہ'' خدابخش لائبریری جرنل (پٹنہ)، شمارہ ۲ (۱۹۷۷ء)، صفحات ۱۷۷-۱۹۱

۵۲۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۱

۵۳۔ بعض حضرات نے اسے عربی زبان کی کتاب قرار دیا ہے، بلاشبہ متن عربی میں ہے، مگر شرح فارسی میں لکھی گئی ہے۔ مولانا محمد حسین ہزاروی کی تصحیح کے ساتھ مطبع محمدی۔ لاہور سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۵۴۔ پاکستان میں ''ترجمہ شمائل النبی'' کے نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۱۹۵-۱۹۶۔ حاجی محمد کشمیری نے اپنی تالیف 'شرح حصن حصین'' (فارسی) میں اپنی ''شرح شمائل النبی'' کا ذکر کیا ہے۔ کیا ترجمہ ''شمائل النبی'' اور ''شرح شمائل النبی'' ایک ہی کتاب ہے؟ چونکہ ''شرح شمائل النبی'' کا ذکر کرتے ہوئے حاجی محمد کشمیری نے ''ترجمہ شمائل النبی'' کا ذکر نہیں کیا، اس لئے ''ترجمہ'' اور ''شرح'' ایک ہی کتاب ہے۔ محمد اسحاق نے بانکی پور۔ پٹنہ کے جس نسخے کا تعارف بطور ''شرح شمائل النبی'' کرایا ہے (حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۱)، برگل نے اسے ''ترجمہ شمائل النبی'' لکھا ہے (حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص ۷۶۶)۔

تاہم جناب صابر آفاقی کی اطلاع کے مطابق حاجی محمد کشمیری کی ''شرح شمائل النبی'' عربی میں ہے جو ۹۹۶ھ میں مکمل ہوئی تھی اور یہ شرح ۱۳۴۹ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ (دیکھئے صابر آفاقی، جلوہ کشمیر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸، ص ۴۷)، واللہ اعلم بالصواب

کاوش ہے' بعدازاں محمد حسین نے ''شمائل'' کو دوبارہ ''نظم الشمائل'' کے نام شعری جامہ پہنایا۔(۵۵)

عہد اکبری کی ایک تالیف ''مغازی النبی'' ہے جو شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م۱۰۰۳ھ) کی مشق سخن کا نتیجہ ہے۔ صرفی نے نظامی کے خمسے کے جواب میں بعض دوسرے شعراء کی طرح پانچ مثنویاں لکھی ہیں' مگر صرفی نے عاشقانہ قصے کہانیوں کے بجائے ''سکندر نامہ'' کے جواب میں یہ مثنوی لکھی تھی۔ اس میں صرفی نے اپنی سرگزشت اور سیاحت کے ذکر کے بعد نبی اکرم ﷺ کے بچپن' دعوت دین' ان کی تبلیغی کوششوں اور غزوات پر روشنی ڈالی ہے۔(۵۶)

اکبر کے دور ہی میں شیخ منور بن عبد الحمید لاہور (م۱۰۱۵ھ) نے قصیدہ بردہ کی شرح مکمل کی تھی۔ اکبر کی زندگی ہی میں درباری الحاد اور اباحیت کی اصلاح کیلئے شیخ احمد سرہندی (م۱۰۲۴ھ) کوشاں تھے' تاہم اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد میں انہیں قید و بند سے گزرنا پڑا۔ حضرت سرہندی کے ہاں واقعات سیرت سے استشہاد ملتا ہے۔ مزید برآں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے اثبات کے تحت نبوت اور معجزے پر اثبات النبوۃ'' میں بحث کی۔ اسی طرح کلمہ طیبہ کی متصوفانہ تشریح کرتے ہوئے ''رسالہ تہلیلیہ'' میں نبی اکرمؐ کے فضائل' معجزات اور اخلاق و اوصاف کا تذکرہ بھی کیا ہے' تاہم جس عالم نے اس دور میں سیرت نگاری کو جامعیت کا رنگ دیا' وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) ہیں۔ شیخ موصوف کی تالیفات میں سے جذب القلوب الی دیار المحبوب، طریق القویم فی شرح صراط مستقیم (شرح سفر العادۃ) ''مدارج النبوۃ و درجاۃ الفتوۃ'' اور ''مطلع الانوار البہیہ فی حلیۃ النبویہ'' ـــــ سیرت نبوی سے متعلق ہیں۔ ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' (تالیف ۹۹۸ھ) گو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے' مگر مدینۃ النبی اور النبی المکرّم کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ ''طریق القویم'' میں متن ''سفر السعادۃ'' کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے نماز' روزہ' حج اور اذکار کے ساتھ ان کے احوال پر روشنی ڈالی گئی۔ ''مدارج النبوۃ'' نبی اکرم ﷺ کی مکمل

۵۵۔ پاکستان میں خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۱۹۴-۱۹۵

۵۶۔ ''مغازی النبی'' کا کچھ حصہ مطبوعہ ہے۔ مطبع محمدی۔ لاہور (۱۳۱۷ھ)۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ''مغازی النبی'' کا نام ''مغازی النبوۃ'' لکھا ہے جو درست نہیں۔ جناب انور محمود خالد نے لکھا ہے: ''شیخ یعقوب بن حسن صرفی ـــ کے سیرۃ النبی پر ایک منظوم رسالہ مغازی النبوۃ کا بھی ذکر ملتا ہے ـــ مگر یہ واضح نہیں ہوسکا کہ آیا وہ اب بھی موجود ہے یا معدوم ہو چکا ہے۔ (حوالہ مذکورہ' ص ۲۰۸)۔''

حیات طیبہ ہے۔ بقول خلیق احمد نظامی ''رسول پاک کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ کتاب شیخ محدث کا نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ ہندوستان میں اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاک کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔'' (۵۷)

''مدارج النبوۃ'' کی تالیف میں عہد اکبر کا الحاد بطور پس منظر کام کر رہا تھا۔ دین سے بڑھتی ہوئی بے اعتنائی پر روک لگانے اور دین سے رغبت و محبت پیدا کرنے کیلئے قرآن و سنت کے مطالعے کے ساتھ ضروری تھا کہ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی سے تعلق خاطر پیدا ہو۔ علمی و فکری سطح کے ساتھ اس تعلق کا جذبہ ایمان میں رچ بس جانا ضروری تھا۔ ''مدارج النبوۃ'' کے مصنف نے انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے مضامین پر مبنی یا معمولی اضافے کے ساتھ مختلف رسائل بھی شیخ محدث دہلوی کی جانب منسوب ہیں۔ ان میں ''آداب لباس سید البشر'' اور ''حلیہ سید المرسلین'' یا ''مطلع انوار و مخزن الاسرار = مطالع الانوار'' (فارسی) بہت معروف ہیں۔ آخر الذکر رسالہ ہی ''مطلع الانوار البھیہ فی الحلیۃ النبویہ'' ہے۔ (۵۸)

جب شیخ عبد الحق محدث دہلوی عہد جہانگیر و شاہجہاں میں سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کیے ہوتے تھے تو شیخ عیسیٰ جند اللہ برہان پوری (م ۱۰۳۱ھ) نے ''شرح قصیدہ بردہ (فارسی)'' لکھی۔ (۵۹) شیخ العالم اکبر آبادی نے معراج نبیؐ پر ''نادر المعراج و بحر الاسرا'' کے نام سے ۱۰۴۴ھ میں قلم اٹھایا (۶۰) جو قصہ خوانوں اور واعظوں کے نقطہ نظر کی ایک عدیم النظیر کتاب ہے۔ (۶۱) ۱۰۵۰ھ کی ایک تالیف ''پیغامبر نامہ (منظوم)'' سعد اللہ متخلص بہ مسیح یا مسیحا کیرانوی کی ہے۔ (۶۲) شیخ محمد واعظ دہلوی (م ۱۰۶۴ھ) کی

۵۷۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س۔ن)، ص ۱۹۳

۵۸۔ بعض فہرست نگاروں نے ''حلیہ سید المرسلین'' اور ''مطلع الانوار'' کو ایک ہی رسالہ سمجھا ہے، مگر جناب احمد منزوی کو اس سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک یہ دو الگ الگ رسائل ہیں۔ دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۱۷۵-۱۷۶

۵۹۔ محمد غوثی شطاری، حوالہ مذکورہ، ص 515، مطیع اللہ راشد برہان پوری، حوالہ مذکورہ، ص ۷۰

۶۰۔ مطبوعہ، لکھنو: منشی نولکشور (چاپ دوم 1333ھ)، لاہور: مطبع خورشید عالم برائے کتب خانہ نورانیہ۔ پشاور (1375ھ)

۶۱۔ عبد الرحیم، لباب المعارف العلمیہ، حوالہ مذکورہ، ص 441

۶۲۔ یو۔ا۔ برگل، حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص 831

منظوم ''جامع المعجزات'' (۶۳) (عربی' ۱۰۶۴ھ)' محمد باقر بن شرف الدین کا رسالہ ' حلیہ رسالت مآب (۶۴) (فارسی' تالیف ۱۰۷۵ھ)' خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) کا رسالہ ''خصائص مصطفیٰ'' (۶۵) (فارسی' تالیف ۱۰۷۵ھ)' شیخ شیر محمد مشہدی غوث پوری ملتانی کی تالیف ''انیس العاشقین'' (۶۶) (فارسی' تالیف ۱۰۷۶ھ)' شیخ اوحدالدین مرزا خان برکی جالندھری کی ''نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان'' (عربی)' (۶۷) اور سید باب اللہ جعفری کی کاوش ''اخلاق محمدی'' (۶۸) (فارسی) بھی اس دور کی کتابیں ہیں۔ میلاد و معراج' حلیہ اور سیرت کی عمومی کتابوں کے ساتھ حسب روایت ''شمائل ترمذی'' بھی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ گیارہویں صدی کے وسط میں عبیداللہ نامی عالم نے' جو اپنے آپ کو 'از فقرائے احمدی'' قرار دیتا ہے' ۱۰۵۷-۵۸ھ میں ''زبدہ'' کے نام سے شمائل کی شرح لکھی۔ یہ شرح دو حصوں (= صحیفوں) ''خیر الاطوار'' اور ''واقعات سید الابرار'' میں منقسم ہے۔ (۶۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند نور الحق (م ۱۰۷۳ھ) کی تالیفات میں بھی ''شرح شمائل النبی'' (فارسی) کا ذکر ملتا ہے۔ (۷۰) محمد صفی اللہ بن ہبۃ اللہ ترک دہلوی بخارائی نے جو شیخ محدث دہلوی

۶۳۔ زبید احمد' حوالہ مذکورہ' ص ۴۴۸

۶۴۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' ص ۲۷۸

۶۵۔ ایضاً' صفحات ۲۷۸-۲۷۹

۶۶۔ ایضاً' ص ۲۷۹

۶۷۔ اس کے خطی نسخے برصغیر کے بعض معروف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجھستان۔ ٹونک کا نسخہ شاہ اہل اللہ (برادر شاہ ولی اللہ دہلوی) نے ایک مستند نسخے سے نقل کیا تھا۔ دیکھئے: شوکت علی خان' حوالہ مذکورہ' ص ۴۷۔ احمد خان' فہرس المخطوطات العربیۃ الاسلامیۃ فی باکستان' رباط: المنظمۃ الاسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ (۱۹۹۷ء)' الجزء الاول' صفحات ۱۹۴-۱۹۵

''نظم الدرر'' کو سید علیم اللہ حسینی جالندھری (م ۱۲۰۲ھ) نے فارسی میں ''نثر الجواہر فی تلخیص سیر ابی الطیب والطاہر'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ (خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۷۵-۲۷۷' کتاب مطبوعہ ہے۔ لاہور: مطبع خادم التعلیم' ۱۹۰۲ء)۔ اردو ترجمہ مولانا محمد یار حسین عمری گوپا موی (م ۱۳۶۰ھ) نے ''وشاح الریحان'' کے نام سے کیا ہے۔

۶۸۔ شوکت علی خان' حوالہ مذکورہ' ص ۴۷' نسخہ ٹونک بخط مصنف ہے اور اس پر اورنگزیب عالمگیر کی مہر ثبت ہے۔

۶۹۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۷۶-۲۷۷

۷۰۔ خلیق احمد نظامی' حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی' حوالہ مذکورہ' ص ۲۵۰

کے مریدوں میں سے تھے'۱۰۹۱ھ میں ''اشرف الوسائل فی شرح الشمائل'' کے نام سے شرح لکھی جو عالمگیر کے نام معنون ہے۔ (۷۱) عالمگیر ہی کے نام معنون ایک دوسری شرح شیعہ عالم محمد مسیح بن ہمت خان مخاطب بہ اسلام خان بہادر حسینی بدخشانی سے یادگار ہے۔ یہ شرح محمد مسیح نے اپنے والد ہمت خان کیلئے لکھی تھی۔ (۷۲) گیارہویں صدی کے آخر میں مبارک بن کبیر بن محمد انصاری ملتانی نے بھی ایک ''شرح شمائل'' قلمبند کی۔ (۷۳) بارہویں صدی کے آغاز میں نظام الدین محمد بن محمد رستم بن عبداللہ بجندی امن آبادی (کذا: ایمن آبادی) نے ''شرح شمائل النبیؐ'' (فارسی' تالیف ۱۱۰۸ھ / باغ محمدی'' لکھی۔ (۷۴) عبدالہادی بن محمد معصوم کی شرح شمائل النبی (فارسی) ''اخلاق المصطفی'' کا انتساب بھی عالمگیر کے نام کیا گیا ہے۔ (۷۵)

گجرات کے ایک عالم سید محمد بن جعفر بدر عالم (جو غالباً اواخر گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں) نے سیرت میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''تہنیۃ الاسلام'' لکھا ہے۔ (۷۶)

عہد اورنگ زیب کے معروف طبیب اور مصنف محمد اکبر معروف بہ محمد شاہ ارزانی (م بعد ۱۱۳۰ھ) نے جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب ''المنہج السوی والمنہل الروی فی الطب النبوی'' کو ''الطب النبوی'' کے نام سے فارسی میں منتقل کیا' اور عالمگیر کے نام معنون کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۸ھ میں مومبائی سے شائع ہو چکا ہے۔ سیرت النبی سے بالواسطہ اعتناء کی ایک شکل نعتیہ قصائد کہنا یا معروف قصائد کی شرح لکھنا یا ان کے تراجم کرنا بھی رہی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے معاصرین میں سے لطف اللہ مہندس نے ''قصیدہ بانت سعاد'' اور قصیدہ بردہ'' کے فارسی ترجمے کیے ہیں۔ (۷۷) عبدالقادر متخلص بہ نظام نے قصیدہ بانت سعاد'' کی شرح لکھی اور اسے اورنگ زیب کے

۷۱۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' ص ۱۹۸

۷۲۔ ایضاً' صفحات ۲۰۰-۲۰۱

۷۳۔ ایضاً' صفحات ۱۹۸

۷۴۔ ایضاً' صفحات ۱۹۹-۲۰۰

۷۵۔ ایضاً' صفحات ۱۹۹

۷۶۔ سید نورالدین بہروچی' حوالہ مذکورہ' ص ۶۵

۷۷۔ لطف اللہ مہندس کا ترجمہ مطبوعہ ہے۔ فہرست کتب' لاہور: مجلس اسلامیات' اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء) ص ۴۶

نام معنون کیا ہے۔(۷۸) طویل عرصے پر محیط سیرت نگاری کے اس مختصر جائزے سے ہم ان نتائج پر پہنچے ہیں:

☆ سندھ اور گردونواح پر عرب دور اقتدار میں علم حدیث کے ساتھ سیرت نگاری سے دلچسپی پیدا ہوئی، مگر پروان نہ چڑھ سکی۔

☆ عہد سلطنت میں فقہ اور تصوف پر داد تحقیق دی گئی، مگر سیرت نگاری پر کوئی وقیع کتاب نہ لکھی جا سکی، البتہ مورخین نے تبرکاً اپنی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کے واقعات زندگی پر سرسری معلومات پیش کیں، صوفیاء نے تصوف کے ناتے گفتگو کی اور اہل شعر و ادب نے خود قصائد کہے یا معروف نعتیہ قصائد کی شرحیں لکھیں۔ اس دور کی تحریروں میں نبی اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت تو ہے، مگر سیرت کے بارے میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ سلطنت دہلی کے آخری زمانے میں گجرات میں آ کر آباد ہونے والے یمنی اہل علم میں سے بحرق الحضرمی اور محی الدین عبدالقادر عیدروس سے سیرت پر اولین وقیع کام کیا، اور برصغیر کی روایت تصوف سے ہٹ کر تاریخی طور پر مصدقہ اور صحیح روایات کی روشنی میں سیرت نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ سیرت نگاری کے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ سیرت پر بعض متداول کتابوں مثلاً ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' (قاضی عیاض) ''المواہب اللدینہ'' (قسطلانی) اور عمومی تاریخی کتابوں (مثلاً ''روضۃ الصفاء'') کے سیرت سے متعلق حصے فارسی میں منتقل کیے گئے۔

☆ دسویں صدی کے آخری ربع اور اگلی صدی کے پہلے ربع میں اکبر کے دور الحاد کا ردعمل جب بھرپور دینی جذبے کی صورت میں ظاہر ہوا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''مدارج النبوۃ'' اور دوسری کتابیں وجود میں آئیں۔ ''شمائل'' پر خوب لکھا گیا اور بالخصوص ''شمائل ترمذی'' کے تراجم و شروح کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، جو بارہویں صدی ہجری کے آغاز تک جاری رہا۔ ان کے ساتھ نعتیہ قصائد۔۔۔۔ ''قصیدہ بردہ'' و ''قصیدہ بانت سعاد'' ۔۔۔ کی شرح، مولد النبی، معراج النبی اور مغازی النبی جیسے موضوعات اہل قلم کی توجہ جذب کرتے رہے۔

☆ برصغیر تشریف لانے والے عربی الاصل اہل علم نے عربی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا، اور بعض مقامی اہل علم نے بھی ان کا تتبع کیا، تاہم سیرت پر مقامی ضرورت اور طلب کے مطابق فارسی میں نسبتاً زیادہ کام ہوا اور یہی زیادہ متداول رہا ہے۔

۷۸۔ رحیم بخش شاہین، مجلہ ''دانش'' (اسلام آباد) حوالہ مذکورہ، ص ۸۷

برصغیر پاک وہند میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

(سیرت النبی از شبلی پر مولانا ادریس کاندھلوی کی تنقید پر ایک نظر)

حافظ محمد یٰسین بٹ *

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ابتدائے نبوت ہی سے ان کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک ہی میں یہ دستور شروع ہو گیا تھا۔کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تو وہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتا۔اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ عہد نبوت ورسالت ہی میں سیرت نگاری کی ابتداء ہوگئی لیکن اسے تصنیف وتالیف کے قالب میں ڈھالنے کی ابتدء محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کی ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا' ۱۲۴ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ سیرت کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ لکھا وہ بعد میں آنے والوں تک نہ پہنچ سکا۔

ان کی علمی جستجو اور کاوش نے اہل علم میں سیرت نگاری کا شوق پیدا کر دیا۔اوران کی علمی مجلس سے موسی بن عقبہ م ۱۴۱ھ۔اور محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) جیسے فخر روزگار افراد اٹھے' جنہوں نے سیرت نگاری میں نام پیدا کیا اور بعد میں آنے والا کوئی سیرت نگار ایسا نہ رہا جس نے بلا واسطہ یا بالواسطہ ان دونوں حضرات سے استفادہ نہ کیا ہو اوراس طرح عہد تابعین سے باضابطہ سیرت نگاری کی ابتداء ہوگئی۔

اردو میں سیرت نگاری کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جس وقت سے اردو زبان عالم وجود میں آئی عام محققین اس کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری متعین کرتے ہیں۔(۱)

بحمداللہ اردو میں سیرت نگاری میں تسلسل قائم ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ عربی زبان کے بعد سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا کام اردو میں ہوا ہے اتنا کسی بھی زبان میں نہیں ہوا تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اردو زبان میں سیرت رسول اللہ ﷺ پر کتنا کام ہوا یہ ہمارا موضوع نہیں صرف ربط اور تعارف کی خاطر چند سطریں لکھیں ہیں۔

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، ٹیکسلا

۱۔ ڈاکٹر انور محمود خالد' اردو نثر میں سیرت رسول (اقبال اکیڈمی لاہور' ص: ۲۰۸)

موضوع بحث ہے برصغیر پاک و ہند میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ۔"

برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں لکھی جانے والی چند اہم کتب سیرت کے نام پیش خدمت ہیں، جنہوں نے علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے سیرت لٹریچر میں ممتاز اور نمایاں مقام پایا اور اہل علم میں شہرت و مقبولیت بھی حاصل کی۔

برصغیر پاک و ہند کی چند اہم کتب سیرت:

(۱) سیرۃ المصطفیٰ [مولانا محمد ادریس کاندھلوی] (۲) سیرۃ النبی [شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی]

(۳) رحمۃ للعالمین [قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری] (۴) الخطبات الاحمدیہ [سرسید احمد خان]

(۵) نشر الطیب [مولانا اشرف علی تھانوی] (۶) اصح السیر [حکیم عبدالرؤف داناپوری]

(۷) تواریخ حبیب اللہ [مفتی عنایت احمد کاکوروی]

برصغیر پاک و ہند کے اہم سیرت نگاروں کے افکار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

اہم نکات:

(۱) محدثین کرام کے اصولوں کی سرتابی نہ کرنے کا دعویٰ

(۲) علامہ شبلی نعمانی کے بعض تسامحات کی نشان دہی

(۳) واقعہ شق صدر سیرۃ المصطفیٰ کے حوالے سے

(۴) فلسفہ جدیدہ سے متاثر ہو کر انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کروائیں کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی قول اور فعل مغربی تہذیب و تمدن اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔

(۵) جہاد اقدامی، جہاد دفاعی، ایک جائزہ

(۶) سیرۃ المصطفیٰ کے مصنف کا مؤقف اور علامہ شبلی نعمانی

(۷) سیرۃ المصطفیٰ لکھنے کی ضرورت

اس سے پہلے سیرت پر اردو زبان میں بہت سی ضخیم اور مختصر کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ کسی ایسے موضوع پر مزید کوئی کتاب لکھنا، جس پر پہلے سے تحقیق اور بلند پایہ کتب موجود ہوں اس سوال کو دعوت دیتا ہے کہ کیا ان کے ہوتے ہوئے کسی نئی کتاب کی ضرورت تھی؟

اس سوال کا جواب مصنف خود ہی دیتے ہیں کہتے ہیں اس دور میں اگرچہ سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی

بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن ان کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفہ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات واحادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کروائیں کہ حضرت محمد ﷺ کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب وتمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔''

یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح وتعدیل کے ذریعہ سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابل اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کر کے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں اور توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے۔ اور '' **قراطیس تبدونها و تخفون کثیراً** '' کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے اور جب خداوند ذوالجلال کے باغیوں سے جہاد وقتال کا ذکر آتا ہے تو بہت پیچ وتاب کھاتے ہیں' اور اس کو اسلام کے چہرے پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس ناچیز نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت میں ایک ایسی کتاب لکھے کہ جس میں آ کر ایک طرف غیر مستند اور معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسرے طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں ان کی خاطر سے کوئی تاویل کی جائے اور نہ راویوں پر جرح کر کے اس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ناچیز کا مسلک یہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

فاش می گویم و از گفته خود دل شادم
بنده عشقم و ازهر دو جهاں آزادم(۲)

مؤلف نے اکثر مقامات پر اپنا موقف پیش کرتے وقت' جس کو انہوں نے ذخیرہ حدیث کی روشنی میں مستند سمجھا، کسی خاص سیرت نگار کا نام نہیں لیا' معذرت خواہانہ رویہ کی علی الاطلاق مخالفت کی اور کسی مخالف کی پروا کئے بغیر تمام واقعات کو محدثانہ رنگ میں پیش کیا۔ البتہ بعض مقامات پر انہوں نے علامہ شبلی نعمانی کا نام لے کر ان کے موقف کی مخالفت کی۔

۲۔ سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (طبع مکتبہ عثمانیہ لاہور (۱/۹۔۱۱)

مثلاً علامہ شبلی نے اس روایت کا انکار کیا جس رات حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے اور آتش فارس بجھ گئی علامہ نے اس کی دلیل یہ پیش کی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت مذکور نہیں۔ (۳)

مولانا کاندھلوی نے علامہ شبلی نعمانی پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے۔

سبحان اللہ یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی عجیب دلیل ہے کیا کسی حدیث کا بخاری مسلم اور صحاح ستہ میں موجود نہ ہونا اس کے موضوع یا ضعیف ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے مثلاً بلاشک صحیح حدیثوں کے لانے کا التزام کیا مگر استیعاب اور احاطہ نہیں کیا' اور کون کر سکتا ہے امام بخاری وغیرہ نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صحیحین اور صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور معتبر نہیں بلکہ کتب اصول میں امام بخاری اور امام مسلم سے اس کے برعکس منقول ہے۔

''امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سوائے صحیح حدیث نہیں لایا اور بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں وہ سب صحیح ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جس کو میں نے چھوڑ دیا وہ ضعیف ہے۔ (۴)

نیز فرماتے ہیں:

''علیٰ ھذا القیاس کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا یہ بھی کسی محدث اور عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ خود علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں ایسی روایتیں لی ہیں کہ جو نہ صحیح بخاری میں ہیں اور نہ صحیح مسلم میں ہیں اور نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ان کا پتہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اصول خود علامہ کے نزدیک بھی معمول بہ اور معتبر نہیں پھر نہ معلوم کیوں اس حدیث کو غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔ کیا کسی روایت کا بے دلیل انکار کر دینا اسی کا نام تحقیق اور تنقید ہے۔

طبرانی اور ابونعیم اور ابن عساکر نے باسانید متعدد حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق جل شانہ کے منجملہ اکرامات وانعامات کے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور میرا استر کسی نے نہیں دیکھا۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حافظ مقدسی کی تصحیح

۳۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی: ۱/ ۳۹

۴۔ زرقانی ۱/ ۱۲۴

حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اور حافظ مغلطائی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔ ابونعیم نے سند جید کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے(۵)

ایوان کسریٰ میں زلزلہ آنا' فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا' اس پورے واقعہ کو مولانا نے زرقانی' شرح موطا مالک' الاستیعاب لابن عبدالبر اور عیون الاثر (ابن سید الناس) کے حوالوں سے خاص تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) پر سخت تنقید کی ہے لکھتے ہیں:

'' واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں۔ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب دنیا میں کوئی اس کا جواب نہیں ۔(۶)

مولانا کاندھلوی نے واقدی پر علامہ کے اس تبصرہ پر اس طرح گرفت کی ہے:

'' دنیا میں سیرت' مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری ' زرقانی شرح مواهب اللدنیه واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ اور خود علامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ کیا ہے۔ سیرۃ النبی کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں جن کا پہلا راوی ہی واقدی ہے۔ علامہ شبلی نے طبقات کے صفحے اور جلد کا حوالہ بھی دیا ہے مگر ان واضع میں یہ نہیں بتایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے جس کو علامہ مشہور دروغ گو' افسانہ ساز اور نا قابل ذکر سمجھتے ہیں اور جا بجا نا قابل ذکر الفاظ سے اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کے نام کی وضاحت نہیں کرتے البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں جو اسی دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے۔(۷)

مولانا نے بات کو صرف گرفت اور اعتراض کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ علامہ شبلی نے جہاں جہاں ایسا

۵۔ سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/ ۵۹۔ ۶۱

۶۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی ۔ ۱/ ۲۳۔ ۳۴

۷۔ سیرۃ المصطفیٰ ۔ ۱/ ۱۰۷

کیا ہے اور قارئین سے اس بات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے کہ وہ واقدی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں۔ مولانا کاندھلوی نے ایسے متعدد مقامات کی نشان دہی کی ہے۔ کہ علمی دریافت کا یہی تقاضا تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:

اب بطور نمونہ واقدی کی چند روایات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لیا ہے۔

۱۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔'' (طبقات ابن سعد صفحہ ۴۱ جلد: ۱) سیرۃ النبی صفحہ: ۱۵۴، ج: ۱، علامہ نے یہ واقعہ بحوالہ طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے۔

۲۔ ''عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔'' طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ جلد: ۱، سیرۃ النبی صفحہ: ۱۵۸ جلد: ۱) یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ ابن سعد نے طبقات صفحہ ۷۱ جلد: ۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں۔ کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔'' (سیرۃ النبی صفحہ: ۱۶۲ جلد۔ ۱) اس کا راوی بھی واقدی ہے۔

۴۔ حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبی صفحہ: ۱۷۰ جلد: ۱ پر بحوالہ طبقات ابن سعد صفحہ ۸۲ جلد مذکور ہے یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے۔

۵۔ علامہ شبلی سیرۃ النبی صفحہ: ۴۴۰ جلد: ۱ پر غزوہ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمایا:

((لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد))

''ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔''

(ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے۔

کیا یہ علم اور امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں۔ اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام پر اکتفا کریں اور خاموشی کے ساتھ اس پر گزر جائیں۔ (۸)

۸۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۱۰۸، ۱۰۹

مؤلف نے کتاب (سیرۃ المصطفیٰ) کی ابتداء میں جو مقدمہ لکھا اسی میں سب سے پہلے یہ بات کہی کہ: ''ایک مسلمان اور مومن کے لیے اپنا جاننا ضروری نہیں جتنا محمد رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے۔ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج ہے۔(۹)

سیرۃ المصطفیٰ اگر چہ اردو زبان میں ہے اور اردو میں سیرت کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا اسلوب اور انداز بیان عربی میں لکھی جانے والی کتب سیرت سے بہت مختلف ہے سیرۃ المصطفیٰ کا انداز بیان اور بطور خاص طرز استدلال تقریباً وہی ہے جو عربی میں لکھی جانے والی امہات کتب سیرت کا ہے خود مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں محدثین حضرات کے اصول اور طرز استدلال سے سرتابی نہیں کی۔(۱۰)

مصنف نے اپنی کتاب کا بنیادی ماخذ حدیث کو قرار دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیرت کا تمام تر ذخیرہ حدیث نبوی سے حاصل کیا جائے۔ اس لیے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ کیا سارا ذخیرہ حدیث معتبر ہے یا اس میں چھان پھٹک کی ضرورت ہے اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کا معیار کیا ہے کس حصہ حدیث کو ہم مستند اور کس کو مشکوک کہیں گے۔

اس اشکال اور اعتراض کا مقدمہ میں جواب دیا گیا ہے جو اگر چہ مختصر ہے لیکن محکم اور مدلل ہے مصنف کا کہنا ہے ''اس مختصر سیرت میں صحت مآخذ اور روایت کے معتبر اور مستند ہونے کا التزام کیا ہے''۔(۱۱)

مصنف کہتے ہیں کہ کتاب کی اساس و بنیاد حدیث ہے اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ یہ ناچیز ان کا ایک ادنی غلام اور کمترین خادم ہے۔ جس کا کام صرف اتنا ہے کہ ان کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق اور خریداروں کے سامنے پیش کر دے۔ اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ انکا پتہ بتلا دیئے۔

جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق لا کر سامنے رکھ دے۔ اب ان جواہرات

۹۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۰۸۔۱۰۹

۱۰۔ ایضاً ۱/۹۱

۱۱۔ ایضاً ۱/۸۱

کے انواع واقسام اور اصناف والوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی۔ جواہر کی طرح منتشر اور بے ترتیب ہوتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں تبویب اور ترتیب ہوتی ہے۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاد ہیں اور ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ اس لیے محدثین کے اصول وقواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔

كما قَال تعالیٰ: ﴿هَلْ اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشداً﴾(۱۲)

سیرۃ المصطفیٰ کا قاری آسانی سے بعض ان اہم واقعات کا مطالعہ کر سکتا ہے جن کی وضاحت میں بڑے بڑے اہل علم پریشان نظر آتے ہیں ان میں شق صدر کا واقعہ اور ''ما انا بقاری'' کا واقعہ سرفہرست ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے اور انہوں نے کہا: اقرا (پڑھئے) اور آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: ((مَا اَنَابقاری)) میں پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل آمین نے دوبارہ یہی کہا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ لیکن تیسری بار آپ نے جبرئیل آمین کے بولے ہوئے الفاظ دھرا دیئے۔ اس سے یہ اشکال لازم آتا ہے۔ کہ جب آپ دو مرتبہ نہیں پڑھ سکے تو تیسری مرتبہ کیسے پڑھا؟ اور دوسرے یہ کہ امی لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتا لیکن کسی سے زبانی الفاظ سن کر انہیں دھرا تو سکتا ہے۔

ما انا بقاری کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرات یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں۔ امی شخص بھی کسی کی تعلیم وتلقین سے قرات اور تلفظ کر سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ امیت کتابت کے منافی ہے۔ اُمی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا ہے۔ پس اگر جبرائیل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقراء یعنی اس تحریر کو پڑھو۔ تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاری کہنا ظاہر اور متناسب ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل ایک تحریری صحیفہ لیکر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقراء یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔ آپؐ نے فرمایا: ما انا بقاری یعنی میں امی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔

۱۲۔ القرآن ۱۵/۶۶

بعض مفسرین کا قول ہے الم ذلک الکتب لا ریب فیه میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبرائیل امین لے کر آئے تھے۔ اور اگر جبرائیل امین کوئی تحریر لے کر نہیں آئے تھے اور اقراء سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا۔ بلکہ محض زبان سے قرات اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں ما انا بقاری کے یہ معنی نہیں کہ میں امی ہوں پڑھا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا رویت مَلَک اور مشاہدہ انوار وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں۔ کس طرح پڑھوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ کیف اقرواء اس بنا پر ہم نے ما انا بقاری کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہو سکتا ہے۔(۱۳)

برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں بالخصوص بیسویں صدی میں بہت کم سیرت نگاروں نے شق صدر کی بحث کو چھیڑا ہے اس کو نہ چھیڑنے میں بھی کیا یہی ذہنی خلش اور فکری دباؤ کارفرما ہے کہ معترضین اور اہل مغرب کے سامنے کیسے ثابت کریں گے کہ کسی شخص کا سینہ چاک کیا جائے اسے دھویا جائے اور پھر سی دیا جائے اور ایسا ایک بار نہیں متعدد بار ہو۔ اور یہ سب کچھ کسی طبی امداد کے بغیر ہو۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں واقعہ شق صدر کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے سیرۃ المصطفیٰ میں اس واقعہ کو بڑے شرح و بسط اور مضبوط دلائل کے ساتھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ چار مرتبہ پیش آیا اور اپنی اصل اور ظاہر پر معمول ہے۔
اس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اسے تمثیل قرار دیا جا سکتا ہے بحث کو سمیٹتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں۔

الحاصل:

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے۔ کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا مگر یہ روایات باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

۱۳۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۳۴ ما انا بقاری کے بارے میں مولانا کا یہ کہنا ہے کہ ان کی یہ تحقیق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ اور مدارج النبوت سے اور شیخ نورالحق دہلوی کی تفسیر القاری شرح بخاری سے ماخوذ و استفادہ ہے۔

شق صدر کی حقیقت:

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:۔

یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے۔ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرنا چاہیے اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور حافظ عسقلانی علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی موید ہے۔وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضورؐ کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہونا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کہ اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں) یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوسری کسی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔آمین۔

خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقتاً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو کہ ایک خاص قسم کا علم ہے صریح غلطی ہے۔شق صدر حضور کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور کے ساتھ مخصوص نہیں۔ابو بکر وعمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینہ مبارک پر تھا صحابہ کرام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔**لا حو ل و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

جہاد کے بارے میں بھی بعض اردو سیرت نگاروں کا رویہ مخالفین اسلام کے سامنے خاصا معذرت خواہانہ ہے۔انہوں نے اسلامی جہاد کو دفاعی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مولانا کاندھلوی نے یہاں بھی دوٹوک انداز میں بات کی ہے۔انہوں نے واضح کیا کہ جہاد اقدامی بھی ہوتا ہے اور دفاعی بھی۔جہاد کی بحث میں مولانا نے یہ بات بھی واضح کی جو جنگ اللہ کے وفادار اللہ کے دشمنوں سے صرف اس لیے کریں کہ وہ اللہ کے احکام کی بے حرمتی کر رہے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے بغاوت پر آمادہ ہیں' مسلمانوں کی جان و مال کو ان سے خطرہ ہے ایسی جنگ جہاد کہلائے گی۔اسلامی حکومت قائم کرنے' یا اس کے تحفظ کے لیے جو جنگ کی جائیگی وہ جہاد ہے قوم

اور وطن کے نام پر جو جنگ کی جائے گی وہ جہاد نہیں کہلائے گی۔

علامہ شبلی نعمانی کے بعض تسامحات کی نشان دہی:

کتب سیرت اور کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر تفکر اور پریشانی کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس کو رفع کرنے اور اس بات کی تصدیق کرانے کے لیے کہ آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا ہے حضرت خدیجہ الکبریٰ ورقہ بن نوفل کے پاس لیکر گئی تھیں ورقہ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا:

"لئن كنت صدقتني انه لياتي ناموس"

''اے خدیجہ! اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے' جو عیسیٰ کے پاس آیا تھا۔''

ورقہ بن نوفل کی اس تصدیق کو راوی نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

"فلما سمع كلامه ايقن بالحق و اعترف به"

''ورقہ نے جب آپ کی بات سنی تو سنتے ہی حق کا یقین آ گیا' ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا۔''

یہاں علامہ شبلی سے جو تسامح ہوا اس کی وضاحت مولانا ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''سمع اور یقین اور اعتراف کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا:'' جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آ گیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا'' (سیرۃ النبی' صفحہ ۱۸۹' جلد تقطیع خورد۔)

علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور اکرمؐ کو اپنی نبوت و رسالت میں شک تھا ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ خیال بالکل غلط ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت و رسالت کا اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا جب جبرائیل امین غار حرا میں داخل ہوئے تو اولاً آپ کو سلام کہا جیسا کہ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے۔

دیکھیں زرقانی صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ و فتح الباری صفحہ ۳۱۳ جلد ۱۲۔ کتاب التعبیر اور پھر آپ کو رسالت الہیہ کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے۔ پھر آپ سے کہا کہ اقراء اور سورہ اقراء کی آیتیں آپ کو پڑھائیں۔ بعد ازاں جب آپ غار حرا سے واپس ہوئے تو پھر ہر شجر و حجر میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آپ

سنتے تھے دیکھو خصائص الکبریٰ صفحہ ۹۳،۹۴ جلد: اغرض یہ کہ ان تمام امور سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل حاصل ہو چکا تھا۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت وانجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ اور آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی۔ علامہ نے غلطی سے سمع ویقین واعتراف کی ضمیر بجائے ورقہ کے حضور پرنور کی طرف راجع کیں اور غلطی میں مبتلا ہوئے۔ (۱۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء/۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ کو بھوپال میں پیدا ہوئے' ان کا اصل وطن ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کا قصبہ کاندھلہ ہے اور اسی نسبت سے کاندھلوی مشہور ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز مولانا اشرف علی تھانوی سے کیا اور ابتدائی کتابیں مدرسہ اشرفیہ سے پڑھیں۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ دورہ حدیث میں داخلہ لیا۔ آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری' مولانا ظفر احمد عثمانی' علامہ انور شاہ کشمیری۔ علامہ شبیر احمد عثمانی سے بھی کسب فیض کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۲۱ء سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی دعوت مل گئی ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے ۱۹۳۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی آپ کو دارالعلوم دیوبند لے آئے۔ آپ نے شیخ التفسیر کا منصب سنبھالا۔

۱۹۴۹ء میں پاکستان تشریف لائے تو یہاں آپ کو جامعہ عباسیہ (حالیہ جامعہ اسلامیہ) بہاولپور کا شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے جامعہ عباسیہ کو بھی خیر باد کہہ دیا اور جامع اشرفیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں اپنے انتقال تک اسی ادارہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

............☆☆☆............

۱۴۔ سیرۃ المصطفیٰ۔ مولانا نے وضاحت کی ہے کہ یہ بحث علامہ زرقانی کی شرح المواهب اللدنية سے ماخوذ ہے۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱۳۹/۱۔۱۴۰

برصغیر میں سیرت نگاری کا شعری منہج

* ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

برصغیر پاک و ہند کے شعرائے عربی زبان نے سیرت کے باب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا' متعدد موضوعات کو مشق سخن بنایا اور اس کے بے شمار مخفی گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں دستیاب شعری ذخیرے کو مرتب کرنے سے موضوعات سیرت کا ایک مسلسل بیان ملتا ہے۔ اس ذخیرہ کا خاص وصف و امتیاز معلومات کو مستند حوالوں سے اخذ کرنا ہے۔ عام طور پر مبالغہ آمیزی سے احتراز کیا گیا اور انہی روایات کو شعری سانچہ میں ڈھالا جو مشہور اور متداول ہیں۔

مدح نبوی ﷺ کے باب میں یہ شعری تخلیق اس قدر جامع اور شامل ہے گویا سیرت کا کوئی نثری شہ پارہ زیر مطالعہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ان شعراء کا تعلق مسند ہائے درس و تدریس سے تھا اور علمائے دین ہونا ان کی اصل شناخت اور مصادر سیرت پہ ان کی نظر تھی۔

ذیل میں سیرت کے بعض اہم موضوعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن پر انہوں نے شاعرانہ طبع آزمائی کی۔ کچھ موضوعات پر مستقل قصائد کہے اور کچھ کا بیان دیگر موضوعات کے ساتھ آیا۔ اس سلسلہ کے مستقل قصائد ملاحظہ ہوں جو درج ذیل موضوعات سے متعلق ہیں۔

1۔ معجزات:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی صداقت کے اظہار کے لئے آپ کو بے شمار نشانیوں سے نوازا جنہیں بعد میں معجزات کا نام دے دیا گیا ان کے تذکرہ اور بیان میں دارالعلوم دیوبند کے سابق مولانا حبیب الرحمٰن عثانی کے دو قصیدے ہیں ''لامیۃ المعجزات'' جو 386 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں 100 معجزوں کا ذکر ہے۔ دوسرا بائیۃ المعجزات جس کے 198 اشعار ہیں (۱) قرآن مجید کے عظیم

---

* شعبہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۱۔ آپ کا کلام معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب میں بصورِ مخطوط ہے جسے آپ نے خود مرتب کیا ہے

معجزہ ہونے میں ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

هَـــاکَ قُــرآنــا مبیـنـــاً فـــاستـــمـــع

لـــم يَـــزل إعـــجـــازه مـــنـــذ نـــزل

سابق مشرقی پاکستان کے ایک عالم شاعر مولانا عزیز الحق کے ایک قصیدہ میں بارہ اشعار معجزات پر ہیں۔(۲)

اس کے علاوہ برصغیر کے نامور عالم شاہ ولی اللہ کے معروف مدحیہ قصیدے اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں متعدد معجزات کا تذکرہ ہے۔(۳)

غلام علی آزاد بلگرامی کا مدح نبوی میں سب سے زیادہ حصہ ہے اس سبب وہ حسان الہند کے لقب میں معروف ہیں ان کے قصیدوں کا خاص وصف مدح کو غزلیہ انداز میں ادا کرنا ہے انہوں نے بے شمار موضوعات سیرت کا احاطہ کیا اسی طرح معجزات کا بھی کئی نظموں میں تذکرہ کیا' معجزہ شق القمر پر ایک شعر ملاحظہ ہو۔

وَ شَـــقَّ بَـــدرَ الـــدُجـــی إِیـــمَـــا إِصْبـــعِـــهٖ

نَـــعَـــمْ و آلْبـــعَـــهُ مِـــفْتَـــاحُ اَفْـــعَـــالِ (۴)

عبدالرحمٰن سیوہاری کا ایک شعر:۔

ألا الٰـــی مَـــنْ سَـــقَـــتْ جیْشًـــا اَصَـــابَـــعـــهِ

وَ كَـــانَ الـــفَـــا و نـــصف الألفِ فِـــی العـدَد(۵)

''حدیبیہ کے مقام پر ۱۵۰۰ ساتھیوں کو آپ ﷺ کی انگلی سے پھوٹنے والے چشمۂ صافی نے سیراب کیا''

۲۔ دیکھئے مقامات ارشادیہ ومناقب عنائتیہ' مقصود احمد عمری۔ دین محمدی پریس: ۱۹۵۹ء ص ۸۸۔۴۸۴

۳۔ دیکھئے نزهة الخواطر ' مولانا عبدالحی حسنی' ۶/۴۱۳
دائرۃ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن: ۱۹۴۷ء اس کے علاوہ آپ کا یہ قصیدہ آپ کی شرح کے ساتھ الگ بھی طبع ہوا ہے۔

۴۔ دیکھئے دیوان آزاد مسمی '' السبعة السايرة ۱/ ۳۴ غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) برصغیر کے نامور عربی شعراء میں سے ہیں ان کے مدحیہ قصائد سب سے زیادہ ہیں جو ان کے مذکورہ بالا دیوان کے پہلے تین حصوں میں ہیں۔

۵۔ دیکھئے مجلہ ثقافة الهند میں مظفر حسین کا مقالہ/ ۳۳/ ۲۸

2۔معراج:

واقعہ معراج کو متعدد شعراء نے مکمل قصائد کا موضوع بنایا۔ان میں شاہ رفیع الدین دہلوی (٦) مولانا انور شاہ کاشمیری (٧) اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی قابل ذکر ہیں۔شاہ صاحب نے براق پر آپ کی سواری، جبرئیل کا رکاب تھامنا، بیت المقدس میں انبیاء کی امامت، حضرت موسیٰ سے ملاقات، سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل کا رک جانا اور رب تعالیٰ سےہم کلام ہونا، جیسے واقعات معراج کا ذکر کیا۔

مولانا کاندھلوی کا قصیدہ (١٢٦) اشعار پر مشتمل ہے (٨) آغاز ملاحظہ ہو۔۔

أَلا لَيتَ شِعرِی هَل يَقولُنَّ مِقوَلی

قَصيدًا بِإِسراءِ النَّبِیِّ المُبَجَّلِ

3۔غزوات:

سیرت کے باب کا اہم موضوع غزوات ہے اس کا بیان وحوالہ کئی شاعروں کے کلام میں ہے۔ بدر واحد سے حنین وتبوک تک سبھی اہم غزوات کا تذکرہ شعروں میں موجود ہے۔مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے مدحیہ قصدوں میں یہ تذکرہ قدرے تفصیل سے ہے۔آپ نے قرآن وحدیث سے بکثرت اقتباس کیا دوسرے شعراء میں شاہ ولی اللہ، مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا ضیاء الدین مدراسی وغیرہ شامل ہیں۔ان سب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ صرف مستند واقعات کو نظم بند کیا اور خرافات سے احتراز کیا گیا۔

٦۔ شاہ رفیع الدین حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کے فرزند اور شاہ عبدالعزیز اپنے بڑے بھائی کے ساتھ آپ کی مسند کے وارث نزھۃ الخواطر ٦/١٨٣ میں آپ کے حالات زندگی ہیں۔آپ نے اپنی شاعری میں مدح نبوی کے علاوہ علمی موضوعات کو مشق سخن بنایا۔

٧۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور برصغیر کی نامور علمی شخصیت فیض الباری شرح صحیح البخاری آپ ہی کے افادات کا مجموعہ ہے۔ان کے حالات نزھۃ الخواطر جلد٨ میں بھی مفصل مذکور ہیں۔اس کے علاوہ ان کے صاحب زادے انظر شاہ نے " حیاۃ العنبر فی حیاۃ انور" میں مفصل لکھے ہیں۔

٨۔ آپ آخری دور میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے مسند تدریس پر فائز رہے آپ کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب تذکرہ مولانا ادریس ہے جو آپ کے فرزند ڈاکٹر علی میاں صدیقی نے مرتب کی ہے۔مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور۔١٩٧٧ء

مذکورہ بالا چار موضوعات وہ ہیں جن پر مستقل قصائد نظم بند کئے گئے۔ سیرت کے دوسرے بے شمار گوشے اور جوانب کا تذکرہ اس شاعری میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت اور اس زمانے کے عرب معاشرے میں منتشر برائیوں کے بیان سے لے کر اعلان نبوت اور مکی و مدنی دور کے مختلف واقعات وحوادث کا ذکر اور اشارات اس شعری ذخیرے میں پائے جاتے ہیں۔ ولادت با سعادت پر معاصر شاعر محمد حسین اقبال آف فیصل آباد کا مستقل قصیدہ بعنوان مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مطلع ملاحظہ ہوں:۔

فی بیتِ آمنةً المبارک اَشرقَتْ

شمسُ الضُحی فأمناءَ کل مکانِ(۹)

زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرہ کی برائیوں کا ذکر شاہ ولی اللہ نے تفصیل سے کیا، اسی طرح مولانا عبدالمنان دھلوی نے اپنے مدحیہ قصیدے میں اہم برائیوں کا تذکرہ کیا مثلاً بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بے جا قتل و غارت، کسب حرام، گانے بجانے کی طرف میلان اور شراب خوری۔(۱۰)

ایک روایت کے مطابق ولادت مبارکہ کے موقع پر ہزار سال سے جلتی ہوئی آتش ایران بجھ گئی، آزاد بلگرامی اسی طرف اشارہ کناں ہیں:

و إطفاءُ نارِ الفُرس و هو غدًا

ینجی العُصاةَ من النیرانِ والشُعَل (۱۱)

ایک شاعر کوہ صفا پر اولین اعلان نبوت کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

و قام بأمرِ اللّٰہِ یوما علی الصفا

فنادیٰ الاھل من سمیعِ و مُبصر(۱۲)

ایک شاعر اہل طائف کو آپ کی دعوت ایمان اور ان کے رد عمل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۹۔ دیکھئے نزھة الخواطر: ۷/ ۱۸۴

۱۰۔ دیکھئے تذکرہ مولانا ادریس۔ص ۲۳۱

۱۱۔ مجلّہ "القول السدید" لاہور ماہ اکتوبر۔۱۹۹۶ء ص ۷۷

۱۲۔ دیکھئے الرشید نعت نمبر ۱۴۱۱ھ لاہور ص ۱۶۱

اَتــیٰ طــائــفًــا یــدعــو الــی دیــنِ ربــه
و یــــرجــو بـــأهـــلیهـــا الـــعـــونِ مـــؤمَّـــل
و لَـــکِـــنْ اَتَـــوْه بـــالـــجـــفـــاء و غـــدره
وجـــورٍ و إیلاءٍ و جُـــرْحٍ مـــقـــتـــل(۱۳)

ایک اور موضوع جس پر بے شمار اشعار نظم بند کئے گئے' آپ کی ظاہری و باطنی صفات اور حسن و جمال کا بیان ہے۔اس ضمن میں بھی بکثرت قرآن وحدیث سے استفادہ کیا گیا اور جو الفاظ وتراکیب ان میں آنحضرت کے لئے استعمال کئے گئے وہ اس شاعری میں بھی مستعمل ہیں۔اس موضوع میں ایک مستقل قصیدہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا ہے جس میں معنوی صفات کے ساتھ ظاہری جمال وصفات کا تذکرہ بھی ہے۔مثلاً آپ کے یہ اشعار:۔

بشیـــر نـــذیـــر مـــدثـــر
رســول مبیــن رشیــد حــلیــم
و طٰــــه و یٰـــسٓ مـــزمـــل
نـجــی الآلـــه بـصـوتٍ رحیم

آپ کی شکل مبارک کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا:۔

هـــو الأحســـن الأجـــد الأشـــجـــع
أغـــرُّ الـــجبیـــنِ جـــمیـــل رسیـــمِ
هـــو الاَبْیَـــض الأبـــلـــج الأدهـــج
جـــلیـــل الـــمشُـــاش مـــلیـــح قسیـــم(۱۴)

۱۳۔ دیکھئے ان کا دیوان۔۱/۳۰

۱۴۔ یہ شعر مولانا ظفر احمد تھانوی کا ہے آپ ہندو پاک کے نامور علماء میں سے ہیں سابق مشرقی پاکستان میں تحریک پاکستان کے دنوں میں بہت کام کیا آپ کے مفصل حالات زندگی اللغة العربية في باكستان میں ہیں۔

یہ نقشہ وہی ہے جو شمائل ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔ ان شعراء نے مدح نبوی کے میدان میں جس احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل ستائش ہے اور بقول مولانا احمد رضا خاں نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے اگر کمی رہ گئی تو گستاخی کا خطرہ اگر زیادتی ہوگئی تو شرک کا اندیشہ۔

اس شعری ذخیرے کے مطالعہ سے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے۔ کہ یہ علماءِ شعراء اس امتحان میں سرخ رو ہوئے ہیں۔ برصغیر کے نعتیہ عربی ذخیرے کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ نعت کے پردے میں اس اجتماعی زوال کی داستان بھی سنائی گئی جو ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر بنا۔ مثلاً شاہ ولی اللہ کے مشہور مدحیہ قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:۔

کــأنَّ نـجـومًـا أو مـضَـتْ فـی الغَیَـاهِـب

عُیــوْنُ الافــاعِــی اوْ رُؤسُ الـعَـقَــارِبِ(۱۵)

''کہ اندھیرے میں چمکتے تارے مجھے یوں دکھائی دیتے ہیں گویا سانپوں کی آنکھیں یا بچھوؤں کے سر ہوں'' یہ تشبیہ وہی شاعر استعمال کرسکتا ہے جو داخلی اضطراب کا شکار ہو' چونکہ شاہ صاحب کے زمانہ میں مسلمانوں کو لاحق ہونے والے ادبار ونکبت کی شروعات ہوچکی تھیں چنانچہ اسی کا انعکاس اس قسم کی شاعری میں ظاہر ہوا' اجتماعی مصائب وکربات کا ذکر کرتے ہوئے یہ شاعر قیامت کی ہولناکیوں میں آنحضرت علیہ السلام کے منجیانہ کردار خصوصاً شفاعت کبریٰ کا تذکرہ بڑی تفصیل اور خصوصیت سے کرتے ہیں۔ اجتماعی مشکلات کے ذکر کو ذکر رسول کی طرف موڑنے کا مقصد اپنی قوم کو باور کرانا ہے کہ وہ اس دورِ مصیبت میں آپ سے تعلق کو مضبوط کرے اور اچھے دنوں کی امید رکھے۔ شاہ عبدالعزیز کے ہاں یہ بیان رنگ تغزل لئے ہوئے ہے۔ اپنے مدحیہ قصیدے کی ابتداء میں مخاطب کی چیرہ دستیوں کا تذکرہ کرتے ہیں پھر گریز کرتے ہوئے آنحضور کے دربار میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور یوں سخن سرا ہیں:

۱۵۔ مقامات ارشادیہ: ۴۸٦

و اِن جُـــرُتـــمُ عَـــلـــی فـــلـــی غیـــاثٌ

بـــاب الـــمـــصـــطـــفیٰ خیـــرِ الانـــام(۱۶)

یہ استغاثہ انگریزی دور کے شعراء کے کلام میں کثرت اور شدت سے ملتا ہے۔ اس دور کے مصائب کو دیکھتے ہوئے اور انگریزوں کے اسلام دشمن اقدامات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان شعراء نے نعتیہ قصائد میں ہند کی امت مسلمہ کا حالت زار کا نقشہ کھینچا' ان پر آنے والے مصائب کو شعری زبان دی اور اسلامیان ہند کو قائم رہنے اور دربار نبوت سے جڑے رہنے کی تلقین کی۔ اس باب میں مولانا فضل حق خیر آبادی بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ نے عملاً ۱۸۵۷ کی تحریک آزادی میں شرکت کی اور مابعد اثرات سے متاثر ہوئے اور جزائر انڈ مان میں جلاوطن کئے گئے۔ وہاں ایک طویل نعتیہ قصیدہ نظم کیا۔ جس کے ۲۴۳ اشعار ہیں اس میں تحریک آزادی کے مختلف واقعات کو بیان کر کے روئے سخن آنحضرت ﷺ کے ذکر جمیل کی طرف کیا اور حشر میں آپ کے فیوض و برکات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کے ذکر سے قصیدے کا اختتام کیا۔(۱۷)

قطع نظر اختلاف جنس وزبان کے' یہی وطیرہ رہا ہے، ہر اس دور کے درِدل رکھنے والے شعراء کا جس میں حالات وزمانہ نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔

یہ ہیں چند گذارشات برصغیر کے نعتیہ کلام اور اس کے موضوعات' خصوصیات وامتیازات کی بابت اگر چہ موضوع ابھی تشنہ ہے مگر یار زندہ صحبت دل باقی۔

۱۶۔ مولانا کا یہ قصیدہ مقامات حریری پر ان کی شرح کے مقدمہ میں ہے۔

۱۷۔ دیکھئے۔نزھة الخواطر. ۷/۲۷۶

مصادر ومراجع

۱۔ تذکرہ ادریس۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ مکتبہ عثمانیہ لاہور

۲۔ ثقافۃ الہند (مجلہ) مظفر حسین

۳۔ حیاۃ نمبر۔ محمد انظر شاہ کشمیری

۴۔ دائرہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔ ھند ۱۹۴۷ء

۵۔ الرشید (نعت نمبر) مکتب رشیدیہ لاہور۔ ۱۹۹۵ء

۶۔ السبعۃ السیارۃ۔ غلام علی آزاد بلگرامی

۷۔ القول السدید (مجلہ) اکتوبر ۱۹۹۲ء

۸۔ اللغۃ العربیۃ فی باکستان۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ۔ وزارت تعلیم۔ اسلام آباد۔ ۱۹۹۲ء

۹۔ معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب (مخطوط) مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی

۱۰۔ مقامات ارشادیۃ ومناقب عنائیۃ۔ مقصود احمد عمر، دین محمد پریس لاہور۔ ۱۹۵۹م

۱۱۔ نزھۃ الخواطر۔ مولانا عبدالحی الحسنی دائرہ معارف عثمانیہ۔ حیدر آباد دکن

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

* پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں عصر حاضر کے انسان کے مسائل زندگی اور درپیش عملی مشکلات کا حل تلاش کرنے کا تصور اہل اسلام خصوصاً علماء، محققین سیرت طیبہ کی طرف سے ایک مبارک اقدام ہے یہ اس لئے ہے سیرت طیبہ حکمت ومعرفت کا ایک ایسا سر چشمہ ہے جو باقی ودائم بھی ہے اور ہر ایک انسانی تشنگی کو مٹانے کا سامان بھی اس میں موجود ہے یہ روشنیوں کا ایک ایسا بلند و بالا مینار ہے جس کی ضیاء پاشیاں زندگی کے ہر تاریک گوشے اور قلب انسانی کے ہر زاویے کو ہر جگہ اور ہر زمانے میں منور کرتی رہیں گی۔ اس لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب زندہ میں فرما دیا ہے کہ یہ سر چشمہ ہدایت اور مینار نور ہر جگہ اور ہر عہد کے تمام انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے آرزومند ہیں۔ سیرت نبوی کا تاریخی عہد تئیس سال سے کچھ اوپر عرصے پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں علم وعمل کے علمبردار پیغمبر انسانیت کو اتنے مراحل پیش آئے، اتنے واقعات وحوادث کا سامنا ہوا اور آپ نے اتنے عملی نمونے چھوڑے ہیں جو نہ صرف قابل یقین ریکارڈ میں ثابت اور محفوظ ہیں بلکہ اپنے تنوع اور کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان میں ہر زمان ومکان کے انسانی مسائل ومشکلات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت طیبہ کا نئے انداز اور نئے زاویوں سے مطالعہ کیا جائے' روایتی انداز میں احوال و واقعات سیرت کو دہراتے رہنے اور صرف جگالی کرتے رہنے سے بات آگے نہیں بڑھ سکتی ان احوال و واقعات کے محض تکرار تک ہی سیرت نگاری کو محدود رکھنا کار ثواب و برکت تو یقیناً ہو گا مگر اس انداز سے کوئی نئی بات پیدا نہیں کی جاسکتی اور نہ اس سے کسی مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

---

* سابق صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

7-C حق باہو ہاوس لالہ زار کالونی لاہور

﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ (ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے) کا منشائے خداوندی تبھی پورا ہو سکتا ہے جب ہم سیرت پاک کو عصر حاضر کے انسان کے سامنے آسان اور عام فہم انداز میں پیش کریں بلکہ مسائل میں الجھے اور مشکلات میں گھرے ہوئے اس انسان کے تمام مسائل و مشکلات کا حل اور نسخۂ کیمیا بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس موجود ہے اور اسے عام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس طرح اگر ہم نے اپنی تحقیق کو صرف مکی اور مدنی زندگی کے حالات وغزوات سے بحث کرنے والے مآخذ سیرت تک محدود رکھا تو بھی نا کافی ہوگا۔ ان چیزوں کو دہراتے رہنا خیر و برکت کا باعث تو یقیناً ہو گا مگر زندگی کے متنوع و بے حساب مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مأخذ سیرت طیبہ کے ان لاکھوں صفحات کو بھی کھنگھالنا ہوگا جو آج تک پوری طرح تصرف میں نہیں لائے جا سکے ان مأخذ میں سرفہرست قرآن کریم اور اس کی لاتعداد کتب تفسیر کا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ تاریخ حرمین شریفین' کتب جغرافیہ وسیاحت نامے' سیرت صحابہ و تابعین تراجم وانساب کی کتابیں' حدیث نبوی اور اس طرح کی شروح کا قابل فخر سرمایہ' فقہ اسلامی' کتب فتاوی کی وسیع وعریض دنیا کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے معاندین اور مخالفین کے حالات زندگی اور اس عہد کی عمومی تاریخ پر بھی گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ جو مشہور انگریز ادیب و دانشور کارلائل نے اپنی غیر فانی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ'' میں رسول اللہ ﷺ کو بطور ''رسول ہیرو'' منتخب کرتے ہوئے یہ کہا کہ آج بھی الجھی ہوئی دنیا کی گتھیوں کو صرف آپ ہی سلجھا سکتے ہیں۔ بقول ظفر علی خان:۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز ایک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

اور یہ جو امریکی مصنف مائیکل ہارٹ نے آپ کو تاریخ انسانی کے سوچنے ہوئے رہنماؤں میں پہلے نمبر پر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کو تاریخ انسانی کا ہر لحاظ سے کامیاب لیڈر قرار دیا ہے تو یہ ان روایتی انداز کی کتب سیرت سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ وسیع تر مأخذ سیرت اور گہرے اثرات کی بنا پر قرار دیا ہے اس لئے عصر حاضر کے مسائل کا حل بھی اگر کہیں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف سیرت طیبہ کے وسیع تر مأخذ و مصادر میں موجود ہے۔

آ گے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے بلکہ ہم اپنے اس موضوع کو واضح تعریف اور اس کی حدود کا تعین کرلیں تا کہ بات کہنا اور سمجھنا آسان ہو جائے اور مربوط انداز میں ان حدود پر بھی توجہ مرکوز کی جا سکے' سیرت عربی زبان کا اسم مصدر ہے اور کردار' گفتار زرفتار اور قول وعمل کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے لغت کی رو سے لفظ سیرت سنت اور طریقہ کے مترادف اور ہم معنی ہے۔ لہٰذا سیرۃ النبی ﷺ سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ کا ہر قول' ہر عمل اور ہر تقریری مؤقف ہے اس طرح عصر حاضر کے مسائل سے مراد وہ تمام چھوٹی بڑی مشکلات ہوں گی جن سے سائنسی اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور سے انسان دوچار ہے اور اس کے جیون کو ایک الجھن بلکہ الجھنوں کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ تاہم عصر حاضر کے انسان کی ان متنوع اور بے حساب مشکلات میں سے صرف چند ایک مسائل ہی کو لیا جائے گا اور ہم یہ دیکھیں گے کہ سیرت طیبہ کی مدد سے ہم انہیں کیسے حل کر سکتے ہیں اس محدود وقت میں ہم صرف پانچ نہایت نمایاں اور سلگتے ہوئے مسائل لے رہے ہیں۔

1۔ عالمی امن

2۔ عالمی تجارت

3۔ سمٹتی سکڑتی ہوئی اس دنیا میں اطلاعات اور ذرائع ابلاغ کا کردار

4۔ غربت اور افلاس میں گرفتار انسان کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں؟

5۔ آج کے انسان کو پرسکوں زندگی کیسے میسر آ سکتی ہے!؟

ا۔ عالمی امن:

آج ہماری یہ زخم زخم خوف زدہ دنیا جس امن کے لئے بے قراری سے کوشاں ہے اور صبح وشام جس کے لئے ترس رہی ہے وہ کسی وضاحت یا تفصیلی بیان کی محتاج نہیں اور عیاں راچہ بیان کے ضمن میں آتا ہے ہر طرف روایتی اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مختلف گوشوں میں ایٹمی اسلحے کے جہنم دہک رہے ہیں' جرائم اور فسادات کے شعلے آسماں کو چھو رہے ہیں' بے کس اور کمزور کے لئے زندگی عذاب اور دنیا تنگ ہو چکی ہے' مظلوموں کی فلک شگاف آہوں سے دنیا ایک ماتم کدہ نظر آتی ہے مگر ظالموں کو پھر بھی ظلم پر اصرار ہے قیام امن کے علمبردار دعویدار دوڑتے پھرتے ہیں مگر امن کی فاختہ ہاتھ نہیں آ رہی۔ اسی کیفیت اور

صورت حال کا نقشہ کتاب زندہ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ پیش کرتی ہے جو نبوت محمد ﷺ کا زندہ و جاوید معجزہ ہے:

﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون ۝﴾

ترجمہ:۔ ''خشک و تر میں ہر طرف انسانوں کے اپنے کرتوتوں کے باعث فساد برپا ہے یہ انہیں ان کی بداعمالیوں کا کچھ مزہ چکھانے کے لئے ہے تا کہ یہ باز آ جائیں''۔

آج انسانوں کے ہاتھوں انسانیت کا دم گھٹ رہا ہے اور انسان انسان کا شکاری بنا پھرتا ہے۔ آج کے انسان کو سیرت و تعلیمات نبوی کے پیغام حیات آفرین کی بھی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے عملی کردار کی بھی ۔ بالکل ایسے ہی جیسے ساتویں صدی عیسوی کے انسان کو محمد ﷺ کے پیغام حق اور روشن عملی مثال کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو آپ کے فیض علم و عمل کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام نے پورا کر دکھایا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت و تعلیمات کی اصل روح رحمۃ للعالمین ہے انسان کو آج یہی ''رحمۃ للعالمین'' درکار ہے۔ وہی رحمۃ للعالمین جسے اقبال نے اصول زندگی کی آواز اور مکارم اخلاق کی انتہا قرار دیا ہے۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا
رحمۃ للعالمین انتہا

تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت و شفقت بن کر آنے والی نبوت و رسالت کا حقیقی پیغام بھی امن و سلامتی ہے۔ اسلام کے لفظی معنی اور اشتقاق بھی دنیا کو سر جھکانے اور گہوارۂ امن میں لینے پر دلالت کرتے ہیں آج بھی عربی زبان میں امن و امان کے لئے سلم اور سلام کے الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔ قرآن مجید کی عربی زبان میں بھی سلم، سلام اور اسلام کا مفہوم و معنی یہی ہے اسلام کا اصل مقصد اور ہدف امن و سلامتی کی فضا میں سکھ چین کی زندگی کا پیغام ہے، جہاد و قتال تو حسب موقع اور حسب ضرورت ہے جس کے لئے اہل ایمان کو ہر وقت آمادہ و تیار رہنے کی تلقین ہے مگر دوران جہاد و قتال بھی اگر دشمن امن و سلامتی کے طالب ہو

اوراسلام کی اس اصل راہ کی طرف مائل ہو جائے تو حکم ربانی یہی ہے کہ اہل ایمان کو بھی اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے امن وسلامتی کا پیغام قبول کر لینا چاہئے۔

﴿وان جنحو السلم فاجنح لها و توكل على الله﴾

'' اگر وہ امن کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی امن کی طرف مائل ہو جایئے اور توکل اپنے اللہ پر ہی کیجئے''۔

حدتو یہ ہے کہ اہل ایمان تو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتے وقت بھی امن و سلامتی کو ہی اپنا ورد زبان بناتے ہیں' بیدار ہو تو دوسروں کو السلام وعلیکم (تم پر امن وسلامتی ہو) کہے آئے تو سلام کہے جائے تو سلام کی دعا کرے' پانچ وقت کی نماز کے بعد تو ہر مسلمان کی زبان پر یہی پیغام امن و سلامتی رواں ہو جاتا ہے کہ:۔اے میرے اللہ! تو سراپا سلام ہے۔امن سلام کا سرچشمہ تو تو ہی ہے' سلامتی کا مرکز تو تو ہی ہے' ہمیں امن وسلامتی سے زندہ رکھ اور مرنے کے بعد بھی امن وسلامتی والی جنت عطا فرما! پیغمبر اسلام ﷺ نے تو امن وسلامتی کی خاطر عمرہ اور زیارت بیت اللہ کئے بغیر لوٹ جانا بھی قبول کر لیا تھا اور حدیبیہ کے مقام پر معاہدۂ صلح ہو جانے بعد عمرے کے احرام کھولنے اور مدینہ منورہ لوٹ جانے کا حکم دے دیا تھا حدیبیہ کا یہی معاہدہ امن تھا جو پرامن طور پر فتح مکہ پر منتج ہوا تھا اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیرنگیں آ گیا تھا۔سیرت طیبہ کا یہ تاریخی واقعہ دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جو بات امن وسلامتی میں ہے وہ جنگ وجدل میں کہاں۔اس دنیا کو جنگ سے نہیں بلکہ پیغام امن وسلامتی اور پرامن جدوجہد سے سنوارا اور راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے آپ نے حلف الفضول یعنی فضیلت والوں کا عہد نامہ تو سن ہی رکھا ہے۔دراصل یہ وہ معاہدہ امن وانصاف تھا جو طلوع اسلام سے پہلے دو مرتبہ عمل میں آیا تھا۔قبیلہ جرھم جو حضرت ھاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور قریش کی آمد سے پہلے وادئ بطحا میں آباد ہو گئے تھے۔اس قبیلے کے چند سرداروں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ امن وسلامتی کی خاطر ظالم کا پنجہ مروڑیں گے' مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظلم کا خاتمہ کریں گے۔اتفاق سے ان سب سرداروں کے نام فضل یا فضیل تھے' فضل کی

جمع فضول آتی ہے۔ یوں یہ معاہدہ ''حلف الفضول'' قرار پایا اور مشہور ہوا۔ پھر کئی صدیاں بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے تقریباً بیس سال قبل اس معاہدہ کی تجدید ہوئی' تجدید کے محرک اول اور سرگرم رہنما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ معاہدہ بھی جب مظلوم کی مدد و حمایت اور ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے تھا لہٰذا اسے بھی پرانے معاہدہ یعنی حلف الفضول کے مماثل ومترادف ہونے کے باعث یہی نام دیا گیا اس معاہدہ کے طفیل وادیٔ بطحا امن کا گہوارہ بن گئی' جس پر فخر کرتے ہوئے زبیر بن عبدالمطلب نے یہ شعر کہے تھے۔

أن الفضول تعاهدوا و تعاقدوا
الا یقیم ببطن مکة ظالم
امرٌ علیه تعاهدوا و تواثقوا
فالجار والمعتر فیهم سالم

''فضلوں نے یہ عہد و پیمان باندھا ہے کہ وادی مکہ میں اب ظالم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ یہی وہ معاملہ جس پر ان فضل نامی بزرگوں نے پختہ پیماں باندھا ہے کہ اب ان کے ہاں ہر پناہ لینے والا اور ہر نادار امن سے رہے گا۔''

اس تاریخی معاہدہ کی تجدید قریش کے معمر و معتبر سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر ہوئی تھی۔ جو حضرت ابوبکر صدیق کے قبیلے سے تھا۔ اس معاہدہ کی مجلس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بصد خوشی شرکت فرمائی تھی اور اس پر آپ کو فخر تھا ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا

'' لقد شهدت فی دار عبد الله بن جدعان حلفاً لو دعیت به فی الاسلام لاجبت
' تحالفوا ان ترد الفضول علی اهلها ولا یعز ظالم مظلوماً ''

''یعنی میں عبداللہ بن جدعان کے ہاں ایک معاہدہ میں حاضر ہوا تھا اگر اسلام میں مجھے ایسے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں لبیک کہوں گا' ان لوگوں نے عہد یہ کیا تھا کہ مال ان کے مالکوں کو لوٹانا ہوگا اور کوئی ظالم مظلوم کے ساتھ من مانی نہیں کر سکے گا۔''

تو سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ ظلم بھی ہو اور امن بھی قائم ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے مگر یہ دنیا ممکن سے اعراض کرتے ہوئے ناممکن کے پیچھے بھاگ رہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا زخموں سے نڈھال ہو، سینے ظلم سے چھلنی ہوں، قلب و جگر میں خنجر چھپے ہوں اور خون کی ندیاں بہہ رہی ہوں اور آپ اس سب زخم زخم مظلوم دنیا سے کہیں کہ وہ ظالموں، قاتلوں، لٹیروں اور انسان دشمن درندوں سے امن کے لئے معاہدہ صلح بھی کر لیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جعلی و مصنوعی مصلحت کو "**هدنة علی دخن و جماعة علی اقذاء**" (سلگتے ہوئے دھوئیں پر معاہدہ امن و مصالحت اور کدورتوں کی بنیاد پر اتحاد) قرار دیا ہے۔ اعتدال کا لفظ بھی عدل سے نکلا ہے جس طرح یہ نظام کائنات اعتدال اور توازن سے قائم اور دائم ہے جس دن اس اعتدال میں خلل پڑا اس دن کی شام قیامت کی شام ہوئی اسی طرح پرسکون انسانی زندگی اور قیام امن کا دارومدار بھی عدل و انصاف پر ہے، نظام عدل میں خلل واقع ہونے سے امن و سکون کا قیام ناممکن ہے۔ روئے زمین پر انسانیت تو خون کے آنسو رہی ہو اور مظلوموں کی آہوں نے آسمان سروں پر اٹھا رکھا ہو اور آپ امن کی فاختہ پکڑنے کی فکر میں ہوں "این خیال است و محال است و جنوں" سیرت النبی کا پیغام یہ ہے کہ تم عدل و انصاف کا نظام قائم کر دو دنیا میں امن و امان اور سکون و سلامتی خود بخود قائم ہو جائے گی۔"

۲۔ عالمی تجارت:

قیام امن کی سلگتی ہوئی آرزو کے بعد عصر حاضر کے انسان کو جس تازہ ترین آزمائش اور پرکشش فتنے کا سامنا ہے اسے یہود و ہنود اور اقبال کے الفاظ میں خدا کی اس بستی اور دنیائے انسانیت کو ایک تجارت گاہ یا دکان سمجھنے والے اہل مغرب نے سود خوری پوری طرح سے لطف اندوز ہونے کی خاطر عالمی تجارت کا نام دے رکھا ہے اور "عالمی تجارتی تنظیم" کے عنوان سے ایک نیا پرکشش استعماری جال تیار کر لیا ہے، جادوگری کے اس خطرناک مگر پرکشش کھیل کے لئے ایک شیطانی اصطلاح بھی گھڑ رکھی ہے جسے وہ سب سے زیادہ لاڈلی یا قابل ترجیح قوم کا نام دیتے ہیں۔ نئے عالمی استعمار کے اس شیطانی ہتھکنڈے کی خود یورپ اور امریکہ کا باضمیر اور باشعور انسان مخالفت کر رہا ہے، عالمی سامراجیوں کا اصل مقصد تو ایشیا اور افریقہ کی نام نہاد تیسری دنیا خصوصاً عالم اسلام کی معدنی دولت اور خام مال کو لوٹ کر اسے غلام بنانا ہے مگر خود

باہمی حسد، منافقت اور حریصانہ چپقلش سے بھی محفوظ رہنا ہے۔اس لئے ایک ''مشترکہ کمپنی'' بنائی گئی ہے اور اسے ''عالمی تجارتی تنظیم'' کا پرکشش نام دے دیا گیا ہے۔سود خور عالمی صیہونیت اور بنیا مہاراج کو اس کمپنی کے کارندے اور ایجنٹ کا رول دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کے راستے المناک زخم اور کشمیر کے رستے ہوئے پھوڑے کو بھول کر بھارت کے بنیا مہاراج کو اپنا سب سے زیادہ لاڈلا اور قابل ترجیح ملک'' تسلیم کرے اور اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے بے بیچارے عربوں پر دباؤ یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۷ء میں یہودی چیرہ دستیوں اور اپنے غضب شدہ علاقوں پر اسرائیلی قبضہ کو فراموش کر دیں اور اسرائیل کی صیہونی ریاست کو اپنا سب سے زیادہ لاڈلا اور قابل ترجیح لٹیرا تسلیم کریں تا کہ وہ ان کا خون نچوڑ کر انہیں آسانی سے کنگال بنا سکے۔ حال یہ ہے کہ بنیا مہاراج نے ایک طرف تو تقسیم برصغیر کے متفقہ ایجنڈے کو ٹھکرا کر دھوکے سے کشمیر پر غاصبانہ قبضے کا نیزہ پاکستان کے سینے میں چبھو رکھا ہے اور دوسری طرف مشرقی پاکستان کو عالمی قوتوں کو بھی شریک سازش کر کے فوجی قوت سے الگ کر چکا ہے اور اسے برصغیر کے مسلمانوں سے ایک ہزار سالہ غلامی کا انتقام اور نظریہ پاکستان کا ابطال بھی قرار دے چکا ہے جبکہ صیہونیت کے علمبردار فلسطینیوں کے مکان بلڈوز کر کے وہاں یہودی بستیاں آباد کر رہے ہیں وہ نہ ۱۹۶۷ء میں قبضہ میں آنے والے عرب علاقے خالی کر رہے ہیں اور نہ کلنٹن کی ضمانت کے ساتھ طے ہونے والے معاہدہ صلح کے مطابق فلسطینی ریاست کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں پھر مسلمانوں کے لئے زبردستی بنائے گئے دونوں لاڈلے۔ بھارت اور اسرائیل ......اقوام متحدہ کی قراردادوں اور فیصلوں کی مٹی بھی پلید کر رہے ہیں اس صورت حال میں بھی مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ قیام امن کے لئے سر تسلیم خم کرو اور ساتھ ہی ان دونوں لاڈلوں سے تجارت بھی کرو اور وہ بھی ترجیحی بنیادوں پر!

حقیقت واقعی یہ ہے کہ ڈسٹ سٹارم کے بعد جہاں عرب تیل امریکہ کی مٹھی میں آ گیا ہے وہاں پوری عرب دنیا بھی اس کے زیر دام آ چکی ہے۔ دوسری طرف عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے اسلامی دنیا کو قرضوں اور سود خوری کی بیڑیاں پہنا دی ہیں اب نیا عالمی استعمار عرب اور اسلامی دنیا کی دولت کا استحصال کر کے اسے غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ کر بھوک سے مارنا چاہتا ہے۔ اس سامراجی استحصال کو

عالمی تجارت کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ عالمی تجارت نہیں بلکہ استحصالی نشتر ہے جس سے قرضہ اور سود میں جکڑے ہوئے مسلمان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنا نئے عالمی سامراج کا اصل مقصد ہے! تجارت تو وہ کرتا ہے جس کے پاس پیسہ ہو یا مال بیچ کر نفع کمانے کا امکان ہو یہاں تو مقروض مسلمان کے پاس سود ادا کرنے کے لئے بھی پیسہ نہیں وہ تجارت کیا کرے گا' اس کا تو خام مال یہ سود خور لے جائیں گے اس کو یہ کاروبار کیا دے گا جس طرح کسی زمانے میں برصغیر کے مقروض مسلمان کاشتکار کی ہر چیز حتیٰ کہ زمین بھی ہندو بنیا کے پاس گروی تھی اس لئے تمام پیداوار بنیا مہاراج بیاج میں سب کچھ لے جاتا اور مسلمان کسان بھوک مٹانے کے لئے اس سود خور سے اور مزید قرضہ اس کی منہ مانگی شرائط کے مطابق لینے پر مجبور ہو جاتا تھا اسی طرح آنے والے وقت میں یہ عالمی سود خور بھی مسلمان سے سب کچھ چھین کر لے جائیں گے اس لئے عالمی تجارت کیلئے مسلمان کے پاس تو رہے گا ہی کچھ نہیں گویا عالمی تجارت میں بھی ایک تکلف ہے جس کا مقصد بچا کچھا سمیٹنا ہے اصل تو وہ قرضوں پر سود کی شکل میں لے جا چکے ہیں۔

مسلمان کے لئے سیرت و تعلیمات نبوی کا پیغام یہ ہے کہ **"جعلت تسعة اعشار الرزق فی التجارة"** (نوے فی صد رزق تو تجارت میں ہے!) مگر افسوس یہ ہے کہ یہ امت سفید پوش بننے کے شوق میں اور تجارت کی مشقت اور موقع شناسی کی زحمت سے بچنے کے لئے نوکری' ٹوکری یا کھیت مزدوری پر قناعت کر بیٹھی۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت ہی کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ صداقت و امانت داری کے ساتھ ساتھ تجارت میں اصول پسندی کا بہترین نمونہ قائم کر دیا تھا آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: **"التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین"** (سچا اور دیانتدار تاجر تو حشر میں نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا) یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ تجارت کا نبوی طریق اہل مغرب نے اپنا لیا اور دنیا کا اعتماد کما کر اپنے کاروبار کو فروغ دیا لیکن ہم یا تو نوکری' ٹوکری اور کھیت مزدوری پر قناعت کر گئے بلکہ ان کاموں میں بھی سستی، کام چوری اور ہیرا پھیری کو شعار بنا لیا' جنھوں نے تجارت کو اپنایا وہ بھی تجارت کے نبوی طریق کو فراموش کر بیٹھے' ملاوٹ ہیر پھیر اور چالبازی ان کا شعار ٹھہرا۔ حد تو یہ ہے کہ قومی اور ملکی ضرورت کے لئے' ٹیکس کی ادائیگی کو ایک فریضہ ایک ذمہ داری اور کار خیر تصور کرنے کے بجائے ایک بوجھ

سمجھ کر ٹال مٹول اور ہیرا پھیری کو شعار بنالیا گیا۔ نبوی طریق تجارت سے محروم ہمارے یہ تاجر عالمی تجارت کے شہسوار یہودیوں' بنیا مہاراج اور خدا کی بستی کو دکان تجارت تصور کرنے والے اصول پسند یورپی اور امریکی تاجروں کا کیا مقابلہ کریں گے۔

عالمی تجارت کے علمبرداروں کے لئے سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ عالمی تجارت تو ایک نبوی ورثہ ہے جو مسلمان کا حق بھی ہے اور اس کا فریضہ بھی۔ عالم اسلام اس تجارت تعاون کو خوش آمدید کہتا ہے اور اس کے لئے بصمیم قلب پوری طرح تیار بھی ہے لیکن تجارت شروع کرنے سے پہلے لین دین کی منصفانہ فضا قائم کرنا ہوگی' سب سے پہلے مالیات کا استحصالی نظام ختم کرنا ہوگا۔ سودی کاروبار تجارت نہیں بلکہ ایک سنگدلانہ انسانیت سوز گناہ ہے انسان کا انسان کے ہاتھوں بدترین استحصال ہے' سودی نظام کاروبار نہیں ایک شیطانی انسان کا انسان کے ہاتھوں بدترین استحصال ہے۔ سودی نظام کاروبار نہیں ایک شیطانی چکر ہے۔ پرانے زمانوں کے سودخور اپنے لئے جواز پیش کرتے ہوئے کہتے تھے یہ تجارت بھی تو سود کی طرح کا ایک لین دین ہی ہے اگر تجارت روا ہے تو سودی کاروبار کیوں روا نہیں یہ عیار ذہنوں اور پتھر دلوں کی کٹ حجتی اور کج فہمی تھی آج کے سودخور یہودی بنیا اور ان کے پنجے میں گرفتار اہل مغرب کا استدلال بھی یہی ہے مگر قرآن کریم نے سیدھا سادہ جواب دیا ہے کہ یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سودخوری کی طرح کا کاروبار ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ سودخوری حرام ہے اور تجارت حلال ہے اس لئے عالمی تجارت کو تیسری اور خصوصاً اسلامی دنیا کے لئے قابل عمل اور نفع بخش بنانے کے لئے سودی نظام کا خاتمہ لازمی شرط ہے ورنہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تیسری دنیا کا غریب انسان قرضوں اور سود کا بوجھ بھی اٹھائے رکھے' عالمی سامراج کے سرپٹ دوڑنے والے استحصالی گھوڑوں کی دوڑ میں بھی شریک رہے' اس لئے سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ پہلے قرضوں کی معافی اور سودخوری کا خاتمہ پھر عالمی تجارت! اس کے بغیر تیسری دنیا کا انسان تو صرف استحصال کی چکی میں ہی پستا رہے گا' عالمی تجارت میں اس کا مفید' تعمیری اور پرعزم کردار ناممکن ہے۔

۳۔ عالمی میڈیا:

انسان جو کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے یا پڑھتا ہے اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے عملی

کردار کو اپنے رنگ میں ڈھالتا رہتا ہے عالمی میڈیا آج کے دور میں یہی کردار ادا کر رہا ہے۔ گویا عالمی میڈیا یا عالمی ذرائع ابلاغ کو بیک وقت معلم، مرشد اور کتاب کا کردار مل گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا (اخبار، رسائل اور کتاب وغیرہ) .... کا کردار اگرچہ محدود ہے مگر مؤثر دیرپا اور آسان یہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا (سکرین......ٹی وی اور سینما) بہت وسعت پذیر، زوردار اور بے حد متاثر کرنے والا ہے مگر کمپیوٹر نے تو سب کو مات کر دیا ہے، یہ درست ہے کہ ہمارا تمدنی دور حقیقت میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا دور ہے۔ اس کے توسط سے ایک قوم دوسری قوم کو اس کے گھروں بلکہ سونے کے کمروں میں بلا روک ٹوک گھس کر ذہنوں کو متاثر کر سکتی ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی آج کے مسلمان کو سیرت نبوی سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے تاکہ عصر حاضر کے اس سلگتے ہوئے مسئلے کا بہترین حل ہمارے سامنے آ سکے۔

مسلمان کے لئے سیرت وتعلیمات نبوی کا پیغام یہ ہے کہ علم وحکمت ایک ایسی دولت ہے جو مومن کی گم شدہ میراث کی حیثیت رکھتی ہے۔ دانائی اور معلومات کی دولت اسے جہاں سے میسر آئے اسے اپنی گم شدہ چیز سمجھ کر لے لینی چاہئے البتہ چھان پھٹک سے کام لینا ضروری ہوگا اور خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَرَ "(جو صاف ستھرا ہے، وہ پکڑ لو اور جو کدورت سے ملوث ہے اسے جانے دو) کے حکم نبوی پر عمل کرنا ہوگا یہ خبر رسانی اور پرچہ نویسی جس نے آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیا ابلاغیات یا ذرائع ابلاغ کی متنوع شکل اختیار کر لی ہے دراصل ایجاد ہی مسلمانوں کی ہے۔ تاریخ انسانی میں حضرت عمر بن خطاب نے اپنے مبارک دور میں اس کا آغاز کیا تھا۔ دور دراز کے شہروں اور مقامی آبادی کے ساتھ ساتھ حکومت کے احوال سے مکمل آگاہی کو ضروری سمجھا تھا اور مصدقہ خبر رسانی پر زور دیا تھا آگے چل کر یہی سلسلہ کی انواع واقسام بھی منقسم و تبدیل ہو گیا۔ میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے جو ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے مگر ساتھ ہی خطرناک اور نازک بھی ہے اس سلسلے کے طفیل ہماری اس وسیع دنیا نے ایک گلوبل ویلج یا گرائی بستی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بنیادی طور پر سیرت وتعلیمات نبوی کسی بھی انسانی معاشرے کی تخریب کے حق میں نہیں بلکہ تعمیری کردار کو اولیت حاصل ہے تاہم اگر معاملہ ہو جنگ یا دشمنی کا تو اس کا منہ توڑ جواب دینے کی تاکید ہے۔ چونکہ عالمی میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے ایک تباہ کن اسلحے کی شکل بھی اختیار کر لی ہے جس سے دشمنوں کے

گھروں میں پہنچ کران کے قلب ودماغ کو مسخر کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کا توڑ کرنا امت مسلمہ پر واجب ہو چکا ہے۔فرمان نبوی ہے: " الحرب خدعة " (کہ جنگ تو ہوشیاری سے کام لینا یا دشمن کو بیوقوف بنانے کا نام ہے)دشمن کے حالات کا سراغ لگانا اور خبر رسانی کرنا اسلام میں کتنا ضروری اور اہم ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ غزوات ومہمات کے دوران بعض مواقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی معیت میں یہ کام خود بھی بڑی احتیاط اور ہنرمندی سے انجام دیا۔ابلاغیات یا میڈیا کے ضمن میں سیرت نبوی سے حاصل ہونے والی رہنمائی مختصراً یوں ہے کہ

۱۔ خبر کی صحت اور تصدیق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' قرآن کریم میں کئی ایک جگہ اس کی تاکید فرمائی گئی ہے ۔ارشاد ہوتا ہے کہ:" اے ایمان والو! جب کوئی نا معلوم یا غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح چھان بین کرلیا کرو کہیں بعد میں نادم نہ ہونا پڑے (الحجرات)'اگر کسی عام آدمی کو کوئی خبر ملے تو اسے عام کرنے کے بجائے اپنے سے زیادہ صاحب علم وحکمت اور زیادہ سمجھدار لوگوں تک پہنچا دینا چاہئے تاکہ اس کی چھان بھٹک کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں ۔(نساء)

۲۔ معلومات دینے والا ذریعہ یا خبر رساں آدمی ثقہ ومعتبر ہو'اس کی ثقاہت ومعتبری کی ہر پہلو سے آزمائش اور چھان بین لازم ہے' ہمارے محدثین کرام نے راویت حدیث کو کرنے والوں کی آزمائش اور چھان پھٹک کرضمن میں جو محنت کی ہے اور اصول دیئے ہیں وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

۳۔ تخریبی میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی معاندانہ روش کا توڑ ضروری ہے اسی طرح مسلم کمیونٹی کا تحفظ بھی لازم ہے'غزوات اور مہمات کے ضمن میں حضور ﷺ نے ہر قسم کی تخریبی اطلاعات کے تبادلے کی موثر روک تھام کی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔

۴۔ ذمہ دارانہ مکمل طور پر آزادانہ اظہار رائے' جس سے تعمیر واصلاح مقصود ہو'اس کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔تعمیری تنقید بہترین رہنمائی کا کام دیتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:"رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا اَهْدىٰ اِلَيَّ عُيُوبِيْ" (اس بندے پر اللہ کی رحمت ہو جو مجھے میرے ناقص کاموں کی نشاندہی کی شکل میں تحفہ پیش کرے۔)

۵۔ ذرائع ابلاغ سے جو گمراہی اور تخریبی مقاصد کے لئے جو فحاشی پھیلائی جارہی ہے اسکی روک تھام کے لئے قرآنی احکام (سورۃ نساء) میں موجود ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے گمراہی اور فحاشی کے سیلاب کا تدارک امت کا فرض ہے۔

۴۔ غربت وافلاس کا خاتمہ:

ہمیشہ کی طرح آج کے انسان کا بھی ایک اہم مسئلہ اور بنیادی ضرورت بھوک اور افلاس سے نجات ہے اور اس بھوک اور افلاس کا بنیادی سبب ہمیشہ کی طرح آج بھی ایک ہی ہے اور وہ ہے وسائل رزق تک ہر انسان کی آزادانہ ویکساں رسائی میں رکاوٹ جو ایک محدود طبقہ افراد کی اجارہ داری میں رہتے ہیں' سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ یہ ہے کہ وسائل پیداوار تک رسائی کو محدود سے محدود تر کیا جائے' دولت کو اس طرح سمیٹا جائے کہ دوسروں کیلئے کچھ نہ بچے اور پھر اس دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں غریب اکثریت جائے بھاڑ میں۔اس کے برعکس کمیونزم کہتا ہے کہ سرمایہ دار سے سرمایہ چھین کر سب پر برابر تقسیم کر دیا جائے۔کوئی مالک نہ ہو سب کی ضرورت پوری ہو' بے رحم سرمایہ داری یہ نہیں بتاتی کہ اس کے پاس غریب اکثریت کو بھوکوں مارتے ہوئے اپنی خود غرضی اور سنگدلانہ استحصال کا قانونی واخلاقی جواز کیا ہے جبکہ کمیونزم یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس کے پاس سرمایہ دار سے سرمایہ چھین لینے کا لائسنس کہاں سے آیا؟ ایک مرتبہ تو سرمایہ چھین کر بانٹ دیا مگر پھر حسب ضرورت چھیننے اور بانٹنے کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے گا' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں آجاتی ہے اور ایک جگہ جم جاتی ہے باقی محروم اکثریت جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے اسی طرح کمیونزم میں بظاہر بیکاری تو ختم ہو جاتی ہے مگر بے عملی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ دل لگا کر محنت و جانفشانی سے ''کامریڈ صاحب'' کو دلچسپی نہیں رہتی بلکہ کام سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں سیرت وتعلیمات نبوی کا پیش کردہ نظام اقتصادیات اعتدال اور انسانی ہمدردی' (جسے ایثار وانفاق کا نام دیا گیا ہے) کے اصول پر قائم ہے' وسائل رزق تک رسائی سب کا مساویانہ حق ہے' اور ''اتھارٹی'' کا فرض ہے کہ وسائل تک رسائی کے مساویانہ حق کو یقینی بنائے۔قرآن کریم وسائل

رزق اور دولت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل قرار دیتا ہے جس کی تلاش سب کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے' اس پر اجارہ داری یا رکاوٹ قانون اور اخلاق سے ماوراء ہے۔ دولتمند اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی امانت سمجھ کر اس میں بخل نہ کریں اور اسراف سے بچیں' اس کے ساتھ ہی دولت کو وراثت' زکوٰۃ' صدقات' خیرات اور ٹیکسز کے ذریعے تقسیم ہو کر معاشرے میں گردش کرتے رہنا چاہئے اسے جمنے نہ دیا جائے اسی تنگ دست اور محروم کو شریک کیا جائے مثلاً محروم اور نادار کو یہ حکم ہے کہ اپنے خون پسینے کی کمائی ہی بہترین رزق ہے' کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے' لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ افضل ہے۔ بہر حال دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ ہر فرد کو مفید شہری اور رکن معاشرہ بنانے کیلئے اسے وسائل رزق میں شرکت کے مواقع فراہم کئے جائیں' ہر شہری جانفشانی سے محنت کرے اور حسن عمل میں اپنا خون جگر صرف کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی فرد بھی بھوکا نہ سوئے' ورنہ تمام معاشرہ گنہگار ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔ امام ابن حزمؒ کا کہنا ہے کہ اگر کسی بستی میں کوئی بھوک سے مر جائے تو پوری بستی مجرم ہے اور اس کا خون سب کی گردن پر ہے۔ سورۂ بلد کی آیات بینات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے لئے ابنائے جنس کے حوالے سے جو مشن اور فریضہ سونپا ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کو بھوک اور غلامی سے تحفظ فراہم کیا جائے ہر فرد کا یہ مشن ہے کہ وہ دوسرے کی آزادی اور افلاس کا علاج کرے' اپنے بھائی کا لقمہ چھیننا نہیں بلکہ اپنا لقمہ بھی اسے دے دینا ہے' یہی ہے اسلام کا جذبہ ایثار اور فریضہ انفاق' ہر انسان اگر مان لے تو یہ دنیا بھی جنت بن سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ وسیع وعریض سرزمین جو اب گلوبل ویلج بھی ہے اور جو بحر و بر کے بے حد وحساب وسائل رزق پر مشتمل ہے۔ اس میں قادر ورازق نے اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کی گنجائش رکھی ہے۔ مصادر و وسائل رزق کی کمی نہیں اصل بیماری حرص اور خود غرضی ہے وسائل رزق پر چند افراد اور مخصوص اقوام قبضہ کر کے اسے اپنے لئے مختص کئے ہوئے ہیں خود بدہضمی سے مر رہے ہیں اور دوسروں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بے انصافی ختم کرنے کے لئے اسلام کا منصفانہ ومعتدل اقتصادی لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے' یہی اس مسئلے کا صحیح حل ہے۔

۵۔ پرسکون زندگی کی تلاش:

عزت وآرام کی پرسکون زندگی ہر انسان کی آرزو ہی نہیں ضرورت بھی ہے۔ گذشتہ سطور میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر قیام عدل سے دنیا میں امن قائم ہو جائے' اظہار رائے کی مکمل آزادی کے ساتھ علم و معلومات پر ہر انسان کا حق مان لیا جائے' ذرائع ابلاغ تخریب کے بجائے تعمیر کو اپنا شعار بنالیں اور فقر و افلاس سے انسانیت کو نجات مل جائے تو عزت وآرام کے ساتھ پرسکون زندگی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی سنوار سکتا ہے' لیکن اس ضمن میں جو اہم اور مناسب سوال سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جس پر سکون زندگی کے ہم متلاشی ہیں اس زندگی کا حقیقی مقصد پر کھا؟ کیا انسان اس لئے پیدا ہوا ہے۔ کہ زندگی بھر تفکرات اور پریشانیوں میں مبتلا رہے اور وقت کی گردشوں کے تھپیڑے کھاتا پھرے' مصائب کے پہاڑ برداشت کرے اور غم والم کی بھٹی میں خود کو پگھلاتا رہے؟ یا کیا ہم دنیا میں صرف عیش وآرام کے لئے آتے ہیں۔ زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہونا چاہئیں' غم کا نام ونشان بھی نہ ہو۔ بس کھانا پینا' ہنسنا کھیلنا' سونا اور بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے مقولے پر عمل پیرا ہونا ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے آپ سے ایک اور سوال پوچھنا ہے کہ کیا آپ نے کبھی اس دنیائے دوں میں کوئی امیر یا غریب انسان ایسا دیکھا ہے جو ہمیشہ ہر لحاظ سے خوش اور بے فکر ہے؟ غموں اور دکھوں سے انسان کا بیزار ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن یہ کیا کہ ہر طرف خوشی وآرام کا سامان ہے' پھلوں پھولوں سے لہلہاتے مہکتے باغات ہیں مگر یہاں سب اس یکسانیت کے ماحول سے انسان اکتا جاتے ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ اس دنیا میں ابن آدم کو کسی کل بھی چین نہیں حتی کہ ایک عرب شاعر کو یہ کہنا پڑا کہ:

كُلُّ مَنْ اَلْقَاهُ يَشْكُو لِلزَّمَنْ

لَيْتَ شِعْرِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لِمَنْ ؟

''میں جس سے بھی ملتا ہوں زمانے کی شکایت کرتا ہے' میری سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ دنیا ہے کس کے لئے ؟

یہ سب کچھ نتیجہ ہے مقصد زندگی کو نہ سمجھنے کا' قرآنی نقطہ ءنظر سے یہ دنیا دراصل انسان کا اصل گھر ہی نہیں ہے۔

انسان یہاں اجنبی ہے اور عارضی زندگی گذار رہا ہے' یہ دنیا تو اس کے لئے ایک عارضی پڑاؤ کی جگہ اور وقتی سامان (مستقر و متاع الی حین) ہے ظاہر ہے جو نقل کو اصلی اور غربت کدے کو مستقل وطن سمجھ بیٹھے گا اس کا تو یہی حشر ہوگا۔ اسی لئے تو قرآن کریم دنیا کی خوشی اور غم دونوں کو بے حقیقت قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کر دے:

﴿ لِكَيْلَا تَاسفَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُم ﴾ (تا کہ تم کچھ کھو جانے پر غم سے نڈھال نہ ہو اور جو کچھ اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر خوشی سے اترانے اور اکڑنے کی ضرورت نہیں)

تو پھر اس زندگی کا مقصد کیا ہے اس کا جواب سیرت و تعلیمات نبوی سے ملتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا یہ سلسلہ اس لئے بنایا ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس آزمائش کے میدان میں حسن عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ﴿ خَلَقَ الموتَ وَالْحَيَاةَلِيَبْلُوَكُمْ ' اَيُّكُمْ اَحسَنُ عَمَلاً ﴾ یہ دنیا تو میدان عمل اور مقام آزمائش ہے: ''الدنیا مزرعة الآخرة'' (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی سے نکل رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لا رہے تھے پوچھا کیا کر رہے تھے تو عرض کیا کہ نماز پڑھی ہے اب بازار کی طرف جاؤں گا کہ اپنے اور اہل وعیال کے لئے کچھ کما سکوں' اس موقع پر آپ نے مجھے نصیحت کے انداز میں فرمایا اس دنیا میں اجنبی بن کر رہو بلکہ راہ چلتا مسافر بن کر رہو' اپنی دنیا کے لئے یوں محنت کرو' جیسے تم نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لئے یوں کام کرو جیسے تم نے کل ہی مر جانا ہے۔

تو یہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان توازن اور اعتدال کی زندگی جہاں اصل کام حسن عمل کا مظاہرہ کرنا ہے۔ دنیا کے لئے خون جگر صرف کر کے دل لگا کر یوں محنت کیجئے جیسے آپ نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تب محنت میں لطف آئے گا اور کام پر محنت کا رنگ بھی نظر آئے گا اور جب آخرت کے لئے کام کرنا ہو تو یہ تصور کر کے مصلے پر کھڑے ہوں کہ شاید یہ میری آخری نماز ہے' تب اللہ بھی نماز میں یاد آئے گا اور نماز میں بھی لطف آئے گا' آپ نے حسن عمل کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جہاں بھی ہوں' چھوٹے بڑے منصب پر ہوں' کہیں بھی ہوں' کام یوں کریں تا کہ کہا جائے کہ کام ہو تو ایسا ہو' یہی وہ پرسکون زندگی ہے جس میں آرام کی نیند سونا نصیب ہوتا ہے۔ اور خوشی و اطمینان کی حقیقی دولت میسر آتی ہے۔

عصر حاضر کے مسائل کا سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ

پروفیسر میاں عبدالمجید *

دور حاضر میں دنیا مادی لحاظ سے ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر رہی ہے صنعتی لحاظ سے بام عروج تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو تشویشناک اور ہولناک مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں عقائد کے مسائل اخلاقی، روحانی اور فکری مسائل، اقتصادی مسائل سیاسی مسائل اور سماجی وثقافتی مسائل ہیں۔ کیا ان مسائل کو سیرت رحمت للعالمین کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے اگر ہم آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے وقت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو قرآن مجید اس دور کے حالات کی ان الفاظ میں تصویر پیش کرتا ہے۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس (۱)

(بحر و بر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے فساد برپا ہو چکا ہے)

اس طرح اس دور کی تصویر حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ میں نجاشی کے دربار میں کھینچی ''اے بادشاہ ہم لوگ جاہل تھے بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کا کام کرتے تھے، قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسولؐ بھیجا، جس کے حسب ونسب کو ہم جانتے تھے، اس کی دیانت اور امانت کو ہم جانتے تھے، اس نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا، اس نے ہمیں سچائی کا حکم دیا، برائی سے روکا ہے، اس نے ہمیں نماز کا حکم دیا، صدقہ کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، تو ساری قوم ہمارے خلاف ہوگئی۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو عقائد و اخلاق اور ذہن و فکر کی اصلاح و تطہیر کی۔ آپؐ کے فرائض منصبی میں تبلیغ رسالت کے ساتھ تربیت و تزکیہ بھی تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ، ملتان

۱۔ الروم: ۴۱

۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ۱: ۵۸

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانو امن قبل لفی ضلال مبین (۳)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تو اس میں سے ایک خاص صفت تزکیہ کا ذکر فرمایا۔

ربنا و ابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم ایاتک و یعلمهم الکتاب و الحکمة ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم (۴)

تزکیہ جو مقاصد نبوت میں سے ہے اس کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل آیت سے ہوتا ہے

قد افلح من زکاها و قد خاب من دسها (۵)

(جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا وہ ناکام ہوا جس نے ان کو خراب کیا)۔

گویا دنیا و آخرت کی فلاح ہی تزکیہ اختیار کرنے میں ہے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کا اس طرح تزکیہ کیا کہ لوگ اندورنی طور پر درست ہو گئے اور ایمان لانے کے بعد پھرتے نہیں تھے، صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو خط بھیجا تو ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا کوئی مسلمان ایمان لا کر دین چھوڑتا بھی ہے تو اس نے کہا ایسا نہیں ہے۔ تو ہرقل نے کہا

"کذلک الایمان اذا دخل بشاشة القلوب"

برائیوں کے مواقع کے باوجود مسلمان برائیوں سے بچتے تھے، حضرت ابومرثد غنویؓ کو تنھائی میں جاہلیت کے زمانے میں تعلق رکھنے والی عورت عناق نے برائی کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا کہ اب ایمان نے اندر سے نقشہ بدل دیا ہے اس طرح حضرت ماعز اسلمی نے تنہائی میں برائی کی تو آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا کہ مجھے آخرت کی سزا سے بچانے کے لیے دنیا میں سزا دے دیں۔ اسی طرح ایک غامدیہ عورت نے آ کر اعتراف کیا جس کی توبہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۳۔ الجمعہ۲

۴۔ البقرہ ۱۲۹

۵۔ الشمس: ۹-۱۰

لقدتابت توبة لو قسمت علی سبعین من اھل المدینہ لو سعتھم۔

تاریخ عالم میں اسکی مثال نہیں ملتی کہ انسان تنہائی میں جرم کر کے اپنے جرم کا اعتراف کرے تا کہ اس کو سزا دی جائے تمام افراد کو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تیار فرمایا جن کے باطن کی اصلاح ہو چکی تھی، رسول اللہ ﷺ کے پورے دورِ مبارک میں چند لوگوں کو سزائیں دی گئی ہر طرف امن تھا، خوش حالی تھی، زکوۃ لینے والا کوئی باقی نہ تھا، حضرت عدی کی مشہور حدیث میں اس کے متعلق معلومات ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تین پیش گوئیاں جو آپ نے فرمائیں وہ پوری ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکمل انقلاب برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی آپ ؐ نے ہر قسم کے نسلی امتیاز کو ختم کیا، ہر مسلمان کا مقام دوسرے کے برابر ہے، حسب ونسب، برادری، قوت جاہ وحشم کے امتیازات کو اس طرح ختم کیا،

ان اکر مکم عنداللہ اتقاکم (۶)

قبائل اور خاندانوں کے وجود کا مقصد تعارف فرمایا:۔

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعو باً و قبائل لتعارفوا (۷)

بے شک آپ میں اللہ کے ہاں وہ زیادہ صاحب تکریم ہے جو زیادہ متقی ہے

رحمت کائنات کا پیش کردہ دین اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے جس کی تعلیمات علاقائی، قومی اور نسلی امتیازات سے بالاتر ہیں۔آپ ؐ نے ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جو مطلق العنان، سرکش اور ظالم و جابر نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتا تھا، نبی کائنات ؐ نے قوانین پر عمل کرانے کیلئے لوگوں پر دباؤ اور جبر سے کام نہیں لیا بلکہ انکو ذہنی اور فکری لحاظ سے اس طرح تیار کیا، کہ وہ خود تعلیمات اسلام پر عمل کریں اور فرد اور معاشرہ خود اپنا محاسب ہو، آپ ؐ نے اس دور کے لحاظ سے تمام مسائل زندگی کو احسن طریقے سے حل فرمایا اور ایک بہترین معاشرہ قائم کیا جس میں ہر ایک فرد کا مقام و مرتبہ متعین تھا،

آپ ؐ نے صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا کیلئے ھدایت کی ایسی

۶۔ الحجرات: ۱۳

۷۔ الحجرات: ۱۳

مشعل روشن کی جس کی روشنی قیامت تک لوگوں کی راہنمائی کرتی رہے گی۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے چند مسائل اور انکا سیرت نبوی کی روشنی میں حل پر گفتگو کی جائے۔

اخلاقی وروحانی اورفکری مسائل:

اس وقت دنیا میں توحید سے دوری ہے اور شرک عام ہے اسی طرح بے پردگی کو ترقی کا باعث سمجھا جاتا ہے اخلاقی قدریں ناپید ہو چکی ہیں اولاد والدین سے لاتعلق ہے اسی طرح تعلیمی لحاظ سے بھی انحطاط ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اصلاح عقیدہ پر بہت زور دیا ہے عقیدہ پختہ اور مستحکم ہونا ضروری ہے۔

ان الذین قالو اربنا اللہ ثم استقاموا فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون' اولئک اصحاب الجنۃ خالدین فیھا جزاء بما کانوا یعلمون (۸)

(بلاشبہ جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر جم گئے انکے لیے نہ خوف ہوگا نہ غم ہوگا یہی لوگ جنت میں جانے والے ہیں۔جہاں وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے۔)

اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

قل آمنت باللہ ثم استقم (۹)

(کہہ دیجیئے میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم رہ)

بعض لوگ تو مذہب کو اہمیت دیتے ہی نہیں اس کو محض پرائیویٹ معاملہ سمجھتے ہیں اور بعض جو دین کا رجحان رکھتے ہیں انکے عقیدہ میں خرابی ہے حالانکہ توحید اسلام کی امتیازی علامت ہے۔توحید نے تمام فرضی خداؤں سے ان کو آزاد کیا' صرف اللہ کی ذات کمالات سے متصف ہے

عقیدہ توحید انسان کو عزت نفس بہادری' آزادی اور اطمینان قلب عطا کرتا ہے بلکہ اللہ سے تعلق اور ذکر اطمینان قلب کا باعث ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۰)

۸۔ الاحقاف: ۱۳-۱۴

۹۔ احمد بن حنبل، المسند، (القاہرہ) :۳/۴۱۳

۱۰۔ الرعد: ۲۸

(اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)

موجودہ دور میں عقیدہ توحید پر صحیح ایمان لانے سے انسان بہت سے مصائب اور پریشانیوں سے نجات پا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی بے راہ روی کی اصلاح کی بلکہ آپؐ نے اس انسان کی تعریف کی جو اس صفت کا حامل ہو فرمایا

اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقا (١١)

(مومنوں میں سے کامل الایمان وہ ہے جو بہترین اخلاق کا حامل ہو۔)

آپؐ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اخلاق کی بہتری کی دعا فرماتے

اللهم اهدنی لاحسن الاخلاق لایهدی لاحسنها ا لاانت و اصرف عني سيئها لا يصرف عنی سيئها الا انت (١٢)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین اخلاق کا عملی نمونہ ملتا ہے آپؐ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہا نہ کبھی کسی کو ڈانٹا بلکہ خادم رسول حضرت انسؓ نے فرمایا اگر کبھی میں کوئی کام نہ کرتا تو کبھی رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہ ڈانٹا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متعلق فرمایا:۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم (١٣)

آپ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرام کے اخلاق کی وجہ سے دنیا میں اسلام پھیلا اس دور میں بھی ہمارے لیے یہ ضروری ہے ارشاد نبویؐ ہے۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الاو هی القلب (١٤)

آج ہماری ہی نہیں بلکہ دنیا کی اصلاح کیلئے بھی اخلاق کی اصلاح ضروری ہے اولاد کی بہترین

١١۔ احمد المسند ٢: ٥٠

١٢۔ مسلم الجامع الصحیح ٢: ٢٢٨ باب صلاۃ النبیؐ ودعاءہ باللیل

١٣۔ القلم: ٤

١٤۔ خطیب تبریزی مشکاۃ المصابیح باب طلب کسب الحلال

تربیت ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا (۱۵)

اسی طرح اولاد کا خیال رکھنے کیلئے والدین کو حکم دیا:

لاتقتلوا اولاد کم خشیة املاق نحن نرزقھم وایا کم ان قتلھم کان خطا کبیرا(۱۶)

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے اسلام کی ابتدا ہی تعلیم وتدریس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اقرأ کا سبق دیکر مبعوث فرمایا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من علق. اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم(۱۷)

آپ کی پوری زندگی علم کو پھیلانے میں گزری آپؐ نے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی فرمایا:

من یرداللہ به خیراً یفقھه فی الدین (۱۸)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے

ومن یوت الحکمة فقداوتی خیر کثیراً (۱۹)

اور فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۲۰)

۱۵۔ الاسراء: ۲۳

۱۶۔ الاسراء: ۳۱

۱۷۔ العلق: ۱۔۵

۱۸۔ ابن ماجہ۔ سنن حدیث نمبر ۲۰۰۸ ، (مکتبہ دول الخلیج الریاض)

۱۹۔ البقرہ: ۲۶۹

۲۰۔ فاطر: ۲۸

آپ ؐ نے اپنی عملی زندگی سے صحابہ کرام کو علماء کے آداب و احترام کا سبق دیا' موجودہ دور میں ہماری ترقی کا باعث علم کا حصول ہی ہے

سیاسی مسائل:

سیاسی مسائل میں اس وقت دنیا میں بدامنی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر ہر قسم کے ظلم روا رکھتی ہیں عدل وانصاف کا حصول بھی ناممکن ہے۔

رسول اللہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو ارشاد فرمایا اگر اس کو سامنے رکھا جائے تو اس سے عزت، جان و مال کی حفاظت اور امن وامان کے معاملے میں بہت رہنمائی ملتی ہے فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یو مکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا (۲۱)

(بلاشبہ آپ کا خون آپ کا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے)۔

اس دور میں انسانی قتل کی کوئی حیثیت نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے بے گناہ قتل کرنا ناجائز قرار دیا بلکہ قرآن نے تو قصاص لینے کو زندگی قرار دیا ہے۔

اس وقت دنیا کی بدامنی رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے دوری کا نتیجہ ہے طاقتور کمزور کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر جو چاہیں ظلم کرتی ہیں اسلام صاحب اقتدار لوگوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:۔

لوگو میں تمہارا والی مقرر کیا گیا ہوں میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں بہتر کام کروں تو میری مدد کرنا اگر غلط کام کروں تو درست کر دینا' تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور تم میں سے جو قوی ہے میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے کمزور کا حق لے لوں۔

۲۱۔ ابن ماجہ۔ السنن (دینی کتب خانہ) لاہور ۲: ۲۶۸ باب حرمۃ دم المؤمنین

میری اس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ (۲۲)

حکمران اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کو امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا ارشاد فرمایا:۔

كلكم راع و كلكم مسؤل عن رعيته

بلکہ ارشاد فرمایا:۔

من جعل قاضيا فقد ذبح بغير سكين

رسول اللہ ﷺ خود اس بات کا خیال رکھتے کہ امن وامان کی کیا صورت حال ہے آپؐ نے ایسے لوگ مقرر کیے جو چل پھر کر لوگوں کے حالات کا پتہ چلاتے اور مجرموں کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے۔ رسول اللہ ﷺ روزانہ خود بھی معلوم کر کے فیصلہ فرماتے۔

عدل وانصاف کا نظام قائم کیا قریش کی عورت فاطمہ کے چوری کرنے کا واقعہ معروف ہے آپؐ کو سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ چوری کر لیتی تو میں اسکا ہاتھ کاٹ دیتا'' حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ اور دیگر خلفاء کے زمانے میں اس عمل کو جاری رکھا گیا۔

مسلمان حکومتوں کا آپس میں اتحاد اتفاق بہت ضروری ہے اس کے متعلق ایک مسلمان مفکر نے کہا تھا۔ ''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے'' لہٰذا قدرتی طور سے حضورؐ اپنی امت کو آج بھی یہی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین فرمائیں گے۔ جس طرح حضورؐ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہوا تھا۔

آپؐ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد واتفاق اپنے اندر

۲۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳:۱۲۹

ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے بلاشبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے مگر پندرھویں صدی قرآئن کی رو سے امید افزا صدی ہے یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیان مرصوص بنالیں۔(۲۳)

میثاق مدینہ کی سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت ہے اس معاہدہ میں رسول اللہ نے یہود کو شامل کیا۔ یہود کی قوم مغضوب علیھم انبیاء کرام کی نافرمان ٹھہری اس نے ہٹ دھرمی سے انبیاء کرام کی تعلیمات کو جھٹلایا اس معاہدہ میں مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا رسول اللہ ﷺ کو تمام معاملات میں فیصل مانا گیا یہود کے علاوہ دیگر قبائل بھی اس میں شامل تھے تمام چیزوں کو تحریر میں لایا گیا سب لوگوں کو اس میں مذہبی آزادی تھی آپس میں بہترین تعلقات رکھنے کی تاکید تھی مدینہ منورہ کی حفاظت کا عزم تھا۔(۲۴)

اس معاہدے سے بہت ہی فوائد ہوئے ظاہری طور پر کچھ عرصے کیلئے مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا اگرچہ یہودی ہمیشہ ہی شرارتیں کرتے رہے پھر ان کا ہر ایک قبیلہ اپنی حرکات کی وجہ سے باری باری اپنے انجام کو پہنچ گیا۔(۲۵)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے مطابق جائزہ لے کر انسان دشمنوں سے صلح کر سکتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کمال حوصلے اور عالی ظرفی کا مظاہرہ فرمایا: اس کی تمام شرائط مسلمانوں کے خلاف نظر آتی تھی اور ان سے توہین کا پہلو نظر آتا ہے لیکن رسول اللہ نے یہ معاہدہ کیا۔ حالات نے ثابت کیا کہ یہ صلح مسلمانوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوئی ہر ایک شق جو نقصان دہ معلوم ہوتی تھی مسلمانوں کیلئے اس کا فائدہ ہوا یہ معاہدہ دس سال کیلئے تھا اسی دور میں دعوت اسلام کا مسلمانوں کو موقع ملا۔ تمام بادشاہوں کی طرف اطمینان کے ساتھ خطوط لکھے گئے جن میں سے بعض کو اللہ تعالی نے اسلام قبول

۲۳۔ سید عبداللہ، عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام، فکر و نظر، اگست ۱۹۸۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص ۷

۲۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ الوثائق السیاسیۃ لعھد النبوی الی و خلافۃ الراشدہ، دار النفائس بیروت ۱۹۸۹، ص ۵۷۔۶۲ ۲۵۔

۲۵۔ تفصیلات کتب سیرت و حدیث میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔(۲۶)

اس صلح کے درمیان ہی رسول اللہ نے ہرقل کو خط لکھا جب خط پہنچا تو ابوسفیان بن حرب جو وہاں گئے تھے ابوسفیان کو ہرقل نے بلا کر بعض سوالات کیے جن کے جوابات سن کر اس نے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔(۲۷)

اس صلح کی بنا پر قبیلہ بنوخزاعہ مسلمانوں کا حلیف بنا جس پر قریش کی زیادتی کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور جس کے نتیجے میں مکہ فتح ہو گیا قرآن مجید نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

انا فتحنا لک فتحا مبیناً (۲۸)

اقتصادی مسائل

اقوام عالم کو سودی نظام نے بری طرح سے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو سود کی وجہ سے اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں جائز و ناجائز کی حدود اسلام نے مقرر کی ہیں، مسلمان ممالک بھی عام طور پر اس سے بری نہیں طلب رزق حلال کی قرآن و حدیث نے بار بار تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا: ارشاد ربانی ہے۔

یاایھاالذین امنوا لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الاان تکون تجارة عن تراض منکم(۲۹)

اسی طرح سود کی حرمت کے متعلق فرمایا: **یاایھا الذین امنوا لا تا کلو الربوا اضعافا مضا عفة و اتقوا اللہ لعلکم تفلحوز (۳۰)**

۲۶۔ مکمل تفصیل کتب تفاسیر زیر آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ اور کتب سیرت و تاریخ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں بطور مثال دیکھیں طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری مطبوعہ بیروت ۱۰۲-۹۱

۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدالوحی الی رسول اللہ

۲۸۔ الفتح: ۱

۲۹۔ النساء: ۲۹

۳۰۔ آل عمران: ۵۱

بلکہ سود نہ چھوڑنے کو اللہ و رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہونا فرمایا:

فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ (۳۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس جرم عظیم کے بارے میں فرمایا سود کے گناہ کی ستر سے زیادہ قسمیں ہیں کم از کم یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقی ماں سے نکاح کرے۔(۳۲)

سود کو آپؐ نے ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا کیونکہ غریب لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے مال و دولت کی منصفانہ تقسیم کو ضروری قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ بتائی۔

کی لا یکون دولة بین الا غنیاء منکم(۳۳)

(دولت صرف غنی لوگوں میں گردش نہ کرتی رہے)۔

امراء کو غرباء کا بھائی قرار دیا انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی اسے کار ثواب بتایا بلکہ حکم دیا کہ ان سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے مالوں کو پاک کریں۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا۔

خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا (۳۴)

گویا امراء کی دولت سے زکوٰۃ کی وصولی ان پر احسان ہے۔ یہ بھی فرمایا۔

فی اموالھم حق معلوم للسائل و المحروم (۳۵)

سماجی مسائل

غربت اس دور کا بہت بڑا مسئلہ ہے اس دور میں دنیا میں اور خاص کر پاکستان میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

کادالفقران یکون کفراً(۳۶)

۳۱۔ البقرہ: ۲۷۹

۳۲۔ ابن ماجہ، السنن حدیث نمبر ۲۲۷۴،

۳۳۔ الحشر: ۷

۳۴۔ التوبہ: ۱۰۳

۳۵۔ المعارج ۲۴-۲۵

۳۶۔ مشکوٰۃ المصابیح، اس کی مذکورہ تشریح کے لئے دیکھیں سید ابوبکر غزنوی: اسلام میں گردش دولت (مکتبہ غزنویہ لاہور)

(قریب تھا کہ غربت کفر تک لے جاتی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں غربت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی زکوۃ کے نظام کو نافذ کیا اور فرمایا کہ زکوۃ امراء سے لیکر غرباء کو دی جائے ارشاد نبوی ہے۔

تو خذ من اغنیاء هم و ترد الی فقراء هم

گداگری کی مذمت کی اور اس کو ختم کرایا۔

ایک آدمی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ کر اس کو لکڑی اکٹھی کر کے بیچنے کا حکم دیا اس کے اس طرح کرنے سے اس کے گھریلو حالات بہتر ہو گئے۔(۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے غریبوں کے ساتھ محبت کی اور صحابہ کو ان سے محبت کرنے کا درس دیا امتیازات ختم کر کے بھائی بھائی بنا دیا بلکہ آپؐ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللهم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرة المساکین (۳۸)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں غریب اور لاوارث لوگوں کا خصوصی خیال فرمایا: ارشاد نبویؐ ہے۔

''جو کوئی مال چھوڑ کر فوت ہو تو اسکے عزیز وارث ہونگے لیکن جو قرض چھوڑے یا بچوں کو چھوڑ کر مرے تو اس کے قرض اور یتیم بچوں کا میں ذمہ دار ہوں۔(۳۹) حانکہ خود آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔(۴۰)

ہمارے ملک کے حکمران عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ اور گورنر ہاؤس کے بجٹ لاکھوں کروڑوں تک ہوتے ہیں۔غربا بے چارے نان جویں کو ترستے ہیں۔

ہمارے تمام معاملات کا حل صرف اور صرف سیرت رسول اللہ ﷺ کو اپنانے میں ہے۔

۳۷۔ خطیب تبریزی،مشکوۃ المصابیح (نور محمد اصح المطابع کراچی)ص ۱۶۳

۳۸۔ خطیب تبریزی،مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر ۲۳۲۵،ص ۵۳۷

۳۹۔ بخاری،الجامع الصحیح،کتاب النفقات

۴۰۔ صحیح بخاری،۲:۹۶۵،طبع دھلی

سیرۃ النبی ﷺ کے امتیازات

* پروفیسر عبدالجبار شاکر

الحمدلله رب العلمين، والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على اشرف المرسلين و خاتم النبين.

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس پہلے انسان کو احسن تقویم کی خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا' وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ ابلیس کی کارروائیوں اور کارفرمائیوں کے باعث آپ کو عالم بالا سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ یہاں آپ کو نبوت کے منصبِ جلیلہ پر سرفراز کیا گیا۔ یوں اس کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز ایک ساتھ اور ایک ہی شخصیت کے حوالے سے ہوا۔ کاروانِ نبوت کا آغاز تو آدمؑ سے ہوا' پھر یہ قافلہ مختلف منازل اور مراحل سے گزرتا ہوا اپنی حقیقی اور مطلوبہ منزل تک پہنچ گیا اور اس نقطۂ اختتام پر نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

آپ اس کائنات کے مختلف اجزاء اور مخلوقات پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ہر چیز اپنے اپنے مخصوص راستے پر اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ چاند' سورج ہو یا ہوائیں' گلیشیئر' ندیاں ہوں یا دریا' فصلیں' اجناس ہوں یا پھل' چرند و پرند ہوں یا حیوانات' معدنی دفینے ہوں یا قدرتی وسائل' زمین' فضا ہو یا سیارے' سبھی اپنے فرائض اور وظائف ازل سے ایک ہی طریق پر انجام دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس میں سرمو انحراف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزائے آفرینش اور مخلوقات کو جو جبلّی یا فطری ہدایت ودیعت کی ہے' سب اسی کے موافق چلتے اور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ تمام کائنات اور اس کی مخلوقات فطرت کے بخشے ہوئے قواعد اور ضوابط کے مطابق کام کر رہے ہیں تو کیا اس کائنات کے شاہکار یعنی خود حضرتِ انسان کے لیے کوئی مقصد متعین نہیں کیا گیا اور آیا اس کے لیے ہدایت کا کوئی فطری

---

* ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف سیرہ اسٹڈیز، بیت الحکمت، لاہور

نظام وضع نہیں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر عہد کے فلاسفہ حکماء، متکلمین اور دانش وروں نے دینے کی بھرپور کوشش کی ہے، مگر کسی سے بات بن نہیں پائی۔ ان حضرات نے انسانی زندگی کی مقصدیت اور معنویت کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی کہ جس سے آدم کا اطمینان بھی ہوتا اور اس کے وقار میں اضافہ بھی ہوتا۔

انسان کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع کیا ہیں؟ حیات بعد الممات، امورِ غیب اور مابعد الطبیعات اور الہیات کے بارے اس کا سرچشمہء علم کیا ہے؟ اس کی ہدایت کے لیے وہ کون سا فطری طریق ہے، جو زمین اور زمانے کی ہر گردش میں پورا اترتا دکھائی دیتا ہے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں، جن کا صحیح، درست اور اطمینان بخش جواب صرف اور صرف انبیاء و رسلؑ نے فراہم کیا ہے۔ اور اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا جواب اپنی سمجھ اور فہم کی بجائے اس وحی والہام کے ذریعے سے دیا ہے جو انہیں مقدس اور معتبر فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں انبیاء و رسل اور فلسفیوں اور دانشوروں کی آراء میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ فلسفی اور متکلم ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسئلے کو مزید الجھا دیتے ہیں، جس سے انسانی قلب ونظر کا اضطراب اور انتشار مزید بڑھ جاتا ہے، مگر انبیاء و رسل اس کا وحی والہام کے سرچشمے سے ایسا جواب فراہم کرتے ہیں، جس سے شکوک اور شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس کی جگہ کامل طمانیت میسر آ جاتی ہے۔ آسمانی ہدایت کے ذریعے قلب ونظر کی طمانیت کا یہ پیغام جن شخصیات کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، سلیم الفطرت اور پاکیزہ نفس انسان ہوتے ہیں، جنہیں ہم نبی، رسول اور پیغمبر کی پاکیزہ اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ، متقی اور مخصوص افراد و رجال کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان انبیاء کے مقصد بعثت کو بہت نمایاں انداز میں پیش کیا گیا۔ اگر ایسی تمام آیات مبارکہ کو جن میں نبوت کے چارٹر کی تشریح کی گئی ہے، جمع کیا جائے تو ان کا خلاصہ تین نکات پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہءنفوس (۳) تعلیم کتاب وحکمت

انبیائے کرامؑ کے اس مشن اور چارٹر کے ذریعے جو ذہنی تغیر اور قلبی انجذاب پیدا ہوتا ہے، اسے ہم کارنامہء سیرت کہتے ہیں۔ افسوس کہ مغربی دانشور، سیرت اور سوانح کے درمیان فنی اور علمی نوعیت کا فرق محسوس نہ کر سکے۔ انہوں نے تو خود اپنے رسولوں کے تذکرے صرف داستانوی اسلوب میں لکھے ہیں، لہٰذا کسی یورپی اور مستشرق سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی بھی نبی یا رسول کے کارنامہء سیرت کو اس کے حقیقی فنی تقاضوں کے ساتھ پیش کر سکے۔ مغرب میں سوانح نگاری کے فن نے بہت کمال پیدا کیا ہے۔ ہیرو یا ہیرو ورشپ میں ان کے ہاں، بہت جذباتی شدت پائی جاتی ہے۔ مگر جو مذاہب اپنے رسولوں کی سیرت کو فراموش کر چکے ہوں اور جن کی مذہبی کتابیں اپنے الہامی متن اور اس کی زبان تک سے محروم ہو چکی ہوں، وہاں کسی پیغمبر یا نبی کے کارنامہء سیرت کا تقاضا ایک بے سود خواہش ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ جن مستشرقین نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے، وہ صرف اسی لیے ناکام رہے کہ ان کے ذہن میں سوانح اور سیرت کا فرق ملحوظ نہیں تھا۔ حضور ﷺ، محمد بن عبداللہ بھی ہیں اور محمد رسول اللہ بھی۔ محمد بن عبداللہ ﷺ کی حیثیت سے انہوں نے آپ کی سوانح کو مرتب کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوی حیثیت سے بے خبر ہونے کے باعث وہ کارنامہء سیرت کی تحسین سے محروم رہے، جب تک کوئی قلم کار خود ایمانی اور اخلاقی اقدار کے سرمائے سے مالا مال نہ ہو، وہ کسی سرچشمہء ایمان اور مرکز رشد وہدایت شخصیت کی سیرت کا فہم کیسے پیدا کر سکتا ہے۔

''سیرت'' کا عربی مادہ ومصدر سار، یسیر، سیراً اور مسیراً ہے۔ اس مادے سے بننے والا ہر لفظ کئی معنی رکھتا ہے۔ جو لغت نویسوں کے ہاں چال، چال چلن، مسافت، ہیئت اور گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اسے سیرہ یا السیرہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے ''السیرہ'' کے معنی طریقہ کے بھی لکھے ہیں۔ یوں ''احسن السیرہ'' کے معنی ''اچھا طریقہ'' کے ہیں۔ ''ہذا فی سیرۃ الاولین'' یعنی یہ بات پہلے لوگوں کے طریقے میں موجود ہے۔ اس کے ایک معنی ہیئت اور حالت کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ المعجم الاعظم میں یہ لفظ سیرت کے معنی جانا، روانہ ہونا، چلنا، روش، طریقہ، شکل وصورت، ہیئت، حالت، کردار، سنت، طرز زندگی، کام کاج کرنے کا چلن، زندگی

بسر کرنے کا ڈھنگ' عادت' کہانی اور پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کو بیان کرنے کے بھی ہیں۔ سیرہ کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں سوانح عمری اور علم تاریخ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کے لیے Life' Biography' Hagiology اور Hagiography کی اصطلاحیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ پیش نظر رہے کہ Hagiology سیرۃ الانبیاء کی بجائے محض سیرۃ الاولیاء یا بزرگ لوگوں کی سوانح سے متعلق ہے۔ یوں لفظ سیرت یا کارنامہء سیرت کے لیے یورپ یا مغرب کی کسی زبان میں کوئی لفظ یا اصطلاح ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے ۳۱۵' کتب اور صحائف میں سے آج انسانیت کے پاس صرف ایک صحیفہء کامل ''قرآن مجید'' کی شکل میں موجود ہے۔ انبیاءؑ کا مقصدِ بعثت' فرائضِ نبوت اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا اگر کوئی مستند ریکارڈ کہیں موجود ہے' تو وہ صرف اور صرف قرآن مجید میں دکھائی دیتا ہے۔ جہاں تک عہد نامہ جدید اور قدیم اور زبور یا تالمود وغیرہ کا تعلق ہے' ان کے بیانات میں اس قدر تناقص اور تضاد ملتا ہے کہ کوئی ذی فہم شخص راستباز یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عبارتیں حقیقی الہام پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کو ملفوظاتی لٹریچر قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر قرآن مجید اور ان تحریف شدہ الہامی نوشتوں میں یکسانیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقی ہدایت کا سرچشمہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کوئی سچی الہامی کتاب یا صحیفہ ہوسکتی ہے' سو قرآن مجید آج عالم انسانیت کے پاس وحی الٰہی کا واحد نمونہ ہے۔ جس پر استناد سے اعتماد اور اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حفاظت کا یہ نظام اور ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سپرد رکھی ہوئی ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:۹)

جس طرح وحی کا کامل اور جامع نمونہ قرآن مجید آج ہدایت کے لیے موجود ہے' بعینہٖ محمد الرسول اللہ ﷺ کی سیرت بھی ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ اسے علمی آثار کے طور پر محفوظ کیا گیا۔ علوم الحدیث کا ایک ایسا ذخیرہ مرتب ہوا' جس کی مثال دنیا کی کسی تہذیب و مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔ علوم کی دنیا میں علم حدیث کو اگر تہذیب انسانی کا سب سے بڑا علمی سرمایہ قرار دیا جائے تو کسی لحاظ سے کمزور یا غلط بات نہیں

ہوگی۔ یہ امر بھی تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا جانا چاہیے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت عملی تواتر کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس محبت' عقیدت اور راستبازی کے ساتھ اسوۂ سیرت کو عملاً محفوظ رکھا' اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری شخصیت نہیں کر سکتی۔ آج دنیا میں چھ ارب انسان پائے جاتے ہیں' جن میں سے ایک چوتھائی کے علاوہ سب غیر مسلم ہیں اور مختلف مذاہب اور ادیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تمام مذاہب مل کر بھی کوئی ایک ایسا انسان پیش نہیں کر سکتے جو اپنے سچے نبی کی سچی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ اگرچہ امت مسلمہ بھی اپنے عقیدہ وعمل کے لحاظ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی دکھائی دیتی ہے' مگر اس امت کے سیکڑوں' ہزاروں نہیں لاکھوں افراد ایسے ملیں گے جن کی شکل و صورت اور اعمال وعبادات کا ایک بھاری حصہ اسوۂ رسول کے ساتھ کامل مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔ ایک دوسرے مفہوم میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیرت طیبہ کا یہ ایک امتیاز ہے کہ یہ ایک سچی' لائقِ اتباع اور محفوظ سیرت ہے۔ جسے دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اسلام کی دوامی تہذیب اور سیرت کے لافانی نقشے کے پس منظر میں یہ حقیقت مہر درخشاں بن کر چمک رہی ہے۔

قرآن مجید کے ایک مقام پر مقاصدِ نبوت اور فرائضِ رسالت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس سیرت اور اسوۂ کو انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران: ۱۶۴)

''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

نبوت کو انسانیت کے لیے ایک احسانِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا باعث وہ فرائض ہیں' جن کا

تذکرہ آیت مذکور میں کیا گیا ہے۔ تلاوت آیات' تزکیہءنفس اور تعلیم کتاب وحکمت منشورِ رسالت ہے۔ اسی منشور رسالت میں سیرت کی اہمیت' ضرورت اور حکمت سب کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔ آیاتِ بیّنات ہوں یا احادیثِ مبارکہ' کتاب وسنت کی ان تعلیمات کا مقصود نفسِ انسانی کی اصلاح اور نفوسِ انسانیہ کا تزکیہ ہے۔ قرآن مجید میں نفسِ انسانی کی تین حالتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نفسِ امّارہ کی شرارتوں' خباثتوں اور جہالتوں کے سلسلے تمام منکرات وفواحش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات انذار اور خوف آخرت اور اسوۂ رسول میں تضرع وزاری اور خشوع وخضوع کے اسباق ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس سے نفس انسانی میں لوامہ کیفیت بیدار ہوتی ہے' جو ترقی کرتے کرتے بالآخر نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے اور یہی مقصودِ حیات' غایات زندگی اور حکمت زیست ہے۔

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۷-۳۰)

''اے نفس مطمئنہ' چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

یوں انبیاءؑ کی سیرتیں اپنے اپنے زمانے میں خلق خدا کے نفوس کی اخلاقی' روحانی اور ایمانی تربیت کے لیے ناگزیر رہی ہیں۔ ہر عہد میں اور ہر نبی کے زمانے میں ہمیشہ دو ہی قسم کے کردار پیدا ہوئے ہیں' ایک اشرار کا ابلیسی کردار' جبکہ دوسرا اخیار اور ابرار کا نبوی کردار۔ قرآن مجید نے ان دونوں طبقات کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے اور یوں تاریخِ دعوت وعزیمت کے باب زمانہءقبلِ نبوت اور بعدِ رسالت میں صاف اور واضح دکھائی دیتے ہیں۔ یوں سیرت نفوسِ انسانی کی اخلاقی تعلیم وتربیت کے لیے ایک ناگزیر دعوتِ عمل ہے۔ مختلف مذاہب' متنوع کردار پیدا کرتے ہیں مگر حقیقی اور مطلوبہ سیرت اب صرف خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی کامل اتباع سے میسر آ سکتی ہے۔ انسان کی صالح تربیت کے لیے مختلف مذاہب نے جو طریق اور سلوک پیش کیا ہے' اس کا تقابل اگر اسلامی اور محمدی سیرت سے کیا جائے تو ایک

قاری کو اس میں بہت بنیادی اور واضح فرق معلوم ہوگا۔محاسن اسلام کا سرمایہ' محاسن مصطفوی یا سیرت نبوی میں جھلکتا دکھائی دے گا۔فضائلِ اخلاق کا کوئی عملی نمونہ یا پیکرِ مجسم اگر تاریخ میں کہیں دکھائی دیتا ہے تو وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ وارفع سیرت کے علاوہ کوئی اور سرمایہ نہیں۔اسوۂ حسنہ کا یہ وہ معدن ومنبع ہے' جس سے خوشہ چینی کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے ان کی زندگیوں میں راضی ہونے کا اعلان کردیا۔اگر ایک طرف محمد الرسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کوئی دوسری مثال دکھائی نہیں دیتی تو دوسری طرف اصحابِ رسول سے بہتر کوئی جماعت بھی دکھائی نہیں دیتی۔دنیا میں اخلاقی نشوونما اور روحانی بالیدگی کے لیے بہت سی شخصیات اور اداروں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔مگر وہ ادارے یا شخصیات مطلوبہ مثالی اخلاقی نظام کی تشکیل کے تقاضوں اور لوازمات کا یا تو ادراک نہیں رکھتے تھے یا پھر وہ خود کوئی بہتر نمونہء اخلاق پیش کرنے سے قاصر تھے۔انسانیت ابھی تک ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں تھی جس کی سیرت خود اس آئینہء عمل میں منعکس ہو' اس کے پیغام کی شرح اس کی اپنی سیرت سے آشکارا ہو۔اس کی اخلاقی تعلیمات خود اس کی عملی زندگی کا حصہ ہوں۔اس کا ہر اشارہ وحرکت' اعمال وافعال' حرکات وسکنات اور اقوال وفرامین ایک اعلیٰ اور بلند اخلاقی' ایمانی اور روحانی مقام کی نشان دہی کرتی ہوں۔انسانیت کے دامن میں جزوی اعتبار سے بہت سے اخلاقی نمونے اور نقوش موجود ہیں مگر یہ سب مل کر بھی کسی مکمل اور مطلوبہ سیرت کا نقشہ پیش نہیں کرتے۔انسانیت کو بہت مدت سے ایک ایسے انسانِ کامل اور صاحب کمال کی ضرورت تھی جو دن کی روشنی میں امورِ دنیا کی باگ دوڑ سنبھالتا دکھائی دے تو اس کی راتیں اپنے خالق و مالک کے ساتھ راز و نیاز میں بسر ہوتی ہوں۔اس کی جلوت مخلوق کے دکھ درد میں شریک ہو تو اس کی خلوت ذکر وعبادات میں مصروف دکھائی دے۔وہ بیک وقت دنیا و عقبیٰ کی حقیقتوں کا شناسا ہو۔اس کی زبان صبر و شکر کے کلمات سے مزین اور اس کی آنکھ عفت وحیا کی تصویر دکھائی دے۔اس کے پاس اموالِ دنیا کے ڈھیر لگ جائیں تو وہ استغنا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اگر وسائل کی قلت پیدا ہو جائے تو وہ صبر و قناعت کا پیکر دکھائی دے۔وہ اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کے لیے خلیق اور شفیق اور اپنے مخالفین کے لیے دامن عفو کو پھیلائے نظر آئے۔اس کا جہاد امن کی نوید بن جائے اور اس کی سلطنت سراسر خدمت

انسانی کا نمونہ دکھائی دے۔ وہ اپنے دامن فقر میں وارداتِ شاہی کا منظر پیش کرے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی سیر شکمی کا سامان کرے۔ دوسروں کی تکالیف کا ازالہ اس کے لیے سامانِ راحت بن جائے۔ وہ حقوق وفرائض میں توازن کی مثال اور دنیا کی افراط وتفریط میں جادۂ اعتدال پر گامزن دکھائی دے۔ اس کا جمال صورت دلوں کو لبھا جائے اور اس کا کمالِ سیرت دماغوں کو اسیر کر لے۔ ان سب صفات حسنہ سے متصف اور ان تمام کمالات سیرت سے آراستہ صرف ایک ہی سیرت دکھائی دیتی ہے اور وہ محمد عربی ﷺ کی سیرت ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

سیرت کے اس مفہوم اور ضرورت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد ہمیں یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ سیرت بذات خود ایک امتیازی وصف ہے۔ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں کا تذکرہ کرتا ہے مگر قرآن وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین...... کی سیرت کو گزشتہ چودہ صدیوں سے اس کائنات کی صف کے لپٹنے اور قیامت کے قائم ہونے تک کے لیے ایک واجب الاتباع سیرت قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو اپنے اخلاقی مقاصد کی تکمیل اور روحانی نشو ونما کی تعمیل، ایمانی جذبات کی تشکیل اور تبلیغ ودعوت کی ترسیل کے لیے جس مثالی سیرت کی ضرورت تھی وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی صورت میں میسر آ گئی۔ قرآن مجید نے اس سیرت خاص کی ضرورت کو بہت سی آیات میں واضح کیا ہے، جن میں سے چند کلیدی آیات درج کی جاتی ہیں۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے، اس سے رک جاؤ''

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ☆ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۲-۳۱)

''اے نبی' لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو' تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے' جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً (النساء: ۵۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو' اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو' یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر بھی ہے۔''

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

قرآن مجید کی ان آیات میں حضور نبی کریم ﷺ کی آئینی' شرعی اور قانونی حیثیت کو متعین کیا گیا ہے۔ ذرا اس حدیث مبارکہ کا مطالعہ کیجیے' جس میں آپ ﷺ نے خود اپنی حیثیت کے بارے میں مطلع

فرمایا

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. (صحیح البخاری' الایمان' باب حب الرسول من الایمان' حدیث:۱۵)

''تم میں سے کوئی شخص' اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا' جب تک کہ میری محبت وعقیدت اس کو'اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو۔''

کتاب وسنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں مضمر ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع اس انداز میں کی جائے کہ آپ کا اسوۂ کامل ہمارے زندگیوں کی اساس اور مرکز ومحور بن جائے۔ جب تک ہمارے اعمال کی بنیاد یا اساس مسنون نہیں ہوگی' ہماری زندگی ایمانی تقاضوں کو فراموش کرنے کی خطا کی مرتکب ہوتی رہے گی۔ پیغمبرانہ زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے بعد کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی ذی روح یا متنفس اتباعِ رسُول کے بغیر زندگی گزارنے کی جسارت کرے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی واحد پناہ گاہ ہے' جہاں ہمارے فکر وعمل کے سارے داعیات کو سلامتی اور صراط مستقیم میسر آ سکتی ہے۔

انسان اگر اپنے مقصدِ تخلیق کے تقاضوں سے باخبر ہونا چاہتا ہے اور وہ ان مطالبات کی تعمیل بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے سیرت نبوی کے آخری اور کامل نمونے کا مطالعہ ہوا' پانی اور روشنی کی طرح ناگزیر ہے۔ روئے زمین پر آج تک انسان دو طرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں' ایک تو خود پسندی' خود پرستی اور نفس پرستی کا راستہ ہے جو ہر انسان کے اندر ایک چھوٹا یا بڑا نمرود' فرعون' ہامان یا شداد پیدا کر دیتا ہے' دوسرا خدا پرستی یا عبودیتِ الٰہیہ کا راستہ ہے جسے حق پرست پیغمبروں نے انسانیت کے لیے واضح کیا اور جس کا آخری اور مکمل نمونہ محمد الرسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں میسر آیا ہے۔ ان دونوں راستوں پر چلنے والوں کے کردار کیا کیا رہے ہیں۔ اس کا ایک واضح نقشہ ہمیں قرآن مجید میں رحمانی اور شیطانی کرداروں کے ضمن میں نمایاں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف پسندی اور غیر جانبداری سے اپنی زندگی کے مقصود کو جاننا چاہتا ہے اور اس مقصودِ حیات کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسوۂ رسول ہی ایک ایسا راستہ اور اتباع

رسول ہی ایک ایسا رجحان اور رضائے الٰہی ہی ایک ایسی منزل ہے' جو اس اسلوبِ زندگی کو اختیار کرنے کے فطری نتائج ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ جن کا احاطہ کرنے کے لیے کتابداروں نے بہت سی کتابیات تیار کی ہیں۔ اگر اس پورے ادبیاتِ سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو لٹریچر تیار ہوا ہو۔ سیرت تو ایک مستقل میدانِ تحقیق و تصنیف ہے۔ خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے ایک الگ سے کتابی جائزے کی ضرورت ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے مراجع' منابع اور مصادر پر توجہ کی جائے تو حسب ذیل علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں:

1- قرآن مجید

2- کتب احادیث' خطبات' مکاتیب' معاہدات' دستاویزاتِ سیرت

3- کتب مغازی و سیر عروہ بن زبیر (94ھ)' الزہری (124ھ)' محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ (151ھ)' ابن ہشام وغیرہ

4- کتب تاریخ

5- کتب تفاسیر

6- کتب شمائل نبوی ﷺ

7- کتب دلائل النبوۃ

8- کتب آثار واخبار

9- کتب انساب

10- کتب جغرافیہ عرب

11- کتب تاریخ الحرمین الشریفین

12- کتب اسماء الرجال

13- عربی ادبیات

14- اطلس وخرائطِ سیرت

15- حرمین کے سفرنامے

16- کتب نعتِ رسول مقبول ﷺ

سیرت طیبہ کے ان مراجع اور مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے اور یہ بات ہمیشہ حقیقت رہے گی کہ سیرت نبوی کا سب سے کامل اور معتبر ذخیرہ، لوازمہ اور سرمایہ خود قرآن مجید ہے۔ مجھے ان تمام سیرت نگاروں کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ دنیا سے تمام ذخیرۂ سیرت ختم ہوجائے اور صرف قرآن مجید کا متن موجود رہے تو آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ ومطہرہ کا ہر پہلو محفوظ رہے گا۔ آپ ﷺ کی نبوی زندگی کا ہر ہر پہلو اور اسلامی ہدایت کا جملہ سامان اسی کتاب سے واضح ہے۔

قرآن مجید کے اسی لوازمہ سیرت کی کاملیت کے پیشِ نظر ہی تو قرآن نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔''

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴)

''اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔''

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا☆ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا☆ (الفتح:۲۸-۲۹)

''وہ اللہ ہی ہے' جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں' تم جب دیکھو گے' انہیں رکوع و سجود' اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں مشغول پاؤ گے' سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں' جن سے وہ نمایاں پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے' جس نے پہلے کونپل نکالی' پھر اس کو طاقت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کافر ان کی نشو ونما پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں' اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔''

ماخذاتِ سیرت میں قرآن مجید کی حیثیت اور حقیقت تو واضح ہے۔ احادیث بھی اس سیرت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہیں۔ صحاح ستہ اور اس کی شروحات میں' وہ تمام کارنامہء سیرت موجود ہے۔ اس کارنامہء سیرت کا اساسی لوازمہ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال' فرامین و ارشادات اور ہر نوع کی دستاویزات میں موجود ہے۔ صحابہؓ نے اس ذخیرے کو جس عقیدت' محنت' مسئولیت اور ذمہ داری کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کیا اور محدثین کی جماعت نے جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ اس سے استفادے کی شکلیں پیدا کیں اور اس کے فہم کے لیے جس نوعیت کے علوم وفنون کا اختراع کیا یہ باب خود تاریخ علم کا ایک معجزاتی کرشمہ ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کے بعد احادیث کی مدد کے بغیر وقائع سیرت اور کارنامہء سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

سیرت کے مراجع اور مصادر کے ضمن میں جن سولہ مختلف علوم کی کتب کی اصناف کا تذکرہ کیا گیا' ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے۔ مگر قرآن مجید کے علاوہ تمام اصناف علم اور اقسام تحقیق کے لوازمے کو اصول سیرت کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ ہر چند اصول تفسیر' اصول حدیث اور اصول فقہ کی طرح اصول سیرت پر الگ سے مستند کتب نہیں لکھی گئی ہیں۔ دور حاضر میں کچھ حضرات نے فقہ السیرہ کے عنوان سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وقائع سیرت کے اخذ و ترک میں قریب قریب وہی منہج اور اصول اختیار کرنا پڑے گا جو اہل علم حدیث کے اخذ و قبول میں اختیار کرتے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ عربی زبان میں اس اصول کے تحت سیرت نگاری کی نئی اور مفید کوششیں منصۂ شہود اور منظر عام پر آ رہی ہیں۔

سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہوئے' مصنفینِ سیرت کی کثرت ایک قاری کو حیران کرتی ہے اور بلاشبہ اس کی عقیدت میں اضافہ کرتی ہے کہ سیرت و سوانح پر گزشتہ چودہ صدیوں سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں سیرت مغازی' دلائل' شمائل' مدارج' معارج' سیر اور میلاد کی صورت میں لکھی جاتی رہی مگر گزشتہ ایک صدی سے موضوعاتِ سیرت پر توجہ بڑھ گئی ہے۔ اس ضمن میں راقم الحروف کے ذاتی ذخیرۂ کتب بیت الحکمت میں ساڑھے تین ہزار سے زائد کتب سیرت میں سے نصف سے زائد وہ کتابیں ہیں جو کسی نہ کسی سیرت کے موضوع پر اختصاصی طور پر لکھی گئی ہیں۔ سیرت کے موضوع پر ابھی تک جو کوائف کتابیاتی تفصیلات کے ذریعے سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق دنیا کی پچاس سے زائد زبانوں میں دس ہزار سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تحریر ہو چکی ہیں۔ ہر چند ان میں بعض زبانوں میں تخلیقی سطح پر سیرت نگاری کی بجائے تراجم سے کام لیا جا رہا ہے۔ بیت الحکمت لاہور میں قائم انسٹی ٹیوٹ آف سیرہ اسٹڈیز اس امر کا اہتمام کر رہا ہے کہ دنیا کی ان تمام زبانوں کا ذخیرۂ سیرت کسی ایک جگہ جمع کیا جائے۔ قرآن مجید' احادیث اور کتب سیرت کے تراجم دعوت اسلامی کے بنیادی ہتھیار ہیں۔ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ مختلف علمی اور دینی رسائل و جرائد میں جو لاکھوں مضامین سیرت کے موضوع پر شائع ہو چکے ہیں' ان کی بھی زبان وار فہارس تیار ہونا چاہیں اور اس

ذخیرے کو کسی ترتیب سے الیکٹرانک میڈیا پر بھی لے آنا چاہیے تاکہ اہل علم اس سے ایک ایسی قاموس، دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا مرتب کر سکیں جو دورِ حاضر کی انسانیت کی علمی، دعوتی اور دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ بیت الحکمت، لاہور میں بڑی خاموشی سے یہ کام ایک مدت سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

سیرۃ النبی ﷺ کے امتیازات کے لیے جو تفصیلی پس منظر ہم نے بیان کیا ہے، یہ بذات خود امتیازاتِ سیرت کا ایک ناگزیر باب ہے۔ امتیازاتِ سیرت میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ انسانیت کو جس سیرت کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مجید میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ آپ ذرا قرآن مجید کا نسخہ ہاتھ میں تھامیے اور عربی متن کے ساتھ ان آیات کا ترجمہ پڑھتے چلے جائیے، تو آپ کو امتیازات سیرت کا واضح شعور اور ادراک حاصل ہو جائے گا، متن کی طوالت کے پیش نظر ہم صرف بعض قرآنی سورتوں کی متعلقہ آیات کے نمبر شمار درج کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

(۲۱، الانبیاء، ۱۰۷)، (۳۴، سبا، ۲۸)، (۳۳، الاحزاب، ۴۰)، (۵، المائدہ، ۳)، (۲، البقرہ، ۱۵۱)، (۳، آل عمران، ۳۲-۳۱)، (۱۷، بنی اسرائیل، ۱)، (۵۳، النجم، ۳-۴)، (۱۰۸، الکوثر، ۱)، (۹۴، الم نشرح، ۴)، (۸، الانفال، ۶۵)، (۳۳، الاحزاب، ۲۱، ۴۵-۴۶)، (۶۸، القلم، ۴)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں، اس مختصر انتخاب سے کارنامۂ سیرت کے اس امتیاز کا اندازہ ہو جاتا ہے، جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔ آدم سے حضور ختمی مرتبت ﷺ تک دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ قرآن مجید کی آخری وحی میں اس دین اسلام کی تکمیل کا اعلان یوں کیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

(المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور

تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

کاروانِ اسلام اور قافلۂ نبوت کے اس سفر کے دوران ہزاروں انبیاء و رسل مبعوث ہوئے' ان کی طرف مستقل کتابوں کے علاوہ سیکڑوں صحائف بھی نازل کیے گئے۔ ان الہامی صحائف اور کتب سماوی میں تحریف کے باوجود جگہ جگہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں' جن کا مصداق آپ ﷺ کی ذات اور شخصیت کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ ان سب بشارات کا یہاں پر درج کرنا ممکن نہیں۔ جن حضرات کو اس سے دلچسپی ہو وہ صرف مولانا عنایت رسول چریا کوٹی کی ''بشریٰ'' کا مطالعہ کر لیں تو یہ حیرت انگیز اور ایمان افروز بشارت آپ میں محبت و عقیدت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیں گی۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہبِ عالم کو دعوت پیش کرتے ہوئے اس لوازمے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

آسمانی اور الہامی صحائف کی بشارات کے علاوہ غیر آسمانی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کے لیے واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ہمیں ان کتابوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ انسانی دماغ اور قلم کی پیداوار ہیں' مگر اس کا کیا کیجئے کہ ان میں بھی آپ کے لیے واضح پیشین گوئیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں وید' پوران' دھمید اور اوستا جیسی کتب میں یہ لوازمہ موجود ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کا ایک یہ امتیازی پہلو پیش نظر رہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے ہر مذہب کے سکالرز اور مصنفین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے' ان میں سے اکثر کتب تو معاندانہ ہیں' کچھ میں اصلاح طلب مواد اور لوازمہ ہے اور چند ایک واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کے ہر صفحے پر وفور محبت کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح غیر مسلم شعراء نے آپ کی نعت میں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ ایسے کلام کے مجموعے ہمارے ہاں شائع شدہ ہیں اور مطالعے کے لیے میسر ہیں۔

اس ضمن میں ہم مشہور مغربی مفکر تھامس کارلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے ایک زمانے میں "Hero and Hero Worship" کے سلسلے میں اپنے خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اس نے اس سلسلے کا دوسرا خطبہ Hero as a Prophet پیش کیا تو خطبے کے دوران لوگوں نے اس

لیے احتجاجاً واک آؤٹ کیا کہ وہ انبیاء کی تاریخ میں محمد عربی ﷺ کو انبیاء ورسل کا ہیرو قرار دے رہا ہے۔ تھامس کارلائل کے اس مضمون کے دو ترجمے اردو زبان میں ہو چکے ہیں۔ یہ خطبہ کوئی بہت مثبت جذبات کا حامل نہیں مگر اس کے باوجود اس میں آپ ﷺ کی عظمت وشوکت کے کچھ پہلو آشکارا ہوتے ہیں۔

ابھی ربع صدی قبل مائیکل ایچ ہارٹ کی ایک کتاب "The Hundred" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں تاریخ انسانی کے سوا یسے نمایاں افراد کا تذکرہ ہے، جنہوں نے سب سے بڑھ کر تاریخی عمل کو متاثر کیا ہے۔ ساتھ ہی مصنف نے ان سب کی درجہ بندی بھی کر دی ہے کہ سب سے نمایاں شخصیات کون سی ہیں۔ وہ اپنے تاریخی شعور اور تجزیے کے باوصف اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تاریخ انسانی اور تہذیب انسانی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

مائیکل ایچ ہارٹ کی طرح مختلف مذاہب اور ممالک کے ماضی وحال کے بہت سے تذکرہ نگار ایسے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی تعریف وتحسین میں اچھے کلمات لکھے ہیں۔ غیر مسلموں کی ان آراء پر مبنی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں ذخیرۂ سیرت کا مستقل حصہ ہیں۔ ہم اس موقع پر مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کی اس رائے سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بات کہی ہے کہ پانچ لاکھ راویان سیرت نے آپ ﷺ کے وقائع کو بیان کیا ہے، یہ ایک ایسا مقدس سلسلہ ہے کہ جو کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا اور ہر شخص اس میں حصہ لینے کا آرزومند دکھائی دیتا ہے۔

امتیازات سیرت پر توجہ کرتے ہوئے ہمیں ذخیرۂ حدیث میں صحیحین میں حضرت جابرؓ کی یہ روایت بہت اہم دکھائی دیتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوْراً فَاَيَّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصلوٰةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ ولاَ تُحِلُّ لِاَحَدٍ مّن قبلي وَاُعْطِيْتُ الشفاعةُ و كانَ النبّى يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلٰى لنّاسِ عَامَّةً.

''مجھے پانچ ایسے (امتیازات) دے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے:

1- ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

2- ساری روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے' جو جہاں چاہے' نماز پڑھ سکتا ہے۔

3- غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے' جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔

4- مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔

5- پہلے کے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے' مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رحمت عالم ﷺ کی سیرت سراپا امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کو جو کتاب قرآن مجید کی شکل میں عطا کی گئی' وہ اپنی جگہ ایک دائمی اور زندہ معجزہ ہے۔ آپ کے صحابہؓ کی سیرتیں اس امر کی غماز ہیں کہ ان سے بہتر کوئی گروہ تاریخ میں نہ اس سے پہلے گزرا اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ ان برگزیدہ اور پاک باز صحابہؓ کی جماعت نے آپ کی سیرت کو علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے محفوظ کر دیا۔ پہلی صدی ہجری میں امت کا ادلۂ شرعیہ یہ کامل اجماع تھا۔ جس کی برکات سے امت مسلمہ اور انسانیت قیامت تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ کیسی بابرکت بات ہے کہ پہلی وحی ہی میں علم کو قلم کی حمایت حاصل ہوگئی اور پھر کتابت کے حوالے سے کاتبوں کا ایک عظیم گروہ پیدا ہو گیا۔ جنہوں نے قرآن مجید' احادیث اور سیر و مغازی کے دفتر لکھے' جن پر ائمہ و محدثین نے ایسی جزرسی اور پختگی سے نگاہ رکھی کہ احوال و حقائق میں کسی نوعیت کی تحریف اور حک و اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ آج اگر کوئی وقائع سیرت میں کوئی تغیر یا تبدیلی کرنا چاہے تو سیکڑوں علما اور محققین اس کی گرفت کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ ائمہ و محدثین کی یہ انہی محنتوں کا صلہ ہے کہ اب روایت اور راوی کی تحقیق کے لیے درایت اور جرح و تعدیل کا فن موجود ہے' جن کی مدد سے تخریج کی تحقیقی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر سیرت کے امتیاز کو تحریری مسودات اور دستاویزات کے حوالے سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خود عہد رسالت ﷺ میں آپ ﷺ نے عرب اور اس کے اردگرد کے بادشاہوں اور قبائل کے اکابرین کو خطوط لکھوائے' آپ ﷺ کے خطبات حفظ کیے جاتے تھے اور لوگوں کی فرمائش پر اس کی نقول

بھی فراہم کی جاتی تھیں۔ ایک ایسی ہی نقل خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن کے بادشاہ ابوشاہ کو فراہم کی گئی۔ سفر ہجرت میں سراقہؓ بن مالک کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ ایک امان نامہ آپ ﷺ کے حکم پر لکھ کر دیتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ میں تشریف آوری پر مدینہ کی شہری ریاست کے لیے آپ نے پہلا آئین تحریر کروایا۔ جو دنیا میں اس امر کی مثال تھی کہ کسی فرمانروا نے پہلی مرتبہ اپنی ریاست کے باشندگان کے حقوق و فرائض کے۔لیے ایک تحریری دستور لکھوایا اور عطا کیا۔ تمیم داریؓ کو ارض روم میں ان کے آباو اجداد کے علاقے لوٹانے کے لیے تاریخ اسلامی کا پہلا ہبہ نامہ بھی آپ ﷺ ہی نے تحریر کروایا۔ صلح حدیبیہ اور مختلف وفود کے ساتھ معاہدات آپ ﷺ ہی نے تحریر کرائے۔

اسلامی ریاست کی مردم شماری بھی آپ ﷺ کے حکم سے ریکارڈ کی جاتی تھی۔ حجاز کی وسیع تر اسلامی ریاست میں دوسری ریاستوں کے عمّال اور قاضیوں کو ریاستی احکامات لکھوا کر بجھوائے جاتے تھے۔ مسجد نبوی میں قائم ہونے والے بیت المال کی آمد و خرچ کی تمام مدّات موجود اور محفوظ ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ نے مختلف نوعیت کے عائلی' دیوانی' فوجداری اور تجارتی فیصلوں کا اعلان کیا' جن کو بالآخر محفوظ کر لیا گیا' آپ ﷺ کے گھر میں آخری سالوں میں انسؓ بن مالک جو کچھ لکھتے تھے' وہ آپ ﷺ کو دکھا لیتے تاکہ ان کی تحریروں کی توثیق ہو سکے۔ الغرض قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ بیسیوں قسم کی تحریرات اور دستاویزات ہیں' جو امت کی تعلیم اور راہنمائی کے لیے آج تک موجود ہیں۔ کیا ایسی علمی، تحقیقی اور دستاویزی شہادت کسی دوسری نبوت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امتیازات سیرت نبوی ﷺ کا ایک غیر معمولی کارنامہء سیرت ہے۔

امتیازات سیرت کا ایک انوکھا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ کی سوانح آپ کے حالات کو کمال حزم و احتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہے اس امتیاز کو سمجھنے کے لیے' ذرا ایک مثال کو ذہن میں لائیے۔ فرض کیجئے کہ ہم موجودہ عہد کے دو بہت بڑے سیاسی سربراہوں کے صرف ایک دن کے چوبیس گھنٹے کے احوال کا مکمل نقشہ جاننا چاہیں کہ روس کی صدر پوٹن اور امریکہ کے صدر بش نے سال رواں کا ایک دن کیسے گزارا ہے۔ تو شاید اس کی مکمل اور جامع تفصیلات ہمارے سامنے نہ آ سکیں۔ دراں حالیکہ اس دور میں ایسی شخصیات کے ساتھ

ان کے پرائیویٹ سیکرٹری' ان کا وسیع ترعملہ' ہمہ وقت اور ہمہ نوع خدمات کے لیے تیار ہوتا ہے۔فوٹو گرافرز موجود ہوتے ہیں۔آڈیو' وڈیو کی سہولتیں موجود ہیں۔ان کے پریس سیکرٹری موجود ہیں' ان کے ذاتی معالج' ان کے طعام خانے کے ماہر باورچی' ان کی تفریح کے لیے مخصوص افراد' دوست' احباب اور اہل خانہ اور متعدد دوسرے افراد اور ایجنسیز مختلف خدمات کے لیے موجود ہیں۔ مگر ان سب کی موجودگی اور دستیابی بھی کسی ایک دن کی چوبیس گھنٹے کی لمحہ بہ لمحہ مصروفیات اور مشغولیات کا ریکارڈ پیش نہ کرسکیں گی۔

مگر قربان جائیے محمد عربی ﷺ کے کوائف حیات کے تمام ماہ و سال کے تمام وقائع اور مصروفیات کا جامع نقشہ اور تفصیلات آج ہمیں میسر ہیں۔آپ ﷺ کے معمولات کیا تھے۔آپ کا حلیۂ مبارک کیسا تھا۔گھریلو رہائش میں حجرے میں موجود بستر اور برتن کیسے تھے۔

آپ کی نشست و برخاست' خورد و نوش' لباس و طعام' اندازِ کلام' مختلف افراد سے باہمی میل جول' پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی تفصیل' ملنے والوں کی روداد یں حتیٰ کہ اپنی ازواج مطہرات جو امت کی مقدس و محترم مائیں ہیں' ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات' سب تفصیلات آپ ﷺ نے خود بیان کیں اور آپ کے متعلقین نے ان کا باضابطہ ریکارڈ مرتب کیا' کیا دنیا کی کوئی شخصیت ایسا کہہ سکتی ہے کہ اس کی شبینہ مصروفیات کو دن کی روشنی میں بیان کیا جائے' کیونکہ پیغمبر کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عمل امت کے لیے خیر و فلاح کا باعث ہے۔سیرت نبوی ﷺ کا یہ امتیاز ایسا ہے' جو آپ ﷺ کی شخصیت اور کارناموں کو ایک امتیازی رنگ عطا کرتا ہے۔**اللھم صلی علی محمد**

نبی اکرم ﷺ ایک جامع ترین انقلاب کی نوید لے کر آئے۔یہ ایک ایسا انقلاب اور ایک ایسا دعوتی نظام تھا جو اعتقادی' علمی' معاشرتی' معاشی' عدالتی' عسکری' ثقافتی' تجارتی' سفارتی' تہذیبی' آئینی' سیاسی اور بین الاقوامی تعلقات کی سطح پر ایک کامل انقلاب تھا۔اس انقلاب کی اس جہت پر توجہ کیجئے کہ یہ قلیل ترین مادی وسائل کے ذریعے مکمل ہوا۔مادی سہولتوں اور مالی فراغتوں کے اعتبار سے مکی زندگی ہو یا مدنی دور' عمومی طور پر عسرت اور تنگ دستی کا عالم رہا۔

فقر و فاقہ کی زندگی کا چلن تھا۔صرف چند صحابہ اکرمؓ ایسے تھے' جنہیں ہر طرح کی مالی آسودگی اور

معاشی فراغت میسر تھی اوران کے پاس اموال تجارت، مال مویشی یا کھیتی باڑی کا موزوں انتظام تھا۔ یہی باعث ہے کہ آپ کو تمام اہم امور خصوصاً بعض غزوات کے لیے خصوصی تعاون کے لیے اعلان کرنا پڑتا تھا۔ سیرت نبوی ﷺ کے اس دور میں شعب ابی طالب کی صعوبتوں کا منظر ہمارے سامنے ہے۔ بعض حالات میں صحابہؓ میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوتا تو اس کے لیے موزوں تجہیز و تکفین کا سامان تک فراہم نہ ہوتا۔ اگر کسی مرنے والے کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ پاؤں کو ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ کے مکانات عموماً مختصر، کچے اور سادہ تھے۔ اسلامی ریاست کے اردگرد کی ریاستوں اور تہذیبوں کے نقشے کا کوئی رنگ یا شائبہ یہاں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان معاشی حالات میں اس انقلاب کی تکمیل ایک معجزنما اثر اور نتیجہ رکھتی ہے۔

اس انقلابِ اسلامی کی تکمیل کے لیے، جہاں تک افرادی قوت کا تعلق ہے، ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ مکی زندگی میں تو مسلمانوں کی تعداد بمشکل دو سو سے کچھ زائد تھی۔ سیرت نگاروں نے تو ان کے نام اور قبیلے بھی محفوظ کر دیے ہیں۔ البتہ افرادی قوت کا پہلا مظاہرہ غزوۂ بدر کے موقع پر رمضان 2 ھ میں سامنے آتا ہے کہ مسلمان مردوں میں سے لڑنے کے لائق افراد کی امکانی تعداد ۳۱۳ سے آگے نہیں بڑھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو کے قریب صحابہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

۹ ھ میں آپ ﷺ نے جو پہلا اور آخری حج ادا کیا، اس میں عرفات کے میدان میں ریکارڈ حاضری ایک لاکھ چالیس ہزار کے قریب صحابہ کی بتائی جاتی ہے۔ یہ وہ افرادی قوت تھی، جس نے اتنے بڑے عالمی اور آفاقی، اخلاقی اور ایمانی انقلاب کی تکمیل کی۔

ذرا ایک نظر اس نظام الاوقات پر بھی ڈال لیں۔ اس انقلاب کو اپنی تکمیل کے لیے مکہ مکرمہ میں تو تیرہ سال کا عرصہ ملا جس میں اسلامی تعلیمات اور دعوت و انقلاب کے لیے زمین اور زمانہ کی ناہمواریوں کے باعث ہجرت کے حکم الٰہی کے تحت اہل ایمان کا قافلہ اپنے امیرِ کارواں کے ساتھ مدینہ منورہ میں منتقل ہو گیا۔ یہاں کے دس سالوں میں آپ نے اس پیغام اور دعوت کے مطابق ایک صالح معاشرہ بھی تشکیل دیا اور ایک مثالی فلاحی، اسلامی اور آئینی ریاست کو بھی استحکام دیا۔ یوں اسلامی انقلاب کی عملی تکمیل مدنی

زندگی کے آخری آٹھ دس سال میں ہوئی۔ اب ذرا انقلابات عالم کی تاریخ کو اپنی نگاہوں میں لائیے۔ اوّل تو کیا انہیں ایک انقلاب کہا بھی جاسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس ایک مدنی انقلاب کے علاوہ سب عالمی تغیرات ایک فساد اور انتشار سے ابھرے اور اس کے نتیجے میں ایک بڑا فساد اور انتشار انسانیت کے سامنے آیا۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے ہمیں چھٹی صدی عیسوی کا آخری زمانہ اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع اوّل کے حالات وواقعات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔

اس زمانے میں حجاز کے شمال میں رومی شہنشاہوں اور بازنطینی تہذیب کا رواج تھا۔ حجاز کے شمال مشرق کی جانب ایران کی وسیع سلطنت میں کسرائے ایران کی حکومت تھی۔ مصری بھی ایک قدیم دیومالائی تصور کی حامل ثقافت کے خوگر تھے۔

ہندوستان کے علم الاصنام میں ویدانتی تعلیمات، گوتم بدھ کے ملفوظات اور بعض دوسرے ویدوں اور پورانوں کی تعلیمات کی ایک کھچڑی تھی، جس میں ذات پات کے بندھن نمایاں تھے۔ انسان وحدت اور انسانیت اخوت سے محروم تھی۔ کنفیوشش کی تعلیمات کا چراغ سرد ہو چکا تھا۔ زرتشت کی ژند ہو یا پاژند دونوں معدوم ہو کر نئے دساتیر میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ اس کا یزداں اور اہرمن کا تصور دوئی اور تناقص کا شکار تھا۔ ان احوالِ عالم میں جب کہ رومی بادشاہ ایسے اکھاڑے (Clossium) سجاتے تھے، جہاں بھوکے درندوں کے سامنے مجبور ومقہور انسانوں کو پھینک کر ان کی فریاد وفغاں سے محظوظ ہونے کی روایت تھی۔ ٹھنڈی شکارگاہوں سے لوٹنے والے شہزادے فطری حرارت کے لیے دو تازہ دم غلاموں کے پیٹ چاک کر کے اپنے ٹھنڈے پاؤں ان میں ڈال دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے ازدواجی تعلقات استوار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہندی مذاہب میں عورت اور مرد کے آلات تناسل کی پوجا ہو رہی تھی۔ خود حجاز کی سرزمین بعض خصوصیات کے استثنا کے باوجود فتنہ وفساد کی آماجگاہ تھی۔ قرآن مجید نے اس عالمی صورت حال پر کیا جامع تبصرہ کیا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. (الروم:۴۱)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے' لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے' تاکہ مزہ چکھائے' ان کو ان کے بعض اعمال کا' شاید کہ وہ باز آئیں۔''

عہد رسالتمآب میں عالمی سطح پر یہ وہ حالات تھے' جن کے بارے میں انتہائی مختصر اشارات کیے گئے ہیں۔ اس صورت حالات میں ایک نئے عالمی انقلاب کی صالح بنیادوں کی تعمیر کے لیے آپ نے وحی الٰہی کی بنیاد پر جس معاشرے اور ریاست کی تعمیر کی وہ سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب حکم الٰہی کے تحت مکہ مکرمہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے' تو اس عظیم ہجرت کے نتیجے میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس کا رقبہ بمشکل چار مربع میل تھا۔ لیکن دس سالوں کی دعوتی سرگرمیوں اور تنظیمی اصلاحات کے باعث یہ ریاست آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔

عہد فاروقی میں اس کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل سے زائد اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک یہ اسلامی ریاست ۶۵ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ یوں اسلامی ریاست اور اس کا حکمران اپنے زمانے اور عہد کی سب سے بڑی قوت بن کر ابھرا جو خالق کی کائنات میں مخلوق پر مخلوق کی حکمرانی کے سارے رشتے توڑ کر انسان کو خالق کائنات کی پہچان اور عبادت کے سارے مواقع فراہم کرتا ہے۔ انسانیت پر آپ ﷺ کا یہ وہ احسان عظیم جس کے ذریعے آسمانی ہدایت کے مطابق معاشرہ اور ریاست اپنے وجود اور وجوب کو قائم کرتی ہیں۔ یہ وہی کارنامۂ سیرت ہے جس کے احیاء کے لیے آج ملائشیا سے مراکش تک اسلامی تحریکیں اور اصلاحی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کے اس آفاقی پیغام کا مرکز مسجد کا ادارہ تھا۔ اسلامی تاریخ کا وسیع اور گہرا مطالعہ رکھنے والے دانشور اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اسلامی ریاست کا سول سیکرٹریٹ مسجد نبوی ہی میں قائم کیا گیا۔ اس کا پارلیمنٹ ہاؤس یا شوریٰ بھی اسی مسجد میں منعقد ہوتی تھی۔ اس کا جنرل ہیڈ کوارٹر اور کنٹونمنٹ بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی۔ ۲۸ غزوات اور ۵۴ سرایا کی کمان اسی مسجد میں مرتب کی گئی۔ ان جہادی سرگرمیوں کے نتیجے میں دنیا سے خوف۔ کے خاتمے سے امن وسلامتی کا احساس پیدا ہوا۔ یہاں پر مناسب

ہوگا کہ ہم اس عسکری جدوجہد کو مختصر اعداد و شمار کے حوالے سے پیش کر دیں۔

تیرہ لاکھ مربع میل کی یہ اسلامی ریاست جن ۸۴ جہادی معرکوں کے نتیجے میں تشکیل پائی۔ اس میں کل ۱۰۱۸ لوگ کام آئے' جن میں مسلمان شہداء کی تعداد ۲۵۹ اور کفار کے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد قیدی بنا جب کہ دشمن کے ۶۵۶۴ سپاہی قیدی بنائے گئے' جن میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو موقع پر رہا کر دیا گیا۔ باقی ماندہ ۲۱۷ قیدیوں میں سے صرف دو کوان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ باقی ۲۱۵ کے بارے میں اگرچہ تحقیقی آرا ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر امید واثق ہے کہ ان حضرات کو بھی رسول رحمت ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ مل گئی ہوگی۔ ان مذکورہ جنگوں کا پالیسی ساز ہیڈکوارٹر بھی مسجد نبوی میں قائم تھا۔

یہی مسجد نبوی مسلمانوں کی عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ بھی تھی۔ اس پر آپ نے پانچ سو سے زائد مقدمات کے فیصلے دیئے۔ اور یہیں پر آپ دوسرے قضاۃ کے فیصلوں پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اسی مسجد کا دامن مسلمانوں کا مالیاتی ادارہ بیت المال کی حیثیت میں کام کر رہا تھا۔ جو شاید تاریخ انسانی میں اپنی مسئولیت اور احتساب کے لحاظ سے پہلا سٹیٹ بنک تھا۔ اسی مسجد نبوی میں ریاض الجنہ سے کچھ پیچھے جانب مشرق وہ چبوترہ ہے' جسے صفہ کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے' یہاں پر مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ' جامعہ یا یونیورسٹی تھی' مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ یہاں علوم پڑھائے نہیں بلکہ بنائے جاتے تھے۔

اسلام کی حکیمانہ تعلیمات کی درس و تدریس کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر مختلف موضوعات کے متخصصین تھے' اور یہ سارا علمی کارنامہ نبی امی ﷺ کے ہاتھوں انجام پا رہا تھا۔ یہ مسجد نبوی مسلمانوں کا سٹیٹ گیسٹ ہاؤس بھی تھی' جہاں پر دوسری اقوام اور ممالک کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے' ان کی خاطر تواضع کی جاتی تھی اور ان کے ساتھ معاہدات تحریر کیے جاتے تھے۔ ذرا اور بھی جان لیجئے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا ثقافتی مرکز بھی تھا' جہاں پر نکاح کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ یہیں پر صالح تفریح کے مواقع بھی میسر آتے تھے۔ کیا یہ سیرت نبوی ﷺ کا امتیاز نہیں کہ اس کامل دعوتی انقلاب کی تمام سرگرمیوں

کا مرکز مسجد کا احاطہ اور چار دیواری تھی۔ کاش ہماری مساجد کو بھی ان کا چھٹا ہوا مقام اور وقار واپس مل جائے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی معاشرہ بھی تشکیل پا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسے صالح اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لیے جن ضوابط، جن حقوق اور جن فرائض کا تعین کیا اس کے سبب اس معاشرے کے سو فیصد شہری تزکیہء نفس کی لیبارٹری سے گزر کر نفس مطمئنہ کے حامل شہری بن جاتے تھے۔ یہ وہ مقدس اور پاک باز شہری ہیں جنہیں قرآن مجید نے **فاصبحم بنعمته اخوانا** اور **رحماء بینهم** کی صفات کے ساتھ یاد کیا۔ یہ اس درجہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے کہ قرآن مجید نے ان کی پہچان کراتے ہوئے انہیں راشدون، صدقون، مفلحون اور فائزون جیسی صفات و کمالات سے آراستہ دکھایا ہے۔

امتیازات و کمالات سیرت نبوی ﷺ کا تذکار مبارک تو بہت ناگزیر تفصیلات کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کا صرف ایک مجمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے امتیازات میں غلامی کے خاتمے، عورتوں کے حقوق کا تعین، دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر، نسلی امتیازات کے خاتمے، جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ، ایک دستوری اور شورائی ریاست کا قیام، عدل اجتماعی کی اقدار کا فروغ، بچوں، عورتوں، والدین، اولاد، زوجین حتیٰ کہ جانوروں، پرندوں، فصلوں اور راستوں تک کے حقوق کا تعین، قانونِ وراثت کی درستی، فلاحی ریاست کا کامل نقشہ، حدود و تعزیرات کا تعین، قانون بین الممالک کی روایت، سفارتی نظام کی تشکیل، احتساب اور مسئولیت کی روایت، حکومت برائے خدمت کی تعلیم، سادگی اور حیا کا کلچر، مختلف دوائر حیات میں اعتدال و توازن کی روش تزکیہء نفس اور صالح تربیت کے آداب و ضوابط کی عملی رہنمائی۔ یہ سب امور انسانیت کی مستقل خیر خواہی اور تہذیب و تمدن کے بقا و استحکام کا محکم راستہ اور روشن منزل ہے۔ اسی باعث اس نبی رحمت ﷺ کے تذکار کو قرآن مجید میں **ورفعنا لک ذکرک** کے خطابِ عظیم سے یاد کیا گیا ہے۔

اس سیرتِ مطہرہ کا آپ جس قدر مطالعہ کرتے چلے جائیں گے، اسی قدر یہ راز آپ پر منکشف ہوتا

چلا جائے گا کہ یہ بیان کی نہیں عمل کی سیرت ہے۔ ہمیں اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں اسی سیرت سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ بالاتفاق ایک غلبے کی سیرت ہے۔ مگر مطالبات سیرت سے بے اعتنائی کے باعث ہم مغلوبیت اور مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ آج مسلمان عالمی سطح پر اس سیاسی مرعوبیت اور عسکری

مغلوبیت کا تدارک صرف سیرت نبوی پر عمل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس مقصدِ عظیم کے لیے ہمیں اپنے اعتقاد و عمل کو مسنون دائروں میں لانا ہوگا۔ ہمیں مسنون نبوی زندگی کے سارے آداب و رسوم کو اختیار کرنا ہوگا۔ مسلمان ایک ایسے کلچر کا پیغام بر ہے، جس میں توحید کا رنگ اور ذائقہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امتیازات سیرت نبوی ﷺ کے اس مطالعے کے ذریعے وہ جادۂ حق نصیب کرے جس پر چل کر دین و دنیا کی سرفرازی عطا ہوتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

............☆............

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ *

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے تو آپ کی وساطت سے دنیا والوں کو ایک ایسا ابدی اور آفاقی نظام حیات ملا جس میں ہر عصر اور ہر دور کے مسائل کے لئے رہنماء اصول موجود ہیں اور ہر زمانے کے واسطے کے ضابطہ ہدایت میسر ہے۔

اس لئے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم عصر حاضر کے تناظر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں پیش پا افتادہ مسائل کا حل تجویز کریں کیونکہ ہمارے نبی کے بتائے ہوئے زندہ و جاوداں متحرک اور زندہ و جاوید اصول وضوابط ہر لحاظ سے دکھی انسانیت کے لئے ان کے مصائب و آلام کا مکمل اور آخری مداوا ہیں۔ دور جدید کا انسان جن کو اختیار کر کے یقیناً سکھ اور چین کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔۔

دور حاضر کے مسائل کیلئے سیرت طیبہ کی جامع اور آفاقی حکمت عملی کی تشریح سے پہلے لازم ہے کہ عصر حاضر کی اصطلاح کا معنوی تعین کیا جائے چنانچہ عصر حاضر سے مراد آج کا ترقی یافتہ دور ہے جس میں معاشی اور سائنسی عوامل نے پوری دنیا کو انسانوں کی ایک بستی میں متشکل کر دیا ہے اور پورا عالم ایک گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام نے جس طریقے سے مختلف خطوں اور ملکوں کو باہم ملا دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی پیغام اور پروگرام کی ترتیب سے پہلے دور جدید کے انسانوں کو پیش نظر رکھا جائے جو آج کے عالمی شہر کے عالمی اور آفاقی شہری ہیں۔ اور جس شہر میں فاصلے سمٹ جانے کے باوجود بیشتر غیر فطری سرحدیں تا حال موجود ہیں کہ جنہوں نے قریب رہنے کے باوصف انسانوں میں دوریاں اور فاصلے بڑھا رکھے ہیں جن سے مادی وسائل کا اختلاف تو ہے لیکن ذہنی اور فکری سطح پر انسان باہمی انتشار اور افتراق کا شکار ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا اور یورپ جسے عصر حاضر کا پیشوا اور رہنما خیال کیا جاتا ہے، فکری انارکی اور

---

* ڈائریکٹر سیرت سٹڈی سنٹر، کینٹ سیالکوٹ

معاشرتی عدم توازن کی بنا پر تباہی کے دہانے پر ہے جس کے نتیجے میں مغرب اطمینان اور سکون جیسی نعمت سے یکسر نا آشنا اور محروم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو اڑنا تو سکھا دیا ہے کہ وہ پرندہ بن گیا، تیرنے سے مچھلی بن کر سمندر کی گہرائیوں میں اترا، زمین پر تیز رفتار گھوڑے سے کہیں زیادہ تیز دوڑنے کا اس نے سبق سیکھا، سامان حرب اور تباہ کن ہتھیاروں کی ایجادات سے اس نے کائنات انسانی کو درندہ بن کر پھاڑنے اور تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا غرضیکہ وہ سب کچھ بن گیا لیکن صد افسوس کہ انسان نہ رہا۔ اس لئے کہ مادی اور جسمانی ترقی نے اس کے اندرون کا انسان موت کے گھاٹ اتار دیا اور اسے انسانیت کی عظیم نعمت سے محروم کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ایک طرف عدم تحفظ کے شدید احساس اور خوف و ہراس میں مبتلا اور دوسری طرف وہ نفرت باہمی اور خود بیزاری کی بنیاد پر ہر آن انسانی الفت و محبت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کو اور ہمسایہ ہمسایہ کو بھی اجنبی خیال کرنے لگا ہے اور معاشرتی کج روی اور مستقبل کی بے یقینی کا احساس بالخصوص نوجوان نسل میں شدت اختیار کر گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ قومیتوں اور عصبیتوں کے عفریت نے انسانوں کو تفرقوں اور دھڑے بندیوں میں اور خطے، رنگ نسل اور مذہب کی بنیاد پر مختلف طبقات میں منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔

اس لحاظ سے مغربی دنیا تو درکنار فی الوقت عالم اسلام ہی شدید قسم کے افتراق و انتشار میں مبتلا ہے۔ غیر ملکی اور اجنبی نظریات و افکار کی عالم اسلام پر یلغار ہے نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام کے سنہری اصولوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں ایک ارب تینتیس کروڑ پر مشتمل ''بنیان مرصوص'' بن کر ابھرنے اور پنپنے کی بجائے ہم منتشر انسانوں کی بھیڑ اور مختلف نظریات و افکار کا مجمع بن کر رہ گئے ہیں۔ مادی اور معاشی وسائل و ذرائع سے مالا مال ہو کر بھی دوسروں کی نظروں میں ضعیف اور حقیر ہیں۔ اور وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تعلیمات نبوی سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر امت مسلمہ انحطاط اور تنزل سے قریب ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کثرت کے باوجود مسلمانوں کی مثال سیلاب کے پانی پر اٹھنے والے جھاگ کی سی ہے کہ ہم بہہ جاتے ہیں ادھر کو جدھر سیلاب کا ریلا ہمیں بہا کر لے جاتا ہے پھر اجنبی نظریات کے بہاؤ میں آ کر ہمیں اپنے فکر اپنے تصور نظریہ اور ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

اس سنگین صورت حال میں عالم اسلام کے لئے ﴿ واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا ﴾ کے قول جمیل کی صورت میں ہمارے لئے ایک زرّیں پیغام عمل موجود ہے۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے کھلے طور پر آج کے وقت میں دیا جارہا ہے۔

یقین مانئے کہ توحید ورسالت اور آخرت کے اصول ثلاثہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اس امت واحدہ کی اکائی جس وقت انتشار اور افتراق میں مبتلا دکھائی دیتی ہے تو چرخ نیلگوں بھی خون کے آنسو روتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہی وہ حالت زار ہے جس کے مداوا کے لئے حضرت علامہ اقبال بھی پکار اٹھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر (بانگ درا)

اعتصام بحبل الله کے اس عظیم سبق کو یاد کرنے کے باوجود ہماری صورت حال کچھ ایسی دگرگوں ہے کہ وہ نبی جو پورے عالم انسانیت کا نبی ہے، ہر زمانے اور دور کا نبی ہے، ہر خطے اور قوم کا نبی ہے جس کا پیغام ازلی اور ابدی ہے جو ایک جہان نہیں سارے جہانوں کا نبی ہے اس کے ماننے والوں نے اپنوں میں افتراق وانتشار پر مبنی ایسی سرحدیں قائم کر رکھی ہیں کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے سربکف ہے اور باہم دست بر گریباں ہونے کو نجات آخرت کی دلیل خیال کرتا ہے۔ حال یہ ہے کہ ہم نے حرف قرآن کو پس پشت ڈال کر اور نبی کے فرمان کو صرف نظر کر کے تعارف اور تفاخر کی خاطر شناخت کے نئے نئے معیار قائم کئے ہیں **هُوَ سَمَّاكم المسلمين** کے تحت مسلمان کہلانا پسند نہیں اور اپنے فرقے اور گروہ سے منسوب ہونا زیادہ محبوب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں بالآخر نبی محترم روز محشر انہیں پکار کر کہیں گے۔

﴿ يٰرب اِنّ قومي اتخذوا هٰذا القرآن مهجورا ﴾(الفرقان: ۳۰)

''اے میرے رب میری یہ قوم ہے جس نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا ہے۔''

چیچنیا، بوسنیا، فلسطین اور کشمیر میں ایمان والوں کے خون کی ارزانی اور دختران اسلام کی بے حرمتی کا منظر آج مسلمانوں کے انحطاط کی بدترین مثال ہے۔ اس حالت زار کے مداوا کے لئے سیرت طیبہ کے پیغام زرفشاں میں مسلمانان عالم کے لئے اہم ترین عامل وہ دعوت عمل ہے جو سیرت وسنت نبوی ﷺ کی

پیروی کے لئے دیا جارہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) بہترین نمونہ ہے۔ جن کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے اور جن کو یہ امید ہے کہ ایک دن اللہ سے کامیاب ملاقات ہوگی۔''

تمہارے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ آؤ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خوبصورت اسوہ عمل میں تمہارے لئے ایک بے مثال نمونہ اور عمل زندگی کا ایک صاف وشفاف آئینہ ہے۔ آؤ اور اپنی زندگیوں میں اسے نافذ کر کے تمام مشکلات ومصائب سے نجات حاصل کرلو۔

اس واسطے امت مسلمہ کے حالیہ بھیانک اور دلخراش منظر میں سیرت طیبہ کے عملی پہلو کو اجاگر کرنا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ امت کے سقوط وانحطاط کی سب سے بڑی وجہ بھی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلوتہی کرنا ہے اور قرآن اور سیرت طیبہ کے پیغام کو پس پشت ڈالنا ہے۔ اس واسطے لازم ہے کہ سیرت مطہرہ کے عملی پہلو کو ہر زاویہ زندگی میں اپنایا جائے اور کلیات دین کے علاوہ جزئیات عمل میں بھی پوری امت کی سیرت سازی کا اہتمام کیا جائے تاکہ متبعین سنت کی ایک جماعت تیار ہو جو سیرت پاک کا خالص نمونہ بن کر ابھرے کہ ہر فرد کو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر بنادے اور جو کہے وہ کر کے دکھادے ورنہ اگر محض گفتار وتقریر سے امت کی تقدیر بدل سکتی ہوتی تو جس قدر تقاریر کے جلسے اور گفتار کی مجالس اس امت مرحومہ میں منعقد ہو چکی ہیں، ان کی بنیاد پر اس امت کو اب تک بام عروج پر پہنچ جانا چاہئے تھا۔ لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بن سکی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس بے عملی کی بناء پر اپنی شاندار روایات سے محروم ہو کر آج تاریخ کے بدترین دور میں ہیں۔

اس بھیانک صورت حال کا نتیجہ ہے کہ کئی سالوں سے ہمارا قبلہ اوّل ایک مٹھی بھر معاند قوت کے ہاتھوں غلامی میں سسک رہا ہے اور پکار کر کہہ رہا ہے کہ پھر سے ہمارے اندر کوئی صلاح الدین ایوبی اٹھے اور اسے آزادی سے ہمکنار کرے لیکن نہ جانے سنت وسیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی عمل کی وہ قوت ہمارے

میں کب پیدا ہوگی اس واسطے ضروری ہے کہ ہر مسلمان عمل بالمعروف اوراجتناب عن المنکر کے اصول کو اپنی عملی زندگی میں اپنائے کہ جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سارے زاویوں کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے کہ جن سے معاشرتی زندگی میں طہارت و پاکیزگی توسط و اعتدال حسن معاملہ وحسن سلوک کی جملہ اقدار نافذ و جاگر ہوکر رہیں۔

لیکن یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اعمال میں اخلاق میں اطوار میں اور احوال میں خدا خوفی اور تقویٰ کو جاری وساری کرنے کی سعی پیہم نہ کی جائے تا کہ ہر دم اور ہر قدم پر ایمان والا اس قدر احتیاط سے چلے کہ مبادا میرے اس کام سے میرا رب ناراض تو نہیں یہی وہ کیفیت ہے۔ کہ جسے قرآن انسانوں میں پیدا کر کے انسانیت کو شرافت اور عظمت سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں شرافت اور عظمت کا یہی معیار ہے۔

﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ (الحجرات: ۱۳)

''سنو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم سب سے زیادہ اللہ کے ڈر اور تقویٰ سے متصف ہے۔''

دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہا جائے کہ تقویٰ اور خوف خدا انسانیت کی روح ہے اور انہی چیزوں سے انسانوں میں انسانیت نکھرتی اور پنپتی ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

اس لئے کہ اگر دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا۔ پھر وہ انسانیت کی عظمتوں سے گر کر بھیانک سے بھیانک عمل بھی کر گزرتا ہے۔ تقویٰ کے منفی ہونے سے انسان انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے گویا کہ انسان کے روپ میں جانور ہیں۔ درندہ بھیڑیا اور چوپایہ بلکہ ﴿بل ھم اضل﴾ (الاعراف: ۱۷۹) کے مصداق ان سے بھی کہیں بدتر اور گمراہ تر۔

اس واسطے ﴿یا یھا الذین امنوا اتقو اللہ حق تقاتہ و لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ (آل عمران: ۱۰۲) کے حکم سے ایمان والوں کو تقویٰ کا پیغام دے کر زیور انسانیت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ کیونکہ متقی ہونا دراصل یہی ایک معیاری انسان ہونا ہے جسے دوسرے لفظوں میں مسلمان کہتے ہیں

اور ﴿لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ کے الفاظ سے اسی نصب العین کی نشان دہی کی جا رہی ہے جو انسانوں کی آخری اور پر وقار منزل اور مسلمان کا عظیم مقام ہے۔

تقویٰ اور انسانیت کے اسی فقدان کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں نفسا نفسی کا عالم ہے۔ اور (تکونوا شهداء على الناس) کے منصب عظیم پر فائز ہو کر بھی ہم خود فراموشی کی دلدل میں پھنس بیٹھے ہیں باہمی محبت وشفقت سے عاری ہو کر اسلامی اخوت اور رواداری کے احساس سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم ایک دوسرے کو بھی برداشت کرنے کیلئے آمادہ نہیں جبکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اسلامی رواداری کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں انہوں نے اپنے اسوۂ حسنہ سے کفر وشرک کے کھلے اختلاف پر بھی غیروں کو گلے لگایا اور مخالفین کو جھوٹ پر مبنی معاندانہ مسلک پر قائم دیکھ کر بھی ان سے شفقت ومحبت کا سلوک کیا۔ وہ رحمت للعالمین بن کر خلق عظیم کے مرتبہ سے ہٹنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ وہ تو آپس میں ملانے آئے تھے ملاتے چلے گئے چاہے اس کے لئے کس قدر محنت ہی درکار کیوں نہ تھی۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں کو اپنا بنایا اور اپنے باغی دشمنوں کو بھی اخلاق کی قوت سے زیر کر کے حلقہ بگوش اسلام فرمایا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادو ستانت خلاف است و جنگ

(گلستان سعدی: ۹۷)

امت مسلمہ کی باہمی شکست وریخت اور خود فراموشی کی اس حالت زار کے عالم انسانیت پر جو منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف یہ امت اپنے قائدانہ فرائض سے کوتاہی کی مرتکب ہے بلکہ الٹا بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات سے اس کی حیثیت عرفی کو داغدار کیا جا رہا ہے۔ مغربی

میڈیا اور یہودی لابی اس امت کی حالیہ ابتری سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر دین اسلام کی آفاقی قدروں کو دھندلانے اور مٹانے میں سرگرم ہے۔

دوسری طرف سامراجی اور استعماری قوتوں سے سرمایہ کے زور سے معاشی اور معاشرتی عدم توازن اور ابتری کو ہوا دے کر انسانوں کو حقیقی طمانیت سے محروم کر کے رکھ دیا ہے کہ ان کی منزل مشکوک اور موہوم ہو کر رہ گئی ہے۔ نیز ملحدانہ ادب وثقافت کا جو سیلاب امنڈتا آ رہا ہے وہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اخلاقیات کا معاملہ قابو سے باہر ہے۔ جبلتوں اور نفسانی خواہشوں پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔ جس سے دنیا میں وہ معاشرتی اور سماجی انارکی نمودار ہو رہی ہے جس نے عریانی جنس پرستی اور اخلاقی کج روی کو جنم دیا ہے۔ اخلاقیات کو فراموش کر کے صرف تن پرستی اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ آج زندگی محض تعیش کا دوسرا نام ہے۔ دولت پرستی زراندوزی اور تکاثر واحد مقصد حیات ہے جس کی وجہ سے استعمار اور استحصال کا دور دورہ ہے اور دنیا رقابتوں اور عداوتوں کا گہوارہ بن چکی ہے۔

قرآن نے ﴿ الهكم التكاثر حتى زرتم المقابر ﴾ کے اعلان سے دنیا والوں کو تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے اعتدال اور اقتصاد پر مبنی معاشی اور سیاسی میانہ روی کی تلقین فرمائی حضور ﷺ نے معیشت اور معاش کیلئے جو حکمت عملی تجویز فرمائی وہ عالمگیر اور عادلانہ نظام پر مشتمل ہے کہ جس میں انتہا پسندی سے بیزاری کا اعلان ہے اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ افراط وتفریط سے بچ کر ہر کوئی خوشدلی سے حلال کمائے اور دوسروں کو بانٹ کر کھائے۔

حالانکہ انسانوں کو موجودہ معاشرتی بے اطمینانی اور معاشی عدم توازن نے یکسر خود فراموشی اور سماجی دیوالیہ پن میں ایسا مبتلا کر رکھا ہے۔ کہ ہر کوئی ذہنی پریشانی اور قلبی ہیجان کا شکار ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ سائنسی اور معاشی ترقی ان داخلی اذیتوں کا کیا علاج کر سکے گی جس نے دراصل عالم انسانیت کو خود فراموشی کی بھیانک وادی میں دھکیل کر خدا فراموشی کی خطرناک آزمائش میں ڈال دیا ہے ایسی صورت حال سے دوچار عالم انسانیت کے لئے' اس کے گھمبیر مسائل کا حل صرف آنحضرت سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہی میسر ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کی روشنی

میں دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے تمام افراد **شھداء علی الناس** کے منصب جلیل پر فائز ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور (**اخرجت للناس**) کے فریضہ منصبی کو صحیح معنوں میں انجام دے کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔

اس واسطے کہ رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رحمت میں دکھی اور سسکتی انسانیت کے لئے تمام تر پدرانہ، مادرانہ، معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں پر نبی رحمت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا رب رحمان و رحیم ہے وہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم بنا کر شفقتوں اور رحمتوں کے بانٹنے کا فریضہ تفویض کیا گیا ہے۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی دوسروں کے لئے تسلی اور تشفی کے ساتھ مداوائے غم بھی رہے۔ اور آپ کی تعلیمات میں انساں کے روحانی دکھوں اور بے زاریوں سے نجات کا سامان بھی موجود ہے۔ انسانیت جو کہ آنکھوں کو چندھیا دینے والی سائنسی اور تہذیبی ترقی کی بنا پر ایمان کی عظیم نعمت سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسوۂ حسنہ کے عملی پیغام سے اسے ایمان و یقین کی طرف لانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے عصر حاضر اور آج کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے پیغام کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے واسطے انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔

لہٰذا آج اس خطہ ارضی کے اس عالمگیر شہر کو جس میں سائنسی اور معاشی ارتقاء کی بنا پر فاصلے سمٹتے جا رہے ہیں اور دنیا ایک قصبے اور شہر کی صورت اختیار کر چکی ہے ایک ایسے عالمگیر نظام کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد ایک خدا اور ایک رسول ایک امت اور ایک آفاقی ہئیت اجتماعی پر مشتمل ہو۔ جس کی وحدت کی طرف محض دین اسلام ہی اپنی آفاقی دعوت کے ذریعہ بلا رہا ہے۔ کیونکہ اسلام کے پیش رو مذاہب میں اور فکر جدید کے موجودہ افکار و نظریات میں ایسا جامع اور عالمی سطح کا نظام کہیں بھی موجود نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عالم انسانیت کے لئے تجویز فرمایا ہے۔ آپ نے ایک طرف معیشت اور معاشرت میں ہر فرد کو توسط اور اعتدال کی راہ پر گامزن فرمایا اور دوسری طرف سیاست میں لادینی اور بے لگام جمہوریت کی جگہ اسلامی شورائیت کے زریں اصول نافذ فرمائے۔ کہ جس میں انسانی

شرافتوں اورعزتوں کوتقوی اورخوف خدا کے میرٹ پر قائم فرمایا کیونکہ اسلام میں عزت اور اقتدار کا یہ اعلی ترین معیار ہے۔ چنانچہ اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح اعلان فرمایا کہ:

''کسی عربی کو عجمی پر کسی احمر کو اسود پر کوئی برتری حاصل نہیں صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہی ہر کوئی شخص عزت اور شرافت کے حصول کا اہل ہے۔محض رنگ ونسل' خطے' ملک اور عقیدے کو اسلام میں شرافت کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا''

حالانکہ آج نسلی تفریقات کا یہ حال ہے کہ سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دیگر خصوصیات کو وجہ تفاخر و عزت سمجھتی ہیں اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ معاشرے میں آج بھی نسلی امتیاز اور کالے اور گورے کی تفریق شدت سے موجود ہے جو کہ ننگ انسانیت ہے اور جس سے انسانوں کے سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اسلامی معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ آج کا معاشرہ جو نسلی امتیاز اور تفریقات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور اذیتوں سے نجات پا سکتا ہے۔خطبہ حجتہ الوداع میں کئے گئے اعلان عظیم میں وحدت نسل انسانی کا جو تصور پائیدار طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہ ایک ایسا بین الاقوامی ھیئت اجتماعی کا عظیم چارٹر ہے جو پورے عالم کی واحد عالمی ریاست کی نشان دہی کر رہا ہے۔جبکہ یہ عالمی اجتماعی نظام اور دنیا بھر کی انسانی ریاست کا عملی نقشہ یقینی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ کے دستور العمل میں ہی میسر ہے کیونکہ جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافة للناس اور رحمة للعالمین بن کر تشریف لائے وہاں پر آپ کو بھیجنے والے رب کریم بھی رب الناس اور رب العالمین ہے کہ جس پر ایمان ویقین کی بنیاد پر ہی عالمی ریاست اور بین الاقوامی آفاقی اقتدار اعلیٰ کی پہچان ہوسکتی ہے۔فوز وفلاح کی منزل تک پہنچنے کے لئے نکتہ وری کا یہ وہ عظیم مقام تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں دنیا والوں کو نافذ کر کے دکھا دیا کہ اسلام تفریقات کو قائم کرنے نہیں بلکہ مٹانے کے لئے آیا۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

چنانچہ یہ ثابت ہوگیا کہ عالمی ریاست کے عالمی معاشرے میں سیدنا صہیب روم سے آئے ہیں اورسیدنا ابوہریرہ یمن سے سیدنا سلمان فارس سے آتے ہیں اور بلال حبشہ سے پھر ہر رنگ ونسل کے ساتھی اصحابی کالنجوم کے مصداق ایک ہی چاند کے گرد ستارے بن کر جمع ہوتے ہیں کہ کسی کو بھی کسی پر معاشی اور معاشرتی فوقیت اور برتری کا احساس ہونے نہیں پاتا اس لئے پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ عالمگیر خوف اور عدم تحفظ کا بین الاقوامی احساس جس نے عصر حاضر کو انفرادی اور اجتماعی رقابتوں اور محاذ آرائیوں کا مرکز بنا رکھا ہے اس سے نجات پانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سیرت میں ایک پائیدار عالمی دستورالعمل موجود ہے۔جس دن دنیا والوں نے اسے عملی زندگی میں نافذ کرلیا تمام تر معاشرتی' معاشی' سماجی اور سیاسی زاویے خود بخود خدا پرستی توسط واعتدال اور اقتصاد کے اصولوں پر چلنے لگیں گے اور زمین اللہ کی حاکمیت کا اور انسانوں کے لئے امن وعافیت کا گہوارہ بن جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ پیغام سیرت ہے جو عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے دنیا والوں کو دیا جارہا ہے اور جس میں ایک طرف عالم اسلام کو اتحاد وعمل کی تلقین ہے اور دوسری طرف عالم انسانیت کو توحید ورسالت اور آخرت کے اصول ثلاثہ پر مبنی ایمان کی طرف بلایا جارہا ہے۔اور یہی دو چیزیں وقت کا اہم ترین تقاضا ہیں۔چنانچہ حضور ﷺ کے آفاقی اور ابدی پیغام کی وسعت اور عمومیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان فرمایا کہ:۔

﴿وما ارسلنک الا کافةً للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر النا س لا یعلمون۝﴾

''اے پیارے نبی ﷺ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے خواہ عرب ہوں یا عجم شرقی ہوں یا غربی موجود ہوں یا آئندہ آنے والے تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے آپ کو چاہیے کہ ایمان لانے پر ایمان والوں کو ہماری رضا خوشنودی اور ثواب کی خوشخبری سناتے جایئے اور انکار کرنے والوں کو ہمارے غضب وعذاب سے ڈرایئے اکثر لوگ آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی آفاقی قدروں سے ناواقف ہیں۔''

عصر حاضر کے مسائل اور قرآن وسیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم وفضل کی ذمہ داریاں

* ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء

تعارف:

پاکستان کو وجود میں آئے پچاس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے راستے پر گامزن ہونے کی بجائے فرقہ پرستی، لسانی تعصبات اور فکری پستیوں کے دلدل میں پھنس گیا ہے۔ بلکہ اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عبادت گاہوں میں خالق کائنات کے حضور سجدہ ریز ہونے والوں کے خون سے بھی ہولی کھیلی جانے لگی ہے۔ اسباب وعلل کا جائزہ لینے والے محقق کی توجہ اس ضمن میں کئی امور پر مرکوز ہوتی ہے۔ جن میں ایک اہم سبب اصحاب علم و فضل کا کردار اور ان کے رویے ہیں۔

مذکورہ اصحاب جو مختلف مذہبی گروہوں اور تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں، نے بلاشبہ چند مفید کام بھی کیے ہیں، لیکن ان کے مخصوص مزاج اور رویوں کی بناء پر، ملت اسلامیہ کو ان سے حسب ذیل نقصانات بھی پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔

(الف) ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو کر مختلف گروہوں اور تنظیموں میں بٹ گئی ہے۔ یعنی مسلمان ایک امت نہیں رہے۔ بلکہ کئی امتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی عصبیت وحمیت کی جگہ، جاہلی عصبیت وحمیت (گروہ پسندی) نے لے لی ہے۔ ورنہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون کیسے کرسکتا ہے!

(ب) اس فرقہ وارانہ ذہنیت کے نتیجے میں اصحاب علم وفضل کی نظر محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف چند متعین

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

جزئی مسائل ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ عصر حاضر کے تقاضوں اور فتنوں سے یا تو وہ بالکل بے خبر ہیں، یا پھر ان کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(ج) دین کا تصور اور دینی کام کرنے کا رنگ ڈھنگ انتہائی محدود ہو گیا ہے۔ سارا زور بیان و قلم چند جزئیات اور محدود فقہی موشگافیوں کے منوانے ہی میں صرف ہوتا ہے۔

(د) ضعیف و موضوع روایات کی اشاعت کے بارے میں احتیاط نہیں برتی جاتی، جس کے نتیجے میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام (نعوذ باللہ) کوئی دیو مالائی مذہب ہے، جس کا تعلق حقائق اور صحیح روایات کے بجائے عجائب پسندی سے زیادہ جڑا ہوا ہے۔

(ھ) چند اصحاب علم و فضل دین و سیاست کے امتزاج کے مدعی ہیں۔ لیکن سیاسی تقاضے اور وقتی مصالح ان کے دینی مزاج پر غالب آ گئے ہیں۔ بلکہ کچھ تو جدید تحریکات سے مرعوبیت کی بناء پر نصوص واحکام شرعیہ میں ردو بدل سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس پالیسی نے دین کی راہ میں حداثت اور انحراف کے فتنے پیدا کئے ہیں ایک عجیب افراط و تفریط کی فضا بن گئی ہے، ایک طرف تو اصحاب علم و فضل اجتہاد کا نام سننے کے بھی روادار نہیں۔ (خواہ اجتہاد شرعی ضرورت اور حدود کے اندر رہتے ہوے کیوں نہ کیا جائے) جبکہ دوسری طرف اس معاملہ میں فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ اجتہاد کے ڈانڈے تحریف سے جا ملتے ہیں۔

(و) جہاد کے نام پر مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کے درپے ہوا ہے۔ مسلح ٹولہ ہر صاحب علم و فضل کی تنظیمی ضرورت بن گیا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں تو یہ رجحان اس خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے کہ الحفیظ والامان اس روش کی وجہ سے مملکت عزیز پاکستان ایک طرف تو بین الاقوامی برادری تقریباً تنہا ہو کر رہ گیا ہے اور دوسری طرف ملک کے داخلی حالات بھی رفتہ رفتہ طوائف الملوکی اور مکمل انارکی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

(ز) فرقہ واریت اور سیاسی گروہ بندیوں کا ایک بدترین نتیجہ یہ بھی عام ہوتا چلا جا رہا ہے کہ دعوت الی اللہ والرسول اور اسلام کے بجائے فرقوں، جماعتوں، سیاسی مقاصد و تصورات اور روحانی و

سیاسی شخصیتوں کی جانب دی جانے لگی ہے۔اور آج کسی بھی شخص کے لیے کافی نہیں کہ وہ اپنی نسبت، اسلام کی حد تک محدود رکھے۔

خلاصہ یہ کہ بدقسمتی سے ہمارے مدارس، ہماری مساجد اور دوسرے دینی و تعلیمی ادارے اپنی تمام تر خوبیوں اور فوائد کے باوجود، افراد کی تربیت کے باب میں وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے، جو ماضی میں ان کا طرۂ امتیاز تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں بین الملی اعتبار سے ہماری تبلیغ کا دائرہ ،فرقہ وارنہ، مناقشات، باہمی تکفیر و تفسیق اور توہمات کے جمود تک محدود ہو چکا ہے۔ ہماری تبلیغ کا مساعی امت کو مربوط کرنے اور افراد امت میں تعلق باللہ، حب رسول، ایمان بالآخرۃ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور تعمیر سیرت و کردار کا ولولہ پیدا کرنے کے بجائے باہمی انتشار و تصادم اور جب دنیا کے غلبے اور اخلاقی زوال پر منتج ہو رہی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے، ہاں کسی نہ کسی درجے میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تو جاری ہے لیکن اس علم کو رضاء الٰہی کے لیے استعمال کرنے اور اس کے ذریعے اسلام کے علم کو بلند کرنے اور اس کے وسیلہ سے سیرت سازی اور کردار کی تعمیر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی تربیت کا اہتمام بہت کم لوگوں میں باقی رہا ہے۔ اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ دین کے بنیادی شعور سے محروم افراد اگر کسی مذہبی حلقے میں کچھ دن آنے لگیں تو ان کا تاثر یہ ہے کہ دین نام ہے افتراق کا اور مذہب ذریعہ ہے باہمی مشت و گریبانی کا.... اور اسی باعث مسلمان، اقوام عالم سے فرو تر اور ان کے دست نگر ہیں۔

یہ پہلو بھی ہمارے ہاں کے اصحاب اخلاص کی توجہ کا مرکز بننا چاہیے کہ اس وقت دنیا میں عیسائیت ،قادیانیت، بہائیت اور بدھ مت کے پیروکار تبلیغی میدان میں معرکے سرکر رہے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں کے اصحاب علم و فضل بجز بعض طبقات و افراد کے باہمی جنگ و جدال اور فروعی مسائل میں انہماک سے باعث بد ترین زوال کے نرغے میں ہیں۔ اس لیے کہ وہ باہر کے ممالک میں بھی زیادہ تر وقت مناظرانہ چشمکوں اور مجادلانہ آویزشوں کی نذر کرتے ہیں۔ ان حالات میں کار اصلاح کی تجدید و تکمیل کے لئے از بس ضروری ہے کہ اسلامی تصور علم کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ، اس کو پیش کرنے والوں کی تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے۔

زیر نظر مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم و فضل کے مقام، کردار اور خصائل وصفات (رویوں) کا جائزہ لیا جائے، اس نیت کے ساتھ کہ وحدت امت اور اعتصام بحبل اللہ کی توفیق نصیب ہو۔

☆ قرآن وسنت کے حوالے سے علماء کا مقام و کردار:

علم اور اہل علم کی جو توقیر و تنظیم قرآن کریم وسنت نبوی کے اندر نظر آتی ہے، اس کی نہ تو تاریخ میں کوئی مثال پہلے تھی اور نہ اس کی نظیر بعد کے زمانے میں پیش کی جا سکتی ہے۔ معلّمی کا منصب چونکہ منصب پیغمبری ہے اس لیے اسلام میں معلم کی تنظیم و تکریم میں بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھا گیا علما کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ بلند سے بلند تر مقام دیا گیا ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں کو بھی عالم کی چوکھٹ پر سرنگوں کرنے کا حکم تھا۔ فقہاء اسلام کی منزل عظمیٰ کے بیان کیلئے یہی کافی ہے کہ ان کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ یا ایھاالذین آمنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم ، فان تناز عتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤ منون باللہ والیوم الاخر ، ذلک خیر واحسن تاویلا﴾ (سورۃ النساء:۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہتر ہے

''عبداللہ بن عباس کی ایک روایت کے مطابق اس آیت میں اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔ یہی رائے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ابو العالیۃ، عطاء بن ابی رباح، ضحاک اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(۱)

ا۔ اعلام الموقعین عن احکام رب العالمین ، ابن قیم الجوزیہ (تحقیق و تعلق طہ عبدالرئوف) جلداول، صفحات ۹-۱۰ . شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ۱۹۶۸ .

اصحاب علم وفضل کے مرتبہ ومقام اور فضیلت کا ذکر قرآن حکیم کی کئی اور آیات میں بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کے ہاں اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کیے جاتے ہیں:

﴿یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت﴾ (۲)

''اور یہ کہ اللہ کی عظمت وجلال کی صحیح معرفت واعتراف صرف اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔''

'' انما یخشی الله من عباده العلماء'' (۳)

''اللہ کے بندوں میں سے تو صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

اسی طرح قرآن نے علم وحکمت کو خیر کثیر قرار دیا:

'' ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً (۴)

''جس کو حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔''

المختصر یہ کہ صاحب علم اور ناسمجھ کیسے برابر ہو سکتے ہیں:

﴿ قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون ﴾ (۵)

کتب احادیث کے اندر علم اور علماء کی فضیلت اور طلب علم کی ترغیب پر کئی کتابیں اور ابواب پائے جاتے ہیں، جن کی درج احادیث اسے اصحاب علم وفضل کے بلند مرتبے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

'' من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین'' (۶)

''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے دین کی سمجھ وبوجھ عطا کر دیتا ہے۔''

عالم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پہچان کیلئے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث کافی وشافی ہے کہ وہ انبیاء

۲۔ سورۃ المجادلۃ: ۱۱۔

۳۔ سورۃ فاطر: ۲۸

۴۔ سورۃ البقرۃ: ۲۶۹

۵۔ سورۃ الزمر: ۹

۶۔ ابن ماجہ/باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۰۸ (تحقیق محمد مصطفیٰ الاعظمی)، سعودی عرب، ۱۹۸۴ء

کے وارث ہوتے ہیں۔ کثیر بن قیس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

عن كثير بن قيس ،قال :كنت جا لساً عند ابی الدرداء فی مسجد دمشق .فاتاه رجل ،فقال له :یاابا الدرداء!اتیتک من المدینه الرسول ﷺ لحدیث بلغنی انک تحدث به عن رسو ل الله ﷺ قال :فما جاء بک تجارته ؟قال :لا ، قال :ولا جاء بک غیره ؟قال لا قال:فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول "من سلک طریقاً یلتمس فیه علماًسهل الله له طریقاً الی الجنة . وان الملئکته لتضع اجنحتها رضاًلطالب العالم .وان طالب العالم یستغفر له من فی السماء والارض .حتی الحیتان فی الماء وان فضل العا لم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب .ان العلماء هم ورثته الانبیاء .ان الانبیاء لم یورثوا دیناراًولا درهماً انما ورثو العلم .فمن اخذه ،اخذ بحظ وافر(۷)

" میں مسجد دمشق میں ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا، اور کہا: اے ابوالدرداءؓ! میں آپ کے پاس مدینہ (شہر رسول ﷺ) سے آیا ہوں تا کہ آپ سے ایک حدیث سنوں ، جس کے بارے میں مجھے پہنچا ہے، کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ابو الدرداءؓ نے اس آدمی سے کہا: تو آپ یہاں کسی تجارتی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر پوچھا: نہ کسی اور غرض سے ہی؟ جواب دیا: بالکل نہیں۔ تب ابوالدرداءؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ "جو کوئی علم حاصل کرنے کی غرض سے کسی راستے پر گامزن ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت جانے کا راستہ آسان فرما دیتا ہے اور یہ کہ طالب علم سے خوش ہو کر فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یہ کہ آسمان و زمین کی مخلوقات طالب علم کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ سمندروں کی مچھلیاں

۷۔

بھی۔اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت سب سیاروں پر ہے۔ یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔انبیاء وراثت میں درہم و دینار نہیں بلکہ علم چھوڑتے ہیں۔پس جس کسی نے بھی علم کو لے لیا، تو بیشک اس نے بہت کچھ حاصل کیا''۔

☆ قرآن مجید اور علماء اہل کتاب کے رویوں سے مستفاد دروس وعبر:

قرآن مجید میں علمائے اہل کتاب (احبار و رھبان) کے تذکرے جابجا موجود ہیں۔ان تذکروں کا مقصد ان سے دروس وعبر کا حصول اور ان اعمال بد سے کنارہ کشی ہے جن میں احبار و رھبان عملاً مبتلا تھے۔قرآن حکیم کا بنظر غور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے علماء دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک وہ جو مخلص اور دیندار تھے (۸) اور دوسرے وہ جنہوں نے دین کو خواہشات نفسانی کا تابع بنا کر مختلف مقاصد کیلئے استعمال کیا۔اپنے سفلی اہداف کے حصول کیلئے ان کے عیوب اور مختلف چالبازیوں کو خلاصہ قرآن حکیم سے کچھ یوں مستنبط کیا جا سکتا ہے:

☆ باہمی مشت وگریبانی:

الکتاب پڑھنے کے باجود یہود و نصاری حق کو فراموش کر کے اس سے اپنے مطلب کی بات نکالتے تھے اور ایک دوسرے پر دشنام طرازیاں کرتے تھے۔ارشاد باری تعالی ہے:۔

وقالت الیهود لیست النصاری علی شیء وقالت النصاری لیست الیهود علی شیء وهم یتلون الکتاب (۹)

''اور یہود کہتے ہیں نصاری کا دین کچھ نہیں اور نصاری کہتے ہیں یہود کا دین کچھ نہیں حالانکہ دونوں فرقے اللہ کی کتاب پڑھتے رہتے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین الرازی لکھتے ہیں۔

'' واعلم ان هذه الواقعة بعینها قد وقعت فی امة محمد ﷺ فان کل طائفة

۸۔ اعراف۔۷/۱۶۴-۱۶۵

۹۔ البقرۃ:۲/۱۱۳

تکفر الاخری مع اتفاقھم علی تلاوتہ القرآن"(۱۰)

''اور جان لو کہ ہو بہو یہی حالت امت محمد ﷺ کی بھی ہوگئی ہے کہ ایک قرآن کی تلاوت پر متفق ہونے کے باوجود ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے۔''

☆ **عناداً حق بات کو نظر انداز کرنا:**

علمائے اہل کتاب کو علم تھا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں:۔

﴿یعرفونہ کمایعرفون اُبناء ھم﴾(۱۱)

لیکن اس کے باوجود وہ عناداً آپ کی رسالت کے منکر رہے۔اور کہنے لگے:۔

﴿قلوبنا غلف﴾(۱۲) اور :﴿قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی آذاننا وقرومن بیننا وبینک حجاب﴾(۱۳)

☆ **ناجائز مادی فوائد کے حصول کے لیے دین کا مسخ کرنا:**

لفظی ومعنوی تحریف، تلبیس حق وباطل، کتمان حق، قضائے زور وغیرہ دین حق کو مسخ کرنے کے مختلف طریقے ہیں، جو اہل کتاب کے علمائے سوء میں رائج تھے(۱۴) وہ عام لوگوں کو ان پڑھ سمجھ کر ان سے ان کا مال بٹورنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور ببانگ دہل افتخار کے ساتھ کہتے تھے کہ:۔

لیس علینا فی الامیین سبیل(۱۵)

☆ **خود قوانین بنا کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرنا:**

علمائے یہود کی سب سے بڑی خرابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ مال وجاہ کے حصول کی خاطر

۱۰۔ تفسیر رازی

۱۱۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۲۔ البقرۃ:۲/۸۸

۱۳۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۴۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۵۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

قوانین خود وضع کر کے انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ان کی اس روش کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور انہیں عذاب الیم کی خوشخبری سنائی گئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون﴾ (۱۶)

''پس خرابی ہے ان کے لیے جو کتاب تو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس سے اتری ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچ کر تھوڑا مول کمائیں، ہائے خرابی ان کی اس لکھائی پر، وائے خرابی ان کی اس کمائی پر''۔

☆ دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت:

دنیا کا کوئی بھی نظام (خواہ اچھا ہو یا برا) اس وقت تک مقبول نہیں ہوسکتا، جب تک اس کا پیش کرنے والا خود اس پر عمل نہ کرے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل شریعت پیش کرتے وقت اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون﴾ (۱۷)

''یہ پیغمبر (محمد ﷺ) ایمان لائے، اس کتاب پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر اتری اور (ان کے ساتھ) مسلمان بھی سب ایمان لائے''۔

قول وفعل کا تضاد ایک بدترین اخلاقی برائی اور دنیوی واخروی بربادی کا باعث ہے۔قرآن حکیم میں اس طرز عمل کیلئے ﴿کبر مقتاً﴾ (۱۸) ''انتہائی قابل نفرت'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔یہود کے اکثر علماء اس بیماری میں شدت سے مبتلا تھے جس پر اللہ تعالی نے انہیں تنبیہ کر کے فرمایا:

۱۶۔ البقرہ:۷۹/۲

۱۷۔ البقرہ:۲۸۵/۲

۱۸۔ الصف:۳/۶۱

﴿اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون﴾(۱۹)

''تم لوگوں کوتو کہتے ہو نیکی کو اور اپنی خبر ہی نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب (تورات بھی) پڑھتے ہو، کیا تم کو عقل نہیں ہے۔''

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم وفضل سے متوقع رویئے

☆ تواضع اور انکساری:

انسان کا مقام کتنا ہی اعلیٰ اور ارفع کیوں نہ ہو، وہ ہمیشہ اللہ کی طرف سے ہدایت (نور علم) کا محتاج ہوتا ہے، **وفوق کل ذی علم علیم** ۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بادشاہی اور نبوت کے مناصب پر فائز ہونے کے باوجود تعلیم الٰہی کے حصول سے مستغنی نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ واتاه الله الملک والحكمة وعلمه مما يشاء﴾ (البقره: ۲۵۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے اسے (داؤد کو) بادشاہت اور پیغمبری دی اور جو چاہا اسے سکھلایا''

موسیٰ علیہ السلام حصول علم کی خاطر عبد الصالح سے رفاقت کی التماس کرتے ہیں:

﴿ قال له موسى هل اتبعک على ان تعلمن مما علمت رشداً﴾ (الکہف: ۲۲)

''موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں تیرے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ جو بہتر علم تجھے سکھایا گیا ہے، تو مجھے دکھا دے''

اس طرح وحی الٰہی کے نزول سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو کتاب وایمان کی باتوں کا علم نہیں تھا:

﴿ ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان ولكن جعلناه نورا نهدى به من نشاء من عبادنا﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اس سے پہلے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا، جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں، ہدایت کر دیتے ہیں۔''

۱۹۔ البقرہ ۲/ ۴۴

اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں سب کچھ سکھا دیا:

﴿ وانزل الله علیک الکتاب والحکمة وعَلمک مالم تکن تعلم ﴾

(النساء:۱۱۳)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اتاری اور حکمت دی اور وہ سب کچھ سکھا دیا جو تو پہلے نہیں جانتا تھا۔''

مندرجہ بالا آیات سے یہ درس ملتا ہے کہ علم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انبیاء ورسل جو ایمان و عمل اور مرتبے میں قافلہ انسانیت کے سالار ہیں، وہ بھی علم الٰہی کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی جو افضل الرسل اور افضل البشر تھے، حکم دیا گیا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں زیادتی علم کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وقل رب زدنی علماً ﴾ (طه:۱۱٤)

''اور کہیے کہ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما''

چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

'' اللهم انفعنی بما علمتنی ، وعلمنی ما ينفعنی ، وزدنی علماً۔''

جب انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہو، تو امت کے اصحاب علم وفضل کی علمیت کی کیا حیثیت ہوگی۔ کتنا بہتر ہوگا اگر پاکستان اور عالم اسلام کے تمام علماء اپنے مسلک کو آخری اور مکمل ''سمجھنے کی بجائے اس میں صحیح ادلہ شرعیہ کے ذریعے اصلاح کی گنجائش چھوڑ دیں۔ اس طرح بہت سارے بلا دلیل اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

☆ رحماء بینهم:

داعی کے منصب پر فائز خواتین وحضرات سے اسلام توقع رکھتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بلائیں، امر بالمعروف اور نهی عن المنكر کا حکم دیں اور ان لوگوں جیسا طرز عمل اپنانے سے اجتناب کریں جو بینات (واضح دلائل) کے باوجود تفرقے اور اختلاف کے راستے پر چل نکلے ورنہ نتیجتاً عذاب الیم کے حقدار بن جائیں گے۔ (۲۰) سخت خوئی اور سخت دلی سے پرہیز کریں۔ عفو وکرم اور نرمی کا مظاہرہ کریں،

۲۰۔ آل عمران ۳/۱۰۵

بصورت دیگر عوام ان سے بیزار ہو جائے گی۔(۲۱) مزید برآں اہل ایمان کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ آپس میں رحمدل اور کفار کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں (۲۲)۔

بدقسمتی سے ہمارے علماء کی ایک معقول تعداد مذکورہ بالا تقاضوں کی تکمیل کے لیے مطلوبہ معیار سے مطابقت نہیں رکھتی۔ بات کرتے ہیں اتحاد بین المسلمین کی اور ہر جماعت کے ایک سے دو اور دو سے تین دھڑے دھڑلے سے قائم ہیں قرآن وحدیث کے دروس رات دن چلاتے ہیں اور "**رحماء بینهم**" کی تاویلیں اپنے ہی دھڑے کے افراد میں اٹھک بیٹھک کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ **الحب لله** اور **البغض لله** کے حوالے دیتے نہیں تھکتے، مگر اس پر عمل درآمد یوں کرتے ہیں کہ اس کا مصداق مخالف مسلک کے افراد کو قرار دیتے ہیں۔ افسوس اور صد افسوس کہ قرآن پڑھنے پڑھانے کا یہ کبھی حاصل نہیں رہا، نہ ہی رسول اکرم ﷺ کا طریقہ دعوت ایسا تھا۔ اپنی کمزوریوں، خامیوں اور غلطیوں کو قرآنی آیات کے ذریعے حق بجانب قرار دیتے رہنا کسی طور درست نہیں اور اپنے پیروکاروں کو لفظی ساحری کے ذریعے مطمئن یا خاموش کر دینا کسی طور سودمند نہیں۔ یہ سمع واطاعت یقیناً قرآن وحدیث کو مطلوب نہیں۔

☆ قیادت:

انبیاء کے ورثاء ہونے کے ناطے علماء امت کا بنیادی کردار قائدانہ نوعیت کا ہے۔ انہیں سیاسی، سماجی، علمی، فکری، ثقافتی اور روحانی تمام میدانوں میں مسلمانوں کی تربیت اور قیادت کرنی ہے۔ تاہم تحریک پاکستان کے وقت سے لے کر پاکستان کی گزشتہ ۵۲ سالہ سیاسی تاریخ پر نظر دوڑائیں، ملک کے تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سماجی ڈھانچے کا تسلسل اپنے تمام تر اکھاڑ پچھاڑ کے باوجود وہی ہے، جو انگریز کے دور سے ایک خاص نہج پر استوار ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مذہبی طبقہ عوام کو مثبت قیادت دینے میں ناکام رہا ہے۔ اہل مذہب ذہن تیار کر سکے، نہ افراد موجودہ سیاسی نظام سے کٹ سکے نہ جڑ سکے عوام اعتماد حاصل کر سکیں نہ انہیں اسلامی سیاست وریاست کا وہ وژن فراہم کر سکے، جو عوام کو مغربی طرز سیاست کی خرافات سے بیزار کرتا

۲۱۔ آل عمران۔ ۱۵۹/۳

۲۲۔ الفتح: ۲۹/۴۸

اور اس کے علمبر داروں کے فساد سے خبر دار۔ اس کی بجائے مذہبی گروہوں کے باہمی تنازعات اور جماعتی تعصّبات کا یہ تسلسل تھا، جو عوام کے نالج سٹرکچر میں ان کے منفی امیج کو پیوست کر گیا۔ یہ تنازعات مدہم ہوئے، نہ جماعتی تعصّبات ختم ہوئے۔ وقت کے ساتھ یہ پھلے پھولے اور پھیلے۔ چنانچہ عوام کے ذہنوں میں مذہبی حلقوں کا منفی امیج انتخابی سیاست میں انہیں دینی سیاسی قوتوں کے قریب نہ کر سکا۔ اس جائزے سے یہ بات کی طرح واضح ہوتی ہے کہ علماء قوم کی صحیح اور جامع اسلامی قیادت دینے میں ناکام رہے ہیں۔

☆ اسلام کو مطلوب علماء:

قران وحدیث کے مطالعے کے بعد اسلام کو مطلوب علماء داعیان حق اور رجال فکر کے اوصاف کا خلاصہ کچھ یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

قلب ونظر کے لحاظ سے مسلمان ہوں، ایمان راسخ اور عزم کامل کے نشے سے سرشار ہوں۔ اخلاص وتقوی کی دولت سے مالا مال ہوں ان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اٹھے، ان میں دنیا پر آخرت کو ترجیح وفوقیت دینے کا جذبہ غالب ہو، شہرت وجاہت اور مال ومناصب کی ہوس سے ان کے دل پاک ہوں، قناعت واستغناء سے ان کی زندگی آراستہ ہو نہ دنیاوی تنعم کے دلدادہ ہوں اور نہ راہبانہ زندگی کو مقصد اسلام سمجھتے ہوں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ پر گامزن ہوں۔ اسلامی قانون میں درک وبصیرت کے ساتھ ساتھ ''قلب سلیم'' و''قلب منیب''۔ ''قلب شاکر'' اور ''لسان ذاکر'' کی دولت سے مالا مال ہوں۔ اسلامی شریعت کو ہر دور اور زندگی کے ہر شعبے میں یکساں اہمیت کا حامل سمجھتے ہوں۔ ان کے علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو نہ کہ مال وزر کی تجمیع، سفلی جذبات وافعال سے مبرا ہوں، تعصب سے خالی ہوں، ریا ونفاق اور خیانت وتحریف کو انسانیت کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہوں۔ مزید برآں حکمت سے بھرپور ہوں۔

☆ حرف آخر:

ضرورت اس امر کی ہے کہ دین کو اپنے دو اساسی منابع قرآن وسنت سے حاصل کیا جائے اس کی وہی توضیح معتبر قرار دی جائے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کی ہے۔ اجتہادی امور میں قرآن وسنت پر

گہری نظر رکھنے والے علماء کے بورڈ تشکیل دیے جائیں جو خلوص، بصیرت اور خالص علمی زبان میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہادی مسائل حل کریں۔ دین کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں درشتی، بدزبانی اور گالی گلوچ سے قطعاً احتراز کیا جائے۔ وہ زبان استعمال کی جائے جو نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کے بارے میں استعمال کی تھی اور جو موسیٰ نے دنیا کے سب سے بڑے کافر فرعون کے متعلق استعمال کی تھی۔

اقول قولی هذا، واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین

............☆............

عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ کی اہمیت اور اس کی روشنی میں جدید مسائل کا حل

* پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے صحیفہء حیات کے تمام حصّے سچائی اور صداقت پر مبنی ہوں۔ اگر اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں کے معیار کو جانچیں، تو معلوم ہوگا کہ سیرت نبویؐ کے، علاوہ کسی دوسرے شخص کی زندگی کے واقعات اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی سیرت کے بارے میں صحیح اور درست معلومات مہیا نہیں ہیں۔ علماء یہود نے ان میں تحریف و ترمیم کر دی ہے۔ عرصہء دراز کے بعد انہیں لکھا گیا تھا اور مصنف بھی نا معلوم ہیں۔ صرف یہی بات موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کی صحت و صداقت میں شبہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہی کیفیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کی ہے۔ مسیحی کلیسا کے نزدیک سرکاری طور پر جس مجموعے کو انجیل کہا گیا اور تسلیم کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد آخری دور میں ترتیب دیا گیا۔ اناجیل کی اپنی صحت مشکوک ہے سینکڑوں اناجیل کے نسخے مسیحیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔

بدھ اور کنفیوشس کے حالات میں کاہنوں کی من گھڑت کہانیاں ملتی ہیں۔ صحیح ترین سیرت، مدلّل، علمی تواتر کی حد تک درست اور صداقت کے معیار پر مبنی سیرت صرف محمد رسول اللہ کی ہی ہے اور اس دعوی میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا کی تمام قومی اور علاقائی زبانوں میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر کتب لکھی جا چکی ہیں۔ جن کا شمار ممکن نہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر مارگولیتھ (Margoliouth) نے ''محمد اور ظہورِ اسلام'' کے نام سے نبی اکرم ﷺ کے حالات پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی تو اس کی

---

* ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

ابتداء ان الفاظ سے کی:

The biographers of Prophet Mohammad form a long series which is impossible to end but in which it would be honourable to find a place(1)

سیرت نبوی ﷺ کی دوسری خصوصیت آپ کی زندگی کے تمام واقعات کا پورے تسلسل کے ساتھ معلوم ہونا ہیں۔ آپ کی زندگی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں جو پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم ہو۔ آپ کے والد عبداللہ اور والدہ آمنہ کی شادی سے لے کر آپ ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات تک سب معروف اور معلوم ہیں۔

حضرت موسیٰ کا بچپن، شباب اور نبوت سے قبل کی زندگی کے بارے ہم کچھ نہیں جانتے اور جو کچھ نبوت کے بعد حالات زندگی ہیں ان سے آپ کی شخصیت کی مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے واقعات بھی ہم سے اوجھل ہیں۔

ان سیرتوں کا آپ کی سیرت سے کیا مقابلہ، اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے جب قریش مکہ کو دعوت حق دی تو یہ فرمایا: ﴿فقد لبثت فیکم عمرًا من قبله افلا تعقلون﴾(۲) (میں نے تم میں اس سے پہلے عمر کا ایک حصہ گزارا ہے کیا تم عقل نہیں کرتے)۔ آپ کی حیات طیبہ ایک کھلی اور روشن کتاب ہے جس کا ہر باب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مغربی مفکر Hittii نے سیرت طیبہ کی اس خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

Mohammad was born with the full light of history(3)

سیرت نبوی ﷺ کی تیسری خصوصیت آپ کی سیرت کی کاملیت ہے کیونکہ کوئی زندگی خواہ کسی

۱۔ Margoliouth , Muhammad and the rise of Islam, Ruthman sons, New Yark, 3edition, P-23

۲۔ یونس:۱۴

۳۔ Phillips .K Hitti, History of Arabs (London) P-6

قدر تاریخی ہو جب تک کامل نہ ہو نمونہ نہیں بن سکتی ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾(۴) سیرت نبوی ﷺ ایک مکمل حیات طیبہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی ایسا پہلو نہیں جس کی تکمیل باقی ہو: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾(۵) (آج میں نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا اور آپ پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی اور آپ کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر محیط ہے یعنی آپ ﷺ کی حیات طیبہ جامع زندگی کا نمونہ ہے۔ جس میں وہ تمام قواعد اور اصول بیان ہیں۔ جن سے قوموں کی فلاح اور ترقی وابستہ ہے۔ اس میں انفرادی، اجتماعی، گھریلو اور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق رہنمائی میسر ہے۔ جو دوسرے انسانوں کی سیرتوں میں نظر نہیں آتی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ایک قومی لیڈر کی زندگی ہے جس میں اپنی قوم کو غلامی کے اس طوق سے نجات دلانا ہے جو مصریوں نے ان کے گلے میں ڈال رکھا تھا۔ بقیہ امور زندگی کے متعلق کوئی رہنمائی میسر نہیں ہے۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ایک عابد، زاہد، اور داعی کی نمائندگی تو کرتے ہیں مگر دیگر امور زندگی سے بالکل بے نیاز ہیں۔ ان حالات میں سیرت نبوی ہی ایک ایسی جامع حیات طیبہ ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ جس میں ہر نوع، ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لئے رہنمائی کی مثالیں موجود ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾(۶) (بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔

سیرت نبوی کی چوتھی خصوصیت عالمگیریت ہے۔ سیرت محمد ﷺ یہ تمام بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی مہیا کرتی ہے جس میں نہ تو رنگ نسل کی کوئی قید ہے اور نہ ہی علاقہ اور زبان کی۔ جب ہم دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات صرف اسی قبیلے یا علاقے کے لئے تھیں اور صرف اسی دور کیلئے تھیں۔ جس میں وہ نبی تھے لیکن نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ آنے والے تمام

۴۔ الاحزاب، ۲۱.

۵۔ المائدۃ، ۳.

۶۔ آل عمران، ۱۹۔

ادوار اور بنی نوع انسان کیلئے ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا﴾(۷)(فرما دیجئے اے لوگو بے شک میں آپ کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔

حضرت محمد ﷺ سے پہلے انبیاء کسی خاص علاقے یا خاص قوم کیلئے مبعوث ہوتے تھے۔ان کی تعلیمات صرف انہیں لوگوں کیلئے نمونہ تھیں مگر رسول اللہ کی سیرت عمومی اور عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرًا و نذیرًا﴾(۸)(ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا)۔

اس کا اظہار نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے ﴿بعثت الی کل احمر واسود﴾(۹)(میں ہر ایک سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں)۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وکان النبی یبعث الی قومه وبعثت الی الناس عامّة﴾(۱۰)(کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں)۔

سید سلیمان ندوی دلائل دے کر کہتے ہیں: عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے(۱۱) آپ ﷺ کی سیرت کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ احزاب میں اس طرح فرمایا ہے: ﴿یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدًا و مبشرًا ونذیرًا وداعیًا الی اللہ باذنه وسراجًا منیرًا﴾(۱۲)(اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف

۷۔ الاعراف،۱۵۸۔

۸۔ سبا،۲۸۔

۹۔ مسلم،الجامع الصحیح(دار السلام،الریاض،الاولی ۱۹۹۸)ص۲۲،حدیث نمبر۱۱۶۳،کتاب المساجد،باب المساجد۔

۱۰۔ خطیب تبریزی،مشکاۃ المصابیح(مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور مع ترجمہ،۱۲۰)۔

۱۱۔ سید سلیمان ندوی،خطبات مدراس(مسجد اہل حدیث،سانگلہ ہل،شیخوپورہ)۲۱۔

۱۲۔ الاحزاب،۴۵-۴۶

داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا)۔

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت:

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت صادق و امین تاجر، اولوالعزم مبلغ و داعی، اعلیٰ ترین معلم انسانیت، بے مثال مربی و مزکی، عظیم سپہ سالار، مدبر و منتظم، بے مثال قانون ساز، عدیم النظیر منصف و قاضی، قابل تقلید سربراہ خاندان، اعلیٰ اخلاق کے مالک انسان اور رسول رحمت جیسی صفات کا مجموعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ہمہ گیر سیرت کے مطالعہ کی اہمیت میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ ان اوصاف حمیدہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ ﷺ کو اللہ نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کی تفسیر ہے وہ کون سا شعبہ زندگی ہوگا جس میں اسوہ حسنہ سے رہنمائی میسر نہ ہوگی۔

مسلمانوں کو آپ کی سیرت کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کرنا چاہیئے کہ آپ ﷺ ایک انسان کامل کی حیثیت سے پوری دنیا کی رہنمائی کیلئے آئے جو حکم کسی دوسرے کو دیا سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور کوئی ایسا حکم امت کو نہیں دیا امت جس کے کرنے سے قاصر رہی ہو۔ اللہ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا﴾ (۱۳) (جو کچھ رسول تمھیں دے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور جس چیز سے وہ تمھیں روکے رُک جاؤ)۔

اس لئے کہ رسول ﷺ اپنے طور پر نہ کسی بات کا حکم دیتا ہے نہ اس سے روکتا ہے وہ تو پیغام خداوندی پہنچاتا ہے جیسا کہ سورۂ نجم میں ارشاد ہے: ﴿وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی﴾ (۱۴) (وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے)۔

اس لئے مسلمان کیلئے ضروری ٹھہرا کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے کے بعد اس پر

۱۳۔ الحشر: ۷۔

۱۴۔ النجم: ۳۔۴

عمل پیرا ہو۔ آپ کا اسوۂ حسنہ باعث نجات بھی ہے اور اکمال ایمان بھی ہے۔

ایک عام آدمی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ اسے انسانیت کا پتہ چلے کہ انسان کیا ہے؟ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ جو آسائشیں اور سہولتیں زندگی میں ملی ہیں ان کا مصرف کیا ہے اور اس کے بارے میں اسے کس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے؟

جب اس نہج پر ایک عام آدمی (جو مسلمان بھی نہیں ہے) مطالعہ کرے گا تو اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگا۔ پھر وہ بے مقصد زندگی کو با مقصد بنائے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**﴾ (۱۵) (میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے)۔

مال و دولت کا حصول ہی مقصد زندگی نہ ہوگا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ زندگی کا وہ راستہ منتخب کرے گا جو فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے ﴿**ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فازا فوزًا عظیمًا**﴾ (۱۶) (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تحقیق وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچا)۔

ایک سیاستدان جب آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو یقیناً اسے ریاست اور اہلیان ریاست کے حقوق اور ان قواعد وضوابط کا پتہ چلے گا جس پہ ریاست کی فلاح کا انحصار ہے۔ وہ تدبیر منزل کو اپنی مفادات پر اہمیت دے گا۔ ﴿**ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون**﴾ (۱۷)

(وہ اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو خود ضرورت ہے جو نفس کی بخیلی سے بچ گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں)۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چادر پہنی تھی ایک صحابی نے تعریف کی کہ اچھی ہے آپ نے اتار کر اس کو دے دی۔ یہ واقعہ کتب حدیث و سیرت میں بہت معروف ہے۔

ایک سپہ سالار اور مجاہد جب آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں گے تو اس بات کا سبق ملے گا کہ عزم واستقلال کی پختگی بڑے سے بڑے اور طاقتور دشمن کے سامنے ایک آہنی دیوار ثابت ہو سکتی ہے۔ عرب

۱۵۔ الذاریات:۵۶۔

۱۶۔ الاحزاب:۷۱۔

۱۷۔ الحشر:۹۔

کی تاریخ میں آپ نے خندق کھود کر جنگ لڑی۔ طائف کے محاصرے میں دبابہ (ٹینک) استعمال کیا گیا۔ یہ تمام حربی تدابیر میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید سے جدید جنگی تدابیر کا سبق دیتی ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿انفرو خفافًا وثقالاً جاهدوا باموالكم وانفسكم﴾ (۱۸) (ہلکے اور بوجھل نکلو اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو)۔ نبی اکرمؐ اس کی زندہ تصویر ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ﴿انا كنا اذا حمى الباس واحمرت الحدق، واتقينابرسول الله فمايكون احدًا اقربنا الى العدو منه﴾ (۱۹) (جب گھمسان کا رَن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا اس وقت ہم نبی ﷺ کی اوٹ کرلیا کرتے تھے اور سب سے آگے دشمن کی جانب نبی ﷺ ہی ہوتے تھے)۔

آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے ایک سپہ سالار اور مجاہد کو بھی سبق ملتا ہے کہ جب وہ دشمن پر غالب آجاتے تو مغلوب دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: ﴿من دخل دار ابى سفيان فهو آمن، ومن اغلق بابه فهو آمن ومن دخل المسجد فهو آمن﴾ (۲۰) (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہوگا۔ جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہوگا۔ وہ جو مسجد (حرام) میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہوگا)۔

ایک تاجر یا دکاندار کو آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ درس ملے گا کہ تجارت نہ صرف حصول معاش کا ذریعہ ہے بلکہ دین اور دنیا کی کامیابی اور بھلائی کا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ پھر نہ تو وہ اس میں ملاوٹ کرے گا نہ ناپ تول میں کمی کرے گا، نہ سودا فروخت کرتے وقت اس کے عیب چھپائے گا اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرے گا تاکہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿واوفوا الكيل والميزان بالقسط﴾ (۲۱) (ماپ اور تول انصاف سے پورے پورے دو)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿من غشّ فليس منّا﴾ (۲۲) (جس نے

۱۸۔ التوبہ: ۴۱۔

۱۹۔ احمد، المسند (القاهرة)، ۱/۱۲۶۔

۲۰۔ ابن هشام، عبدالملک، السيرة النبوية (دارالجيل بيروت،، الطبعة الثالثة، ۱۹۹۸) ج ۳، جز ۵، ص ۶۰۔

۲۱۔ الانعام: ۱۵۲۔

ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿المحتکر ملعون﴾(۲۳)(ذخیرہ اندوزی کرنے والاملعون ہے)۔

آپ ﷺ نے جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت کرنے سے بھی منع فرمایا:﴿عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لا یکلمهم اللہ یوم القیامة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم. قال ابو ذر: خابوا و خسروا، من هم یا رسول اللہ؟ قال : المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الکاذب﴾(۲۴)(حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: وہ نقصان میں رہے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون ہیں؟

فرمایا:۔ چادر لٹکانے والا،احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال فروخت کرنے والا)۔

رسول اللہ خود تجارت میں کبھی دھوکہ نہ کرتے تھے۔دیانت داری سے کام لیتے۔جس کی گواہی میسرہ نے دی۔اس وجہ سے حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا۔

ایک شوہر اور باپ جب سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو اسے اپنی زندگی کو عدل وانصاف اور مساوات سے گزارنے کا درس ملے گا۔آپ ﷺ نے عورتوں کی عزت ووقار میں جس قدر اضافہ فرمایا اس سے قبل کی عورت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

حضور ﷺ کے ارشادات کے مطابق انسان کے اخلاق وکردار اس کے اہل خانہ کے ساتھ سلوک سے ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿عن عائشہؓ قالت. قال رسول اللہ خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم

۲۲۔ ترمذی،السنن (دارالسلام الریاض،الطبعة الاولی،۱۹۹۹ء)ص ۳۱۹،حدیث نمبر ۱۳۱۵۔

۲۳۔ ابن ماجہ،السنن (مکتبة المعارف الریاض،الطبعة الاولی،۱۹۹۸،تعلیق ناصر الدین البانی)۲/۴۴۸۔

۲۴۔ ابن ماجہ،السنن، کتاب التجارة،باب ماجاء فی کراهیة الایمان فی الشرائط (مکتبة المعارف الریاض،الاولی،۱۹۹۸،تعلیق ناصر الدین،البانی جلد نمبر ۴ ص نمبر ۳-۴۷-۴۷،حدیث نمبر ۲۲۴۸۔

لاھلی﴾(۲۵)(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا آپ میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہو۔ میں آپ میں سے اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہوں)۔

حضورﷺ ویسے بھی سب بیویوں کے ساتھ انصاف سے کام لیتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿قوا انفسکم و اھلیکم نارا﴾(۲۶)(اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔ جس سے ایک باپ اپنے فرائض کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

ایک حکمران یا سربراہ ادارہ کی حیثیت سے جب آپﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو اوصاف حمیدہ سے تعمیر کردار کا سبق ملتا ہے۔ عدل کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

﴿ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان﴾(۲۷)(اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)۔

سیرت طیبہ پر عمل کرنے سے عدل جیسی صفت پیدا ہوتی ہے۔ اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربی﴾(۲۸)(کہہ دیجئے میں آپ سے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا سوائے قرابت داری کی محبت کے)۔

جوابدہی کے پیشِ نظر حکمران وقت من مانی نہیں کرتا بلکہ مخلوق کی فلاح چاہتا ہےاور فرائض نیابت ادا کرتا ہے کیونکہ حقیقی ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ ارشاد ہے:﴿للہِ ملک السموات والارض﴾(۲۹)(اللہ ہی کیلئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے)۔

بلکہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:﴿من جعل قاضیًا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین﴾(۳۰)

۲۵۔ ابن ماجہ، السنن (دارالسلام، الریاض، الطبعہ الاولی، ۱۹۹۹ء) ص ۲۸۳، حدیث نمبر ۱۹۷۷۔

۲۶۔ التحریم، ۶۔

۲۷۔ النحل، ۹۰۔

۲۸۔ الشوریٰ، ۲۳۔

۲۹۔ المائدۃ، ۱۲۰۔

۳۰۔ احمد، المسند ۲/ ۳۶۵۔

(جس کولوگوں کے درمیان جج بنایا گیا وہ چھری کے بغیر ذبح ہو گیا) یعنی اس پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ گئی جس میں اس کو ہر حال میں انصاف کرنا ہو گا۔ انبیاء کرام دنیا میں اصلاح عقیدہ کے لیے تشریف لاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اصلاح عقیدں میں اہم کردار انجام دیا۔ اور ان کا تزکیہ کیا۔ اس ذہنی انقلاب کی جھلک دیکھنے کے لئے رسول اللہ کی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔

عصر جدید کے مسائل اور ان کا حل:

آج کا انسان بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ یہ مسائل معاشی بھی ہیں، سیاسی بھی اور اخلاقی بھی۔ کہیں انفرادی مسائل ہیں تو کہیں اجتماعی، قومی بھی اور بین الاقوامی بھی۔ آخر ان مسائل کا کوئی حل بھی ہے؟ یقیناً عصرِ جدید کے ان تمام مسائل کا حل سیرت طیبہ میں موجود ہے۔ آپ کی سیرت مقدسہ ایک مکمل دستور حیات ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: ﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾(۳۱) (تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)۔

اس دستور حیات میں عصر حاضر کے طور اطوار کی اصلاح موجود ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور کا انسان ستاروں پر کمند اور چاند پر اپنا قدم جمانے کے باوجود گونا گوں مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ معاشی اور معاشرتی مسائل میں بڑھتی ہوئی آبادی، غربت، ناخواندگی اور جہالت، بیروزگاری، بیماری، مہنگائی، معاشی بدحالی اور معاشی ناہمواریاں قابل ذکر ہیں۔ طبقاتی کشمکش، نسلی امتیاز، آزادی نسواں کا مسئلہ، عائلی نظام میں شکست وریخت کا عمل، منشیات کا استعمال، شراب نوشی، لاقانونیت، ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کا جنون، مذہب سے دوری و معاشرتی بے راہ روی، الحاد و ہریت، معاشرتی بدحالی اور بدامنی بین الاقوامی بدنظمی، بے حیائی اور مغرب کی اندھی تقلید قابل توجہ مسائل ہیں۔ اس مقالہ میں ان میں سے چند مسائل کو زیر بحث لایا جائے گا۔

۱۔ آبادی میں اضافہ: جدید دور کا سب سے اہم مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے جو پاکستان جیسے ترقی

۳۱۔ الاحزاب،۲۱۔

۳۲۔ الاسراء،۳۱۔

۳۳۔ الاعراف،۱۰۔

پذیر ملک کی سماجی، اقتصادی اور عوامی فلاح و بہبود میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ تیسری دنیا میں اب اس اضافہ کی شرح تین فیصد سالانہ ہے جس کی وجہ سے ہر سال تقریباً ۷۵ ملین افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ روزگار اور بہتر معیار زندگی کے لئے شہروں کی طرف نقل مکانی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ۲۰۳۰ء تک شہری اور دیہی آبادی میں تناسب بالکل بدل جائے گا۔

سیرت طیبہ میں جب ہم آبادی کے مسئلہ کا حل دیکھتے ہیں تو یہ سبق ملتا ہے۔ اولاد کو اس اندیشہ سے قتل نہ کیا جائے کہ وہ رزق میں حصہ دار بن جائیں گے۔

﴿**ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیرا**﴾ (۳۴) (اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی اور آپ کو رزق دیتے ہیں۔ ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے)۔

اسلام آبادی میں اضافہ کا حقیقی حل اضافہ پیداوار کی شکل میں تجویز کرتا ہے۔

ارشاد قرآن ہے۔

﴿**ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش**﴾ (۳۳) (ہم نے تم کو زمین میں قدرت دی اور اس میں تمھارے وسائل معیشت بنائے)۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں'' (۳۴)۔

مخلوق انسانی رحمت ہے اگر انہیں صحیح سمت لگایا جائے اور منصوبہ بندی سے کام لیا جائے تو اضافہ آبادی مسئلہ نہیں بلکہ Man Power کے طور پر انسانی ترقی کے لئے نفع بخش ہوسکتا ہے۔ زمین انسان کا مسکن ہے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿**ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین**﴾ (۳۵) (آپ کے لیے زمین میں ٹھہرنا ہے اور کچھ وقت کیلئے فائدہ اٹھانا ہے)۔ اور رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

۳۴۔ کنوز الحقائق، ص ۲۱۵۔

۳۵۔ البقرۃ، ۳۶۔

۳۶۔ الزخرف، ۳۲۔

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم فی الحياة الدنيا﴾(۳۶)(ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کردیا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ليس لابن آدم حق سوی هذه الخصال بيت يسكنه او ثوب يواری به عورته وجلف خبزِ والماء﴾(۳۷) ان آیات وحدیث کے حوالے سے انسانی آبادی میں اضافہ اس وقت باعث تشویش ہوگا جب لوگ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے تقدیر کے منتظر ہوں گے وگرنہ وسائل بہت زیادہ موجود ہیں۔

۲۔ ناخواندگی اور جہالت:

جہالت کا خاتمہ اور تعلیم کا فروغ عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے کیونکہ عالم اسلام سائنسی میدان اور تعلیم کی دنیا میں اقوام عالم سے بہت پیچھے ہے۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم ناخواندگی کو علم کی روشنی میں کیسے تبدیل کریں تاکہ ہم بھی مغربی اقوام کی طرح ترقی کی منازل طے کرسکیں۔پہلی وحی کے الفاظ سے ہی علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے پھر سورۃ قلم میں اللہ تعالی نے قلم اور لکھنے کی قسم کھائی ہے۔نبی اکرم ﷺ نے فروغ تعلیم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿طلب العلم فريضة علی كل مسلم﴾(۳۸)(علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

نبی اکرم ﷺ کا طلب علم کا انداز قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿قل رب زدنی علمًا﴾(۳۹)(کہہ دیجئے اے میرے رب مجھے زیادہ علم عنایت فرما)۔

اہلِ علم کو اللہ کے ہاں زیادہ عزت دیکر اہل علم کی برتری کا اظہار قرآن میں اس طرح ہے:

﴿قل هل يستوی الذين يعلمون الذين لا يعلمون﴾(۴۰)(کہہ دیجئے کیا اہل علم اور ناخواندہ برابر ہوسکتے ہیں)۔

۳۷۔ المشکاۃ ۳/۱۱۰، ح ۵۱۸۶۔

۳۸۔ ابن ماجہ، السنن (دار السلام الریاض) ص ۳۴، حدیث نمبر ۲۲۴۔

۳۹۔ طہ ۱۱۴۔

۴۰۔ الزمر ۹۔

علم سے ہی اللہ کے قانون اور رضا الٰہی کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ (۴۱) (اللہ سے اس کے بندے علماء ہی ڈرتے ہیں)۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

﴿خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ﴾ (۴۲) (آپ میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿انما بعثت معلما﴾ (۴۳) (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے گھر میں پھر دار ارقم اور شعب ابی طالب میں یہ سلسلہ قائم رکھا۔ مدینہ سے عقبہ ثانیہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر روانہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم دیں (۴۴)۔ مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر صفہ کی درسگاہ تھی۔ اس طرح دیگر مساجد میں، تعلیم و تعلم کا سلسلہ مسجد قبا میں بھی تھا جس کا ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔

﴿حدثنی عشر من اصحاب رسول اللہ ﷺ قالوا کنا نتدارس العلم فی مسجد قبا اذ خرج علینا رسول اللہ فقال: تعلموا ما شئتم ان تعلموا فلن یاجر کم اللہ حتی تعملوا﴾ (۴۵) (نبی ﷺ کے دسیوں صحابہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ مسجد قبا میں علم دین سیکھتے پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس حال میں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ جو چاہو تم لوگ پڑھو جب تک عمل نہیں کرو گے اللہ اجر و ثواب نہیں دے گا)۔

آپ ان کو قرآن، حدیث، فقہ اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ مسجد نبوی کا وہ ستون تھا جس سے حضرت ابولبابہؓ نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ نبیؐ اس کے پاس اکثر نوافل پڑھا کرتے تھے اور یہیں صبح کی تعلیمی مجالس قائم فرماتے تھے۔

۴۱۔ فاطر، ۲۸۔

۴۲۔ البخاری، الجامع الصحیح (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۹ء) ۹۰۱، حدیث نمبر ۵۰۲۷۔

۴۳۔ ابن ماجہ، السنن ص ۳۵۔ ج ۲۲۹۔

۴۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/ ۲۸۱۔

۴۵۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۲۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر ادا فرما لیتے تو ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا تھا (۴۶)۔

عہد نبویؐ میں گھر گھر قرآن حکیم کی تعلیم کا رواج عام ہو گیا۔ گھریلو مکاتب جاری ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ ان کے بچے، ان کے پوتے اور بیویاں تک قرآن کی تعلیم سے استفادہ کرنیوالوں میں سے ہو گئیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ ایک دفعہ نبیؐ نے علم دین کے اٹھ جانے کی بات کی تو حضرت زیاد بن لبید انصاری بیاضیؓ نے آپؐ سے عرض کیا ﴿**کیف یختلس منا وقد قرأ نا القرآن فو اللہ لنقرأنه نساء نا وأبناؤ نا**﴾ (۴۷) (علم ہم سے کیسے اٹھالیا جائیگا حالانکہ ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اسے پڑھتے ہیں، ہم اپنی عورتوں کو پڑھائیں گے اور اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے)۔ اس سے مدینہ میں قرآن اور دینی تعلیم کے لیے گھریلو مدارس کی کثرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم و تعلم کا اہتمام اگرچہ مکہ میں بھی کیا تھا لیکن مدینہ پہنچ کر تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ایک مکان میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا یہی سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری پر اصحاب صفہ کی اقامتی یونیورسٹی بن گیا۔ جس میں دور دور سے طالب علم آکر قیام کرتے اور علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ صحابی حضرت ابو ھریرہؓ جن سے پانچ ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں اس درسگاہ کے طالب علم تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو تعلیم و تدریس کے لیے وقف کیا۔ مسلمانوں میں اس کے باوجود عربی لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس زمانہ میں عربی رسم الخط اپنی ابتدائی حالت میں تھا۔ اسی وجہ سے اسکا سیکھنا بے حد مشکل تھا۔ جنگ بدر میں جب قریش کے ستر سرکردہ افراد گرفتار ہو کر آئے تو پتہ چلا کہ ان میں سے چند ایسے قیدی بھی ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ نبی ﷺ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان کے لیے شرط مقرر کی کہ اگر ان میں سے ہر قیدی

۴۶۔ محمد بن محمد الفاسی، مجمع الفوائد، (المکتبہ الاسلامیہ سمندری فیصل آباد)، ۱: ۴۸۔

۴۷۔ ترمذی، السنن، ابواب العلم- باب ماجاء فی ذھاب العلم (کتب خانہ رشیدیہ دہلی) ۲: ۹۰۔

مدینہ منورہ کے دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیگا تو انہیں رہا کر دیا جائیگا اور یہ تعلیمی خدمت ہی ان کی رہائی کا سبب بن جائیگی (۴۸)۔ رسول اللہ کے نظام تعلیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور اس کا ایک خاص پہلو تعلیم کے ساتھ تربیت وتزکیہ ہے۔ جو دیگر نظام تعلیم کے نظریات میں نہیں ہے۔

۳۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام:

عصرِ جدید کا ایک اہم مسئلہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ طبقہ سیاست اور ملکی وسائل پر قابض ہے۔ غریب محنت کش اور مزدور پیٹ بھر کر روٹی کیلئے بھی محتاج ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام نے تمام دنیا کو شکنجے میں قابو کر رکھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے جس فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس میں سرمایہ داری کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**خذ من اموالھم صدقۃ**﴾ (۴۹) (ان کے اموال سے زکوٰۃ لیں)۔ اس آیت میں نبی کریم کو حکم ہے کہ امراء سے جبراً زکوٰۃ وصول کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کسب حلال کا حکم دیا۔ سود کی ممانعت فرمائی۔ جوئے اور سٹے کو حرام قرار دیا۔ ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری کو حرام قرار دیا۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب قرآن نے یوں دی ہے ﴿**یایھا الناس کلوا مما فی الارض حللاً طیبًا ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مّبین**﴾ (۵۰) (اے لوگو زمین میں جو حلال پاکیزہ ہے اسے سے کھاؤ اور شیطان کے نشانات کے پیچھے نہ چلو وہ تمھارا واضح دشمن ہے)۔ اور وہ تمام راستے اسلام نے بند کر دیئے ہیں جو ناجائز ہیں ذرائع آمدن ہیں ارشاد ہے۔ ﴿**یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافًا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون**﴾ (۵۱) (اے ایمان والو کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ)۔

اور فرمایا: ﴿**یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ**

۴۸۔ ابن کثیر، سیرت النبی (مکتبہ قدوسیہ لاہور، طبع اوّل ۱۹۹۶ء) اردو ترجمہ ۱/۶۲۱۔

۴۹۔ التوبہ، ۱۰۳۔

۵۰۔ البقرۃ، ۱۶۸۔

۵۱۔ آل عمران، ۱۳۰۔

عن تراض منکم﴾(۵۲)(اے ایمان والو آپس میں تمھارا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تجارت میں رضامندی سے)۔ زکاۃ کا فلسفہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ﴿توخذ من اغنیائھم وترد الی فقراء ھم﴾(۵۳) رسول اللہ ﷺ خود بھی کسی سائل کو خالی نہ لوٹاتے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کر دیا تو فرمایا ﴿ربحت تجارۃ ابی بکر﴾(۵۴) (ابوبکرؓ کی تجارت فائدہ مند ثابت ہوئی) اسلام میں سرمایہ داری کی اس لحاظ سے گنجائش نہیں ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی تلقین کی۔ مسند احمد میں حدیث ہے۔ رسول اللہؐ ایک دفعہ اہل مجلس سے دولت مندی اور دنیاوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے کہ یہ چیز اچھی ہے یا بُری اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہے یا مفید تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اس کے لیے مالداری میں کوئی مضائقہ نہیں اور کوئی حرج نہیں اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دِلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس پر شکر واجب ہے)۔(۵۵) پاکستان کی معشیت پر جاگیرداروں کا قبضہ ہے زیادہ تر وہ جاگیردار ہیں جن کو انگریزوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کے صلہ میں انہیں جاگیریں دیں۔ یہ عیاشیوں پر دولت کو ضائع کرتے ہیں ان کا صحیح سراغ لگا کر ان کی جائدادیں ضبط کر کے غریب لوگوں میں تقسیم کی جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں زمین آباد نہ کرنے کی وجہ سے حضرت بلالؓ کی زمین واپس لے لی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے عنائت فرمائی تھی، پھر ان لوگوں کی جائدادیں کیوں نہ ضبط کی جائیں۔ جو مسلمانوں اور اسلام کے غداری کے صلہ میں دی گئی ہیں۔

۴۔ غربت:

عصرِ جدید کا ایک سنگین مسئلہ غربت بھی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک نے تجارتی

۵۲۔ النساء، ۲۹۔

۵۳۔ بخاری، الجامع الصحیح ص ۲۲۴-۲۲۵، ح ۱۳۹۵ (کتاب الزکاۃ)۔

۵۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ودیگر کتب سیرت وتاریخ

۵۵۔ ڈاکٹر عبدالحی، اسوہ رسول اکرم ﷺ ص ۲۹۔

اور اقتصادی میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے پسماندہ ممالک اقتصادی طور پر کمزور ہو گئے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک نہ تو پسماندہ ممالک کی اشیاء خریدتے ہیں اور نہ ہی دلی طور پر ان کی معاشی ترقی چاہتے ہیں۔ اقتصادی و سودی نظام کی پابندیوں سے ان کی معاشی حالت مزید خراب ہوتی جا رہی ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک آپس میں ہی تجارت کو فروغ دیتے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ میں اس مسئلے کا حل موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ زکوٰۃ صدقات کے نظام کے ذریعے سے غربت کا خاتمہ کیا گیا اور معاشی طور پر ایک دوسرے کی مدد کو رواداری اور اخوت کا نام دیا۔ اللہ نے امراء سے زکوٰۃ وصول کرنے کا نبی ﷺ کو حکم دیا۔ ﴿خذ من اموالهم صدقة﴾ (۵۶) (ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو)۔

سود کو اللہ نے اپنے اور رسولؐ کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا کیونکہ غربت کی ایک وجہ سودی لین دین بھی ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿یایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (۵۷) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الربا سبعون حوبًا أیسرها أن ینکح الرجل أمّه) (۵۸) (سود کی ۷۰ سے زیادہ قسمیں ہیں کم ترین یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے نکاح کرے)۔ رسول اللہؐ نے جب سود کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا تو ساتھ ہی فرما دیا: میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس کا سود معاف کرتا ہوں۔ (۵۹)

حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿اقسم المال بین اهل الفرائض علی کتاب الله﴾ (۶۰) (اہل فرائض میں کتاب اللہ کے مطابق مال تقسیم کرو)۔ اسلامی معاشرے میں گردش دولت کو ہی معاشرتی زندگی

۵۶۔ التوبہ، ۱۰۳۔

۵۷۔ البقرہ، ۲۷۹۔

۵۸۔ ابن ماجہ، السنن ص ۳۲۴، ح ۲۲۷۴۔

۵۹۔ خطبہ حجۃ الوداع، ص ۹۷۔

۶۰۔ ابوداؤد، السنن (دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۹ء) ص ۴۲۲، حدیث ۲۸۹۸، کتاب الفرائض۔

قرار دیا ہے ﴿کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم﴾ (۶۱) (تمہاری دولت صرف غنی لوگوں میں ہی گردش نہ ہوتی رہے)۔

اسی طرح اہل ایمان کی نشانی بتائی کہ وہ اپنی ضرورت پر بھی ترجیح دیتے ہیں: ﴿ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون﴾ (۶۲) (وہ اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو ضرورت ہو۔ جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچ گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں)۔ ﴿والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت ایمانهم فهم فیه سواء فبنعمة الله یجحدون﴾ (۶۳) (وہ ذات جس نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی۔ وہ لوگ جو فضیلت دیئے گئے کہ وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ برابر ہو جائیں گے۔ کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں)۔

اس طرح فرمایا: ﴿والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم﴾ (۶۴) (ان کے مالوں میں سائل اور نہ سوال کرنے والے کا حق معلوم ہے)۔

رسول اللہؐ نے غربت کے خاتمہ کے لئے عملی اقدامات کئے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو آپؐ نے مانگتے پھرتے دیکھا تو اس کو آپؐ نے روک دیا اور فرمایا: آپ کے گھر میں کوئی چیز ہے تو اس نے کہا ایک موٹا کمبل ہے جس کا بعض حصّہ اوپر لیتے ہیں اور بعض حصہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ جب وہ دونوں چیزوں کو لے آیا تو رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا: ان دونوں چیزوں کو کون خریدنا چاہتا ہے ایک آدمی نے کہا میں ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کوئی ایک درہم سے زیادہ دینا چاہتا ہے ایک اور آدمی نے کہا میں دو درہم میں خریدلوں گا۔ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں لیکر اس سے دو درہم لیے اور مانگنے والے انصاری کو دیکر فرمایا ایک

۶۱۔ الحشر، ۷۔

۶۲۔ الحشر، ۹۔

۶۳۔ النحل، ۷۱۔

۶۴۔ المعارج، ۲۴-۲۵۔

درہم سے غلّہ خرید واور اپنے گھر والوں کو دے دواور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ جب وہ لایا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے دستہ ڈال دیا اور فرمایا جاؤ لکڑیاں اکٹھی کرواور بیچواور فرمایا میں آپ کو پندرہ دن تک نہ دیکھوں وہ آدمی چلا گیا لکڑیاں اکٹھی کرتا رہا اور بیچتا رہا وہ آیا تو اس کے پاس دس درہم تھے بعض کے اس نے کپڑے خریدے اور بعض کا غلّہ خریدا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ آپ کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ مانگنے کی وجہ سے قیامت کے دن آپ کے چہرے پر سیاہی ہو(٦٥)۔

مسلمان خود مزدوری کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی کام کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی سوال کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا تھا سب میں خودداری تھی محبت کی فضا دی۔ نعیم صدیقی نے رسول اللہؐ کے دور کے مثالی معاشرے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔"کیا دنیا ان کا ایثار دیکھ دیکھ کر مبہوت نہ ہوتی ہوگی کہ انصار نے اپنے گھر بار اور مال ومتاع آدھوں آدھ بانٹ کر مہاجرین کے سامنے رکھ دیئے کیا عوام کے دل اس مساوات کا سماں دیکھ کر کھنچتے نہ ہوں گے؟ کہ ادنٰی ترین غلام خاندانی ہستیوں کے ساتھ اور غریب طبقوں کے افراد اہل ثروت کے ساتھ اور گھروں سے اجڑ کر آنے والے لوگ مدینہ منورہ کے مقامی باشندوں کے ساتھ صف واحد میں کھڑے ہیں۔ ہر ایک کو اہمیت حاصل ہے، ہر ایک کی عزت ہوتی ہے، ہر ایک کی رائے وزن رکھتی ہے، اور ہر ایک کو ذمہ داریاں اٹھانے اور جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ایک برادری ہے جس کے سارے افراد اچھے حالات میں بھی شریک رہتے ہیں اور تکلیف اور مصیبت میں بھی حصّہ دار بنتے ہیں۔ ان کے غم مشترک، ان کی مسرتیں مشترک، ان کا سوچنا مشترک اور ان کے اقدام مشترک! بھوک کا دور ہے تو اس میں سب سے زیادہ حصّہ دار سوسائٹی کا قائد ہے اور خوشحالی کا دور آتا ہے تو اس میں سب سے کم حصّہ وہ اپنے لئے لیتا ہے۔ جاہلی تصورات کے مطابق اونچے اور نیچے خاندانوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہوں گے۔ رسوم ورواج کی بوجھل بیڑیاں کاٹ کر سادہ معاشرت کا جو نہج نکالا گیا تھا اس کی طرف طبائع از خود کھنچتی ہوں گی۔ کتنی محبت بھری زندگی

٦٥۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکاۃ المصابیح، باب من لا تحل لہ مسئلہ (نور محمد اصح المطابع کراچی)، ص١٦٣۔ بحوالہ / سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ

تھی، کتنی ہلکی پھلکی، کتنی پُر امن اور کتنی اطمینان بخش، صحیح معنوں میں حیات طیبہ''(٦٦)۔

رسول اللہ ﷺ غرباء سے محبت کرتے تھے اور اُن میں بیٹھنا پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے۔ ﴿ابغوني في ضعفاء کم، فانما ترزقون و تنصرون بضعفاء کم﴾(٦٧) (مجھے ضعفاء میں تلاش کرو تمہیں کمزوروں کے سبب رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے)۔رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:' ﴿اللهم احيني مسكينًا وامتني مسكينًا واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة﴾(٦٨)(اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین حالت میں مجھے موت دے اور مجھے قیامت کے دن مسکینوں کے زمرے میں اٹھا)۔غریب ہونا اتنا برا نہیں ہے اس میں انسان عزت و وقار اور خودی کا خیال ضروری ہے۔صحابہ کرام کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا:

فقیری میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

۵۔ آزادی نسواں:

موجودہ تہذیب کا ایک نعرہ عورت کی آزادی، مساوات اور ترقی کا ہے۔اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور مغرب میں مساوات مرد و زن اور ترقی نسواں کے فریب میں عورت کو گرفتار کر کے اسے زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر بلکہ ان سے بھی آگے نکال دیا ہے وہ اب صرف نائٹ کلبوں کی زینت ہی نہیں بلکہ مردوں کی ہوس کا سامان بننے کے لیے پرسنل سیکرٹری، ٹائپسٹ کے قدرے شائستہ روپ سے بڑھ کر ایئر ہوسٹس اور فوٹو گرافر تک نظر آتی ہیں۔اشتہار بازی کے لیے بھی عورت کو استعمال کیا جاتا ہے۔اس سے معاشرے میں سکون کی بجائے ذہنی پریشانی اور نفرت کا دور دورہ ہے۔حالانکہ اسلام نے بحیثیت انسان مرد و عورت کو برابر قرار دیا ہے۔عقائد کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے نیکی اور بدی کے بدلے کے لحاظ سے دونوں

٦٦۔ حافظ سعد اللہ، وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے ﷺ (اقبال پبلشنگ کمپنی، اکرم آباد، مدینہ کالونی لاہور کینٹ) ص ٢٤٥-٢٤٦۔ بحوالہ محسن انسانیت

یکساں ہیں۔ جرائم کی سزا کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے۔ ملکیت رکھنے کے لحاظ سے بھی ہر ایک کو اپنی ملکیت میں تصرف کی اجازت ہے۔ اسلام مرد و عورت میں فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت کی وجہ سے ذمہ داریوں کے لحاظ سے فرق سمجھتا ہے۔ گھر کے باہر کے تمام کام مرد کے ذمہ ہیں۔ نسل کی پرورش عورت کی ذمہ داری ہے گھر کے اندرونی معاملات کی عورت ذمہ دار ہے جہاں تک عورت کی آزادی کا تعلق ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عورت کو اپنی بات کہنے کی آزادی تھی چنانچہ قرآن کریم نے حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کو واضح طور پر بیان کیا (۶۹)۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر﴾ (۷۰)

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے''۔

حضور ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسماءؓ حاضر خدمت ہوئیں اور مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

''رسول خدا ﷺ پر میرے ماں باپ قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے یہ پیغام لیکر آئی ہوں کہ اللہ نے آپ ﷺ کو مرد و زن کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ ہم سب آپ ﷺ کے متبع ہیں اور آپؐ پر ایمان لاتے ہیں مگر ہم میں اور مردوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم گھروں میں محصور ہیں۔ ہم آپ لوگوں کی اولاد کو پالتی ہیں تم لوگ مرد ہو، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہو۔ حج کرتے ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہو۔ ہم ان تمام معاملات میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ تمہارے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ لباس کے لیے چرخہ کاتتے ہیں تو کیا ہم اجر و ثواب میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوں گے۔

۶۷۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح (المکتبہ التجاریہ، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۱ء) باب فضل الفقراء، ۳/۱۲۰، ح ۵۲۴۲۔

۶۸۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح ص ۱۲۰: ترمذی، السنن (مکتبہ دارالسلام الریاض) ص ۵۳۷، ح ۲۳۵۲۔

۶۹۔ نعیم صدیقی، عورت معرض کشمکش میں (ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور) ص ۱۲۰-۱۲۱۔

۷۰۔ المجادلہ، ۱۔

ان کی تقریر سن کر حضور ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے مذہب کے بارے کبھی کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی۔ صحابہ نے عرض کیا ہمیں تو کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ کوئی عورت ایسا سوال کر سکتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی رضامندی، فرماں برداری اور موافقت کرتی ہے اور زوجیت کے فرائض ادا کرتی ہے تو اسے بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا (۷۱)۔

۶۔ مذہبی تعصب، بدامنی اور بین الاقوامی بدنظمی:

بعثت نبویؐ کے وقت امن عالم کی حالت ناگفتہ بہ تھی اس وقت کی دو متمدن سلطنتیں روم اور فارس آپس میں برسرِ پیکار تھیں۔ بڑی طاقتوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے پورا عالمی امن تباہ تھا۔ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز تھی۔ معاشرہ میں طبقاتی کشمکش تھی۔ مختلف مذاہب کے پیروکار مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات رکھتے تھے۔ ہر طرف پریشانی کا عالم تھا۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ﴿**ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس**﴾ (۷۲)۔ چنانچہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے'' (۷۳)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے ذریعے مذہبی تعصب کو ختم کرنے کے لیے توحید کی دعوت دی جو کہ تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت تھی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿**یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمةٍ سواءٍ بیننا وبینکم الاّ نعبد الا الله ولا نشرک به شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانّا مسلمون**﴾ (۷۴) (اے الہامی کتاب کو ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

۷۱۔ پروفیسر عاصمہ فرحت، سیرت نبوی ﷺ میں عورت کا کردار (اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۶) ص ۱۰۵-۱۰۶۔

۷۲۔ الروم: ۴۱۔

۷۳۔ المائدہ: ۱۵۔۱۶

۷۴۔ آل عمران: ۶۴۔

اور ہم خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں۔ اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تم اس پر سر تسلیم خم کر چکے)''۔

اسی طرح پیغمبر ﷺ نے دیگر تمام معاملات جن کے اندر اختلاف اور برتری کا جذبہ تھا اس کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ یہ ارشاد ہوا ﴿یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾(۷۵) (اے انسانو! ہم تمہیں ایک مرد، ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں محض اس لیے بانٹا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے معزز تو وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور خداترس ہو)۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ''کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر، کسی عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے''(۷۶)۔

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کو خط لکھتے ہوئے کبھی غلط انداز نہ اپنایا بلکہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع فرماتے اور ساتھ ہی ''سلام علی من اتبع الھدی'' لکھتے۔ نجران سے عیسائی وفد آیا تو آپ نے ان کی مہمان نوازی کی، ان کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے غیر متصبانہ رویہ کا پتہ چلتا ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط بھی آپ کی پیش بینی اور صلح کن رویہ کی غماز ہیں مدینہ منورہ میں یہود کے ساتھ آپ کا میثاق مدینہ اور بعد کا سلوک بھی سب مذاہب کے لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

۷۔ دہشت گردی:

قبل از اسلام عرب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بات بات پر جھگڑنا ان کا قومی شعار بن چکا تھا۔ پھر قبائلی رقابت اور نسلی تفاخر ان جھگڑوں کو مستقل جنگوں کی شکل میں تبدیل کر دیتے تھے اس کے علاوہ ان میں

۷۵۔ الحجرات:۱۳۔

۷۶۔ خطبہ حجۃ الوداع تمام کتب حدیث ملاحظہ ہوں۔

''ثار'' کا عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جاتا۔ اس کی روح پرندے کی شکل اختیار کر کے مسلسل چیخ و پکار کرتی رہتی ہے کہ ''میں پیاسی ہوں اور یہ پیاس صرف قاتل یا اس کے قبیلے کے کسی فرد کا خون بہانے سے ہی بجھ سکتی ہے۔ اس عقیدے کے تحت اگر قبائل میں جنگ چھڑ جاتی تو بعض اوقات صدیوں تک جاری رہتی تھی۔

دنیا سے فتنہ وفساد ختم کر کے اللہ کا دین قائم کرنے کی ذمہ داری ہی حقیقتاً وہ مقصد تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو دنیا ظلم سے بھری ہوتی تھی۔ آپؐ نے اس عالمی دہشت گردی کو بڑے منظم انداز میں کنٹرول کیا۔ بسا اوقات ایسے اقدامات اٹھائے جس میں بظاہر تو اپنا نقصان معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے نتائج بڑے اچھے انداز میں ظاہر ہوئے'(۷۷)۔

۸۔ شراب نوشی:

شراب کا عرب میں اس قدر رواج تھا کہ ہر مرد اس میں مبتلا رہتا تھا اور بچے اور عورتیں شراب پلانے پر مامور ہوتے شراب خانے ممتاز مقامات پر سارا وقت کھلے رہتے اور نشان کے لیے وہاں جھنڈے اڑتے رہتے تھے۔

شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی اسی سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس قدر اس میں مبتلا تھا اور جب تک کنایہ اور اشارہ سے گذر کر صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ ہی نہ سکے۔

سورۃ بقرہ میں ہے ﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس﴾(۷۸)(وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہیے ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں)۔

ایک دفعہ ایک صحابی نماز میں امامت کرتے ہوئے الفاظ غلط پڑھ گئے سورۃ نساء میں نشے کی

۷۷۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، رسول اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار (مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور) ص ۴۱-۴۴۔

۷۸۔ البقرہ: ۲۱۹۔

حالت میں نماز کی ممانعت کی گئی ہے﴿لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری﴾ (۷۹)۔

اس بنا پر اذان کے ساتھ ساتھ منادی کردی جاتی کہ شراب کی حالت میں کوئی نماز میں شرکت نہ کرے پھر بھی لوگوں نے شراب پینے سے ہاتھ نہ کھینچا اور نماز کے بعد شراب پیتے رہے پھر یہ ہوا کہ چند انصار اور مہاجروں میں شراب کی حالت میں معمولی سی جھڑپ سے سخت لڑائی شروع ہوگئی اس کے بعد سورۃ مائدہ میں شراب نوشی حرام کردی گئی۔

﴿یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾(۸۰)

(اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاسکو) فوراً لوگوں نے اپنے پیالے اور شرابؓ کے برتن توڑ ڈالے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہادی گئی اور یوں امت نے شراب کو خیر باد کہا''(۸۱)۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے ہمیشہ ہی انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت میں بھی اس ام الخباثت کو کبھی ہاتھ نہ لگایا اب بھی رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ کے مطابق اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

۹۔ کفر والحاد:

عرب جاہلیہ کی معاشرتی وسیاسی روایات سے متعلق اسلام نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اس رجحان و رویہ کا اندازہ لگانے کے لیے احادیث طیبہ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی احادیث طیبہ کا بغور جائزہ لیں تو دونوں طرح کا طرزِ عمل سامنے آتا ہے یعنی بعض چیزوں کو بالکل مسترد کر دیا گیا اور اس معاشرے میں جو خیر کے پہلو تھے ان کو قبول کرنے میں کوئی تعامل نہیں کیا بلکہ وہ اشخاص جو زمانہ جاہلیت میں عزت واحترام رکھتے تھے۔ اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں اسی قدر ومنزلت سے

۷۹۔ النساء: ۴۳۔

۸۰۔ المائدہ: ۹۰۔

۸۱۔ عبدالمجید، آخری نبی ﷺ اور ان کی تعلیمات (فضلی سنز اردو بازار کراچی) ص ۴۲۳۔

سرفراز فرمایا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا:﴿خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا﴾ (۸۲) (لوگوں میں جاہلیت میں جو بہتر تھے اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر دین کی سمجھ حاصل کریں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:﴿یعمل فی الاسلام بفضائل الجاهلیة﴾(۸۳) (دورِ جاہلیت میں جو اخلاقی فضائل موجود تھے دورِ اسلام میں بھی ان پر عمل جاری رہے گا)۔

جو چیزیں بُری تھیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم فرمادیا۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ جاہلیت (زمانہ جاہلیت) میں نکاح چار قسم کا ہوتا تھا لیکن جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ بھیجے گئے تو انہوں نے آج کل کے نکاح کے علاوہ جاہلیت کے زمانے کے تمام نکاحوں کو ختم کر دیا (۸۴)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام﴾ (۸۵)(جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بھلے تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بھلے ہی ہیں)۔

اسلام کے مخاطبین صرف عرب لوگ نہ تھے بلکہ وہ تمام نسل انسانی کو مخاطب کرتا ہے۔وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔اسی طرح پیغمبر اسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین(۸۶)۔

اس تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ اور اس پر عمل انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کا باعث ہے اور دنیا کے تمام مسائل کا حل ہے۔

............☆............

۸۲۔ بخاری، الجامع الصحیح ۱۴۲/۸ (تحقیق فواد عبدالباقی)۔

۸۳۔ احمد، المسند ۳/ ۴۲۵۔

۸۴۔ محمد بن اسماعیل، بخاری، الجامع الصحیح، (مطبوعہ دہلی ۱۹۳۸ء) ۱/ ۸۔

۸۵۔ ایضاً۔

۸۶۔ الانبیاء۔ ۱۰۷۔

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

* ڈاکٹر محمد یحییٰ

گر تو گر دد حریم کائنات
از تو خواہم یک نگاہ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

جہاں ظلمت و تاریکی انتہا درجہ کی وحشت انگیز گہری اور وسعت گیر ہو وہاں تابناک روشنی کی ضرورت ہوتی ہے جس کی شعاعیں تیز اور شفاف ہوں، مرض جتنا پیچیدہ اور مہلک ہو اس کے علاج کے لئے کسی ماہر ڈاکٹر یا حاذق طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب دریا کی موجوں میں قیامت خیز طلاطم بپا ہو۔ طوفان باد و باراں ہو اور مخالف ہوا کے تیز و تند جھونکے پوری شدت سے ناؤ کو پیچھے کی جانب دھکیل رہے ہوں تو ایسی صورت حال میں آزمودہ کار اور ماہر ناخدا ہی کشتی کو صحیح و سالم پار لگا سکتا ہے۔

تاریخ انسانی کا یہ دور جس سے آج ہم گزر رہے ہیں، تہذیبی، عمرانی اور تمدنی لحاظ سے اس منزل تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے چند قدم آگے اہل دنیا کی عبرت انگیز تباہی کا ہیبت انگیز منظر دکھائی دے رہا ہے۔ جہالت و ضلالت اور شقاوت کی دبیز گھٹائیں کرہ ارض پر چھا گئی ہیں۔ معمولی حالات میں تو یہ ممکن تھا کہ چراغ راہ گزر کی دھیمی شعاعوں سے ہی کام نکال لیا جاتا مگر جب چہار سو ظلمت، بعض ھا فوق بعض (تاریکی ہی تاریکی) ہو تو ایسی تاریکی کے لئے ایک عالم تاب روشنی نور مبین کی ضرورت ہے جس کی ضوفشانی سے دنیا کا گوشہ گوشہ چمک اٹھے۔

کینہ، عداوت، حسد، بغض، تعصب، فسق و فجور، ہوا پرستی، حرص دولت، قوم و وطن کی عصبیت، قومی جھنڈے کی پرستش اور اسی قسم کی کئی اور ہلاکت افریں بیماریوں نے آج کے انسان کو بری طرح دبوچ لیا

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

ہے۔موجودہ دور کے بڑے بڑے مصلحین اور مدعیان علم ان بیماریوں کے شافی علاج میں ناکام نظر آتے ہیں اور ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ان مہلک بیماریوں کے علاج کے لئے کسی ایسے تجربہ کار اور نامور طبیب کی طرف رجوع کیا جائے جو اس سے قبل ایسی ہی مہلک بیماریوں کے علاج میں غیر فانی شہرت حاصل کر چکا ہے۔حیات انسانی کی عمارت میں اگر کوئی ایک رخنہ ہوتا' تو شاید اس کے بھرنے کی کوئی سبیل نکل آتی لیکن جب پوری عمارت ہی کھوکھلی اور زمین بوس ہونے کو ہوتو اس صورت میں بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ اس کی تعمیر جدید کا کام کسی ماہر فن معمار کے سپرد کیا جائے۔

تمدن جدید کی ہلاکت آفرینیوں نے انسانی زندگی کی کشتی کو خون آشام حوادث ومہالک کی طوفانی لہروں کے حوالہ کر دیا ہے' اب کوئی آزمودہ کار اور دانش مند ناخدا ہی اس کو نجات وکامرانی کے ساحل تک لے جاسکتا ہے۔ان استعاروں اور کنایوں سے یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ پوری انسانی تاریخ میں ایسی جامع الصفات کامل تر اور ہمہ گیر شخصیت تنہا ایک ہی ہے' جس کی حیات طیب کو اقوام حاضرہ کے گوناگوں پیچیدہ مسائل کا واحد حل مان لینے سے انسانیت کو امن وسکون اور مسلسل پائیدار زندگی میسر آسکتی ہے

لیکن قبل اس کے کہ میں اس عظیم ترین شخصیت کے اخلاقی' معاشرتی' معاشی' اجتماعی اور مملکتی کارناموں کو زیر بحث لاؤں' یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے عمرانی اور اجتماعی تقاضوں کا ایک مجمل خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ دور رسالت کے اہم انقلابی تغیرات کے مطالعہ کے بعد ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو جائیں کہ آج بیسیویں صدی میں انسانیت جس مرض سے بستر مرگ پر تڑپ رہی ہے۔کیا اس کے لئے وہی دوا (علاج) کافی ہوسکتی ہے۔جو آج سے چودہ سو سال قبل کے بیمار انسان کو عین حالت نزع میں پلائی گئی تھی اور اسی دوا نے حلق سے اترتے ہی وہ حیرت انگیز اثر دکھایا تھا کہ مریض نہ صرف تندرست ہوگیا تھا بلکہ اس نے پوری انسانی دنیا کو سرچشمہ زندگی سے سیراب کر دیا تھا؟ اور آج سے صدیوں پہلے وادی بطحا سے جو صدائے عشق بلند ہوئی تھی۔کیا اس کی بازگشت آج بھی محفل کو گرمانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

یک بار نالہ کردہ ام از درد اشتیاق
از شش جہت ہنوز صدامی تو آن شنید

زمانہ حال کے عمرانی وتمدنی مقاصد:

دنیا میں جتنے واقعات کا ظہور ہوتا ہے بظاہر واقعہ تنہا اور منفرد معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ہر نیا واقعہ سلسلہ واقعات کی آخری کڑی ہوتی ہے مثلاً جب کسی آبادی میں وبا پھوٹتی ہے' تو وہ یک لخت اور ناگہاں زمین سے نہیں ابل پڑتی بلکہ اس کے اسباب مدتوں پہلے اس زمین میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں اور وبا کا ظہور ان کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

موجودہ تہذیب وتمدن کے مفاسد بالکل واضح ہیں اور ہر دانشمند انسان کو ان کی ہیبت ناکیوں کی نسبت اسی طرح یقین ہے جس طرح عین نصف النہار کے وقت سورج کی تیز و تابناک شعاعوں کا لیکن ایسی حقیقت شناس نگاہیں نہایت کمیاب ہیں جو ظاہری اور سطحی مفاسد سے گزر کر اصل سرچشمہ فساد کو پاسکیں۔ یہ کام صرف اور صرف نگاہ جہاں بین کر سکتی ہے لیکن نور نبوت اور پیغمبرانہ بصیرت کے سوا ہمہ بینی کا یہ جوہر ملتا ہی کہاں ہے۔

عصر حاضر کے اہل علم ونظر میں سے جن لوگوں نے اسباب فساد کی تشخیص کی سعی وکوشش کی ہے' وہ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ زندگی کے تمام گوشوں میں سے جو گوشہ ان کو زیادہ تاریک اور بھیانک نظر آیا اسی کو دوسرے گوشوں کی ویرانی کا باعث قرار دے دیا۔ جب دنیا میں ملوکیت (بادشاہت) کا رواج تھا تو اس دور کے ارباب فکر ونظر نے خیال کیا کہ انسانی زندگی کی پریشان حالی کا سبب یہ ہے کہ شخص واحد کو اقتدار کا ماٴ خذ مان لیا گیا ہے اور ملک کے عوام جو حقیقت میں منبع اقتدار ہیں، بے دست و پا کر دیئے گئے ہیں۔

اس تخیل نے جمہوریت کو جنم دیا اور سمجھ لیا گیا کہ وہ مرض تھا اور یہ علاج ہے حالانکہ یہ علاج نہیں بلکہ خواب آور انجکشن ہے۔ چنانچہ جلد ہی یہ محسوس کیا جانے لگا کہ یہ وہی حلقہ ہائے زنجیر ہیں جو پہلے زنگ آلود تھا اب اس کو نکل (پالش) کر کے چمکدار بنا دیا گیا ہے اور اس کی گرفت بھی سخت ہوگئی ہے پہلے پٹ کر رو لیتے تھے اور آہ وفغاں سے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا اب اگر منہ سے آواز نکالتے ہیں' تو جھٹ کہہ دیا جاتا ہے کہ

خبردار! یہ اپنی عوامی حکومت ہے اب تم آزاد ہو بلکہ قوت واقتدار کا اصل منبع تم ہی ہو اگر آواز نکالو گے تو غدار اور گردن زدنی تصور کئے جاؤ گے۔ کیا یہ ہے حریت وآزادی اور جمہوریت ومساوات کہ منہ سے بولیں تو زبان کاٹ لی جائے اور آنسو بہائیں تو آنکھیں نکال لی جائیں؟

اے وائے ' بہارے اگر ایں است بہارے

غرض جمہوریت جن بلند بانگ دعوی کو لے کر اٹھی تھی، ان میں وہ بری طرح ناکام رہی اور انسانوں کے کچھ طبقوں میں اس کا ردّعمل فسطائیت کی صورت میں ظاہر ہوا اور کچھ دوسرے طبقوں نے محسوس کیا کہ جمہوریت مغربی سرمایہ داروں کی ایک خطرناک چال ہے۔ پہلے کروڑوں انسانوں کی قسمت ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور اب ملک کے گنے چنے سرمایہ دار ہیں جو اپنے اثر و رسوخ اور دولت و سرمایہ کے بل بوتے پر ملک کی پوری آبادی پر مسلط ہو گئے ہیں۔

اب اس نئی بیماری سے شفا پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ عوامی طبقوں کی ہمہ گیر تنظیم سے سرمایہ داری کی لعنت کو ختم کیا جائے اور دنیا میں مزدور کا راج قائم کیا جائے۔ لیکن جب ایک خطہ ارضی میں یہ راج قائم ہوا تو دنیا نے حیرانی سے دیکھا کہ یہ تو بد ترین قسم کی چنگیزیت ہے، جس کی گرفت جمہوریت سے بھی شدید تر ہے۔ آپ نے دیکھا گزشتہ چند صدیوں میں انسانی مرض کی تشخیص کن کن طریقوں سے کی گئی اور پھر کیا کیا علاج تجویز ہوتے رہے؟ تشخیص سراسر غلط تھی اور علاج اس سے بھی زیادہ غلط! جو منبع فساد تھا۔ اس تک کسی کی نگاہ پہنچی ہی نہیں۔

چھٹی صدی عیسوی میں جب دنیا کے آخری اور کامل داعی حق کو اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا تو اس وقت بھی دنیا کی ہر قوم انہیں امراض میں مبتلا تھی۔ الحاد و بے دینی، انتہائی اخلاقی پستی، سیاسی طوائف الملوکی، معاشی نامساوات، عدالتی اور معاشرتی امتیاز اور دیگر وہ تمام مفاسد موجود تھے۔ جو زمانہ حال کی انسانی سوسائٹی میں جڑ پکڑ چکے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ اس رہنمائے کامل ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں ان تمام اجتماعی اور اخلاقی مفاسد کا ازالہ کیا اور ایک جدید ترین صالح نظام تمدن عملی طور پر نافذ کیا۔ جو آج بھی انسانی دنیا کو دعوت فکر دے رہی ہے کہ اس کے تمام امراض و مفاسد کا حل اس صالح نظام میں موجود ہے۔

لیس لنا الا الیک فرارنا
واین فرار الناس الا الی الرسل

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ:

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہے کہ آج دنیا کو ایک ایسے نظام اجتماع و تمدن کی ضرورت ہے کہ جس میں مندرجہ ذیل خصوصیتیں موجود ہوں۔

1۔ ایک عالمگیر تصور زندگی احترام آدمیت پر مبنی ہو اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اعتدال قائم رکھ سکتا ہو۔

2۔ اس کا نظام سیاست ہر انسان کو اس کے بنیادی حقوق عطا کرتا ہو۔

3۔ اس کا نظام معیشت طبقات انسانی کی معاشی عدم مساوات اور اس کے نزاع و اختلاف کو مٹا سکتا ہو۔

4۔ اس کا بین الاقوامی قانون ہمہ گیر اصول انسانیت اور جذبہ احترام انسانیت پر مبنی ہو۔

5۔ اس کا نظام عدل شاہ و گدا' امیر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ سے یکساں سلوک کرتا ہو۔

6۔ اس میں معاشرتی زندگی کے لئے ایسے قوانین موجود ہوں جن کی بنیاد اخوت و مساوات پر رکھی گئی ہو۔

ان تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر انسانی تاریخ پر حقیقت پسندانہ نگاہ ڈالنی چاہئے کہ ماضی و حال کی تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس نے ایسے ہی پاکیزہ اور مقدس نظام اجتماع کو عملاً نافذ کیا۔ جب ہم ماضی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے مقدس اور اولوالعزم شخصیتوں پر ہماری نگاہ پڑتی ہے ان میں سے بعض نے باجبروت حکمرانوں اور ظالموں کے خلاف مسلسل جہاد کیا' تقویٰ و طہارت' عفت پاکدامنی' حلم و بردباری' زہد و ریاضت ترک علائق اور پاکیزہ اخلاق و سیرت کا سبق دیا۔

ایسے باہمت اور فاتح اور ذہین سیاست کار بھی ہیں جنہوں نے بڑی بڑی آبادیوں کو تہ و بالا کیا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور کچھ ایسے نکتہ بین اور بالغ النظر علماء و مفکرین ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسائل زندگی کو حل کرنے اور سیاسی انقلاب بپا کرنے کے لئے فضا پیدا کی۔

پہلی قسم کی مقدس شخصیتوں میں سے حضرت مسیح اور مہاتما بدھ جیسے بلند پایہ پیغمبر اور مصلح شامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے گروہ یعنی (جن میں سکندر اعظم اور نپولین جیسے جلیل القدر حکمران' روسو' والیٹر' کارل مارکس اور اینجلز ایسے انقلابی مفکر) کی علمی و عملی جدوجہد کو اگر اپنے لئے مشعل راہ بنالیں تو اسے ہمیں کیا ملے گا؟ لادینی سیاست کا جبر استبداد' انسایت کش چنگیزیت' قیامت خیز معرکہ ہائے جنگ' خطرناک اور مہلک اسلحہ' زہریلی گیس دھویں کے محیط بادل' انسانی لاشوں کے انبار بستیوں کی عالمگیر تباہی و ویرانی' انسانی خون کا سیلاب' اخلاق و شرافت کی پامالی اور عالمگیر شورش و بدامنی۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں آج ان چیزوں کی ضرورت ہے یا ان چیزوں کے ہاتھوں زخموں سے چور کراہ رہے ہیں۔ جب یہ تمام ہستیاں ہماری حقیقی زندگی کے مطالبات کی تکمیل سے قاصر ہیں تو پھر انسانی تاریخ

میں صرف ایک ہی مقدس ہستی ہے جس کی طرف نگاہیں بار بار اٹھتی ہیں اور جو کارِ حیثیت سے جامع الصفات ہے اور جس کی ذات میں بیک وقت تمام فضائل اخلاق علمی و عملی کمالات اور فقر و شاہی کے واردات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جو لوگ اعلیٰ اخلاق، بلند سیرت اور پاکیزہ کردار کا مکمل نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں انہیں سیرت النبی کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ مکارم اخلاق کے لئے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی سے زیادہ درخشندہ مثال ان کو پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

جب دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہاتما بدھ کے درس اخلاق کو بالکل فراموش کر چکی تھی اور کرہ ارض پر کوئی ایسی قوم نہ تھی جو اپنے نجی اعمال یا ملکی و سیاسی معاملات میں کسی دستور اخلاق کی پابند ہو۔

ہر انسانی گروہ دوسرے گروہ کو درندوں کی طرح پھاڑ پھاڑ کھاتا تھا۔ قتل و سفاکی، غصب و دست درازی شراب نوشی، عصمت فروشی و عصمت دری، بد دیانتی اور اسی قسم کے دوسرے اعمال ان کی نگاہ میں عیب نہ تھے اور سطح ارض پر رہنے والا ہر انسان اپنے اعمال و معاملات میں بے لگام تھا۔ اس بے راہ روی اور انتہائی اخلاقی پستی کے بھیانک دور میں دنیا کے آخری اور کامل داعی حق ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے زبان و عمل سے انسانوں کو مکارم اخلاق کا سبق دیا اور آپ کی موثر اخلاقی تعلیم نے ان کی کایا پلٹ دی۔ چور اور رہزن محافظ بن گئے۔ قاتل اور سفاک دنیا کو احترام انسانیت کا سبق دینے لگے اور جو جھوٹے، فریب کار اور بد دیانت تھے اب دنیا ان کی راست بازی اور دیانت و امانت پر رشک کرنے لگی۔ کیا انسانی تاریخ میں ایسے انقلاب کی کوئی مثال مل سکتی ہے۔

نبی مکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے نہ صرف آپ کے دوست معترف تھے بلکہ آپ کے شدید ترین دشمن بھی آپ کے خلوص نیت مروت واحسان اور امانت و دیانت کے گرویدہ تھے۔ یہ لوگ اگرچہ قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے مگر آپ کی ذات پر کوئی حرف گیری نہ کر سکتے تھے۔ ابو سفیان جیسا زیرک انسان بھی قیصر روم کے دربار میں آپ کی ذات میں اخلاقی کمزوری کی نشاندہی نہ کر سکا۔

آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ تعلیم سے آپ کے پیرو بھی پیکر صدق و امانت اور مجسمہ اخلاق بن گئے تھے اور سخت سے سخت دشمن بھی آپ کی پاکیزہ صفات کو سراہتے تھے۔ عیسائی لشکر حمص اور دمشق میں شکست کھا کر جب انطاکیہ پہنچا تو شاہ روم نے اپنے بااثر اور مقتدر اصحاب سے دریافت کیا کہ قوت وشوکت، مال و دولت اور تعداد

کے لحاظ سے عرب تم سے بہت پیش ماندہ ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تمہاری فوجیں ہر میدان میں پٹ رہی ہیں؟

شرم کے مارے ان کی گردنیں جھک گئیں اور کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو ایک زیرک تجربہ کار شخص نے کہا کہ عربوں کے اخلاق ہم سے بہت بہتر ہیں اور راتیں اپنے اللہ کے حضور قیام وسجود میں گزارتے ہیں اور دن روزہ رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں برابری کا سلوک کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اور وعدہ کی پاسداری نہیں کرتے۔

ولیم میور (Life of Muhammad) کا مصنف مستشرق جو آپ کے مخالفین میں صف اوّل کا دشمن ہے وہ بھی یہ اعتراف کرتا ہے۔

''مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیز گاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا''

ریونڈ ڈبلیو اسٹیفن لکھتا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے منتشر انبار کے عوض خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور ان کی تمدنی حالت کو ترقی دی۔''

اگر آپ وطن پرستی، علاقائیت اور رنگ ونسل کے تعصّبات سے پاک ہمہ گیر انسانی قدروں کی بنیادوں پر ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جو محبت و پیار اور آشتی کا سبق دے تو پھر ہمیں فخر موجودات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیحی اقوام اپنے ہم مذہبوں کی حکومت کی نسبت مسلمانوں کی حکومت کو پسند کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف سے کیے گئے سیاسی معاہدات پر نگاہ ڈالیں۔

و لا یغیرون عن ملتهم و لا یحال بینهم و بین شرائعهم

''ان کو ان کے عقیدہ اور مذہب سے پھیرا نہیں جائے گا اور ان کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔''

اور آذربائیجان کے معاہدہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

''الامان علی انفسهم و اموالهم و مللهم و شرائعهم''

آج طاغوتی فوجیں ایک حملہ میں لاکھوں انسانوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ہزاروں

بستیاں ان کی وحشیانہ یلغار سے ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں (ہیروشیما اور ناگاساکی کی مثالیں) وہاں نبی مکرم کا بنایا اور بتایا ہوا ضابطہ صلح و جنگ کا یہ حال ہے کہ چند سالوں میں بارہ لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلامی پرچم لہراتا ہے اور بیسیوں جنگیں لڑی گئیں لیکن مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز نہ ہو سکی۔

نبی اکرم ﷺ نے بنی حذیفہ کی طرف حضرت خالد بن ولید کو ایک دستہ دے کر بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دے۔ حضرت خالد نے دعوت اسلام دی اور ان لوگوں نے قبول دعوت سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت خالد نے کچھ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا جب یہ معاملہ دربار نبوت میں پہنچا تو آپ نے سخت غم وغصہ کا اظہار فرمایا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی برأت پیش کی۔

اللهم انی براء الیک مما صنع خالد

''اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں''

اگر ہم ایسی معاشی منصوبہ بندی چاہتے ہیں جس میں تمام طبقاتی اختلاف مٹ جائیں اور معاشی اونچ نیچ ختم ہو جائے تو میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ رسول عربی کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں کہ کس طرح آپ نے قلیل مدت میں ایک بڑی مملکت میں معاشی مساوات قائم کی اور امیر وغریب کے امتیاز مٹا دیئے۔

اگر ہم کسی ایسے نظام عدالت کے لئے بے چین ہیں جو ہر حال میں عدل گستری کو لازم قرار دیتا ہو اس حد تک کہ قریب سے قریب رشتہ وتعلق بھی عدل وانصاف سے برگشتہ نہ کر سکے۔ امیر وغریب اور شاہ وگدا میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتا ہو یہاں تک کہ رئیس الحکومت اور غیر مسلم شہری مساوی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں تو یقین جانئے یہ گوہر مراد بھی ہمیں سرور کائنات کے دامن گوہر بار سے ملے گا۔

اگر ہم پر امن نظام معاشرت کے لئے بے قرار ہیں جس میں باپ بیٹے کا شفیق اور بیٹا باپ کا اطاعت گزار ہو شوہر اور بیوی میں پر خلوص تعلقات ہوں۔ بھائی بھائی کا خیر خواہ اور پڑوسی پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہو۔ یہاں تک کہ جانی دشمن کی عیادت بھی کی جائے تو یہ تمام پاکیزہ آداب معاشرت بھی ہمیں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے ملیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً

...........☆☆☆...........

اکیسویں صدی کے مسائل اور ان کا حل سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

* پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور

بیسوی صدی پر ہم نظر ڈالیں تو یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ مادی ترقی کی صدی تھی اور اس میں بے پناہ صنعتی ترقی ہوئی مادی اور صنعتی ترقی کے ساتھ ہم نے دیکھا کہ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ صدی فروتر رہی استعماری طاقتوں نے طاقت کے بل بوتے نیز مکیاولی کے فلسفے کے زیر اثر کمزور اقوام کا خوب استحصال کیا۔ ان کی اقتصادیات پر قبضہ کر کے خود کو مضبوط اور غنی تر رکھا اور جن کا حق تھا انہیں پائمال دست نگر اور فقیر تر رکھا اس صدی میں مسلمان مملوک رہے اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دو عظیم جنگوں کی وجہ سے مغربی استعماری اقوام کو سیاسی و اقتصادی اور معاشی لحاظ سے ایسا دھچکا لگا کہ ان میں مفتوح اقوام کو مزید مغلوب رکھنے کی استطاعت نہیں رہی ممالک آزاد ہوئے اور ان میں اکثر ملک مسلمانوں کے ہیں۔(۱)

جنگ عظیم دوم کے بعد اقوام کا ادارہ قائم ہوا یہ ایک اچھا فورم تھا اس کے ذریعے دنیا میں امن و سلامتی اور خوشحالی آسکتی تھی، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس ادارے میں ''جمہوریت'' کی روح کو دبوچ کر رکھا گیا۔ اور طاقتور، سپر پاورز نے اپنے ہاتھ میں ویٹو پاور رکھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی مرضی چلتی رہی اور اقوام عالم کی عظیم اکثریت ان کے غلط فیصلوں کی پابند رہی، وہ فیصلے جو ان طاقتوں کی مرضی پوری کرتے تھے ان طاقتوں نے طاقت کے بل بوتے پر سرد جنگ کے ذریعے در پردہ سازشوں کے تحت زیردست اقوام کو لڑائے رکھا۔ ہر جنگ میں خون کی ندیاں بہیں اور اس اسلحے کے ذریعے بہیں جو یہ طاقتیں ان ملکوں کو ظاہر یا در پردہ فروخت کرتی تھیں۔

---

* ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی

۱۔ تاریخ مسلمانان عالم، صفحہ ۳۷۱

دراصل ان طاقتوں کے اپنے مفادات ہیں بیسویں صدی کی آخری صورتحال یہ ہے کہ امریکہ انتہائی بالاترین سپر پاور بن گیا ہے اور اس کا حریف روس اپنی حماقتوں ،غلطیوں کی وجہ سے مغلوب تر اور پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان ممالک نے اپنے تیل اور وسائل امریکہ کے ہاتھ گروی کر رکھے ہیں۔

اب امریکہ کی خواہشات پوری ہو رہی ہیں جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔ وہ خاص طور پر اسلام کا دشمن ہے اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ اکیسویں صدی میں یہی صورتحال ہوگی کہ امریکہ اور اس کے حلیف اور بھی طاقتور ہونے کی کوشش کر رہے ہوں گے اور مسلمان ممالک کو مغلوب رکھنے کی کوشش میں ہوں گے۔

چنانچہ اکیسویں صدی میں جو مسائل ہوں گے وہ کچھ ایسے ہوں گے کہ مسلمانوں کو کمزور تر رکھنے کی کوشش جاری ہوگی۔ ان کے اتحاد و اتفاق کو ناممکن بنانے کی کوشش ہوگی۔ ان کو آپس میں لڑایا جاتا رہے گا۔ اور اس طرح ان کے وسائل دولت پر قبضہ ہوتا رہے گا جس طرح کویت کی جنگ میں عربوں کے وسائل پر امریکہ کا قبضہ ہوا اور خلیج اور سعودی عرب کے ممالک میں امریکی اور برطانوی فوجیں "حفاظت" کی خاطر ڈٹی ہوئی ہیں۔ اور ان ممالک کا استحصال جاری ہے اور ان کے وسائل دونوں ہاتھوں سے لوٹے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کو جتنا نقصان ہوا، ہو رہا ہے، ہوتا رہے گا، اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں ان کے لئے سب سے بڑی اہم بات یہ ہوگی کہ

ا۔ صحیح مسلمان بنیں، پوری طرح اسلام میں داخل ہوں (ادخلوفی السلم کافة) (۲)

۲۔ ادخلوا فی السلم کافة القرآن سورة البقرة ۲۰۸

۳۔ المسلم من سلم (حدیث صحیح بخاری کتاب الایمان)

۴۔ مثل المومنین فی (حدیث، کتاب البر والصلوة)

اورامر خداوندی کے مطابق عمل کریں۔سنت رسول ﷺ پر پوری طرح کاربند ہوں۔

۲۔ مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق قائم کریں۔مسلمان کے ہاتھوں اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں (۳) وہ ایک جسم کی طرح رہیں (۴) دشمن کے مقابل میں ایک مضبوط دیوار بنے رہیں دیوار میں کوئی رخنہ نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ تمام اسلامی ممالک باہم شیر وشکر رہیں متحد رہیں اپنے اختلافات مٹائیں۔

۴۔ مسلمانوں کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ دوسری غیر اسلامی ازموں،عقیدوں سے جان چھڑائیں یہ ان کا فرض ہے کہ وہ صرف اسلام پر قائم رہیں کمیونزم،سرمایہ داری وغیرہ کے بلاکوں سے علیحدہ رہیں ایک اسلامی بلاک قائم رکھیں بیسویں صدی میں مسلمانوں کے ممالک کو اس چیز نے بڑا نقصان دیا کہ کوئی روسی بلاک میں ہے کوئی کسی اور بلاک میں اور انہی بلاکوں کے مفادات کی خاطر انہوں نے دوسرے مسلمان ممالک کو نقصان پہنچایا خود مسلمانوں کے گلے کاٹے۔

۵۔ ایران عراق آپس میں لڑے،عراق کویت پر چڑھ دوڑا یہ ساری استعماری سازش تھی کہ مسلمان کمزور ہوں تا کہ وہ اپنی دولت مغربی اور روی اسلحہ کی خرید پر صَرف کریں ان کے تیل کے وسائل دوسروں کے کام آئیں۔

اکیسویں صدی میں سارے مسلمانوں کو مل کر اختلافات مٹانے کیلئے قرآن وسنت کا سہارا لینا پڑے گا۔

۶۔ اسلامی ممالک غیر اسلامی ممالک سے اچھے تعلقات قائم رکھیں جو ان کے ساتھ دوست رہنا چاہتے ہوں حضور ﷺ نے تمام ممالک کے حکمرانوں کو خطوط لکھ کر عالمی امن کی بنیاد رکھی (۵)

۵۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین،جلد اول صفحہ ۲۰۷

۶۔ آل عمران ۳۰/۶۴

۷۔ آخر جوا الیهود و انصاری من جزیرة العرب (حدیث)

قرآن نے پورے زور سے کہا "تعالوا الی کلمة سواء بیننا" (٦) یہ عالمی اتحاد کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۷۔ مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ "اسلحہ" میں خود کفیل ہوں۔ اسلحہ کی وجہ سے طاقتور رہوں۔تا کہ کوئی ان کو میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔

۸۔ مسلمان طاقتور ہوکر بھی اللہ تعالیٰ کا مملوک ہوتا ہے۔ وہ بے جا خونریزی، بدمعاشی سے بچتا رہتا ہےاور دوسرے ممالک کی معاشی موت نہیں چاہتا۔

۹۔ حرمین سے یہود و انصار اور مشرکوں کو قرآن اور حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں نکالا جائے۔(۷)

۱۰۔ حرمین کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ یہ سارے اسلامی ممالک کی اجتماعی ذمہ داری ہے، دشمن خصوصاً اسرائیل کی یہ در پردہ "خواہش" ہے کہ کسی طرح حرمین تک پہنچ سکے۔

۱۱۔ مسلمانوں کوضرور ایٹمی قوت بننا چاہیے۔ یہ خداوندی منشاء ہے کیونکہ یہ خداوندی امر ہے۔

(الف) اعدوالھم مااستطعتم (۸) (ب) و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (۹)

۱۲۔ دنیا میں بے حیائی بڑھتی جارہی ہےاس کے سدباب کے کیلئے مسلمان مل کر کام کریں۔خود کو بھی بے حیائی سے بچائیں۔

۱۳۔مسلمان علوم میں آگے بڑھیں،ٹیکنالوجی اور علم کا حصول جہاں سے بھی ہوضروری ہے چاہے چین سے ہو، جاپان سے ہو یا کسی بھی جگہ سے ہو۔

۸۔ و اعدوا لھم ما استطعتم (قرآن:الانفال :۶۰)

۹۔ آل عمران ۱۳۹/۳

۱۰۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم آکل الربو اومنوکلہ و کاتبہ شاھدیہ (مسند احمد بن حنبل، ۸۳/۱)

۱۴۔ ''عورت'' کو اپنا اسلامی حق دیا جائے رواجوں کی چکی میں اسے نہ پیسا جائے۔

۱۵۔ مساوات، ہمدردی، باہمی تعاون پر وہی عمل کیا جائے جو حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

۱۶۔ زکوٰۃ پر جو دینی فریضہ ہے، رکن اسلام ہے سختی سے عمل کیا جائے اور صحیح مصرف میں لایا جائے۔

۱۷۔ حج کے اجتماعی فورم سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۸۔ سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے کسب حلال کو رائج کیا جائے۔(۱۰)

۱۹۔ بیسوی صدی میں مغربی ممالک نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا۔ یہ ایک اسلامی علامت تھی اتحاد کا Symbol تھا اکیسویں صدی میں تمام اسلامی ممالک مل کر ایک اسلامی کامن ویلتھ بنائیں۔

۲۰۔ اپنے وسائل یکجا کر لیں۔ ایک دوسرے کی مدد کریں ٹیکنالوجی میں، صنعت میں، زراعت میں، تعلیم میں، علوم میں اسی طرح ہر شعبے میں آگے بڑھیں کسی بھی مرکزی جگہ خلافت کی علامت بنائیں تمام اسلامی ممالک کی ایک سپریم کونسل ہو اور سپریم کونسل کا صدر خلیفہ کے انتخاب میں اس کی صلاحیت فراست سیاسی سوجھ بوجھ اور صالحیت کا خیال رکھا جائے ہر سال حج کے مواقع پر اسلامی ممالک کی سپریم کونسل کا اجلاس بلایا جائے اور پیدا ہونے والے مسائل اسی وقت حل کیے جائیں۔ اگر مسلمان ممالک باہم متحد ہوں گے تو طاغوتی دشمن قوتیں ان سے خوف میں رہیں گی۔

اسلامی خلافت کے ذرائع ابلاغ ٹی وی، ریڈیو قرآن کی تعلیمات کو دیگر اقوام تک پہنچائیں۔ معیاری جرائد، مجلّات اور صحف ہر زبان میں شائع ہوں، قرآن کا عام فہم ترجمہ ہر زبان میں کیا جائے۔

۱۱۔ جمال الدین افغانی (فارسی) علی اصغر علوی ص ۴۴:

قابل لوگوں کے تربیت یافتہ جتھے ہوں جو اسلام کی تعلیمات دنیا میں پھیلائیں ایک خدا کی عبادت پر لوگوں کو مجتمع کیا جائے۔

اسلامی ممالک کا اپنا متحدہ عظیم ائیر فورس ہو، عظیم بحری بیڑا ہو، عظیم فوج ہو، جس کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ایٹمی، غیر ایٹمی اور Sofisticated موجود ہو۔ تجارت، صنعت اور زراعت پر مسلمان قابض ہوں۔

............☆............

سیرت طیبہ اور عالم اسلام کے عصری مسائل
اکیسویں صدی کے تناظر میں

* پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی

''کیمونزم اور مغرب کی مادی اقدار کے مابین اسلام ہی وہ فطری نظام زندگی ہے، جو انسانی روح کو موت سے بچا سکتا ہے''۔(۱)

یہ الفاظ پاکستان کے ایک سابق سربراہ نے آج سے چالیس سال قبل اس وقت کہے تھے جب کیمونزم کی سرخ آندھی بڑی تیزی سے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی اور مغرب کی تہذیبی چکا چوند نے ہماری آنکھیں خیرہ کررکھی تھیں۔ آج چالیس برس بعد دنیا اکیسویں صدی کے گلوبل ویلج میں داخل ہو چکی ہے۔ کیمونزم کی سرخ آندھیاں تھم چکی ہیں اور مغرب کے مفکرین خود بقول اقبالؒ

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر نہ کر سکا

اس سوچ میں سرگرداں ہیں کہ مادی طور پر پوری دنیا کو تسخیر کرنے کے باوجود اپنی روحانی تشفی کیسے کریں۔ ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

آج الحمد اللہ سیرت النبی ﷺ کا جگمگاتا چراغ روشنی کی وہ واحد کرن ہے، جو انسان کو ابدی سکون کا راستہ بھی دکھاتا ہے جس سے مادی ترقی کے در بھی روشن ہوتے ہیں۔ بس کچھ کمی ہے تو صرف مسلمانوں میں ہے۔

---

* انچارج شعبہ سیرت چیئر جامعہ بلوچستان۔ کوئٹہ۔

۱۔ محمد ایوب خان فیلڈ مارشل صدر پاکستان۔ خطاب دارالعلوم، ٹنڈو اللہ یار۔ سندھ ۳۔ ۱۹۵۹ء۔

عصرِ حاضر میں سیرت النبی ﷺ ہی وہ واحد راہنما ہے، جس کے بل بوتے پر ہم اپنے مسائل سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ:۔

و انتم الاعلون ان کنتم مومنین

''اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے''۔(۲)

اور مومن صادق بننے کا خواب اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جب تک سیرت النبی ﷺ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مکمل طور پر نہ ڈھانپ لے۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللہ

''کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔(۳)

اور پھر جب اللہ ہم سے محبت کرنے لگے گا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کفار و مشرکین ہم پر غالب آسکیں۔

اب آیئے ان مسائل کی طرف جو دورِ حاضر میں ہمیں درپیش ہیں۔ اگرچہ ان مسائل کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ مگر انہیں چار عنوانات کے تحت تفصیلاً زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے۔

1. فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل

آج امت مسلمہ کا سب سے اہم مسئلہ فکری، اخلاقی اور روحانی انحطاط ہے۔ اگر مسلمان قرونِ اولیٰ کے اکابرین جیسا فکری، اخلاقی اور روحانی طرزِ عمل اختیار کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اقوامِ عالم کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

2. سماجی وثقافتی مسائل

سیرت النبی ﷺ سے کما حقہ استفادہ نہ کرنے کے سبب ہمارا سماجی ڈھانچہ نت نئے مسائل کا شکار ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات، بنیاد پرستی کے مبہم طعنے، قوم پرستی، نام نہاد ترقی پسندی اور لبرل ازم جیسے مسائل نے ہمارے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کی پیروی

۲۔ آل عمران ۳.۱۳۹

۳۔ آل عمران ۳.۳۱

ہی ہمیں ان مسائل سے نجات دلا سکتی ہے۔لیکن کس طرح ؟

3. اقتصادی مسائل

مسلم امت کو درپیش مسائل میں اقتصادی پہلو بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور علم و ہنر دنیاوی پیشوائی کے لئے از بس لازم ہیں۔ سیرت النبی اس ضمن میں ہماری کیا راہنمائی کرتی ہے۔اور ہمیں اس سے کس طرح استفادہ کرنا چاہیے۔

4. سیاسی مسائل

عالم اسلام نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں شدید سیاسی بحران کا شکار ہے۔ اس ضمن میں سیرت النبی کس طرح قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہماری مدد و معاون ہو سکتی ہے کہ ہم ان مسائل سے نجات حاصل کر کے اپنی قوت کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کرا سکیں۔

الف۔ فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل

فکری حوالے سے اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے فقہی اور گروہی اختلافات کو فراموش کر کے اسلامی افکار کا وہی رویہ اختیار کریں جو خود شارعِ اسلام آنحضرت محمد ﷺ اور خلفائے راشدین نے اختیار فرمایا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں مصالح امت اور مصالح وقت کو مدنظر رکھ کر تلاش کیا جاتا تھا۔فقہائے متقدمین نے بھی اسی انداز کو جاری رکھا لیکن ہم نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے فقہائے متقدمین کے کام کو حتمی سند اور قطعی حکم کے مترادف قرار دے دیا۔نتیجتاً اسلامی افکار پر ایسا جمود اور تعطل طاری ہوا، جس سے فقہی اور گروہی اختلافات نے تو نشو و نما پائی لیکن اسلامی افکار کے آئینے میں وہ تدابیر اختیار نہ کی جا سکیں جو اسلام کا طرہ امتیاز تھیں۔ لہٰذا شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبالؒ نے خصوصاً تدابیر منزل اور اسلامی افکار کی تشکیل نو کی ضرورت پر زور دیا۔(۴)

لہٰذا اکیسویں صدی کے تناظر میں ہماری یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و

۴۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ بحث (تدابیر نافعہ)

سنت وسیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسطرح تلاش کیا جائے کہ تمام امت مسلمہ کے مفکرین اپنے فقہی مسالک سے بالاتر ہو کر اپنے اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل حل کر سکیں۔

(ب) جہاں تک ہماری اخلاقی صورت حال کا تعلق ہے، الحمد اللہ! انفرادی طور پر ہم آج بھی نام نہاد ترقی یافتہ اقوام پر یک گونہ برتری رکھتے ہیں۔ مگر اجتماعی معاملات میں بالخصوص ہمارا شمار کرپٹ اقوام میں ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ دورنگی ہے، جو سیرت النبی ﷺ پر عمل پیرانہ ہونے سے ہم میں رائج ہوگئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں تو آپ کا سب سے بڑا وصف قرآن پاک یہ بیان کرتا ہے کہ:۔

و انک لعلی خلق عظیم

اور آپ کے اخلاق بڑے عالی ہیں۔(۵)

اور

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔(۶)

پھر خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا۔(۷)

اور ہم نے ان کے درمیان خود ان میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں ہماری آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔(۸)

''ہم نے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن اور میزانِ عدل اتاری تا کہ

۵۔ التعلم ۶۸. ۴

۶۔ الانبیاء ۲۱. ۱۰۷

۷۔ موطا امام مالک

۸۔ آل عمران. ۳:۱۶۴

انسانوں میں انصاف قائم کریں'' ۔(۹)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دے"۔(۱۰)

آپ ﷺ کے انہی اخلاقی اوصاف ہی کی برتری تھی کہ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک قلیل مدت میں آپ ﷺ کو مخلص صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد فراہم ہوگئی۔ جن کی اخلاقی برتری ہی دنیا میں اشاعتِ اسلام کا سبب بنی۔ وہ نہ صرف انفرادی حسنِ خلق کے پیکر تھے بلکہ اجتماعی معاملات میں بھی کوئی ان کے اخلاق و کردار پر حرف گیری نہیں کرسکتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم عصر حاضر میں کس طرح اپنی دوعملی کو ختم کر کے اقوامِ عالم سے اپنی برتری کا لوہا منوا سکتے ہیں۔ سیرت النبی کی روشنی میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک ہم ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں نہ لائیں۔ اسی لئے اسلام افلاطون اور ارسطو سے اس بات پر متفق ہے کہ:

''ایک عادل ریاست کا قیام اجتماعی عدل اور فرد کی خوشحال زندگی اور تکمیلِ ذات کے لئے ناگزیر شرط ہے''۔(۱۱)

(ج) ہماری اخلاقی ژولیدگی کے پس پردہ ہمارے روحانی عوامل بھی ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسد فسد الجسد کله الاوهی القلب.(۱۲)

''(آگاہ رہو۔ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس وقت وہ درست ہوتا ہے سارا جسم درست ہوتا ہے۔ اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو۔ وہ دل ہے)''

۹۔ الحدید: ۵۷: ۲۵

۱۰۔ التوبه: ۹: ۳۳

۱۱۔ خلیفہ عبدالحکیم اسلام کا نظریہ حیات ص۲۹۶

۱۲۔ مشکوٰة المصابیح. کتاب البیوع. باب طلب الحلال

دل کی درستگی کا نسخہ کیمیا توحید باری تعالیٰ پر ایمان ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر خوف اور غم سے نجات پا کر روحانی اور مادی ترقی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

اسلام کے نزدیک زندگی ایک وحدت ہے۔اس کی نظر میں تمام شعبہ ہائے زندگی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور منسلک ہیں۔عظیم تر ملت کی تعمیر کے لئے بنیاد صرف توحید سے ہی فراہم ہو سکتی ہے۔ بقول اقبال ۔

''جدید تمدن عالمی اتحاد کے لئے توحید کو بنیاد بنا سکتا ہے اور اسلام ایک مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے اس اصول کو انسانی ذہن میں زندہ شکل دے سکتا ہے اسلامی تعلیم کے مطابق خدا کے ساتھ وفاداری ضروری ہے نہ کہ تخت و تاج کے ساتھ اور چونکہ ہر زندگی کی اصل روحانی اساس ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔اس لئے باری تعالیٰ سے وفاداری کا مطلب انسان کی خود اپنی ذات اور فطرت سے وفاداری ہے''(۱۳)

یہی عقیدہ توحید ہے جو تمام رجعت پسند قوتوں کا استحصال کر کے انسان کو ایسی روحانی اقدار فراہم کرتا ہے۔جس سے ایک طرف امت مسلمہ اتحاد و اتفاق کا پیکر بن جاتی ہے اور دوسری طرف انسان کے ذہن سے خوف و غم کے بادل بھی چھٹ جاتے ہیں۔

الا ان اولیآ ء اللّٰہ لا خوف علیہم و لا ھم یحزنون الذین امنوٰ و کانو یتقون(۱۴)

''یادرکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔اور ایسے ہی لوگ انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہوا کرتے ہیں''۔

انعم اللّٰہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھد آء والصالحین (۱۵)

''جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات نازل کئے وہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہیں''۔

۱۳۔ The reconstruction of religiousthorugh in Islam (اقبال) ص۔۱۴۰

۱۴۔ یونس ۱۰۔ ۶۲/۶۳

۱۵۔ النساء ۴۔ ۶۹

غرض یہ کہ فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل کا حل تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ مگر اس کی عملی تعبیر کے لئے ہمیں اپنا نظام تعلیم، نظام معیشت، نظام معاشرت اور نظامِ ریاست بدلنا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ یہ عمل خاصا دشوار اور طویل ہے۔ مگر چودہ سو سال کے اثرات کی اصلاح کے لئے اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی اگر تطہیر و تعمیر کا مصمم ارادہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس تیز ترین دور میں ہم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں۔ ویسے بھی دنیا بھر میں ابھرتی ہوئی اسلامی تحریکیں اس بات کی غماز ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب امت مسلمہ کم از کم فکری طور پر یکجہتی اور یکسوئی اختیار کرے گی۔

2۔ سماجی وثقافتی مسائل

ہمارے سماجی وثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست وریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغربلی سے محاذ آرائی سرِفہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی (Modernization) سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے۔ لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے۔ اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی۔ جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔ (۱۶)

اسی طرح آپ ﷺ کا طریق تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی احسان وایثار، شجاعت وحمیت صبر واستقامت، عفو ودرگزر، حلم و بردباری، سخاوت وفیاضی حسنِ اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسنِ ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ (۱۷)

۱۶۔ البقرہ: ۲ ۱۷۷۔ النساء ۴: ۱۰۴، ۲۹، ۳۶

۱۷۔ آل عمران ۳: ۱۰۴۔ النساء ۴: ۵۴

فرقہ پرستی گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت واخوت کے عنصر کو ملیا میٹ کردیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ساری مخلوق اللہ کے کنبے کی طرح ہے''۔(۱۸)

آپ ﷺ نے تعصب پر جان دینے تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔(۱۹) آپ ﷺ نے مومن کی جان و مال اور آبرو کو ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیا(۲۰) تعلیم وتربیت کی طرف حضور ﷺ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے **انما بعثت معلما** (۲۱) فرما کر تمام عمال حکومت اور علماء کو تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم وتربیت کے لئے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔(۲۲)

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے بھی آنحضرت ﷺ کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جائے۔ اسلامی پروگرام اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں، نصاب تعلیم کی تشکیل نو، اساتذہ کی تربیت، حکمرانوں کا طرز عمل، رشوت سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہوسکتے ہیں۔جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے۔

3۔ اقتصادی مسائل

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے اپنی منڈی بنانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔مگر

۱۸۔ مشکوۃ المصابیح

۱۹۔ سنن ابی داؤد۔جلد دوم ص۶۲۰

۲۰۔ صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم و خزله

۲۱۔ مشکوۃ، باب العلم

۲۲۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ

امت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود اندرونی اور بیرونی طور پر ان گنت اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں رو بہ عمل آسکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو۔لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے۔؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے روشن خیال مفکرین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ۔

''وہ مسلم ممالک جہاں زکوٰۃ اور عشر کا مرکزی اور حکومتی نظام قائم ہوا ان کے معاشرے میں اس نظام سے ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ یہ ادارے بعض حکمرانوں کے سیاسی استحکام میں ایک وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے استعمال ہوئے یا سیاسی حکومت کو اخلاقی جواز مہیا کرنے میں۔ اسلام کو خاص طور پر قانون وراثت، نظام زکوۃ، آبادی اور ملکیت زمین کے مسائل پر تخلیقی کام کرنا ہوگا۔خاص طور پر جاگیردارانہ نظام کے ان پہلوؤں پر جہاں وہ مذہب کے نام پر اپنا جواز پیدا کرتے ہیں''۔(۲۳)

یہ تو رہی اندرونی صورتحال بیرونی صورتحال بھی خاصی گھمبیر ہے۔اسلامی ممالک نہ تو کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں، نہ موثر بینکاری نظام، نہ باہمی امداد تعاون کا کوئی موثر نظام ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل سے استعفادہ کرنے کو کوئی لائحہ عمل امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ اور قیمتی وسائل مغربی ممالک کے رحم وکرم پر نہیں۔اقتصادی مسائل ہی کے حوالے سے امت مسلمہ کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی بھی ہے۔

اگر ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کا جائزہ لیں، تاریخ، فلسفہ، سائنس، فلکیات، ادب، طب اور فنون لطیفہ غرضیکہ وہ کونسا علم و ہنر کا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ نہیں۔ صرف سائنس ہی کو لیجئے۔خوارزمی جابر بن حیان ابن الہیثم، موسیٰ بن شاکر، الکندی، بوعلی سینا اور نہ جانے اور کتنے سائنسدان، ریاضی دان، کیمیادان اور ماہرین طب اس امت نے پیدا کئے مگر اکیسویں صدی میں

۲۳۔ العارف (لاہور) اپریل جون ۱۹۹۴ء

داخل ہوتے ہوئے اس میدان میں امت مسلمہ کی زبوں حالی محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے علم وہنر کا راستہ اپنایا جائے۔

آنحضرت ﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی۔ لیکن آپ ﷺ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دلانا صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا، ہر مسلمان (مرد، عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم وتوقیر میں اضافہ کرنا۔ آپ ﷺ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبی میں حصول علم اور تعلیم وتعلم کی اہمیت اور افادیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے پھر قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم وفنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیر کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے۔ اور یہ بات بلاخوف وتردید کی جاسکتی ہے کہ:

قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ جو اس سے ہدایت لے گا یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف راہنمائی کرے گا۔ (۲۴)

اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت ﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پس ماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ (۲۵)

آپ ﷺ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے۔ تجارت اور صنعت وحرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت وحرفت کو پاک ترین روزی اور

۲۴۔ خطبات بہاولپور (ڈاکٹر حمید اللہ)

۲۵۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی

تجارت کو بہترین معاش قرار دیا آپ نے فرمایا:۔

''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔''(۲۶)

آپ ﷺ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سد باب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے بیع الحاضر للبادی سے منع فرمایا۔ آپ نے تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لئے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کاروائی کی۔ آپ ﷺ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔

آپ ﷺ نے ملاوٹ ذخیرہ اندوزی رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، ربا، اسراف، تبذیر، کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کے لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حب دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسب معیشت کے لئے ترغیب دی۔ کفالت عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔

آپ ﷺ کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔ امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ لیکن اگر اس سے کفالت عامہ نہ ہو تو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔ آپ کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں برابر تقسیم فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف مقرر کئے گئے۔ بوڑھے اور معذور ذمیوں کا جزیہ بیت المال سے ادا کیا گیا۔ یعنی اسلامی بیت المال سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستحقین کو بھی امداد دی جاتی تھی۔

۲۶۔ کنز العمال۔الفصل الثالث فی انواع الکسب

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں یہ شق شامل تھی کہ اگر غیر مسلم رعایا میں سے کوئی معمر ہوگا یا غریب وافلاس کا شکار ہوگا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کیا جائے گا بلکہ جب تک وہ اور اس کے زیر کفالت لوگ اسلامی ریاست کی حدود میں رہیں گے بیت المال سے اس کی مالی امداد کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ نے قومی خزانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حقوق کا تذکرہ بھی کس قدر جامع اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ:

اے لوگو! میرے اور آپ کے مال کا وہ تعلق ہے جو یتیم کے مال اور اس کے ولی کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اگر فاقہ کی نوبت آجائے تو عام رواج کے مطابق کھانے کے لئے لےلوں گا۔ مجھ پر تمہارے بہت سے حقوق ہیں جن کے لیے تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو۔ (۲۷)

اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ اکثر مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے تھے اور اگر کسی شخص کو اس طرح کا کام کرتے دیکھتے جو اس کی برداشت سے باہر ہوتا تو اس کے آجر کو اس کی طاقت کے مطابق کام لینے کا حکم دیتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے محتسب بھی مقرر کر رکھے تھے۔ ایک بار آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک آجر بیمار مزدوروں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ آپ نے محتسب کو ہدایت کی کہ آجر سے باز پرسی کی جائے۔ اور اس کو ایک طبیب مقرر کرنے کی فہمائش کی جائے اور اگر اس کی آمدنی طبیب کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو بیت المال کی طرف سے فوراً طبیب مقرر کر دیا جائے۔ (۲۸)

ان تعلیمات واقدامات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے لئے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہیے ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال برکسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔ جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے

۲۷۔ علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۵۹

۲۸۔ محمد ایوب قادری ''اسلام کا نظام اقتصاد''، مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۹، ص ۳۵۸

پاس معاشی ترقی کا کوئی قابل عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہوگا۔ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔(۲۹)

4۔ سیاسی مسائل

الف مسلم ریاستوں کے داخلی مسائل

ب عالم اسلام کے باہمی تعلقات

ج عالم اسلام کے خارجی مسائل

(الف) اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید اسلامی فلاحی ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔(۳۰)

داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لئے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

i) سیرۃ النبی کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیل نو

ii) امن امان کا قیام

iii) ریاستی اداروں کی اصلاح

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں۔ جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے لکھا تھا کہ:

کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری

۲۹۔ڈاکٹر منظور احمد۔ ''مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار'' ص ۱۲۸

۳۰۔الطاف جاوید جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں ٦٧ مطبوعہ العارف لاہور جنوری مارچ ۱۹۹۵ء ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

ہے۔ جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں۔ لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہو گی۔ (۳۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اوّلین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا:

''لوگو! میں تمہارا والی مقرر کیا گیا ہوں میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور قوی ضعیف ہے، یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو۔ اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں۔ اور اگر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں''۔ (۳۲)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر رکھتے ہوں۔

ii. داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمیں درپیش دوسرا اہم مسئلہ امن و امان کے قیام سے متعلق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی۔ اور آپ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:۔

ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا (۳۳)

iii. داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمارا تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا استحکام اور اصلاح ہے

۳۱۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ اسلام کا نظریہ حیات ص ۲۹۵

۳۲۔ ابن سرور۔ طبقات الکبری ج ۳ ص ۱۲۹

۳۳۔ بخاری۔ کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام

آنحضرت ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔

اسی ضمن میں سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کی راہنمائی حسب ذیل ہے۔

- سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔
- سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔
- تمام حکام اور ذمہ دار افسران وملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے۔
- افسران وملازمین کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔
- افسران وملازمین کے خلاف عوام کی شکایات کا فوراً ازالہ کیا جائے۔
- سرکاری خزانے میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی، کوتاہی اور خورد برد کرنے والے ذمہ داران کو سزا کا مستحق سمجھا جائے۔
- انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم ومحکوم، امیر وغریب اور افسر وماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔
- حکام، افسران اور ملازمین سب کو سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طرز بود و باش، سادگی میانہ روی اور سرکاری خزانے کے بے تحاشا استعمال سے گریز کرے جیسے اقدامات کو اپنانا چاہیے۔

(ب) عالمِ اسلام کے باہمی تعلقات

21ویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم سیاسی مسئلہ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کا ہے۔

آج سے بیس برس قبل پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ایک معروف اسلامی دانشور نے کہا تھا:۔

''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔ لہٰذا قدرتی طور سے حضور ﷺ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے، جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افراق سے بچنے کی تلقین کریں گے...... جس طرح حضور ﷺ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمیٰ

ثابت ہوا تھا، اور آپ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔ بلا شبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے۔ مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں۔ اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیانِ مرصوص بنا لیں''۔ (۳۴)

بہر حال سیرت النبی ﷺ کا پیغام تو آج بھی یہی ہے۔ بقول اقبال کہ:۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا سفر

کاش یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

(ج) عالم اسلام کے خارجی مسائل

دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور استعمال کے تمام وسائل ایک ہی عالمی طاقت کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے خارجی مسائل کے حل کے لئے بھی سیرۃ النبی ﷺ کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔ اس ضمن میں ہر اسلامی ریاست کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لئے خود کفیل ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امن کی راہیں میدان جنگ سے ہر کر گزرتی ہیں۔ مسلمانوں کو فنونِ حرب اور عسکری قوت میں اس قدر طاق اور خود کفیل ہونا چاہیے۔ کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد کی زیادہ تر غزوات اور سرایا کا مقصد جارحیت کی مدافعت اور جنگ برائے امن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امتِ مسلمہ 21 ویں صدی کے چیلنجز سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کو لازماً سامنے رکھنا ہوگا کہ:

۳۴۔ سید محمد عبداللہ۔ عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام ص ۷ مطبوعہ ماہنامہ فکر و نظر۔ اگست ۱۹۸۱ء ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ پس جہاں اسے ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''(۳۵)

ایک عالمگیر مسلم برادری کی بنیاد ڈالنے کے لئے قرآن نے تمام خدا پرستوں کی ایک وسیع برادری کا تصور دیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبات ہی میں کہا ہے کہ:

''عہد حاضر کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا آخری نصب العین ہے۔''(۳۶)

امت مسلمہ کا وجود اقامت دین اور شہادتِ حق ہے۔ دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اللہ کی نازل کردہ ہدایت یعنی دین حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے اپنا زاویہ فکر رکھتا ہے اسلامی تحریک مغرب کے سیکولر ماڈل کو مسترد کرتی ہے۔ جو اسلام کو فرسودہ نظریہ حیات قرار دیتی ہے اور اپنے اطلاعاتی ماحول کے ذریعہ سیکولر ذہن بنانا چاہتی ہے۔ جو مغرب کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہو یا مغرب کو اپنے لئے ماڈل سمجھتا ہو۔ لبرل تعلیمی نظام اسلام کے خلاف مغرب کی سازش ہے، جو مسلمان معاشرے کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو بدنام کرنے کے لئے انہیں نااہل، متروک، بے مغز، عقیدہ پرست رجعت پسند اور تاریک خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (۳۷)

ڈاکٹر منظور احمد نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں۔ ان کا کوئی ۔۔۔۔۔۔ ردعمل اسلامی مفکرین کے

۳۵۔ ترمذی و ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم (فصل ثانی)

۳۶۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ اسلام کا نظریہ حیات ص ۴۶۲

۳۷۔ قاضی حسین احمد (اسلامی تحریکیں خدشات اور امکانات) ص ۶۱ مطبوعہ ماہنامہ ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۹۸ء

ہاں نہیں پایا جاتا۔(۳۸)

جدید عقیلت پسند مفکرین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

1. اسلامی معاشرے میں مذہب اور خیالات کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔اور کسی کو دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔

2. اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی نہ گزار سکتے ہوں تو ان کو صبر کرنا چاہیے یا ہجرت۔

3. اسلامی حکومت کے قیام کی صورت میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہوگی اور ان کے حقوق میں ان کے مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

4. اسلامی ریاست ایک جمہوری اور سوشلسٹ ریاست ہوگی۔

5. عورتوں کے بنیادی حقوق میں جنس کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔

6. ریاست معاشی نظام کو اس طرح منظّم کرے گی کہ سرمایہ داری اور بغیر محنت کی کمائی معاشرے میں جگہ نہ پائے۔ اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے۔اسی طرح معاشرے میں اشیاء کی گردش کے قانون بنائے جائیں گے جائیداد اور املاک کو مشترکہ ملکیت میں رکھنے کی اور ان کو آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

7. کسی گروہ کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے۔اس لئے کہ معاشرے میں افراتفری اور شورش کی بہ نسبت امن و مان زیادہ قیمتی ہے۔(۳۹)

یہ وہ چند نکتہ ہائے نظر ہیں جو مختلف الخیال مفکرین اسلامی ریاست، اسلام کی تفہیم اور جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔سب کے نزدیک خیالات کا ماخذ قرآن وسنت ہیں۔لیکن تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند۔قدامت پرست، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال، منکر حدیث اور بعض اوقات مرتد جیسے سے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے ان حالات میں کیا ہمارے مفکرین اسلامی فکر کی کسی ایک نہج پر متفق ہو سکیں گے۔اس کا واحد حل یہی ہے کہ

۳۸۔ ڈاکٹر منظور احمد۔''مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار'' ص ۹۱۱

۳۹۔ خلیفہ عبدالحکیم۔اسلام کا نظریہ حیات ۲۰۲ تا ۲۰۵ (انگریزی)

صرف زبانی کلامی سیرت النبی پر کاربند ہونے کی تلقین وتبلیغ نہ کی جائے۔ بلکہ اس وسعتِ نظر رواداری، حکمت، حلم وبردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرت النبی ﷺ کا امتیازی نشان ہے۔

اسلام اعتدال کا دین ہے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہمیں اپنی ثقافت اقدار کی نگہبانی بھی کرنی ہے اور حکمت ودانائی کے موتیوں کو چن کر جدید چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ اس موجودہ معروضی صورتحال میں حسب ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

i. فکری یک جہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر اجتہاد ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ اب اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دیئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ اقبال علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کرسکیں۔ (۴۰)

ii. ایک ایسی جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام لازمی ہے۔ جس کا ماڈل آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ ہمیں ان ابہامات کو بھی دور کرنا ہے جو اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے حقوق۔ خواتین کے حقوق، اقلیتوں کے حقوق، تشدد پسندی، دہشت گردی، تکفیر اور فرقہ واریت کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

iii. اخلاقی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مغرب بھی اخلاقی اور روحانی انتشار میں مبتلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی زوال ہی عصر حاضر کا سب سے خطرناک اور تباہ کن مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ فرد کی ذاتی اصلاح، اخلاق واعمال کی درستگی اور تزکیہ وتربیت پر مبذول فرمائی۔ اس اخلاقی انقلاب کی بنیاد خوف خدا، عقیدہ آخرت اور وحدانیت کی بالیدگی پر رکھی گئی تھی۔

۴۰۔ علامہ اقبال (The Reconstruction)

iv. اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنے سماجی وثقافتی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونا ہے۔ جن میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار لسانی اور گروہی اختلافات قوم پرستی، مادہ پرستی اور مغرب کے مرعوبیت اور محاذ آرائی سرفہرست ہیں۔ ان مقاصد کے لئے بھی سیرت النبی ﷺ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ جس نے لوگوں کو ایمانی قوت سے مالا مال کر کے باہمی ہمدردی، ایثار وقربانی، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفو درگزر، حلم وبردباری، رواداری اور وسعت نظر جیسے اوصاف سے متصف کیا۔

V. اسلامی ممالک کو اپنی اقتصادی صورتحال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کو ختم کرنا ہے سود کے مسئلے سے گلو خلاصی کرانی ہے۔ اسلامی ممالک کو باہمی اقتصادی روابط کو فروغ دینا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیش رفت کو مزید تیز کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبی کی روشنی میں ایمان اور اخلاقیات کا دامن بھی تھامے رکھنا ہے۔

vi. اسلامی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لئے اور داخلی امن وامان کے قیام کے لئے بھی سیرت طیبہ ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں۔

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کا یہی طریقہ عمل تھا۔

vii. اگرچہ عالم اسلام کے اتحاد کا کوئی عملی پروگرام ابھی سامنے نہیں آیا، تاہم یہ رجحان بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام اختلافات وسائل کو پس پشت ڈال کر باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرے۔ (۴۱) اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسی جنت ارضی قائم ہو جس میں ساری دنیا کے انسان مکمل اطمینان اور سکون سے رہ سکیں (اقبال) اس مقصد کے لئے بھی سیرت طیبہ ہماری راہنما ہے۔

viii. عالم اسلام کو درپیش خارجی مسائل سے نمبرد آزما ہونے کے لئے ہر اسلامی ریاست کو اپنی مدافعت

۴۱۔ مشترکہ اعلامیہ۔ تہران اسلامی کانفرنس منعقدہ 9 تا 11 جولائی ۱۹۹۸ء

اور حفاظت کے لئے خود کفیل ہونا ضروری ہے۔

ix. آنے والے سالوں میں مذہب کے احیاء کے عالمی رجحان کے باوجود ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ قوم پرستی اور سیکولرازم زیادہ مضبوط ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سیاسی مسائل حل کرنے چاہیے تاکہ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں بھی محفوظ رہ سکیں۔

x. ہمیں آنحضرت ﷺ کے طریقہ کار کی وسعت نظر کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اسلامی ریاست مدینہ کے آغاز میں آپ نے اختیار فرمائی۔ سب کو اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ آج بھی اسی قسم کے معاہدات غیر مسلمہ ریاستوں سے کئے جاسکتے ہیں۔ انتہاء پسندی، محاذ آرائی اور منفی رجحانات کی بجائے مفاہمت اور اچھے تعلقات سیرۃ النبی ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔

xi. آخری بات جو سیرت طیبہ اور عصری مسائل کے حوالے سے بہت اہم ہے، وہ بازگشت ہے، جو مغرب میں ''تہذیبوں کے تصادم کے حوالے سے زیر بحث ہے۔ مغرب کے مفکرین یہ کہہ رہے ہیں کہ آئندہ تصادم تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ اور اب کمیونزم کے خاتمے کے بعد ہماری اصل حریف اسلامی طاقتیں ہیں۔ (۴۲) اسلام مغربی تہذیب کے لئے خطرہ ہے۔ اور اس خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مغربی مفکرین ابھی اس پر متفق نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے لئے متعدد طریقے وضع کئے جارہے ہیں۔ (۴۳)

اس خطرے سے ہمیں کیسے نمٹنا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات عام مسلمانوں کے سوچنے کی نہیں بلکہ مسلمان مفکرین اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کے قائدین اور مسلمان ریاستوں کے سربراہوں کو وہ لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا۔ جس سے تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ یقیناً ہمیں اپنے افکار و کردار پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی۔ مفاہمت اور مذاکرات کے دروازے بھی کھولنے ہوں گے۔ اور معرب کو بھی اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ بھی اپنے دوہرے معیار اور منفی پروپیگنڈے سے باز آجائے کیونکہ تمام معاشی، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی معاملات میں باہمی تعاون ہی سے ترقی خوشحالی اور امن ممکن ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے امن واخوت عدل وانصاف، افہام وتفہیم اور صلح

۴۲۔ پروفیسر سموئیل ہنگٹن نے اپنے مضمون Clash of cinilization the rest pathein of conflict

۴۳۔ عبدالرشید صدیقی۔ "تحریک اسلامی اور اس کے عالمی ثرات" ص۷۳ تا ۷۵ مطبوعہ ترجمان القرآن فروری 2000ء

وآشتی کی نوید ہے۔بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی خواہشات نفس کر ترک کر کے اس نظام حیات کے پیروکار بن جائیں جس کی روشنی سے چراغ مصطفوی نے عرب وعجم کے تاریک ایوانوں کو منور کر دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کرے''۔(۴۴)

............☆............

۴۴۔ شکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الاعتمام بالکتاب والسنہ

سیرت نبویہ کا اہم پہلو حکومتی ادارے اور فرائض

* ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جس پر عہد حاضر کی کوئی اصطلاح من وعن بطور نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ آپ ﷺ کے پیش نظر قرآن کریم کی تمام قوانین اور نظام حکومت کا سرچشمہ تھا اور آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اس کا مرکز۔ آپ ﷺ کو قرآن کریم نے حکم دیا تھا کہ دینی و دنیاوی اور ہر قسم کے معاملات حکومت میں صحابہ کرام کی بھی رائے حاصل کریں۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کے تحت چودہ مہاجرین اور چودہ انصار اجلہ صحابہ پر مشتمل ایک مجلس مشاورت قائم کی اور اس مجلس مشاورت کے اہم ارکان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوذرؓ / حضرت مقدادؓ، حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ نمایاں تھے۔

لہٰذا یہ بات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کوئی منظم اور باقاعدہ حکومتی ادارہ قائم نہیں کیا تھا اور عرب یوں بھی تمدنی و عمرانی اُمور سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اور حضرت عمرو حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں نے ایرانی اور رومی سلطنتوں پر قبضہ کیا اور وہاں کی متمدن و مہذب قوموں سے مسلمان عربوں کا سابقہ ہوا تو انہوں نے نظام حکومت اور اداروں سے متعلق بہت سی باتیں سیکھیں اور عرب آہستہ آہستہ اپنی تمدنی زندگی اور منازل طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے کہ عہد بنوامیہ اور، عہد عباسیہ میں ایک منظّم حکومتی نظام اور ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں تک ان کے ہاں نظام شرطہ بھی نہیں تھا۔ مسلمانوں کے نبی نے بعض اوقات کثرت رائے کا عدم احترام کرتے ہوئے اپنا ذاتی فیصلہ نافذ کیا خلفائے راشدین بھی اپنے اپنے ادوار میں انہیں راہوں پر چلے گویا کہ مسلمانوں کے

* استاد شعبہ علوم اسلامی جامعہ۔ کراچی

خلفاء راشدین نظام ''ڈکٹیڑانہ'' پر عامل تھے۔ آیئے ہم مذکورہ بالا اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ لیتے ہوئے واضح کریں کہ آپ ﷺ کے عہد ہی میں ایک باقاعدہ منظّم حکومت قائم ہوچکی تھی۔ جس کے مختلف شعبے اور مختلف ادارے تھے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں اور پھر بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد حکومت میں جو نظام سلطنت نے کافی ترقی کی درحقیقت ان ہی خطوط پر ہوئی تھی جو خود آنحضرت ﷺ نے کھینچ دیئے تھے تمدن وحضارت کی ضرورتیں ہمیشہ یکساں نہیں ہوتیں حضور اکرم ﷺ کے عہد میں یہ ضرورتیں محدود تھیں بعد کے ادوار میں یہ ضرورتیں بڑھتی چلی گئیں ان حالات اور ضروریات کے مطابق حکومتی اداروں میں بھی ترقی اور توسیع ہوتی چلی گئی۔ تا آنکہ عہد بنی عباس میں وہ نقطہ عروج تک پہنچ گئی لیکن توسیع وترقی کا مفہوم یقیناً یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت تھا ہی نہیں جیسا کہ معترضین نے خیال ظاہر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ کتب حدیث وتفسیر اور کتب تاریخ وتراجم سے ہمیں بہت سے ان شعبوں اور اداروں کا پتہ چلتا ہے کہ جو خود ﷺ کے عہد ہی میں قائم ہوچکے تھے اور جن کی بنیادوں پر بعد کے ادوار میں توسیع اور ترقی ہوتی گئی حکومتی اداروں میں۔

ا۔ صدر مملکت سب سے اہم اور ضروری ادارہ (اسٹیٹ) صدر مملکت کا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ بھی اسلامی حکومت میں سب سے پہلے سربراہ مملکت تھے۔ آپ تمام کاروبار حکومت خدا کی رہنمائی کے مطابق انجام دیتے تھے۔ اس اعتبار سے آپ سفید وسیاہ کے مالک ہوسکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کوئی مستبد سربراہ مملکت نہیں تھے بلکہ خدا کی رہنمائی ہی نے آپ کو اس کا پابند کردیا تھا کہ آپ کاروبار حکومت میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کریں اور مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھائیں ''وشاورھم فی الامر'' اور کاروبار مملکت میں صحابہ سے مشورہ کیا کیجئے، چنانچہ آپ ہر اہم فیصلہ صحابہ سے مشورہ فرما کر ہی کیا کرتے تھے۔ ہر خاندان اور قبیلہ کا ایک نقیب (نمائندہ) ہوا کرتا تھا۔ ایسے معاشرہ میں تجربہ کار اصحاب الرائے اور اہل تدبر لوگوں کی کمی نہیں تھی اور یہ سب آپ کے اہل شوریٰ (مجلس مشاورت کے ارکان جسے آپ آج کی اصطلاح میں پارلیمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں) ہوا کرتے تھے قبیلوں کے یہ نقیب یا نمائندے وہی لوگ ہوتے تھے۔ جن کا اپنے قبیلہ پر اثر ہوا کرتا تھا اور جن پر پورے خاندان اور قبیلہ کو ہر طرح سے اعتماد ہوتا تھا یہ خود اپنے قبیلہ کے سردار

کے حکم پر کٹ مرتا تھا۔ ان کی یہ نمائندہ حیثیت اس نمائندگی سے کہیں قوی تر ہوتی تھی جو ووٹوں سے منتخب کر کے موجودہ دور کے ہمارے نمائندوں میں نظر آتی ہے۔ ہمارے ووٹوں سے منتخب شدہ نمائندے نہ اپنے ووٹروں پر اثر واقتدار رکھتے ہیں اور نہ ان کے ووٹروں کو ان پر اعتماد ہوتا ہے جو قبائل کے نقیبوں اور سرداروں کی صورت میں ہمیں عربوں میں نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اسلامی معاشرہ نے صدر مملکت کے عہدہ پر منتخب نہیں تھا بلکہ آپ کو یہ حیثیت بناء نبوت من جانب اللہ حاصل تھی لیکن آپ کے بعد کے لوگوں کے لئے یہ ہدایت پوری وضاحت کے ساتھ موجود تھی کہ" **و امر هم شوری بینهم**"اور مسلمانوں کے معاملات حکومت ان کے باہمی مشورہ سے طے ہونگے چنانچہ آپ کے بعد کے لوگوں خلفائے راشدین کے تمام انتخابات مسلمانوں کے باہمی مشورہ ہی سے ہوئے ان مشوروں کی صورتیں مختلف حالات اور ضروریات کے مطابق اگرچہ کسی قدر مختلف ضرور ہیں مگر یہ روح ان تمام انتخابات میں مشترک رہی ہے کہ ہر خلیفہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی رائے سے منتخب ہوا اور تمام مسلمانوں نے برضاء ورغبت ان کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ لہٰذا یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ صدر مملکت منتخب ہوگا اور وہ اپنی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے مشورہ کا پابند ہوگا۔

چونکہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ وہ منجانب اللہ مقرر یا منصوص نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد جب حضرت صدیق اکبرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تو سادہ دلی سے مسلمانوں نے ان کو خلیفہ الرسولؐ کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر بہت جلد مسلمانوں کو اپنے اس تسامح کا احساس ہوگیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کہیں یہ خطاب آگے چل کر چند غلط فہمیوں کا باعث نہ بن جائے اور خلفاء کچھ خدائی حقوق کا مطالبہ نہ کر بیٹھیں اس لئے انہوں نے فوراً اس خطاب کو امیر المومنین کے خطاب میں بدل دینا ضروری سمجھا اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور بعد کے تمام خلفاء امیر المومنین ہی کے لقب سے یاد کئے گئے۔

اسلام میں صدر مملکت "خود سرچشمہ قانون" نہیں ہوتا بلکہ وہ قانون خداوندی کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کی اپنی ذات بھی قانون سازی کے اختیارات نہیں رکھتی تھی حالانکہ

آپ مہبط وحی تھے اور خدا کی طرف سے مقرر فرمودہ صدر مملکت تھے صحابہ اس حقیقت کے اچھی طرح رمز آشنا تھے چنانچہ جہاں بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی وہ دریافت کرلیا کرتے تھے کہ آپ کا فلاں حکم خدا کی وحی کے مطابق ہے یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ اگر آپ فرماتے تھے کہ وہ حکم آپ کی اپنی رائے اور صواب دید پر مبنی ہے تو صحابہ اپنی رائے پیش کر دیتے تھے۔ اور اگر صحابہ کی رائے زیادہ صائب ہوتی تھی تو آپ اس کو اختیار فرمالیا کرتے تھے لہٰذا آپ خدا کی مرضی کو چلانے کے ذمہ دار تو تھے۔ اپنی مرضی چلانے کا حق نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ کثرت رائے:

اسلامی نظام حکومت میں آنحضرت ﷺ نے جو نظام قانون فرمایا تھا فیصلے ہمیشہ کثرت رائے سے نہیں بلکہ دلیل اور مصلحت کی قوت سے ہوا کرتے تھے واضح رہے کہ اسلام میں حق و باطل کا معیار آراء کی کثرت وقلت نہیں ہوتی۔ بلکہ مجلس شوریٰ میں معاملہ پیش کرنے کے بعد اگر پچاس آدمی ایک طرف ہوں اور صرف ایک آمی ایک طرف ہو مگر ایک آدمی کی بات دلیل اور مصلحت کے اعتبار سے وزن دار ہو تو آپ ایک آدمی کی بات کو قبول فرمالیا کرتے تھے اس لئے کہ اسلام میں اسلامی ووٹوں کی گنتی نہیں کی جاتی بلکہ ان کو تولا جاتا ہے۔ جبکہ موجودہ نام نہاد پوری جمہوریت میں ووٹوں کی گنتی کی جاتی ہے اور لوگوں کا سر دیکھا جاتا ہے۔

۳۔ ویٹو کا حق:

خلفائے راشدین کے عہد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ خلیفہ وقت نے پوری مجلس شوریٰ کے مشورہ کو مسترد کر کے خود اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ جس کی بے چوں و چرا تعمیل بھی ہوئی اس سے بعض لوگوں کو یہ قیاس کر لینا کہ اسلام کا نظام حکومت ایک حد تک "ڈکٹیڑانہ ہوتا ہے خلاف واقعہ بات ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاں اس قسم کے دو چار واقعات پیش آئے ہیں وہاں خلیفہ نے اپنے فیصلہ کی سند اور دلیل پیش کی ہے اور اس سند یا دلیل کے پیش کرنے کے بعد تمام اصحاب شوریٰ کی گردنیں آپ سے آپ جھک گئی ہیں اور کسی ایک ممبر نے بھی اس دلیل یا سند سے کوئی اختلاف نہیں کیا لہٰذا بات وہی ہوئی کہ اسلام کے نظام

حکومت میں فیصلہ آراء کی کثرت وقلت سے نہیں ہوتا بلکہ دلیل کی قوت سے ہوتا ہے اگر تنہا خلیفہ کے پاس کوئی ایسی دلیل یا سند موجود ہے جس کے سامنے تمام اصحاب شوریٰ کی گردنیں آپ سے جھک جاتی ہیں اور باقی کے خلاف چوں چرا کرنے کی گنجائش نہیں پاتے تو اسے ویٹو کا حق نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس انداز حکومت کو ڈکٹیٹرانہ اور جابرانہ کہا جاسکتا ہے۔

صدر مملکت ایک معمولی آدمی کی طرح قانون کا پابند ہوتا ہے اس کے لئے قطعاً کوئی تحفظات نہیں ہوتے اسے عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے اور عدالت میں اس کے ساتھ اور دوسرے فریق کے ساتھ قطعاً یکساں برتاؤ کیا جائے گا یہ ہے اسلام میں صدر مملکت کے ادارہ کی قانونی حیثیت خدا کرے کہ ہمارے ملک میں بھی یہ نظام قائم ہو جائے۔

۴۔ وزارت:

دوسرا اہم ادارہ وزارت کا ہوتا ہے۔ اسکی بنیاد بھی حضور ﷺ کے عہد میں ہی پڑ چکی تھی۔ وزیر اس شخص کو کہتے ہیں جو سلطان (صدر) کی ذمہ داریوں میں اس کا شریک ہو جو ذمہ داریاں اور بار جو سلطان کے کاندھوں پر ہوتے ہیں وزیران کو سنبھال لیتا ہے یا بٹا لیتا ہے اور سلطان اس کی رائے تدبیر اور مشورہ پر عمل کرتا ہے۔

حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی جسے نسائی نے بیان کیا ہے ان ہی معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا جب تم میں سے کسی کو ذمہ داری کا کام حوالہ کرتا ہے اور اگر خدا اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک نیک وزیر مقرر کر دیتا ہے کہ اگر وہ کسی بات کو بھول جائے تو وزیر اسے یاد دلا دیتا ہے۔ اور اگر وہ بات اسے یاد ہو تو اس کی تکمیل میں اس کی مدد کرتا ہے بلکہ خود قرآن کریم میں بھی وزیر کا لفظ سورہ طٰہٰ میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور حضرت موسیٰ ؑ نے خدا سے یہ دعا فرمائی تھی۔

واجعل لی وزیراً من اھلی ھٰرون اخی

اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری

ترجمہ: اور خدایا! میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر مقرر کردے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس سے میری طاقت میں اضافہ فرما اور اسے میرے کام میں شریک کردے ان تصریحات سے یہ بات واضح اور ثابت ہوگئی کہ وزیر کی حیثیت آپکے مشیر، معاون اور مددگار کی ہوا کرتی تھی جس کی رائے تدبر، علم تجربہ اور عقل وفراست پر صاحب اقتدار کو اعتماد اور بھروسہ ہو۔

حضور ﷺ کے عہد سے پہلے اور بعد میں بھی صدیوں تک وزیر کی یہی حیثیت ہوا کرتی تھی اور یہ تصور بہت بعد کی پیداوار ہے کہ حکومت کے مختلف محکمے اور شعبے وزراء پر تقسیم کردیئے جائیں اور ہر وزیر اپنے اپنے محکمہ کا ذمہ دار اور جوابدہ ہو جس کا چند صدیوں سے پہلے تاریخ میں کہیں سراغ نہیں ملتا اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وزارتوں کی موجودہ صورت درحقیقت اسی سابقہ وزارت کی ارتقائی شکل ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ دیکھئے کہ حضور ﷺ کے عہد میں ہمیں وزارت نام کا کوئی ادارہ ملتا ہے یا نہیں اگر ملتا ہے تو اس ذمہ دارانہ عہدہ پر کون حضرات مامور تھے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس مشہور حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے جسے قاضی ابوبکر بن العربی جیسے محدث اور فقیہ نے سند کے اعتبار سے قابل اعتماد اور حسن قرار دیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے وزیر ساکنان زمین میں سے ساکنان فلک میں سے ہوتے ہیں میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ساکنان فلک میں سے اور ساکنان زمین میں سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں نیز اماحاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ اکثر معاملات میں ان ہی سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

کتب حدیث اور تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں بیشمار واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ معاملات حکومت میں زیادہ تر ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور ان سے مشورہ فرمالینے کے بعد کوئی فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات آپ مشیر معاون اور مددگار رہے ہیں جن کی سوجھ بوجھ رائے، علم اور تجربہ اور عقل وفراست پر آنحضرت ﷺ کو اطمینان تھا اور اسی بناء

پر آپ نے ان حضرات کو اپنا وزیر بتلایا ہے۔ حضور ﷺ کے عہد میں مملکت کی حدود زیادہ وسیع نہیں تھیں جوں جوں بعد میں مملکت وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ وزراء کا دائرہ کار بھی بڑھتا چلا گیا لیکن اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عہد بنی عباس میں جب وزارت کا ایک مستقل ادارہ قائم کیا گیا تو مسلمانوں کے سامنے حضور ﷺ کی یہی عملی رہنمائی موجود تھی اور اسی بنیاد پر وزارت کا ایک مستقل عہدہ قائم کیا گیا تھا جو ارتقائی مدارج سے گزرتا ہوا اس عہد کی وزارت تک پہنچ گیا ہے۔

۵۔ گورنر:

جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں مختلف صوبوں اور علاقوں کی گورنر / وائسرئے / ہوتے ہیں ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی گورنر (عربی میں امیر اور والی بھی کہتے ہیں) ہوا کرتے تھے۔ صورت شکل میں معمولی تبدیلیاں ضرور ہوگئی ہیں مگر حقیقت اپنی جگہ قائم ہے صورت وشکل کے یہ اختلافات تو ہمیں آج بھی مختلف حکومتوں میں نظر آجاتے ہیں۔ ساری دنیا میں گورنروں اور وائسرایوں کی یکساں حیثیت آج بھی نہیں ہوتی۔ کہیں گورنر اور وائسرائے اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کے تحت آزاد ہوتے ہیں کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں اپنی صوابدید کے مطابق اپنے صوبوں کا انتظام کریں اور کہیں وہ مخصوص نظام کے پابند یا وزارتوں کے احکام وہدایات پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں عہد نبوی اور عہد خلافت میں والی اور امیر آزاد ہوا کرتے تھے کہ قرآن وسنت کی رہنمائی میں اپنی صوابدید کے مطابق اپنے صوبہ کا انتظام کریں۔ اگر کہیں کوئی دشواری یا مشکل پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ سے ہدایت حاصل کرلی جاتی تھی۔

ان کے فرائض میں مقدمات کے فیصلے کرنا۔ مسجدوں میں امامت کرنا۔ عیدیں، جمعہ اور دیگر ضروری موقعوں پر خطبے دینا۔ عوام کو دینی امور کی تعلیم دینا۔ اور صوبوں کا انتظام وانصرام کرنا بعض اوقات امراء کے ساتھ ایک دو مددگار بھی شامل کر دیئے جاتے تھے جو مقدمات کے فیصلے کرنے، زکوۃ اور دوسرے واجبات اور ٹیکس وصول کرنے اور دینی تعلیم دینے میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

حضور ﷺ کے امراء وعمال کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

(ا)۔ اذان ابن ساسان یہ ایرانی بادشاہ بہرام کی اولاد میں سے تھا جو کسریٰ کی طرف سے یمن کا گورنر

تھا کیونکہ یمن ان دنوں ایرانی شہنشاہیت کا ہی ایک حصہ سمجھا جاتا تھا کسریٰ پرویز کے مرجانے کے بعد باذان مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی چنانچہ آپ نے باذان ہی کو یمن کا گورنر رہنے دیا۔

آپ نے کوئی دوسرا گورنر مقرر نہیں فرمایا۔ شاہان عجم میں سے باذان پہلا بادشاہ ہے جو مسلمان ہوا اور پہلا عجمی گورنر ہے جسے حضور ﷺ نے اپنا گورنر یا والی بنایا۔ باذان کے انتقال کے بعد آپ نے یمن کے کئی حصے کر دیئے تھے اور مختلف حصوں پر مختلف صحابہ کو والی بنا دیا تھا۔ تاہم صنعاء پر اب بھی باذان کا بیٹا شہر بن باذان ہی آپ کی طرف سے والی رہا۔

ب) خالد ابن سعید بن العاص اموی ؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے نجران، زمع اور زبید کا والی (گورنر) بنایا تھا۔ نیز قبیلہ مزحج سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا کام بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فتنہ ارتداد کے وقت ان کو سرحد شام کے کسی علاقہ کا والی (گورنر) بنا دیا تھا۔

ج) زیاد ابن لبید انصاری ؓ، انکو آنحضرت ﷺ نے "حضرموت" کا والی (گورنر مقرر فرمایا تھا فتنہ ارتداد کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کو قبیلہ کندہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا چنانچہ یہ زیادہ ہی تھے جنھوں نے کندہ پر فتح پائی۔ اور اشت بن قیس کو گرفتار کر کے جو اپنے قبیلہ کا بڑا سردار تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں بھیجا۔

د) ابوموسیٰ ؓ اشعری کو آنحضرت ﷺ نے مآرب اور عدن کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ہ) معاذ بن جبل انصاری خزرجی ؓ۔ آنخضرت ﷺ نے یمن کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

و) یعلیٰ ابن امیہ مظلی ؓ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے فوج کا نگران مقرر فرمایا تھا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ فتنہ ارتداد کے دوران حضرت صدیق اکبر نے ان کو صوبہ علوان کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا پھر حضرت عمر ؓ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا والی (گورنر) مقرر

فرمایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وہ صنعاء کے والی (گورنر) تھے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو خون عثمانؓ کے مطالبہ کے لئے انہوں نے بھی خروج کیا تھا اور چار لاکھ سپاہیوں کے ساتھ انہوں نے سواریاں مہیاں کیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہ کی سواری کے لئے انہوں نے ایک اونٹ دوسو دینار میں خرید کر پیش کیا تھا۔ اس اونٹ کا نام "عسکر" تھا جنگ جمل میں وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو کر حضرت علیؓ سے لڑے تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر امیر معاویہؓ سے لڑے تھے اور جنگ صفین ہی میں شہید ہوئے۔

ز) طاہر ابن ابی ہالہ اسدیؓ یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے قبیلہ رعک اور قبیلہ اشعر کی آبادیوں پر والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جب عرب کے لوگ مرتد ہونے لگے تو قبیلہ رعک بھی مرتد ہو گیا تھا۔ صوبہ تہامہ میں سے عک ہی پہلا قبیلہ تھا جس نے ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ طاہر نے ان پر حملہ کیا اور انہیں مغلوب کر کے راستہ میں امن قائم کیا۔

س) عمرو ابن حزم انصاریؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے نجران کا والی (گورنر) بنایا تھا نجران میں ان دنوں بنو حارث بن کعب کا قبیلہ آباد تھا۔ آپ نے پہلے حضرت خالد ابن الولیدؓ کو فوج دے کر نجران کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو آپ نے حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ کو نجران کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ نجرانیوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور دین کے مسائل بتلائیں اور زکوۃ و صدقات وصول کریں یہ واقعہ سنہ ۱۰ ھجری کا ہے۔ اس وقت ابن حزمؓ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

ش) ابوسفیان بن حربؓ۔ ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے نجران کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا اور حضرت عمرو بن حزمؓ کو غالباً ان کی اعانت کے لئے بھیجا گیا تھا۔

ص) عکاشہ بن ثور بن اصغر غولیؓ ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے حضرت موت میں قبائل سکاسک، سکون اور بنو معاویہ پر جو کندہ کی شاخ ہے والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا۔

ض) علاء ابن الحضرمیؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے بحرین کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا حضور ﷺ کی وفات تک بحرین کے والی رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو برقرار رکھا اور حضرت عمرؓ نے بھی

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ط) یزید ابن ابی سفیانؓ۔ان کو آنحضرت ﷺ نے تیماء کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ع) عتاب ابن اسید امویؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے مکہ کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا چنانچہ سنہ ۸ ہجری میں حج اور دیگر مراسم حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوئے۔

غ) عمرو بن العاصؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے عمان اور اس کے متعلقات کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ف) ابوبکر صدیقؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے سنہ ۹ ہجری میں امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

وائل بن حجر حضرمی (رضی اللہ عنہ) ان کو حضور اکرم ﷺ نے حضرموت کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وائل بن حجر مسلمان ہو کر حضرموت سے ایک وفد لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۶۔ فوجوں کی کمان:

آنحضرت ﷺ کے عہد میں جیسا کہ معلوم ہے فوج تنخواہ دار (Regular) نہیں ہوتی تھی بلکہ رضا کار ہوا کرتی تھی۔فوجوں کے امیر اور کمانڈر بھی تنخواہ دار نہیں ہوتے تھے۔ان امراء فوج کی تعداد جنہیں حضور اکرم ﷺ نے اس اعزاز کے لئے منتخب فرمایا۔یوں تو بہت ہیں لیکن آپ کے مشہور اور خاص خاص کمانڈر یہ حضرات تھے۔حضرت عبیدہ ابن الحارث۔حضرت حمزہ بن عبد المطلب۔حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت زبیر ابن عوامؓ، حضرت محمد بن سلمہؓ، خالد بن الولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ

۷۔ محکمہ قضا:

محکمہ قضا کو ایسا ہی سمجھئے کہ ہمارے ہاں آجکل کورٹ ہوتے ہیں۔یہ محکمہ بھی حضور اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا خود حضور ﷺ بھی لوگوں کے تنازعات اور مقدمات میں فیصلے فرمایا کرتے تھے اپنے علاوہ آپ نے بہت سے صحابہ کرام کو بھی اس مقصد کے لئے مامور فرما رکھا تھا کہ وہ لوگوں کے تنازعات اور

مقدمات کو فیصل کر دیا کریں۔ آپ مرافعہ کرنے والے فریقین کو حق بات کہنے اور چرب زبانی اور وضاحت سے دوسرے فریق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد فریقین کے بیانات اور گواہوں کی شہادتیں لینے کے بعد حق و انصاف سے فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ یہی حال آپکے مقرر فرمودہ قاضیوں کا تھا اپنے باشندوں کے لئے عدل و انصاف کا ماحول مملکت کی اپنی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ جس کے لئے نہ کوئی کورٹ فیس مقرر تھی اور نہ دوسرے گرانبار اخراجات کی ضرورت تھی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ جو مملکت اپنے باشندوں کے لئے مفت انصاف بھی مہیا نہ کر سکے بلکہ اس کی قیمت وصول کرے اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے انگریزی دور اقتدار سے پہلے مسلمانوں کی کسی مملکت میں بھی خواہ وہ کتنی ہی دنیا دار کیوں نہ رہی ہو کسی عہد میں بھی حصول انصاف کے لئے کسی قسم کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ مملکتوں کے قیام کا مقصد اولین ہی ظلم و تعدی کا انسداد اور عدل و انصاف کا قیام ہوتا تھا یہ ہماری انتہائی بدبختی ہے کہ انگریزی اقتدار اور شہنشاہیت کا جوا ہماری گردنوں سے اُتر جانے کے بعد آج بھی ہمارے ہاں حق و انصاف مفت نہیں ملتا بلکہ خریدا جاتا ہے مقدمہ بازی ہمارے ہاں فریقین کے لئے نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کا مصداق بنی ہوئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس ذمہ دار منصب پر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ جیسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرما رکھا تھا۔ یہ تمام حضرت فقہائے صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا اس کے علاوہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ ہر علاقہ کے گورنر کے فرائض میں مقدمات کے فیصلے کرنا بھی شامل ہوتا تھا۔ لہذا جسقدر گورنروں کا تذکرہ اوپر آچکا ہے وہ سب کے سب اپنے اپنے علاقوں کے قاضی بھی تھے۔

۸۔ شعبہ تحریر و کتابت:

ایک منظّم حکومت میں ہر کام محض زبانی احکام و ہدایات پر ہی نہیں چلتا بلکہ زیادہ تر امور کو ضبط تحریر میں لے آنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا تحریر و کتابت کا شعبہ بھی ایک منظّم حکومت کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ سب سے پہلی بنیادی ضرورت تو بنیادی قانون اور اس کے احکام کو منضبط صورت میں تحریر کرنا ہوتا ہے۔ اس

کے بعد فرامین، ہدایات، غیر ممالک سے مراسلات کے لئے بھی محرر کاتب اور منشی درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان تمام ضروریات کے لئے بہترین کاتبوں کا انتخاب فرما رکھا تھا۔ ان کاتبوں امیر منشیوں کی فہرست کافی طویل ہے جن میں سے بعض حضرات سے وحی کی کتابت کرائی جاتی تھی۔ کیونکہ ممالک اسلامی کا بنیادی قانون وحی ہی کے ذریعہ سے نازل ہوتا تھا۔

قرآن کریم حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہتا تھا اور اس کو باقاعدگی کے ساتھ ایک دفتر میں لکھوا دیا جاتا تھا اس دفتر کا نام "الام" تھا جو ایک صندوق میں محفوظ کر کے مسجد نبوی میں رکھا رہتا تھا تا کہ عام مسلمان قرآن کریم کو آسانی کے ساتھ نقل کر سکیں بعد میں جب یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں سے اندیشہ ہوا تو اس صندوق کو مسجد نبوی سے اٹھوا کر حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں دیدیا گیا کیونکہ ازدواج مطہرات میں حضرت حفصہ ہی پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ ''الام'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضرت حفصہ ہی کی تحویل میں رہا۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن کریم کی متعدد نقلیں تیار کرا کے تمام علاقوں میں بھیجیں تو قرآن کریم کے اس مستند نسخہ کو منگوالیا تھا جو بعد میں ان کو واپس کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے محرر، کاتب بھی تھے جو معاہدات فرامین خطوط اور احکام وقوانین کی تحریر کرتے اور کاتب بھی تھے۔ جب آپ کسی کو کسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجتے تو عموماً ایک ہدایت نامہ اس کو لکھوا کر دیا جاتا تھا جس میں زکوۃ وصدقات کے مسائل اور قصاص اور خوں بہا وغیرہ کے سلسلہ میں مخصوص ہدایات درج کر دی جاتی تھیں۔ جن سے ان گورنروں کو سابقہ پڑتا رہتا تھا محدثین اور اصحاب سیر نے ان محرروں، کاتبوں اور منشیوں کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے بعض محدثین نے مستقل تصانیف میں ان کے اسمائے گرامی اور حالات درج کئے ہیں جو افسوس ہے کہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں بہر حال چند ممتاز محرروں اور کاتبوں کی فہرست ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۳) عثمان عفان رضی اللہ عنہ (۴) علی ابن طالب رضی اللہ عنہ (۵) طلحہ ابن عبداللہ (۶) زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ (۷) سعید ابن العاص مخزومی رضی اللہ عنہ (۸) ابان ابن سعید ابنالعاص بن امیہ بن شمس اموی رضی اللہ عنہ

(۹) سعد بن ابی وقاص ؓ (۱۰) عامر ابن فہیرہ تمیمتی ؓ جو حضرت ابو بکر صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (۱۱) عبداللہ ابن رقم قرشی زہری ؓ آپ حضور ﷺ کی طرف سے ملوک وسلاطین وغیرہ کو خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے (۱۲) ابی ابن کعب انصاری ؓ آپ ﷺ کے لئے وحی کی کتابت فرمایا کرتے تھے آپ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جنہیں حضور کی زندگی ہی میں پورا قرآن حفظ ہو چکا تھا۔ آپ کا شمار ان فقہاء میں کیا جاتا تھا جو حضور ﷺ کی زندگی ہی میں فتوے دینے کی خدمت پر بھی فائز تھے۔ (۱۳)

ثابت بن قیس انصاری خزرجی ؓ آپ قبیلہ انصار کے خطیب بھی تھے (۱۴) حنظلہ بن ربیع بن صیفی اسدی ؓ (۱۵) ابوسفیان ابن حرب قرشی اموی ؓ۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ نے انہیں حنین کے مال غنیمت میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو قبیلہ بنو فراس سے صدقات وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھی والی بنایا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں وہ فوجوں کے کمانڈر رہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فلسطین اور دمشق کے والی (گورنر) رہے۔ شام کی امارت (گورنری) میں وہ اپنے بھائی معاویہ کے پیشرو ہیں۔ (۱۸) زید بن ثابت ابن ضحاک انصاری ؓ عنہ۔ آپ کے مشہور کاتب وحی ہیں۔ آپ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں قرآن کو جمع کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے ایک ممبر آپ بھی تھے اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن کریم کی متعدد نقلیں تیار کرنے کا کام بھی آپ ہی کے سپرد کیا گیا تھا (۱۹) شرحبیل ابن حسنہ کندی حضرمی رضی اللہ عنہ، آپ مشہور سابقین اسلام میں سے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے سب سے پہلے کاتب یہی ہیں۔

صدیق اکبر کے عہد میں اور پھر حضرت عمر کے عہد میں بھی آپ فوجوں کے کمانڈر رہے ہیں۔ (۲۰) علاء ابن الحضرمی کا اصل نام عبداللہ ابن عماد بن اکبر حضرمی تھا۔ یہ عبداللہ حضرمی ہی علاء کے والد ہیں جنہوں نے مکہ کی سکونت اختیار کر لی تھی اور ابوسفیان کے والد حرب ابن امیہ کے حلیف بن گئے تھے۔ علاء ابن الحضرمی کو آنحضرت ﷺ نے بحرین کا والی (گورنر) بنا دیا تھا۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں بھی بحرین ہی کے اولیٰ (گورنر)

تھے(۲۱) خالد ابن ولید سیف اللہؓ (۲۲) عمرو بن العاص فاتح مصر رضی اللہ ؓ (۲۳) مغیرہ ابن شعبہؓ (۲۴) عبد اللہ ابن رواحہ انصاریؓ (۲۵) معیقیب ابن ابی فاطمہ دوسیؓ آپ بھی سابقین اولین میں سے ہیں (۲۶) حذیفہ ابن الیمان عصبیؓ ۔ آپ اور ان کے والد دونوں سابقین اولین میں سے ہیں ۔ ان کے والد یمان جنگ احد میں شہید ہوئے تھے ۔ (۲۷) جوطیب ابن عبد العزیٰ عامری رضی اللہ عنہ ۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور سنہ ۵۴ ھجری میں ایک سوبیس سال کی عمر میں انتقال کیا ۔ (۲۸) خالد بن سعید ابن العاد اموی ؓ (۲۹) عبد اللہ ابن سعدؓ ابن ابی سرح ؓ عنہ آپ قریش کے وہ پہلے آدمی ہیں جس نے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے وحی کی کتابت کی پھر وہ مرتد ہو گئے تھے لیکن فتح مکہ کے سال دوبارہ مسلمان ہوئے ۔

حضورؐ کے کاتب اور حضرات بھی ہیں مگر تلاش وجستجو سے اتنے ہی نام مل سکے ہیں ان سب حضرات کے سامنے کچھ نہ کچھ لکھا ہے ویسے زیادہ تر عموماً خلفائے اربعہ اور ابان وخالد ہی لکھا کرتے تھے ابان اور خالد دونوں حضرت سعید ابن العاد ابن امیہ امویؓ کے صاحبزادے تھے ۔

۹۔ خفیہ مراسلات اور ترجمانی:

سرکاری مراسلات میں کچھ خفیہ مراسلتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں آجکل کی اصطلاح میں (Confedential Corropondence) کہا جاتا ہے اس کے لئے ایک الگ محکمہ تھا جس کے ذمہ دار زید بن ثابت انصاریؓ تھے ۔ حضرت زید سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایسے خطوط بھی آتے ہیں جن کے متعلق میں پسند نہیں کرتا کہ انہیں ہر کوئی پڑھ لے ۔ تو کیا تم سریانی یا عبرانی زبان سیکھ سکتے ہو ۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں سیکھ سکتا ہوں چنانچہ میں نے سترہ دن میں وہ زبان سیکھ لی ۔ حضرت زید بن ثابت آپ کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے کیونکہ آپ کے پاس مختلف علاقوں سے وفود آتے رہتے تھے جو مختلف زبانیں بولتے تھے حضرت زید بن ثابت "فارسی، رومی قبطی اور حبشی زبانوں کو بھی سیکھ چکے تھے او، ان زبانوں میں وہی آپ کے ترجمان ہوا کرتے تھے ۔

حضرت زیدؓ نے یہ زبانیں ان آزادشدہ غلاموں سے سیکھی تھیں جو ان قوموں سے تعلق رکھتے تھے

اور مدینہ میں سکونت پذیر تھے لوگوں کو شاید اس بات پر تعجب ہو کہ حضرت زید اتنی مختلف زبانیں کس طرح سیکھ گئے تھے مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے آج بھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو باوجود کہ حضرت زید بن ثابت جیسے ذکی اور ذہین بھی نہیں ہوتے مگر اس کے باوجود وہ مختلف زبانیں جانتے ہیں مثلاً دلال اور کمیشن ایجنٹ قسم کے لوگ جنہیں بین الاقوامی تجارتی منڈیوں میں سے مختلف قوموں نے سے واسطہ پڑتا ہے۔ جہاز راں کمپنیوں کے حکام اور مزدور جن کے جہازوں میں مختلف اقوام سفر کرتی رہتی ہوں۔

حضرت زید بن ثابتؓ تو بہت ذکی اور ذہین صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ اگر معمولی قسم کے لوگ مختلف زبانیں سیکھ سکتے ہیں تو حضرت زیدؓ کے لئے یہ بات کیا دشوار ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ دفتر محاسبہ:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام میں جسقدر رفاتر وغیرہ بعد میں قائم ہوئے انکی ابتداء حضور ﷺ کے عہد میں ہی ہو چکی تھی۔ آگے چل کر ارتقائی مدارج سے گزرتے ہوئے انہوں نے مختلف محکموں کی شکل اختیار کر لی حضور ﷺ جن لوگوں کو گورنر یا حاکم بناتے تھے ان سے اکثر بذات خود حساب لیا کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب "**الطراق الحکمیة فی السیا سة الشرعیة** میں فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے عمال اور حکام سے آمد و خرچ کا پورا پورا حساب لیا کرتے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو قبیلہ بنو سلیم سے صدقات وصول کرنے کے لئے حاکم بنا کر بھیجا۔ اس آدمی کا نام ابن اللیث تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو آپ نے اس سے حساب لیا اس نے حساب دیا اور کہا کہ اتنا اتنا مال تو بیت المال کا ہے اور باقی یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تمھاری یہ بات صحیح ہے تو تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ رہے ہوتے اور دیکھتے کہ تمہارے پاس کتنے ہدیئے آتے ہیں۔ جب مملکت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تو اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات ہی نے خلفاء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ محاسبہ کا ایک دفتر بھی قائم کریں جہاں عمال اور حکام سے حساب فہمی کی جا سکے۔

۱۱۔ سفارت اور نمائندگی:

آپ کے ایلچی، سفیر، نمائندے بھی بہت تھے۔ جنہیں آپ بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے امراء کے پاس بھیجتے تھے۔ ان سفارتوں کا بڑا مقصد اسلام کی دعوت پہنچانا اور تبلیغ ہوا کرتا تھا۔ بعض اوقات کچھ دوسرے سیاسی مقاصد بھی ہوا کرتے تھے۔ منظم مملکت میں سفیروں اور نمائندوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جو مملکت اسلامی قائم فرمائی تھی اس میں بھی یہ محکمہ موجود تھا۔

(۱) آپ ﷺ کے سب سے پہلے سفیر جنہیں آپ نے نجاشی شہنشاہ حبشہ کے دربار میں بھیجا تھا۔ دحیہ ابن خلیفہ ؓ تھے (۲) انہیں آپ نے قیصر (ہرقل) شہنشاہ روم کے دربار میں بھی بھیجا تھا (۳) عبد اللہ سہمی انہیں آپ نے قیصر (ہرقل) شہنشاہ ایران کے دربار میں سفیر بنا بھیجا تھا (۴) حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ انہیں آپ نے مقوقس شہنشاہ مصر کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا (۵) شجاع ابن وہب اسدیؓ انہیں آپ نے حارث بن ابی شمر غسانی شاہ بلقاء۔ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا (۶) سلیطا بن عمر عامری ؓ انہیں آپ نے ہوذہ اور ثمامہ بن اثال حنفی کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا جو یمامہ کے حاکم تھے ان میں سے ثمامہ مسلمان ہو گئے تھے۔ (۷)

عمرو ابن العاصؓ انہیں آپ نے جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا جو عمان کے حاکم تھے یہ دونوں صدق دل سے مسلمان ہو گئے تھے (۸) علاء ابن الحضرمیؓ انہیں آپ نے غزوہ جعرانہ سے واپس ہونے سے پہلے شاہ بحرین منذر ابن ساویٰ عیدی کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ صدق دل سے مسلمان ہو گئے تھے۔ (۹)

مہاجر ابن مخزویؓ انہیں آپ نے یمن کے بادشاہ حارث ابن کلال حمیری کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا حارث نے جواب دیا تھا کہ میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ (۱۰) ابوموسیٰ اشعری ؓ (۱۱) معاذ بن جبلؓ ان دونوں حضرات کو آپ نے بتوک سے واپسی کے وقت ربیع الاول سنہ (۱۰) ھجری میں اسلام کی دعوت دینے کے لئے یمن بھیجا تھا ان دونوں حضرات کی تبلیغ سے یمن کے اکثر باشندے بغیر جنگ ہی کے مسلمان ہو گئے تھے (۱۲)

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کے بعد یمن کے لوگوں سے زکوۃ وصداقت وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آپ مکہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور ﷺ سے آ ملے تھے (۱۳) جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ انہیں بھی آپ ﷺ نے ذوالکلاع اور ذوعمرہ کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا یہ دونوں یمن کے بڑے سردار تھے اور دونوں مسلمان ہو گئے تھے حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں کے پاس ہی تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔ (۱۴)

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے مسلیمہ کذاب کے پاس یمامہ میں اپنا خط دے کر بھیجا تھا نیز ان کو ہدایات کی گئی تھی کہ وہاں سے فارغ ہو کر وہ مزدہ ابن عمرو جذامی کے دربار میں جائیں جو قیصر کی طرف سے بلقاء میں عمان کا گورنر تھا اور اسے اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ مزدہ بن عمرو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں انہوں نے اپنے اسلام لانے کے متعلق ایک خط بھی لکھا تھا نیز اپنی قوم کے آدمی حضرت مسعود ابن سعد جذامی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے لئے کچھ ہدایا بھی بھیجے تھے۔ جن میں ایک سیاہی مائل سفید خچر جس کا نام فضہ تھا ایک گھوڑا جس کا ظرب تھا اور ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا ان ہدایا میں کچھ کپڑے بھی تھے ایک طلائی سندس کی قبا تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ان ہدایا کو قبول فرمایا تھا اور حضرت مسعود ابن سعد جو کہ یہ ہدایا لے کر آئے تھے پانچ سو درہم عطا فرمائے تھے (۱۶) ععیہ ابن حص مزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو آپ نے بنو تمیم کی طرف سفیر اور مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بنو عنبر کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے بھی لائے تھے (۱۷) بریدہ ابن حضیب اسلمی رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے قبائل اسلم اور غفار کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ (۱۸) عباد بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے قبائل سلیم اور مزینہ کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا (۱۹)

رافع ابن کیث جہنی رضی اللہ عنہ وہ فتح مکہ کے دن قبیلہ جہنیہ کے فوجی دستی کے علم دار تھے ان آپ نے قبیلہ جہینہ پر زکوۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے حاکم بنا کر بھیجا تھا (۲۰) عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے قبیلہ فزارہ کی طرف بھی بھیجا تھا (۲۱) ضحاک ابن سفیان بن عوف کلابی رضی اللہ عنہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان لوگوں کا والی (گورنر) مقرر کیا فرمایا تھا جو ان کے قبیلہ کلاب میں سے مسلمان ہو جائیں ان کے لئے آپ

نے ایک جھنڈا بھی اپنے دست مبارک سے بنایا تھا۔ان کے ذمہ اپنی قوم سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کی خدمت بھی تھی۔ وہ بڑے بہادر تھے اوران کی قوت سو سواروں کے برابر شمار ہوتی تھی۔ (۲۲)

بسر بن سفیانؓ ان کو آپ نے خود ان کی قوم بنو کعب کی طرف بھیجا تھا وہ اپنے قوم کے شرفاء اور سرداروں میں سے تھے۔آنحضرت ﷺ نے جب سلاطین روساء اور امراء کو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تو ایک خط ان کے نام بھی بھیجا گیا تھا (۲۳) عبداللہ بن ابن اللتبیہ بن ثعلبہ از دیؓ ان کو آپ نے قبیلہ بنو میاں سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ جن کی آپ نے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں یا مختلف شخصیتوں کی طرف سفیر اور نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

۱۲۔ پہرہ داری اور حفاظت:

پہرہ داری اور حفاظت خاص خاص موقعوں پر جب کوئی خطرہ ہوتا تھا اور سفر میں خصوصیت کے ساتھ کچھ لوگوں کو آپ پہرہ دینے اور حفاظت کرنے کے لئے بھی مقرر فرما دیا کرتے تھے تاکہ لوگ اطمینان و سکون سے سو سکیں۔بعض اوقات خود اپنی حفاظت کے لئے بھی پہرہ دار مقرر کرنے پڑتے تھے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔آج کل شہروں کی شاہراہوں اور بازاروں میں پولیس رات کو پہرہ دیتی ہوئی جو دیکھی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے۔اس شعبہ کو حضور ﷺ کے زمانہ میں ''حرس''یا''حراست'' کہتے تھے سیرت کی کتابوں میں ان پہرہ داروں کا تفصیلی بیان موجود ہے ہم یہاں صرف چند اسماء گرامی درج کررہے ہیں۔

۱) حضرت سعد بن النعمان ابن امرء القیس انصاریؓ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ انہوں نے جنگ بدر کی شب میں اس جھونپڑی پر پہرہ دیا تھا جس میں اس شب آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ نے جنگ بدر کے دن جب کہ آپ ﷺ آرام فرماتے تھے آپ اس جھونپڑی میں سجدہ ریز تھے اور دعاء فتح ونصرت میں مشغول تھے۔ننگی تلوار لئے ہوئے آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا (۳)

حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ انہوں نے جنگ احد میں آپ کے لئے پہرہ دیا تھا (۴) حضرت

زبیر ابن العوامؓ انہوں نے خندق کے دن آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا (۵) مغیرہ ابن شعبہؓ انہوں یوم حدیبیہ میں آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا اور ساری رات ننگی تلوار لئے ہوئے وہ آپ کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ (٦) سعد ابن ابی وقاص، ذکوان ابن قیس اور بلال موئذنؓ انہوں نے خیبر سے واپسی میں دوران سفر اس رات اس خیمہ پر پہرہ دیا تھا جس میں آپ نے ام المومنین صفیہؓ سے نکاح کر کے ان کے ساتھ شب گزاری تھی (۷)

مرثد ابن ابی مرثد غنویؓ انہوں نے جنگ حنین کی شب میں آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا۔ آپ نے پوچھا تھا کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری حفاظت کے لئے پہرہ دے اس پر مرثد نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آج میں پہرہ دوں گا چنانچہ آپ نے ان کو دعا بھی دی تھی پھر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوگئی کہ:

والله یعصمک من الناس

﴿اور خدا آپ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے﴾

تو آپ ﷺ نے اس پہرہ دینے کے اہتمام کو قطعاً چھوڑ دیا تھا۔

۱۳۔ طبابت:

عربوں میں طبابت کا فن قدیم سے پایا جاتا تھا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی اس کی اپنی قدر و قیمت تھی عہد نبوی میں جو اطباء موجود تھے ان میں حارث بن کلدہ ثقفیؓ کی بڑی شہرت تھی وہ عام طور سے طبیب العرب کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے انہوں نے فن طب کی تعلیم ایران اور یمن جا کر حاصل کی تھی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو حضور ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے دل پر گرمی ہے تم خاندان بنوثقیف کے طبیب حارث ابن کلدہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ علاج کرتا ہے اس سے کہو کہ سات دانے کھجور کے لے کر وہ اپنی دوا ملا کر تمہیں کھلائے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حارث ابن کلدہ کو بھی ہدایت فرمائی کہ سعد کو جو کچھ مرض ہے تم

اس کا علاج کرو۔ یہ حارث ابن کلدہ حضرت امیر معاویہ کے عہدہ تک زندہ تھے اطباء عرب میں سے ایک مشہور ابن ابی رعشہ تمیمی تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی تو آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں طبیب ہوں آپ مجھے اجازت دیجئے کہ اس کا علاج کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ طبیب تو خدا ہے البتہ تم رفیق ہو۔

اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی طب کا فن عربوں میں بہت سے لوگوں کو آتا تھا۔ اسلام کے بعد اس میں کافی ترقی ہوئی حتیٰ کہ عباسی دور حکومت میں یہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسی زمانہ میں اندلس میں بھی اس فن نے بڑی ترقی کی حتیٰ کہ یورپ کے اطباء تک اندلس میں آ کر طب کا فن سیکھا کرتے تھے اس سے پہلے اور عہد نبوی میں طبابت کی جو کچھ صورت عربوں میں ہوا کرتی تھی وہ آج تک بھی اسی صورت میں عربوں میں چلی آتی ہے۔

۱۴۔ نگرانی اور احتساب کا محکمہ:

نگرانی اور احتساب کا محکمہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قائم فرما رکھا تھا عہد نبوی میں بازار کی نگرانی اور احتساب کو حسبۃ اور محکمہ کے حاکم کو محتسب کہتے تھے ہمارے ہاں آجکل ایسے حاکم کو رئیس بلدیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بازار کی نگرانی اور احتساب کے لئے حضرت عمر ابن الخطاب عنہ کو مقرر فرمایا تھا اس کے بعد حضرت سعد بن سعید بن عاص کو مکہ مکرمہ کے بازار کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا تھا محتسب کا کام ان دنوں بازاروں کی نگرانی اور دیکھ بھال ہوا کرتا تھا۔ کہ کہیں بیع فاسد تو نہیں ہو رہی یا دھوکہ اور فریب تو نہیں کیا جا رہا۔

۱۵۔ تعلیم:

تعلیم اس زمانہ میں زیادہ تر پڑھنے لکھنے کی تعلیم تک محدود ہوا کرتی تھی حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ میں حکم بن سعید ابن العاص بن امیہ اموی کا تذکرہ لکھتے ہیں کہ یہ وہی صاحب ہیں جن کا نام آنحضرت ﷺ نے تبدیل فرما کر عبداللہ کہ دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ کے لوگوں کو لکھنا سکھا دیں کیونکہ وہ ایک اچھے کاتب بھی تھے سنن ابوداؤد میں حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے

روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اصحاب صفہ کے لوگوں کو قرآن کریم پڑھنا اور لکھنا سکھایا تھا جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق سیر و تاریخ کی کتابوں میں صراحت سے منقول ہے کہ قریش کے بعض قیدیوں کا فدیہ (جن کے پاس مال نہیں تھا) یہی قرار دیا گیا تھا کہ وہ کم سے کم مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو رہا کر دیا جائے گا۔امام سہیلی نے اپنی کتاب "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ان دونوں انصار میں لوگوں کو کچھ اچھا لکھنا نہیں آتا تھا تو جن قیدیوں کے پاس اپنی رہائی کے لئے زرفدیہ دینے کو نہیں تھا ان سے کہا گیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ کے کم از کم دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو ان کو رہا کر دیا جائے گا چنانچہ انہی دنوں بہت سے انصاری بچوں کے ساتھ زید بن ثابت نے بھی لکھنا پڑھنا انہیں قیدیوں سے سیکھا تھا جو بعد میں کاتب وحی کے درجہ ممتاز پر فائز ہوئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو کفار سے ایسے علوم وفنون سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جن کی مسلمانوں کو اپنے دینوی معاملات کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔مثلاً طب انجینئر نگ کیمیا وغیرہ۔

۱۶۔ ٹاؤن پلاننگ یا انجینئر نگ:

ٹاؤن پلاننگ یا انجینئر نگ یا عہد نبوی میں ہمیں انجینئر نگ کے علم کی بنیاد بھی مل جاتی ہے۔زمین کی پیمائش ان دونوں گز، میل، فرسنگ سے کی جاتی تھی اور مکانات بنانے کے لئے سڑکیں بنانے کے لئے باقاعدہ نشان زدگی کی جاتی تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ جب رسول ﷺ نے مکانات کے لئے زمین پر نشانات لگائے تو حضرت عثمان کے مکان کے لیے بھی زمین پر نشانات لگائے تھے حضرت عثمانؓ کا مکان آج بھی موجود ہے۔سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے لشکر کے پڑاؤ میں یہ منادی کرادی تھی کہ جو شخص جگہ میں تنگی کرے گا یا راستوں پر خیمے لگائے گا اس کا جہاد قبول نہیں ہوگا۔بات یہ تھی کہ لوگوں نے قریب قریب خیمے لگا لئے تھے اور راستے نہیں چھوڑتے تھے جس کی وجہ سے کھچ پچ ہوگئی تھی اس سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ سفر تک میں خیمے کھڑے کرنے کی حد تک بھی بدنظمی کو برداشت نہیں

فرماتے تھے۔صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ گلی کی چوڑائی میں اگر اختلاف ہوجائے تو اسے سات گز رکھ دیا جائے اس کے بعد خلفاء کے عہد میں انجینئرنگ اور ٹاؤن پلاننگ میں کافی ترقی ہوئی حتیٰ کہ عباسی اور اموی دور حکومت میں تو یہ فن انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا حتیٰ کہ شہر بغداد اور قرطبہ انجینئرنگ کے کمالات کے نمونے تھے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب آپ نے کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں بنانے کی اجازت دی تو ہدایت فرمائی تھی کہ تمام سڑکیں 20 گز چوڑی رکھی جائیں انجینئرنگ اور ٹاؤن پلاننگ کے سلسلہ میں اتنی بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس کا انداز ہر زمانہ میں اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق یکساں نہیں ہوسکتا اس میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

۱۷۔ آلات حرب:

آلات حرب کے سلسلے میں قرآن کریم کی یہ ہدایت موجود ہے کہ:۔

واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ

اور کفار کے لئے جتنی قوت تم جمع کر سکتے ہو تیار رکھو۔

اس واضح ہدایت کے مطابق حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں بڑے بڑے اقدامات فرمائے خود (حضور اکرم ﷺ کے اپنے ذاتی آلات جنگ جو کچھ تھے وہ سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ان سے قطع نظر جو جنگی ہتھیار عام فوج کے لئے آپ نے تیار کرائے اور جنکو مختلف جنگوں میں استعمال فرمایا۔ان کا ذکر غزوات کی تفصیلات میں آگیا ہے عموماً تلوار، نیزہ اور تیر کمان تو ہر مسلمان کے پاس ہوتا ہی تھا لیکن طائف کی جنگ میں آپ نے منجنیق، دبابے، اور ضبور (Testudoes) بھی استعمال فرمائے تھے۔ضبور ایک قسم کے آلات ہوتے ہیں جن سے محاصرہ کی صورت میں کام لیا جاتا ہے کہ ان کی پناہ میں سپاہی قلعہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے ہیں اور قلعہ کی طرف سے تیر اندازی اور سنگباری سے محفوظ رہتے ہیں۔یہ آلات حرب عہد نبوی میں عظیم ترین آلات حرب میں شمار ہوتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس دور میں عام حکومتوں اور مملکتوں میں سے کسی

کے پاس بھی ان سے قومی تر یا ان سے عظیم تر ہتھیار پائے جاتے تھے جو خود رسول اکرم ﷺ نے استعمال فرمائے تھے لیکن اتنی بات یاد رہے کہ عربوں نے اپنی عام جنگوں میں زیادہ تر تلوار اور گھوڑے پر ہی اعتماد کیا ہے اور انہی دونوں کے ذریعہ سے انہوں نے بڑی بڑی شہنشاہیوں کے تخت الٹ دیئے تھے ان میں ایران، روم، قبط، ارمن، ترکمان، بربر اور فرنگی سب ہی کی شہنشاہیاں شامل ہیں۔

۱۸۔ دفتر خاتم:

خاتم اس انگشتری کو کہتے ہیں جس کے نگینہ سے مختلف فرامین اور سرکاری خطوط پر مہر لگائی جاتی تھی عربوں میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج نہ تھا لیکن جب آپ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سرداران قبائل کو تبلیغی خطوط ارسال فرمانے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ غیر ممالک کے بادشاہ ایسے خطوط کو قبول نہیں کرتے جن پر کوئی مہر لگی ہوئی نہ ہو چنانچہ اس ضرورت سے آپ نے اولا سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی مگر وہ آپ کو پسند نہیں آئی کیونکہ طبعاً سونا پہننا آپ کو پسند نہیں تھا۔

چنانچہ بعد میں ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی گئی۔ اس انگشتری کے امین اور محافظ حضرت معیقب ابن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تھے یہ انگوٹھی ان کے پاس محفوظ رہتی تھی اور وقت ضرورت فرامین اور مراسلات پر وہ اس سے مہر لگایا کرتے تھے۔ خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں اس کے لئے ایک باقاعدہ دفتر قائم کر دیا گیا تھا جس کا نام "دیوان الخاتم" ہوا کرتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس دیوان الخاتم کی ابتداء حضور ﷺ کا یہ اقدام ہی تھا کہ آپ نے ایسی انگشتری بنوائی اور اس کے لئے ایک امین اور محافظ کا تقرر فرما دیا تھا۔

۱۹۔ دیوان صاحب:

حاجب بواب، دربان ایک ہی عہدہ کے مختلف نام ہیں جو آگے چل کر بڑی اہمیت حاصل کر گیا تھا قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لے لیا کرو۔

حضور ﷺ کے پاس چونکہ ملاقات اور زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اس لئے آپ

کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ آپ کچھ آدمیوں کو اس مقصد کے لئے مقرر کر دیں کہ وہ ملاقات کے لئے آنیوالوں کی اطلاع آپ کو پہنچائیں اور ان کے لئے ملاقات کی اجازت حاصل کریں چنانچہ اس کام کے لئے دو حضرات مقرر تھے ایک حضرت انس بن مالک ؓ حضور کے خادم خاص تھے) اور دوسرے حضرت بلال بن رباح ؓ (جو آپ ہی کے ایک آزاد کردہ حبشی غلام اور خدمت گزار تھے) ان دونوں میں سے کوئی آدمی آپ کے دروازہ پر موجود رہتا تھا اور لوگوں کے لئے ملاقات کی اجازت حاصل کرتا تھا حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس منصب کی اہمیت محض ایک شرعی حکم کی بطریق احسن پیروی ہوتی تھی تا کہ آنے والے لوگوں کو کوئی دشواری پیش نہ آئے کچھ شان وشوکت کے مظاہرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

لیکن آگے چل کر اس منصب سے خلفائے بنوامیہ اور بنوعباس نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کے درباروں نے اتنی بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی کہ وزارت کا منصب بھی ماند پڑ گیا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ کرنا تو کسی تاریخ میں خلیفہ ہارون الرشید کے حاجب مسرور کے حالات وکوائف کا مطالعہ کافی ہوگا۔

۲۰۔ دیوان الشعراء:

عرب معاشرہ میں شعراء کو بڑی اہمیت حاصل تھی وہ ہمارے ہاں کی طرح جنس کاسد نہیں تھے بلکہ ان کا اثر اقتدار پوری قوم پر اس قدر شدید ہوا کرتا تھا کہ کسی شاعر کا ایک شعر قوموں کے درمیان امن و جنگ کے فیصلے کر دیا کرتا تھا شاعر پوری قوم کی زبان سمجھے جاتے تھے شاید آج کی دنیا میں پریس کو بھی وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو عرب معاشرہ شعراء کو حاصل تھی اس کا کچھ اندازہ آپ کرنا چاہیں تو مولانا حالی کے مقدمہ شعر و شاعری میں وہ واقعات وکوائف پڑھیے جو انہوں نے شعر کی تاثیر کے سلسلہ میں عرب کے شعراء کے متعلق بیان فرمائے ہیں اس دور میں عوام اور پبلک پر حکومت و مملکت کا اثر قائم رکھنے کیلئے شعراء کی خدمت انتہائی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

جیسا کہ آج کل پریس کا تعاون ضروری سمجھا جاتا ہے۔ آج کی دنیا میں شاعروں کا مقام پریس نے چھین لیا ہے لیکن پھر بھی شعراء کی اپنی کچھ نہ کچھ اہمیت آج بھی باقی ہے اور ہر متمدن حکومت شعراء کے تعاون کے لئے کوشاں رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً حسن کارکردگی کے نام سے صدارتی ایوارڈ دیا جاتا ہے۔

بہر حال عرب معاشرہ کے ان حالات میں شعراء کے تعاون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ حضور ﷺ کے بھی شعراء تھے جو دیگر مشرک اور کافر شعراء کے اعتراضات کے جوابات دیتے تھے۔ حضور ﷺ کے شعراء میں سے تین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱) حضرت کعب ابن مالک ابو عبداللہ انصاریؓ آپ عرب کے مشہور شعراء میں سے ہیں بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور وہیں آپ سے بیعت کی تھی جنگ بدر اور جنگ تبوک میں آپ شریک نہیں ہو سکے۔ باقی تمام جنگوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے تبوک میں شریک نہ ہونے کی بناء پر ان پر عتاب ہوا اور بعد میں باقی دو ساتھیوں کے ساتھ ان کی توبہ قبول ہوئی ان کی توبہ کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے ان کی قادر الکلامی اور کلام کی تاثیر کا یہ حال تھا کہ انہوں نے قبیلہ دوس کے سلسلہ میں صرف دو شعر کہے تھے اور ان دو شعروں کا یہ اثر ہوا کہ پورا قبیلہ دوس بغیر کسی جنگ و جدل کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔

۲) حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاریؓ یہ بھی عرب کے مشہور شعراء میں سے تھے اور سابقین اولین میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے بلکہ وہ اپنے خاندان کے نقیب (نمائندہ) بن کر گئے تھے جنگ بدر اور اس کے بعد تمام جنگوں میں شریک رہے حتیٰ کہ جنگ موتہ میں آپ شہید ہو گئے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ عمرہ قضا کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن رواحہ آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

خلو بنی الکفار عن سبیله،
الیوم نضربک علی تاویله،
ضرب یزیل الهامه عن مقبله،
ویزهل الخلیل عن خلیله'

''اے کفار کی اولاد آنحضرت ﷺ کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تمہیں ان کے حکم پر بری طرح ماریں گے۔ ایسا ماریں گے کہ کھوپڑیاں اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی اور جگری دوست اپنے جگری دوستوں کو بھول جائیں گے''۔

حضرت عمرؓ نے ان کو تنبیہہ فرمائی کہ اے ابن رواحہ کیا اللہ کے حرم میں اور رسول ﷺ کی موجودگی میں آپ کے سامنے تم اس قسم کے شعر پڑھ رہے ہو؟" تو حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر ابن رواحہ کو کچھ نہ کہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان کا کلام ان لوگوں پر تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

۳) حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں دور کے مشہور شعراء میں سے ہیں شعراء مشرکین سے ان کے شعری مناظرے بہت مشہور ہیں بنو تمیم نے جب اپنے شاعر اقرع ابن حابس کو مفاخرت کے لئے کھڑا کیا اور بنو تمیم نے پکارا کہ ''اے محمد ہمارے سامنے نکل کر آؤ تو ہم مفاخرت میں آپ سے ذرا مقابلہ کریں'' تو آنحضور ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت حسانؓ ہی کو اشارہ فرمایا تھا اور انہوں نے کھڑے ہو کر ان کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔

۲۱۔ ذرائع آمدنی:

• زکوۃ اور صدقات کی فراہمی با قاعدہ کی جاتی تھی اور اس کے ایک جگہ جمع کیا جاتا تھا تا کہ غریب لوگ اپنے امیر بھائیوں کی دولت سے کچھ حصہ حاصل کر سکیں اور یہ ادارہ آپ کے مبارک عہد میں قائم ہو گیا تھا آپ کے عہد میں آمدنی کے ذرائع یہ تھے۔

الف) فی ءیعنی مقبوضہ زمین کا لگان

ب) جزیہ وہ ٹیکس ہے جو اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) پر فوجی خدمت کے معاوضہ میں عائد کیا جاتا تھا مشرکین سے نہیں۔

ج) جو علاقہ صلح کے ذریعہ اسلام کے قبضہ میں آئے وہاں کی زمین کا لگان خراج کہلاتا ہے۔ یا ان علاقوں کی زمین کا لگان جو حاصل تو جنگ کے بعد ہوئی ہو۔ لیکن بدستور وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی گئی ہو۔

د) عشر۔ اس زمین کی زکوۃ جس کے مالک مسلمان ہو گئے تھے یا وہ زمین جو فتح کے بعد غازیوں میں تقسیم کر دی گئی تھی عشر کہلاتا ہے۔

ہ) انفال۔لڑائی میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے انفال کہلاتا ہے۔

و) زکوٰۃ۔نقدی اور مال مویشی وغیرہ پر مقررہ نصاب کے مطابق عائدہ شدہ بنیادی ٹیکس۔

ح) صدقات۔خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

۲۲۔ افسروں کا انتخاب:

رسول ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ گورنروں اور افسران مال کا تقرر کرتے وقت ان کی ذاتی قابلیت، دین داری، اور علم وفضل کا خاص خیال رکھتے تھے آپ ہمیشہ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو عربوں میں عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جائیں جنہیں ہر دلعزیزی حاصل ہو اور جو اپنے فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں نبی ﷺ اپنے افسران مال اور صوبائی حکام کے بارے میں حالات دریافت کرتے رہتے تھے، غیر موزوں اور غیر اہل افسروں اور عاملوں کو معزول بھی فرما دیتے تھے۔ایک دفعہ بحرین سے قبیلہ عبدالقیس کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔وفد نے وہاں کے عامل علاء بن خصہ کی شکایت کی آپ نے انہیں معزول کر کے ابان بن سعید کو بحرین کا عامل نامزد کر دیا اور حکم دیا کہ قبیلہ عبدالقیس سے اچھا سلوک کیا جائے اور اس کے سرداروں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔

۲۳۔ حساب کی پڑتال:

نبی ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ افسران مال سے حساب کے بارے میں آمد وخرچ کی پوری تفصیل کی پڑتال فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپؐ نے ایک شخص کو صدقات کی وصولی کے لئے مقرر فرمایا، جب وہ شخص عرض کرنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے بطور ہدیہ ملا ہے تو یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اک شخص کو مال افسر بنا کر بھیجتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علاقوں میں صدقات کی فراہمی کرے اور وہ شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ مال ہمارا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے، مزہ تو جب تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھا رہتا اور پھر یہ دیکھتا کہ یہ مال اسے بطور ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے فرمایا ہم جس شخص کو عامل یا گورنر بنا کر کسی علاقے میں بھیجتے ہیں اور ان کی تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اگر وہ کوئی چیز بھی لیتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔

۲۴۔ تنخواہیں:

حضرت رسول ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا والی مقرر کیا اور اک درہم روزانہ ان کی تنخواہ مقرر کی بعض افسروں کی تنخواہیں جنس میں ادا ہوتی تھیں بعض والیوں اور عاملوں کے لئے جاگیروں کی آمدنی کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔

۲۵۔ وفود کی آمد اور جائے قیام:

ایک دفعہ میں عرب قبائل کے بہت سے وفود آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے مدینہ پہنچے آپ ؐ ہر وفد سے ان کی قبائلی زبانوں میں گفتگو فرماتے جس طرح ہمارے ہاں مختلف الفاظ مروج ہیں۔ اسی طرح قبائل میں بھی مخصوص الفاظ رائج تھے آپ ہر قبیلے سے ان کی بولی میں گفتگو فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ سن کر حیران ہو گئے اور عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ ﷺ'' ہم اک ہی باپ دادا کی اولاد ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسے الفاظ سے گفتگو فرماتے ہیں جو ہم نہیں سمجھتے آپ ؐ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے خوب ہی تعلیم و تربیت دی ہے۔ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ مسجد میں اپنے طریقے کی عبادت کرلیں اور یہاں قیام کر سکتے ہیں۔

۲۶۔ بیت المال کا قیام:

عہد نبوی ﷺ میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے بیت المال نہ تھا۔ جب بھی مال اور روپیہ آیا تو آپ ؐ اپنے گھر اور صحابہ کرام کے گھروں میں بحافظت رکھ دیتے مال مویشی یعنی اونٹ گھوڑے خچر وغیرہ تو جس دن آتے اسی دن تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ شادی شدہ لوگوں کو غیر شادی شدہ لوگوں کی نسبت دو چند حصہ ملتا تھا مسلمانوں کے ایثا کا یہ حال تھا کہ جب کسی کو ضرورت نہ ہوتی تو لینے سے انکار کر دیتے اور ضرورت مند مسلمان کے گھر کا پتہ دے دیتے کہ وہاں لے جاؤ۔

۲۷۔ محکمہ مردم شماری:

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کی مردم شماری کی جائے اک رجسٹر بنایا گیا اور اس میں پندرہ سو مردوں کے نام درج کئے گئے۔

۲۸۔ محکمہ فوج و پولیس:

عہد نبوی ﷺ میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی ہر مسلمان سپاہی تھا اور جنگ کے وقت راہ خدا میں لڑنا ہر مسلمان کا قومی اور دینی فرض تھا تلوار و تیر کمان اور اور برچھی اس زمانے کے مشہور ہتھیار تھے جنگ میں حفاظت کے لئے زرہ خود اور ڈھال کا استعمال بھی ہوتا تھا جنگ حنین، میں منجنیقیں بادبانے وغیرہ استعمال کئے گئے تھے یہی آلات اس زمانے کے ٹینک اور توپیں تھیں جس کے علاقے میں چند نوجوان مسلمانوں کو بھیجا گیا تھا تاکہ آلات جنگ بنانا اور ان کا استعمال سیکھیں عہد نبوی ﷺ میں مسلمان عورتیں بھی جنگ میں شرکت کرتی تھیں ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں مجاہدین اسلام کے لیے کھانا پکائیں۔

میدان جنگ میں پانی پلائیں۔ بیماروں کی خبر گیری کریں مال غنیمت سنبھالیں اس مختصر خاکے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے علم و عمل سے ساری قوم کو ایسا باضابطہ نظام مختلف عہدیداروں اور افسروں کی فہرست مذکور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک نہایت عمدہ قابل رشک نظام حکومت کی بنیاد رکھی عہدوں اور محکموں کی تقسیم تو ایک اچھے خاصے سیکرٹریٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر ان تمام شعبوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ایک مکمل دینی جمہوری سلطنت نظر آتی ہے۔ جس میں عصر حاضر کے تمام محکمے اور وزارتیں موجود ہیں مختصر یہ کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک نہایت تھوڑی مدت میں جزیرہ عرب کی حالت یکسر بدل ڈالی عربوں کو اور پھر ان کے ذریعہ تمام دنیا کو اک نیا معاشرہ نئی تہذیب، نئے عقائد، نئے انداز حکومت اور نئے اصول زندگی عطا کئے۔

جہاں تک محکمہ پولیس یعنی ''شرطہ'' کا تعلق ہے اس کے سلسلہ میں کتب سیرۃ میں موجود مندرجہ ذیل واقعہ درج کرنا کافی ہوگا کہ:

رسول ﷺ نے عوام کے دل و دماغ کی جس نہج پر تربیت فرمائی تھی اور ان کے ذہن وفکر کو جن روشن راہوں سے روشناس فرمایا تھا، ان کا اقتضایہ تھا کہ اس معاشرہ میں پولیس کے محکمہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کو جرائم سے روکنے کے لئے جس قدر خود اس کے اپنے ضمیر کی آواز موثر اور کارگر ثابت ہو سکتی ہے پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی کے محکمے اتنے کارآمد اور مفید ثابت نہیں سکتے۔ آج ہر ملک

میں کثیر پولیس فورس کے باوجود جرائم کی رفتار میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوتی۔لیکن محمد عربی ﷺ نے بغیر کسی لمبی چوڑی پولیس کے جرائم کی رفتار اس قدر کم کردی تھی کہ تاریخ میں اس کی تفصیلات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

رسول ﷺ نے جو معاشرہ ترتیب دیا تھا اس میں اگرچہ پولیس وغیرہ کی کوئی زیادہ اہمیت اور ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس معاشرہ میں پولیس کے نام کا کوئی وجود ہی نہ تھا تاریخ و تفسیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دور میں پولیس کا محکمہ بھی قائم فرمایا تھا، آپ ﷺ کے عہد میں پولیس کے محکمہ "شرطہ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور حضرت قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری الشرطہ (کوتوال شہر) کے نام سے یاد کئے گئے ہیں رسول اللہ ﷺ کے عہد طیبہ میں پولیس کے محکمہ کی کوئی باضابطہ و باقاعدہ صورت تو نہ تھی بلکہ ضرورت و مصلحت کے پیش نظر ایسے اُمور ذمہ دار اشخاص کے سپرد کر دیئے جاتے تھے البتہ شہری زندگی کی دیکھ بھال اور امن وامان کی خاطر حضرت قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری کو مقرر فرمایا تھا اور وہی آپ کے ذاتی محافظ کی حیثیت میں بھی نگرانی فرماتے تھے سے سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

''اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی باضابطہ پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا، اور اس کی ابتداء بنوامیہ کی سلطنت میں ہوئی۔تاہم آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قیس ابن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے"۔

حضرت قیس ابن سعد نے تقریباً دس سال تک رسول ﷺ کی پیشی میں یہ خدمت انجام دی آپ شکیل وجیہہ، انتہائی سخی، کریم النفس، عقلمند مدبر فاضل اور بہادر انسان تھے جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ جنگی تدابیر پر بھی ان کو کافی عبور حاصل تھا۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا منصب پر وہی فائز ہوسکتا ہے جن خصوصیات کے حامل حضرت قیس ابن سعد تھے۔

لغوی اعتبار سے پولیس یونانی زبان کے لفظ پولیس Police سے مشتق ہے جس کے معنی شہر کے ہیں پرانے زمانے میں جو شہری مملکتیں قائم تھیں ان کے سربراہ کو پائی لیٹ Pilate کہا جاتا تھا۔یونانی سے

یہ لفظ لاطینی ،فرانسیسی اور انگریزی وغیرہ میں پہنچا اور بالاخر پولیس Police کی شکل اختیار کی اصطلاحی طور پر لفظ پولیس کے معنی شہری نظامت وضوابط کے طریقے ہیں۔یونانی زبان کا ایک لفظ شرطین Shartin ہے جس کے معنیٰ پادری کے ہیں۔یہی لفظ عبرانی اور عربی میں بھی پہنچا اور مختلف تغیرات سے گزر کر شرطہ کی صورت میں مروج ہوا۔

پولیس کے آدمی تہذیب وتمدن کے ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں برابر موجود رہے ہیں نام ان کا البتہ ہر زمانہ میں بدلتا رہا ہے۔مصر میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والوں نے ان پولیس افسروں کا سراغ لگایا ہے جو ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل تمام وہی کام انجام دیتے تھے۔جو آج پولیس کے آدمی انجام دیتے ہیں ان کے اقتدار کی نشانی یا ان کا ہتھیار ایک لٹھ ہوا کرتا تھا جس پر کسی دھات کی سان چڑھی ہوتی تھی اس دھات کی سان پر بادشاہ یا حاکم وقت کا نام کندہ ہوا کرتا تھا۔غالبًا آجکل پولیس افسروں کی وردی کے بٹنوں پر جو بادشاہ یا حکومت کا نام کندہ ہوتا ہے اسکی اصل بھی یہی لٹھ ہوں گے پہلی صدی عیسوی میں رومن ایمپائر میں بھی ہمیں کچھ ایسے پبلک افسروں کا سراغ ملتا ہے۔

جن کو لیکٹرز Lictors کہہ کر پکارا جاتا تھا ان کے فرائض کچھ ویسے ہی ہوتے تھے جیسے آجکل باڈی گارڈ کے ہوا کرتے ہیں جو مجسٹریٹ اور حاکموں کی پیشی میں رہتے ہیں ان کو جب مجسٹریٹ یا حاکم حکم دیتا تو وہ مجرموں کو اس کے سامنے پیش کرتے ان کو گرفتار کرتے۔ان کو باندھ لیتے اور ان کو سزائیں دیتے تھے حتیٰ کہ موت کی سزائیں جاری کرنا بھی ان ہی کا کام ہوا کرتا تھا ان کے اقتدار کی نشانی لوہے کی سلاخوں کا ایک بنڈل ہوا کرتا تھا جو اچھی طرح کس کر ایک لٹھ کے سرے پر بندھا ہوا ہوتا تھا۔

عربوں کا سیاسی وسماجی نظام اس میں شک نہیں کہ مبادیاتی قسم کا تھا لیکن کئی لحاظ سے وہ ایرانی، یونانی اور رومی نظام ہائے مملکت سے بہتر تھا ان ممالک میں تمدنی وشہری ترقی اپنی طبعی خرابیوں سے دوچار ہو چکی تھی جبکہ عرب میں اس کے برخلاف قبائلی نظام بغیر کسی خرابی کے مروج تھا تمام سرداران قبائل دارالندوہ میں مل بیٹھتے اور پھر متفقہ فیصلوں کو اپنے اپنے قبائل میں نافذ کرتے۔اس طریقہ کا سب سے بڑا فائدہ شورائی وجمہوری شعور تھا۔ہر فرد بنیادی طور پر حریت عمل وافکار کا علمبردار تھا اور جرم خواہ کسی سے سرزد ہوتا ہمیشہ اور

ہر حال میں قابل مذمت تھا۔ اس صحرائی نظام میں جہاں ہر شخص شعور حریت سے دوچار ہو پولیس کے باقاعدہ محکمہ کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ خاص خاص موقعوں پر مثلاً ایام حج، زمانہ جنگ اور میلوں ٹھیلوں میں والنٹیر مقرر کئے جاتے تھے اور بسا اوقات دارالندوہ کے فیصلے کے مطابق یہ خدمت کسی ایک قبیلے کے سپرد کردی جاتی تھی اس وجہ سے عوام الناس میں ارتکاب جرم کی ہمت پیدا ہی نہیں ہوتی تھی اور اگر کسی قسم کا کوئی واقعہ رونما بھی ہوا تو مقامی طور پر ہی ذمہ دار اور نگراں افراد اس کا سد باب کر دیتے تھے ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سیاسی وسماجی نظام خواہ وہ کسی قسم کا ہو اس کے لئے ایک ایسے عملے کی ضرورت بہر حال موجود رہتی ہے جو عامتہ الناس کی نگہداشت کرے ان کو مختلف سہولتیں بہم پہنچائے اور خطرات ومشکلات سے مامون رکھے۔

اسلام کی آمد کے بعد سیاسی وسماجی ترقی ومقاصد کی خاطر آپ ﷺ نے بہت سے ضوابط مقرر کئے، آپ کی سیرت طیبہ میں انتظامی وعدالتی امور کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں قرآن حکیم میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو روئے زمین پر فتنہ وفساد برپا کراتے ہیں۔ چنانچہ ایسے افراد وجماعت کی سرکوبی اور ان سے شہری اور معاشرتی امن کو بچانا بہر صورت لازمی ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو امن عامہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے چنانچہ وہ مختلف تدابیر وقوانین کا نفاذ کر کے خطرات کی بیخ کنی اور بدکردار عناصر کا قلع قمع کرتا ہے۔

رسول ﷺ نے زندگی کے ہر امور اور ہر شعبہ میں خدمت اور دیانت کے جذبہ کو فروغ دینے کی کوشش کی اور اپنے عمال کو ہدایت کی کہ وہ عوام سے تحفہ اور ڈالی نہ قبول کریں اسی طرح لین دین کے معاملات میں ایمانداری کو اولین شرط قرار دیا چونکہ آپ کی مدنی زندگی میں غزوات وسرایا کا طویل سلسلہ قائم تھا اسی وجہ سے بیرونی دشمنوں اور اندرونی جاسوسوں کا خدشہ ہر وقت موجود تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان خدشات کے سد باب کے لئے افراد واصحاب کی ایک جماعت کو مقرر کیا یہ لوگ گھوم پھر کر ایسے واقعات وحالات کا پتہ لگاتے اور مجرموں کی تفتیش کرتے اور اگر کسی کا کوئی جرم ثابت ہو جاتا تو شریعت کی رو سے سزائیں بھی نافذ کرتے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح اور بلدیاتی منصوبہ بندی کی

جو بنیاد رکھی اس کو صحیح طور پر پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے نگراں عملے کی سخت ضرورت تھی اس کے پیش نظر چند لوگوں کو ان امور کی نگہداشت کے لئے متعین کیا گیا رسول ﷺ خود بہ نفس نفیس روزمرہ کے واقعات و حالات میں دلچسپی لیتے، لین دین تنازعات اور دیگر امور کی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ طے فرماتے تھے مضافاتی بستیاں اور دور دراز کے قبائل میں شرطی و قاضی روانہ فرماتے جو وہاں کے مقامی مسائل کو حل کرتے اور پھر بارگاہ رسالت میں مفصل روئیداد پیش کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد بغاوت ارتداد اور فساد کے متعدد واقعات رونما ہوئے اور نتیجتاً صحابہ کرام کو دیوان شرطہ کی باقاعدہ و باضابطہ تشکیل کرنا پڑی۔

آجکل بھی شہر کی گلیوں، شاہراہوں اور بازاروں میں پولیس رات کو گشت کرتی ہوئی جو دیکھی جاتی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ پولیس کا کام عوام کی جان و مال کی حفاظت کا ہے۔ چنانچہ پولیس پارٹیاں عام سے شہروں میں رات کو پہرہ دیتی ہیں اور گشت کرتی ہیں اس کا ثبوت ہمیں عہد نبوت میں بھی ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ خاص خاص، موقعوں پر جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا تو مختلف ذمہ دار افراد کو پہرہ پر مقرر فرما دیتے، سفر میں خاص طور پر کچھ لوگوں کو حفاظت کرنے کے لئے ،امور فرما دیا جاتا یہ خدمت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی انجام دی ہے اس شعبہ کو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں "حرس" یا حراس (پہرہداری) کہا جاتا تھا مختلف اوقات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ حضرت زبیر ابن العوامؓ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے یہ خدمت انجام دی ہیں۔

موجودہ زمانے میں پولیس کا ایک فریضہ ان سزاؤں کو نافذ کرنا ہوتا ہے جو کسی عدالت مجاز کی طرف سے مجرموں کے لئے تجویز کی جائیں حضور ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی مقصد کے لئے بھی کچھ حضرات کو مقرر فرمایا تھا۔ یہ چند حضرات تھے جو آنحضرت ﷺ کی عدالت سے فیصلہ ہو جانے کے بعد مجرموں کو سزائیں، سنگسار اور قتل کرنے کی سزائیں شامل تھیں، ان سزائیں دینے والے حضرات میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت زبیر ابن العوامؓ، حضرت مقداد ابن الاسودؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ اور حضرت عاصم ابن ثابتؓ وغیرہ بڑے نمایاں تھے۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کے بابرکت دور میں جبکہ پولیس کے محکمہ کی کوئی زیادہ ضرورت بھی نہیں تھی آپ نے اس قسم کے محکمے اور اس کے بڑے بڑے مفاد کے لئے کچھ حضرات کو مقرر فرما رکھا تھا اور اس کو شرطہ اجراء حدود وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔

آگے چل کر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں باقاعدہ ''دیوان الشرطہ'' کا دفتر قائم کیا گیا تھا اور تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر کر دیئے گئے تھے جو سب کو سال بہ سال دیدیئے جاتے تھے دور بنو امیہ اور دور بنو عباس میں جب فوج کے سپاہیوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کر دی گئیں اور فوج رضا کار کے بجائے مستقل تنخواہ دار ہوگئی تو پولیس کا محکمہ بھی باقاعدہ تنخواہ دار ہوگیا۔

الغرض پولیس کا محکمہ دنیا میں کوئی نیا محکمہ نہیں ہے جب سے انسان نے تہذیب وتمدن کی دنیا میں قدم رکھا کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی نام سے پولیس کا محکمہ انسانوں کے ساتھ لگا رہا ہے، صاحب الشرط (پولیس آفیسر) کا لقب جو دراصل، باڈی گارڈ کا کمانڈر ہوا کرتا تھا، شروع شروع میں صوبہ یا کسی بڑے شہر کے گورنر کو دیا جاتا تھا جس کا کام مذہبی اور غیر مذہبی قسم کے تمام معاملات کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا لیکن عباسی دور حکومت میں یہ لقب ایک سرکاری عہدہ کے لئے مخصوص ہوگیا جو پبلک نظم وضبط اور تحفظ کا ذمہ دار ہوتا تھا اور جس کے فرائض کچھ ایسے ہوتے جیسے موجودہ زمانہ میں پولیس کے اعلیٰ عہدہ دار کے ہوتے ہیں۔

مثلاً انسپکٹر جنرل خلافت عباسیہ، اسپین کی اموی حکومت اور مغرب ومصر کی فاطمی حکومت میں صاحب الشرطہ کے اختیارات قاضی (کورٹ) سے کہیں زیادہ ہوا کرتے تھے کیونکہ قاضی (کورٹ) کے برعکس صاحب الشرطہ کو یہ بھی اختیارات ہوتا تھا کہ وہ محض شبہ کی بناء پر بھی لوگوں کو گرفتار کر کے سزائیں دے سکتا تھا البتہ اتنا ضرور تھا کہ مملکت کے تمام باشندے اس کے ان اختیارات کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ نچلے طبقے کے لوگ خصوصیت کے ساتھ وہ اشخاص وافراد جو مشتبہ کردار رکھتے تھے اور جن کے متعلق بڑی شہرت پائی جاتی تھی وہی اس کے ان غیر محدود اختیارات کی زد میں آتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ صاحب الشرط کے ماتحت حسبہ قضا اور بلدیہ کے محکمات بھی ہوتے تھے اس وجہ سے اختیارات سے تجاوز یا ان کے غلط استعمال کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ان حقائق سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں جو ادارہ صاحب الشرطہ، کے نام سے قائم فرمایا تھا وہ شدہ شدہ کتنی عظیم اہمیت حاصل کرتا چلا گیا لیکن یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہنا چاہیے کہ اس ادارہ کا یہ تمام ارتقاء درحقیقت اسی بنیاد پر ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں قائم کر دی تھی اور اگر میں کہوں کہ آج ان اداروں کی جو کچھ اہمیت وافادیت ہے وہ بھی دراصل اسی بنیاد پر قائم ہے تو غالباً بے جا نہیں ہوگا، کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے بہر حال انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بڑی حد تک اسی روشنی کی رہین منت ہے جو اس نے اسپین کی اموی حکومت سے حاصل کی تھی اور اسپین کی اموی حکومت نے جو کچھ سیکھا تھا وہ اپنے پیشرو حکومت سے ہی سیکھا تھا۔ جس کا سلسلہ بالآخر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر ہی منتہی ہوتا ہے۔

مراجع ومصادر

☆ قرآن کریم

☆ احادیث نبویہ (مسلم / سنن ابوداؤد / ترمذی/وغیرہ

۱۔ تاریخ اسلام، ڈاکٹر ابراہیم حسن ابراہیم، آسیوط یونیورسٹی قاہرہ، مصر

۲۔ المتمدن الاسلامی، جرجی زیدان، بیروت، لبنان

۳۔ الثقافۃ الاسلامیہ، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۴۔ سیرت حضرت ابوبکر الصدیق، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۵۔ سیرت حضرت عمر بن الخطاب، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۶۔ سیرت عمر، العقاد، مصر

۷۔ النہایۃ مطبورعۃ، القاہرہ، مصر

۸۔ المستدرک للحاکم النیشابوری، القاہرہ، مصر

۹۔ الاحکام السلطانیہ، الماوردی

۱۰۔ نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے، عبداللہ القرطبی لاہور

۱۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ مجتبائی دہلوی

۱۲۔ الطرق الحکمیة فی السیا سة الشرعیة، ابن القیم، اردو ترجمہ کراچی

۱۳۔ الطبقات ابن سعد، نفیس اکیڈیمی، کراچی

۱۴۔ شمائل الترمذی، مطبوعۃ دہلی، کراچی

۱۵۔ شمائل الترمذی، کراچی

۱۶۔ مبادیات تنصیبات اسلامی، ڈاکٹر امیر حسن جامعہ، کراچی

۱۷۔ سیرت ابن ھشام، اردو ترجمہ، کراچی

۱۸۔ لیکچر راقم برائے طلباء وطالبات ایم۔اے فائنل ۱۹۹۳ء، عنوان مسلمانوں کا نظم مملکت اور عصر حاضر

۱۹۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، سلیمان ندوی

...........☆..................

اسلامی معاشرتی نظام
سیرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں

* پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین ، امابعد.

اسلامی تعلیمات کی موجودگی کے باوجود آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو سکون نصیب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں جملہ مسلم ممالک میں اسلامی معاشرے کا فقدان ہے۔ یورپی ترقی یافتہ ممالک نے بعض اسلامی تعلیمات کو اپنا کر ایسے معاشرے تشکیل کئے ہیں جن کے افراد کسی حد تک پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسلامی معاشرہ تو در کنار امت مسلمہ میں تو خال خال اہل علم ونظر کے سوا باقی مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلام یا اسلامی معاشرہ کیا ہے؟

جو پاکستان چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ اس میں بھی اسلامی معاشرہ قائم کرنا تو دور اس کیلئے افراد کی تیاری کا کام بھی شروع نہیں ہوا۔ آج ہمیں اپنے معاشرے میں جوانارکی، بے راہ روی اور پسماندگی نظر آرہی ہے۔ اس کی وجہ بھی اسلامی معاشرے کی عدم تشکیل ہی ہے۔ اس عبرتناک صورت حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنے کا خواب کیسے شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔

اس دور میں مسلم اقوام کو ہی نہیں جملہ اقوام عالم کو بھی توحید واخوت اور امن وسلامتی کے اسلامی معاشرے کی ناگزیر حاجت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:۔ ﴿**لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اُسوۃ حسنۃ**﴾ اس لئے کسی بھی زندگی کے پہلو کے لئے مثال اور نمونہ رسول پاک ﷺ کی ذات ہے۔ انسانی

* ڈائریکٹر زید اسلامک سنٹر کراچی یونیورسٹی، کراچی

ضرورت کے دوسرے جملہ اداروں کی طرح معاشرتی نظام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشنی میں ہی تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاشرتی رویہ کیسا تھا؟ آپ نے اسلامی معاشرے کیلئے افراد کیسے تیار کئے؟ اور ان افراد سے کس طرح ایک معاشرہ بنایا؟ نیز یہ کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی معاشرتی نظام کی کیا خصوصیات ہیں؟

انہی سوالات کا جواب اس تحقیقی مقالہ میں ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضروری معلومات اور مواد اصلی ماخذ سے اخذ کیا گیا ہے اور قرآن وحدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ جبکہ احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ نیز آخر میں مقالے کے نتائج بھی لکھے گئے ہیں۔ مقالے کا خاکہ کچھ اس طرح ہے:

الف) ⌘ معاشرتی نظام کا مفہوم

⌘ اسلامی معاشرتی نظام کی تشکیل

⌘ اسلامی معاشرے کیلئے افراد کی تیاری

ب) **رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا معاشرتی پہلو:**

ج) **مدینے میں اسلامی معاشرے کا قیام:**

⌘ نئے آئین کا نفاذ

⌘ مہاجرین کی آبادکاری

⌘ معاشرتی اداروں کا قیام

د) **سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی نظام کی خصوصیات:**

⌘ اتحاد انسانیت

⌘ سچائی اور توازن

⌘ احساس ذمہ داری اور امانت

⌘ افراد کی تعلیم وتربیت

ہ) نتائج

الف۔ معاشرتی نظام کا مفہوم:

معاشرتی نظام معاشرے سے نکلا ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی اصل عاشر ہے جس کا مطلب ہے کسی کے ساتھ وقت گزارنا یا ساتھ رہنا۔ جب کچھ افراد مل کر رہنا شروع کر دیں تو ان سے ایک معاشرہ (Society) وجود میں آ جاتا ہے۔ معاشرے کیلئے ابن خلدون نے عمران کی اصطلاح استعمال کی ہے۔(۱)

ہر معاشرے کو اپنے اندر نظم و نسق اور معاشرے کے افراد کی ضروریات کی تکمیل کیلئے کچھ قواعد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قواعد جو کسی فکر اور عقیدے کی اساس پر بنے ہوتے ہیں۔ مناشرے میں افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ معاشرے کے کسی فرد سے زیادتی نہ ہو۔ انہی قواعد کو جو افراد کے باہمی تعلقات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ معاشرتی نظام (Social System) کہا جاتا ہے(۲)

اسلامی معاشرتی نظام کی تشکیل:

وہ نظام معاشرت جس کی بنیاد اسلامی عقائد پر ہو اور جس کے ضوابط اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بنائے جائیں، اسلامی معاشرتی نظام کہلاتا ہے۔(۳) اسلامی معاشرتی نظام کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ لیکن اس نظام نے عملی شکل اس وقت اختیار کی جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور ریاست کے باشندوں کے رہنے سہنے کیلئے معاشرتی نظم و نسق کا انتظام فرمایا۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ Encyclopaedia Britanica p,17/13

۲۔ Internatioal Encyclopaedia of social sciences (Macmillamand free press 1958) (1958):V.14 P :577

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: Dr.Mohammad Muslahuddin,"Sociology and Islam,"(Islamic publications LTD Lahore,1977),P.75

۱۔ اسلامی معاشرے کیلئے افراد کی تیاری:

جب سے انسان پیدا ہوا اور حضرت آدم وحوا نے زمین پر زندگی گزارنا شروع کی انسانی معاشرہ اسی وقت سے وجود میں آ گیا۔ اس کا مقصد آپس میں تعارف تھا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔

﴿ یایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر ﴾(۴)

''اے ایمان والو! ہم نے تمہیں مذکر اور مونث سے پیدا کیا۔ تمھاری قومیں اور قبائل اس لیے بنائے تا کہ تمہارے درمیان تعارف رہے، بیشک اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور علم والا ہے۔''

اس سے پہلے معاشرے کے قیام سے لے کر رسول اکرم ﷺ کی بعثت تک ہر قوم کی طرف اللہ کے رسول اور پیغمبر آتے رہے تا کہ قوموں کو خدا کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولقد ارسلنا من قبلک رُسُلاً الی قومھم﴾(۵)

جب انسانی فکر پختگی کے مقام پر پہنچ گئی اور وہ اس قابل ہوگئی کہ عقیدۂ توحید اور ایمان کے عالمی تقاضوں کو سمجھنے لگے۔ علمی طور پر انسان اس قابل ہوگیا کہ ترقی یافتہ معاشرہ کو تشکیل دے سکے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کیلئے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمادیا تا کہ عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ قائم کیا جاسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ﴾(۶)

نبی کریم ﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے سچائی، وفا، معرفت، التوضع اور اخلاق عالیہ کو ان کی اعلیٰ وارفع صورت میں جمع فرمادیا تھا۔ آپ ان صفات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کے بہت قریب ہو گئے تھے۔

۴۔ الحجرات: ۴۹

۵۔ الروم: ۴۷

۶۔ سبا: ۲۸

اسی لیے جبرئیل علیہ السلام نے کہا:۔

﴿قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد افضل من محمد ، وقلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم ﴾ (۷)

نبوت سے پہلے محمد بن عبداللہ کی معاشرتی خدمات:

رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے بھی جاہلی معاشرے میں ممتاز زندگی بسر کرتے تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جوان کیا تھا کہ آپ جاہلیت کی تمام بُری عادتوں سے محفوظ تھے۔آپ بعثت سے پہلے ہی لوگوں میں سب سے بہتر ہونے کی حیثیت سے معروف ہو گئے تھے۔آپ کے اخلاق ان میں سے سب سے اچھے تھے،آپ کا حسب نسب سب سے بہتر تھا۔آپ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنے والے تھے، سب سے زیادہ برداشت والے اور سچے تھے۔سب سے زیادہ امانت دار تھے اور بُرائی اور بے حیائی سے سب سے زیادہ دُور تھے۔انہی صالح امور کی وجہ سے آپ اپنے معاشرے میں امین اور صادق کے القاب سے مشہور ہو گئے تھے (۸)۔

آپ ﷺ شروع سے ہی اپنے معاشرے کیلئے نیکی کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔مجبور اور بیکسوں کی مدد فرماتے تھے۔عدل وانصاف کیلئے کام کرنے والوں کے ساتھ،عربوں نے حلف الفضول کے نام سے عدل وانصاف قائم کرنے کا ادارہ قائم کیا تو آپ اس میں پیش پیش تھے۔آپ ﷺ لڑائی اور فساد کو ناپسند کرتے تھے۔اور آپ نے اپنی ذاتی کوشش سے قریش مکہ کو ایک بہت بڑی جنگ سے بچالیا۔آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی جب قریش مکہ۔نے بیت اللہ کی تعمیر کروائی۔قبائل عرب کا اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ حجرِ اسود کو کون اس کی مخصوص جگہ پر رکھے۔پھر اتفاق اس بات پر ہوا کہ جو دوسرے دن پہلے بیت اللہ میں داخل ہو وہی ثالث کے فرائض انجام دے۔صبح ہوئی تو محمد بن عبداللہ سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والے تھے۔پس جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا:(''هذا الامين ، رضينا، هذامحمد'') اس موقع

۷۔ ابن کثیر (ابو الفداء اسماعیل)،البداية والنهاية،(مكتبة المعارف ،بيروت ۱۹۶۶م) ۱/۲۵۷

۸۔ ابن هشام (محمد بن عبدالملک)،السيرة النبوية ،(بيروت)ص ۱/۱۰۸/۱

پر محمد ﷺ چاہتے تو یہ شرف اپنے لئے رکھ لیتے لیکن آپ نے ایک کپڑا منگوایا اور اس میں یہ سیاہ پتھر رکھ دیا اور پھر فرمایا:" تاخذ کل قبیلة بناحیة من التوب تم ارفعوا جمیعاً " لوگوں نے ایسا ہی کیا جب پتھر اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مقررہ جگہ پر نصب فرمادیا اور اس طرح جاہلی معاشرے کے افراد کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔(۹)

ب۔ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا معاشرتی پہلو:

جیسا کہ ذکر کیا گیا بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ معاشرتی فلاح کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔۴۰ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر فائز فرمایا، اور آپ کے نبوی فرائض کی ادائیگی کا حکم دیا۔ ان فرائض میں معاشرتی فرائض بھی شامل تھے۔ چنانچہ ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے:

﴿وانذر عشیر تک الاقربین واخفض جنا حک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بریء مماتعملون﴾(۱۰)

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ادائیگی کرتے ہوئے آپ نے اپنے اقرباء کو کھانے کی دعوت پر بلایا اور پھر کہا:۔

﴿مااعلم انسانا فی العرب جاء قومه بافضل مما جئتکم به، قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرة﴾(۱۱)

جب آپ کے رشتہ دار آپ کی بات کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو آپ اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا:۔

﴿ارایتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی تریدُ ان تغیر علیکم أکنتم مصدقی﴾ انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں ہم نے آپ میں سچ کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:۔

۹۔ ابن هشام ،ص ۱/ ۱۸۲؛ابن سید الناس ،عیون الا ثرفی فنون المعازی والشمائل (دارالجیل ،بیروت ۱۹۷۴)، ۱/ ۵۲.

۱۰۔ الشعراء:۲۱۴۔۲۱۶

۱۱۔ الطبری (ابو جعفر محمد بن جریر)،تاریخ الا مم والملوک ،دارالفکر ۱۹۷۹، ۲/ ۲۱۷

﴿فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید﴾(۱۲) اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ آپ کے اعلیٰ وارفع اخلاق اس دوران آپ کے سب سے امتیازی وصف تھے۔ انہی اخلاق کی وجہ سے آپ کی دعوت پھیل رہی تھی۔ آپ نرم دل اور رحم کرنے والے تھے بہت زیادہ متواضع تھے۔ بہادر نڈر تھے، میٹھی گفتگو فرماتے تھے، عدل کو پسند کرفرماتے تھے، ہر حق والے کو اس کا حق عطا فرماتے تھے، یتیم، ضعیف، مسکین اور بے بس کی طرف ایک باپ کی سی شفقت اور محبت کا روّیہ رکھتے تھے۔ ان اخلاق عالیہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے تاجروں اور اس کے عزت دار لوگوں میں سے اچھے نفوس مسلمان ہونا شروع گئے اور اسلام مکہ میں پھیلنا شروع ہوگیا۔ انہی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ کی کامیابیوں سے قریش مکہ اور وہاں کے سرداروں کو سخت تکلیفیں محسوس ہونا شروع ہوگئیں۔ انہیں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں جاہلی معاشرے کی بنیادیں دھڑام سے نیچے نہ گر پڑیں۔ اس لئے انہوں نے اسلام کی مخالفت کا سلسلہ تیز کر دیا اور جو کوئی بھی مسلمان ہوتا اس پر ظلم وستم کرنا شروع کر دیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے محفوظ نہ تھے۔ ان کے بیوقوف لوگ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دیتے اور آپ کو طعنے دیتے لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے عزم مصمم سے نہ ہٹے۔(۱۴)

جب قریش مکہ نے ظلم وستم کی ناکامی کو محسوس کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مال دولت، حکومت اور اقتدار وغیرہ کی پیش کش کی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی پیش کش کو قبول کر لیں اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش ترک کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قبول نہ تھا(۱۵)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا ظلم وستم اور بڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام تر جرأت، بہادری اور صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے محسوس کیا کہ اسلامی معاشرے کے قیام کیلئے کسی مناسب جگہ کی

۱۲۔ البخاری ،الجامع الصحیح ،کتاب التفسیر ،باب وانذر عشیر تک الاقربین ،حدیث نمبر ۴۴۹۲،ص ۴/ ۱۷۸۷

۱۳۔ محمد حسین ہیکل ،حیاۃ محمد ،مطبعۃ مصر ،۱۹۴۷،ص ۱۴۱

۱۴۔ ابن ہشام ،م.ن ،ص ۱/ ۲۵۷

۱۵۔ ابن سید الناس ،عیون الاثر ،۱/ ۱۰۵

ضرورت ہے۔ مکہ میں فی الحال یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ آپ طائف تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ آپ ہر سال حج کے موقع پر باہر سے آنے والے وفود سے بھی ملاقاتیں فرمایا کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک ملاقات یثرب کے قبائل اوس وخزرج کے وفد سے بھی ہوئی۔ ان لوگوں نے یثرب کے یہودیوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سن رکھا تھا۔ اس لئے جونہی رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعوت دین کی دی انہوں نے آپ کو یہودیوں کی بتائی ہوئی نشانیوں کی بنا پر پہچان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے رسول اللہ کی عقبہ کے مقام پر پہلی بیعت کر لی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ (۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو روانہ فرما دیا تا کہ وہ یثرب میں اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کے قیام کے لئے افراد کی تیاری کریں، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے مدینہ یثرب مدینة الرسول بننے کے لئے تیار ہو گیا اور بعثت کے ۱۳ ویں سال ۷۳ اشخاص پر مبنی یثربی وفد جو اوس وخزرج کے قبائل پر مبنی تھا مکہ گیا۔ یہاں پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ اس بیعت کو معاشرتی معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں جو بھی تعلیمات تھیں وہ معاشرہ کے متعلق ہی تھیں۔ چنانچہ بیعت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''آؤ اس چیز پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، جھوٹے الزام نہیں لگاؤ گے، معروف میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، پس تم میں سے جس نے اس وعدہ کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے ہاں ہے'' (۱۷)۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یثرب کی طرف ہجرت فرمانے سے پہلے ہی وہاں پر ایسی فضا کی تیاری شروع کر دی جس میں اسلامی معاشرے کو قائم کیا جا سکے۔

ج۔ مدینے میں اسلامی معاشرے کا قیام:

مکے میں ۱۳ سالہ جدوجہد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یثرب کو اپنی دعوت کا مرکز بنا لیا اور اپنے

۱۶۔ ابن هشام، م۔ن، ۲/ ۵۴۔ ۵۵، الطبری التاریخ ۲/ ۳۵۴

۱۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکه حدیث نمبر ۳۲۷۰، ۳/ ۱۴۱۳

تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت کا حکم دیا خود بھی آپ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے آئے۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سال اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اسلامی ریاست کی تشکیل کی اور اس ریاست میں مسلمانوں کے معاشرے کے قیام کے لئے درج ذیل اقدامات فرمائے۔

۱) نئے آئین کا نفاذ:

آپ ﷺ نے یثرب کے شہر میں نظم ونسق اور اسلامی ریاست کے قیام کے لئے میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کروایا۔اس معاہدے میں اوس وخزرج، مہاجرین یہود اور بعض دوسرے قبائل بھی شامل تھے۔اس معاہدے کی حیثیت اسلامی ریاست کے پہلے دستور کی سی تھی۔یہ دستور اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اسلامی معاشرے کے قیام کی اساس بنا۔(۱۸)

۲) مہاجرین کی آبادکاری:

کسی بھی ریاست کا استحکام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس ریاست کے تمام باشندے مستقر نہ ہوں۔ چنانچہ مدینے کی آبادکاری میں مہاجرین کے مسئلہ کو حل کرنا رسول اللہ ﷺ کی پہلی ترجیح تھی۔آپ ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مہاجرین کی آبادکاری فرمائی اور اس طرح انصار ومہاجرین کے درمیان اخوت کے رشتہ کو پروان چڑھایا۔مہاجرین کی یہی آبادکاری اسلامی معاشرے کے قیام کی بنیاد بنی۔

۳) معاشرتی اداروں کا قیام:

میثاق مدینہ اور مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ ہی اسلامی ریاست نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کر دیا اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے ضروری معاشرتی اداروں کی بنیاد رکھی، معاشرتی تربیت کے لئے مسجد نبوی بنائی گئی۔افراد کی تربیت اور تعلیم کے لئے مسجد نبوی میں صفہ کا مقام مخصوص کر دیا گیا۔لوگوں کو اخلاقی تربیت دینے کا انتظام فرمایا اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام کیا۔رسول اللہ ﷺ کے انہی اقدامات کی بنا پر تو اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا۔ارشار باری تعالی ہے۔

۱۸۔ اس دستور کی تفصیلی قراءت کیلئے ملاحظہ فرمائیں: ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، (موسسہ ناصر للثقافتہ، نوفمبر ۱۹۸۱)، ص ۲۱

﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾(۱۹)

رسول اللہ نے مدینہ میں ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جس کے افراد قربانی کا جذبہ رکھتے تھے اور اپنی ضروریات پر اپنے بھائیوں کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے۔ قرآن پاک اس معاشرے کے افراد کی تعریف میں فرماتا ہے۔

و یو ثرون علی انفسهیم ولو کان بهم خصاصة(۲۰)

د ۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی معاشرتی نظام کی خصوصیات

(۱) اتحاد انسانیت:

اسلامی عقائد کی رو سے سوسائٹی الہامی احکامات سے منظم کی جاتی ہے۔ نہ جاگیردارانہ ہے اور نہ ہی سوشلسٹ بلکہ ان میں روحانی اور دنیاوی احکامات کا حسین توازن ہے۔ یہ اسلامی معاشرہ ایک خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور انسانی اتحاد کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اسلامی معاشرتی نظام ان تعلیمات سے تشکیل پایا ہے جو خدا تعالی نے اپنے رسول علیہ السلام پر نازل فرمائیں۔ اسلامی معاشرہ نہ فرقہ پرستانہ ہے اور نہ ہی ذات برداری پر یقین رکھتا ہے بلکہ یہ تمام جہاں میں خدا کو ماننے والوں کے عالمی اتحاد کی علامت ہوتا ہے۔ ایک خدا پر یقین بین الاقوامی اخوت کے نظام کے ذریعے تمام انسانوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اتحاد انسانی کی سب جس بڑی دلیل قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ سب ایک ہی نسل سے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿یایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقکم﴾(۲۱)

۱۹۔ آل عمران ۱۱۳

۲۰۔ الحشر ۹ Muhammad Misbahuddin "Socialogy and Islam", (Islamic Publication Ltd Lahore, 1977) P 75.

۲۱۔ الحجرات ۱۳

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:۔

○ یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیرا ونساءً ○ (۲۲)

اسلامی معاشرت میں اتحاد، انسانیت تمام طبقات کا فرق مٹا دیتی ہے یہی سبق ہی رسول اللہ کی طرف سے مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کے نظام میں ملتا ہے (۲۳)۔ اور یہی پیغام رسول اللہ نے اپنے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

○ یاایھا النا س ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ○ (۲۴)

رسول اللہ ﷺ کے اسی قول کے مفہوم کی وضاحت قرآن پاک کی ایک اور آیت سے بھی ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

○ انما المومنو ن اخوۃ ○ (۲۵)

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اخوت اور مسلمانوں میں باہمی خلوص و محبت اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا احسان ہے۔ اسی کی مہربانی سے مسلمانوں میں باہمی بھائیوں کے سے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

○ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً ○ (۲۶)

۲۲۔ النساء ۱

۲۳۔ ابن ھشام ۴/ ۱۱۴

۲۴۔ ابن ھشام ۲/ ۱۰۴

۲۵۔ الحجرات ۱۰

۲۶۔ آل عمران ۱۰۳

مختصر یہ کہ رسول اللہ کی سیرت طیبہ سے یہ درس ملتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت انسانی اتحاد پر یقین رکھتا ہے۔ یہ انسانی اتحاد انسانی مساوات کی بنا پر ہوتا ہے:۔

(ii) سچائی اور توازن:

اسلامی نظام معاشرت انتہا پسندی سے دور ہوتا ہے اس میں ایک توازن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾(۲۷)

اسلام سے پہلے پوری دنیا بربادی کا شکار تھی۔ رومن اور فارسی تہذیبیں اپنی چمک کھو چکی تھیں۔ ہندوستان طبقاتی کشمکش میں مبتلا ملک تھا۔ چین عدم استحکام اور عرب جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہیں پر صرف روحانیت تھی جو انسان کو خدا بنائے ہوئے تھی تو کہیں پر صرف دنیا تھی جو انسان کو سب کچھ سمجھتی تھی، توازن کا فقدان تھا، انسانیت نجات دہندہ کی منتظر تھی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے (انی رسول اللّٰه الیکم جمیعاً) کی دعوت سے دنیا کو نیا نظام معاشرت دینے کا اعلان فرمایا۔ یہ نظام بین الاقوامی تھا اور تمام کے تمام انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرتا تھا، اس چیز کا اعتراف صرف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ غیروں نے بھی کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بین الاقوامی معاشرت کی بنیاد پر ہی (Hitti) یہ اعتراف کرتا ہے کہ:۔

"Moses was a prophet, so were Abraham, Noah, Christ and others, each with a dispensation appropriate for a certain time or place. But Muhammad's dispensation sums up well as superseded all earlier ours. It is final. After it there is none."(28)

۲۷۔ البقرۃ: ۱۴۳

۲۸۔ Hitti P.D, "The Near East in History", (New York, 1961) P 82.

توازن برقرار رکھنے والا اسلامی معاشرتی نظام مذہبی رواداری پر یقین رکھتا ہے۔اس کے بغیر توازن ممکن نہیں ہے۔اسلامی معاشرے میں اسی لئے غیر مسلموں کوتمام بنیادی حقوق حاصل ہیں اور بطور انسان مسلمان اور غیر مسلم میں فرق نہیں ہوتا۔دین کے معاملے میں غیر مسلموں پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا۔ہر شخص کو آزادی دی جاتی ہے۔جس کو جو مذہب اچھا لگے وہ مذہب اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو تبلیغ کے ذریعے دین کی اشاعت کی اجازت ہے طاقت کے زور پر کسی کو مسلمان کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ لا اکراہ فی الدین ﴾ (۲۹)

اسلامی نظام معاشرت ایمان کا قائل ہے جبر کا نہیں ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ فمن شاء فلیو من شاء فلیکفر﴾ (۳۰)

اسی جبر کی عدم ممانعت کی بنا پر مسلمانوں کو حکم ہے کہ دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کرواورانہیں اچھے طریقے سے اسلام کی دعوت دو۔ان سے الجھنے اور جھگڑا کرنے سے پرہیز کروان کے خداؤں اور معبودوں کو برا بھلامت کہو۔ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ﴾ (۳۱)

توازن کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاشرت اپنے افراد سے سچائی اور صدق کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔قرآن وسنت میں صدق کی تعریف کی گئی ہے اور جھوٹ سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے.۔

﴿ لعنة اللہ علی الکا ذبین ﴾(۳۲)

۲۹۔ البقرۃ : ۲۵۶

۳۰۔ الکھف : ۲۹

۳۱۔ الانعام : ۱۰۸

۳۲۔ آل عمران: ۶۱

سچائی کی تعریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"ان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنة وان الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاوان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یکتب عندالله کذاباً"(۳۳)

انہی تعلیمات کی بناء پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت توازن اور سچائی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔

iii) احساس ذمہ داری اور امانت:

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت میں تمام افراد معاشرہ ذمہ دار ہوتے ہیں اور امانتوں کا پاس رکھنے والے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی لئے صادق اور امین کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اس وصف کی تعریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ان خیر من استاجرت القوی الامین"(۳۴)

امانت دراصل ذمہ داری ہے اور اسلامی معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذمہ دار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته ،فالإمام الذی علی الناس راع وھو مسؤل عن رعیته ،والرجل راع علی اھل بیته وھو مسؤل عن رعیته والمراۃراعیة علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسؤلةعنھم وعبدالرجل راع علی مال سیدہ وھو مسؤل عنه ،الا فکلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته (۳۵)

۳۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب ۲۔ ومایںھی عن الکذب حدیث نمبر ۵۷۴۳، ص ۲۲۶۱/۵

۳۴۔ القصص ۲۶

۳۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام حدیث نمبر ۶۷۱۹، ۲۶۱۱/۶

iv) افراد کی تعلیم وتربیت:

اسلامی معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ تربیت یافتہ افراد کا وہ گروہ ہوتا ہے کہ جو اچھائی کو پھیلاتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ اس لئے اسلام انسان کی تربیت اور اس کی عادات کی اصلاح پر بہت زور دیتا ہے۔ تاکہ انسان اپنے رب کی صحیح طور پر عبادت کرے۔ تربیت کا نظام بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب ادوار میں جاری رہتا ہے۔ کیونکہ اسلام صرف ظاہر ہی نہیں باطن کی تربیت کا بھی انتظام فرماتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

﴿ وانک لتهدی إلى صراط مستقیم ﴾ (۳۶)

اسلامی نظام معاشرت یہ چاہتا ہے کہ فرد کی علمی عملی اور دوسری تمام قدرت کو زندگی کی تنظیم کے لئے گزارے تا کہ مسلمان دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوسکیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ ومنهم من يقول ربنا اتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة ﴾ (۳۷)

اسلامی نظام معاشرت اعتدال کا نظام ہے اس میں افراط ہے اور نہ ہی تفریط۔ اسی بنیاد پر اسلام فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی تربیت کرتا ہے تا کہ اس کی چال ڈھال اسلوب گفتگو اور فارغ اوقات سب کچھ منظم نظام کے پابند ہوں۔ ارشاد باری تعالی ہے :۔

﴿ ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الا رض مرحا ان الله لا يحب كل مختال فخور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک إن انكر الا صوات لصوت الحمير ﴾ (۳۸)

اسلام میں علم کو برتری کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ علم کے اور تعلیم کے بغیر افراد کی تربیت نہیں ہوسکتی اسلام جاہلوں کا اجتماع نہیں چاہتا بلکہ عالموں کی تنظیم کا خواہش مند ہے۔ علم ہی انسان کی برتری کا سبب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر وقت علم کے حصول کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

۳۶۔ الشوری ۵۲

۳۷۔ البقرۃ ۲۰۱

۳۸۔ لقمان ۱۸۔ ۱۹

﴿ من یرد اللہ خیراً یفقھہ فی الدین ﴾(۳۹)

ان خصوصیات کے علاوہ اسلامی نظام معاشرت منفرد عبادات ،اسلامی شعائر اور اخوت جیسی خصوصیات کی بنیاد پر ممتاز ہے اور عدل وانصاف پر مبنی اس کا نظام ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے اور خود اپنے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو گواہی دی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ان اللہ یامر با لعدل و الاحسا ن ﴾(۴۰)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکمو ابالعدل﴾(۴۱)

عدل انصاف کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاشرت انسانی شرف ووقار کی بھی علامت ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

﴿ ولقد کرمنا بنی آدم ﴾(۴۲)

ان خصوصیات کے علاوہ اسلامی نظام معاشرت میں اعلیٰ اخلاقی اقدار ،معاشی اخلاقیات اور بنیادی حقوق کا تحفظ ہوتا ہے جبکہ معاشرے کے تمام افراد کے حقوق وفرائض متعین ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مکہ میں معاشرے کے لئے افراد کی تیاری کی اور مدینے میں ان افراد پر مبنی ایک ایسا معاشرہ تیار فرمایا جو انسانی اتحاد ،سچائی اور توازن ، احساس ذمہ داری اور افراد کی تعلیم وتربیت جیسی خصوصیات کا حامل تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے پاکستانی معاشرے کو بھی انہی صفات سے مزین کریں۔

۳۹۔ البخاری ، اجامع الصحیح ، کتاب العلم ، باب "من یرد بہ اللہ خیر ایفقھہ فی الدین ، ص ۳۹/۱

۴۰۔ النحل : ۹۰

۴۱۔ النساء :۵۸

۴۲۔ بنی اسرائیل : ۱۷۰

نتائج:

اسلامی معاشرتی نظام جو کہ سیرت طیبہ کی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے۔اس کے متعلق بعض تفصیلات پیش کی گئیں۔ان تفصیلات کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

1۔ اسلامی عقائد کی بنا پر معاشرے کے افراد میں نظم ونسق رکھنے کا نظام اسلامی معاشرتی نظام کہلاتا ہے۔

2۔ اسلامی نظام معاشرت کی تشکیل رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی اور اس کے لئے افراد کی تیاری کی۔

3۔ معاشرہ کے افراد کے لئے نظام کی ضرورت حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے ہی محسوس کی گئی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی ترقی یافتہ معاشرتی نظام کے قیام کے لئے خدا کی تعلیمات انسانوں تک مکمل حالت میں پہنچ گئیں۔

4۔ نبوت کے مرتبے پر فائز ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ سماجی خدمات کی بنا پر مکے کے معاشرہ میں صادق اور امین کے القاب سے مشہور ہو گئے۔

5۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے عرب معاشرے میں نبوت سے پہلے ہی معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔

6۔ نبوت کے اعلان کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرتی نظام قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ان کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ جو کوئی بھی مسلمان ہوتا معاشرے کا بہترین فرد بن جاتا۔

7۔ قریش مکہ کی شدید مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوئی دوسرا مرکز تلاش کیا جائے۔

8۔ اوس وخزرج کے قبائل کے نمائندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اپنے شہر یثرب کو اسلامی دعوت کے نئے مرکز کے طور پر پیش کیا تا کہ وہاں پر پہلی اسلامی ریاست

اور اسلامی معاشرہ قائم کیا جا سکے۔

9۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب میں اسلامی ریاست کے قیام کے لئے ابتدائی تیاریاں فرمائیں۔

10۔ ہجرت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست قائم کی۔ اور میثاق مدینہ کے بعد اسلامی معاشرتی نظام کے لئے مختلف معاشرتی ادارے قائم کئے۔

11۔ مہاجرین کی آبادی، انصار و مہاجرین کی تعلیم و تربیت اور اخوت کا اسلامی نظام، نظام معاشرت کی نمایاں کامیابیاں ہیں۔

12۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور جو نظام اس معاشرے میں نظم و ضبط پیدا کرتا ہے وہ اتحاد انسانیت، سچائی، احساس ذمہ داری، امانت اور عدل و انصاف جیسی اہم خصوصیات سے مزین ہوتا ہے۔

............☆............

مثالی معاشرے کی راہ میں حائل رکاوٹیں اوران کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)

* ڈاکٹر تاج الدین الأزہری

اس میں شک نہیں ہے کہ آج کی دنیا مسائل کی دنیا ہے۔ چھوٹے بڑے گوناگوں مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ پیچیدہ اور سنگین مسائل' سیاسی اور معاشی مسائل' داخلی اور خارجی مسائل' قومی اور بین الاقوامی مسائل۔ مختصر یہ کہ مسائل ہی مسائل ہیں۔ تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ زندگی جوں جوں پیچیدہ ہوتی گئی مسائل بھی بڑھتے گئے اوران کی ژولیدگی میں اضافہ ہوتا گیا لیکن فی نفسہ مسائل کا ہونا کوئی نئی بات نہیں مسائل ہمیشہ سے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے، مسائل زندگی کے ساتھ ہیں۔ انسان اور مسائل لازم وملزوم ہیں اوران کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن وہ مسائل جو ہمارے دانشوروں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کئے ہوئے ہیں وہ ہمارے معاشرتی مسائل ہیں چونکہ انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے اس لئے معاشرہ کا قیام اس کی فطرت کا تقاضا ہے وہ تنہائی سے گھبراتا ہے۔ اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل جل کر خوش ہوتا ہے۔ اگر جبراً انسان کو کسی جگہ تنہا رکھا جائے سب لوازمات زندگی موجود ہوں' طرح طرح کی سہولتیں مہیا ہوں' انواع واقسام کی نعمتیں اورلذتیں میسر ہوں' پھر بھی وہ ایسی زندگی کبھی پسند نہ کرے گا اور بنی نوع انسان کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دے گا۔ شاید اسی کو دیکھ کر ارسطو کو یہ کہنا پڑا کہ: ''اجتماعیت انسان کی جبلّت ہے۔''(۱)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی، یونیورسٹی اسلام آباد

۱۔ یوسف کرم تاریخ الفلسفۃ الیونانیۃ القاہرہ' مکتبۃ النہضۃ المصریۃ الطبعۃ الخامسۃ ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۶۳

معاشرہ اجتماعی زندگی کی خشت اوّل ہے اس کا مادہ ''عشرۃ'' ہے اور اس کے معنی مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ چنانچہ عقلاء کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی مثالی ہو۔ انسانی تاریخ میں قدیم ترین عقلاء یونانی فلاسفہ کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان سے پہلے کی تاریخ ابھی تک دنیا کو دستیاب نہیں ہو سکی' ان کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مثالی معاشرے کا تصور افلاطون نے پیش کیا تھا جو ارسطو کا استاد تھا اور اس نے اس کا نام مدینہ فاضلہ رکھا تھا جو محض ایک تصور تھا۔

کیا یہ حقیقت کا روپ دھار سکا یا نہیں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس کے برعکس اگر سلسلۂ رسالت اور بعثت انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء جو صاحب کتاب یا حامل صحیفہ ہوئے' جن کی اپنی قومیں تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کیلئے وہ مبعوث ہوئے ایسے انبیاء کی آمد نے ان اقوام کی کایا پلٹ دی اور ان کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا کر دیا اگر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے کے دور اور آمد کے بعد کے دور کا تقابلی مطالعہ کریں تو دونوں میں بڑا فرق پائیں گے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد کے دور میں ان کے متبعین کی زندگی کا ان کی آمد سے پہلے کی زندگی سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی وجہ سے ان کی قوم میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ ان کے عقائد میں انقلاب آ گیا، ان کے رہنے سہنے کے طریقوں میں انقلاب پیدا ہوا، زندگی کے متعلق ان کے نقطہ نظر میں انقلاب رونما ہوا اور یوں ایک نبی کا دور دوسرے نبی کے دور سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کا دور حضرت موسیٰ کے دور سے الگ اور جداگانہ نظر آئے گا اور ان کے دور میں بہت سی ایسی خصوصیات نظر آئیں گی جو حضرت موسی کے دور میں نہیں تھیں۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا:۔ آپ جب نبوت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر پانچ سو برس سے زائد کا عرصہ بیت چکا تھا اور وہ شمع بجھنے کے بالکل قریب تھی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روشن کیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس روشنی کے مدھم پڑ جانے کی وجہ سے معاشرے میں پھر سے ان خرابیوں نے جنم لے لیا تھا جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اصلاح کی تھی۔ آپ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے اس کا نقشہ صاحب رحمۃ للعالمین نے یوں کھینچا ہے۔

’’عرب اپنی وسعت میں مملکت فرانس سے تقریباً دو چند بڑا ہے۔ ملک کے مختلف حصے اپنی اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ یمن کی وادی اور طائف کے پہاڑ ایسے سرسبز ہیں کہ ہندو پاک کے بہترین حصوں کو رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی زمین اور وسط عرب کا ریگستان اس قدر بے آب و گیاہ ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ ان کے جذبے میں سلطنت حبش کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔ اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا لیکن ہر ایک سلطنت اس پر قبضہ کرنے کے لئے ساعی تھی۔ (۲)

اندرون ملک کے باشندوں پر خود مختاری نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ ان میں خود مختاری سے خود سری پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا۔ بے کاری اور کاہلی نے جوّا اور شراب کی عادت پیدا کر دی اور طبیعت ثانی بنا دی تھی۔ غیر ممالک سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے ان کی زبان اور نسل بے شک کھری تھی لیکن فصاحت کا استعمال زیادہ تر خود ستائی اور دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے یا اپنے فحش کارناموں کو مشتہر کرنے کے لئے زبان کی ساری طاقت خرچ کر کے اپنے ساتھ اپنی معشوقہ کی بھی تشہیر کیا کرتے تھے۔ الگ تھلگ رہنے نے مصاہرت کی برائی ان کے ذہن میں قائم کر دی تھی اور وہ فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ فطرت کی ہر ایک چیز پتھر درخت' چاند' سورج' پہاڑ اور دریا وغیرہ کو وہ اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے اور اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی بھول چکے تھے اس لیے انسانی حقوق کے لئے نہ کوئی ضابطہ تھا اور نہ ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کے لئے کوئی قانون' قتل انسانی' رہزنی' حبس بے جا' ناجائز تصرف بے جا مداخلت' عورتوں کو جبراً یا پھسلاوٹ سے بھگا لے جانا، بیٹیوں کو زندہ پیوند خاک کر دینا اسی شجر کے ثمر تھے۔ بت پرستی نے ان کی نگاہ

۲۔ سابق مصدر صفحہ ۱۰۰

میں سب سے زیادہ حقیر ہستی انسان ہی کو بنا دیا تھا۔ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں یہی نقش کر دیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ان کے دین سے بہتر کوئی دین ہو ہی نہیں سکتا۔(۳)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو اس معاشرے میں موجود نہ تھی اور اس کی اصلاح کا کام اتنا آسان نہ تھا بلکہ انتہائی صبر آزما اور مشکل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغ اور پختہ عمر کے لوگوں سے اپنی بات چیت کا آغاز کیا تو جاہ پرست مشتعل ہو گئے لیکن انہیں حضور کی شیریں گفتاری اور جاذبیت کردار کا سامنا تھا۔ جو آپ کی پوری بات سن لیتا اور آپ کی صفات سے باخبر ہو جاتا وہ یا تو مسلمان ہو جاتا یا کفر و بت پرستی سے بدظن۔ اس اثر کو روکنے کے لئے دشمنوں نے عوام کے شر پسندوں سے کہہ دیا تھا کہ قرآن نہ سنو جہاں وہ پڑھا جائے وہاں شور برپا کرو۔(۴)

آنحضرت نے ''قولوا لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا ''(۵) سے اپنے درس کا آغاز کیا۔ یہی آپ کی تعلیم کا حرف اول ہے اور اسی کے منتہائے مطلب کو اپنے ظاہر و باطن پر طاری کر لینا حرف آخر اور مدعاء اسلام ہے نبی کریم اس کے مختلف پہلو سمجھاتے اور روشن مثالوں سے حقائق بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ سورج اور چاند کو دیکھو۔ چمکتے ستاروں پر غور کرو، پہاڑوں کو دیکھو، ریگستانوں میں اونٹ کو چلتے دیکھ کر غور کرو، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کو تیرتے دیکھو، صحراؤں میں اُگے ہوئے نباتات اور سبزہ زاروں میں لہلاتے ہوئے کھیتوں اور باغوں اور نہروں اور دریاؤں کو دیکھو۔ اس غور و فکر اور نظر عبرت سے اللہ کی قدرت و حکمت سمجھ میں آ جائے گی۔ اپنے ماحول میں گندگی پر دھیان دو۔ افراتفری، ہلاکت اور خون ریزی،

۳۔ منصور پوری قاضی محمد سلیمان سلمان رحمۃ للعالمین (لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز س ن) ۱ ۳۲۹

۴۔ ارشاد باری ہے و قال الذین کفروا لا تسمعوا لہذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون''(ترجمہ) کافروں نے کہا اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید اس طرح تم غالب آ جاؤ (سورۃ فصلت ۴۱ ۲۷)

۵۔ ابن حنبل احمد بن محمد بن حنبل الامام المسند (بیروت) المکتب الاسلامی الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء) ۴ ۴۹۲ عن ربیعہ بن عباد الدیلی

انسان کے زندہ درگور کرنے، انسانوں کی جان لینے اور مسلسل جنگ و جدل پر غور کرو، تمہارا دل کہے گا کہ یہ آدمیت کے خلاف تباہ کن شیطانی عمل ہے لہٰذا باہمی احترام اور انسانی حقوق کی نگہداشت کرو، راستبازی اور درست معاملگی اختیار کرو۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، غیبت، جھوٹ، قتل ناجائز اموال کی جمع آوری جیسی عادات چھوڑ دو۔ قیامت آئے گی اور حساب کتاب کا سامنا ہوگا۔ عبادت کرو گے تو جنت پاؤ گے اور خدا کی رضا حاصل ہوگی۔ بدکاریاں اور بداعمالیاں تمہیں جہنم میں لے جائیں گی اور اللہ کا غضب نازل ہوگا۔(۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے صرف تیئس (۲۳) سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کا معاشرہ بدل دیا بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف امن و سکون اور اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔ یہ آپ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے۔ وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرنے لگے۔ جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھاتے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ جہاں ہر طرف قتل و غارتگری کی آگ بھڑک رہی تھی وہاں امن و آشتی کے پھول کھلنے لگے۔ جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا وہاں عدل و انصاف کی شمعیں روشن ہونے لگیں جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جاتے تھے وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگا اور بالآخر عرب کے صحرا نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل و خوار تھے، ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن گئے اور ساری دنیا ان کے عدل و انصاف، ان کی رحم دلی اور ان کی شرافت نفس کے گن گانے پر مجبور ہوگئی(۷) تاریخ انسانیت کی کسی بھی اور شخصیت کے ہاں اس کی نظیر نہیں ملتی اور ملے بھی کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۶۔ مقالات سیرت (اسلام آباد، وزارت مذہبی امور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) صفحہ ۲۲-۲۳، مقالہ سید مرتضی حسین صدر الافاضل

۷۔ سابق مصدر صفحہ ۹۳-۹۴، مقالہ مولانا محمد تقی عثمانی

﴿ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین و کان الله بکل شیءٍ علیما﴾(۸)

''(لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی بھی اس آیت کی مزید وضاحت ہے۔ آپ نے فرمایا:

﴿انا خاتم النبیین لا نبی بعدی﴾(۹)

''میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

بات صرف اتنی نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں بلکہ اس کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کی نبوت ورسالت آفاقی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

﴿و ما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا و لکن اکثر الناس لا یعلمون﴾(۱۰)

اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس آیت کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمائی:

بعثت الی الاحمر والأسود(۱۱)

۸۔ سورۃ الاحزاب ۴۰/۳۳

۹۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح (القاہرہ) مکتبۃ دارالشعب . س، ن مع شرح الامام النووی) کتاب الفضائل، باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ۴۹/۵ عن ابی ہریرۃ و ایضا السجستانی . سلیمان بن اشعث ابو داؤد. السنن(بیروت دارالفکر، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰م، تحقیق و تعلیق سعید محم دارللحام) کتاب الفتن و اعلاحم . باب ذکر الفتن و دلائلہا ۳۰۲/۴ عن ثوبان

۱۰۔ سورہ سبا ۲۸/۳۴

۱۱۔ مسند لامام احمد بن حنبل ۴۱۶/۴ عن ابی موسی الاشعری وایضا ۱۴۵/۵ عن ابی ذر

’’میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔‘‘

ایک دوسری روایت میں آپ نے اس چیز کی یوں وضاحت فرمائی:

’’اما انا فارسلت الی الناس کلھم عامة و کان من قبلی انما یرسل الی قومه‘‘(۱۲)

’’میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔‘‘

ایک اور روایت میں آپ نے اس طرح فرمایا:

﴿کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة﴾(۱۳)

’’پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔‘‘

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی کتاب میں فرمادیا:

﴿لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة﴾(۱۴)

’’درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے‘‘

آج کے انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ ایک ایسے دور میں رہتا ہے جو افکار کے تصادم اور مختلف نظریات کی جنگ کی وجہ سے ابتری اور پراگندگی کا شکار ہے۔ یہ ازم، وہ ازم رنگ بدل بدل کر انسانی فکر پر یلغار کررہا ہے۔ اور حق اپنے علمبرداروں کی بے حسی کا ماتم...... عام انسان افراتفری کے عالم میں کبھی ادھر

۱۲۔ مسند االامام احمد بن حنبل ۲/ ۲۲۲ عن عبد الله بن عمرو بن العاص

۱۳۔ صحیح مسلم. کتاب المساجد، باب مواضع الصلاة ۲/ ۱۵۴ عن جابر بن عبد الله الدارمی. عبد الله بن عبد الرحمن ابو الفضل. السنن (بیروت داراحیاء السنة النبویة. س ن) کتاب الصلاة. باب الارض کلها طهور ما خلا المقبرة والحمام ۱/ ۳۲۲ عن جابر بن عبد الله

۱۴۔ سورة الاحزاب ۳۳/ ۲۱

دیکھتا ہے اور کبھی ادھر وہ سرگشتہ و حیران ہے کہ کدھر جائے؟ کبھی اس کو آزماتا ہے اور کبھی اس کو، کبھی اس کو اپناتا ہے تو کبھی اس کو۔ جب دیکھتا کہ اس سے مسائل حل نہیں ہوتے تو اسے چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے کی طرف لپکتا ہے۔ مگر اسے ہر طرف سے مایوسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے وہ تجربات کے اس چکر سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کسی ایسے ازم اور کسی ایسی سیرت کو نہیں اپناتا جو اس کی فطرت کے مطابق ہو۔ وہ ازم دین اسلام ہے اور اس کا مکمل عملی نمونہ نبی عرب و عجم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے جو انسانیت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ زندگی کتنی ہی کروٹیں بدلے، زمانہ اپنے اوپر کتنے ہی رنگ چڑھائے۔ تہذیب وتمدن کا کارواں کتنی ہی منزلیں آگے بڑھ جائے۔ انسان علم و اکتشاف، سائنس اور ٹیکنالوجی کے کتنے ہی معرکے سر کرلے، سید عرب وعجم کی سیرت طیبہ انسانیت کو اس کے سفر ارتقاء میں راستہ دکھاتی رہے گی۔ ہمیں تو مختصراً یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت علاقائی اور عالمی سطح پر مثالی معاشرے کی راہ میں وہ کون کون سی رکاوٹیں ہیں اور ان میں محمد عربی ﷺ کی سیرت سے کس طرح رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ آپ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس دنیا کے انسانوں ہی کی اصلاح کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کر کے دکھایا تھا اور آج بھی اس کرۂ ارض پر انسان ہی اصلاح کا محتاج ہے۔ چودہ سو سال کے اس طویل عرصہ میں زمانہ نبوت سے دوری اور تعلیمات نبوت سے انحراف نے اس کے لئے گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور مسائل کی مثال ان بیماریوں کی ہے جو انسانی جسم کو لاحق ہوتی ہیں وہ جب تک ان سے چھٹکارا نہ پالے کبھی صحت یاب نہیں ہوسکتا۔

اگر ہم آج کے معاشرے پر نظر ڈالیں تو اس کی ان گنت خرابیاں اور لاتعداد مسائل دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح ناممکن ہے اور اس کا صحت مند ہونا محال ہے صرف سیرت نبوی ہی ہماری ڈھارس بندھاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا معاشرہ تو اس سے بھی بدتر حالت پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟ اگر ہم بنظر غائر دیکھیں تو جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں چند بڑی بڑی خرابیاں ہوتی ہیں، جو اس کے مثالی معاشرہ بننے کی راہ میں حائل رہتی ہیں، اگر ان کی اصلاح کر لی جائے تو معاشرہ صحت یابی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشرے کی بڑی بڑی خرابیاں جو اس کے مثالی

معاشرہ بننے کی راہ میں رکاوٹ ہیں حسب ذیل ہیں:

1۔ متزلزل ایمان	2۔ جہالت
3۔ اخلاقی پستی	4۔ غربت وافلاس
5۔ کاہلی وسستی	6۔ خودغرضی
7۔ تعصب	8۔ عدل وانصاف کا فقدان
9۔ عدم تحفظ	

متزلزل ایمان:

متزلزل یقین اور متزلزل ایمان ہماری بے شمار معاشرتی خرابیوں کی جڑ ہے۔ ہم بے شمار چیزوں کے بارے میں قطعی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ان میں درست کون سی ہے؟ لیکن اس کے باوجود غیر درست کو استعمال کرتے ہیں۔ ہم بے شمار معاملات میں جانتے ہیں کہ حق پر کون ہے؟ لیکن اس کے باوجود ناحق کا ساتھ دیتے ہیں اور یوں ہمارا متزلزل یقین اور متزلزل ایمان ہماری جڑوں کو کاٹ رہا ہے۔ علاقائی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی دنیا اس مرض کا شکار ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر ناحق کا ساتھ دے کر حق کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور یوں آج تک بڑے بڑے مسائل حل نہیں ہو سکے۔ سیرت نبوی میں اس کا واضح علاج موجود ہے۔ سیرت طیبہ یہ بتاتی ہے کہ انسان اگر کسی چیز کو حق سمجھ لے تو پھر اس کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت، دنیا کا کوئی بھی لالچ یا اس کی اپنی کمزوریاں اس کے حصول کی راہ میں حائل نہ ہونے پائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین کی دعوت شروع کی تو آپ کے راستہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں جو سیرت طیبہ کا ایک مستقل باب ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے حق بات کی تبلیغ جاری رکھی اور کسی بھی حال میں اس کا انقطاع گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے حق کی خاطر شعب ابی طالب میں تین سال کے لئے محصوری تو گوارا کر لی جس کے دوران آپ کو پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کی فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر

تک سنائی دیتی تھیں۔(۱۵)

سیرت رسول بتاتی ہے کہ حق کے بارے میں انسان کا یقین وایمان اس قدر پختہ ہو کہ کسی بھی لمحے تذبذب کا شکار نہ ہو اور ہر قسم کے مذاکرات کرنے والے کو دوٹوک الفاظ میں حق کے بارے میں بتانے پر قادر ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کے سامنے اپنے چچا ابو طالب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میں یہ کام ہرگز نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردے یا میں اس راستے میں ہلاک ہو جاؤں۔''(۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ ایسی ہی تربیت کی تھی کہ کسی بھی قسم کی سختی یا دین حق کے بارے میں ان کے ایمان کو متزلزل نہ کرسکا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی وہ انہیں مکہ کی پہاڑیوں میں لئے پھرتے۔ رسی کا نشان ان کی گردن میں نمایاں ہو جاتا۔ وادی مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا، مشکیں باندھ کر لکڑی سے پیٹا جاتا۔ دھوپ میں بٹھایا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ ان حالتوں میں بھی وہ احد احد کے نعرے لگاتے (۱۷) آپ کے دیگر صحابہ وصحابیات پر ہونے والے ظلم کی تاریخ پڑھی جائے تو آج کے انسان کا دل دھل جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ حق پر ڈٹے رہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی یہی تھی۔ آپ کا فرمان ہے:

۱۵۔ مبارکپوری۔ صفی الرحمن مولانا۔ الرحیق المختوم (لاہور، مکتبہ سلفیہ، طبع سوم ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء) صفحہ ۱۹۰

۱۶۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب. سیرۃ الرسول (جہلم، جامعۃ العلوم الاثریۃ. طبعہ اول ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء) صفحہ ۱۸۱ مترجم مولانا محمد اسحاق

۱۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۵۵

﴿قل آمنت بالله ثم استقم﴾(۱۸)

''کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم ہو جا۔''

قرآن مجید نے انہی لوگوں کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت دی ہے جن کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون اولئک اصحاب الجنة خالدین فیها جزاء بما کانوا یعملون﴾(۱۹)

''یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر اس پر جم گئے ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ غم ایسے لوگ جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے ان اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔''

آج کے معاشرے کی بڑی ضرورت پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہے کیونکہ آج کی دنیا میں حق کمزور اور ضعیف ہے اور باطل طاقت ور اور بلند ہے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کمزور اور متزلزل ہے اور مسلمانوں پر آزمائشوں کی گہری گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ اہل باطل کے پاس عظیم سلطنتیں بڑی قوتیں اور طاقتیں ہیں جن کے زور پر وہ باطل کی اشاعت اور شکوک وشبہات کے پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ آج عمیق اور پختہ ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہم حق کا حکم بلند کرنے کے لئے زیادہ جدوجہد کرسکیں اور اس دنیا سے ظلم اور ناانصافی کو ختم کر کے معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرسکیں۔ ہمارے سامنے ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان رہنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''دجال آئے گا اور اسے مدینہ کی گلیوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی البتہ وہ مدینہ سے ملحق دلدل زمین میں آئے گا۔ ایک شخص اس کے پاس جائے گا جو کہ بہت اچھا ہوگا وہ اس سے کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم

۱۸۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۳/۴۱۳ عن سفیان بن عبد الله الثقفی

۱۹۔ سورۃ الاحقاف: ۴۶/۱۳، ۱۴

سے حدیث بیان کی ہے۔ اس پر دجال کہے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کر دوں کیا تم پھر بھی شک کرو گے لوگوں نے کہا نہیں۔ وہ اسے قتل کر کے زندہ کر دے گا لیکن یہ مومن شخص کہے گا مجھے اب تو تیرے بارے میں اور بھی یقین ہو گیا ہے کہ تو دجال ہے اس پر دجال اسے دوبارہ قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کر سکے گا۔''(۲۰)

اس حدیث کی شرح میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے بڑے مفید نتائج اخذ ہوتے ہیں یعنی کہ دجال جب الوہیت کا اور اپنے خدا ہونے کا دعوی کرے گا کئی خرق عادت مظاہروں کی بنا پر لوگوں کی ایک بڑی اکثریت اس کی متبع ہو جائے گی اور وہ لوگوں کے سامنے ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کر دے گا۔ زمین کو پیداوار کا حکم دے گا اور زمین سے افرائش ہو جائے گی۔ پانی کو حکم دے گا اور وہ برسنے لگے گا مگر ان حالات میں بھی قوی الایمان مومن کو اس کے دجال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوگا وہ بدستور اپنے ایمان پر قائم رہے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دجال کے دعوے مفاہیم اسلام کے خلاف ہیں اور باطل کسی بھی صورت میں حق نہیں بن سکتا خواہ اس کے لئے کتنے ہی خوارق عادت امور کا مظاہرہ کیا جائے۔(۲۱)

جہالت:

آج کی دنیا میں اس بات پر تقریباً سب ہی لوگوں کا اتفاق ہے کہ جہالت مثالی معاشرے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی مختلف تنظیموں سے لے کر اقوام متحدہ تک سب لوگ جہالت کو دور کرنے پر لگے ہوئے ہیں یہ بات جو دنیا کو آج سمجھ آئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آج سے چودہ سو سال پہلے اس کا اعلان کروا دیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

۲۰۔ محمد بن اسماعیل ،صحیح البخاری.' (القاهره. مکتبة دارالشعب' س.ن)کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینة ۹/ ۷٦ عن ابی سعید الخدری

۲۱۔ عبد الکریم زیدان ۔ اصول دعوت دین (اسلام آباد' ادارہ تحقیقات اسلامی ' طبع ثانی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) صفحہ ۵۲-۵۳ مترجم ساجد الرحمن صدیقی

﴿ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ﴾(۲۲)

''اے نبی ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

یہ سورۂ زمر کی آیت ہے جو مکی سورت ہے۔اس کے زمانہ نزول کے متعلق مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

(آیت نمبر۱۰) وارض اللّٰہ واسعة سے اشارہ نکلتا ہے کہ یہ سورت ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض روایات میں یہ تصریح آئی ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت جعفر بن ابی طالب اوران کے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا عزم کیا۔(۲۳)

یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں ہوئی تھی اور یوں بارہ مردوں اور پانچ عورتوں نے اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے دین کی خاطر آبائی وطن کو خیر باد کہا تھا۔(۲۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم نے اپنی دعوت کے ابتدائی مراحل میں ہی لوگوں کو علم کی اہمیت سے آگاہ کردیا تھا کیونکہ آپ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی جس میں جہالت کا دوردورہ تھا آپ کی بعثت کے وقت صرف ملک عرب میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے باقی سارا معاشرہ ان پڑھ اور اُمّی تھا۔جہالت کو دور کئے بغیر کسی قسم کی دعوتی ترقی ناممکن تھی۔چنانچہ آپ پر وحی کا آغاز ہی جہالت کے خلاف، علم سے ہوا۔علم کے حصول کا ذریعہ چونکہ عام طور پر پڑھنا اور لکھنا ہی شمار ہوتا ہے اس لئے پہلی وحی میں بھی اس کا ذکر کیا گیا۔پہلی وحی کی آیات یہ تھیں۔

﴿ اقرأ باسم ربک الذی خلق o خلق الانسان من علق o اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم o علم الانسان ما لم یعلم o ﴾(۲۵)

''پڑھو(اے نبی)اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے

۲۲۔ سورۃ الزمر ۳۹: ۹

۲۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن(لاہور' ادارہ ترجمان القرآن طبع ششم یکم اپریل ۱۹۸۸ء) ۵/۳۵۴

۲۴۔ ٹھٹھوی۔محمد ہاشم۔ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ(حیدر آباد' لجنۃ احیاء التراث السندی' طبع اول ۱۳۸۶ھ' ۱۹۶۶ء) صفحہ ۱۸

۲۵۔ سورۃ العلق ۹۶: ۱-۵

سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم نازل فرمائی جس کا زمانہ نزول مکہ کا ابتدائی دور ہے۔ اس میں علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قلم اور لکھنے پڑھنے کی قسم کھائی۔ ارشاد الٰہی ہے

﴿ نٓ والقلم و ما یسطرون ﴾(۲۶)

"نٓ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جس سے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔"

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے لوگ تو علم سے دور تھے ہی، یورپ میں بھی تعلیم کلیسا تک محدود کر دی گئی تھی اور برصغیر میں اس کا دائرہ برہمن کی حد تک تھا۔ قدیم مصر اور ایران میں بھی علم عام آدمی کے لئے شجرِ ممنوعہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عام کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

" طلب العلم فریضة علی کل مسلم"(۲۷)

"علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اصحاب علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

" مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم فی السماء یهتدی بها فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم اوشک ان تضل الهداة"(۲۸)

"علماء زمین میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں جن سے خشکی اور تری پر رات کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اگرچہ ستارے چھپ جائیں تو ممکن ہے چلنے والے راستہ بھول جائیں۔"

۲۶۔ سورۃ القلم ۶۸/ ۱-۵

۲۷۔ ابن ماجة، محمد بن یزید القزوینی . السنن (بیروت دارالفکر، سن، ن، مع التعلیق محمد فؤاد عبد الباقی) المقدمة باب فضل العلم والحث علی العلم ۱/ ۸۱ عن انس بن مالک

۲۸۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۳/۱۵۷ عن انس بن مالک

آپ نے کتنی خوبصورت مثال کے ذریعے علم اور علماء کی اہمیت کو اجاگر فرمادیا کہ اس سے کسی شخص کو انکار نہیں پھر یہ بھی فرمایا۔

"بعثت معلماً" (۲۹)

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افلاطون کی طرح تمنا کرنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا کہ اس کے خیالی جمہوریہ کی قیادت جہلاء کی جگہ علماء کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔(۳۰) بلکہ اس کے لئے پوری کوشش بھی فرمائی۔

آپ نے ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیر کو مدینہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ اس وقت تک مدینہ میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ حضرت مصعب ایک مکان کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ نے عبداللہ بن سعید اور عبادہ بن صامت کو اصحاب صفہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور فرمایا۔ مسجد نبوی میں صحابہ کے تعلیمی حلقے بنا کر بیٹھنے کا رواج آپؐ کے سامنے ہی شروع ہو گیا تھا۔(۳۱)

آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر کسی طبقے کی اجارہ داری نہیں تھی بلکہ آپ کا نظام تعلیم مفت اور رضا کارانہ تھا اور یوں مفت اقامتی اور ہمہ وقتی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا تھا آپ نے نصاب تعلیم سے مفید دنیوی علوم خارج نہیں کیئے۔ بعض جنگی صنائع کا علم اور ان کی تربیت حاصل کرنے کے لئے آپ نے بعض صحابہ کو خاص طور پر مامور کیا اس طرح دوسری زبانیں سیکھنے کیلئے آپ نے صحابہ کو مختص کیا۔ زید بن ثابت نے بحکم پیغمبر سریانی اور عبرانی سیکھی۔ دو صحابہ کرام عروہ بن مسعود اور غیلان بن مسلم دبابات اور منجنیق کی صنعت سیکھنے کی وجہ سے جنگ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے خواتین کے لئے مردوں سے الگ تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ خود کو ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم اور ان کے مسائل کے

۲۹۔ سنن الدارمی، کتاب العلم، باب فضل العالم والعلم ۱/۱۰۰

۳۰۔ محمد عمارہ۔ دکتور۔ الاسلام و حقوق الانسان (کویت، عالم المعرفۃ، الطبعۃ الاولی، شعبان ۱۴۰۵ھ/ مئی ۱۹۸۵ء) صفحہ ۷۲

۳۱۔ سنن الدارمی ۱/۱۰۰

جواب دینے کے لئے مختص فرمایااور بعض خواتین کو دوسری خواتین سے لکھنا پڑھنا سیکھنے کی ہدایت فرمائی۔(۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محض ایک ایسی فکر اور فلسفہ نہ تھی جسے آپ نے خوبصورت الفاظ کا خول چڑھا کر اپنے متبعین کے سامنے پیش کر دیا ہو بلکہ وہ ایک متواتر اور عمل پیہم سے عبارت تھی۔آپ کی زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی جس نے دشمنوں تک کے دل جیت لئے اور یوں آپ نے ان پڑھ اور جاہل قوم کو زیور تعلیم سے آراستہ کر دیا کیونکہ تعلیم ہی ایک ایسی بنیاد ہے جس کی وجہ سے زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کی جاسکتی ہے علم نہ ہو تو نہ دین کا کوئی معاملہ کما حقہ استوار ہو سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کے کاروبار بخوبی انجام پا سکتے ہیں۔

اخلاقی پستی:

کردار کی پستی اور اخلاقی گراوٹ آج کے معاشرے کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے،اس کی وجہ سے بے شمار دوسرے معاشرتی' معاشی اور سیاسی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو پوری انسانی زندگی کو الجھنوں کا گورکھ دھندا بنا دیتے ہیں۔اخلاق انسانیت کا زیور اور سماج کی زینت ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت جسد زندگی میں قلب کی ہے جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر وہ ٹھیک رہے تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے دساتیر حیات میں اخلاقی تعلیم و تربیت کا کوئی باب نہیں اور اگر اس نام کی کوئی چیز ہے تو اس کا مسمی کچھ اور ہے ان کا اخلاق اغراض و مصالح کے تابع ہوتا ہے اخلاق کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں اخلاق کو ایک مقصود بالذات کی حیثیت سے کسی دنیوی نظام نے اپنے اندر جگہ نہیں دی یہ صرف آسمانی مذہب جس کی تکمیلی شکل آنحضرت کے پیغام دین اسلام میں ہے' وہ ایک مستقل حیثیت سے موجود ہے آپ نے اپنے ایکفر مائمیں اخلاق عالیہ کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

۳۲۔ مقالات سیرت صفحہ ۶۰-۶۲ مقالہ پروفیسر احمد یار

﴿بعثت لاتمم حسن الاخلاق﴾(۳۳)

''میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔''

آپ نے اخلاق اور حسن سیرت کو ایمانی زندگی کا کمال قرار دیا اور فرمایا:

''اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقا''(۳۴)

''مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کا سرا عبادات سے جوڑ کر اس کی قدر و قیمت بڑھادی تاکہ لوگ دین کی اس جانب کسی غفلت یا تساہل کا شکار نہ ہوں اور اخلاق پر بھی اتنی ہی توجہ دیں جتنی وہ دین کے دوسرے امور عبادات وغیرہ پر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ما من شيئی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق، و ان صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجةصاحب الصوم و الصلاة'(۳۵)

''میزان اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں اور اچھے اخلاق والا آدمی حسن اخلاق سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور ہمیشہ نماز پڑھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اکثر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''اللهم اهدنی لا حسن الاخلاق لا یهدی لا حسنها اِلا انت واصرف عنی سیئها لا یصرف عنی سیئها الاانت''(۳۶)

''اے پروردگار مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت (توفیق) عطا فرما تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی

۳۳۔ مالک بن انس الامام. الموطا، القاهره، عیسی البابی الحلبی و شرکاه . س، ن مع التعلیق محمد فؤاد عبد الباقی) کتاب حسن الخلق، باب ما جاء فی حسن الخلق ۲/ ۹۰۴، عن ابی هریرة

۳۴۔ مسند الامام احمدبن حنبل ۲/ ۵۰ عن ابن عمر

۳۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی حسن الخلق ۴/ ۴۳۶ عن ابی الدرداء

۳۶۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة النبی صلی الله علیه وسلم و دعاؤه باللیل ۲/ ۴۲۸، عن علی بن ابی طالب

راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ مجھ سے برے اخلاق کو تیرے سوا کوئی پھیر نہیں سکتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ عقائد اور عبادات کے بعد تعلیمات نبوی کا تیسرا باب اخلاق ہے۔ اخلاق سے مراد لوگوں سے شائستگی سے پیش آنا ان سے اچھے طریقہ سے معاملات کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو ہر چیز سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہو جاتا ہے، اس تعلق کی بنا پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو بحسن وخوبی انجام دینے کا نام اخلاق ہے۔

آپ کی بعثت کے وقت معاشرے میں حقوق وفرائض کو اچھے طریقہ سے انجام دینے کا نہ صرف فقدان تھا بلکہ وہ ہر قسم کے برے اخلاق کی آماجگاہ بن چکا تھا اس کا بہترین نقشہ حضرت جعفر طیار نے شاہ حبشہ کے دربار میں کھینچا تھا۔ انہوں نے کہا:۔

''اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ نجاست میں آلودہ تھے' مردار کھاتے تھے' بیہودہ گفتگو کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا' ہمسایہ کی رعائت نہ تھی' کوئی قاعدہ وقانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب' نسب' سچائی' دیانتداری' تقوی اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے' اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ ایک اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولیں' وعدہ پورا کریں گناہوں سے دور رہیں۔ برائیوں سے بچیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں' صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں ہماری قوم ان باتوں پر ہم سے بگڑ بیٹھی۔''(۳۷)

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو اس وقت تک دولت اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ حضور کی اخلاقی دعوت کا جو نقشہ کھینچا تھا اس میں تسلیم کیا تھا کہ آپ اس بات کی تلقین کرتے تھے

۳۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/۵۸

کہ ہم پاکدامنی اختیار کریں، سچ بولیں اور قرابتوں کا حق ادا کریں۔(۳۸)

آپ کی انہی تعلیمات کی بنا پر قرآن مجید نے صاف صاف کہا اور دوست اور دشمن سب کے مجمع میں کہا:۔

﴿ ان لک لاجرا غیر ممنون o و انک لعلی خلق عظیم﴾(۳۹)

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ کا اجر کبھی ختم نہ ہونے والا ہے، اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔''

آپ نے صرف اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینے پر ہی اکتفا نہیں فرمائی بلکہ جیسا کہ قرآن گواہ ہے خود اس تعلیم کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ اخلاق سے گرے ہوئے اس معاشرے میں نبی اکرم ﷺ کے بلند اخلاق سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ آپ کا بہتر اخلاق ہی تھا جس نے بالآخر مخالفین کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کے مخالفین نے آپ کے اخلاقی رعب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور آہستہ آہستہ پورے معاشرے پر آپ کے اعلیٰ اخلاق کا رنگ غالب آ گیا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج پھر سے معاشرے کو مثالی بنانے کیلئے اخلاقی پستی سے نکال کر اس رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت رسول پر عمل پیرا ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

غربت وافلاس:

دنیا میں بسنے والے سب انسانوں کی تقدیر کبھی یکساں نہیں رہی۔ سوسائٹی میں حکمران و رعایا قوی وضعیف، بیمار وصحت مند اور غریب و دولت مند، نہ جانے کتنے ہی طبقات شروع سے ہی چلے آ رہے ہیں۔ یہ طبقات باہمی افہام وتفہیم اور آپ کے تعاون سے امن کی زندگی گزارتے رہے۔ اگر کبھی بدامنی پھیلی یا سماجی توازن میں خلل پیدا ہوا تو اسکی وجہ یہی تھی کہ ایک فرد نے دوسرے فرد پر ایک قبیلے نے دوسرے پر یا قوی نے ضعیف پر ناجائز طور پر اپنی مرضی چلانا چاہی اور ہوس میں آ کر ظلم واستبداد کا رویہ اختیار کیا جس سے غریب اور مفلس طبقے کی حالت بگڑتی ہی چلی گئی۔ تاریخ کے ہر دور میں مختلف ادیان اور اصحاب فلسفہ

۳۸۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی ﷺ (لاهور. مکتبه تعمیر انسانیت، طبع اول، س ن) ۱/۴۳۲

۳۹۔ سورۃ القلم ۶۸/۳-۴

نے اپنے اپنے دور میں غربت وافلاس کو ختم کرنے کے لئے کوششیں کیں تا کہ فقراء کے دکھوں کا مداوا کر سکیں لیکن کوئی بھی کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہوسکتا۔ افلاطون کا بھی یہی تصور تھا کہ اس کے مثالی جمہوریہ میں غربت وافلاس نہ ہو لیکن عملاً ایسا نہ ہوسکا۔(۴۰)

نبی کریم ﷺ جس معاشرے میں تشریف لائے وہ افلاس کی چکی میں پس رہا تھا۔ اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ طاقت ور کو ضعیف پر ظلم کرنے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے مختلف سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کی اس طرف توجہ دلائی اور بالآخر ایک انجمن قائم ہوگئی جس کے منشور میں یہ بھی شامل تھا کہ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے اور زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کیلئے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔''(۴۱)

غربت کے خاتمے کے لئے آپ کی یہ کوشش زمانہ نبوت سے پہلے کی تھی زمانہ نبوت میں تو آپ نے اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اس کا مکمل طور پر قلع قمع کر دیا۔

اپنی دعاؤں میں آپ نے غربت وافلاس سے خدا کی پناہ مانگی۔ آپ کے دعائیہ کلمات ہیں:

﴿اللھم انی اعوذبک من الفقر و القلة و الذلة و اعوذبک من ان اظلم و اظلم﴾(۴۲)

''اے اللہ میں غربت وافلاس اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں ظلم کرنے اور اپنے اوپر ظلم کئے جانے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت وافلاس سے خدا کی پناہ تھی کہ غربت وافلاس انسان کے عقیدے اور اخلاق دونوں کو خراب کر دیتا ہے۔ اس کے گھر کا امن تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اس کے افکار منتشر رہنے

۴۰۔ القرضاوی، یوسف دکتور، مشکلة الفقر و کیف عالجها الاسلام (القاهره، مکتبة وهبة، الطبعة الخامسة شوال ۱۴۰۶ھ/ یونیو ۱۹۸۶ء) صفحه ۳

۴۱۔ رحمة للعالمین ۱/۴۳

۴۲۔ مسند احمد لامام احمد بن حنبل ۲/۳۰۵ عن ابی هریرة

لگتے ہیں۔غربت کے بارے میں ایک مشہور قول ہے کہ کفر نے غربت سے کہا کہ جب تو کسی جگہ جائے تو مجھے بھی ساتھ لے جانا کیونکہ لوگ تیرے ساتھ مجھے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔''(۴۳)

غربت وافلاس کے خاتمے کے لئے آپ کا کردار آپ کی سیرت طیبہ کا ایک مستقل باب ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غربت وافلاس کے تدارک کے لئے چار مختلف تدابیر اختیار فرمائیں۔

1۔ آپ نے ہر شخص کو اپنی روزی کمانے کی ترغیب دی۔دوسروں سے سوال کرنے اور دوسروں پر بوجھ بننے سے منع فرمایا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿الید العلیا خیر من ید السفلی﴾(۴۴)

''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔''

2۔ آپ نے روزی کمانے اور خرچ کرنے کی ضروری آزادی دی اور ساتھ ہی ضروری پابندیاں بھی عائد کیں تاکہ توازن برقرار رہے۔

3۔ آپ نے حاجت مند افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دولت مندوں کو اخلاقی ہدایات دیں اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس شخص کے پاس قوت اور طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہئے کہ زائد سامان کمزور کو دے دے اور جس کے پاس کھانے پینے کا سامان ضرورت اور حاجت سے زائد ہو اسے چاہئے کہ زائد سامان حاجت مندوں کو دے دے''

حدیث کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اسی طرح مختلف قسم کے مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے زائد مال پر کسی قسم کا حق نہیں۔''(۴۵)

۴۳۔ مشکل الفقر و کیف عالجها الاسلام صفحه ۱۲

۴۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی الاستعفاف ۲/ ۳۷۲ عن ابن عمر

۴۵۔ ابن حزم، علی بن احمد بن حزم. المحلی(القاهره، مکتبة انصار السنة المحمدیة، طبعة ۱۳۴۸ھ مع تحقیق احمد شاکر) ۶/ ۱۵۸

4۔ حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کو قانونی ذمہ داریوں کا پابند کیا۔

مندرجہ بالا چاروں تدابیر معاشی نظام کی تفصیلات طے کرنے کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

کاہلی وسستی:

معاشرے کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ کاہلی وسستی بھی ہے جب تک اسے دورنہیں کیا جائے گا وہ کبھی مثالی معاشرہ نہیں بن سکے گا۔مثالی معاشرہ بنانے کیلیئے محنت کرنا پڑتی ہےاوروہ بھی لگا تار،اور یہ کاہل اورست لوگوں کے لئے ایک مشکل کام ہے۔دراصل آج کا معاشرہ اپنے نت نئے مسائل کے حل کا خواہاں ہےلیکن اس کیلیئے وہ جوتدبیریں کرتا ہے وہ الٹی ثابت ہوتی ہیں اورمنزل کےتعین کے باوجود وہ صحیح راستہ اختیار کرنے سے قاصر رہتا ہےتو مایوس ہو جاتا ہےجس کی وجہ سےسستی اور کاہلی اس پر غالب آتی جاتی ہے۔قرآن مجید نے اس کا بڑاعمدہ نقشہ پیش کیا ہے۔ارشادربانی ہے:

﴿ان تصبهم سيئة بما قدمت ايديهم اذا هم يقنطون﴾(۴۶)

''اور جب ان کے لئے اپنے کرتوتوں کی وجہ سےان پر کوئی مصیبت آتی ہےتو یکا یک وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔''

ایک دوسری جگہ قرآن مجید نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

﴿اذامسه الشر فيئوس قنوط﴾(۴۷)

''اور جب کوئی آفت اس پر آجاتی ہےتو وہ مایوس ودل شکستہ ہو جاتا ہے''معاشرے کے افراد جب کاہل اورست ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ایسی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں جن کی وجہ سے بلا مشقت ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں جیسے جادوٹونہ اور جوااورسٹہ وغیرہ۔

نبی اکرم ﷺ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے اس میں دوسری خرابیوں کے ساتھ کاہلی اور سستی کا مرض بھی تھا۔قاضی سلیمان منصور پوری اس معاشرے کےمتعلق رقمطراز ہیں۔

۴۶۔ سورۃ الروم ۳۰: ۳۶

۴۷۔ سوۃ فصلت ۴۱: ۴۹

"بے کاری اور کاہلی نے جوا اور شراب کی عادت پیدا کردی تھی اور طبیعت ثانیہ بنا دی تھی۔"(۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کاہلی اور سستی سے نکالا اور انہیں قانون فطرت کا یہ قاعدہ بتایا کہ:

﴿ ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم ﴾(۴۹)

"اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل لیتی۔"

اس الٰہی قاعدے کے مطابق آپ نے اپنے معاشرے کو کاہلی اور سستی سے نکال کر محنت کے راستے پر ڈالا۔ جادو اور ٹونہ جو کاہل اور سست لوگوں کے لئے غیبی امداد کا ذریعہ تھا آپ نے اسے شرک قرار دیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

﴿من عقد عقدة ثم نفث فيها فقد سحر. ومن سحر فقد اشرك﴾(۵۰)

"جس نے دھاگے کی گرہیں باندھ کر اس پر پھونکیں ماریں تو اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا۔"

کاہل اور سست لوگ اپنے غم بھلانے کے لئے شراب پیتے ہیں اور لوگوں کا مال ہتھیانے کے لئے جواء کھیلتے ہیں۔ آپ نے وحی الٰہی کے ذریعے ان کا یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون○﴾(۵۱)

"یہ شراب، جوا، یہ آستانے، پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔"

۴۸۔ رحمة للعالمين ۱/۳۰

۴۹۔ سورة الرعد ۱۳/۱۱

۵۰۔ النسائی. احمد بن شعيب ابو عبد الرحمن . السنن (بيروت دار الفكر' سن' من . مع شرح الحافظ . جلال الدين السيوطی و حاشية السندی) كتاب تحريم الدم' باب الحكم فی السحرة ۷/۱۱۲ عن ابی هريرة

۵۱۔ سورة المائده ۵/۹۰

آپ نے خود بھی محنت کی۔ بچپن میں آپ نے بکریاں چرائیں جوانی میں تجارت کی حضرت خدیجہ کا مال لے کر تجارت کی غرض سے ملک شام تک کا سفر کیا۔ اسی طرح آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی محنت کے راستے پر لگایا۔ اور فرمایا:-

"ما اکل احد منکم طعاماً احب الی اللہ عزوجل من عمل یدہ" (۵۲)

"کسی بھی شخص کے کھانے کیلئے اس کی اپنی محنت سے کمائے ہوئے لقمے سے بہتر کوئی لقمہ نہیں ہے۔"

آپ کی اپنی زندگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ہمہ وقت یا تو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے یا امت کے کاموں میں اس میں کاہلی اور سستی کو ذرا دخل نہ تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی جو جماعت تیار کی اس کی بھی یہی حالت تھی ۔ یہ آپ کی تربیت کا کمال تھا کہ معمولی سے عرصے میں یہ محنتی جماعت انسانی زندگی کے ہر میدان میں چھا گئی کیونکہ آپ نے اسے ہمہ وقت کام کرنے والی جماعت بنا دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"خیر العمل ادومھا وان قل" (۵۳)

"بہترین کام وہ ہے جسے آدمی ہمیشہ کرے اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔"

معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے آج ہمیں بھی کاہلی وسستی کو خیر باد کہہ کر دائمی محنت کا راستہ اپنانا ہوگا اور یہی سیرت رسول بھی ہے۔"

خودغرضی:

آج کے معاشرے کی ایک خرابی خودغرضی بھی ہے۔ ہر آدمی سب کچھ اپنی ذات کے لئے کر رہا ہے جو دراصل مادیت کی دوڑ میں شریک ہونے کا نتیجہ ہے۔ اب اسے اپنے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ مثالی معاشرے کے افراد تو اپنے آپ کو ایک دوسرے سے مربوط تصور کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشی

۵۲۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۱۳۱/۴ عن المقدام بن معدی کرب

۵۳۔ سنن ابن ماجۃ. کتاب الزھد' باب المداومۃ علی العمل ۱۴۱۷/۲ عن ابی ھریرۃ

اور غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جو معاشرہ تشکیل دیا تھا اس کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، جسے آپ نے اپنے الفاظ میں بھی یوں بیان فرمایا:

"لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ"(۵۴)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

اس حدیث پاک کے ہوتے ہوئے خود غرضی تو مسلمان کے قریب بھی نہیں آسکتی۔ اگر اس میں خود غرضی آجاتی ہے تو وہ اس کے ایمان کی نفی کرتی ہے اور مسلمان کو اپنا ایمان ہر وقت ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ آپ کے صحابہ ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد میں مشغول رہتے تھے کیونکہ ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا:

"المسلم اخ المسلم لا یظلمه ولا یسلمه، من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته، ومن فرج عن مسلم کربة فرّج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة، ومن ستر علما ستره الله یوم القیامة"(۵۵)

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم ہونے دیتا ہے جو کوئی اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے اور جو کسی کی کوئی مشکل دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مشکلات کو آسان فرماتا ہے اور جو کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر قیامت کے روز پردہ ڈال دیں گے۔"

آپ نے صرف اپنے متبعین کو دوسروں کی مدد کرنے کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود کو اس میدان میں سب سے آگے رکھا جس سے آپ کے اس مثالی معاشرے میں جسے آپ نے مدنی زندگی میں تشکیل دیا تھا خود غرضی کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

۵۴۔ سنن مصدر، المقدمة باب فی الایمان ۲۶/۱ عن انس بن مالک

۵۵۔ صحیح البخاری، کتاب الاکراه، باب یمین الرجل لصاحبه انه اخوه ۲۸/۹ عن ابن عمر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی 7ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے تمام عمر کسی سائل کے سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا کبھی کوئی چیز تنہا نہ کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز کیوں نہ ہوتی آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔''(۵۶)

اگر آج بھی آپ کے اس وصف کی پیروی کر لی جائے تو مثالی معاشرہ خود بخود بننا شروع ہو جائے گا۔

تعصب:

مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ اس کے اندر پائے جانے والے تعصّبات ہیں۔ کوئی ایک تعصب ہو تو کسی کے لئے اس کا علاج کرنا بھی ممکن ہو یہاں تو طرح طرح کے تعصّبات پائے جاتے ہیں ان کا علاج کون کرے؟

حقیقت یہ ہے کہ انسان نے جب بھی الٰہی تعلیمات سے روگردانی کی اور انبیاء کی سیرتوں سے انحراف کیا تو اس کی زندگی تعصّبات سے بھر گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں نے آج تک اپنے سوا سب کو نیچ اور ناپاک قرار دے رکھا ہے۔ خود کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کر لی ہے۔ قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اس طرح قائم تھیں۔ بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دے لیا تھا اور باقی سب کو چنڈال۔ آج یورپ کا حال سب کے سامنے ہے کہ سفید رنگ کے آدمی کو تہذیب وتمدن کا ٹھیکے دار قرار دے دیا گیا ہے اور کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں۔ بعض

۵۶۔ ندوی سید سلیمان خطبات مدراس (کراچی محمد سعید اینڈ سنز سن ن) صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰

مقامات پر تو وہ سفید رنگ کے لوگوں کے محلوں میں بھی نہیں رہ سکتیں انسانی محبت و مساوات کے دعوؤں کے باوجود یہ لوگ حقیقت انسانیت سے کوسوں دور ہیں۔حقوق دنیاوی سے گزر کر ان کے یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ۔خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ان تمام تعصّبات کا علاج صرف پیغام محمدی میں ہے۔

آپ کی بعثت ہوئی تو آپ نے لوگوں کے سامنے وحی ربانی کے ذریعے اعلان فرما دیا۔

﴿ یـایھـا الناس ان خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ﴾(۵۷)

''اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اس لئے بنا دیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ و مـا امـوالـکـم و لا اولادکـم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ الا من آمن و عمل صـالحا فاولئک لهم جزاء الضعف بما عملوا ﴾(۵۸)

''نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے نزدیک (بلند) کردے لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس نے اچھا کام کیا اس کو اپنے کام کا دگنا بدلہ ملے گا۔''

آپ نے اپنی تعلیم کے ذریعے ہر قسم کے تعصب کو ردّ فرمایا۔فتح مکہ کے موقع پر آپ نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ یـا معشر قریش ان اللہ اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیة و تعظیمھا بالاباء الناس

۵۷۔ سورۃ الحجرات ۱۳/۴۹

۵۸۔ سورۃ سبا ۳۷/۳۴

من آدم و آدم من تراب﴾(۵۹)

''اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور' اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

اپنے آخری خطبے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

﴿لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی الا بالتقوی﴾(۶۰)

''عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔''

آپ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا۔ حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں کیا۔ پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں' غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں۔ خدا کے آگے سب برابر ہیں۔ یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناتا ہر ایک سے ہوسکتا ہے علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی آپ کی اپنی تعلیمات کے مطابق تھی۔ آپ کی محفل میں دنیا کے مختلف خطوں کے افراد موجود تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ کا تعلق حبشہ سے تھا تو صہیب کا روم سے اور سلمان کا فارس سے۔ مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے انصار سب ایک ہی جگہ رہتے تھے کسی میں بھی ایک دوسرے کے خلاف ادنیٰ تعصب کا شائبہ نہ پایا گیا۔ کیونکہ تربیت محمدی نے ان میں سے ہر تعصب کو نکال دیا تھا اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر صرف مال ہی نہیں بلکہ جان بھی نچھاور کرتا تھا جس کی مثالوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

آج بھی ہمیں ہر قسم کے تعصّبات سے نجات کے لئے پھر سے سیرت محمدی پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ایک مثالی معاشرہ بنا سکیں۔

۵۹۔ رحمة للعالمین ۱/ ۱۲۰

عدل وانصاف کا فقدان:

عدل وانصاف کا فقدان بھی مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔عدل کے قائم کئے بغیر کبھی کوئی معاشرہ مثالی ہی نہیں بن سکتا. اس لئے مصلحین نے ہمیشہ عدل کو قائم کیا۔ جب بھی معاشرے سے عدل غائب ہوا تو اس میں ابتری پھیل گئی۔آج کے معاشرے میں پھیلی ہوئی ابتری کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ یہ صرف عدل وانصاف ہی سے ختم ہوسکتی ہے۔آپ کی بعثت کے وقت بھی عالم انسانیت ظلم وجور، قتل وغارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا۔آپ ﷺ نے عدل وانصاف قائم کر کے معاشرے کو تمام برائیوں سے پاک کردیا وحی ربانی کے ذریعہ آپ نے اعلان فرمایا:۔

﴿ یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ و لو علی انفسکم والوالدین والاقربین ان یکن غنیاً او فقیراً فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلووا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراً﴾(۶۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

اس کے بعد اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ و لا یجر منکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی﴾(۶۲)

''کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔عدل کرو یہ خدا ترسی سے

۶۰۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۵/۱۱ حدیث رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۶۱۔ سورۃ النساء ۴/ ۱۳۵

۶۲۔ سورۃ المائدۃ ۵/۸

زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔''

آپ کی پوری زندگی عدل وانصاف کی آئینہ دار تھی۔زندگی کے ہر شعبہ میں آپ عدل وانصاف پر عمل پیرا تھے۔سیرت رسول میں ہمیں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں۔آپ قانون الٰہی کے نفاذ میں بہت سختی فرماتے تھے اور اسے نافذ کئے بغیر چین سے نہ بیٹھتے تھے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے (جو خاندان بنی مخزوم سے تھی) چوری کی۔عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کریں۔انہوں نے آپ سے معافی کی درخواست کی تو آپ نے غضب آلودہ ہوکر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔(۶۳)

﴿تعارضوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب﴾(۶۴)

''آپس میں ایسے گناہوں کو معاف کر دیا کرو جن سے حد لازم آتی ہے لیکن مجھ تک جو واقعہ پہنچے گا تو اس کی سزا ضرور دی جائے گی۔''

عدل وانصاف کی انتہاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ کفار کے معبودان باطل کو بھی برا نہ کہیں۔ایسا نہ ہو کہ وہ نادانستہ طور پر خدا کو برا کہہ بیٹھیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم﴾(۶۵)

''اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی خدا کو بے ادبی سے بغیر علم کے برا کہہ بیٹھیں۔''

۶۳۔ سیرۃ النبی ﷺ ۲/۲۸۳

۶۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب العفو من الحدود ما لم تبلغ السلطان ۴/ ۳۳۳، عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص

۶۵۔ سورۃ الانعام ۶/۱۰۸

اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود جو آپ کے شدید ترین مخالف تھے اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہ میں لاتے تھے اوران کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔آج بھی معاشرے کومثالی بنانے کے لئے اس عدل وانصاف کو واپس لانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت نبوی پرعمل کے بغیر چارہ نہیں۔

عدم تحفظ:

مثالی معاشرے کی راہ میں رکاوٹ اس کے افراد کے اندر پایا جانے والا عدم تحفظ کا احساس بھی ہے۔آج کے معاشرے میں کوئی بھی شخص محفوظ نہیں ہے۔اس کوقتل کیا جاسکتا ہے۔لوٹا جاسکتا ہے۔اس کی بےعزتی کی جاسکتی ہے۔وہ کسی بھی تخریب کاری کا نشانہ بن سکتا ہے۔غرضیکہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔یہ حالت اس وقت کسی ایک ملک کی نہیں ہے دنیا کے اکثر ممالک اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آج دنیا کو ایک پرامن معاشرے کی ضرورت ہے جس میں ہر فرد کو اس کا حق ملے اور اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو محفوظ پائے۔امن وسلامتی کی اسی فضا کو رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو مہیا فرمایا تھا۔مدینہ کا ہر شخص مومن ہو یا غیر مومن اپنے آپ کو مدنی معاشرے میں محفوظ سمجھتا تھا۔ کسی کو بھی نہ تو اپنے بارے میں کوئی فکر تھی اور نہ اپنے اہل وعیال اورعزیز واقارب کے بارے میں عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر میں نے آپ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ سنے:

﴿افشوا السلام﴾ "پیغام امن وسلامتی کو عام کرو۔"(٦٦)

اس کے بعد آپ نے مومن کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی شخصیت کا حصہ قرار دے دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده﴾

٦٦۔ سنن ابن ماجه . كتاب الاداب، باب افشاء السلام ٢/١٢١٨ عن ابى هريرة و عن عبد الله بن عمرو

"مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان اپنے آپ کو محفوظ و مامون پائیں۔"(٦٧)

صلح حدیبیہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کا مقصد محض فتنہ کو ختم کرنا اور آزادی کے عقیدہ کو منوانا تھا۔ اس موقع پر صحابہ کرام ظاہری فتح وغلبہ کے متوقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پرامن معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا، اسلئے کہ اس معاہدے کی ایک شق کے ذریعہ فتنہ کا سد باب کر کے فریقین نے ایک دوسرے کی آزادی کے عقیدہ کو تسلیم کرلیا تھا۔ میثاق مدینہ آپ کی امن پسندی اور آزادی دین اور عقیدہ کی واضح مثال ہے اس میں آپ نے یہود کو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بعض شرائط کا پابند کیا تا کہ مدینہ کا داخلی امن محفوظ ہو جائے اور اس کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی عدم تحفظ کے احساس کا شکار نہ ہو اور سب امن وآشتی کے ماحول میں آزادی سے رہ سکیں۔ آپ نے کبھی بھی کسی طالب امن کو امن سے محروم نہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ پیغمبر امن وسلامتی نے تمام جہاں کے انسانوں کو محفوظ اور پرامن معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی اور خود اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا کیونکہ محفوظ اور پرامن انسانی معاشرہ ہی ترقی کے لئے سب سے اہم چیز ہے۔

رب العالمین سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہو کر ہمیں اپنے معاشرے سے ان سب رکاوٹوں کو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تا کہ وہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے۔ آمین

یارب العالمین

٦٧۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام ١/٦٢١ عن جابر و عن ابی موسی

غربت وافلاس کا خاتمہ۔سیرت طیبہ کی روشنی میں

* حافظ محمد سعد اللہ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم اما بعد!

اس وقت ساری دنیا کو بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص درپیش سنگین اور تشویش ناک مسائل میں سے ایک اہم اور فوری غور وفکر اور مؤثر حل کا متقاضی مسئلہ جس نے اکثر لوگوں کا دم ناک میں بلکہ اب تو خودکشیوں پر مجبور کر رکھا ہے۔ وہ غربت وافلاس کا مسئلہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں اللہ کریم کے پیغمبر اعظم وآخر اور رسول رحمت ورفت سیدنا ومولانا محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیه التحیة والتسلیم نے ہمارے لئے کوئی نمونہ، کوئی رہنمائی اور اصولی ہدایات نہ چھوڑی ہوں۔ بقول حالیؒ ؎

سکھائے معیشت کے آداب سب ان کو　　　　پڑھائے تمدن کے باب سب ان کو

بنابریں زیر نظر مقالے میں غربت وافلاس کے اس پریشان کن مسئلے کا حل حضور رحمۃ للعالمین انیس الغریبین محبّ الفقراء والمساکین ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اور آپ سوائے علمی کوشش کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں اب تک ماشاءاللہ اتنی قابل قدر مساعی ہو چکی ہیں کہ ان کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی علمی رکاوٹ یا ابہام نہیں۔ ہمارے محترم ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے اس سیرت سیمینار کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کر دیا ہے۔ اللہ کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہر کیف ؎

اِک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک　　　　اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

راقم ناچیز اس مقالے میں پہلے عالمی اقتصادی صورت حال خصوصاً پاکستان اور عالم اسلام کی معاشی زبوں

---

* ایڈیٹر سہ ماہی منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

حالی کا سرسری سا جائزہ اور اس اقتصادی زبوں حالی کے بنیادی اسباب و وجوہات عرض کرے گا اور آخر میں سیرت طیبہ اور اسوۂ نبوی ﷺ کے حوالے سے اس گھمبیر مسئلے کا حل پیش کرے گا۔

عالمی اقتصادی صورت حال:

روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۴ ستمبر ۹۹ء کی ایک مصدقہ خبر کے مطابق عالمی بنک کے صدر جیمز وولفن نے عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈز کے حکام کے مشترکہ سالانہ اجلاس خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت کی دنیا کل آبادی کوئی چھ ارب ہے جس میں نصف کی سالانہ آمدنی دو ڈالر ہے جبکہ ایک ارب ۳۰ کروڑ عوام کی روزانہ آمدن ایک ڈالر ہے۔ اس وقت دو ارب لوگ انتہائی غربت سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں انہوں نے کہا کہ امیر ملکوں کا فرض ہے کہ وہ غریب لوگوں کی امداد کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سنٹر اسلام آباد کی رپورٹ کے مطابق جنوبی ایشیا میں فی کس قومی آمدن (۱۹۹۳ء میں ۳۰۹ ڈالر) دنیا کے تمام خطوں سے کم ہے۔ عالمی بنک کے مطابق اس خطے کے ۵۰۰ ملین افراد غربت کی انتہائی حد سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ آبادی ہے جو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں کر پاتی۔ اگرچہ جنوبی ایشیا آبادی کے لحاظ سے دنیا کی آبادی کا ۲۲ فیصد ہے۔ لیکن آمدنی کے حوالے سے اس کا حصہ صرف ۳.۱ فیصد ہے اور دنیا کے ۴۰ فیصد غریب لوگ جنوبی ایشیا میں بستے ہیں۔
(روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۸۔ستمبر ۱۹۹۹ء از مضمون ''خواب جہالت کب ختم ہوگا''

اسی طرح تقریباً ایک ارب آبادی والا پڑوسی ملک بھارت بھی شدید ترین غربت کا شکار ہے۔ زی ٹی وی نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق سرکاری حکام نے تسلیم کیا ہے کہ بھارت کے ۳۹ فیصد افراد شدید مفلس ہیں جبکہ غیر سرکاری اداروں نے یہ تعداد پچھتر (۷۵) فیصد بتائی ہے۔ یعنی بھارت کے ۷۵ فیصد افراد مفلسی کے درجہ سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۷ ستمبر ۹۹ء)

پاکستان کی معاشی زبوں حالی:

پاکستان کی معاشی زبوں حالی کا اندازہ عالمی بنک آئی ایم ایف اور سٹیٹ بنک کی اس حالیہ

تشویش سے لگایئے جو روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ء میں نمائندہ خصوصی سکندر لودھی کے حوالے سے جلی سرخی میں شائع ہوئی ہے۔ اخبار لکھتا ہے:۔

''پاکستان اقتصادی طور پر کئی بنیادی مسائل سے دوچار ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی اور مقامی طور پر ''ڈٹ ٹریپ'' میں آ گیا ہے اور اسے اب پہلے سے حاصل کردہ قرضوں کی واپسی کے لئے نئے قرضے حاصل کرنے پڑ رہے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اس وقت پاکستان کے جی ڈی پی کا ۹۰ فیصد حصہ قرضوں کی واپسی پر خرچ ہو رہا ہے اور دوسری طرف سود کی ادائیگی کے اخراجات بھی دفاعی اخراجات سے ۳۵ ارب سے ۴۰ ارب روپے زائد بڑھ چکے ہیں۔ اس وقت پاکستان سالانہ ۱۷۰ ارب ۱۸۰ ارب روپے ملکی و غیر ملکی قرضوں کے صرف سود کی ادائیگی پر صرف کر رہا ہے۔ جبکہ پاکستان کے دفاعی اخراجات ۱۳۵ ارب روپے تک اس کے برعکس قومی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ڈیڑھ کھرب روپے سے زائد کے قرضے ساڑھے سات سو سے زائد بڑے بڑے صنعتکاروں، تاجروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے ہضم کر لئے ہیں۔ جن میں بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر کئی وزراء ممبر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین بھی شامل ہیں۔ جن کی فہرست سٹیٹ بنک کی طرف سے پچھلے دنوں قومی اسمبلی کو بھی بھجوائی جا چکی ہے۔ اس صورتحال پر عالمی بنک' آئی ایم ایف' سٹیٹ بنک اور دیگر اہم مالیاتی اداروں کے حکام نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی حیثیت ان وجوہ کی بنا پر ''بیمار'' سے ''بیمار تر'' ہوتی جا رہی ہے جس کو دور کرنے کے لئے ٹیکسوں کے ریٹ میں کمی' ٹیکسوں کی بنیاد میں توسیع اور صدر سے لے کر وزیراعظم اور ہر سطح پر اخراجات میں کمی ضروری ہے۔ ورنہ آنے والے چند برسوں میں ہی پاکستان میں مہنگائی' غربت' بیروزگاری' اخلاقی اور سماجی جرائم اور دیگر قومی مسائل میں حد درجہ اضافہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے پاکستان میں عملاً غیر ملکی سرمایہ کاری آنی بند ہو جائے گی اور پہلے سے موجود صنعتیں اور کاروبار بند ہو جائے گا جس سے حکومت کو اپنے روز مرہ اخراجات کے لئے بیرونی ذرائع سے قرضہ کے حصول میں دشواریاں بڑھ جائیں گی ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان اندرونی و بیرونی طور پر ۴۳۷۸ ارب روپے سے زائد کا مقروض ہے جس میں ۲۳۵۰ ارب روپے سے زائد کا مقامی قرضہ اور ۲۰۲۸ ارب روپے سے

زائد مالیت کا بیرونی قرضہ بھی شامل ہے۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق پچھلے دو تین برسوں میں پاکستان کے قرضوں کے بوجھ میں ۹ کھرب روپے سے زائد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ فی کس آمدنی جو ۹۵/۱۹۹۴ء میں ۵۰۸ ڈالر تھی وہ ۹۹۔۱۹۹۸ء میں کم ہو کر ۴۸۳ ڈالر رہ گئی ہے اور غربت کی شرح جو ۱۹۹۰ء میں ۲۵ فیصد تھی ۱۹۹۹ء میں بڑھ کر ۸۹ فیصد ہو چکی ہے۔ اس طرح پاکستان کی ۹۸ فیصد آبادی مہنگائی اور غربت کی زد میں آچکی ہے۔ ماہرین کے مطابق اس وقت پاکستان کی آبادی ۱۳ کروڑ ۴۵ لاکھ سے زائد ہے جس میں صرف ۳ کروڑ ۸۶ لاکھ افراد برسرِ روزگار ہیں جبکہ بے روزگاری کے شرح جی ڈی پی کے مطابق ۶۱ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اس حساب سے پاکستان میں بے روزگار افراد کی تعداد ۸۲ لاکھ چار ہزار دو سو سے زائد ہو چکی ہے جن میں اکثریت گریجوایٹس اور پروفیشنلز اداروں کے فارغ التحصیل طلباء کی ہے۔"

اس کے بعد اس غربت و افلاس، بے روزگاری اور معاشی زبوں حالی کی اصل وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کی تفصیل کے لئے مندرجہ بالا اخبار دیکھا جاسکتا ہے۔

ملک عزیز کے اندر افلاس، خستہ حالی اور بنیادی ضروریات سے عام محرومی کا نقشہ معروف دانشور اور کالم نگار صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے خوب صورت الفاظ میں قابل سماعت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"۱۹۹۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہیومن ڈویلپمنٹ کے اعتبار سے پاکستان ۱۳۸ ویں نمبر پر ہے۔ جبکہ کنیڈا پہلے، فرانس دوسرے ناروے تیسرے، امریکہ چوتھے اور برطانیہ چودھویں نمبر پر ہے۔ چین ۳۵ نمبر پر ہے۔ ہیومن ڈویلپمنٹ کا مطلب ہے کہ کوئی معاشرہ صنعتی ترقی، معاشی انصاف، معاشرتی اقدار، انسانی حقوق کے معیار، روزگار کے مواقع اور دیگر بنیادی سہولیات کے لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔ اب یہ کوئی انکشاف نہیں بلکہ معلوم حقیقت اور معروف مشاہدہ ہے کہ پاکستان کی صنعت اس وقت عالم نزع میں ہے۔ معاشی انصاف کی حالت یہ ہے کہ چالیس فیصد آبادی غربت کی انتہائی حد سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ معاشرتی اقدار سخت بحران کی زد میں ہیں۔ انسانی حقوق کا معیار بہت پست ہے روزگار کے مواقع پر برسوں سے پابندی ہے۔ رہ گئیں دیگر بنیادی سہولیات تو ان کا ذکر دل دکھانے کو کافی ہے۔ ہسپتال بذات خود بیمار ہیں سکول ناکافی، سڑکیں خستہ اور ٹرانسپورٹ علیل ہے" (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵

ستمبر ۹۸ء)

روز نامہ نوائے وقت مورخہ ۲۲ اپریل ۹۹ء کے اداریہ میں ایک خاص واقعہ کے حوالے سے ملکی معاشی صورت حال کا جو فکر انگیز مفصل اور مبنی برحقیقت تجزیہ کیا گیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

دوسرے اسلامی ممالک کی اقتصادی پسماندگی:

اسلامی ممالک میں بعض ملکوں مثلاً سعودی عرب اور کویت وغیرہ کو بلا شبہ امیر ملکوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اسلامی ممالک کی اکثریت مثلاً بنگلہ دیش، افغانستان، سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں لوگ بری طرح غربت وافلاس کا شکار ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۳۶ ایسے ممالک ہیں جن میں معاشی ترقی کی سطح سب سے کم ہے۔ ان ممالک کو کم سے کم ترقی یافتہ یا غریب ترین ممالک کہا جاتا ہے۔ ان ۳۶ ملکوں میں سے آدھے یعنی ۱۸ ملکوں کا تعلق عالم اسلام سے ہے جن میں بیشتر افریقی ممالک ہیں۔ ان ممالک میں اوسط فی کس قومی آمدنی کوئی ۲۸۰ امریکی ڈالر سالانہ ہے۔ ان ممالک میں کم سے کم فی کس قومی آمدنی ۸۰ ڈالر سالانہ (چاؤ) سے لے کر زیادہ سے زیادہ پانچ سو امریکی ڈالر سالانہ تک ہے۔ ان ممالک کی مجموعی آبادی دنیا بھر کے غریب ممالک کی کل آبادی کا تقریباً دو تہائی (۶۶ فیصد) ہے۔ اسلامی ممالک کی اندازاً ایک تہائی آبادی انہی غریب ترین ملکوں میں آباد ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ ''اسلامی ممالک کی پسماندگی۔ اسباب وعلل'' از پروفیسر اوصاف احمد مطبوعہ سہ ماہی بحث ونظر علی گڑھ انڈیا۔ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء)

غربت وافلاس کا سبب:

محترم سامعین! آپ ایک چیز کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور ''عیاں راچہ بیاں'' کے مصداق راقم کے نزدیک اہل علم ودانش کی اس مجلس میں نہ تو قرآن وحدیث سے لمبے چوڑے دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے لئے وقت ہے۔ وہ یہ کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کی فطرت میں کھانے پینے کے تقاضے رکھ کر اسے یوں ہی اس کے اپنے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے محض

لطف وکرم سے اس کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے۔ پھر اس رزق کی فراہمی کے لئے اس نے کمال حکمت اور عجیب وغریب انداز میں زمین میں ایسی صلاحیت اتنی برکت' اتنے وسائل اور اتنے خزانے رکھ دیئے ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے دنیا بھر کے انسان ہی نہیں روئے زمین کے تمام حیوانات سے بھی ختم نہیں ہوں گے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس رزق مطلق نے تو سارا نظام کائنات ہی انسان کی اس خدمت پر مامور فرما رکھا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا:۔

ابرو بادومہ وخورشید در کارند

تاتونانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے الفاظ میں تو یہ سارا نظام کائنات ہی ''نان بکف آری کا نظام'' ہے البتہ ان لاتعداد وسائل معاش یا وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کا کام خود حضرت انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات سے محروم ہے تو اس کا مطلب ہے وافر مقدار میں خداداد وسائل معیشت رزق کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہو رہا۔ عام غربت وافلاس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کندگان وہ ظالم' لٹیرے' قارونِ صفت' حریص اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ یہی حرص ولالچ' ناانصافی اور استحصال معیشت کے میدان میں ''ام الخبائث'' یا ''ام الامراض'' ہے۔ جو بیشمار خرابیوں کی بنیاد اور جڑ ہے۔ آج سے کوئی چودہ سو سال قبل درس گاہ نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے تعلیم وفیض یافتہ حیدر کرار حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء اور مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس لئے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امرِ لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء

کی اس حق تلفی پرانہیں عذاب دے گا۔(۱)

کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے (جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا) جس انسان کو پیدا کیا ہے اس کے رزق کا بھی وافر مقدار میں سامان کیا ہے۔ مگر آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوسکتی اس ہوس کو بھوائے حدیث نبوی قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔(۲)

مشہور مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے اپنا ایک عجیب اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں:

''میں اپنے ایک مالدار دوست کو ملنے گیا اور وہ اپنے قیمتی پلنگ پر پڑا پیٹ کے شدید درد میں مبتلا کروٹیں لے رہا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ آج لذیذ کھانا پکا ہوا تھا ضرورت سے زیادہ کھالیا اس لئے شدید درد میں مبتلا ہوں۔ میں جھٹ ڈاکٹر کے پاس گیا اور دوائی لایا جس سے اسے آرام آ گیا تھا۔ واپسی پر میں ایک غریب دوست کے گھر گیا تو وہ بھی پیٹ درد میں مبتلا تھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کئی دن سے بھوکا ہوں اور یہی بھوک پیٹ درد کی وجہ ہے میں جھٹ تندور سے روٹی لایا جسے کھا کر وہ ٹھیک ہوگیا اس کے بعد لکھتے ہیں کاش میرے مالدار دوست نے اپنے ضرورت سے زیادہ کھانا میرے غریب دوست کو دیا ہوتا تو دونوں کے درد شکم کا علاج ہو جاتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں: آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے البتہ طاقتور کمزوروں کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جس کے نتیجے میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آجاتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین وآسمان۔(۲الف)

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سینٹر اسلام آباد کی تیار کردہ ۱۹۹۹ء کی دوسو آٹھ صفحات پر مشتمل سالانہ رپورٹ میں جس کا عنوان ہے ''جنوبی ایشیاء میں حکمرانی کا بحران'' یہ روح سما اور کرب انگیز انکشاف کیا

۱۔ ابن حزم المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ طبع مصر (تحت مسئلہ نمبر ۷۲۵)

۲۔ مشکوۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص: ۴۵۰ طبع کراچی

گیا ہے کہ اربوں روپے کرپشن اورلوٹ مار کے ذریعے ہر سال جنوبی ایشیاء کے سات ممالک کے غرباء کے منہ سے نوالے چھین کر باہر بھیج دیے جاتے ہیں جن لوگوں کے منہ سے یہ نوالے چھینے جاتے ہیں ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان میں سے ۳۲ فیصد ایسے ہیں جو کہ خط غربت یعنی Poverty Line سے بھی نیچے اور ایک امریکی ڈالر یومیہ سے بھی کم آمدنی پر زندگی کی جدوجہد میں ساری عمر مصروف رہ کر دم توڑ دیتے ہیں۔صرف پاکستان سے ہر سال ۱۰۰ بلین کرپشن کے ذریعے حاصل کر کے باہر بھیج دیے جاتے ہیں۔قومی پیداوار کے حوالے سے اگر اس علاقے کی فی کس آمدنی دیکھی جائے تو لوگوں کی حالت اتنی خراب نہیں ہونی چاہیے جتنی کہ فی الحقیقت ہے۔رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بہت بڑی بڑی رقوم کی لوٹ اور کرپشن کے ذمہ دار جنوبی ایشیائی ممالک ہیں اکثر حکومتوں کے صدر، وزیراعظم، بڑے بڑے بیوروکریٹ سیاستدان اور ارکان پارلیمنٹ ہیں۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۳۔اکتوبر ۹۹ءمضمون ''معاشی افق'' از ایم آفتاب)

خیر بات ہو رہی تھی وافر مقدار میں وسائل رزق اور پیداوار کی تو وقت کی تنگی کے پیش نظر ہم آپ کو قرآن حدیث کے بے شمار دلائل کی بجائے اس وقت W W F کی ایک تازہ رپورٹ سناتے ہیں کیونکہ بالعموم ہمارا رویہ بھی یہی ہے کہ شرعی دلائل کی بجائے ہم اس قسم کے جدید اداروں کی رپورٹوں پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ وطن عزیز کے معروف کالم نویس منو بھائی کے روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ ستمبر ۹۹ء میں اپنے کالم ''گریبان'' کے اندر لکھا ہے کہ:

''۹ کے پانچ ہندسوں والی تاریخ (۹۔۹۔۱۹۹۹) کو ڈبلیو ڈبلیو ایف (W W F) کی طرف سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی پانچ ارب تہتر کروڑ سات لاکھ (5730700000) سے بڑھ چکی ہے۔اس پونے چھ ارب کی انسانی آبادی کے لئے اجناس اور گوشت ایک ارب ۳۱ کروڑ ۵۱ لاکھ ٹن کی مقدار میں موجود ہے اور ۹ کروڑ ۱۰ لاکھ ٹن مچھلی دستیاب ہے مگر دنیا کا قدرتی ماحول یعنی زندگی کے لوازمات، کثرت استعمال، ناجائز استعمال بدنظمی اور بدانتظامی کی وجہ سے نہایت تیزی سے زوال پذیر ہیں۔چنانچہ آنے والی نسلوں کے لئے بے شمار مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔۔۔

گندم اور چاول اہم ترین خوردنی اجناس ہیں ان کی ایک تہائی دودھ اور گوشت فراہم کرنے

والے مویشیوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے اور دوتہائی کے قریب انسانی خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔اس وقت یہ فصلیں سالانہ دوارب ٹن کی مقدار میں پیدا کی جارہی ہیں اور اگر پوری دنیا کی آبادی میں برابر کی تقسیم کی جائیں تو ہر انسان کو سالانہ 330 کلوگرام خوراک فراہم ہوسکتی ہے جو کہ کسی بھی صحت مند انسان کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کافی ہے مگر کیا ایسا کوئی انتظام ہوسکتا ہے؟؟(روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 10دسمبر 1999ء(کالم گریبان از منو بھائی)

پاکستان کے معروف ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی نے اپنے کالم(روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 27دسمبر 1995ء)میں ایک انگریزی اخبار جس کا نام نہیں لکھا گیا' میں شائع ہونے والے مضمون کے حوالے سے یہ روح فرسا انکشاف کیا تھا کہ''۳۵ہزار انسان ہر روز فاقے میں مرجاتے ہیں''پھر یہ لرزہ خیر انکشاف کیا گیا تھا کہ''کرہ ارض کے اسی (۸۰) کروڑ انسانوں کو مناسب مقدار کی خوراک میسر نہیں ہے اور اسی کروڑ کا مطلب یہ ہے کہ کرہ ارض پر پیدا کیا جانے والا ہر ساتواں شخص فاقہ زدہ یا نیم فاقہ زدہ ہے''اس کے بعد زمین سے پیدا ہونے والے وافر مقدار میں اناج کے متعلق لکھتے ہیں کہ''اگر کرہ ارض پر پیدا کیا جانے والا اناج برابر تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کے حصے میں ایک کلو اناج کی پیداوار کا اندازہ ایک سونوے کروڑ ٹن ہے۔اور یہ اندازہ اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک نے لگایا ہے۔اسی طرح اس ادارے کا اندازہ ہے کہ اس سال دس کروڑ ٹن مچھلی پکڑی جائے گی جسے اگر مساوی تقسیم کرنے کا بندوبست ہوجائے تو ہر بچے، ہر عورت اور ہر مرد کے حصے میں ہر ہفتے ایک تہائی کلو مچھلی دستیاب ہوسکتی ہے۔اسی طرح پھل، سبزی، گوشت اور دودھ بھی اگر برابر برابر تقسیم ہوں تو ہر فرد کے حصے میں معقول مقدار آئے گی۔

مسئلہ کا حل۔سیرت طیبہ کی روشنی میں

عام غربت وافلاس کا بنیادی سبب خواہ کچھ بھی ہو، چونکہ یہ فطری وطبعی طور پر انسان کا واقعی اور ناگیزیر مسئلہ ہے اس لیے اسے جس طرح ہر زماں اور ہر مکاں میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اسی طرح آج بھی یہ پوری دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے۔اسی مسئلہ کے حل کے لئے دانشوروں' مفکرین اور اہل حل وعقد نے اپنے انسانی عقل وفہم کے مطابق کئی معاشی اور اقتصادی نظام وضع کر کے تجربات کیے ہیں مگر محدود اور

طبعی طور پر خود غرضی کا شکار انسانی ذہن اب تک دنیا کے اس ناگزیر اور اہم ترین مسئلے کا معقول، قابل قبول منصفانہ اور کامیاب حل پیش نہیں کر سکا۔ ان ایجاد بندہ اقتصادی نظاموں کا تجزیہ اس وقت ممکن نہیں البتہ اتنی بات اظہر من الشّمس ہے کہ ان نظامہائے معیشت نے دنیا کے اس لازمی مسئلے کو حل کرنے کی بجائے الٹا الجھایا اور غربت وافلاس کے مارے لوگوں کے دکھوں میں مزید اضافہ کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

انسان کے اس لابدی مسئلے کے حل کے لئے ایک نظام اس رحمٰن ورحیم وکریم رب کائنات نے بھی دیا ہے جو ایک تو انسان کا خالق مالک اور رازق ہے دوسرے ہر قسم کے نقص عیب اور خود غرضی سے منزہ ہے۔ جس کے نفاذ کے لئے اس نے اپنے اس محبوب اور خاتم النبین نبی محتشم ﷺ کو مبعوث فرمایا جسے رحمۃ للعالمین، رؤف، رحیم اور کریم کے القاب سے نوازا، جن کے قلب اطہر میں انسانیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا اور جنہیں مؤمنین کا ان کی اپنی ذاتوں سے بھی زیادہ خیر خواہ بنایا گیا۔

یا رب تو کریمی ورسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

''اس نبی رحمت کی تعلیمات وہدایات اور اسوۂ حسنہ معاشی خوشحالی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے دینی وایمانی تقاضے سے ہٹ کر اگر خالصاً دنیوی اور مادی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے اور تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو واقعات وشواہد یہی بتاتے ہیں کہ دنیا میں ظلم وناانصافی، اقتصادی ترقی ومعاشی خوشحالی کی بجائے عام بھوک وافلاس اور تنگدستی، خود ساختہ استحصالی اور غیر منصفانہ قانون، غیر فطری حد تک معاشی ومعاشرتی تفاوت وعدم توازن جیسی بنیادی اور ننگ انسانیت خرابیوں کو ختم کرنے اور دنیا میں ہمہ جہتی خیر وبھلائی، دنیوی اور اخروی سعادتوں اور فوز وفلاح کے حصول کیلئے بھی سیرت طیبہ اسوہ حسنہ اور تعلیمات وہدایات نبوی ﷺ کی پیروی ضروری ہے جس کی طرف شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے یوں توجہ دلائی تھی''

مقام خویش اگر خواهی دریں دیر

بحق دلبند و راہ مصطفی رو

انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انسانی معاشرے میں معاشی و معاشرتی عدل و انصاف اور استحکام رب کریم کے پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (۳) (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں ہے (۴) جسے اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب نفوس قدسیہ انبیاء کرام علیہم السلام کی معرفت انسانیت کی دنیوی واخروی فلاح کے لئے عنایت فرمایا (۵) اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر رحمت دو عالم حضرت محمد مصطفی علیہ التحیة و السلام کے ذریعے فرمادی (۶) قرآن مجید کی رو سے معاشی خوشحالی' اقتصادی ترقی اور دنیوی و مادی برکات کے حصول کے لئے خلق خدا کے حقیقی خیر خواہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی پیروی ضروری ہے (۷) پھر یہ بھی عقلاً ضروری ہے کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لئے اس کے واسطے متعین راستوں کو اپنایا جائے۔

ترجو النجاة ولم تسلک مسالکها - ان السفينة لا تجرى على اليبس

ورنہ" ترسم کایں راہ مے روی بکعبہ نرسد اے اعرابی والی بات ہوگی۔

ہمارا اس بات پر پختہ ایمان اور یقین ہے کہ انسان جب تک اللہ کریم کے آخر الزمان اور رحمۃ للعالمین نبی ﷺ کے آستانہ پر نہیں جھکے گا دنیا میں طرح طرح کے مصائب و آلام اور مسائل کا شکار رہے گا۔ وہ زندگی میں امن وسکون معاشی عدل و انصاف کبھی نہیں پا سکے گا۔ دنیا اس سراج منیر سے جب تک روشنی حاصل نہیں کرے گی مختلف قسم کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی رہے گی اور جب تعلیمات و ہدایات نبوی پر عمل پیرا نہیں ہوگی ہمہ جہتی فوز و فلاح کی مبارک منزل سے دور رہے گی۔ تو اب آیئے اس سراج منیر کی ضیا

---

۳ الف۔ بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام ص: ۲۷۰ طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۳۔ سورہ آل عمران: ۱۹

۴۔ سورہ البقرہ: ۸۵-۲۰۸

۵۔ سورہ الشوری: ۱۳' سورۃ النساء: ۱۶۳-۱۶۵

۶۔ سورہ المائدہ: ۳

۷۔ سورہ المائدہ: ۶۶، سورہ الاعراف: ۹۶

پاشیوں انوار محمدی اور اسوۂ رسول کی روشنی میں ساری دنیا خصوصاً پاکستان کو درپیش غربت وافلاس کے گھمبیر مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں تعلیمات وہدایات محمد یہ میں کسی ایک پر بھی خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو۔

محنت وروزگار کا فروغ:

حضرات گرامی! آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ دولت پیدا کرنے کا ایک اہم' اولین' بنیادی اور کلیدی ذریعہ یا عامل انسان کی ذاتی محنت بھی ہے جس کے بغیر بہت سے خام حالت میں خزائن الٰہی قابل منفعت نہیں بن سکتے۔ ہمارے معاشرے میں عام غربت وافلاس تنگ حالی اور آمدنی وپیداوار میں کمی کا ایک سبب اس ذریعہ دولت (محنت) سے جی چُرانا ہے۔ یہ محنت سے جی چرانا کچھ تو ذاتی سستی' کاہلی اور لاپرواہی کے باعث ہوتا ہے مگر زیادہ تر اس کا باعث محنت ذریعہ جسمانی کے طور پر پیشہ اختیار کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر ومعیوب سمجھنا ہے اور یہ سوچ شاید ہندوانہ تہذیب ومعاشرت کے ساتھ زیادہ دیر قرب کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ یہ دونوں باتیں عقلاً ونقلا انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ مقام غور ہے کہ اگر خالق کائنات نے انسان کے ساتھ ایک پیٹ لگایا ہے تو اس نے اس کو بھرنے کے لئے دو ہاتھ دو پاؤں جسمانی قوت سوجھ بوجھ اور دوسری مخلوق کے برعکس اسے عقلی ودماغی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں جنہیں کام میں لاکر زمین میں پھیلے ہوئے بے شمار رزق الٰہی کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لئے ارشاد الٰہی ہوا:۔

﴿ھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقه﴾(۸)

''وہ خالق وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کردیا۔ سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ''۔

محنت کے حوالے سے جب ہم سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محنت و مزدوری کو جو عزت جو حوصلہ افزائی اور قابل رشک حد تک جو مرتبہ ومقام آپ ﷺ نے بخشا اس کا وجود روئے زمین پر نہ آپ کی تشریف آوری سے قبل تھا نہ آج کی متمدن ومہذب اور بزعم خویش حقوق انسانی کی

۸۔ سورہ الملک:۱۵

علمبردار دنیا میں پایا جاتا ہے۔ محنت ومزدوری ہاتھ سے کما کر کھانے کو آپ کس قدر ومنزلت سے دیکھتے تھے اور اس کی دنیوی واخروی برکات ودرجات کیا ہیں اس کے لئے کثرت کتب حدیث میں موجود ''باب طلب کسب الحلال'' کا مطالعہ کافی ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لئے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا(۹)
ہاتھ سے کما کر کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:۔

''ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہوسکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داوٴدؑ (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے(۱۰)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

''تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ پھر اسے کوئی دے یا نہ دے(۱۱)

محنت کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اسی قسم کی بے شمار تعلیمات وترغیبات کو دیکھتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی نے یوں خراج عقیدت پیش کیا تھا:

۹۔ (الف) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری الجامع الصحیح: ۱: ۳۰۱ طبع دھلی - کراچی
(ب) محمد ابن سعد 'الطبقات الکبری' ۱: ۱۲۵ - ۱۲۶ طبع بیروت
(ج) احمد عبدالرحمن البناء. الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۰: ۱۹۴ طبع قاھرہ
(د) حافظ ابن حجر عسقلانی 'فتح الباری شرح بخاری: ۴: ۱۹۴ 'طبع لاھور '۱۹۸۱ء
(ہ) علی بن برھان الدین حلبی: سیرت حلبیہ: ۱: ۲۱۵ 'طبع مصر
(و) بدرالدین عینی: عمدۃ القاری شرح بخاری': ۱۲: ۸۰ طبع بیروت
(ز) حافظ نور الدین ھیثمی: مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۹: ۲۲۱ طبع قاھرہ
۱۰۔ مشکوۃ المصابیح' ص: ۲۴۱ طبع کراچی' صحیح بخاری (کتاب البیوع): ۱: ۲۷۸ طبع کراچی
۱۱۔ صحیح بخاری (کتاب البیوع) ج: ۱' ص: ۱۹۹/۲۷۸ (کتاب الزکوۃ)

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی، کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی

خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی، نہ کرنا پڑے تم کو در در گدائی

محنت کی نقد دنیوی برکات تو ہیں ہی جس سے کسی کو انکار نہیں نبی اکرم ﷺ نے تو اس کا بہت سا اخروی ثواب بھی بتایا ہے۔ یوں شریعت محمدیہ میں محنت ''ہم خرما و ہم ثواب'' کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں متعدد ایسے ائمہ فقہاء کرام مفسرین محدثین کے نام ملتے ہیں جو اپنے اپنے آباؤ اجداد کی بنسبت اپنے معمولی پیشوں کے حوالے سے زیادہ معروف ہیں۔ مثلاً امام غزالی، امام جصاص، امام بزاز، امام قدوری وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی جیسا کہ اوپر گزرا محنت مزدوری کو کبھی عار نہ سمجھا تعلیم امت کے لئے ہاتھ سے کما کر کھانے والوں کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ اس سے بڑھ کر محنت مزدوری کی حوصلہ وعزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا ''یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے۔ (۱۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی۔ (۱۳)

پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر نازل ہونے والی پاک کتاب نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ بوجوہ محنت و روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔ (۱۴)

سیرت طیبہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام سے ہر مؤمن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت بازو اور اپنی خداداد جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمین پر پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے اپنی پسند کے مطابق شرعاً جائز ذرائع سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی معاش کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں وہ آزاد ہوگا اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو نہ صرف دور کیا جائے گا بلکہ اسلامی ریاست اس کے لئے روزگار کے مواقع

۱۲۔ الف) سرخسی، المبسوط: ۳۰: ۲۴۵ طبع مصر

(ب) ابن حجر عسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ترجمہ حضرت سعد انصاری)

۱۳۔ ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ: ۲: ۲۶۶ (ترجمہ حضرت سعد انصاری) طبع طہران

۱۴۔ سورہ النساء: ۱۰۰

مہیا کرے گی۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک بے روزگار نوجوان کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کا فروخت کیا۔ ایک درہم سے اس کے اہل خانہ کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار میں بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔ (۱۵)

ایثار و انفاق مؤاخات کی تلقین:

آپ جانتے ہیں کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحبِ ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں بفحوائے قرآن مجید کئی تکوینی مصلحتیں پوشیدہ ہیں (۱۶) مگر ہم خالق کائنات کے تکوینی نظام کی بجائے اس کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے عطا کردہ تشریعی نظام کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ جو دین فطرت ہے درجات معیشت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات کی تو قائل نہیں البتہ اس نے ''حق معیشت'' میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔ اس کیلئے اس نے بالعموم خوشدلانہ رضا کارانہ، برادرانہ مؤاخات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات و جذبات سے کام لیا ہے۔ اس لئے غربت و افلاس کا مسئلہ زیادہ تر تو شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہو جاتا ہے باقی کسر قانون کی مدد سے نکال لی جاتی ہے۔ سیرت نبوی میں اس کی سب سے بڑی مثال سرکار دو عالم ﷺ کا وہ معاہدہ مؤاخات ہے جو آپ ﷺ نے اجڑے پجڑے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان قائم فرمایا تھا۔ جس کی مدد سے آنجناب ﷺ نے مہاجرین کی رہائش خوراک اور کاروبار کا مسئلہ فوری طور پر اتنی آسانی سے حل فرمایا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت و بھائی چارے ہمدردی و غمخواری کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذی استطاعت اور غربا و امرا میں باہمی تکافل و تعاون ہمدردی کی ایسی فضا قائم رہے کہ جس میں کسی غریب

۱۵۔ مشکوۃ المصابیح ص: ۱۶۳ (باب من لا تحل له المسئله) طبع کراچی

تنگدست کو اپنی غربت و افلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اور اس طرح پورا معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند جن میں بعض تھوڑا اور بعض زیادہ کمانے والے ہوتے ہیں بعض بوجوہ کمانے سے بالکل معذور ہوتے ہیں، باہم مل جل کر پیار و محبت اطمینان و سکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خورد و نوش لباس تعلیم علاج معالجہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور ساتھ ہی ایک طبقہ عیش و عشرت فضول خرچیوں اور اپنے اللوں تللوں سے ان غربت کے مارے لوگوں نے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ صورت حال کچھ یوں ہو کہ

ہے اِدھر بھی آدمی ، ہے ادھر بھی آدمی
اِس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرے پر نہیں

اس لئے قرآن مجید میں مکی دور کے اندر ہی غرباء و مساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے اور انہیں معاشی فکر سے مطمئن کرنے کے لئے دفعات یعنی احکامات اور ہدایات اترنا شروع ہوگئیں۔ قانون نافذ کرنے سے قبل ترغیبی اور تشویقی انداز میں صاحبِ حیثیت حضرات کو دلنشین انداز میں ایثار و انفاق کی تلقین کی گئی۔ انہیں ذہنی و قلبی طور پر غرباء کی رضا کارانہ مالی امداد و تعاون پر ابھارا گیا۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں ذہنی اور دل کی تبدیلی نہیں آجاتی اس وقت تک اس میں کوئی تبدیلی رونما اور انقلاب بپا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دلوں کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ دل و دماغ پر اس ذمہ داری کا احساس چھایا ہوا ہو جو رب العالمین کا نائب اور سارے جہانوں کے پالنے والے کا خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے۔ پروردگار عالم کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا یہ احساس ذمہ داری ایسا بیدار ہو کہ ایک حدیث نبوی کے مطابق ہم ہر غریب و مفلس کی غربت و افلاس کی ٹیس اور چبھن اس طرح محسوس کریں جس طرح ایک عضو بدن میں تکلیف سے سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ (۱۷) جب ہم کسی غریب و مفلس کو دیکھیں تو ہمارا خواب و خور حرام ہو جائے۔

۱۶۔ سورہ الانعام، آخری آیت. سورۃ الزخرف: ۳۲

۱۷۔ مشکوۃ المصابیح ص: ۴۲۲ طبع سعید کمپنی کراچی

حضرت جریرؓ سے مسلم شریف کی یہ روایت مروی ہے کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ جب ننگے پاؤں ننگے جسم اور پھٹے پرانے کپڑوں ہیں ملبوس نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ''**فتغیر وجه رسول** ﷺ'' یعنی ان کی یہ خستہ حالی دیکھ کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا اور آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اس وقت تک چین نہیں آیا اور اس وقت تک آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار نہیں ہوئے جب تک کہ ان کی اس تنگ حالی کا ضروری سامان نہیں ہوگیا۔(۱۸)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم ﷺ نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی سواری پر سوار آپ ﷺ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادہ راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادراہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں''(۱۹)

امام غزالیؒ کی ''**الاسلام والمناهج الاشتراكيه**'' کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے:

''حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے۔ (کہ ان کی نگہداشت کرے) لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے

۱۸۔ مسلم الجامع الصحیح (کتاب الزكوة باب الحث على الصدقة) ج: ۱، ص: ۳۲۷ طبع کراچی

۱۹۔ مسلم الجامع (کتاب اللقط) ج ۲ ص ۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔'' (۲۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ:

''اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ اکرامؓ سے فرمایا جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔'' (۲۱)

یہی حضور اکرم ﷺ کی حسین تعلیمات تھیں جنہوں نے امراء و اغنیاء کے دل میں غریب کی محبت، احساس، ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری، ایثار و قربانی اور اخوت کے جذبات پیدا کئے۔ ترمذی میں ہے:

﴿یؤثرون ذالحاجة و یحفظون الغریب﴾ (۲۲)

(وہ صحابہ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے اور غریب (کے حقوق) کی حفاظت کرتے ہیں۔)

دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کیلئے نفرت وعداوت کی جگہ محبت، عزت و تکریم اور مرتبہ شناسی کے لطیف جذبات پیدا ہوئے اور یوں ایسا ماحول پیدا ہوا کہ امراء اور غرباء کے درمیان نفرت کی ساری دیواریں ڈھے گئیں۔ امارت وغربت کے سارے فاصلے مٹ گئے۔ معاشی و معاشرتی تفاوت کی دوریاں ختم ہو گئیں۔ امیر و غریب کی بنیاد پر طبقاتی تفریق و تقسیم ''نسیا منسیا'' ہو گئی۔ دنیا کے خود ساختہ درجات اور مراتب کا خاتمہ ہو گیا۔ چھوٹے بڑے، امیر و غریب، قریشی غیر قریشی، عربی عجمی، حبشی رومی، گورے کالے اور آقا و غلام کے امتیازات ختم ہو گئے اور سب بھائی بھائی، ایک دوسرے کے ہمدرد خیر خواہ، بہی خواہ اور جاں نثار بن گئے۔ امراء اور غرباء میں تعاون و تکافل اور بھائی چارے کی ایسی پرسکون، پر لطف اور محبت بھری فضا پیدا ہو گئی کہ چشم فلک نے اس کا نظارہ نہ اس سے پہلے کیا تھا اور نہ آج تک کر سکی ہے۔

۲۰۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ''اسلام کا نظریہ ملکیت'' طبع اسلامک پبلیکشنز 'لاہور ۱۹۶۸ء

۲۱۔ ابن حزم ''المحلی'' ۳ : ۴۵۴ مسئلہ ۷۲۵ طبع مصر

۲۲۔ شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ

(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں مدینہ منورہ کے باہمی ہمدردی' باہمی خیر خواہی اور اخوت ومساوات پر مبنی معاشرے کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی قابل سماعت ہے فرماتے ہیں:

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

الغرض ایثار' انفاق اور مواسات کی اسلامی تعلیمات اور موثر و منظّم و مخلصانہ ترغیب کو کام میں لا کر اس وقت بھی غربت وافلاس کا مسئلہ بڑی حد تک حل کیا جاسکتا ہے۔

محترم سامعین! آپ کو یاد ہوگا سابق وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے کے ابتدائی ایام میں جب ''قرض اتارو ملک سنوارو'' کی مہم شروع کی تھی تو پاکستانی مرد وخواتین حتی کہ بچوں کے اندر کا مسلمان کس طرح جاگ اٹھا تھا اور کس طرح انہوں نے قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ کر دی تھیں۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غربت وافلاس کے خاتمہ کے لئے قانونی دفعات:

غربت وافلاس کے خاتمہ کے لئے شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام نے انسان کے طبع بخل کے پیش نظر ایثار وانفاق کی صرف اخلاقی اور ترغیبی قسم پر انحصار کر کے غرباء ومساکین کو دولتمندوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس نے اس کے لئے کچھ قانونی اور لازمی دفعات بھی رکھی ہیں۔ مثلاً قانون نان ونفقہ' میراث' کفارات' خراج' جزیہ وغیرہ جن کی تفصیلات اور جزئیات حدیث وفقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان قانونی دفعات میں صرف زکوۃ ہی ایک ایسی ایمانی دفعہ اور بابرکت ذریعہ ہے کہ اگر آج بھی پوری دیانتداری سے وصول وتقسیم کی جائے تو معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے اس کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک علاقے کے مالداروں سے لے کر فقراء و

مساکین میں تقسیم کر دی جائے۔ (۲۳) اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ دور کی نام نہاد جمہوری حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں وہ زکوۃ کی عین ضد ہیں۔ یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقہ اور غربا سے وصول کیے جاتے اور اغنیا واُمرا کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں تاجروں ملازمین اور صنعت پیشہ لوگوں سے مختلف ٹیکسوں کے نام پر وصول کی جاتی ہے۔ بڑی سخاوت بلکہ ''مال مفت دلِ بے رحم'' کے عین مصداق بڑی بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ صدر مملکت' وزیراعظم، وزراء و مشیران کرام' عوامی نمائندوں بیوروکریٹس اور افسران بالا کے اللوں تللوں فضول خرچیوں کا نام نمود۔ پر تکلف سرکاری ضیافتوں' حکومتی وسیاسی پروپیگنڈا' پروٹوکول' شاہانہ طرز کے دفاتر اور فرنیچر وغیرہ پر خرچ کر دی جاتی ہے۔ جبکہ اسلام میں زکوۃ کا مصرف کسی حکومت کی صوابدید پر نہیں بلکہ قرآن مجید میں ان مصارف کا تعین کر دیا گیا ہے جن سے باہر زکوۃ صرف نہیں ہوگی۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی واقتصادی سطح پر زکوۃ کا ادارہ معاشرہ میں معاشی عدل وانصاف اور غربت وافلاس کو دور کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عہد نبوی' عہد خلفاء راشدین اور بعد کے کئی ادوار میں اس نظریہ کو استعمال میں لا کر اسلامی ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ دنیا میں لاوارث نہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے اعلان فرمایا تھا:۔

''انا ولی من لا ولی له'' (۲۴) (میں ہر اس شخص کا والی ہوں جس کا دنیا میں کوئی والی نہیں ہے)

ایک حدیث میں فرمایا:۔

''جو آدمی بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہوں گے خواہ جو بھی ہوں اور اگر وہ اپنے ذمہ قرض چھوڑ کر مرا یا بچے چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں۔ میں ان کا والی ہوں'' (۲۵)

زکوۃ کے بعد اہم قانونی دفعہ قانون نفقہ ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ''کتاب النفقہ'' کے

۲۳۔ بخاری الجامع الصحیح : ۱:۱۸۷ طبع کراچی

۲۴۔ زغلول. موسوعة اطراف الحدیث (تحت انا)

۲۵۔ بخاری الجامع الصحیح کتاب فی الأستقراض باب الصلوة علی من ترک دنیاً کتاب النفقات

اندر دیکھی جا سکتی ہیں۔غربت وافلاس کے خاتمہ کیلئے یہ وہ منفرد قانون ہے جوصرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے دولتمند رشتہ دار پر اپنے قریبی اور غریب ونادار رشتہ داروں کا نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشی و معاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ''**مشکلات الفقر و کیف عالجھا الاسلام**'' میں لکھا ہے:۔

''فقہ اسلامی میں کتاب النفقات کے تحت رشتہ دار پر خرچ کرنے کے باب میں جو احکام دیئے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ ایسے احکام نہ پرانی شریعتوں میں کہیں ملیں گے اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس کا خیال تک پایا جاتا ہے۔(۲۶)

پھر آگے چل کر انہوں نے اپنے ایک استاذ محترم ڈاکٹر محمد موسیٰ کی زبانی ان کا ایک چشم دید اور عجیب واقعہ لکھا ہے جو سننے کے لائق ہے فرماتے ہیں:۔

''شاید یہ بہتر ہو اگر میں یہاں ذکر کر دوں کہ میں قیام فرانس کے دوران جس گھر میں کچھ عرصہ رہا ہوں ایک نوجوان لڑکی بحیثیت خادمہ کے رہا کرتی تھی جس کے چہرے سے خاندانی شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے گھر کی مالکہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی کیوں خادمہ بنی ہوئی ہے؟ کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو اس سے یہ کام چھڑا دے اور اس کے لئے زندگی کی آسائشیں فراہم کر دے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکی شہر کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس کا ایک چچا ہے جو بڑا مالدار ہے۔ مگر وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اپنے معاملے کو عدالت میں کیوں نہیں لے جاتی کہ وہ اسے چچا سے نان نفقہ دلوائے'' میری بات سے وہ صاحبہ حیران رہ گئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت یہ لڑکی اپنے چچا سے ایسا کوئی مطالبہ کر سکے۔'' تب میں نے انہیں اس سلسلے میں اسلام کا حکم سمجھایا۔ وہ کہنے لگیں'' کون ہے جو ہمارے لئے ایسا قانون بنائے؟ اگر ہمارے یہاں یہ قانونی لحاظ سے جائز ہو تو کوئی لڑکی یا عورت ایسی نہ ملے جو کسی کمپنی' کارخانے یا فیکٹری یا حکومت

۲۶۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی:مشکلات الفقر و کیف عالجھا الاسلام(اردو ترجمہ بنام اسلام اور معاشی تحفظ ص :۶۳-۶۴ طبع لاہور

کے کسی محکمے میں کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے‘‘۔(۲۷)

المختصر صاحبِ حیثیت آدمی پر اس کے غریب والدین‘ بیوی‘ چھوٹی اور نادار اولاد ‘ضرورت مند بہن بھائی اور دوسرے مستحق قریبی رشتہ دار پر نان ونفقہ واجب ہے۔اس لئے حکومت جس طرح ہنگامی بنیادوں پر مردم شماری اور ووٹر لسٹیں بنانے کا اہتمام کرتی ہے اسی طرح حکومتی ذرائع کو کام میں لا کر ملک میں واقعی غربا ومساکین اور ان کے قریبی صاحبِ ثروت رشتہ داروں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ صاحبِ حیثیت اگر رضا کارانہ اور صلہ رحمی کے طور پر اپنے غریب اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو قانوناً انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے۔قانون نفقہ کے باقاعدہ نفاذ سے بھی غربت وافلاس پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح عشر صدقہ فطر وکفارات کی لازمی ادائیگی اخراج جزیہ‘مال غنیمت و مال فئے اور میراث کی تقسیم وغیرہ کے لازمی احکام کا بڑا مقصد یہی ہے معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ ہو۔(۲۸)

تعیّشات کی بجائے سادگی کا فروغ:

کسی ملک میں غربت وافلاس کا ایک بڑا سبب وہاں کے امراء بالخصوص اہل حکومت واقتدار کا تعیّشات اللّوں تللّوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بودوباش یا کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔(۲۹) VIP اور غیر VIP کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بڑھ کر کون دنیا میں VIP ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔(۳۰) آپ کے لئے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں کتب فقہ و حدیث متعلقہ ابواب

۲۹۔(الف) ابو عبید ۔ کتاب الاموال(اردو): ۱: ۴۳۷ طبع اسلام آباد

(ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبلؓ کی تقریر (فتوح الشام ص ۱۰۵ کلکتہ)

۳۰۔ (الف) صحیح بخاری الجامع الصحیح: ۲: ۹۵۶ طبع دھلی

(ب)صحیح مسلم الجامع الصحیح: ۲: ۴۰۱ طبع کراچی

رکھا گیا۔(۳۱) دس لاکھ مربع میل کے حکمران (۳۲) کی رہائش جس ''ایوان صدر'' یا ''وزیر اعظم ہاؤس'' میں تھی اس کا طول وعرض آج بھی ''گنبد خضریٰ'' سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب والعجم کی رہائش گاہ کے ''سامان زیست'' اور ''کل دنیا'' کی تفصیل اور چشم دید گواہی آج بھی پڑھی جا سکتی ہے۔(۳۳)

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک زوجہ محترمہ یا خاتون اول کا حجرہ کس قسم کے ''سنگ مرمر ساگوان کی لکڑی اور امپورٹڈ'' سامان سے بنایا گیا تھا اس کی تفصیل آج بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ (۳۳ الف)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایاک والتنعم فان عباداللہ لیس بالمتنعمین''(۳۴)

(عیش کوشی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوشی نہیں کرتے)

(ج) مصنف ابن ابی شیبہ: طبع کراچی

(د) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان

۳۱۔(الف) سیرت نبویہ لابن کثیر: ۴: ۷۳۱ طبع قاہرہ

(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۴۵۱، ۴۵۲ طبع مصر

(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزھد: ص: ۶۹ دارالفکر

(د) الماوردی، اعلام النبوہ: ۱۹۹ طبع ازہر، مصر

(ہ) ابن جوزی: کتاب الحدائق: ۲۹۷ بیروت

۳۲۔ کتب تاریخ

۳۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۴۴ طبع کراچی

(الف) صحیح بخاری: ۱: ص: ۴۴۷، طبع دھلی

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰، طبع کراچی

(ج) امام احمد: کتاب الزھد ص: ۹۷، دارالفکر

(د) ابویعلیٰ۔ المسند: ۱: ۱۱۱، ۱۱۲

(ہ) بیہقی دلائل النبوہ: ۱: ۳۳۵، مکتبہ اثریہ لاہور

۳۴۔(الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ ۱: ۵۰۱، طبع بیروت

(ب) مشکوۃ (باب فضل الفقراء ص: ۴۴۹، طبع کراچی

عام افلاس کے زمانے میں ایک صحابی کے مکان پر بالا خانہ کو پسند نہ فرمایا۔(۳۵) پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا‎ؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔(۳۶) ام المؤمنین سیدہ عائشہ کے حجرے میں لٹکے پردے کو پھاڑ دیا۔''(۳۶الف)

وطن عزیز میں عام غربت کا ایک بڑا باعث حکمرانوں، عوامی نمائندوں اور دولت مند لوگوں کی عیش کوشی اور تعیش پسندی بھی ہے۔ اسلام عیش کوشی اور تعیش پسندی کی بجائے تمام معاملات زندگی میں سادگی کو پسند کرتا ہے۔ جس کے دنیا میں نقد بے شمار مالی و معاشی فوائد ہیں۔ جبکہ تعیش پسندی اور عیش کوشی میں بے شمار معاشی و اخلاقی نقصانات کے باعث اس کو سخت ناپسند قرار دیا گیا۔

وطن عزیز میں ہر سال حکومتی بجٹ کا ایک کثیر حصہ حکمرانوں وزراء اور مشیران کی فوج ظفر موج، ممبران پارلیمنٹ اور افسران بالا کے تعیشات اور غیر ضروری اخراجات کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے بجٹ خسارہ کو پورا کرنے کے لئے ہر سال قرضہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف ایک صوبائی وزیر یا مشیر کی تنخواہ الاؤنسز، پٹرول، ٹیلیفون بل وغیرہ پر اٹھنے والے ماہانہ اخراجات ایک لاکھ روپے سے زیادہ بنتے ہیں۔ عوامی نمائندوں کے لئے ہر سال بجٹ میں جو مسرفانہ مراعات رکھی جاتی ہیں اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی غریب ملک کے نمائندے ہیں۔ سابق اور موجودہ صدر اور وزراء اعظم کو دی گئی مراعات کی تفصیل روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء اور ہفت روزہ ''تکبیر کراچی مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۷ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ باقی تفصیلات کو چھوڑیئے۔ ایوان صدر اور وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی صرف دیکھ بھال مہمانوں کی تواضع اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لئے کروڑوں روپے رکھے جاتے ہیں جبکہ ملک کی اکثریت کے پاس سر چھپانے کے لئے جھونپڑی بھی نہیں۔ دوسرے سرکاری دفاتر میں بھی ہر سال کروڑوں روپیہ صرف ان کی تزئین و آرائش پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کوئی ۴۴ کھرب روپے کا قرض سر پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود معروف دانشور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے

۳۵۔ سنن ابی داؤد (کتاب الادب ۲: ۷۱۱، اصح المطابع کراچی

۳۶۔ سنن ابی داؤد (کتاب اللباس: ۲: ۵۷۲، طبع کراچی

۳۶۔(الف) سنن ابی داؤد، ۲: ۵۵۷

بقول:۔

''ہمارے حکمرانوں کا طرز معاشرت یہ پتہ دیتا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسے ملک کے حکمران ہیں جس کے دریاؤں میں گدلا پانی نہیں شیریں اور شفاف دودھ بہتا ہے۔ جس کے درختوں پر پے نہیں روپے اُگتے ہیں۔ جس کے موسم برسات میں سونے اور چاندی کی بارش ہوتی ہے۔ اور جس میں آنے والے سیلاب دنیا جہاں کی نعمتیں سمیٹ کر یہاں بکھیر دیتے ہیں۔ اسسٹنٹ کمشنر ہو یا ڈپٹی کمشنر اور وزیر اعلیٰ ہو یا وزیر اعظم سب کا انداز معاشرت ملک کے افلاس اور عوام کی غربت کی ہلکی سی چغلی بھی نہیں کھاتا۔ اے سی کو دیکھ کر قطعاً اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی دور افتادہ تحصیل کا حاکم ہے۔ ڈی سی سے مل کر بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی مسائل زدہ ڈویژن کا انچارج ہے۔ وزیر اعلیٰ کی شان وشوکت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کسی غریب صوبے کا مقتدر ہے۔ اور نہ وزیر اعظم کے قرینہ زیست سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کسی مقروض ملک کا چیف ایگزیکٹو ہے۔ نمائشی اقدامات کی بات نہیں ہو رہی جو سادگی کے حوالے سے یہاں اکثر و بیشتر کیے جاتے ہیں بلکہ اس مسلسل طرز عمل کی بات ہو رہی ہے جو برسوں سے ہمارے حکمران اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ''روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس غریب اور مقروض ملک کی ہر حکومت سادگی کے دعوؤں اور اعلان کے باوجود بالائی سرکاری سطح پر کتنی بے دردی سے اخراجات کرتی رہی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال ملک کے قانون دان طبقہ وکلاء کی ایک درخواست سے ہوتا ہے جو انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی تھی اور عدالت سے استدعا کی تھی کہ وہ ان شاہ خرچیوں پر پابندی عائد کرے اور جو ابھی تک سماعت کی منتظر ہے (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۸ء) اس درخواست میں مندرج حکومتی سطح پر شاہ خرچیاں اور عیاشیاں تو صرف مشتے از خروارے کے طور پر ہیں۔ ورنہ

درد کے قصے نہ پوچھ ' ہیں یہ طولانی بہت
جملے جملے سے اٹڈ آئے گی حیرانی بہت

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عوامی سطح پر سرمایہ دار وڈیرے اور جاگیر دار اپنی اندھی دولت کے بل بوتے پر کیا گل چھرے اڑاتے ہیں اور کسی طرح غریب لوگوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں اس کے بارے میں اندازہ میری یا کسی دوسرے ادارے کی نہیں بلکہ ''اقوام متحدہ'' کی ایک رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور مورخہ ۲ نومبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ رپورٹ پڑھئے اور غریب عوام کے ساتھ سنگین مذاق ملاحظہ فرمایئے۔

پنجاب کے ۵. فیصد ملک' ٹوانے' لغاری' مخدوم' اور کھوسے صوبے کی ۲۰ فیصد زمینوں پر قابض ہیں جبکہ سندھ کے ایک فیصد جام' جتوئی' سید اور پیر وہاں کے ۳۰ فیصد' سرحد کے ۱۰ فیصد باچے' خٹک' آفریدی' نواب' الائی اور میر ۵. ۱۲ فیصد رقبے پر حکمرانی کرتے ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے ۱۰۰ فیصد جاگیردار مری' جمالی' مینگل وہاں کی ایک ایک انچ زمین پر قابض ہیں۔ مسکین پاکستان کے ۹۳ فیصد چھوٹے کسان صرف ۳۷ فیصد زمین کے مالک ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق دو ارب روپے کے صرف زرعی قرضے ہڑپ کرنے والے ان جاگیرداروں نے کپاس کی فصل سے ۳۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور گندم' دالوں اور دیگر اجناس کے ذریعے ۱۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور کوئی ٹیکس بھی نہیں دیا۔ ہر خاندان اور ان کے نوجوان ہر سال کتا دوڑ، ریچھ کی لڑائی' شیر بازیوں اور دیگر عیاشیوں پر ہر سال ۴ ارب ۸۲ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں۔

یہی خاندان ہر سال سامان تعیش اور گاڑیوں کی درآمد پر ایک ارب ۹۶ کروڑ روپے خرچ کرتے ہیں۔ جبکہ ہر دن ملک کا تمبا کو استعمال کرنے پر ایک کروڑ ۲۶ لاکھ روپے سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ رپورٹوں کے مطابق جاگیر دار خاندان زرعی زمین کے علاوہ پاکستان کے شہروں میں بھی ایک کھرب تین ارب اٹھائیس کروڑ روپے کی جائیدادوں کے مالک ہیں۔ ان کے کتے تازہ گوشت کھاتے ہیں۔ لیکن ان کے ۱۵ لاکھ ملازمین گوشت کھانے کے لئے عید قربان کا انتظار کرتے ہیں۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ پنجاب

کے ۸۰ فیصد کسانوں کے پاس پنجاب کی کل نہری اور بارانی زمین کا صرف ۷ فیصد ہے۔ سندھ کے ہاریوں اور چھوٹے کسانوں کے پاس سندھ کی کل زمین کا ۱۲ فیصد سرحد کے ۲۷ فیصد کسانوں کے پاس وہاں کا ۸.۲ فیصد رقبہ اور بلوچستان کے ۸۰ فیصد کسانوں اور مزدوروں کے پاس اپنی ملکیت کے لئے قبر کے برابر زمین بھی نہیں ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی معاشرے کا ہر ظلم' زیادتی' کرپشن' لوٹ کا پتہ اسی پانچ فیصد طبقہ کے گھروں' ڈیروں اور حویلیوں کی طرف جاتا ہے''۔ لہٰذا اسلام کے قانون حجر کے تحت ضروری ہے کہ ان سرکاری اور عوامی سطح پر مال کے ضیاع اور اسراف وتبذیر پر پابندی عائد کی جائے اور حکام بالا سے لے کر نیچے تک دفاتر میں سرکاری تقریبات میں خورد ونوش میں رہن سہن میں غیر پیداواری اخراجات وغیرہ میں بعض دوسرے ممالک کی طرح سادگی، کفایت شعاری اور خود انحصاری کو فروغ دیا جائے فضولیات کا شوق قرضے لے کر پورا کرنے کی بجائے معاشی خوشحالی کے حصول تک صرف ضروریات پر اکتفا کیا جائے۔

معاشی واقتصادی ترقی کا حصول:

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔ اسلام جو ایک فطری مذہب ہے' نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے مال کو انسانوں کے لئے ''مایہ زندگی'' قرار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ (۳۷) فقہاء اسلام نے آیات قرآنی سے استدلال کر کے عدم تضیع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ (۳۸)

معاشی ترقی اور خود انحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں' کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے۔

۳۷۔ سورة النساء : ۵

۳۸۔ جصاص : احکام القرآن تحت آیت

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

کسی ملک کی معاشی تعمیر اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا معاشی و اقتصادی ترقی غربت کے خاتمہ اور خود کفالت کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

(ا) زرعی ترقی: کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی زرعی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روزمرہ کی غذائی ضروریات زراعت اور باغبانی کی مرہون منت ہیں۔ اس لئے ارشاد نبوی ہے:

﴿اطلبوا الرزق فی خبایا الارض﴾ (۳۹)

''رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو''

حضور اکرم ﷺ نے بذات خود بھی مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی (۴۰) آپ ﷺ نے آلاتِ زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا۔ (۴۱) کیونکہ گھروں میں آلاتِ زراعت کو گھروں میں بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں زراعت و باغبانی کے لئے متعدد ارشادات ملتے ہیں۔ (۴۲)

زرعی ترقی کے لئے درج ذیل اصلاحات مفید ہوسکتی ہیں۔

(الف) موات (بنجر اور بیکار سرکاری زمینوں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لئے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ کی جائیں جو انہیں آباد کریں اسلام بنجر زمینوں کو کسی فرد کی ملکیت بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو حکومت کی ملکیت بھی تسلیم نہیں کرتا۔ (۴۳) بلکہ وہ اسے اس شخص کی ملکیت قرار

۳۹۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهیثمی (باب الکسب و التجارة و الحث علی طلب الرزق)

۴۰۔ المبسوط للسرخسی: ۲۲: ۲

۴۱۔ بخاری کتاب الزراعة

۴۲۔ سورة الکهف: ۳۲-۳۳ سورة الواقعه: ۶۳-۶۴

۴۳۔ مجموع فتاوی ابن تیمیه: ۲۸: ۵۸۶

دیتا ہے جو اسے آباد کرے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کی ہے۔ (۴۴)

حضور اکرم ﷺ نے خود بھی کئی صحابہ کو آباد کاری کے لئے زمینیں (جاگیریں) عنایت فرمائیں۔ (۴۵)

(ب) جن جاگیروں کو انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے صلے میں ہزاروں ایکڑ اراضی ملی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کر کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

(ج) جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے یعنی وہ تین سال تک آباد نہ کرے تو وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:۔

''اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اس (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق نہیں۔ (۴۶)

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بلالؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی مؤذن رسول سے وہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں خود حضور اکرم ﷺ نے عطا کی تھی مگر دور فاروقی تک وہ اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔ (۴۷)

۴۴۔(الف) بخاری الجامع الصحیح : ۱: ۳۴۱ ،طبع کراچی

(ب) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص: ۶۴-۶۵ بیروت

(ج) المحلی لابن حزم: ۸: ۲۳۶ مسئلہ ۱۳۴۸ ، مصر

(د) سنن ابی دائود : ۲: ۴۳۷، طبع کراچی

(ہ) زیلعی ،نصب الرایہ (کتاب الغصب)

۴۵۔(الف) کتاب الخراج لیحیی ابن آدم ص: ۹۳ ،طبع بیروت

(ب) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱، طبع اسلام آباد

(ج) ابی داؤد، السنن: ۲: ۴۳۵، طبع کراچی

۴۶۔ بدائع الصنائع کاسانی : ۶: ۱۹۴

۴۷۔(الف) سنن دائود السنن: ۲: ۴۳۵ ،طبع کراچی

(ب) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱، طبع اسلام آباد

یوں تمام غیر مزروعہ زمینیں آباد ہو سکتی ہیں اور جاگیرداری نظام کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(د) زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لئے نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیشِ نظر حضور اکرم ﷺ نے پانی کو سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا ہے۔ (۴۸) سمندروں، دریاؤں قدرتی چشموں حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت نہیں۔ (۴۹) جن صورتوں میں پانی پر شخصی ملکیت کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی زائد از ضرورت پانی کو روک رکھنے اور بیچنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۵۰)

(ھ) زرعی ترقی کے لئے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لئے قرضے، آلات، زراعت وغیرہ) اور بیجوں کی فراہمی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی اور زرعی اجناس کی فروخت کے لئے آڑھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہئے۔

(۲) صنعت و حرفت: معاشی استحکام اور وسائل معیشت میں صنعت و حرفت کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں صنعت و حرفت جو عمرانی اور تہذیبی لحاظ سے نہایت قابل اعتماد اور مستحکم ذریعہ معیشت ہے، کو ذریعہ معاش بنانے کے اشارات ملتے ہیں۔ (۵۲) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اپنے

(ج) یحی ابن آدم، کتاب الخراج ص: ۹۳، بیروت

۴۸۔ سنن ابی داؤد: ۲: ۴۹۲، طبع کراچی

۴۹۔ بدائع الصنائع للکاسانی (کتاب الشرب) ج: ٦

۵۰۔(الف) مسلم الجامع صحیح: ۲: ۸۱، طبع کراچی

(ب) سنن ابی دائد: ۲: ۴۳۵، طبع کراچی

(ج) جامع ترمذی ص: ۲۰۴، طبع کراچی

د) یحی ابن آدم (کتاب الخراج ص: ۱۰۷، بیروت

۵۱۔ طحاوی: شرح معانی الاثار: ۲: ۲۶۱، طبع دھلی

۵۲۔ سورۃ الحدید: ۲۵ سورۃ الاعراف ۳۶ .سورۃ النحل: ۴۴. سورۃ سبا: ۱۱ . ۱۰

ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں (۵۳) آپ ﷺ نے فرمایا:۔

''اللہ اس مسلمان کو پسند کرتا ہے جو صنعت وحرفت کرتا اور کماتا ہے''۔(۵۴)

غذائی اجناس اور ضروری مصنوعات میں دوسرے ملکوں کی محتاجی کسی حالت میں بھی کسی ملک کے لئے خوش آئند امر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے ہر ایسی چیز کی تعلیم اور اس کی تیاری (صنعت) کو فرض (فرض کفایہ) قرار دیا ہے۔ جو مسلمانوں کی دینوی ضروریات اور مادی زندگی کے لئے لابدی ہے۔ (۵۵) موجودہ دور میں صنعتی ترقی اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہے۔ اور جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام مسلمانوں کو دفاعی قوت واستحکام کے لئے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔ (۵۶) چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کو فروغ دیئے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ان چیزوں (صنعتوں) کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ ''کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے۔ (۵۷) اس وقت اقتصادی وصنعتی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ تکنیکی پسماندگی بھی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا سبب صرف پیداوار کا اضافہ نہیں بلکہ ان کی ترقی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے پاس اگرچہ کروڑوں ٹن پٹرول کے ذخائر موجود ہیں۔ مگر ان ذخائر کا معاشی وتکنیکی کنٹرول مغربی ممالک کے ہاتھ میں ہے۔

لہٰذا صنعتی یونٹ میں ترقی کے لئے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولت اور تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات کے استعمال

۵۳۔ مشکوۃ ص: ۲۴۱، طبع کراچی

۵۴۔ امام غزالی۔ احیاء علوم الدین (باب فضل الکسب) ۲: ۶۳

۵۵۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (ابواب طلب الرزق) ج: ۲

۵۶۔ سورۃ الانفال: ۶۱

۵۷۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام: ۱: ۱۵۸

اورخریدار کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے مصنوعات کے معیار پر کڑی نظر رکھنا بھی لازمی ہے۔

(۳) تجارت میں فروغ: تجارت (تبادل منافع (۵۸) تحصیل مال اور اقتصادی ترقی اور غربت کے خاتمہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے (۵۹) تجارت کے فروغ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کے بے شمار دنیوی فوائد اور برکات بتائی ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں ''کتاب البیوع'' وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔ خود بھی تجارت فرما کر اس پیشہ کو اعزاز بخشا۔ (۶۰) اسلام میں تجارت سے مقصود محض نفع کمانا نہیں بلکہ انسانی ہمدردی باہمی تعاون اور خدمت خلق ہے۔ مادی منفعت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے نبی رحمت علیہ ﷺ نے تجارت میں ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن میں لوگوں کا استحصال ہوتا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا دھوکہ ہوتا ہو۔ تفصیل کے لئے صحاح ستہ اور مشکوۃ وغیرہ میں کتاب البیوع کو دیکھا جا سکتا ہے۔

المختصر معاشی ترقی و استحکام اور غربت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ:

i۔ اندرون اور بیرون ملک تجارت کے فروغ کے لئے کاروباری لوگوں کو تمام ممکنہ مراعات اور تحفظ فراہم کیا جائے اور ان پر ناروا ٹیکس عائد کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ٹیکس کی زد بھی بالآخر صارفین پر ہی پڑتی ہے۔

ii۔ کاروباری معاملات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے لئے دیانتدار افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ناپ تول میں کمی ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیوں کا ازالہ کرے۔ مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتکب افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

iii۔ ہر قسم کے معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعے بڑے صنعتکار تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سامان تعیش اور شرعی نقطہ نظر سے ناجائز اور خراب اشیاء کی تیاری اور درآمد پر پابندی عائد کی

۵۸۔ مجلة الاقتصاد الاسلامی عدد ۴۷ ص: ۶ شوال ۱۴۱۵ھ

۵۹۔ سورة جمعه: ۱۵ 'سورة النساء: ۲۹ 'سورة فاطر ۱۲۱ 'سورة البقرة: ۱۶۴ '۱۷۵ '۱۹۹

جائے۔

(۴) دولت کی منصفانہ تقسیم: معاشی ترقی واستحکام اور غربت کے خاتمہ کے لئے لازمی ہے کہ ملک میں وسائل رزق ودولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال ودولت خواہ کسی شکل میں ہو اللہ کا پیدا کردہ اور دراصل اسی کی ملکیت ہے (٦١) انسان کے پاس جو کچھ مال ودولت، زمین اور گھر بار ہے اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خود مختار مالک کی۔ (٦٢) شریعت کہتی ہے کہ دولت کو کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہیں رہنا چاہئے۔ (٦٣) بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی پہنچنی چاہئے جو پیدائشی دولت کے عمل میں اگر چہ براہ راست تو حصہ نہیں لیتے، مگر دولت کے اصل مالک رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں۔ (٦٤) ایسے افراد میں ماں، باپ، اولاد، قریبی رشتہ دار، یتیم محتاج، فقراء، مساکین، سائل، مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔ (٦٥)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے شریعت مصطفیٰ ﷺ نے ایک طرف تو ان تمام راستوں مثلاً سود، اجارہ داری، جوا، صحت استحصال، غبن، دھوکہ، ملاوٹ اور فراڈ وغیرہ کو مسدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے جیسا کہ بد قسمتی سے وطن عزیز میں ہو رہا ہے۔ دوسری طرف زکوۃ، صدقات، نفقات، کفارات وصیت وراثت وقف ہبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیئے ہیں۔ جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

i۔ ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود حرام اور اللہ ورسول سے جنگ

٦٠۔(الف) سیرت حلبیہ: ١: ١٢١ تا ١٢٣، طبع بیروت (ب) طبقات ابن سعد: ١: ١٢١، طبع بیروت

٦١۔ سورۃ المؤمنون ٨٤، ٨٥، ٨٨. سورۃ البقرۃ: ٢٨٤. سورۃ نور: ٣٣

٦٢۔ سورۃ حدید: ٧ (ب) تفسیر کبیر للرازی: ٢٩: ٢١٦ مصر

٦٣۔ سورۃ الحشر: ٧

٦٤۔ سورۃ الذاریات: ١٩

٦٥۔ سورۃ البقرۃ: ٨٣، ١٧٧، ٢١٥. سورۃ التوبہ: ٦٠

تو ہے ہی (٦٦) عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت' ام الخبائث' یا ایسا ''مردار'' ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا ''کنواں'' پاک نہیں ہوگا۔ موجودہ اضطراری حالات میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر مستقلاً اس کی گنجائش نہیں ہوسکتی نہ شرعاً نہ قانوناً نہ اخلاقاً۔

ii۔ دوسرا کام نظام زکواۃ کا مؤثر بھرپور اور دیانتدارانہ نفاذ ہے۔ لنگڑے' لولے اور برائے نام نظام زکوۃ سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اس کو ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت' افلاس' تنگدستی اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج (یا اپریشن) ہے ارشاد نبوی ہے:۔

''یہ زکوۃ اغنیاء سے وصول کی جائے گی پھر اسی علاقے کے فقراء پر خرچ کی جائے گی'' (٦٧)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجہ معاشی تفاوت اور غربت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے موجودہ نظام زکوۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ

کسے نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است وبس

............☆............

٦٦۔ سورۃ البقرۃ: ٢٧٩

٦٧۔ صحیح بخاری (کتاب الزکوۃ) ١: ٢٠٣، طبع دھلی

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں انسداد دہشت گردی

* ڈاکٹر محمد عبداللہ

دہشت کے معنی: ڈر خوف اور خطرہ اور دہشت گردی کے معنی خوف و ہراس پھیلانا ہیں (۱)

انگریزی میں دہشت کیلئے Terror کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: حد درجہ خوف' کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا' اور دہشت گردی کے لئے Terrorism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں: تشدد اور دھمکی کا استعمال۔ (۲)

دہشت گردی ایک عام اصطلاحی لفظ ہے' چنانچہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو انسانی ذہن میں قتل' تشدد اور تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ دہشت اور دہشت گردی میں کچھ فرق ہے جس کا اظہار درج ذیل Definition سے ہوتا ہے۔

''دہشت کو برسر اقتدار سیاسی گروہ کے خلاف بعض سیاسی معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمالِ کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے' اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی'' (۳)

دہشت گردی کی سادہ الفاظ میں تعریف یوں کی گئی ہے:۔

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ و بچار کے بعد تشدّد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی' مذہبی یا لسانی و نسلی مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔ اگر یہ فعل مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو تو ایجنسی مذکورہ یا ریاست کو بھاری

---

* شعبہ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

۱۔ فیروز اللغات' ص ۶۵۸' فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔

۲۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس The Oxford Guide to the English Language, P-537,

۳۔ انعام الرحمٰن سحری' دہشت گردی' ص ۴۳' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور

مالی نقصان سے دوچار کر دے گا۔(۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں دہشت گردی کی وضاحت درج ذیل الفاظ سے کی گئی ہے۔

`` Terrorism , The systematic use of terror or unpredictable violence against Governments , public or individuals to attain a political objective. Terrorism has been used by political organisations with both Rightist and Leftist objectives, by nationalistic and ethnic groups, by revolutionaries and by the armies and secret police of governments themselves "(5)

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں دہشت گردی اور اس کے مقاصد کے بارے میں یہ تحریر کیا گیا ہے:

" Terroisem is the use or threat of violence to create fear and alarm. terrirists murder and kidnap people set off bombs. hijack airplanes, set fires and commit other serious crimes. But the goals of terrorists differ from those of ordinary criminals. Most criminals want money or some other form of personal gain. But most terrorists commit crimes to support political causes"(6)

دہشت گردی کے بارے میں درج بالا آراء سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی وہ فعل ہے جس

۴۔ ایضاً ص۔۴۰

۵۔ The New Encyclopaedia Britannica,Vol 11, P-650 ,

۶۔ The World Book Encyclopaedia, Vol 19, P--178

میں دہشت گرد انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو اغواء کر کے بھاری تاوان طلب کیا جاتا ہے۔ املاک کو آگ لگا کر یا بم استعمال کر کے تباہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہوائی جہاز ہائی جیک کر لئے جاتے ہیں۔ مزید براں جنسی تشدد' مال و دولت کی چوری اور راہزنی کے مختلف واقعات کے پس پردہ بھی دہشت گرد افراد کارفرما ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا Definations سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب افراد بھی کرتے ہیں اور مختلف گروہ' تنظیمیں' بعض سیاسی جماعتیں و(نام نہاد) مذہبی گروہ بھی دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض حکومتیں بھی دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہوتی ہیں۔ دہشت گردی کی ان مختلف تعریفوں Definations سے دہشت گردی کے مقاصد کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض مجرم یعنی دہشت گرد مال و دولت کی ہوس یا دیگر ذاتی مفادات کے لئے دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن عمومی طور پر دہشت گردی' سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔ بعض اوقات نفسیاتی مریض اور معاشرے کے بعض شکست خوردہ افراد بھی اپنی مایوسی (Frustration) کے باعث دہشت گردی کی کاروایوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

دہشت گردی کی مختلف نوعیّتوں اور صورتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ دہشت گردی صرف قومی یا ملکی سطح کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے اور مختلف مما لک اور اقوامِ بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں مثلاً کسی ملک کے خلاف بلا جواز اقتصادی پابندیاں لگا دینا' کسی قوم کو اپنے وسائل اپنے اختیار سے استعمال کرنے سے بزور قوت روکنا' کسی ملک میں مختلف حیلے بہانوں سے افواج داخل کر کے قتل عام کرانا' چھوٹے مما لک کو آپس میں لڑا کر ان کی توانائیاں ضائع کر کے انہیں کمزور کرنا' کسی قوم کو حق خود ارادیت سے محروم کرنا

۷۔ اس کی عملی مثالیں دنیا میں موجود ہیں مثلاً عراق' لیبیا اور افغانستان' پر اقتصادی پابندیاں لگائی گئیں ہیں' عراق کو اپنے وسائل مثلاً تیل کی برآمد کیلئے اقوام متحدہ سے اجازت لینے کا پابند بنا دیا گیا' چیچنیا میں بلا جواز روس نے اپنی افواج داخل کر کے وہاں عوام کے قتل عام کا سلسلہ شروع کیا عراق اور ایران کے مابین جنگ کرا کے ان کے وسائل کو ضائع کرا دیا گیا ہے اور دونوں کی فوجی طاقت کمزور ہو چکی ہے۔ انڈیا نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں کو حق خود ارادیت سے بزور قوت محروم کئے ہوئے ہے۔

وغیر (۷)

بین الاقوامی دہشت گردی کے مقاصد اور صورتیں مختلف ہیں۔ امریکہ کی مشہور زمانہ تنظیم سی۔ آئی۔اے (C.I.A) نے عالمی دہشت گردی کی تعریف یوں کی ہے:

''تشدد تباہی کا خوف پیدا کرنا ہی دہشت گردی ہے اور مقصد یہ کہ سیاسی عزائم حاصل کئے جائیں۔ خصوصاً ان حالات میں جبکہ دہشت گردی کی کاروائیاں ارباب اختیار پر اثر انداز ہونے کے لئے کی جائیں۔ ان کے رویئے تبدیل ہو جائیں۔ حکومتی لوگوں کی بے چینی عام لوگوں کی پریشانی اور ان کا خوف اور دہشت گرد تنظیم کی کامیابیاں اس مخصوص علاقے، ریاست یا حکومت کی سرحدیں پار کر کے عالمی سطح پر ہلچل پیدا کرسکیں۔ (۸)

دہشت گردی کے مرتکب افراد اور تنظیموں کو اس امر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ دہشت گردی کا شکار ہونے والے لوگوں کے اعزہ واقرباء پر کیا گزرے گی اور نہ ان کے نزدیک اس چیز کی کوئی اہمیت ہے کہ املاک کے نقصان سے افراد اور ملکی معیشت کو کتنا نقصان پہنچے گا ایسے افراد اور گروہ اپنی ظالمانہ کاروائیوں پر نادم و پریشان بھی نہیں ہوتے بلکہ مختلف حیلوں سے دہشت گردی پر مبنی اپنی کارروائیوں کے مختلف جواز پیش کرتے ہیں۔

دیگر جرائم اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔ مثلاً چوری کرنا ایک جرم ہے لیکن دہشت گردی صرف جرم ہی نہیں بلکہ خوف و ہراس پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مختلف جرائم کے اثرات وقتی اور چند لوگوں تک محدود ہوتے ہیں لیکن دہشت گردی کے اثرات طویل المیعاد ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

دہشت گردی قومی و ملکی سطح پر ہو یا عالمی سطح پر اس سے حکومت اور عوام دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ معاشرتی سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ انسانی تمدن کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں۔ نتیجتاً زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے اور یہ پوری

۸۔ انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی۔ ص ۴۴۔

انسانیت کے لئے بہت بڑا المیہ ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف اقوام اور مختلف ممالک نے اب تک انسداد دہشت گردی کے لئے کیا اقدامات اٹھائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں یا تو سنجیدہ کوششیں ہی نہیں کی گئیں۔ یا ادھورے اقدامات کئے گئے ہیں۔ یا اس مسئلہ کو مسئلہ ہی نہیں سمجھا گیا کہ بعض قوتوں کا مفاد اس چیز میں مضمر ہے کہ دہشت گردی کا سلسلہ جاری رہے۔

دنیا میں انسانوں کی اکثریت کسی نہ کسی مذہب کی ضرور پیروکار ہے۔ مگر اکثر مذاہب میں دین اور دنیا کی تفریق کی وجہ سے اس مسئلہ کو مذہبی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔ حالانکہ قریباً تمام مذاہب میں قتل و غارت گری جیسے افعال سے روکا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے لیکن اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں احترام حیات انسانی' جان و مال' اور عزت و آبرو کی حرمت کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے لئے وعیدوں اور سزاؤں کا وہ تصور موجود نہیں جو اسلام میں موجود ہے۔ لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ انسداد دہشت گردی کے لئے اسلام کے قوانین و احکام کو مشعل راہ بنایا جاوے۔ اس لئے کہ اسلام ایک الہامی' عالمگیر اور مکمل دین ہے۔

اسلام کے احکام معلوم کرنے کے بنیادی ذرائع اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جس طرح اسلام ایک عالمگیر دین ہے اسی طرح قرآن بھی ایک عالمگیر کتاب ہے اور محمد رسول اللہ ہی عالمگیر پیغمبر ہیں۔ انسداد دہشت گردی کے مکمل احکام قرآن حکیم اور سیرت رسول' دونوں میں موجود ہیں لیکن زیر نظر مقالہ میں صرف سیرت نبوی کی روشنی میں انسداد دہشت گردی پر بحث کی جائے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔ وہ قوم ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھی۔ اس قوم میں احترام انسانیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ وہ ایسی جنگجو قوم تھی کہ ایک قتل کے نتیجے میں انتقاماً کئی قتل کئے جاتے اور دشمنی کا سلسلہ نسل در نسل چلتا اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب کے نتیجے میں تھوڑے عرصہ کے اندر وہ قوم دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی۔ چنانچہ مختلف قافلے بے خوف و خطر ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کرتے اور

کسی کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج دنیا میں انسانی جان و مال کی حرمت کا کوئی قانون کہیں نافذ ہے تو وہ اس انقلاب سے ضرور متاثر ہے جو انقلاب محمد رسول اللہ نے برپا کیا تھا۔ چنانچہ دہشت گردی (جس کا نشانہ عموماً انسانی جانیں اور اموال ہوتے ہیں) کے انسداد کے لئے سیرت نبوی سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا' وہ انسانیت کی ہر قسم کی بھلائیوں کا سب سے بہترین منشور ہے۔ اس خطبہ میں جامع طور پر انسانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ نے اپنے اس آخری خطبہ میں انسانی جان و مال کی عزت و حرمت کو انتہائی مؤثر اور دل نشین انداز میں واضح فرمایا' جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع الا ان احرم الایام یومکم هذا الا وان احرم الشهور شهرکم هذا الا و ان احرم البلد بلدکم هذا الا و ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا .(۹)

"حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا' خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے۔ خبردار تمام مہینوں میں سب سے زیادہ حرمت والا مہینہ یہ ہے' خبردار تمام شہروں میں سب سے زیادہ حرمت والا شہر یہ ہے۔ خبردار' تمہاری جان' تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے)

مؤمن کی جان و مال کی حرمت' اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ اس بارے میں درج ذیل حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا

۹۔ ابن ماجہ السنن جلد دوم' باب حرمة دم المومن و ماله' : ۴۶۸/۲۔ دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور

طواف کرتے دیکھا۔اور یہ فرماتے (سنا) تو کتنا پاکیزہ ہے۔اور تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے۔تو کتنا عظیم اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔(لیکن) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، مومن کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے۔اور ہمیں مؤمن کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے۔"(١٠)

کبیرہ گناہوں کی فہرست کافی طویل ہے لیکن کبیرہ گناہوں میں چار گناہوں کو اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں زیادہ بڑے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ان چار میں قتل (ناحق) بھی شامل ہے۔رسول اللہ کا فرمان مبارک ہے۔

" عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس و عقوق والوالدین و قول الزور."(١١)

"حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ (یہ ہیں) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور جان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض "(١٢)

"میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ کافروں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہیں یعنی قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہیں۔

١٠۔ ایضاً

١١۔ ایضاً

١٢۔ ایضاً

١٣۔ایضاً

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

"عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اول ما يقضىٰ بين الناس يوم القيامة فى الدماء"(۱۳)

"حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

قتل ناحق کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا اهون على الله من قتل مومن بغير حق"(۱۴)

"حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم نے فرمایا' اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔"

بیان کی گئی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ انسانی جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہے خون ناحق کا شمار اکبر الکبائر میں ہوتا ہے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے قتل کا فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔

ناحق قتل سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کو بغیر کسی شرعی سبب کے قتل کر دیا جائے۔ شرعی سبب کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے ثابت ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کسی مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ۔ نکاح کے بعد زنا کرنے۔ یا مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے یا کسی کو بغیر حق کے مار ڈالے اور اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔"(۱۵)

۱۴۔ کتب حدیث

۱۵۔ کتب حدیث

قتل ناحق کی مختلف صورتوں میں ایک صورت دہشت گردی بھی ہے اس لئے کہ دہشت گرد بعض دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لئے بے قصور انسانوں کو بغیر کسی شرعی سبب کے موت کے گھاٹ اتارنے کے قبیح فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انسداد دہشت گردی اس وقت ممکن ہے جب دہشت گرد کو جرم ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اسلام نے مختلف جرائم کے لئے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان پر عملدر آمد سے نہ صرف عدل وانصاف کی تکمیل ہوتی ہے۔ بلکہ عبرت کا وہ سامان پیدا ہوتا ہے کہ جرائم میں کافی حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ دہشت گردی میں کسی انسان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے لہٰذا اسکی سزا وہی ہوگی جو قتل عمد کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ لے، چاہے قتل کرے'' (۱۶)

قرآن وحدیث کی رو سے قتل کی سزا قصاص ہے اور چونکہ دہشت گردی میں انسانی جان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے اس لئے ایسی دہشت گردی جس میں انسانی جان کو قتل کیا گیا ہو اس کی سزا بھی قصاص ہے۔ واضح رہے کہ قصاص میں مسلم وغیر مسلم کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے کیونکہ قصاص کا حکم عام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں درج ہے کہ

''مسلمان کے قصاص میں کافر قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور ذمی کے قصاص میں مسلمان اور ذمی کے قصاص میں ذمی قتل کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔'' (۱۷)

یہاں یہ واضح رہے کہ اس صورت میں قصاص نہیں کہ جب اولیاء مقتول معاف کر دیں یا صلح کر لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا فرامین کی روشنی میں انسداد دہشت گردی کے لئے جو اصول ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۶۔ حدیث نبوی

۱۷۔ فتاوی عالمگیری

۱۔ لوگوں کے اذہان میں یہ تصور اچھی طرح راسخ کرنے کی کوششیں کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا اور پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے نزدیک انسانی جان و مال کی حرمت بہت زیادہ ہے تاکہ دہشت گردی کے عزائم رکھنے والے افراد میں خوف خدا پیدا ہو اور وہ اس بھیانک جرم سے باز رہیں۔

۲۔ تمام کبیرہ گناہوں، خواہ وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے ان کی قباحتوں اور برے انجام کا معاشرے میں احساس پیدا کرنا، خصوصیت سے یہ واضح کرنا کہ قتل ناحق انتہائی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔

۳۔ روز آخرت پر ایمان کی پختگی انسانوں کو پاکیزہ اور پر امن زندگی گزارنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ اور انسان آخرت کے محاسبہ اور سزا کے خوف سے برائیوں سے بچتا ہے دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ قتل ناحق کے برے نتائج کو معاشرے کے سامنے واضح کرنے اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق یہ احساس دلانے کی کوششیں کی جائیں کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ جو لوگ دہشت گردی جیسے ظالمانہ فعل کا ارتکاب کریں۔ ان سے کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے اور ان پر شرعی سزاؤں کے نفاذ میں بالکل تاخیر نہ کی جائے۔ کیونکہ شرعی سزائیں عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور لوگوں میں عبرت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، جس سے معاشرہ میں قتل و غارت گری اور دیگر جرائم کے عازم افراد کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور جرائم میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور امن و آشتی کو دنیا میں قائم کرنے کا علمبردار ہے۔ اس عظیم مقصد کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ جہاد ہے جبکہ بعض غیر مسلم قوتیں جہاد کو دہشت گردی کا نام دے رہی ہیں حالانکہ جہاد کے مقاصد اور دہشت گردی کے مقاصد ایک دوسرے کے متضاد ہیں، جہاد تو مدافعت و حفاظت خود اختیاری کے لئے کیا جاتا ہے۔ معاہدات کو بار بار توڑنے والوں کے خلاف کیا جاتا ہے احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری کے لئے کیا جاتا ہے اور استعمار پسند حکومتوں کے خلاف کیا جاتا ہے۔

جبکہ دہشت گردی کے مقاصد ہی خوف و ہراس پھیلانا اور قتل و غارت گری ہیں لہٰذا جہاد اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔ وطن عزیز پاکستان میں بھی دہشت گردی اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ جس کا انسداد نہایت ضروری ہے۔ اور یہ انسداد اس وقت ممکن ہے جب ملکی دہشت گردی کے اسباب ومحرکات معلوم کئے جائیں اور ان کے انسداد کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ چونکہ اتباع سیرت ہی اجتماعی امن کی ضامن ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ اقدامات سیرت نبوی کی روشنی میں کئے جائیں تا کہ دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہو اور پورے ملک میں امن وامان کا بول بالا ہو۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے اسباب ومحرکات میں سب سے پہلا سبب ہمارا فکری انحطاط ہے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہم نظریہ اسلام کے مطابق قانون سازی نہیں کر سکے۔ چونکہ ہمارے ہاں دینی اقدار کی صحیح طور پر ترویج نہیں ہوئی اس لئے دینی اقدار کو اختیار کرنے میں ہم سخت کاہلی اور سستی کا شکار ہیں عقائد کی پختگی اور اعمال صالحہ کی انجام دہی' ہی ہمیں دہشت گردی جیسی برائیوں سے روک سکتی ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا سبب ہمارا معاشرتی نظام ہے جس میں اخوت' ہمدردی' مساوات' ایثار' درگزر جیسے اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کا رجحان دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور اجتماعی انصاف کا فقدان ہے۔ معاشرتی ناہمواریاں بھی جرائم پر آمادہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ دہشت گردی کا تیسرا سبب ہمارا معاشی نظام بھی ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور فقر وغربت جرائم کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام' دہشت گردی کے محرکات میں چوتھا بڑا محرک ہے۔ آزادی کے بعد طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم اپنے بنیادی نظریہ یعنی اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو مدوّن نہیں کر سکے۔ ہمارا نصاب تعلیم نہ تو ہماری دینی ضروریات پوری کرتا ہے اور نہ دنیوی ضروریات کی تکمیل کا اس میں سامان موجود ہے۔ مزید برآں نئی نسل کی اکثریت زیور تعلیم وتربیت سے محروم ہے جس

۱۸۔

کے نتیجے میں جہالت بڑھ رہی ہے۔نظریاتی تعلیم کا فقدان اورنظریہ اسلام کے مطابق نئی نسل کی تربیت نہ کرنا بھی وہ بنیادی عوامل ہیں جوقوم کو بے راہروی کی طرف لے جارہے ہیں۔اور جرائم عام ہورہے ہیں۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے مختلف اسباب ومحرکات یعنی فکری انحطاط' معاشرتی ناہمواریوں' معاشی خرابیوں اور تعلیمی انحطاط کے تدارک کے لئے ہمیں سیرت نبوی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا' جس میں ہمارے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے۔

............☆............

Let Us know the Quran Better

* Dr. Muhammad Mahdi Tawassali

The means for establishing the messengerhood of the Prophet of Islam are those you scholars certainly know better. The conditions and clear signs which must exist in every bearer of a heavenly message must be shown to exist also in the Prophet of Islam.

Prophethood and messengerhood are closely and inseparatbly linked to the miracle that proves the relationship of the claimant to prophethood with the supra-natural realm; the miracle is the clearest and most objective evidence that disarms those who would illogically deny prophethood, for it demonstrates that the claim of the Prophet is founded on a reality.

All the Prophets had but a single aim in fulfilling their Divine missions; their teachings are all of a similar type, not with standing the peculiarities of the mission of each, and the truths they expounded concerning the supra-natural realm differ only with respect to the degree of detail. It is true that there are diferences with regard to acts of worship and social dealings; a common

* Director of Iran Pakistan Cultural Institute of Persian, Islamabad

principle is implemented in differing ways that take into consideration the specific charactristics of each age and represent an evolutionary process.

It appears that one of the reasons for the variation in miracle, is that in the times of earlier Propets, people were inclined to believe on the basis of material observations of visible objects that lacked any spiritual content. The feeters imposed on human thought by the seers and sages of these times caused people's attention to be limited to a particular realm, which, in turn, was the most significant factor in separating them from God and causing their minds to stagnate. The destruction of such a limited mode of thought was therefore of necessity a principal aim of the Prophets.

The Prophets were entrusted by God with the duty of attacking this source of error by confronting the seers and soothsayers with deeds of a type similar to that which they performed, but enjoying a special advantage that placed them beyond the reach of all competition. By the power of the miracle they negated and destroyed that particular cause of the human being's separation from God-the concentration of their attention on the dazzling acts performed by the soothsayers of the age which enslaved their spirits. By demonstrating their own miracles and

setting forth the realistic principle of Divine relition, they opened the doors of guidances, growth, and development toward perfection, and linked all dimensions of human life and activity to God. All of this survies from the real nature of the miracle.

The Propeht of Islam began conveying his heavenly message in the midst of a society where people's minds revolved exclusively around elequent speech and the composition of beautiful and attractive poetry and literary excellence. Precisely this concentration on a field of activity that cannot be counted among the basic and vital concerns of the human being was an important factor in prolonging the stagnation of thought and lack of attention to the source of all existence. Under these conditions, God equipped His Prophet with a weapon, the Quran, that apparently belonged to the same category as the literary works of the age but possessed unique and astonishing characteristics that wre beyond the capacity of the human being to reproduce.

The Quran's sweetness of speech, the attraction exerted by the verses of God's book, filled the hearts of the Arabs with new feeling and percepiton. Their deep attention was drawn to this Divine trust that had come to them, this inimitable work. Fully versed as they were in the arts and subtleties of rhetoric, they realized that the

extraordinary eloquence of the Quran was beyond the power of man to produce. It was impossible for someone to hear the Quran and understand its meaning without being profoundly affected by its power to attact. From the beginning of revelation, the Quran was,then, the most important factor in bringing the human being to God's religion.

Moreover, if the Prophet of Islam had performed some miracle other than the Quran, it would have had no meaning for that people, given their mental structure. The path have been open for all kinds of doubt and hesitation. But the Rabs of that age who were addressed by the Quran could never have any doubts about its extraordinary eloquence, for they were well aware of all the mysteries of rhetoric and had living among them masters of language and literary composition.

At the same time, since the Quran is intended to be an eternal miracle, revealed to make science and learning blossom among human beings, it is also a scientific miracle. It was expounded, in the most eloquent fashion, truths of a metaphysical nature together with every thing that touches, however slightly, on the happiness of wrretchedness of the human being. Although those who are not acquanted with the Arabic language cannot fully appreciate its

miraculousness, they can perceive the miraculous nature of the meanings and truths it contains.

The limitation in time of the miracles performed by the earlier Prophets was an indication of the impermanence of their religions and the laws that they brought. By contracst, the miracle attesting to the prophethood for th Prophet of Islam cannot be temporally limited, because his message is universal and represents the culmination of all preceding religions; his prophethood requires an eternal miracle, a brilliant and eloquent proof of its immortality.

A permanent message must display to mankind a permanent and everylasting miracle, one which advances with time, so that just as it offered convincing proof to people of the past, it may do the same to people of the future. A short-lived miracle that is imperceptible to later generations cannot be a source of reference or judgmment for the future.

For this reason, the Quran is presented as permanent and everlasting miracle, the final manifestation of God's revelation. The Quran itself says:

وتمت كلمت ربك صدقا وعدلاً لامبدل لكلماته وهو السميع العليم (الانعام ١١٥)

From the very first day when he presentd his religion as a universal school of thought, the influence of which was not to be

contained by geographical or ethnic boundaries, the Prophet of Islam displayed this proof of his messengerhood to the whole of mankind, as a living proof that his mission and the revolutionary movement he inaugurated represented the final chapter in the history of prophet's missions and movements.

The Quran does not represent an ideological weapon for temporary use in moving from an inferior social system to a superior one at a given stage in history; it represents the permanent ideology of the human being living in the social and intellectual order of Islam. The miracle accompanying the mission of the beloved Prophet of Islam brings to an end all the previous messages, limited as they wre to a certain time. In its unique style, the Quran provides the human being with all necessary guidance by means of either recalling the circumstances leading to the revelation of various verses or of recounting of historical narratives or of describing the events that took place during the life of the Prophet, or by means of various similles and comparions that touch on the different concerns of human life and guide the human being in the direction of higher degrees. By analyzing the stories and events contained in the Quran, which include also a distinctively. Quranic mode of judgment, it is possible to reduce certain general principles.

Although the gradual and orderly descent of the Quranic revelation was regarded as a defect by superficial and ignorant people, it should, in fact, be recognized as a principal factor in the triumph of the Prophet's message, given the conditions of the age and the events with which he was confronted.Just as chronic disease require long-term treatment, a continuous struggle agaisnt the factors that constantly prevent the human being form perceiving the truths of existence and stand in the way of his growth and development must be grounded on a firm ideational basis and a comprehensive social organization.

Only then will it be able to implement it goals over a period of time and guide human beings to its ultimate purpose - their liberation from self-alienation.

Solutions whose efficacy does not transcned events limited in time and space will be unable to solve the problmes of the human being. Islam represents the only system which is able to answer those problems because of the attention it pays to all phenomena.

For Muslims, the miraculousness of the Quran is matter of religious belief; for scholars and researchers, it is a matter of scientific belief; The Quran possesses a remarkable comprehensiveness and richness, with respect to its worldview and

scientific content, and its ability to guide the individual and society. There are still many matters contained in the Quran that call for investigation and await discovery by further reserch.

The Extraordinary Richness of The Quran:

The Quran represents the Principal source of all researches concerning the Islamic school of thought. Moreover, in every age and every part of the world, It can serve as the basis for a developed and free society which enables all the hidden capacities and potentials of the human being to blossom in all their dimensions; it lays down a path to the idea society and the government of God.

More than fourteen centuries have passed since the revelation of the Quran. Throug out this period, mankind has undergone umerous changes, and passing through repeated stages of development and growth, it has attained a more comprehensive awareness of the mysteries of creation. Nonetheless, the Quran has at all times retained its proud and dignified presence on the stage of human history.

When this mircle first came into existence, at a time when the foundations of human thought and not fully developed, it served to prove categorically the messengerhood of the Prophet of Islam. In the present age, as the human being discovers in the treasure

house of the Quran, more and more remarkable indications, commensurate with his own growth in perception, knowledge and civilization, the Quran still stands as a permanent historical miracle and a living universal proof for the veracity of the Sea of the Prophets. The increase in the volume of human knowledge and the opening up of new horizons of thought have given us the chance to benefit more fully from the Quran than past generations.

If the Quran had been to able establish itself only during a certain segment of time and in a limited spatial environment, it would not have been able thus miraculously to advance together with time. The reason for the eternal vitality and authenticity of the Quran is that it has always been a source for spiritual guidance and command in the face of the cahnging events of time.

History bears witness that the emergence of the Seal of the Prophets and his mode of activity with in society marked the beginning of a new stage in human thought and ratiocination and in the developemnt and expansion of the will and independence of the human being. For in his growth to maturity, the human being now advanced in his investigations from the stage of more observation to place of simplistic assumption. All this is indicated by the fact the human beings; acceptane of true faith was no longer on the basis of

miracles involving supranatural or extraordinary phenomena, as was the case with the mission of previous Prophets.

Human beings turning to faith on the basis of knowledge and thought something to which the Quran repeatedly invites human beings - represents itself the miracle wrought by the heavenly message as Islam. Reliance on sensory miracles would not have been compatible with the nature of the final Divine message and its aim of liberating the human being and fostering the growth of his intellect. God, therefore, prepared the human being in the course of many thousands of years to receive the final guidance. Our investigations of the Quran can be of value only when we empty our minds of all pre-existing notions and attitudes, because fanatical convictions concerning the contents of the Quran will yield nothing but mental stagnation and immobility. This is a pitfall that every alert and fair-minded researcher must seek to avoid.

It is an undeniable reality that the Quran is too elevanted a book to be the product of ideas held by a group of scholars. It is even more impossible for it to have been produced by a single individual or to have been borrowed by him from other sources, particularly an individual who was unlettered, had not even stuadied, and had grown up in the degenerate environment of the Arabian

peninsula at that time, an environment which was **totally** alien to science and philosophy.

When we consider the system and program of action proposed by the Quran for the uplift of the human being and compare it with the laws and systems of the past, wer realize that it borrowed nothing from them and bore no resemblance to them. It represents an entirely new phenomenon, original and unprecedented in its fundamental nature, and among it lofty aims are the transformation of human societies and their restructing on the basis of justice, equality, and freedom for the oppressed and depreived masses.

The Quran speaks in detail of the history earlier Prophets and their communities, referring constrantly to the events that occurred during their careers. When we encounter the narratives contained in the Quran, the events that it relates, we are brought into direct contact with reality, in an unparalleled fashion. Every reference they contain, direct and indirect, acquaints us with the very substance of truth. It is, then, totally impossible that the narratives of the Quran should have been borrowed from the Torah or the Gospels. The Quran always presents the stories of the Prophets in a possitive frameswork by changing and modifying them so as to purge them of

unworthy excesses and elements contrary to pure monothesim, reason, and sound religious thinking. A coping would have resulted in mere imitation, and would have been entirely negative.

A french scholar Dr. Murice Bucaille, expresses himself as follows on this point: "In the West, Jewes, Christians and Atheists are unamimous in stating (without a scrap of evidence, however) that Muhammad "peace be upon him"wrote the Quran or had it written as an imitation of Bible. It is claimed that stories of religiou history in Quran resume Biblical stories. This attitude is as thoughtless as saying that Jesus Himself duped His contemporaries by drawing inspiration from the Old Testament during His preachings: the whole of Mathew's Gospelis based on this continuation of the Old Testament.... What expert in exgesis would dream of depriving jusus of his status as God's envoy for this reason?

"The existence of such an enormous difference between the Biblical description and the data in the Quran concerning the Creation is worth underlining once again on account of the totally gratuitous accusatios leveled agaisnt Muhammad (peace be upon him) since the beginnings of Islam to the effect that he coppied the Biblical description. As far as the Creation is concerned, this

accusation is totally unfounded. How could a man living fourteen hundred years ago have made corrections to the existing description to such an extent that the eliminated scientifically inaccurate material and, on his own initiative, made statements that science has been able to verify only in the present day. This hypothesis is completely untenable. The descritipn of the Creation given in the Quran is quite different from the one in the Bible."

Taking these factors in to consideration, no truth-lovingindividual can conceive of an origin other than Divine revelation for the Quran which is not only a book, but also a proof of messengerhood and a manifestation of the miraculousness that supported the Prophet.

The Quran thus came to be the profound, brilliant and eternal miracle of God's Messenger enabling the teachings and laws of Islam to retain their validity through time. The Divine comands and instructions were made manifest in pharases and sentences that were marked by miraculousness, thus implementing God's will for the preservation of religion when faced with the assaults of rencorous enemies and for the frustration of their conspiracies.

Through the permanence and stability of the mould in which God's Commands are uniquely set, these enemies who would reach

out against them in order to change and distort them are permanently prevented from attaining their goal; the eternal teaching and laws of God will last throughtout time, immune from change or distortion.

Another aspect of the miraculousness of th Quran which has had a great effect is the revolutionary transformation it brought about in human civilization. A matter calling for serious attention in the study of Islam is the fact that it received no assistance from factors external to itself when it began to careate the nucleus of a universal society out of a scattered and disunited people that lacked all science and free thought and did not even seek to unify its constituent tribes; and when it began, moreover, to found a uniquely, vast and spiritual civilization. All the factors for changing the world,for putting forward an international law with the slogan of unity among races, peoples, and social classes, for creating a movement for the liberation of thought and the ennoblingof knowledge, were derived from the very text of the Quran, from the culture that emerged from the Quran and from the Islamic ordered Islam never relieved on a government or a power situated outside the society it had itse f brought into being.

Even the aggressors who attacked the Islamic lands and triumphed over the Muslims, thanks to their military superiority, lost

their dominance in the end when they were confronted with the spiritual power of Islam, and they adopted the religion of the people they had conquered. This history of nations does not record any other example of a victorious aggressor adopting the religion of the people it had defeated.

............☆☆☆............